زیبِ بہارِ کتب نشان بعونِ خالقِ کون و مکان

حصۂ اوّل

کتاب مستطاب

مسمّٰی بہ

عسلِ مصفّٰی

جس میں حضرت مسیح ناصری کی وفات اور حضرت مسیح موعود کے دعاوی کا
اثبات بدلائلِ عقلیہ و نقلیہ بوضاحتِ تام کیا گیا ہے

از تالیفِ

زبدۃ الحکماء مولوی و منشی فاضل ابو العطاء مرزا خدا بخش صاحب قادیانی

بدورانِ امیر المؤمنین و خلیفۃ المسلمین سیدنا و مولٰنا علامہ نور الدین

بماہِ اگست ۱۹۱۳ء مطابق غرہ رمضان المبارک
سنہ ۱۳۳۱ھ

در مطبع وزیر ہند امرتسر طبع گردید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی

ہم نے بنی نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ایک دیسی شفاخانہ کھولا ہوا ہے جس کا نام شفاخانہ احمدیہ ہے جس میں ہر مذہب و ملت کا علاج بڑی توجہ سے کیا جاتا ہے شفا تو خدا دیتا ہے کیونکہ شافی حقیقی وہی ذات پاک ہے۔ البتہ جسقدر انسانی کوشش اور تجربہ ممکن ہوسکتا ہے اُسی حد تک سعی بلیغ کیجاتی ہے اور پوری توجہ سے بیمار کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اُسکے مناسب حال دوائی دیجاتی ہے۔ دوائی ہم اپنے شفاخانہ میں اپنی ہی تیار کردہ رکھتے ہیں جو نہایت احتیاط سے تیار کیجاتی ہے اور مناسب قیمت پر دیجاتی ہے۔ لہذا اطلاع دیجاتی ہے کہ جو صاحب کسی مرض کے متعلق علاج کرانا چاہیں۔ ایک دفعہ ہمارے پاس آجائیں تو بہتر ورنہ اپنا مفصل حال معہ ہسٹری مرض خود لکھکر ملفوف کر کے بھیجدیں اُسپر غور کرنے کے بعد دوائی تجویز کر کے بھیجدیجائیگی۔ اور قیمت بھی مناسب حال اور زیادہ نہ ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور ہر مرض کی دوا قیمتاً اس شفاخانہ سے بکفایت ملتی ہے +

عاجز

ابو العطاء مرزا خدا بخش زبدۃ الحکماء

فہرست مضامین کتاب عسل مصفیٰ جلد اول

نمبر	نام مضمون	نام صفحہ
۲۴	فہرست کتب تفاسیر	۱۰۰
۲۵	چوتھا باب الہامی یا آسمانی کتابوں کی پیشگوئیوں کے بارہ میں	۱۰۵
۲۶	۱- ذکر حضرت یحییٰ علیہ السلام	۱۰۸
۲۷	۲- بشارات حضرت مسیح علیہ السلام مسیح ناصری	۱۱۰
۲۸	۳- بشارات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۵
۲۹	مماثلت حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بموسیٰ علیہ السلام	۱۱۸
۳۰	قرآن کریم کی پیشگوئیاں	۱۲۶
۳۱	رویا واجب الحمل ہے	۱۴۷
۳۲	وجہ کہ کیوں باہم الہام مخالف ہوتے ہیں	۱۵۰
۳۳	پانچواں باب مجددین کے بارہ میں	۱۵۲
۳۴	مجدد کس کو کہتے ہیں	۱۵۷
۳۵	زمانہ مجدد پر بحث	۱۵۸
۳۶	ورثۃ الانبیاء کے متعلق بحث	۱۵۹
۳۷	مجدد کی پہچان کا طریق	۱۶۱
۳۸	پہلی فصل اس باب میں کہ ۱۳ صدیوں میں کون کون مجدد ہوئے ہیں	۱۶۲
۳۹	پہلی صدی میں کون کون اصحاب مجدد ہوئے ہیں	۱۶۳
۴۰	دوسری صدی میں کون کون اصحاب مجدد ہوئے ہیں	۱۶۳
۴۱	تیسری صدی کے مجددین	۱۶۳
۴۲	چوتھی صدی کے مجددین	۱۶۳
۴۳	پانچویں صدی کے مجددین	۱۶۴
۴۴	چھٹی صدی کے مجددین	۱۶۴
۴۵	ساتویں صدی کے مجددین	۱۶۴
۴۶	آٹھویں صدی کے مجددین	۱۶۴
۴۷	نویں صدی کے مجددین	۱۶۴
۴۸	دسویں صدی کے مجددین	۱۶۵
۴۹	گیارھویں صدی کے مجددین	۱۶۵

نمبر	نام مضمون	نام صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں حمد اُس ذات ذوالمنن کے لئے ہے جسنے میرے جیسے عاجز ناتوان کو ایک ایسے عظیم الشان کام کے سرانجام کرنیکی توفیق عطا کی جسکا بجالانا فاضلانِ کامل و عالمانِ جید کا کام تھا مگر قادر و توانا خدا کی قدرت کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ وہ ذات قدیر جس سے چاہے اور جس طرح چاہے کام لے سکتی ہے، میرے جیسے کم علم اور بے سامان سے کام لیکر اپنے قادر مطلق ہونے کا ثبوت دیا، اوّل کس طرح میرے اندر دینی جوش رکھا پھر کس طرح سفروں کے سامان مہیّا کیئے اور پھر کس طرح مباحثات کا ڈھنگ ڈالا اور پھر کسطرح مطالعہ کتب کا شوق پیدا کیا اور پھر کس طرح کتاب **عسل مصفّیٰ** میرے ہاتھ سے لکھوائی، ان کیفیات پر جب میں نظر ڈالتا ہوں تو محو حیرت ہو جاتا ہوں۔ اور قادر مطلق کی ہستی پر میرا ایمان ترقی کر جاتا ہے اور اُسکی لامحدود طاقتوں پر قوت متخیلہ سر بسجود ہو جاتی ہے۔ الغرض یہ اُسی ذات والاصفات کا احسان ہے جسنے مجھ ناچیز کو نیست سے ہست کیا اور اُسی کا فضل ہے کہ اُسنے مجھ گمنام کو بانام بنایا یہانتک کہ مجھ پر رویات صادقہ و الہامات صحیحہ کا دروازہ کھولا اور استجابت دعا کا درجہ عطا کیا اور ابتدا سے لیکر ابتک میرے ساتھ یہ سلوک جاری رکھا ہے کہ جو واقعات میرے ساتھ پیش آنیوالے ہوتے ہیں اُنکی نسبت پیش از وقت خبر کر دیتا ہے، وَالحمدُ للہِ عَلٰی ذٰلِکَ

اُس منعم حقیقی نے صرف اپنی ذات تک اس امر کو محدود نہیں رکھا بلکہ مخلوقات میں بھی اسکا اثر ڈال دیا
چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر میں ایک وقت جو قرب و عزت عاجز کو حاصل تھی اُس سے
بہت لوگ رشک کرتے تھے پھر ایک بزرگ کو رویا میں میری نسبت دکھلایا کہ گویا میں ضرار بن الازور
ہوں، میں حیران تھا کہ مجھے ضرار بن الازور سے کیا مناسبت ہے ''ضرار بن الازور ایک بہت بڑے
جلیل القدر و عظیم الشان صحابی تھے جنہوں نے دینی جنگوں اور جہادوں میں بڑا نام پایا تھا. وہ
اسقدر دلیر تھے کہ تن تنہا اور برہنہ بدن لشکر کفار میں اس زور شور سے گھس پڑتے تھے کہ صفوں کی
صفیں اُلٹ دیتے اور کُشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے'' لیکن جب مجھے ہندوستان کے اطراف اکناف
میں سفر پیش آئے اور مباحثات و مناظرات علماء زماں سے واقع ہوئے تو مجھے خیال ہوا کہ ان ہی
وجوہات سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ضرار بن الازور کی مشابہت دی ہے کیونکہ میں بھی موجودہ جنگوں
میں جبکہ تکفیر کا بحر مواج جوشوں پر تھا اور ہر طرف طعن تشنیع کا بازار گرم تھا تن تنہا بلا کسی سامان
کے نکل کھڑا ہوا، سیکڑوں سے مقابلہ ہوا، ہزاروں کو تبلیغ کرنے کا موقع ملا، مگر مجھے ایک منٹ کیلیے بھی
ہراس و خوف نہیں ہوا، **دہلی** میں تین علماء سے مباحثات کا موقع پیش آیا، ایک تو مولوی مرزا عبد اللہ
بیگ صاحب سے جولال دروازہ کے اندر حدیث و تفسیر پڑھایا کرتے تھے، دوسرا مولوی مرزا
ضمیر الدین احمد صاحب برادر نواب امیر الدین احمد خانصاحب نواب لوہارو سے، تیسرا مولوی عبد الرب
صاحب امام مسجد بازار صدر دہلی سے جو اہل حدیث میں ایک جنگجو مولوی مشہور ہیں، اور **گوالیار**
میں مولوی عبد الغفار صاحب سے جو وہاں کے مفتی اعلیٰ و ممبر ندوۃ العلما تھے

الہ آباد میں مولوی محمد حسین صاحب سے جو صوبہ یوپی میں ایک بڑے مفتی اور عالم بے بدل
اور ممبر ندوۃ العلما تھے۔

مدراس میں مولوی محمد ابراہیم صاحب سے جو مدرسہ دیلور سے فضیلت کی دستار حاصل کئے ہوئے تھے
بنگلور میں مولوی عبد القدوس صاحب سے جو ایک بڑے پایہ کے عالم تھے اور جنکی مسجد سنگ لشکر
اور سنگ موسیٰ کی مشہور ہے اور جنکو دربار والسرائے میں کرسی ملتی ہے اور اُنکے خلف الرشید سے
جو تازہ دستار فضیلت حاصل کر کے آئے تھے۔

میسور میں مولوی سکندر صاحب سے جو ایک بہت متکبر عالم تھے۔ ہزاروں لوگوں کے
مجمع میں مباحثہ ہوا، اور خدا نے میرے ہاتھ سے اُنکے تکبر کو ایسا توڑا کہ وہاں میسور کے بازاروں

میں بچہ بچہ جانتا ہے۔

کراچی میں مولوی عبداللہ صاحب سے جو سب سے بڑے عالم اُس علاقہ میں ہیں۔

شمس آباد ضلع راولپنڈی میں مولوی عبدالحق صاحب سے جنکی مدد میں دو اور عالم بھی تھے۔

کشمیر میں مفتی صدر الدین صاحب سے۔

جھنگ میں مولوی محمد امیر صاحب سے۔ **ڈیرہ غازی خاں** میں حکیم خیرالدین صاحب سے جنکے مناظرہ کے بعد شہر کے کسی عالم کو مباحثہ کی جرأت نہوئی باوجودیکہ سیکڑوں آدمی علما کی خدمت میں گئے اور مباحثہ کے لیے زور لگایا۔

بھوپال میں مولوی عبدالحق صاحب مفتی۔ و مولوی محمد سلیمان صاحب خلف الرشید مولوی عبدالقیوم صاحب و مولوی عبدالعزیز صاحب نائب مفتی سے جو بڑی تیز مزاج عالم تھے۔ خیرآباد میں جو ملک اودھ میں واقع ہے مولوی عبدالحق صاحب مشہور منطقی کی طرف گیا مگر افسوس کہ وہ کسی اور جگہ گئے ہوئے تھے، مجھے واپس آنا پڑا۔ اور ہر جگہ کامیابی ہوئی۔ الغرض بہت کم اتفاق ہوا ہے کہ ہندوستان کے اکثر بلاد و قرای میں جہاں جانے کا اتفاق ہوا ہو اور وہاں گفتگو اور مباحثہ نہوا ہو۔ حتی کہ امرا تک بھی تبلیغ کی گئی۔ حیدرآباد دکن میں نواب سکندر نواز صاحب بہادر، اور لکھنؤ میں مرزا ہمایوں قدر صاحب بہادر، اور دہلی میں حکیم حسن رضا صاحب برادر حکیم محمود خانصاحب، شمس آباد میں ملک محمد امین صاحب، شاہ پور میں آنریبل ملک عمر حیات خانصاحب، علیگڈھ میں سید احمد خانصاحب بہادر و مسٹر محمود صاحب جج ہائیکورٹ جنپر میری تقریر کا ایسا اثر پڑا کہ عاجز کو حکم دیا کہ اسیوقت تار دو کہ کل کتب حضرت مسیح موعود بذریعہ وی پی بھیجی جائیں چنانچہ فوراً کتب مطلوبہ بذریعہ وی پی وصول فرمالیں۔ شملہ میں ہز ہائنس جناب نواب احمد علیخانصاحب بہادر نواب مالیر کوٹلہ سے تبلیغ بلیغ کی گئی۔ اور ان امرا میں سے سب نے شوق سے میری گفتگو کو سنا اور کسی سے کبھی ملال کی علامت ظاہر نہوئی بلکہ عزت سے پیش آتے رہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ اور کیا یہ کم شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاکسار نابکار کو ایک بزرگ کی رویا میں ضرار بن الازور کی صورت میں دکھایا اُسی رویا میں اُسی بزرگ کو حضرت مسیح موعود کو خالد بن ولید کی صورت میں اور حضرت مولانا علامہ نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کو ذوالکلاع الحمیری کی صورت میں اور مولوی عبدالکریم صاحب کو

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی صورت میں، اور اسی طرح اور بہت سے بزرگان سلسلہ کو مختلف صحابہ
کی صورت میں دکھایا گیا، جو بلا زمینی اوزار کے آسمانی اوزار سے مسلح ہیں اور فتوحات کرتے
چلے جاتے ہیں، یہ تو بہت سال کی بات ہے مگر حال میں حاجی گل محمد صاحب افغان نے جو ایک
بڑے نیک سیرت ولی اللہ ہیں میری نسبت دیکھا ہے کہ گویا میں حضرت عیسٰی علیہ السلام مسیح ناصری
ہوں، اور ہماری جماعت کے مشہور ولی اللہ حضرت مولوی عبدالستار صاحب کابلی ذی اثکی یہ
تعبیر فرمائی ہے کہ آجکل جو کتاب عسل مصفّٰی نکلنے والی ہے اس سے مخلوقِ خدا کو بہت بڑے
فوائد پہنچینگے اور ہزارہا مردہ دل زندہ ہونگے، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

چونکہ میں نے اس کتاب کو ابتغاءً لوجہ اللہ لکھا تھا اور آئندہ میرا کوئی ارادہ اسکے طبع
کرانیکا نہ تھا اور یہی خیال تھا کہ جو چاہے اسکو چھپوالے اور اسی وجہ سے اسکی رجسٹری بھی نہیں
کرائی گئی تھی، اور جب کوئی نسخہ میرے پاس نہ رہا تو لوگوں کے بہت سے خطوط آنے لگے کہ کتاب
وی پی کرکے بھیجدو، مگر میں کہاں سے بھیجتا۔ کوئی نسخہ مل ہی نہیں سکتا تھا، جب لوگوں کے اشتیاق
کو بیحد بڑھا دیکھا تو میں نے اخی مکرمی جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ سکرٹری صدر انجمن
احمدیہ کو لکھا کہ انجمن اپنے خرچ سے اسکو طبع کرالے تو میں حق تصنیف معاف کردونگا، مگر خدا معلوم
کیا وجہ ہوئی اسکا جواب مولوی صاحب موصوف سے مجھے نہ ملا تو میں خاموش ہو رہا۔ تھوڑے
عرصہ کے بعد یعنی قریب تین سال کا عرصہ ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے رویا میں دکھلایا کہ "
ایک بڑا وسیع میدان ہے وہاں ایک جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مزار شریف ہے۔ اور
اُس میدان کے کناروں تک آدمی نظر آتے ہیں، کیا دیکھتا ہوں کہ قبر شق ہوگئی اور میں بلند
آواز سے کہتا ہوں کہ دیکھو! حضرت مرزا صاحب میری اُس سفید دوائی سے زندہ ہوگئے جو
میں نے پہلے دی تھی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مزار شریف سے باہر آئے تو میرے
کندھے پر ہاتھ رکھکر میرے ساتھ چلنے لگے، اور میرے دل میں جوش پیدا ہوا کہ میں کسی طرح جلدی
دوڑ کر حضرت صاحب کے گھر کے لوگوں کو کہدوں کہ حضرت صاحب زندہ ہوگئے ہیں اور وہ
آرہے ہیں، اُسوقت بارش بھی بڑی کثرت سے ہوئی ہوئی تھی اور کھیتوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔
اسی حالت میں حضرت صاحب کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے جارہے تھے کہ آنکھ کھل گئی" اور یہ
نظارہ میری آنکھوں میں دیر تک رہا۔ اس خواب کو میں نے بہت سے احباب کو سُنا دیا تھا

اور حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح کو بھی تحریر کر دیا تھا، میں نے تو یہ تعبیر کی تھی کہ میری کتاب **عسل مصفےٰ** سے اگر میں نظر ثانی کروں تو خلق خدا کو اسقدر فائدہ پہنچے گا کہ گویا خود مسیح علیہ السلام دوبارہ زندہ ہو کر فائدہ پہنچا رہے ہیں، اور سفید دوائی سے مجھے یہی معلوم ہوا کہ **عسل مصفےٰ** پہلے ہی سے مقبول عام اور مشہور انام ہو چکی ہے اس سے دوبارہ بہت ہی فائدہ ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔ وللہ الحمد،

جب یہ خواب میں نے دیکھی تو میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ **عسل مصفیٰ** کی نظر ثانی کر کے دوبارہ چھپایا جائے، اگر بوجہ سرمایہ توقف ہوتا رہا، آخر جب حضرت امیر المؤمنین جناب خلیفۃ المسیح نے ارشاد فرمایا کہ کتاب **عسل مصفےٰ** کی تصحیح و نظر ثانی کر کے چھپواؤ تو یہ میخ آہنی کی طرح یہ بات دل میں گڑ گئی کہ توکل علی اللہ کام کو شروع کر دیا جائے چنانچہ ایک بڑی محنت شاقہ کر کے رات کے دو دو تین تین بجے تک کتاب مذکور کی نظر ثانی میں مصروف رہتا رہا اور اس وقت جسقدر نئی کتابیں حضرت امام علیہ السلام کے کتب خانہ میں آئیں تھیں اُنکا مطالعہ شروع کر دیا اور اسکے سوا اور بہت سی کتابوں کے دیکھنے کا موقع ملا، چنانچہ میں نے تفسیر **جامع البیان** لابی جعفر محمد بن جریر طبری جو ۳۰ جلدوں میں ہے ابتدا سے لیکر انتہا تک بغور دیکھا، اسکے سوا

تفسیر البحر المحیط لابی حیان مالکی رحمۃ اللہ علیہ۔

تفسیر النہر الماد من البحر لابی حیان مالکی رحمۃ اللہ علیہ۔

تفسیر الدر اللقیط من البحر المحیط لامام تاج الدین ابی محمد احمد بن عبد القادر القیسی الحنفی النحوی المتوفی فی سنۃ ۷۴۹۔

تفسیر محمدی پنجابی حافظ محمد لکھوکے والے کی دوبارہ دیکھی گئی کیونکہ اکثر اہل حدیث دیہات میں اس تفسیر کو پسند کرتے ہیں۔

تفسیر الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن لعارف باللہ الشیخ عبد الرحمن الثعالبی مطبوعہ مطبع الجزائر

تفسیر حیات القلوب بر حاشیہ جلالین مع کمالین۔

علاوہ اسکے حوالجات کی تصحیح کے لئے قریباً کل کتب کو از سر نو نکالکر مقابلہ کیا گیا۔ غرض جہانتک بشری طاقت تھی اُسکو کام میں لایا گیا۔

بالخصوص کتاب کنز العمال کو جو احادیث کا ایک عظیم الشان خزانہ ہے بغور دیکھا گیا۔

مزید برآں جدید کتب احادیث سے جو پہلے دیکھنے میں نہیں آئیں تھیں حسب ذیل کتب دیکھی گئیں۔
اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم لابی عبد اللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ
مکمل اکمال الاکمال لامام ابی عبد اللہ محمد بن محمد یوسف السنوسی۔
مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔
مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ مطبوعہ مطبع مصطفائی۔
مسند امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔
مسند امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔
علاوہ ازیں کتب فقہ جو پہلے اس ملک میں نہیں تھیں دیکھیں اور مطالعہ کیں۔
اُم شافعی لامام ابی عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ فی اصول الفقہ بروایۃ الربیع ابن سلیمان مطبوعہ مطبوعۃ الکبیری الامیریہ مصر۔
مدونۃ الکبریٰ امام مالک رحمۃ اللہ۔
کتاب المبسوط شمس الدین السرخسی۔
فتاوی الشیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ۔ دیوان خواجہ معین الدین۔ رسالہ درد وغیرہ
کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل للامام ابی محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری المتوفی ۴۵۶ ہجری۔ مطبوعہ مطبعۃ الادبیہ مصر۔
کتاب تاریخ الرسل والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری مطبوعہ مطبع ہالنڈ۔
انکے سوا اور بھی کتابیں دیکھی گئیں مثلاً مجموعہ خطب مثنوی مولانا روم شرح گلشن راز. رسالہ سیاہ سالار. نالہ عندلیب
اس دفعہ نظر ثانی میں بعض جگہ کمی بھی کی گئی ہے اور اکثر مقامات پر زیادتی بھی کی ہے اور جدید مضمون بھی داخل کیا ہے۔ اور چند دیگر کتب اہل تشیعہ بھی نظر سے گذری ہیں۔ مثلاً
بحار الانوار۔ کتاب جامع الاخبار۔ مجالس المومنین۔ حق الیقین۔ فروع کافی۔
اکمال الدین و تمام النعمۃ فی اثبات الغیب وکشف الحیرۃ من تصنیفات الشیخ السعید ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی مطبوعہ مطبع ایران۔
انگریزی میں۔ ٹرائل آف جینرز مصنفہ گلوؤنی روسادی ممبر پارلیمنٹ اٹلی وایڈوکیٹ عدالت اٹلی۔

دی ان نون لائف آف جیزز مصنفہ ناٹووچ روسی سیاح۔
دی کروسی فکشن آف جیزز۔
امید واثق و یقین کامل ہے کہ یہ جدید طبع کتاب پہلے سے زیادہ قبولیت حاصل کریگی اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کی ہدایت کا موجب و مزید ایمان ایقان کی باعث ہوگی ناظرین کتاب سے امید ہے کہ مصنّف کے حق میں دعاء خیر کرینگے اور فراموش نفرمائینگے
اب ہم ذیل میں اُن بزرگاں کی تقریظات و ریویو درج کرتے ہیں جنہوں نے کمال مہربانی سے میرے ناچیز تحفہ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اُسکی قدر کی، مجھے اُن بزرگوں کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں وہ لوگ ایسے نہیں جو تعارف کے محتاج ہوں اُنکے نام ایسے ہی روشن ہیں جیسے الشمس فی النہار۔

ہاں پیشتر اسکے کہ میں اُن آراءِ بزرگاں کو لکھوں اس بات کا ظاہر کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب عاجز نے بوقت اول ایڈیشن کتاب عسل مصفّٰی بحضور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش کی تو وہ کتاب کو دیکھکر بہت مسکرائے بعدازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ آپ ہی ہر روز بعد نماز مغرب اسکو سنادیا کریں۔ چنانچہ بہ تعمیل ارشاد کئی ماہ تک مغرب سے عشاء تک سناتا رہا اور بعض دفعہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ جب بعض صاحبان نے مجھے مغرب سے پہلے کہدیا کہ آج ہم کچھ بحضور مسیح علیہ السلام سُنانا چاہتے ہیں تو میں کتاب ہمراہ نہ لیجاتا، مگر حضرت اقدس کو اسقدر دلچسپی اس کتاب سے ہوگئی تھی کہ جب میرے ہاتھ میں کتاب نہ دیکھتے تو فرماتے کیوں کتاب نہیں لائے جاؤ لاؤ اور سُناؤ، غرض کہ دو تین ماہ تک برابر شوق سے سُنتے رہے حتیٰ کہ ختم ہوگئی، اور اسقدر خوش ہوئے کہ ایکدفعہ زنانخانہ میں جبکہ بہت سی مستورات جمع تھیں فرمایا کہ مرزا خدابخش صاحب نے ایسی عمدہ کتاب لکھی ہے کہ میرے مریدوں میں سے کسی نے آجتک ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی جسکو سُنکر مستورات خواندہ کو بھی اُس کتاب کے پڑھنے کا شوق ہوا اور کئی ایک مستورات نے کتاب خریدکی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کتاب کو اسقدر پسند فرمایا کہ بحضور حضرت مسیح علیہ السلام و روبروئے تمام جماعت احمدیہ جو بروز عید جمع تھی خطبہ عید میں اس کتاب کی تعریف فرمائی۔

عاجز ابو العطاء مرزا خدابخش

تقریظات

وآرائے بزرگانِ ملّت بر کتاب

عسلِ مصفّٰی

خط حضرت افصح الفصحا وابلغ البلغا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

{نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم}

برادرم مرزا خدا بخش صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں نے آپکی کتاب **عسلِ مصفّٰی** پوری پڑھی ہے حق تو یہ تھا کہ میں اسپر ریویو کرتا اور ان خصوصیات پر مفصّل واضح گفتگو کرتا جو آپکی کتاب سے خاص ہیں مگر اسوقت بعض ایسے موانع درپیش ہیں کہ میں اس بھاری فرض کو ادا نہیں کرسکتا میں نے آپکی کتاب کو اول نظر میں سبک ہاتھ سے اُٹھایا اور غیر ملتفت دلسے دیکھا مگر میں صاف اقرار کرتا ہوں کہ اس کتاب نے بڑی قوت اور پورے رعب سے تجلیل اور تکریم مجھسے حاصل کی میرا خیال غلط نکلا جو میرے دلمیں تھا کہ ایک معمولی مجموعہ ہوگا جس کی ہمارے سلسلہ کو چنداں ضرورت نہ ہوگی میں سچے دل اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ آپ نے میرے خیال اور گمان سے بہت ہی بڑھ کر کام کیا ہے آپ نے اس کتاب سے اُس شدید ضرورت کو پورا کیا ہے جسکو مختلف شہروں میں ہمارے بھائی محسوس کرتے تھے، آپنے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں گو وہ اُمّی ہی ہو ایسا سامان دیدیا ہے کہ کبھی کسی مجلس میں شیطان اُسپر غالب نہیں آسکیگا۔ حضرت کے نام مختلف شہروں سے ہمارے غریب اور اُمّی دوستوں کے پے در پے خط آتے تھے کہ فلاں اعتراض جو مخالف کرتے ہیں اسکا کیا جواب دیا جائے، ایسے خطوط اس کثرت سے آتے تھے کہ جواب لکھنا دشوار ہوجاتا، اور درحقیقت ہر فرد کو وہی باتیں اور مفصّل بتیں

تحریر کرنی جو کتابوں میں بارہا لکھی جا چکی ہیں، بڑا مشکل امر ہو جاتا آپ نے اس مشکل کو رفع کر دیا آپ نے
ایسا کافی مجموعہ تیار کر دیا ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کی نسبت ہر قسم کے اعتراض کا جواب اس سے مل سکتا ہے
جزاک اللہ عنی وعن الاسلام خیر الجزاء۔ جسقدر محنت آپنے اس کتاب کی تالیف میں کی ہے
خدا ہی اسکی جزا ہوگی سو کتابوں کا پڑھنا اور اُنکے حوالے دینا اور سندوں اور شاہدوں سے
طالب طبیعتوں کو سیر کر دینا یہ آپ ہی کا حصہ ہے، ایک خصوصیت جس نے میرے دلکو اپنی طرف
مائل کیا اس کتاب میں یہ ہے کہ "اس میں معقول اور منقول دونوں پیرایوں کو احسن طور پر اختیار
کیا گیا ہے ایک ہی وقت میں جیسے ایک مولوی اور صوفی اور کوئی اور منقولی مشرب کو پسند کرنیوالا
اس سے مستفید ہو سکتا ہے اسیطرح ایک فلسفی طبع معقول پسند بھی اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔
غرض آپکی یہ خدمت اس پاک اور بزرگ سلسلہ کی نسبت مجھے قوی امید ہے کہ اندازہ سے زیادہ
شرف قبول پائیگی آپنے انصار اللہ میں معزز اور مکرم جگہ لی ہے اور بہتیرے ہیں جو رشک کرتے ہیں
اور کرینگے کہ کاش یہ خدمت انکے ہاتھ سے سرانجام پاتی مگر ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء
مجھے اُمید ہے کہ ہماری جماعت کا ہر صاحب استطاعت شخص بڑی خوشی سے اسے خریدے گا،
میری بڑی آرزو ہے کہ ہر قریہ اور شہر میں یہ کتاب پہونچ جائے صاحب مقدور متعدد نسخے خرید کر
ان لوگونکو دیں جنہیں اکثر مخالفوں سے پالا پڑتا ہے اور وہ بوجہ بُعد مکانی اور غربت اور
افلاس کے قادیان میں آنے اور ایک عرصہ تک یہاں رہکر علوم حقہ سیکھنے کا موقعہ نہیں پاتے
آپ نے یہ بڑا ثواب کا کام کیا ہے۔ مجھے یقین ہے اگرچہ بظاہر کوئی بھی سامان نہیں کہ یہ کتاب
بڑی عزت پائیگی، اور جس کے ہاتھ میں یہ کتاب ہوگی وہ اندر ہی اندر ایک قوت اور شوکت
محسوس کرے گا، اور اسکا دل اس یقین کی قوت سے بھر جائیگا کہ اب معترض اور نکتہ چین کا
کیا خوف ہے میرے پاس یہ کافی سامان موجود ہے خدا تعالیٰ اُسے قبول کرے اور اس نور اور حق
کی اشاعت کا کامل ذریعہ اسے بنائے جسکی تائید کیلئے یہ لکھی گئی ہے پھر ایک دفعہ میرا جی چاہتا ہے
کہ میں آپکو مبارکباد دوں کہ آپکے ہاتھ سے خدا تعالیٰ نے بڑا مفید کام لیا ہے، آپ نے
احمدی جماعت پر بڑا احسان کیا ہے، خدا تعالیٰ آپکے ساتھ احسان کرے، آمین

عاجز عبدالکریم

از قادیان ۱۵۔ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء

تقریظ رئیس المحدثین و فضل الفاضلین و امام المناظرین مولانا و بالفضل اولینا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی طال عمرہٗ

کتاب عسل مصفّٰی اسم بامسمّٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد کتاب **عسل مصفّٰی** خاکسار کی حالت مرض غب خالصہ میں پہونچی اکثر ابواب و فصول اُس کے بعد افاقہ کے مطالعہ کیے گئے جسقدر مسائل سلسلہ احمدیہ مندرجہ آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ سے تعلق رکھتے ہیں اُن سب کی تحقیقات عجیب دلائل قویہ و براہین سنیہ کے ساتھ بہ ترتیب عجیب و غریب کیگئی ہے جو طالب حق کیلئے ثبوت وفات مسیح اور اثبات دعاوی مسیح موعود میں کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہتا اور علاوہ اسکے حضرت خاتم النبیین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت کے اثبات کے لئے ایسے ایسے شواہد اس کتاب میں مندرج کیے گئے ہیں کہ مخالفین اسلام کو بھی بشرط طلب حق کے بجز تصدیق رسالت کے چارہ نہیں ہے کیونکہ جو پیشین گوئیاں خواہ مندرجہ قرآن مجید ہوں یا احادیث یا مندرج عہد عتیق اور عہد جدید ہوں جبکہ اُن کا وقوع اس قرن میں ایسا ثابت کیا جاوے کہ ہر کہ ومہ اُن کا مشاہدہ کر لیوے تو پھر امر مشاہد کا انکار کوئی کیونکر کر سکتا ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں صدہا پیشین گوئیاں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی اسطرح پر معہ شرح درج فرمائی ہیں کہ ناظرین کو انکے وقوع کا مشاہدہ کرا دیا ہے وَلِلّٰہِ دَرُّ الْمُصَنِّف۔ مسیح موعود کے زمانہ کا سنہ مع تاریخ کے چودھویں صدی میں ثابت کر دیا ہے جزاہ اللہ منا خیر الجزاء ترتیب ابواب و فصول ایسی عمدہ ہے جیسا کہ اشکال کی ترتیب ہوتی ہے جس سے مخالفین اندرونی کے لئے

اس ترتیب کے ساتھ بجز قبول کے چارہ نہیں ہے۔

باب اوّل

میں تقدیم کتاب اللہ کے سائر ادلہ شرعیہ پر بحث کی ہے اگرچہ یہ مسئلہ کتاب اللہ کا باجماع اہل اسلام مسلم ہے لیکن ابنائے زماں نے اس مسئلہ کو پس پشت ڈالدیا تھا لہذا فاضل مصنف نے ابنائے زماں کی تنبیہ کیواسطے اس مسئلہ کو ایسے ادلہ مسلمہ فریقین سے ثابت کیا ہے کہ اب بجز قبول کے چارہ نہیں رہا۔

باب دوم

جو حدیث کے واجب العمل ہونے میں لکھا ہے ایک عجیب و غریب بیان ہے معہذا **سُنّت علی الکتاب** کا مسئلہ جو ابنائے زماں پر مخفی تھا اُسکو بھی عمدہ طور سے بدلائل کتاب و سُنت مبرہن کیا ہے جس سے صدہا نزاع واقعہ بین المسلمین کا جو متعلق احادیث ہیں فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

باب سوم

تفسیر قرآنی کے بیان میں ہے اس باب میں قبول و عدم قبول تفاسیر کے لئے عجیب و غریب اصول ممہد کیے ہیں جنکے مرعی رکھنے سے صدہا وہ اغلاط رفع ہوجاتے ہیں جنکو ابنائے زماں نے قرآنی تعلیم سمجھ رکھا ہے جَزَاہُ اللہُ خَیْرَ الْجَزَاءِ

باب چہارم

بشارات محمدیہ وعیسویہ جو آسمانی والہامی کتابوں میں مندرج ہیں تحریر کرکے یہ دکھلایا ہے کہ جبکہ یہ جملہ بشارات اور پیشگوئیاں استعارات و مجاز و تشبیہ وغیرہ پر مشتمل ہیں معہذا ابتدائے اسلام سے لیکر آجتک تمام اہل اسلام انکو استعارہ اور مجاز کے ساتھ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسیح موعود کی پیشگوئیوں میں استعارہ اور مجاز نہ مانا جاوے۔ اس صورت میں تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی انکار رسالت آنحضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معذور قرار دیئے جاوینگے وَنَعُوْذُ بِاللہِ مِنْہُ بلکہ تمام ابواب رویا و مکاشفات کے جنمیں استعارہ و مجاز اکثر ہوا کرتا ہے مسدود ہوجاوینگے وَھُوَ خِلَافُ مَا اَجْمَعَ عَلَیْہِ جَمِیْعُ اَھْلِ الْکِتَابِ وَاَھْلِ الْاِسْلَامِ۔

باب پنجم

میں مجددین ماسبق کی تفصیل مشرح طور پر بیان کی ہے اور حدیث اِنَّ اللہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِأَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ کی ایک شرح عجیب و غریب بیان کرکر ناظرین کو اسطرف متوجہ کیا ہے کہ کیا وجہ ہے جو صدی چہار دہم باوجود کثرت فتن اور حدوث شرور کثیرہ کے مجدد سے خالی جاوے حالانکہ دین اسلام کیلئے بسبب کثرت فتن عظیم کے اس صدی میں ایک عظیم الشان مجدد کی سخت ضرورت واقع ہے فراموشت شد اے قوم احادیث رسولﷺ کہ نزد ہر صدی یک مصلح اُمت شود پیدا

باب ششم

محدث کے بیان میں ہے، اس باب میں دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کیا ہے کہ اس اُمت مرحومہ میں واسطے اظہار اُن حقائق قرآنیہ اور لطائف فرقانیہ کے جنکی اسلام کو ہر قرن میں ایک خاص ضرورت واقع ہوا کرتی ہے محدث اور ملہم کا ہونا بھی ضروریات سے ہے جس کے ظہور سے باغ اسلام تروتازہ رہکر ضَرَبَ اللہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّھَا کامصداق بنا ہے۔

باب ہفتم

میں علاوہ احادیث کے مسیح موعود کے لئے اشارات لطیفہ قرآن مجید سے استنباط کیے ہیں جنکے مطالعہ سے ناظرین منصفین کو نہایت لذت روحانی حاصل ہوتی ہے۔ وَ لِلّٰہِ دُرُّ الْمُؤَلِّفِ الْفَاضِلِ۔

باب ہشتم

میں مسیح کا وفات پا جانا ایسا بیان کیا ہے کہ گویا مشاہدہ کرادیا ہے اور تمام مسائل متعلق وفات ونزول وغیرہ اس شرح اور بسط سے بیان کئے ہیں جو اور کسی کتاب میں اس شرح سے یکجائی تحریر نہیں کیے گئے۔ اس باب میں طویل الذیل فہرست فصول کی اول کتاب

درج ہے ناظرین اسکو ملاحظہ فرماویں۔ یہ باب اسقدر طویل الذیل اور کثیر الابحاث ہے
کہ صفحہ ۷۹ اسے شروع ہوکر صفحہ ۱۱۵ پر ختم ہوا ہے مگر کاتب نے تحریر نمبر فصول وابواب
میں کسیقدر اسجگہ پر اور دوسرے مقام پر بھی کسیقدر نمبروں میں غلطی کی ہے جسکو ناظرین
صحیح کرسکتے ہیں۔

باب نہم

میں بدلائل عقلیہ ونقلیہ بیان کیا ہے کہ مراد ابن مریم سے حضرت اقدس جناب مرزا
غلام احمد صاحب ہیں اور ایسے دلائل سے اس مسئلہ کا ثبوت دیا ہے کہ مسلم فریقین
ہیں اور ۲۲ وجوہ موجہ ایسے لکھے ہیں جنسے حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کو
حضرت عیسی علیہ السلام سے مناسبت اور مشابہت تامہ ہے پھر کیا وجہ کہ انکو ابن مریم لکھا جاوے

باب دہم

میں اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی ایک شرح عجیب وغریب کی گئی ہے اور حضرت اقدس مرزا صاحب
کا بنی اسحٰق سے ہونا ثابت کرکر یہ دکھلایا ہے کہ وہ کامل مجددیت جو مہدویت اور مسیحیت کی
جامع ہو اور دونوں شانیں اپنے اندر جمع رکھتی ہو قریش سے منتقل ہوکر ابنی اسحٰق میں آگئی ہے
جسکے مصداق حضرت مرزا صاحب ہیں جیسا کہ نبوت اور رسالت بنی اسرائیل سے منتقل ہوکر
حضرت خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو بنی اسمٰعیل سے ہیں
جلوہ گر ہوئی تھی ہاں فرق اسقدر ہے کہ وہانپر ختم نبوت ورسالت تھا اور یہانپر ختم ولایت
ہے اس باب میں فاضل مؤلف نے ایسے دلائل لطیفہ درج کئے ہیں جنسے ایمانی قوت ترقی
پذیر ہوتی ہے اور وہ تمام توہمات جو ابنائے زماں مہدی مسعود اور مسیح موعود کے بارہ میں
رکھتے ہیں دور ہوجاتے ہیں اس باب میں وجوب بیعت امام الزماں کا مسئلہ بھی بخوبی حل کردیا
گیا ہے جس سے فریقین سنی وشیعہ کو بجز قبول کے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

باب یازدہم

باب خاتم الابواب ہے اور ۲۲ فصل پر مشتمل ہے جو بہت ہی کثیر الابحاث صفحہ ۱۶۸ سے

شروع ہو کر صفحہ ۱۵۸ پر ختم ہوا ہے میرے خیال میں وہ ہدایات اور ابحاث اس باب میں مندرج ہیں جنکو دلالات موصلہ الی المطلوب کہا جا سکتا ہے جو صاحب اس باب کو بنظر انصاف و امعان نظر مطالعہ فرماویں گے وہ بالضرور منزل مقصود کو پہونچکر خاکسار کے یہ شعر مندرجہ سرلوح اعلام الناس اوّل حصہ پڑہنے لگیں گے ؎

أَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ مرزا غلام احمد

مسیحِ وقت و مہدی ہم مجدّد برسرِ ایں صد

سلامی از رسول اللہ بر تو اے مسیحا ہم

شدہ حاضر رسانم تا شود حاصل تمنّا ہم

منور کن دلم را یا الٰہی از کتاب اللہ

بفیض آں امام قادیانی عارف و آگاہ

خاتمہ بالخیر

میں نے جو بخدمت علماء زماں اپیل کیا ہے وہ کیسا برمحل واقع ہوا ہے کہ بعد ملاحظہ وجوہ اپیل مندرجہ کتاب کے ہر ایک روح جو صدق و راستی کی طالب ہوگی خود بخود اُس اپیل کو تسلیم اور منظور کر کر ہر دو قصیدہ مدحیہ مولوی عبداللہ صاحب کے پڑہنے لگے گی جو آخر میں درج ہیں اور مناجات کا ورد کریگی خاکسار ہر ایک اپنے دوست کی خدمت میں بتاکید عرض کرتا ہے کہ اس کتاب کو جو اسم با مسمّی ہے ضرور اپنے مطالعہ میں رکھے۔

(سید محمد احسن امروہوی)

ریویو حضرت مولنا مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب سیالکوٹی

عسل مصفیٰ

یہ عجیب و غریب کتاب میری نظر سے گذری ہے فی الواقع یہ اسم بامسمی اور اپنے برکات کے لحاظ سے اپنی آپ ہی نظیر ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات اور حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی حقہ کے اثبات کے لئے اس میں اسقدر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ موجود ہیں کہ گویا یہ کتاب ادلہ کاملہ کا ایک بحر زخار یا محیط بے کنار ہے۔ لاریب یہ کتاب اہل حق کے لئے ایک نشان ممتاز اور مایہ فخر و ناز ہے اور طالبان حق کے لیے سرمایہ ہدایت و رشد۔ اور واعظین اور مناظرین سلسلہ کیلیے مجموعہ دلائل عقلیہ و نقلیہ۔ ہر ایک طالب اس کتاب کی نادر ترتیب کی پیروی اور تتبع سے یقیناً کامیابی کی راہ حاصل کرتا اور منزل مقصود تک پہونچ سکتا ہے۔

اس کے مکرم مؤلف اخویم مرزا خدا بخش صاحب ابو العطا کی قابلیت اور باریک بینی اور دقت فہم اور وسیع النظری اور بلند پروازی اس کتاب کی بنویبا ور دقیق در دقیق استدلالات سے ظاہر ہے جو کچھ آپنے اس تالیف میں اپنے عزیز اوقات کو صرف فرما کر اپنی قوم اور نیز دیگر حق پسندونکو فائدہ پہونچایا ہے وہ قابل قدر اور موجب شکریہ ہے۔ شکر اللہ سعیہٗ و اَحسن اِلیہ بِمنّہٖ وکرمہٖ۔

الراقم خاکسار ابو یوسف محمد مبارک علی سیالکوٹی

اول مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام

قادیان

عسل مصفیٰ پر جناب مولانا و بالفضل اولینا مولوی حافظ روشن علی صاحب کی رائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب جسکا نام عسل مصفیٰ ہے میں نے اپنے تجربہ میں اسے نہایت مفید پایا ہے مجھے کثرت سے مباحثات و مناظرات پیش آئے ہیں ہر مقام پہ نافع ثابت ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو میری طرف سے اور تمام جماعت احمدیہ کی طرف سے جزائے خیر دے جسنے نہایت قیمتی مجموعہ جانکاہ محنت سے بخاطر شفقت علی خلق اللہ پیش کیا ہے۔

یَا صَادِیًا تَبْتَغِی الْعَیْنَ مُرْوِیَۃً ۔۔۔ مِنَ الْعُیُوْنِ فَھٰذَا بَحْرٌ مِنَ الْعَسَلِ

اے پیاسے اگر تو سیر کن چشموں میں سے کسی چشمہ کی تلاش کرتے ہو تو ہم تجھ خبر دیتے ہیں کہ یہی ایک شہد کا سمندر ہے

ھَرْوِلْ اِلَیْہِ اِذَا مَا کُنْتَ فِیْ مَرَضٍ ۔۔۔ تَشْفِیْکَ شَرْبَۃٌ مِنْ اَکْثَرِ الْعِلَلِ

جب تجھے کوئی بیماری ہو تو اسکی طرف دوڑ۔ اسکا ایک ہی شربت بیماریوں سے نجات دیتا ہے۔

مَا اِنْ رَاَیْتُ کِتَابًا مِثْلَہٗ بِجَدَلٍ ۔۔۔ کُلُّ الْمَسَائِلِ فِیْہِ سِفْرٌ بِلَا مِثْلٍ

مینے ہرگز اسکی مانند کوئی کتاب نہیں دیکھی جو اتنی فائدہ بخش ہو اسمیں کل مسائل ہیں اور یہ ایک بینظیر کتاب ہے

اِنْ کُنْتَ تَقْصُدُ تَحْقِیْقًا بِلَا عُسُرٍ ۔۔۔ فَاطْلُبْ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ھٰذَا بِلَا بَدَلٍ

اگر تم بلا مشقت تحقیق کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کا رستہ لو اس سے مفت مقصد حاصل ہو جائیگا۔

روشن علی ۲۹۔ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

ریویو جناب شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم

عسل مصفیٰ

مندرجہ عنوان کتاب جس کا اعلان چند ہفتے پیشتر الحکم میں شائع ہوا تھا، ۵۲ جزو پر طبع ہوکر شائع ہوگئی ہے، جناب مرزا خدا بخش صاحب نے جو اس کتاب کے مولف ہیں حقیقت میں

قوم کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اس کتاب کا مضمون حضرت مسیح ناصری کی وفات اور حضرت مسیح موعود کے دعاوی کا اثبات ہے۔ لیکن جس خوبی او رصفائی کے ساتھ مضامین کی تقسیم کی گئی ہے اور پھر اُن کو ترتیب دی گئی ہے وہ اس سے پیشتر سلسلۂ عالیہ احمدیہ کی تائید میں لکھنے والوں کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ منقولی طور پر مرزا صاحب موصوف نے تمام مباحث کو ختم کر دیا ہے اور اس کتاب کے بعد منقولی مباحث کے لئے کسی دوسری کتاب کی حاجت اور ضرورت نہ پڑیگی۔ ہم اس مختصر نوٹ میں اس کتاب کی خوبیوں پر پورے طور پہ ریمارک نہیں کرسکتے مختصر الفاظ میں یہ کہ کتاب کیا ہے حضرت اقدس کے دعاوی اور دلائل کا انسائیکلوپیڈیا ہے یہ کتاب ایسی ہے کہ ہماری جماعت کے ہر فرد کے پاس ہونی چاہئیے خصوصاً اُن لوگوں کے پاس ہونا اسکا اشد ضروری ہے جن کو آئے دن ظاہر پرست ملانوں سے بات چیت کا موقع ملتا ہے۔ ہم کسی آئندہ اشاعت میں اسپر مفصل لکھنا چاہتے ہیں۔ سردست ہم اسپر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ یہ ضروری اور اپنی طرز کی پہلی کتاب اس قابل ہے کہ اسکی بہت بڑی اشاعت ہو باوجود اسکہ حجم ۵۲ جزو کا ہے اور کاغذ اور چھپائی بھی اعلیٰ درجہ کی ہے پھر بھی قیمت صرف ۱۲؍ ہے یہ کتاب دفتر الحکم سے یا جناب مرزا خدا بخش صاحب سے جو آجکل قادیان میں ہیں۔ درخواست کرنے پر ملسکتی ہے درخواستوں کی تعمیل بذریعہ وی پی ہوگی۔

تقریظ نظم جناب منشی فاضل محمد نواب خانصاحب ثاقب جاگیردار و مجسٹریٹ ریاست مالیر کوٹلہ

نعمتیں بے انتہا دیں تو نے اے رحمٰں ہمیں
بے سر و ساماں تھے بخشے بڑے ساماں ہمیں

ہم تھے مضغہ جان ڈالی پرورش ہمکو کیا
اور مہیا کر دیے پر شیر دو پستاں ہمیں

ہمکو دی تعلیم قرآں اور بیاں سکھلا دیا
الغرض سب کچھ دیا پیدا کیا انساں ہمیں

حضرت خیر الرسل ختم الرسل بھیجے رسول
فیض سے جنکے ملی ہے نعمت ایماں ہمیں

دعوت اسلام کی اک ڈالدی دُنیا میں دھوم
خوان دیں پر سب کو یکجا کر دیا مہماں ہمیں

ہمکو طاقت کیا جو تیرا شکر نعمت کر سکیں
تیرے انعاموں کی گنتی کا نہیں امکاں ہمیں

قادیاں دار الاماں میں آنکھ سے دکھلا دیا
مہدی آخر زماں اور عیسیٰ دوراں ہمیں

وہ مسیحائے فصیح و احمد والا نشان
جس کے آگے دلمیں کچھ جچتا نہیں سحباں ہمیں

اُسکا دم ہے گر مسیحائی تو لب اعجاز ہے
اُسکا دم بھرنا ہے لازم ظاہر و پنہاں ہمیں

اُسنے اندھونکو سجاکھے کر دیا ہے نور سے
ہے یہی وہ نور بتلاتا ہے جو قرآں ہمیں

نور اک شرقی منارے سے ہوا جلوہ فگن
جبکہ نادانی کی ظلمت نے کیا حیراں ہمیں

جسکا وعدہ دیگئے تھے حضرت ختم الرسل
جسکا مژدہ دیچکا ہے بارہا قرآں ہمیں

تیرہ و تاریک دُنیا آنکھ میں ہونے کو تھی
یک بیک آیا نظر اُسکا رُخِ تاباں ہمیں

اس مجدد اور مہدی و مسیح وقت نے
بس یہی سارے مریدونکو دیا فرماں ہمیں

فائدہ کیا ہے جو دستور العمل قرآں نہیں
سُننے والے گو کہیں طوطیِ خوش الحاں ہمیں

اُسکے ہر ہر لفظ پر غور اور تدبر ہو کمال
یاد طوطے کی طرح ہرگز نہو قرآں ہمیں

ہم میں جاں باقی نہ تھی اور دل بڑا تاریک تھا
نور ایماں آگیا تازہ ملی ہے جاں ہمیں

ہیں سکھائیں اُسنے ہم سب کو دعا کی برکتیں
اور پڑھائے ٹھیک ٹھیک اسلام کے ارکاں ہمیں

لذتِ قرآں نمازوں میں حلاوت یاں ملی
اپنے ہادی نے بتایا نکتۂ عرفاں ہمیں

اب تو ہم لپٹے رہیں گے خاکسارونکی طرح
کھینچکر لایا ہے اُسکا دُور سے داماں ہمیں

تھی جو دلمیں شیر مردی جو شرن مانی نہ اک
لاکھ گیدڑ بھبکیاں دیتا رہا شیطاں ہمیں

قادیاں جنت نشاں ہے تیرے دم سے اے مسیح
اور دوزخ کا نمونہ محفلِ رنداں ہمیں

ذکر حق کی مجلسوں سے دلمیں باقی ہیں سرور
اسلئے بزمِ نشاط و عیش ہے زنداں ہمیں

دشمنِ بدرگ کی جانکی رگ کٹی تلوار سے
تو ہی زندہ دے رہا ہے عمر جاویداں ہمیں

دیکھکر دیدار تیرا روح میں جاں آگئی
اک یہی تھی آرزو اب کچھ نہیں ارماں ہمیں

پیر گولڑی کی یہاں کچھ بھی نہ پیری چل سکی
وار سب خالی گئے اُنکے ملا میداں ہمیں

تھہ گئے شمسِ ہدایت کو گہن جب لگ چکا
روشنی دینے لگا پھر نیر رخشاں ہمیں

بوالعطا نے لے خدا بخش انکو تو اجر عظیم
کر دیا بیشک عطا اک حربۂ بُرّاں ہمیں

دلمیں لذت آگئی **عسل مصفیٰ** دیکھکر
کیا عجب نسخہ ملا ہے درد کا درماں ہمیں

میرزا نے نورِ حکمت بھر دیا ہے کوٹ کر
ابتو اپنے دوست کو کہنا پڑا لقماں ہمیں

بالیقیں شان عسل ہے یہ کتاب پر صفا
کیا ملا ہے لفظ اس کی شان کے شایاں ہمیں

اس عسل پر جسکو یہ یعسوبِ دیں رکھتا رہا
کھبونکی طرح آتے ہیں نظر انساں ہمیں

مختلف باغوں کے پھولوں کا خلاصہ ہے شہد
اسکو کہنا چاہیئے اب عالم بستاں ہمیں

یہ کتاب اپنے لئے اک راہبر ہے بالیقیں
منزلیں جلتی کٹھن تھیں ہوگئیں آساں ہمیں

یہ مثل اونچی دکاں پکوان پھیکا ہے غلط
دے رہی ہے پرمزہ پکوان یہ دکاں ہمیں

اے خدا تیرے یہ سب احسان اور انعام ہیں
فیض مرشد ہے میسر صحبت اخواں ہمیں

بحر عصیاں میں بنا کشتی عمل کی ثاقبا
پار ہے بیڑا ملا ہے نوح کشتیباں ہمیں

قصیدہ مولوی عبد اللہ صاحب کشمیری

دردلم جوشد ثنائے مرسل پروردگار
سید عالم جناب مہدی عالی تبار

عیسیٔ موعود مامور جناب کبریا
پیشوائے خلق و عالم تاجدار باوقار

سرگروہ اتقیا و پیشوائے اولیا
صدر بزم اہل ایماں باہمہ عزّ و وقار

یعنی آں محبوب عالم سرور عالیجناب
احمد آخر زمان و میرزائے نامدار

آنکہ با نور و نشانہائے خدائے ذوالمنن
مید رخشد بر فلک مثل خور نصف النہار

نور دلدار ازل تا بد ز رویش ہمچو مہ
از سر گیسوئے مشکینش وزد مشک تتار

مظہر انوار ذات خالق ارض و سما
مصدر انوار و برکات شہ عالی وقار

از جبینش نور یزداں ہر زماں پرتو فگن
روئے او روئے خدائے خالق ذوالاقتدار

ایں ہماں محبوب یزداں بر زمیں شد جلوہ گر
کو بدیدارش جہانے بود اندر انتظار

سید عالم بصد عزّت بدو گفتا سلام
روئے آں مہ روئے عالم شد جبینش آشکار

احمد آخر زماں ایں نائب خیر الرسل
عندلیب باغ دلدار ازل ایں شہسوار

ایں براہیم و کلیم اللہ و آدم بیگماں
یوسف کنعاں مسیحا و جری کردگار

بر صد چار و دہم رخشید چوں بدر تمام
ہمچناں باشد ز اول عادت حق استوار

چوں کلیم اولیں بد صاحب نور و ہدے
خاتم آں سلطنت شد ابن مریم آشکار

ہمچنیں ختم رسل شاہ عرب از کبریا
خاتم ملک نبوت شد بعالم کامگار

پس مسیح ابن مریم از غلامان جناب
خاتم تاج ولایت شد چہ روئے نگار

گفت منکم حق بقرآں نیز لمّا یلحقوا
از احادیث نبی ہم آں کلم آمد بکار

پس چرا از آسماں آید مسیحِ ناصری
ایں خیالِ جاہلانہ میکند از سر بدر
لیک ناوانیکہ باشد از حقیقت بیخبر
تا قیامت ابنِ مریم کے بیاید بر زمیں
زانکہ متکلم از کتابِ حق ہمیں فرمود راز
ایں ہماں مرسل کہ در شانِ بزرگش انتما
از قدومش گعنت رازے خوبتر اُمّ الکتاب
پس ہمیں محبوبِ عالم حضرتِ ما میرزا
از بطونِ سترِ خلوت خانۂ علمِ خدا
اندریں وقتیکہ دُنیا بہ زخبثِ کفر بود
ہر طرف خوابِ ضلالت خلق را از خود ربود
از نشانہا سنگ بر زد بر سرِ انکار چوں
زورِ یزداں از جوانمردی بدنیا دا نمود
چوں بمیدانش تبہ شد لیکھرامِ بد زباں
ہمچناں اندر من و آتھم، غلامِ دستگیر
آں دیانند سخن چیں و ہمنِ اسلام را
الغرض از بہ تصدیقش زمین و آسماں
حسبِ فرمانِ نبی بہر وے رمضان بیاں
درمیا دینِ وغانا ید بہ رویش ہیچکس
از حریمِ روضتہ الاسلام یعنی قادیان
گردِ او چو شمع و پروانہ بہر صبح و مسا
بر یمین و بر یسارش محفلِ اہلِ تقا
بو العطا از لطفِ یزداں باہمہ فہم و کمال
دیں چنیں عسلِ مصفّٰی از برائے طالباں

کے بیاید بر زمیں او باز از دار القرار
ہر کہ باشد در حقیقت عاقلِ پرہیزگار
بنگرد سوئے سما ہیبرِ دگر در انتظار
گر بیاید کے نزولش در جہاں آید بکار
گر شما باید امام و مرسلِ پروردگار
شد نزولِ فاتحہ از خالقِ لیل و نہار
آفتابِ فاتحہ پرتو فگند از اشتہار
بر روانش رحمتِ حق ہم درودِ بیشمار
بر زمیں شد ناگہاں از لطفِ یزداں فیضبار
نافۂ توحیدِ حق شد بر جہانے مشکبار
از فغانش خلق و عالم یک بیک شد ہوشیار
ہیکلِ تثلیث آمد بر زمیں بے اختیار
بت ستا و بت پرست و بت گراں گشتند خوار
آریا بنراچشم کفر کیں بگشتند اشکبار
نیز احمد بیگ و دیگر دشمنانِ بد شعار
بر زمیں افگند یکضربِ حسامِ آبدار
آفتاب و ماہ و بہر دیں شاہدانِ روزگار
چوں خدائے برترش شد ہمدم و نصرت شعار
دشمناں از شوکتِ جاہ و جلالش شرمسار
نورِ او خورشید بر ہر خانۂ تاریک و تار
اجتماعِ عاشقان و صادقان از ہر دیار
بر گلِ رویش چو بلبل نالہ زن شوریدہ وار
در کتابِ خود دلائل ثبت کردہ صد ہزار
کے بہم آید بجز الطافِ ذاتِ کردگار

ایں کتاب بوالعطا عسل مصفّیٰ نام او ۔ در بیانِ امرِ مہدی بحرِ ناپیدا کنار
از براہین و دلائلہائے رنگیں سربسر ۔ موجزن شد آبِ حیوانے مگر از آبشار
از تکلفہا بود خالی بیانِ سادہ ام ۔ گرچہ در شعر و سخن آمد تکلف آشکار
ہر کہ از دل بشنود سودش رسد از پندِ من ۔ کیں مصفّا عسل شیریں را گرفتہ در کنار
بر سرِ مسجد نشیناں حربۂ حجت زند ۔ تا کہ ایں قومِ یہوداں رو نہند سوئے فرار
از وفاتِ ابن مریم دفترے چوں وا کند ۔ اختلافِ شاں کند آں ناکساں را شرمسار
ہمچنیں ابوابِ مہدی چوں کند وا سربسر ۔ پس نماند باز مہدی مستتر در کنجِ غار
جانِ من خود را نثارِ مہدیِ دوراں مکن ۔ حربۂ از وے بدست آر و بزن بر روئے دار
وقتِ نصرتہا قریب آمد مگر اے دوستاں ۔ بر ہمہ جائے وزد از حق مگر بادِ بہار
من ہمی بینم کہ آمد وقتِ نصرتہائے حق ۔ نصرتِ دا از شما جوشید مثلِ آبشار
ناگہاں از قاہرہ لاشئے بجنبش آمدہ ۔ تا کہ باشد غیرتے از بہرِ اہلِ آں دیار
شد گریزاں از دیارِ ہند آں غولِ رہی ۔ غولِ ملکِ مصر افرازد سرِ خود از منار
نیز در لاہور یک مارِ سیہ روئے نمود ۔ ہمچو بلعم شد بعالم جائے شرم و ننگ و عار
بر خیالات و توہم تکیہ کردن ابلہی است ۔ تا نباشد نصرتِ حق حجتے ہم استوار
جز بتائیدِ خدا موسیٰ شدن آساں نشد ۔ ایں عصائے کرم خوردہ بہرِ تو شد مثلِ مار
بہرِ دعوی موسیٰ شدن آساں نباشد جز دلیل ۔ بر بیانِ خود اگر حجت ہمیداری بیار
ادعائے تو بود محتاجِ حجت سربسر ۔ کے ازیں دعوائے بیہودہ تو گردی کامگار
گر شدی موسیٰ بدعوی گو چہ کارے کردہ ۔ ہاں اگر دعوائے نمودی پس دلیلِ ہم بیار
حجتِ عقلی و نقلی نیز تائیدِ سما ۔ بر چنیں دعوائے تو ہرگز نگشتہ آشکار
لیک شیطاں با تو شد ہمراز از بدگوہری ۔ پس بلام و عین و نون و تا شدی امیدوار
گر چنیں دعوی مسلّم در جہاں بودے عیاں ۔ امتیازِ صادق و کاذب نبودے زینہار
لیک تابد نورِ حق مر صادقاں را صبح و شام ۔ کاذباں را کذب و بیراہی ہمی سوزد بنار
دعویِ حق میدرخشد در جہاں چوں آفتاب ۔ ہاں بیا بنگر ثبوتِ میرزا تا صد ہزار
از کتابِ حضرتِ یزداں و قرآں نامِ او ۔ وز احادیثِ نبی ہم معجزاتِ بیشمار

شد عیاں صدق و کمالِ او علیٰ وجہ الاتم
اے جناب میرزا قرباں مہ روئے توام
ایجابِ مہدیِ عالم ترا از حق سلام
یک نظر کن بر منِ مسکیں تو از لطف و کرم
از بضاعۃ من نیاوردم بہ پیشت ہیچ شئے

حضرت ایزد بتائیدش بروں شد بار بار
جانِ خود را بر غبارِ پائے تو کردم نثار
کامراں آنکس کہ گردد زیر پایت چوں غبار
ایکہ چوں من بر درِ تو صد ہزار امید وار
از دعا ہائے سحرگاہاں مرا کن کامگار

ریویو حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب خلف الرشید حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بعض کام ایسے ہوتے ہیں اور ایسے وقت میں شروع کیے جاتے ہیں کہ اُنسے بہت سی برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ کتاب عسل مصفیٰ بھی میں سمجھتا ہوں کہ ایسے نیک ارادہ سے اور مبارک وقت میں لکھی گئی ہے کہ سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ مرزا خدابخش صاحب نے ایسی محنت اور کوشش سے اس کتاب میں سلسلہ احمدیہ کے ضروری مباحث کو خود اُن کتابوں سے درج کیا ہے کہ جنکے ماننے سے خود غیر احمدیوں کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اسکو دیکھکر اُنسے کچھ جواب بن نہیں پڑتا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس کتاب کو دیکھکر اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور نتیجہ سے ہی ایک کام کا حسن و قبح معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح نے فرمایا ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اور یہ کتاب اپنے پھلوں کے لحاظ سے بہت شیریں اور مفید ثابت ہوئی ہے۔ میرے خیال میں ہر ایک احمدی کو اسے پاس رکھنا چاہیے۔ کیونکہ مخالفین کے اعتراضات کے وقت ایک بے نظیر یار و مددگار ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مرزا محمود احمد

ریویو حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر و کاتب مکتوبات حضرت خلیفۃ المسیح

عسل مصفیٰ کیا ہے مولوی مرزا خدابخش صاحب کی سالہا سال کی عالمانہ تحقیق و تدقیق کا نچوڑ ہے۔ جن امور کی بحث احمدی احباب کو علمائے زمانہ سے کرنی پڑتی ہے۔ اُنکے متعلق مفید معلومات کا ایک مختصر انسکلوپیڈیا ہے۔ یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ حضور نے اسکا بہت سا حصہ سُنا اور پسند کیا

میں بھی اُن مجالس میں شامل تھا جب یہ کتاب سُنائی جاتی تھی۔ یہ کتاب بہتوں کے واسطے
ہدایت کا موجب ہوئی ہے۔ اور اسکی مانگ بہت ہے۔ مرزا صاحب قوم پر احسان کرینگے
کہ اسکا دوسرا ایڈیشن جلد شائع فرما دیں۔ یعنی دوسرے ایڈیشن کا مسودہ بھی حضرت
خلیفۃ المسیح کے حکم سے میں نے دیکھا ہے اور اُسے ہر طرح مفید پایا ہے۔ محمد صادق عفی عنہ ایڈیٹر بدر قادیان

ریویو حضرت مولوی قاسم علی صاحب شیر اسلام ایڈیٹر اخبار الحق و رسالہ احمدی دہلی

عسل مصفّٰی یہ ایک ضخیم کتاب سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تائید میں جناب ابوالعطا مرزا خدا بخش صاحب
معتمد عالیجناب خانصاحب نواب محمد علیخاں رئیس مالیر کوٹلہ نے تصنیف فرما کر ۱۹۰۱ء میں طبع کر کے
شائع کی تھی۔ اس کتاب پر اگر ریویو لکھا جائے تو کم از کم دو تین جزو پر آئیگا۔ کیونکہ اس مبارک
تصنیف کی ضخامت تقریباً ۸۲۸ صفحہ کی ہے جس میں گیارہ باب ہیں اور ہر باب کئی فصلوں پر
مشتمل ہے۔ خلاصہ کتاب کا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نبی ناصری فوت ہو چکے
اور آنیوالا مسیح اسی اُمت محمدیہ میں سے ہوگا اور وہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ان ہر دو بحثوں کے متعلق کوئی امر یا دلیل یا اعتراض کی تردید ایسی
نہیں جو مصنف رضی اللہ عنہ نے اس کتاب میں نہایت خوبی سے درج نہ کر دی ہو۔ دلائل
عقلیہ کے علاوہ تمام نقلی استدلال ازروئے قرآن مجید و احادیث شریفہ و کتب مقدسہ
بائبل یعنی توریت و انجیل و دیگر صحف انبیاء و کتب تصوف و کتب سیر اسلامیہ وغیرہ
اس میں ہر امر متنازعہ متعلقہ ابحاث مذکورۃ الصدر کے فصل وار لکھدیئے ہیں اس کتاب کو اگر
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی و دلائل کی ڈکشنری یا انسائیکلوپیڈیا سلسلہ
احمدیہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ مصنف ممدوح نے اس عسل کو ۶۷ کتب تفاسیر اور ۲۵ کتب احادیث
اور ۱۱۰ دیگر کتب متفرق سے رس چوس کر نہایت محنت اور جانفشانی سے تیار کیا ہے اور
خدا کے فضل سے چونکہ مصفّٰی بھی تھا ہر ایک طبقہ کے سلیم الفطرتوں نے اس کو پسند کیا آزمایا
اور میرے جیسے ناواقف نے تو اس کو پیٹنٹ سمجھ کر دوسرے مریضوں کو استعمال کرایا تو واقعی
اسکو شفاء للناس ہی پایا۔ خدا مصنف موصوف کو اسکی نیکی سے نیک جزا دارین میں عطا
فرماوے۔ یہ کتاب ہر ایک مبتدی کو جو بالکل احمدیت سے ناواقف ہو منتہی بنا دیتی ہے اور

منتہی کیلئے تمام ذخیرہ مسائل متنازعہ فیہا بین احمدیت و غیر احمدیت متعلق دعویٰ مسیحیت و مہدویت کا ایک جگہ جمع کر دیتی ہے۔ کتاب ہذا پہلی مرتبہ جسقدر چھپی وہ بہت جلد ہاتھوں ہاتھ اُٹھ گئی اور قریباً تین چار سال سے اسکا ایک نسخہ بھی عنقا صفت ہو گیا تھا۔ احباب کی خواہش اور سلسلہ کی ضرورت نے مصنف کو دوبارہ طبع کرانے پر توجہ دلائی تو آپنے کامل نظر ثانی کے بعد جبکو وہ اڈیشن اول کی طبع کے وقت سے ہی کر رہے تھے اسکو زیادہ مصفیٰ کر لیا ہے اور کاتب کو لکھنے کیواسطے بھی دیدیا ہے۔ خدا تعالیٰ جلد اس ترکیب ثانی کے عسل مصفیٰ کو شتریان قدردان کے ہاتھوں میں پہنچائے اور مصنف ممدوح کو اجر عظیم فی الدارین عطا فرمائے آمین۔

انکے سوا اور بہت سے بزرگان کی رائیں ہمارے پاس پہنچیں مگر افسوس کہ وہ محفوظ نہیں ہیں اور گم ہو گئیں عوام کے بہت سے خطوط درباره کتاب عسل مصفیٰ مجھے ملے تھے مگر میں نے جمع نہیں کئے۔ ہم نمونہ کے طور پر صرف ایک ہی خط علاقہ سرحدی کے ایک محب کا ذیل میں نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہو جائے گا کہ اس کتاب نے کہانتک اثر پیدا کیا ہے۔ اور کتنی مفید ثابت ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی نبی الکریم

میرے محسن و مولا حضرت مرزا خدا بخش صاحب مصنف **عسل مصفیٰ** السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میرے پر تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ایسا ہوا کہ بے دلیل و بحث حضرت مسیح موعود کو پہچانا۔ مگر جناب کی کتاب **عسل مصفیٰ** کے مطالعہ نے میرے ایمان کو ایسی مضبوطی اور استحکام بخشا جسکی کوئی حد نہیں اسکی ایک ایک سطر نے میرے ایمان کی مضبوطی اور استحکام میں ایک ایک سنگین اینٹ کا کام دیا ہے۔ چونکہ میں اس تحصیل میں اکیلا احمدی ہوں۔ اور اغیار کا زور ہے۔ میرے احمدی کہلانے پر قریب تھا کہ ملّا اور پیر لوگ میری تکا بوٹی اڑا لیں۔ مگر آپ کی اس مبارک کتاب نے مجھے میگزین کا کام دیا۔ میرے خیال میں حضرت کی تصدیق میں باترتیب اور باقاعدہ طور پر اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب میری حرز جان بنی ہوئی ہے اور میں اسکا عاشق۔ میں اس کتاب کے بغیر ایک دو میل تک باہر نہیں جا سکتا ہوں۔ مخالفوں نے سلسلہ کی اکثر کتابوں کے رد لکھے ہیں مگر اس کتاب کا رد مجھے اُمید ہے کہ کوئی نہ لکھ سکیگا۔ آپکی اس دینی خدمت کو دیکھکر بے ساختہ میرے دلمیں آپکے لئے دعا اُٹھتی ہے

احمد چچانہ از سرحد

عسل مصفّٰی پر حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز و سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کا ریویو

اس کتاب کے مصنف نے جزاہ اللہ خیراً جسقدر محنت اس کتاب کے تیار کرنے میں اُٹھائی ہے کتاب کے مطالعہ سے ہی پتہ لگ سکتا ہے۔ تفسیر اور حدیث کی ضخیم مجلدوں میں کوئی بات نہیں چھوڑی جو حضرت اقدس کے دعویٰ سے تعلق رکھتی معلوم ہوتی تھیں اس لیئے اس کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا ہے مگر قابلِ تعریف خوبی سے مصنف نے ان مضامین کو ترتیب دی ہے جتنے امور تنقیح طلب متعلق دعوے مسیح موعود علیہ السلام تھے ہر ایک کے لیئے علیحدہ باب اور فصلیں قائم کی ہیں اور ہر ایک باب اور فصل میں سیر کن بحث ہر ایک پر کماحقہ کی ہے۔ عقل حیران رہجاتی ہے کہ اسقدر بھاری ذخیرہ کو ایک ہی آدمی کیونکر اس خوبی کے ساتھ ترتیب دے سکتا تھا کہ جس سے بہتر ممکن نہیں۔ طرزِ بیان نہایت واضح اور عام فہم۔ گویا حضرت مسیح علیہ السلام کی کتابوں کا ایک خلاصہ ہے۔ اس کتاب کو ہاتھ میں لیکر مخالف پر یقینی فتح ہے۔ چونکہ ہمارے دوستوں میں سے کم و بیش ہر ایک کو مباحثے پیش آتے ہیں اسلیئے ایسے عمدہ ہتھیار کا جو ہر وقت ہر مباحثہ میں کام آسکے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے اور خاصکر جب حضرتِ اقدس نے بذریعہ اشتہار بڑے دنوں کے جلسہ میں احباب کو امتحان کے لیئے مطلع فرمایا ہے تو نہایت ضروری ہے کہ اس کتاب پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے دعوے کے متعلق جن جن امور پر سوال ہو سکتے ہیں وہ سب علیحدہ فصلوں اور بابوں کی صورت میں دکھلا دیئے گئے ہیں اور حوالجات کا ایسا مجموعہ ہے کہ ہر وقت کام آسکتا ہے۔ آجکل حضرت اقدس نماز مغرب کے بعد اسکے مضامین کو سُنتے اور اکثر پسند فرماتے ہیں۔ عسل مصفّٰی نہایت مفید دلائل اور کارآمد حوالجات کا ایک قیمتی ذخیرہ ہے اسکے قابل مصنف مرزا خدابخش صاحب قابلِ شکریہ ہیں جنہوں نے شب و روز محنت کر کے ایک بھاری ضرورت کو پورا کیا ہے خدا تعالیٰ انکی ہمت میں برکت دے اور اس سے بھی قابل قدر خدمات دینی کی انکو توفیق دے۔

خاکسار محمد علی

حضرت مخدومی مکرمی جناب مولانا مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار آنریری مجسٹریٹ پشاور کا عسل مصفےٰ پر ریویو

مرزا خدا بخش صاحب جماعت احمدیہ کے ایک رکن ہیں انہوں نے اس سلسلہ عالیہ کی تائید میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی جسنے اپنی خوبی کے سبب سے جماعت احمدیہ نصرہا اللہ میں بڑی قبولیت حاصل کی تھی میں نے بھی اس قابل قدر کتاب کے مطالعہ سے استفادہ کیا تھا قابل مصنف نے اس میں اس سلسلہ مطہرہ کے دلائل مویدہ کو بڑی محنت سے جمع کرکے ترتیب دیا ہے جس سے کسی دلیل کو کسی اور کتاب سے تلاش کرنے کی ضرورت سے مستغنی کر دیا ہے۔ چونکہ اللہ کی کتاب کے سوا کسی کتاب کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے موضوع میں ہر پہلو سے کامل ہے اسلیئے مصنف نے اپنی مبسوط کتاب پر نظر ثانی کرکے اس میں مفید اضافے کئے ہیں جس سے اس مفید کتاب کا پایہ اور بلند ہوگیا ہے۔ ہر ایک احمدی کے لئے ضرور ہے کہ اس کتاب کا ایک نسخہ اسکے پاس ہو اور ہر ایک غیر احمدی کے لئے جسکو حق کی تلاش ہو اس کتاب کے دلائل کا مطالعہ اسکی معلومات میں مفید اضافہ کریگا۔

۲۵۔ اگست ۱۹۱۲ء

غلام حسن سب رجسٹرار و آنریری مجسٹریٹ پشاور

عسل مصفےٰ پر حضرت مخدومی مکرمی جناب سید حامد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ضلع سیالکوٹ

میرے مکرم بزرگ حضرت مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عسل مصفےٰ کی طبع ثانی کا عزم مصمم (کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکو پورا کرے) بہت بابرکت عزم ہے۔ مجھے آپ کا ارشاد فرمانا کہ میں اس شہد ناب کی تعریف میں کچھ لکھوں اگر میں اسکو پورا کر سکوں جہانتک کہ اسکے پورا کرنے کا حق ہے تو بڑا خوش قسمت ہوں۔ پہلے ایڈیشن نے سلسلہ میں نہیں بلکہ ملک بھر میں جو عزت حاصل کی ہے وہ کیا میری یا کسی دوسرے کی تعریف کی ایسی محتاج ہے اور دوسرا ایڈیشن جس تیاری سے نکلیگا وہ بجائے خود کیا کم ہوگا۔ حضرت عسل مصفےٰ تو پہلے ہی حضرت امام زمان کی زبان الہام ترجمان سے وہ تعریف لے چکی ہے کہ بایدو شاید۔ قوم نے اس شہد ناب سے جو عزت حاصل کی ہے اس کا اثر احمدی سلسلہ کے ہر مسئلہ میں نمودار ہے اور سلسلۂ احمدی کے انفاس جنکو علمی مذاق حاصل ہے اس سے

خوب گرم ہوئے ہیں۔ آپ کی سعی عندالناس وعنداللہ مشکور ہو چکی ہے۔ آپ کی محنت کی کوئی کیا داد
دیگا۔ مگر میں اُن احباب سلسلہ کے بخت بہت ہی بیدار سمجھونگا جنکے ہاتھوں اب یہ عسل مصفّٰی ہوگی جنہوں نے
پہلے اسکو نہیں دیکھا وہ تو خدا جانے کیا لذت پائینگے مگر طبع ثانی کو پھر دیکھنے والے بھی قند مکرر کا
مزا اٹھائینگے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسکو امید سے بڑھکر قبولیت کا درجہ دے اور احباب
سلسلہ کے لئے اسکی اشاعت موجب شفا ہو۔ خاکسار حامد شاہ از سیالکوٹ

عسل مصفّٰی پر محبی مکرمی اخویم مولوی محمد عمر الدین صاحب لکچرار جماعت احمدیہ شملہ وکلرک دفتر ڈائرکٹر جنرل ہسپتال ہندوستان

«رہنمائے احمدیہ»

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ
ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (النحل)

ان آیات مبارکہ میں جو قرآن کریم کی صداقت کی ایک نہایت زبردست دلیل ہیں یہ بیان
کیا گیا ہے کہ "خداوند کریم نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ تو ثمرات میں سے کھا اور اپنے رب کے بتائے
ہوئے راستہ پر چلی چل۔ اور پھر اسکے پیٹ سے ایک چیز جو مختلف رنگوں کی ہوتی ہے جسے لوگ
پیتے ہیں نکلتی ہے اور جسے شہد کہتے ہیں اور اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ تمام اطباء
شہد کے فوائد بیان کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ شفاء للناس ہے۔ مگر یہ
فائدہ اجسام تک ہی محدود ہے اور روح کی شفا کیلئے روحانی شہد کی ضرورت تھی اور عین اُس وقت
جبکہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا نقشہ چاروں طرف نظر آرہا تھا۔ خدا نے اپنی معرفت کے
پھولوں سے کھینچا ہوا شہد دُنیا کے لئے عطا فرمایا۔ یعنی حضرت نبی کریم محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلے اللہ
علیہ وسلم کے قلب مطہر پر قرآن عظیم کا نزول کیا۔ جسپر زمانہ شاہد ہے پھر حسب سنت اللہ کے بموجب وہ روحانی شہد
دُنیا سے اُٹھ گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بروز محمد واحمد کو اس چودھویں صدی میں دُنیا میں نازل فرمایا

اور اُسنے وہی آسمانی شہد پھر دُنیا کے مختلف امراض کیلیے بطور نسخہ مجربہ مختلف رنگوں میں پیش کیا جس سے آج تک لاکھوں بندگان خدا شفایاب ہو چکے ہیں مگر بد قسمت یہود صفت علماء وقت نے اس نعمت کی بے قدری کی اور فرحِیۡنَ بِمَا لَدَیۡھِمۡ پر عمل کر کے کافر نعمت ہو گئے بلکہ اس ربانی نعمت کو مشتبہ بنانے کیلیے ساعی رہے لیکن انکے تمام منصوبے خدا کے پیارے مسیح کے ہاتھوں نسیًا منسیًا ہو گئے اور احمد کا مسیح موعود غلام احمد ہر میدان میں فتحیاب ہوا اور یوں خدا نے اُسے اپنا پیارا اور وَجِیۡھًا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ ثابت کر دیا۔

ان یہودی صفت علماء کے ہر قسم کے کاید کو توڑنے کیلیے اور مسیح موعود کی صداقت کے اظہار کیلیے ایک نہایت مخلص احمدی کو خدا نے چن لیا اور اُسنے خدا کی تائید سے عسل مصفّٰی کو جمع کیا جو فی الحقیقت اسم بامسمّٰی کتاب ہے میرا یقین ہے کہ اُن تمام کیلیے جو دارِ احمد سے دور ہیں اور شکوک والتباس کے گہرے گڑھے میں پڑے ہیں اور جنکو نکلنے کیلیے کسی کامل راہبر کی ضرورت ہے اُنکے لئے یہ عسل مصفّٰی ایک کامل راہبر ہے اور اُنکے جملہ امراض کا قرار واقعی علاج ہے۔ نہ صرف یہانتک بلکہ میرے جیسا کم عقل آدمی بھی اس کتاب کی مدد سے علماء ظاہر کا ناطقہ بند کر سکتا ہے۔

اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے جس میں ایک ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تائید میں بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں جو سب ایک دوسرے سے اعلیٰ ہیں اور نہایت قابل قدر ہیں مگر عسل مصفّٰی کی شان سب سے علیحدہ ہی ہے جس طرح کی یہ جامع اور مدلل کتاب ہے جو عالم وجاہل کو یکساں مفید ہے ایسی کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور میرے خیال میں اسے رہنماء احمدیہ کہنا بالکل بجا ہے۔ یا یوں کہو کہ یہ احمدیہ گائڈ بک ہے اور یا احمدیہ انسائکلوپیڈیا ہے۔ جس کے لئے ہر ایک احمدی مخدومی مرزا خدا بخش صاحب احمدی مصنف کتاب مذکور کا تا قیامت ممنون رہیگا۔ اور یہ میرا خیال ہے کہ مرزا صاحب کی یہ ایک خدمت ایسی خدمت ہے کہ جس قسم کی خدمت پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عثمانؓ کو کیا غم ہے اُس نے تو جنت کو مول لے لیا ہے +

بالآخر آں مخدوم سے میری یہ التماس ہے کہ عسل مصفّٰی کے دوسرے حصہ "شفاء للناس" کو بھی جلد شائع فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں اور خاکسار کی جناب الٰہی میں یہ دعا ہے کہ وہ آں مخدوم پر اپنی رحمت کی بارش برسائے اور ہمیشہ دین اور دنیا میں مظفر ومنصور رکھے۔ اور اس کی اس بیش بہا خدمت کو دنیا کے لئے باعث ہدایت کرے۔ آمین ثم آمین +

خاکسار عمر الدین احمدی
از شملہ

مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

انٹروڈکشن

ہم چھوٹے سے تھے تو ایک طرف اپنے بزرگوں سے سُنا کرتے تھے کہ تیرھویں صدی سے بھیڑیوں نے بھی پناہ مانگی ہے اور ہر چھوٹا بڑا یہی کہتا تھا کہ چودھویں صدی بڑی بابرکت ہوگی کیونکہ اُس میں امام مہدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائینگے۔ اور دوسری طرف جب ہم مسجدوں میں جاتے تو ہر جمعہ میں خطبہ کے وقت یہ الفاظ ہمارے کانوں میں پہنچتے تھے۔

حضرت آدمؑ نبی نیچے زمیں کے چل بسے ‌‌ ‌ نوحؑ کشتی بانِ عالم بھی بہانے چل بسے

یوسفؑ و یعقوبؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و خلیلؑ ‌‌ ‌ اور سلیمانؑ آسمانی مہر والے چل بسے

ہوؑد اور ادریسؑ و یونسؑ شیثؑ و ایوبؑ و شعیبؑ ‌‌ ‌ دعوتِ اسلام کر کے ٹھیرے چند ے چل بسے

حضرت عیسیٰؑ نبی داؤدؑ موسیٰؑ خاک میں ‌‌ ‌ لے کے توریت و زبور انجیل حق سے چل بسے

بعض لوگوں نے اس شعر کی نسبت یہ اعتراض کیا ہے کہ مجموعہ خطب علمی میں عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت آسمان آیا ہے اور یہاں بجائے آسمان زمین کا لفظ داخل کیا گیا ہے افسوس کہ لوگوں کی کیا تنگ حالت ہوگئی ہے۔ اول تو ہماری شنید کی بات تھی اور وہ بھی بچپن کے زمانہ کی اگر نفس مضمون پر ہی غور کرتے تو بھی گنجائش اعتراض کی نہ رہتی کیونکہ دُنیا کی بے ثباتی کا مضمون تمام اشعار میں لکھا گیا ہے اگر شاعر کی علم میں یہ یقینی امر ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور سب انبیا اور اولیا وغیرہ جنکا ذکر ان اشعار میں کیا گیا ہے مر گئے ہیں تو حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہرگز نہ کرتے کیونکہ زندہ کو مردوں سے کیا نسبت ہوسکتی ہے بلکہ ایسا ذکر کرنا نفس مضمون کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں علمی کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی موت یقینی تھی ورنہ زندہ کو مردوں میں وہ ذکر نہ کرتے۔ یہ بعد کے لوگوں کی کارروائی ہے اصل میں خود شاعر کے کلام میں ایسا ہی تھا جیسا کہ ہمنے لکھا ہے۔ بلکہ بعض احباب نے میرے سامنے بیان کیا ہے کہ پُرانے خطبوں میں اسیطرح چھپا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اور کتاب تائید حق مصنفہ مولوی حسن علی صاحب مرحوم میں جو ایک نیک پارسا محمدن مشنری تھے وہی شعر اسیطرح لکھا ہے جسطرح سُنا ہوا تھا۔ اور مولوی مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری نے میرے سامنے زور سے کہا کہ ہمارے

واسطے جنکے زمین و آسماں پیدا ہوا || جنت الفردوس میں وہ حق کے پیارے چل بسے

گا ہے سُنا کرتے تھے

آدم کہاں حوّا کہاں عیسٰی کہاں مریم کہاں || ہارون اور موسٰی کہاں اس بات کا ہی سکو غم

کبھی سنا کرتے

فکر کن در نفس خود جامی تو در شام و صبوح || اَین موسٰی اَین عیسٰی اَین یحیے اَین نوح

اور کبھی سُنا کرتے

کجا شد آدم و حوّا کجا شد یوسف و موسٰی || کجا ایوب زکریا کجا شد نوح طوفانی

کجا شد عیسٰے مریم کہ مردہ زندہ میکردے || سلیماں خود کجا رفتہ کجا تخت سلیمانی

چو ختم الانبیا ہم رفت گو آخر کہ مے ماند || بجز ذات مقدس قادر قیوم صمدانی

(حاشیہ صفحہ (الف) والد صاحب کے کتب خانہ میں جو قلمی خطبہ موجود ہے اس میں بھی اسطرح لکھا ہے بلکہ خود خطبہ علمی میں جو آجکل ہی عام مروج ہے اُس سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے چنانچہ جہاں لکھا ہے جس طرح زیر زمیں یہ لوگ سارے چل بسے ✻ چل بسینگے ایک دن ہم بھی اسی صورت سے آہ تو تھوڑی توجہ سے بھی معترض صاحب کو کوئی گنجائش اعتراض کی نہیں رہتی کیونکہ عیسٰی علیہ السلام سارے لوگوں میں داخل ہیں جبکہ خود علمی شعر مذکور میں تسلیم کرتا ہے کہ جن لوگوں کا اُسنے ذکر کیا ہے یہ سارے کے سارے زیر زمیں چل بسے ہیں۔ علاوہ اسکے جب ہمنے دیگر مجموعہ خطب بھی دیکھے تو ثابت ہوا کہ معترض صاحب کا اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ اکثر خطب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات ہی مذکور ہوئی ہے۔ دیکھو حوالہ جات ذیل۔

یار و عزیز و دوستو دنیا میں ہرگز مت پھنسو || دل اسکی اُلفت میں مدوست ہار و تم اپنا جنم

آدم کہاں حوّا کہاں مریم کہاں عیسٰی کہاں || ہارون اور موسٰی کہاں اس بات کا ہے سکو غم

چلنا یہاں سے ایکدن آوے نہ کام اعمال بن || چلنے کا آوے ایکدن وعدہ سے دم زائد نہ کم

دیکھو مجموعہ خطبہ سالتمام معہ ابیات جید مولفہ جناب مولوی غلام حیدر صاحب مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور سنہ ۱۹۰۲ء و مجموعہ خطب مرتبہ فقیر اللہ مطبوعہ مطبع محمدی صفحہ ۶

وصل کا اپنے پلا فیروز کو جام صبوح || زندگی پر کچھ نہیں امید گو ہو عمر نوح

اَینَ مُوسیٰ اَینَ عِیسیٰ اَینَ یحیٰ اَینَ نُوح || اَنتَ یَا صِدِّیقُ عَاصِی تُب اِلَی المَولَی الجَلِیل

اور ان ہی خطبات کے ذریعہ لوگوں کو دُنیا کی ناپائیداری کا نقشہ پیش کر کے ڈراتے اور رُلاتے تھے۔ لیکن افسوس زمانہ کی کیسی گندی اور ناپاک حالت ہے۔ جب سے مرسل یزدانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اس مسئلہ کو طشت ازبام کر دیا ہے تو یک لخت وہی لوگ جو ایک مدت پہلے منبر و نبیر چڑھکر دلکش اور رقت آمیز لہجہ سے تمام انبیا کی موت کا ذکر کرتے تھے اب اُن خطبات کا پڑھنا تو درکنار اب اُن کا ذکر تک ہی نہیں کرتے۔ بلکہ مخالفت پر ایسے تلے کہ مسیح کی وفات کے قائل کو کافر کا خطاب داغ دیا۔ اور حضرت مسیح موعود کی جماعت کے لوگوں کو جا بجا ستانے اور ایذائیں دینے لگے۔ اسی بنا پر خاکسار نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا۔

دیکھو مخمس فیروز برمناجات حضرت صدیق اکبر۔ در مناجات فیروزی مطبوعہ مطبع مفید عام پریس سیالکوٹ

حوّا کہاں آدمؑ کہاں وہ دم کہاں یہ دم کہاں ‖ اُسوقت کا عالم کہاں آخر فنا آخر فنا
کشتی کہاں طوفاں کہاں وہ نوحؑ کشتیباں کہاں ‖ کنعانِ نافرماں کہاں آخر فنا آخر فنا
تختِ سلیماں کہاں داوٗدؑ خوش الحاں کہاں ‖ وہ کرّو فر اور شاں کہاں آخر فنا آخر فنا
یوسفؑ کہاں موسیٰؑ کہاں ایوبؑ اور یحیےٰؑ کہاں ‖ مریمؑ کہاں عیسیٰؑ کہاں آخر فنا آخر فنا
فرعون اور ہاماں کہاں قارونِ نافرماں کہاں ‖ کس کا رہا ہے یاں نشاں آخر فنا آخر فنا

دیکھو مجموعہ خطب فیروزی مرتبہ محمد فیروز الدین سکوبی بفرمائش حاجی چراغ الدین و سراج الدین صاحبان لاہور مطبوعہ مطبع رفاہ عام سٹیم پریس لاہور صفحہ ۲۰۔ پنجابی نظم

کہاں آدم صفی اللہ سدہایا ‖ جنھاں مخلوق دا بابا کہایا
کہاں گئے نوح نوحہ گر اسینے ‖ جو رو رو خوف تھیں ہوئے نابینے
کہاں گئے اوہ سلیمان تخت والے ‖ کہاں گئے اوہ سکندر بخت والے
کہاں موسیٰ کہاں عیسےٰ پیغمبر ‖ گئے دھرتی دوئی دے جا گہ اندر
کہاں گئے او محمدؐ خود نبی پاک ‖ جنھاں دے حق کہا اللہ نے لولاک
سنوں یارو جو یں اگلے سدہائے ‖ نہ مڑکے پھر ساڈی طرف آئے
تویں ساڈا ہوسی ہکدن چلانا ‖ کرو اوہ چیز جسنے ساتھ جانا

دیکھو مجموعہ خطب مولوی جان محمد۔

ہزاروں حمد ہے حق کو جو ہے مخلوق کا بانی ‖ اُسیکے دستِ قدرت میں ہمیشہ ہے جہانبانی

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُسنے اپنے فضل خاص سے اس کتاب کے لکھنے میں خاص توفیق عطا کی اور پھر میں اپنے مخدوم اُستاد اپنے محسن حکیم اُمت علامہ نورالدین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کمال مہربانی سے اپنے کتب خانہ سے کثیر التعداد کتابوں کا ذخیرہ بہم پہنچایا۔ اور پھر میں اپنے نوجوان صالح اور پاکباز آقائے نامدار ذوالاقتدار عالی جناب

حاشیہ صفحہ الف)

وہی شاہ ولایت ہے وہی خلقت کا مالک ہے — وہی دیتا ہدایت ہے اُسی سے ہے خدا دانی

کہوں صلوات احمد پر معہ اصحاب و آل اُنکے — جو اخیار اُمت کے نہیں اُنکا کوئی ثانی

عزیزو ہوش کر دیکھے کہاں ہیں آشنا تیرے — عزیزو اقربا تیرے محب و دوست لاثانی

کہاں ہیں حضرت آدم کہاں ہیں حضرت حوا — کہاں ہیں نوح پیغمبر جو تھے وہ آدم ثانی

کہاں حضرت خلیل اللہ کہاں حضرت ذبیح اللہ — کہاں موسیٰ کلیم اللہ کہاں وہ ماہ کنعانی

کہاں یحییٰ و زکریا کہاں داؤد و روح اللہ — کہاں یوشع نبی اللہ کہاں ملک سلیمانی

کہاں وہ انبیاء اللہ کہاں وہ اولیاء اللہ — کہاں حضرت رسول اللہ محب خاص رحمانی

کہاں بوبکر عمر عثمان کہاں حیدر شہ دوراں — لہم غفران والرضوان یہ تھے سب مرد حقانی

کہاں وہ حضرت نعمان امام اعظم و مالک — کہاں حنبل کہاں شافعی گئے سب چھوڑ یہ فانی

کہاں وہ واقف عرفان حقائق اور معارف دان — رموز عشق کے عارف جو تھے محبوب سبحانی

کہاں وہ والیان ملک دنیا کے جو تھے ظالم — رعایا پر ظلم کرتے رہے وہ ظلم کے بانی

کہاں وہ حشمت و دولت کہاں وہ لشکر و عظمت — دکھائے زور دنیا میں ہوئے سب ایکدن فانی

عزیزو ایکدن ہم سب یہ دنیا چھوڑ جاوینگے — قبر میں ہو تن تنہا رہیں گے قرنہا فانی

فنا ہو جائیگی ہر چیز آخر ہے بقا کس کو — بجز ذات مقدس قادر قیوم ربانی

دیکھو مجموعہ خطب سبالتمام مصنفہ مولوی غلام حیدر مطبوعہ مطبع حافظ محمد دین مرید پیر مہر علی گولڑوی صفحہ ۲۱۔۲۲

خود بھی سکندر بادشاہ جسنے کیا دارا تباہ — مرکر ہوا بیشک فنا جاتا رہا وہ کر و فر

محمود شاہ غزنوی۔ وہ شمس و قطب دہلوی — سب کی حکومت کیا ہوئی۔ تھے جتنے حاکم نامور

تیمور اکبر شاہجہاں۔ ہے محی دین غازی کہاں — پھر زور والے نوجواں۔ والا ہمم فرخ سیر

آدم سے تا احمد نبی سبنے یہ دنیا چھوڑ دی — چلدئے یہاں سے سب ولی۔ میموں لقا نور البصر

نواب محمد علیخانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مرحمت خسروانہ سے اپنے صرف کثیر سے تمام ہندوستان کا سفر کرایا اور معلومات وسیع کا موجب ٹھیرایا اور عجیب در عجیب کتابیں پیدا کر کے اپنے کتب خانہ کو بارونق بنایا جنکے مطالعہ سے احقر نے بہت ہی فائدہ اُٹھایا جزاہما اللہ خیر الجزا فی ہذا الدنیا والآخرہ ۔

حاشیہ صفحہ (الف) دیکھو صفحہ ۵۴-۵۵ مجموعہ خطب غلام حیدر مطبوعہ حافظ محمد دین لاہوری ۔

تخت سلیمانی کہاں وہ شان و شوکت سروری
دُنیا کو خالی کر دیا سب ایکدن مرجائینگے

جب پاک احمد مصطفےٰ فانی جہاںسے چلدیئے
پھر کون ہی جو بچ رہا سب ایکدن مرجائینگے

پھر بعد میں خلفانے بھی دُنیائے دوں کو چھوڑکر
سوئے عدم کا رُخ کیا سب ایکدن مرجائینگے

حسنین نے پھر بعد ازاں خالی کیا ہی یہ جہاں
شہد شہادت پی لیا سب ایکدن مرجائینگے

دخت نبی خیر النسا دار الفنا سے چل بسی
ہرگز نہ کوئی بچ سکا سب ایکدن مرجائینگے

مر گئے سارے انبیا سارے ولی نیکو لقا
جب ہو گیا امر خدا سب ایکدن مرجائینگے

دیکھو مجموعہ خطب مذکورہ بالا صفحہ ۵۴ و ۵۵ ۔

تا یادکن از رفتگاں زانہا نماندہ یک نشاں
نے پیر ماند و نے جواں انا الیہ راجعون

از اولیا و انبیا از اصفیا و اتقیا
رفتند زیں دار الفنا انا الیہ راجعون

یوسف برفتہ زیں جہاں دیگر زلیخائے جواں
صدہا گذشتہ زیں مکاں انا الیہ راجعون

تخت سلیمانی کجا آں ماہ کنعانی کجا
آں فر خاقانی کجا انا الیہ راجعون

احمد محمد مصطفےٰ رفتہ ازیں دار الفنا
پس کیست کو ماند بجا انا الیہ راجعون

دیکھو مجموعہ خطب مذکورہ بالا صفحہ ۵۴ ۔

کجا شد آدم و حوا کجا شد یوسف و موسیٰ
کجا ایوب زکریا کجا شد نوح طوفانی

کجا شد عیسیٰ بن مریم کہ مردہ زندہ میکرد او
سلیماں خود کجا رفتہ کجا تخت سلیمانی

خلیل اللہ کجا رفتہ ذبیح اللہ کجا رفتہ
ہمہ در خاک شد خفتہ بمشت خاک پنہانی

ہزاراں پاک پیغمبر ہزاراں اولیا اللہ
کہ اسمائے مبارک آں نہ من دانم نہ تو دانی

چو ختم الانبیا ہم رفت دیگر کیست کو ماند
مگر ذات مقدس قادر قیوم صمدانی

دیکھو مجموعہ خطب مذکورہ بالا صفحہ ۳۶ ۔

کسی قدر افسوس ضرور ہے کہ بوجہ عجلت مسودہ پر پوری نظر ثانی نہیں ہوسکی اور بہت سی یادداشتیں اندراج کرنیسے رہگئیں کیونکہ ہمارے پیشوا۔ ہمارے مقتدا سیدنا وسید الوریٰ حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک فدکو سفر نصیبین کی روانگی کا حکم نافذ فرمایا ہے جسکا امام اس عاجز کو کیا گیا ہے۔ لہذا اتنی مہلت نہ تھی کہ اطمینان کے ساتھ ایک دفعہ نظر ثانی کیجاتی۔ بلکہ وقت اسقدر تنگ تھا کہ مجھے آٹھ دس کاتب لگانے پڑے تاکہ جہانتک جلد ممکن ہو کتاب لکھی جائے حیات مستعار کا کیا اعتبار ہے اپنے احباب کے لئے ایک یادگار تو باقی رہجائے تاکہ اس کتاب کو پڑھکر شاید کوئی نہ کوئی بزرگ اس عاجز کے حق میں دعائے خیر سے یاد کرلیا کریگا۔

چونکہ یہ کتاب بڑی عجلت میں طبع ہوئی ہے ضرور اس میں نقص رہگئے ہونگے اُمید ہے کہ احباب معذور فرمائینگے۔ مینے اس کتاب میں احادیث وغیرہ کا لفظی ترجمہ بہت ہی کم کیا ہے صرف مطلب کو مدنظر رکھا ہے اور جہانتک ممکن تھا سلیس اور عام فہم زبان میں مضامین کو سمجھایا ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے احباب اس سے بہت محظوظ ہونگے۔ اور اس عاجز کو بھی دعائے خیر سے یاد فرمائینگے

میں نے اس کتاب میں یہ انتظام کیا ہے کہ چونکہ بعض علماء زماں لوگوں کو تفسیر دکھا کر دھوکہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اس لئے سب سے اول مینے قرآن کریم پر غور کی کہ دیکھیں فی الحقیقت الفاظ قرآن حمید سے کہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بجسدہ العنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں تو مجھے ایک آیت بھی نظر نہ آئی بلکہ کثیر آیات اس مضمون کی نظر پڑیں کہ جن سے اُنکی وفات ثابت ہوتی ہے۔ پھر مینے دل میں سوچا کہ جب بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں شاید کوئی حدیث ہی آئی ہو جس میں اُن کی حیات کا مذکور ہو لہذا میں نے احادیث کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور جسقدر کتب احادیث دستیاب ہوسکیں میں نے دیکھیں۔ مجھے ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی جس سے حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہو۔ پھر میں نے کہا کہ مفسرین میں بعض بڑے بڑے علامہ ہوئے ہیں ضرور اُنکے پاس حیات مسیح کی کوئی وجہ قوی ہوگی جس کی بناء پر اُنھوں نے اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ لہذا میں نے تفاسیر کو دیکھنا شروع کیا۔ اور جسقدر محققین مفسر ہوئے ہیں اُن میں سے ایک کو بھی میں نے نہیں دیکھا کہ اُس نے کوئی ایسی قطعی اور فیصلہ کن دلیل لکھی ہو جس سے حیات مسیح پایۂ ثبوت کو پہنچی ہو بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس بارہ

بڑے ہی متردد ہیں اور اسیواسطے اپنی تفسیروں میں مختلف اقوال درج کرتے رہے ہیں چنانچہ
میں نے دیکھا کہ تقریباً کل تفاسیر میں منجملہ دیگر اقوال کے ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح
مر چکے ہیں جیسے کہ ہماری کتاب سے ظاہر ہے۔ اور ہمنے صرف اسی قول وفات کو اپنی
کتاب میں درج کر دیا ہے۔ جس سے ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ اگر مفسرین کے نزدیک
یہ امر فیصلہ شدہ تھا کہ حضرت مسیح بجسد والعنصری آسمان پر چلے گئے ہیں تو اس قول کو
وہ ہرگز اپنی تفاسیر میں نہ لاتے۔ مگر اُنکے اس قول کے اندراج نے اُنکے دل کا فوٹو کھینچ
دیا کہ وہ خود متردد تھے۔ پس اس زمانہ کے کسی مولوی ملاں کا کسی دوسرے قول کو پیش کرنا
بجز نادانی یا دھوکہ دہی کے اور کچھ مقصود نہیں ہوگا۔

علاوہ تفاسیر کے میں نے دیگر ائمہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا اُنسے بھی ہمیں کوئی ایسی شہادت
تو یہ نہیں ملی جس سے حیات مسیح ثابت ہو بلکہ جسقدر روایات ملیں اُنسے وفات ہی ثابت ہوتی ہے
بعض جگہ ہماری کتاب کے مضامین میں تکرار بھی ہوگیا ہے جسکی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ
مسودہ پر دوبارہ نظر کرنے کا موقع نہیں ملا کاتبوں کو عجلت میں مضمون تقسیم کر دیئے گئے اور
دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض جگہ دانستہ روایات میں تکرار کیا گیا ہے اور وہ اس لئے کہ اگر ایک
کتاب کی کوئی روایت بیان کریں تو آجکل کے علماء محض دھوکہ سے کہدیتے ہیں کہ اس ایک
روایت کا کیا اعتبار ہے اس لئے میں نے اُسی روایت کو مختلف محدثین کی کتابوں سے
لیکر درج کر دیا ہے تاکہ ہماری جماعت کا ہر فرد بخوبی آگاہ ہوجائے کہ اس مضمون کی حدیث
فلاں فلاں کتاب میں بھی درج ہے۔

میں نے اس کتاب میں کل مجددین۔ کل مہدیین و بعض کذابین کی فہرست بھی درج
کر دی ہے تاکہ ہمارے ناظرین کی معلومات وسیع ہو اور بحث کیوقت اُن میں سے کسی ایک کو
بطور نمونہ پیش کر کے گوئے سبقت لیجائیں۔

علاوہ ازیں میں نے حضرت مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کے ثبوت معہ اُنکی تعلیم
اُنکے اخلاق کے دیئے ہیں۔ اور کسیقدر اُنکی سوانح عمری بھی لکھ دی ہے۔ اور جسقدر
کتب سابقہ یعنی توریت۔ انجیل و زبور و صحائف انبیاء و قرآن کریم و احادیث نبوی و آثار صحابہ
و اقوال ائمہ میں مسیح موعود کی علامات آئی تھیں قریباً سب کا سب درج کر دی ہیں گو بعض

جلدی کی وجہ سے رہ بھی گئی ہیں اگر خدا نے چاہا تو سیکنڈ ایڈیشن پر کل نقص کے دور کرنیکی
کوشش کیجائے گی۔

میں تفاسیر قرآن کریم وکتب احادیث کی فہرست اپنے اپنے موقع پر درج کر چکا ہوں
اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ باقی کتابوں کی فہرست دیجائے جن سے میں نے مدد لی ہے
سو وہ فہرست حسب ذیل ہے۔

مواہب لدنیہ علامہ قسطلانی۔ تفہیمات الٰہیہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ یواقیت والجواہر عارف ربانی
علامہ عبدالوہاب شعرانی۔ فتاوی حدیثیہ علامہ شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر الہیمی۔ کنز العمال
علی متقی۔ مدارج السالکین علامہ شیخ ابن قیم۔ کشف المحجوب حضرت علی ہجویری الشہیر بداتا
گنج بخش صاحب۔ تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ کامل ابن اثیر جزری۔ تاریخ الخلفا امام جلال الدین
سیوطی۔ فتوحات مکی محی الدین ابن عربی۔ سیف المسلول قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ تحفہ اثنا عشریہ
حافظ غلام حلیم بن شیخ قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی۔ انواع برخوردار ساکن
چٹھی۔ حجج الکرامہ فی آثار القیامہ نواب صدیق حسن خاں۔ اقتراب الساعہ مولوی نور الحسن خاں
طبقات امام شعرانی۔ جواہر الاسرار علی ہمزہ طوسی۔ فصل الخطاب علامہ نور الدین قادیانی
سیرۃ المسیح فاضل عبدالکریم سیالکوٹی۔ شرح فصوص الحکم ملا عبدالرحمن جامی۔ عمدۃ الطالب فی
انساب آل ابی طالب سید احمد بن علی۔ شرح مواہب لدنیہ علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی
مہدی نامہ قاضی القضاۃ المرتضیٰ علی خاں مدراسی۔ ہدیہ مہدویہ۔ نجم الثاقب۔ مہدی نامہ
علی متقی۔ احوال الآخرۃ حافظ محمد لکھوکے والے۔ تحفہ گولڑویہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام۔ ازالہ اوہام حضرت مسیح موعود۔ آئینہ کمالات اسلام۔ مسک العارف رئیس المحدثین
سید محمد احسن صاحب امروہی۔ شمس بازغہ فاضل موصوف امروہی۔ تاریخ اورشلیم۔ کشف الظنون
التعارض بین العقل والنقل لشیخ الاسلام احمد بن حلیم الشہیر بابن تیمیہ۔ زاد المعاد شیخ ابن قیم
تاریخ ابن خلکان۔ غایت المقصود علی حائری۔ التلخیص التواریخ مولوی محمد حسن امروہی۔ ش
الترقیم فی ذکر اصحاب الکہف والرقیم سید احمد خاں۔ اشاعۃ السنہ شیخ ابوسعید محمد حسین۔ حدیث الغاشیہ
نواب صدیق حسن خاں۔ مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی حافظ غلام نبی۔ مکتوبات امام ربانی
خزینۃ الاسرار سید محمد حقی النازلی۔ اختار لسعادۃ بایثار العلم علی العبادہ نواب صدیق حسن خاں

منتہی الارب۔ اساس البلاغت۔ اقرب الموارد۔ قاموس۔ تاج العروس۔ لسان العرب
صراح۔ صحاح جوہری۔ غیاث اللغات۔ اقتباس الانوار۔ ستہ ضروریہ۔ شیخ یعقوب چرخی
مطول علامہ تفتازانی۔ تہذیب المتین فی تاریخ امیرالمومنین سید مظہر حسن ساکن جگادہری۔
تیسیر الوصول الی جامع الاصول۔ بستان ابواللیث فقیہ سمرقندی۔ التلخیص الحبیر حافظ
ابن حجر عسقلانی۔ تاریخ روضۃ الصفا۔ مشکوۃ المصابیح۔ ماثبت بالسنہ عبدالحق محدث
دہلوی۔ منصب امامت مولوی محمد اسمعیل شہید۔ الدلیل الواضح فی اعتقاد السلف صالح عبداللہ
بن عبدالرحمن حنبلی سلفی۔ کتاب البریۃ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ شہادت القرآن حضرت مسیح
ضرورت الامام حضرت مسیح علیہ السلام۔ نشان آسمانی۔ فیصلہ آسمانی۔ تریاق القلوب
حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ الفاروق مولوی محمد شبلی نعمانی۔ رسالہ بشارات احمدیہ علی حائری
طے الفراسخ الی منازل البرازخ سید ذوالفقار احمد۔ ستیارتھ پرکاش پنڈت دیانند مترجمہ بھیل
داس وغیرہ۔ مرقاۃ المفاتیح ملا علی قاری۔ توریت شریف۔ کتاب یسعیا نبی۔ کتاب حضرت
دانیال۔ کتاب حضرت یرمیا نبی۔ کتاب حزقیل نبی۔ کتاب میکہ نبی۔ کتاب حبقوق نبی۔
کتاب تاریخ زبور۔ انجیل متی۔ انجیل مرقس۔ انجیل لوقا۔ انجیل یوحنا۔ مکاشفات یوحنا
تاریخ مسٹر کانڈی۔ ریلیجس سسٹم آف دی ورلڈ۔ انسائیکلوپیڈیا مسٹر بالفور۔ اکسیر فی اصول
التفسیر نواب صدیق حسن خاں۔ اخبار الدول علامہ ابوالعباس احمد دمشقی۔ پکی روٹی حافظ
برخوردار۔ مظاہر حق نواب قطب الدین خاں۔ اعمال جواریں۔ آریہ دھرم حضرت مسیح
موعود علیہ السلام۔ رپورٹ چرچ مشن سوسائٹی ۱۸۹۷ء و ۱۸۹۳ء۔ تاریخ قدیم و جدید مسٹر ولیم
سونٹن۔ تاریخ ہند مسٹر لیتھرج۔ آخرگت مولوی محمد رمضان۔ تاریخ ۲۔ شری مدبھاگوت اردو۔
علاوہ انکے اور بھی کتابیں ہیں مگر میں بوجہ عجلت نہیں لکھ سکتا۔

مزید براں کثیر اخبارات انگریزی و اُردو بہم پہونچائے گئے ہیں جنکی رُو سے احادیث
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا وقوع ثابت کیا گیا ہے۔

میں نے آسانی کیلئے اس کتاب کو بابوں اور فصلوں پر منقسم کر دیا ہے۔ تاکہ پڑھنے
کیوقت گرانی نہ معلوم ہو۔ اور جہانتک ممکن تھا اُن کل آیات کو جو بعض علماء زماں مسیح کی
حیات کی دلیل ٹھیراتے تھے لکھ کر ہر پہلو سے بحث کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ علماء سخت غلطی پر

ہیں جو اِن آیات کو مسیح کی حیات کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

میں نے اُن روایات میں سے جو مسیح اور مہدی کی نسبت وارد تھیں اور جنمیں بکثرت استعارات تھے اس کتاب میں بہت کم درج کیا ہے کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں کی عقلیں استعارات کے سمجھنے کیلئے تیار نہیں حتیٰ کہ اس زمانہ کے علما بھی اس پُر اسرار علم سے محروم ہیں اور ان اسرار کو تاویل کہدیا کرتے ہیں حالانکہ تاویل کے معنے ہی اصل حقیقت کے ہیں لیکن وہ اس تاویل کا مفہوم جھوٹے یا دور از قیاس ہونیکے معنی لیتے ہیں" فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ بالآخر اپنے پیارے مخدوم و مولا حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما کر سعادت دارین کا وارث بناوے اور اس عاجز کے ہاتھ سے بڑی بڑی خدمات دینی سرانجام ہوں اور یہی دلی خواہش ہے کہ اسی راہ میں جان قربان ہو جاوے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؕ

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھکر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ تھا کچھ کچھ نشاں اُس میں جمالِ یار کا

اُس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارہ میں تماشا ہے تری چمکار کا

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرے میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس تری گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رخ کافر و دیندار کا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا

ایکدم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

سبب تالیف کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ۝ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۝

اما بعد۔ واضح ہو کہ جب سے محبوب سبحانی مرسل یزدانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مجدد۔ محدث۔ مہدی و مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے عوام کالانعام میں ایک شور محشر برپا ہو رہا ہے اکثر علماء تو تکذیب و تکفیر کرتے اور قلیل ہی علماء ہیں جو اُنکی تصدیق کا دم بھرتے ہیں۔ اس عاجز نے بھی جہانتک ممکن تھا غور و فکر سے کام لیا اور برائے دریافت حقیقت حال سفر اختیار کر کے قادیان میں حاضر ہوا۔ چند روز تک فروکش رہا۔ اُنکی صورت اُنکے چہرے کو دیکھکر میری فطرت نے گواہی دی کہ یہ منہ جھوٹ بولنے والا نہیں۔ اُنکی تقریر میں وہ تاثیر کہ بجلی کیطرح دلوں کے اندر گھستی چلی جاتی ہے۔ تحریر میں وہ زور کہ اُنکے قلم کے مقابلہ میں تمام اقلام ختم ہو جاتی ہیں۔ اُنکی چند روزہ صحبت اکسیر کا حکم رکھتی اور اُنکے ساتھ نماز پڑھنے سے ایک خاص سرور و لذت حاصل ہوتی ہے اُنکے اخلاق حمیدہ۔ اُنکے اوصاف پسندیدہ۔ اُن میں غیرت دینی و حمیت اسلامی فوق العادت ہے۔ اُنکے مزاج میں خلاق عالم نے ہمدردی بنی نوع کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے اُنکی فطرت میں دین قویم کی عظمت۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یہانتک ودیعت رکھی گئی ہے کہ ایک عاشق زار کی طرح جو اپنے معشوق کی فکر میں لق و دق جنگل میں مارا مارا پھرتا اور آہ و زاری کرتا اور خواب و خور کو اپنی ذات پر حرام کر لیتا ہے۔ شب و روز اسی فکر میں گداز ہوتا جاتا ہے کہ کسیطرح اسلام کا اصلی چہرہ جو اُسکے ناخلف بیٹوں نے مسخ کر کے نہایت ہی بدنما کر رکھا ہے اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ دُنیا میں پھر ظاہر ہو

اور اُس رسولِ اُمّیِ فداہُ ابی و اُمّی کی عظمت کہ جنکے غلاموں کے قدموں پر قیصر و کسریٰ
کے تاج سرنگوں ہو گئے تھے۔ صفحۂ عالم پر اپنے کامل جمال و جلال کے ساتھ قائم ہوئے
اور اُس کتاب پاک کے انوار تمام مشارق و مغارب میں چمکتے ہوئے دکھلائی دیں
اور ہر جگہ اور ہر مقام پر اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوتے ہوئے سنائی دیں۔ ادہر
تو یہ حالت اور دوسری طرف جب ہم دیکھتے ہیں کہ صفحۂ عالم پر ضلالت اور گمراہی کی ایک
تیز آندھی چل رہی ہے۔ دجالی فتنوں نے سطح زمین کو سڑے ہوئے مردار کی طرح بدبودار
کر دیا ہے جس کے زہریلے مواد سے مخلوقات کے دماغ گندے اور ناپاک ہو گئے ہیں
اُنکی بصیرتیں سحر فرنگ کے اثر سے چندھیا گئی ہیں۔ اُنکی سیرتیں فلسفہ یورپ سے منقلب
ہو گئی ہیں۔ علماء اسلام علوم مغربی کے سامنے عاجز بلکہ مخبوط الحواس اور حکما و عقلا سائنس
یوروپ کے آگے سربسجود ہو گئے ہیں۔ غرض کہ زمانہ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا
مصداق ہو رہا ہے اور یہانتک نوبت پہونچ گئی ہے کہ آسمانی روشنی اور آسمانی نور
سے مسلمان کوسوں دور جا پڑے ہیں۔ اور جیسے غلاظت کے کیڑے غلاظت ہی میں
رہنے سے اپنی زندگی کی بقا سمجھتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی اپنی ناپاک روح کی تازگی اسی
میں سمجھتے ہیں کہ وہ غذا جو کچھ عرصہ سے دجال اکبر نے تیار کی ہے کھائیں اور لذت
اُٹھائیں۔ غرض ایک طرف تو دجالی تعلیم۔ دجالی فنوں نے لوگوں کے دلونکو مسخر کر لیا
اور دوسری طرف اسلام اور پیغمبر اسلام اور تعلیم اسلام پر نہایت ظالمانہ حملے شروع
ہو گئے۔ یہ حملے صرف عیسائی اقوام کے ہی نہیں بلکہ سب سے قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ
وہ قومیں بھی حملہ آور ہونے لگیں جنکا صدیوں سے چولی دامن کا ساتھ تھا یا غلامان اسلام
کی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ جس کی وجہ یہی اور صرف یہی ہے کہ اہل اسلام
حکومتوں کی وجہ سے بدکردار بداعمال ہو گئے اور طرح طرح کے پیرایوں میں خدائے عزیز
وقدیر کی نافرمانی اور حکم عدولی کرنے لگ گئے۔ گویا یہ سمجھ لیا کہ اُس خدائے قادر مطلق
نے اپنی ساری قدرت اپنی ساری طاقت اپنا سارا اختیار انہی کو دیدیا ہے جسطرح چاہیں
کریں۔ یا یہ سمجھ لیا کہ گویا خدا ہی نہیں رہا ساری خدائی اُنہی کے قبضہ میں آگئی۔ اُن
نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے جس خدا نے انکو اپنی فرمانبرداری

کی وجہ سے اُنکو اس رتبہ اور طاقت پر پہونچایا ہے اسکو یہ طاقت بھی ہے کہ نافرمانی کی وجہ سے خاک مذلت میں ڈالدے۔ لیکن جب کہ وہ چاہ عصیان اور طغیان میں ڈوب چکے تھے اور عیش وعشرت کے خمار نے اُنکو مدہوش کردیا تھا تو کیونکر عاقبت اندیشی کو کام میں لاسکتے تھے۔ آخر سنت اللہ پوری ہوئی تھی جیسا کوئی بیج بوتا ہے ویسا ہی پھل اُٹھاتا ہے ؎

گندم از گندم بروید جو زجو ٭ از مکافات عمل غافل مشو

غرض مسلمانوں نے اپنے کرتوتوں سے جو کچھ کیا اُسکا نتیجہ بھگت لیا۔ اور اسلام اس نوبت کو پہونچا کہ ایک ناتوان بیکس انسان کی طرح کس مپرس حالت میں ہوگیا۔ خود اسلام کے نام لیوا اپنی شقاوت قلبی و بداعمالی سے تعلیم اسلام سے دور جا پڑے۔ اور اسلام کا شیدائی صفحہ دنیا پر ایک بھی نہ رہا۔ الا ماشاءاللہ۔ اور دیگر اقوام اسلام کو بے برگ و بے نوا پاکر چاروں طرف سے اُس پر ٹوٹ پڑیں اور اُس کے مٹا دینے میں یہانتک جان توڑ کوششیں کیں کہ قریب تھا کہ اسلام کا نشان صفحہ زمین سے اُٹھ جائے کیونکہ اہل اسلام کی سوشیل اور تمدنی اور اخلاقی حالت میں بالکل فتور آچکا تھا اور دینی حالت برائے نام رہ گئی تھی۔ سچی طہارت حقیقی بالکل دلونسے جاتی رہی تھی۔ اور در و دیوار سے یہ صدا آرہی تھی۔

بیکسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست ٭ ہر کسے در کار خود با دین احمد کار نیست

ہر کسے غمخواری اہل و اقارب می کند ٭ اے دریغ! این بیکسی را ہیچکس غمخوار نیست

غرض ہر طرح سے طوفان بے تمیزی برپا تھا کہ یکایک اسلام کی حالت زار اور مسلمانوں کو مصائب ناہنجار کے پنجہ میں گرفتار دیکھکر خلاق علیم کا رحم جوش میں آیا اور اپنے وعدہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

کے مطابق اپنے پاس سے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کے بچا نیکے لئے ایک ناخدا بھیجدیا جس نے آتے ہی خدا داد ید بیضا سے جادوئے فرنگ کو پاش پاش کر دیا۔ اور عام اقوام کے مجموعی حملہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوکر گرتے ہوئے اسلام کو یکقلم بچا لیا اور پھر اُسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس اسلام کے پہلوان نے دشمنان دین کے مضبوط قلعہ پر حملہ کردیا اور اُنکو یہانتک محصور کرلیا کہ اب اُنکو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور اب وقت قریب ہے کہ اُن کی عمارتوں کی اینٹ سے اینٹ بج جائے اور ہر جگہ اسلام ہی کا پھریرا ساری دنیا پر لہراتا ہوا نظر آئے

پس نہایت ضروری بلکہ اشد ضروری تھا کہ مسلمان اس نعمت غیر مترقبہ کو غنیمت سمجھکر ایسے ہمدرد اور جان نثار بزرگ کی غلامی کو اپنا فخر سمجھتے اور اُنکی کفش برداری کو موجب عزت جانتے اور ہر طرح سے اسکا ساتھ دیتے لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسے ہمدرد اور غمخوار دین کو نا اہل نادان ملاؤں اور ناہنجار بدکردار پیروں اور ظالم دھوکہ باز سجادہ نشینوں نے اپنی شامت اعمال سے بُرا کہنا شروع کیا۔ اور ایسے دشمن ہوگئے کہ اُنکی جان لینے کی دھمکیاں دیتے اور تکفیر تکذیب کے فتوے نکالتے اور طرح طرح کی ایذا میں تجویز کرتے ہیں۔ ہائے افسوس اُنکی عقلیں کیا ہوئیں اور انکی سمجھیں کہاں گئیں۔ آہ وہ تو اس کی ہمدردی اور غمخواری میں شب و روز اپنا خون خشک کر رہا ہے اور ادھر یہ بزرگ ہیں کہ انکے خون کے پیاسے بن رہے ہیں۔ اس قسم کا ظلم و تعدی دیکھکر میرے دل میں جوش پیدا ہوتا تھا کہ یا الہ العالمین نہ تو میرے پاس اتنی دولت ہے کہ سچے دین کی حمایت میں نثار کرسکوں نہ اتنا علم ہے کہ اُس کے زور سے علماء زماں کا مقابلہ کرسکوں اور نہ زبان میں طاقت ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنا ما فی الضمیر ظاہر کرسکوں اور نہ قلم میں زور ہے کہ تحریر کے ذریعہ سے کچھ شائع کرسکوں۔ غرض ہر طرح سے میری بے بضاعتی اور کم مائگی میرے ان ولولوں کو دبا دیتی تھی۔ اور میری کمزوری زبان حال سے بولتی تھی کہ اے نادان تمہارے جیسا کمزور و ناتوان انسان دُنیا کی اس زبردست جنگ میں کیونکر ایک دینی سپاہی کا کام دے سکتا ہے۔ اس میدان کارزار میں تو بڑے بڑے آزمودہ کار و بہادران نبرد آزما کا کام ہے۔ کیونکہ دشمن دولت میں تعداد میں قوت میں بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر بحمد اللہ خدا کا فضل اس مرسل یزدانی کے ساتھ تھا اُسنے اپنی قدرت کاملہ سے مختلف اوصاف کے سپاہی اسلام کی مدد کے لئے کھڑے کر دیئے کوئی اپنی دولت سے کوئی اپنے قلم سے کوئی اپنی زبان سے دین متین کی حمایت کے لئے کھڑا ہوگیا جس سے مجھے خوشی بھی ہوتی تھی اور رنج بھی خوشی تو اس لئے کہ جو میں چاہتا تھا اُسکا کچھ ظہور ہونے لگ گیا تھا۔ لیکن رنج اس لئے کہ میں اس نعمت سے محروم تھا اور میں خود کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے میں نے علیم و قدیر خدا کے آگے نہایت عاجزانہ اور اضطرابانہ دعائیں شروع کیں کہ اے مولائے کریم تُو سب قدرتوں کا مالک ہے مجھے بھی اس قابل کر کہ مجھ سے بھی اس دین قویم کی کچھ خدمت براری ہو۔ تو قادر و توانا ہے تو جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ سو الحمد للہ کہ میرے مولا میرے مالک حقیقی نے میری اس

دعا کو بھی شامل اور دعاؤں کے جو میرے ہوش سنبھالنے کے وقت سے آجتک قبول کر رہا ہے
مستجاب کیا اور مجھ سے ملازمت سرکاری چھوڑوا کر ایک ایسے مخدوم کے سپرد کیا جنکے احسانات
کو میں شمار نہیں کر سکتا۔ غرض اس محسن کی خدمت میں آنیسے مجھے سفر کرنے کے مواقع پیش آئے
اور علماء وقت کی خدمتوں میں حاضر ہونے اُنکے خیالات معلوم کرنے اور عجیب در عجیب
کتابوں کے مطالعہ کرنے کے اتفاق پڑے۔ چنانچہ اسی بنا پر شہر مدراس میں پہونچکر ایک
رسالہ بنام تبلیغ حق لکھکر شائع کیا جو بڑی عجلت سے لکھا گیا تھا اور ابھی تک بعض امور تحقیق طلب
بھی تھے مگر تاہم خدا کا شکر ہے کہ اُس نے عام قبولیت حاصل کی اور ہمارے قابلِ قدر بزرگ فخرِ زمان
علامۂ دوراں۔ بحر العلوم والفنون ماہر رموزِ قرآن واقف علومِ ادیان۔ حاجی الحرمین شریفین
مولٰینا و مخدومنا حضرت حافظ مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی ثم قادیانی۔ وافصح الفصحٰی
وابلغ البلغا عالمِ اسرارِ قرآن وفاضل علومِ زماں حضرت مولٰنا مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی
وفخر المحدثین وافضل المناظرین مجمع المعقول والمنقول حاوی فروع و اصول مولٰنا و بالفضل اولٰنا
حضرت سید مولوی محمد احسن صاحب امروہی و دیگر علماء دین متین نے جو جماعت حضرت مسیح موعود
میں داخل ہیں اُس مختصر رسالہ کو نہایت ہی پسند فرمایا حتّٰی کہ ہمارے پیارے ہادی انام ہمارے
مقدس امام ہمام۔ حجۃ اللہ برزمین۔ وجری اللہ فی حلل الانبیاء السابقین۔ مصداق حدیث
لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ ومورد آیہ کریمہ
وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ
وَنَاقَۃُ اللّٰہِ فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ وَکَلِیْمُ اللّٰہِ فِی الدَّوَرَانِ شَمْسُ الْھُدٰی وَ بَدْرُ الدُّجٰی صَاحِبِ
مَکْلَۃِ الْمَلَکِیَّۃِ وَ مَھْبَطِ قُوَّۃِ الْقُدُسِ سَیّدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان مسیح موعود
ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس ناچیز رسالہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے
سُننے سے اظہار خوشی فرمایا جس سے اس ہیچمداں کو ایک ہمت بڑھی اور حوصلہ پیدا ہوا کہ
اگر اور کوئی کتاب بھی خاکسار کے قلم سے نکلے توانشاء اللہ وہ بھی ایسی ہی عزت و فخر کا تاج پہنے
گی کیونکہ وہ محض دینی جوش سے لکھی جائے گی اور اس میں کسی ریا یا تفاخر کو دخل نہیں ہوگا محض
ابتغاء لوجہ اللہ وہ کارروائی ہوگی۔ سو دوسری وجہ جو اس کتاب کے لکھنے کی محرک ہوئی وہ یہی ہے
کہ خود امام ہمام ہادی انام میری ناچیز خدمت کو نظر قبولیت سے دیکھتے ہیں۔

تیسرا باعث جو اس کتاب کے لکھنے کا محرک ہوا وہ یہ ہے کہ سفر ہائے سابقہ میں جو قریباً ملک
پنجاب کے کل اضلاع و ممالک مغربی و شمالی و ملکا ودھ وصوبہ ہائے وسطی ہند و علاقہ بمبئی و
مدراس کے بڑے بڑے شہروں میں کیئے گئے اور بعد ازاں کے سفروں میں جو چھچھ و
پوٹھوار و ملک سندھ و کشمیر میں وقوع میں آئے مشاہیر علماء سے شرف ملازمت کے
مواقع پیش آئے اور مسئلۂ حیات و مماتِ مسیح علیہ السلام پر گفتگوئیں بھی ہوئیں اور جہاں تک
مینے دیکھا یہی پایا کہ علماء وقت صرف لکیر کے فقیر ہیں علوم دینی میں وسیع معلومات نہیں رکھتے
کم ہمت اور کم حوصلہ ہو رہے ہیں۔ اُنکی دلی اور پسندیدہ بات یہی ہے کہ جس طرح سے ممکن ہو
بقیہ زندگی بے کھٹکے کٹ جائے۔ مسائل میں تدبّر اور خوض کرنیسے بالکل عاری۔ اسرار آیات
قرآنیہ و معارف احادیث نبویہ سے بکلی بیزاری اُنکی عادت ہو رہی ہے۔ حقائقِ قرآنِ حمید و دقائق
فرقانِ مجید سے معذوری اور علوم جدیدہ و فنون پسندیدہ سے مہجوری گویا اُنکی قسمت میں ودیعت
رکھی گئی ہے۔ طمع و لالچِ دنیاوی اُنکی گردنوں پر سوار اور افلاس اور ناداری اُنکے گلے کا ہار
ہو رہی ہے۔ لوگوں کی عدم توجہی کے ہر آن نالاں اور پیٹ کی فکر میں شب و روز سرگرداں ہو رہے
ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینے میں بڑے ہوشیار مگر مسیح وقت سے ایسے بیزار
کہ اُنکو اور اُنکی جماعت کو بُرے بُرے خطابوں سے مخاطب کرنا اپنا شعار سمجھتے اور عوام کو اُنکی
صحبت اور مطالعۂ کتب سے منع و انذار کرتے ہیں۔ علماء کی یہ حالت زار اور عوام کو اُن کے
پھندے میں گرفتار دیکھکر میرے دلمیں جوش پیدا ہوا کہ جسطرح ممکن ہو سکے ایک ایسی کتاب
لکھی جائے جس میں کثیر التعداد آیاتِ کلام اللہ و احادیثِ رسول اللہ و آثارِ صحابہ نبی اللہ و
تفاسیر کتاب اللہ و اقوال ائمۂ مجتہدین و کلماتِ علماءِ متقدمین و متاخرین درج کیئے جائیں
شاید کہ یہ کتاب اُنکی بصیرت کا باعث و ہدایت کا موجب ہو اور عاصی گنہگار کے لئے وسیلۂ شفاعت
اور آنے والی نسلوں میں ذریعۂ دعا ہو۔

چوتھا باعث جو اس کتاب کی تالیف کا محرک ہوا وہ یہ ہے کہ گو ہمارے مقتدا ہمارے پیشوا
حضرت مسیح موعود نے مسائلِ پیش آمدہ میں اسقدر دلائل و براہین سے مالا مال کر دیا ہے
کہ اُنکی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ مختلف کثیر التعداد کتابوں میں
متفرق طور سے وہ براہین درج ہوئی ہیں اور یکجا جمع نہونے کے سبب سے ہماری جماعت کے افراد کو

مباحثہ کیوقت بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ اور چونکہ علماء زماں نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بڑے بڑے لمبے چوڑے فسانے بنا رکھے ہیں اور عوام کالانعام کو اُنسے بخوبی دھوکہ دیتے اور جماعت مسیح موعود کو بڑے بڑے افتراؤں اور اتہاموں سے متہم کر کے اُنکی نسبت نفرتِ شدید دلاتے ہیں۔ اسلئے ضروری سمجھا گیا کہ ایک ایسی جامع کتاب لکھی جائے کہ جو اُن مسائل پر حاوی ہو جو اسوقت میدان کارزار میں ضروری ہیں تاکہ ہماری جماعت کا ہر فرد خواہ وہ کتنا ہی علمی سرمایہ میں کمزور ہو بڑے سے بڑے عالم کیساتھ مسائل پیش آمدہ میں بیدھڑک گفتگو کر سکے اور اُسکو بحث کیوقت کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔ رَبِّ یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ

باب اوّل

اس بارہ میں کہ قرآن شریف دُنیا کیلئے مکتفی ہے کہ نہیں

دنیا میں صرف ایک کتاب قرآن شریف ہے جو تمام انسانی ضرورتوں کی متکفل اور بنی نوع انسان کی حاجت برآری کا ذریعہ ہے جس پر چلنے اور عمل درآمد کرنیسے نہ صرف اس دُنیا میں امن و آسائش کا موجب ہوتی ہے بلکہ عالم آخرت میں سرور بخش ابدی حیات کی ذمہ وار بنتی ہے اور خدائے لایزال کی رضامندی کی راہوں سے کماینبغی آگاہی بخشتی اور راحت افزا مواعید الٰہیہ کی بشارت دیتی ہے۔ مگر ہائے افسوس کہ دُنیا نے اس کی قدر نہ کی اور وائے بر حال مسلمانان کہ جنھوں نے ایسی کامل اور مضبوط اور غیر متبدل کتاب کو جو نور سے معمور بلکہ سراسر نور ہے پس پشت ڈال دیا اور اس سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ کیا یہ کوئی کمزور کتاب تھی جس سے مسلمانوں کو ندامت اُٹھانیکا اندیشہ ہو سکتا تھا یا کوئی بے اصل قصے کہانیوں کی کتاب تھی جس کے ترک سے اہلِ اسلام کو فائدہ متصور ہو سکتا تھا۔ یہ تو ایسی محکم اور مضبوط کتاب ہے کہ ایک رائی کے برابر بھی ضعف ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے فِیْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ یعنی جسقدر ابتدائے دُنیا سے اسوقت تک کتابیں منصۂ ظہور میں آئی ہیں اور یا جو آئندہ تا روز قیامت جسقدر مضبوط اور مدلل کتابیں پردۂ غیب سے چہرہ نما ہونگی وہ سب کی سب اس کتاب پاک میں موجود ہیں یعنی کوئی ایسی حقیقت جو

علوم مشہودہ محسوسہ کیطرح صحیح اور سچی پایہ ثبوت کو پہنچیگی اُس کا ثبوت قرآن پاک میں ضرور ہوگا اور کوئی جدید تحقیقات ایسی نہیں نکلے گی جو قرآنی تعلیم کے برخلاف ثابت ہوسکے چنانچہ یہ امر روز روشن کیطرح ظاہر و باہر ہے کہ ان تیرہ سو برس کے اندر جس قدر جدید علوم پیدا ہوئے یا علوم سابقہ میں مزید تحقیقاتیں ہوئیں اُنکی روسے ابتک کوئی ایسا امر پیدا نہیں ہوا جسنے قرآن شریف کی کسی صداقت کو غلط ثابت کر دکھایا ہو پس جبکہ ان ۱۳۰۰ برس کے اندر اہل اسلام کو اس کامل کتاب سے کسی طرح کی ندامت اُٹھانی نہیں پڑی تو آئندہ بھی ہرگز ہرگز اٹھانی نہیں پڑیگی پھر باوجود اسقدر عظیم الشان تجربہ کے قرآن حمید کی طرف سے خود مسلمانوں ہی کا رُخ پھیر لینا اور اُسکی تعلیم پر توجہ نہ کرنا افسوس کی بات ہے۔ اے مسلمانو تمہیں اس کتاب پر کچھ شک پڑگیا ہے کہ جسکی وجہ سے تمنے اُس نور کی طرف سے بے اعتنائی اختیار کرلی ہے ایسا کرنا تمہاری اپنی غلطی اور نافہمی کا باعث ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اسکی نسبت شروع ہی میں خبردار کرنا اور متنبہ فرماتا ہے کیا سورہ بقر کے ابتدا میں یہ آیت نہیں پڑھتے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی ہوشیار ہوجاؤ اور جان لو کہ یہ کتاب ایسی کتاب ہے کہ جس میں کسی قسم کے شک کو دخل نہیں اور نہ اس میں کوئی ہلاکت کی توقع ہے یہ تو سراسر یقین اور یقین کامل کا باعث ہے۔

انسان بے بنیاں کسی بادشاہ یا حاکم یا امیر کے حکم یا پروانہ کی اسواسطے جان توڑ کوشش کرکے تعمیل کرتا ہے کہ کہیں ہمارا بادشاہ یا حاکم یا امیر ناراض نہ ہوجائے اور جو امیدیں اُسکی ذات سے وابستہ ہیں وہ جاتی نہ رہیں۔ حالانکہ یہ یقین نہیں کہ اسکی اُمید برآری سے پہلے یہ خود بے نصیب مرجائے یا وہ دُنیا سے اُٹھ جائے یا اُسکی رائے ہی پلٹ جائے۔ لیکن ایسے مہربان شہنشاہ اور احکم الحاکمین اور امیر الامرا کے حکم نامہ سے غفلت اور سہل انگاری کرتا ہے۔ جس کے حیّ و قیوم ہونے کا یقین کامل ہے اور اگر انسان اُسکی رضا کی تلاش و کوشش میں مر بھی جائے تو بھی عالم عقبیٰ میں اسکو بدلا دینے کا یقین واثق دلاتا ہے تو پھر ایسی حالت میں جب انسان روگردانی کرتا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ زمینی حکام کے وجود پر تو اُسکو یقین کامل ہے اسواسطے ڈرتا ہے کہ اگر حکم عدولی کرونگا تو نقصان اُٹھاؤنگا اور برخلاف اسکے زمین و آسمان کے بادشاہ پر اس کو اتنا بھی ایمان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اسکی پروا نہیں کرتا ورنہ اگر اسکو ایمان ہوتا کہ جسطرح یہ زمینی لوگ اُسکو حکم عدولی پر ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

اسی طرح بلکہ اُنسے بھی بڑھ کر آسمان و زمین کا مالک نقصان پہونچا سکتا ہے تو کبھی بھی لاپرواہی کا مرتکب نہ ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگونکو خدا پر کامل ایمان نہیں رہا۔

اے نادانو تاریخ گواہی دیتی ہے اور چلا چلا کر کہتی ہے کہ جن لوگوں نے خدا کے احکام کو نہیں مانا اُنکا انجام بخیر نہیں ہوا اور وہ اپنے پیچھے عبرتناک نظارہ صفحہ ہستی پر چھوڑ گئے **آدم** کے مقابلہ کرنے والونکا انجام دیکھو۔ **نوح** کے زمانہ کے لوگونپر غور کرو **ابراہیم** کے دشمنوں کے حالات یاد کرو **موسیٰ** کے مخالفین پر نظر ڈالو **عیسیٰ** سے سرکشی کرنیوالونکا مآل دیکھو۔ فخر بنی آدم **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم کے ایذا دینے والوں کے خاتمہ پر خیال کرو سب کے سب ذلیل اور خوار اور تباہ اور برباد ہوتے چلے آئے۔ پھر اے مسلمانو تمکو کس بات نے بے غم و لاپروا کر دیا ہے۔ کیوں ہر امر میں اس کتاب کو اپنا دستور العمل نہیں بناتے۔

بترسید از خدائے بے نیاز و سخت قہارے ❊ کہ گر خواہد کشد در یکدمے چوں کرم بیکارے

ہم دیکھتے ہیں کہ اہل اسلام میں جسقدر فرقے ہیں وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ یہی کلام اللہ ہی جو محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ فخر المرسلین ختم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا جو ایسا محفوظ اور مامون چلا آیا ہے کہ ایک زیر و زبر کا فرق نہیں آنے پایا اور کیوں آتا جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ٹھیکہ اپنی ذاتِ پاک کے لئے خاص کر لیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے ہی اس ذکر کو اُتارا ہے اور ہم ہی یقیناً یقیناً اسکی محافظت و نگہبانی کرینگے۔

پھر کون لعنتی و مردود ہے جو اسکی تغیر یا تبدیل کا قائل ہو۔ ہاں البتہ اہل شیعہ میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہوئے اور ہیں جو اپنی بدبختی اور وساوس شیطانی سے کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن بجنسہ وہی قرآن نہیں جو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا بلکہ یہ اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دست برد سے محفوظ نہیں رہا اور قریب دس بارہ پارہ کے نکال دیئے گئے ہیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ ہ یہ کذاب و مفتری کیسے نابینا اور نڈر ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اُس وعدۂ حتمی کی تکذیب سے نہیں ڈرتے جو اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے تحت میں ہے۔ ان لعنت کے مارونکو اتنا بھی نہ سوجھا کہ اگر اصحاب کبار میں سے کسی نے تصرف بیجا کیا تھا تو اسد اللہ الغالب کہاں تھے اور کس غار میں چھپے بیٹھے تھے کیوں اُنھوں نے کامل قرآن کو

دُنیا کے مختلف اطراف میں نہ پھیلایا۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ وہ اکیلے اور تن تنہا تھے اسلیے وہ ایسا نہیں کرسکتے تھے تو بعد کے جانشین کچھ تھوڑے تھے اور وہ چند نسخے بھی غیر ممالک میں شائع نہیں کرسکتے تھے حالانکہ امامت یا ملک گیری کے لیئے جنگ وجدل کرتے پھرے اور اصل قرآنِ کریم کو دُنیا میں قائم نہ رکھ سکے اور ہم بطور تنزل اسکو بھی قبول کرلیتے ہیں کہ وہ بزرگوار اپنی ذات میں ایسی قدرت اور جرأت نہیں پاتے تھے کہ ایسے عظیم الشان کام کو بھی انجام دیسکتے تو کیا وہ اپنی اولاد کے لئے بھی ایک آدھ نسخہ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے حال آنکہ اسوقت سادات کی تعداد اسقدر ہے کہ دُنیا کے کناروں تک پھیلی ہوئی ہے اور کوئی کونا انسے خالی نہیں مگر کسی کے ہاتھ میں وہ مزعومہ کامل کتاب موجود نہیں افسوس کہ ان نا عاقبت اندیش رافضیوں نے خدا کو جھوٹا ٹھیرایا۔ رسول کو جھوٹا گردانا۔ اور صحابہ کو بددیانت قرار دیا اور ائمہ اطہار کو بزدل اور دُنیا کا لالچی ثابت کیا لیکن پھر بھی وہ حسب قرار داد خود اُس نعمت سے ابدالاباد تک محروم اور بے نصیب رہے۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔

ہم یہاں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ سب باتیں پوچ اور لغو ہیں اور روافض کے پاس اس لاطائل قصہ کا کوئی ثبوت نہیں بڑے بڑے فضلاء و محققین اہل تشیع کا اسبات پر اتفاق ہے کہ یہی قرآن شریف جو بین الدفتین دُنیا میں موجود ہے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و زمانہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں تھا اور یہی بلا تغیر و تبدل حرفے یا حرکتے موجود ہے۔ چنانچہ ہم تفسیر صافی میں سے جو اہل تشیع کی ایک بڑی معتبر تفسیر ہے اور آجکل عموماً مدارس اہل تشیع میں بطور درس داخل ہے چند فضلائے اہل تشیع کی آرا لکھتے ہیں جو اُنھوں نے قرآن شریف کی نسبت جو آجکل دُنیا میں رائج ہے ظاہر فرمائی ہیں ص۱۳ تا ۱۴

فَقَدْ رَوٰی جَمَاعَةٌ مِّنْ اَصْحَابِنَا وَ قَوْمٌ مِنْ حَشْوِیَّةِ الْعَامَّةِ اَنَّ فِی الْقُرْاٰنِ تَغْیِیْرًا وَ نُقْصَانًا وَالصَّحِیْحُ مِنْ مَذْهَبِ اَصْحَابِنَا خِلَافُهٗ وَبَلَغَتْ حَدًّا لَمْ نَبْلُغْهُ فِیْمَا ذَکَرْنَا لِاَنَّ الْقُرْاٰنَ مُعْجِزَةُ النُّبُوَّةِ وَمَاخَذُ الْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّةِ وَالْاَحْکَامِ الدِّیْنِیَّةِ

ہمارے دوستوں کی ایک جماعت اور عوام حشویہ نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن شریف میں تغیر اور نقصان ہے اور ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اسکے خلاف ہے اور نیز اُن لوگوں کی رائے اس حد تک پہنچی ہے کہ ہم اُسکو بیان نہیں کرسکتے اور وہ یہ کہ قرآن نبوت کا اعجاز اور علوم شرعیہ اور دینی

وَعُلَمَاءُ المُسلِمِينَ قَد بَلَغُوا فِي حِفظِهِ وَ
حِمَايَتِهِ الغَايَةَ حَتّٰى عَرَفُوا كُلَّ شَيءٍ
اُختُلِفَ فِيهِ مِن اِعرَابِهِ وَقِرَائَتِهِ
وَحُرُوفِهِ وَآيَاتِهِ فَكَيفَ يَجُوزُ اَن
يَكُونَ مُغَيَّرًا اَو مَنقُوصًا مَعَ العِنَايَةِ
الصَّادِقَةِ وَالضَّبطِ الشَّدِيدِ

احکام کا ماخذ ہے اور علماء اسلام نے یہانتک
اُسکی حفاظت اور حمایت کی ہے کہ اُنھوں نے
ہر چیز جس میں اعراب اور قرأت اور حروف و آیات کے
بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے عرفان تام و واقفیت عام
پیدا کرلی ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ ایسے ضبط شدید
اور حفاظت صحیحہ کی موجودگی میں کسی قسم کا تغیر یا کمی ہونے
پائی ہو۔ دیکھو تفسیر صافی مصنفہ ملا محسن صفحہ ۱۴
پھر مصنف مذکور اسی صفحہ پر لکھتا ہے۔

اِنَّ القُرآنَ كَانَ عَلٰى عَهدِ رَسُولِ اللّٰهِ
مَجمُوعًا مُؤَلَّفًا عَلٰى مَا هُوَ عَلَيهِ الآنَ
وَاستَدَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ القُرآنَ
كَانَ يُدرَسُ وَيُحفَظُ جَمِيعُهُ فِي ذٰلِكَ
الزَّمَانِ حَتّٰى عُيِّنَ عَلٰى جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ
فِي حِفظِهِم لَهُ وَاَنَّهُ كَانَ يُعرَضُ عَلَى
النَّبِيِّ وَيُتلٰى عَلَيهِ وَاَنَّ جَمَاعَةً
مِنَ الصَّحَابَةِ مِثلَ عَبدِ اللّٰهِ بنِ مَسعُودٍ
وَاُبَيِّ بنِ كَعبٍ وَغَيرِهِمَا خَتَمُوا القُرآنَ
عَلَى النَّبِيِّ عِدَّةَ خَتَمَاتٍ وَكُلُّ ذٰلِكَ
يَدُلُّ بِاَدنٰى تَأَمُّلٍ عَلٰى اَنَّهُ كَانَ مَجمُوعًا
غَيرَ مَبتُورٍ وَمَبثُوثٍ وَذُكِرَ اَنَّ
مَن خَالَفَ فِي ذٰلِكَ مِنَ الاِمَامِيَّةِ
وَالحَشوِيَّةِ لَا يُعتَدُّ بِخِلَافِهِم فَاِنَّ
الخِلَافَ فِي ذٰلِكَ مُضَافٌ اِلٰى قَومٍ
مِن اَصحَابِ الحَدِيثِ نَقَلُوا
اَخبَارًا ضَعِيفَةً

یہی قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
اسطرح جمع شدہ اور اکٹھا تھا جسطرح آجکل ہے
اور اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن حمید
مکمل و مجموعی طور سے اُس زمانہ مبارک میں پڑھا جاتا
اور حفظ کیا جاتا تھا چنانچہ صحابہؓ کی ایک جماعت اسی
قرآن مجید کے حفظ کرنے پر متعین تھی اور ماسوا اسکے
بھی قرآن شریف نبی علیہ السلام پر عرض کیا جاتا
تھا اور پڑھا جاتا تھا اور صحابہ کی ایک جماعت
مثل عبداللہ و ابی بن کعب وغیرہ نے چند مرتبہ
قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
ختم کیا اور ان تمام باتوں پر ادنیٰ تامل اور تفکر سے
یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ قرآن مرتب و مدون تھا
اور پراگندہ و منتشر نہیں تھا اور یہ بات بھی یاد رکھنے
کے قابل ہے کہ امامیہ یا حشویہ میں سے جن لوگوں نے
اس امر کی مخالفت کی ہے انکی اسکے مقابلہ میں کوئی حقیقت
اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف صرف اصحاب حدیث سے ہوا ہے
جنہوں نے ضعیف خبریں نقل کردی تھیں دیکھو تفسیر صافی صفحہ ۱۱

پھر مصنف مذکور اپنی تفسیر کے صفحہ ۱۵ میں ایک بڑے فاضل کے قول کو نقل کرتا ہے۔ وھو ھذا

وَقَالَ شَیْخُنَا الصَّدُوْقُ رَئِیْسُ الْمُحَدِّثِیْنَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ بَابُوْیَہْ الْقُمِّیْ طَیَّبَ اللّٰہُ ثَرَاہُ فِیْ اِعْتِقَادَاتِہٖ اِعْتِقَادُنَا اَنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ اَنْزَلَہُ اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ھُوَ مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ وَمَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ لَیْسَ اَکْثَرَ مِنْ ذَالِکَ۔ قَالَ وَمَنْ نَسَبَ اِلَیْنَا اِنَّا نَقُوْلُ اَنَّہٗ اَکْثَرُ مِنْ ذٰلِکَ فَھُوَ کَاذِبٌ۔	ہمارے استاذ شیخ رئیس المحدثین محمد بن علی بن بابویہ القمی اللہ تعالیٰ اُس کی خاک کو پاک کرے اپنے اعتقادات میں فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوا وہ یہی ہے جو مابین دفتین موجود اور لوگوں کے ہاتھ میں دستور العمل ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو شخص ہماری طرف یہ منسوب کرے کہ ہم اس سے زیادہ کہتے ہیں تو وہ جھوٹا ہے۔

ماسوا اس کے مصنف موصوف ایک اور بزرگ کا اعتقاد ظاہر کرتے ہیں جو حسب ذیل ہے۔

وَقَالَ الشَّیْخُ الطَّائِفَۃِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الطُّوْسِیْ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فِیْ تِبْیَانِہٖ وَاَمَّا الْکَلَامُ فِیْ زِیَادَتِہٖ وَنُقْصَانِہٖ فَمِمَّا لَا یَلِیْقُ بِہٖ لِاَنَّ الزِّیَادَۃَ فِیْہِ مُجْمَعٌ عَلٰی بُطْلَانِہٖ وَالنُّقْصَانُ مِنْہُ فَالظَّاہِرُ اَیْضًا مِنْ مَذْھَبِ الْمُسْلِمِیْنَ خِلَافُہٗ۔	شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تبیان میں لکھتے ہیں کہ یہ جو بات قرآن کریم کی کمی بیشی کی نسبت کیجاتی ہے یہ محالات سے ہے کیونکہ قرآن مجید میں کسی زیادتی یا کمی کا گمان کرنا خود بطلان پر گواہی دیتا ہے اور بظاہر بھی کل مذہب اسلام کے خلاف ہے دیکھو تفسیر مذکور صفحہ ۱۵

مزید براں مفسر مذکور اسی صفحہ میں ایک صحیح حدیث بھی لائے ہیں جو ذیل میں درج کیجاتی ہے

وَقَدْ وَرَدَ عَنِ النَّبِیِّ رِوَایَۃٌ لَا یَدْفَعُھَا اَحَدٌ اَنَّہٗ قَالَ اِنِّیْ مُخَلِّفٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَاَنَّھُمَا لَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت آئی ہے اور کوئی اس کی مدافعت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم میں اپنے بعد دو باتیں بھاری چھوڑے چلا ہوں اگر تم لوگ اُن سے تمسک کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب اللہ اور دوسرے اپنے گھر کے لوگ اور یہ دونوں

وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ مَوْجُوْدٌ فِىْ كُلِّ عَصْرٍ لِاَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّاْمُرَنَا بِالتَّمَسُّكِ بِمَا لَا نَقْدِرُ عَلَى التَّمَسُّكِ بِهٖ

حوض کوثر تک پہنچے تک باہم جدا نہیں ہونگے جس سے دلیل پیدا ہوتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ ہمیں کسی چیز سے تمسک کرنیکا حکم دیا جائے اور وہ ایسی چیز ہو کہ ہماری قدرت سے باہر ہو اور ہم تمسک نہ کر سکیں۔ دیکھو تفسیر مذکور صفحہ ۱۵۔

کیفیت متذکرہ بالا سے بخوبی ظاہر ہے کہ فضلا و محققین اہل التشیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہی قرآن کریم جو دنیا میں عام طور سے رواج پذیر ہے لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً یہی ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی اور جو لوگ کمی بیشی کے قائل ہیں وہ سب جھوٹے ہیں اور اُنکی بنارِ اعتقاد روایات ضعیفہ اور احادیث موضوعہ پر مبنی ہے۔ پس جب کہ تمام فرقہ ہائے اسلام میں یہ بات مسلم ہے کہ عمل درآمد کیلئے یہی کتاب ہے جس کی رو سے ہم اپنے نزاعوں اور اختلافوں کا فیصلہ کر سکتے ہیں تو پھر کون چیز اسکو اپنے دستور العمل بنانے سے روکتی ہے۔

اگر کوئی یہ خیال کرتا ہو اور کچھ تعجب نہیں کہ بعض نادان اور کم فہم ملّا کہتے ہیں کہ قرآن کریم مجمل ہے اور اسکو کوئی نہیں سمجھ سکتا جبتک چودہ علوم سے پوری پوری آگاہی نہ ہو۔ یہ اُنکی بات سراسر دور از حقیقت اور بعید از راستی ہے بلکہ اُنکی مثال یہود کے اُن علما کی مطابق ہی جنکی تعریف میں اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا یعنی ان لوگوں کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابوں کے بوجھ سے لدا ہوا ہو مگر حقیقت سے ناآشنا اور معانی سے بیخبر ہو۔ وہ رحمن و رحیم خدا تو فرماتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ ضرور ضرور ہمنے قرآن کو آسان بنایا ہے۔ کوئی ہے کہ اس سے نصیحت پکڑے اور اُسکو اپنا دستور العمل بنائے جسطرح آجکل کے علما قرآن کریم کو ادق اور مشکل سمجھتے ہیں اُسیطرح اپنی کوتاہ فہمی اور کور چشمی سے اسکو مجمل بھی قرار دیتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ سورہ نحل میں فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ یعنی اے رسول ہمنے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے لیے ہدایت تامہ اور رحمت کاملہ اور بشارت عظمیٰ ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے جسقدر دنیا و آخرت میں ضروری ہے وہ سب ذرہ ذرہ اس قرآن حمید میں موجود ہے اور اسی ہدایت نامہ پر چلکر انسان اپنے مدارج کمالات کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور معارج کے اعلیٰ نقطہ تک پہنچ سکتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۔ یعنی کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا حکم بناؤں حال آنکہ اُسنے ایک مفصل کتاب تمہاری طرف بھیجی ہے۔ دیکھو سپ ۸ ع ۱ اس آیت سے اظہر من الشمس ہو کہ یہ قرآن شریف ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک چیز کا مفصل طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور کوئی بات مجمل نہیں لکھی گئی سب باتیں تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔ اب حیف ہی اُن لوگونپر جو یہ کہکر اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں کہ قرآن سے کسی کو ہدایت نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ مجمل کتاب ہے جو چاہے اپنی مرضی کے موافق معنی کرلے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۔ اے رسول ہمنے تو تمپر ایک حق اور حقیقت کی بھری ہوئی کتاب اُتاری ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس سے لوگ ہدایت نہ پاسکیں بلکہ گمراہ ہوجائیں پھر فرمایا تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ یہ کتاب تو رحمٰن اور رحیم خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ کیا اسکی رحمانیت اور رحیمیت کا یہی تقاضا ہوسکتا ہے کہ وہ کتاب تو اُتارے اور اُس میں ایسے سامان مہیا نہ کرے جو بنی نوع انسان کے لیے اس دُنیا اور عالمِ آخرت میں مُثمر ثمرات ہوں ہرگز نہیں! وہ رحمٰن خدا جو بے مانگے دینے والا ہے اور رحیم خدا جو کسی کی محنت کو ضائع کرنے والا نہیں وہ کیونکر اپنی ان صفات ازلی و ابدی کے منشا کے خلاف کرنا پسند کرتا ہے۔ اُسی رحمٰن و رحیم اللہ کی خاص عنایت اور فضل ہے کہ اُسنے ایک ایسی کتاب ہمیں مرحمت کی ہے کہ جس میں ایک ایک مطلب کو بار بار کھولکر بیان فرمایا ہے اور پھر ایسی زبان میں جو اُمّ الالسنہ ہے اور جسکا ایک ایک حرف فصیح و بلیغ ہے لیکن اُسکو وہی قوم سمجھ سکتی ہے جو مطہر اور پاک دل ہوگا لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اسکی شاہد ناطق ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ اسکی شان میں فرماتا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی اس قرآن کریم میں تمام اولین و آخرین کی جسقدر مضبوط اور قوی الدلائل کتابیں ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے

کہ کل ضروری باتیں اسمیں موجود ہیں خواہ قیامت کی باتیں ہوں اور اس سے بڑھکر اس قرآن کریم کی نسبت فرماتا ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۔ کہ کوئی علم کوئی سائنس خواہ وہ طبعی ہو یا کوئی ہو خواہ وہ اسوقت موجود ہو یا آئندہ پیدا ہو اسکی کسی بات کو باطل نہیں کرسکتا اسواسطے کہ وہ ایک ایسی مقتدر ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکیم بھی اور حمید بھی ہے ۔ پس صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں پایا جائے گا جس پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا ہے اور نہ ہرگز ہوسکے گا ۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جسطرح قرآن شریف ایک مفصل کتاب ہے جس میں ہر قسم کی ضروریات انسانی کا ذکر ہے اسیطرح اس میں یہ بھی خوبی ہے کہ کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف نہیں یعنی یہ نہیں کہ ایک جگہ ایک بارہ میں کچھ فرمایا ہو تو دوسری جگہ اُس بارہ میں اُسکے برخلاف ۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اسکی تصدیق یوں کرتا ہے ۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو ضرور تم اُس میں بڑا اختلاف پاتے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو ایک دوسرے کے مخالف ہو ۔ اسکے قوانین سب یکساں اور غیر متبدل اور ہمیشہ رہنے والے ہیں اور اس میں یہ بھی خوبی ہے کہ قوانین قرآن قوانین نیچر کے عین مطابق ہیں ۔ کیوں نہ ہوں جبکہ وہ خدا کا قول اور یہ خدا کا فعل ہے قول اور فعل میں کیونکر اختلاف ہوسکتا ہے کسی کی سچائی اور راستی پرکھنے کے لیے یہی اصول کافی ہے کہ اُسکے فعل اور قول میں مطابقت ہو ورنہ وہ کبھی قابل اعتبار نہیں ٹھیر سکتا ۔

ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ دُنیا میں کل فرقہائے اسلامی کا اسبات پر اتفاق ہے کہ یہی کتاب ہے جسپر دُنیائے اسلام کا دارومدار ہے اور جس میں رائی کے دانہ کی برابر بھی انسانی دخل نہیں وہ ہر ایک قسم کے دست دبرد سے پاک و منزہ ہے اور یہ بھی ثابت کرآئے ہیں کہ یہ کتاب مفصل ہے اور اس میں کل ضروریات انسانی کا بیان تفصیل وار ہے اور یہ نور اور ہدایت اور فضل اور رحمت بھی ہے اور یہ بھی دکھا آئے ہیں کہ یہ کتاب حق اور حقیقت سے بھری ہوئی ہے اور اس میں باہم آیات کا اختلاف نہیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ہوتا ہے

فَاحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ یعنی جو کچھ تیری طرف اُتارا گیا ہے اُسی کے مطابق لوگوں کو
حکم کرو اور اُنکے مقدمات کا تصفیہ فرماؤ۔ اور اسی پر چلنے کی ہدایت کرو۔ تو پھر مسلمانوں کو
کونسی بات مانع ہے کہ اسی کو اپنا ماوا امرد ملجا بنا دیں اور ہر ایک تنازع اور جھگڑے کو اسیکے
ذریعہ فیصل کریں کیا وہ نہیں پڑھتے وَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
یعنی جب کبھی تمھیں کوئی تنازع اور تکرار پیش آوے تو اللہ اور اُسکے رسول کے سامنے پیش کرو
یعنی کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ پر عرض کرو۔ افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن مجید کو
اپنا محک اور معیار بنانے سے پہلو تہی کر لی ہے۔ اور اپنی قیاسی اور من گھڑت باتوں کو اپنی
کسوٹی بنا لیا ہے۔ اگر وہ اس نور کو اپنا امام بناتے اور اُسی سے ہر ایک امر کا مشورہ طلب کرتے
تو پھر اہل اسلام میں کسی قسم کا فتور برپا نہ ہوتا۔ قرآن کو لوگوں نے بالکل ترک کر دیا اور پس پشت
ڈال دیا اور پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فَدَيْتُ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ کے اس قول سے
فائدہ نہ اُٹھایا جو اللہ تعالیٰ نے اُنکی زبان سے نقل فرمایا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ
اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ یعنی رسول کہے گا کہ اے میرے رب میری
اس قوم نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا تھا اور اس کو اپنے تمام جھگڑوں اور اختلافوں میں حکم
نہیں بنایا تھا بلکہ انسانوں کے کلام کو معتمد و مدار علیہ قرار دے رکھا تھا۔ اے عزیزو قرآن
کوئی بھول بھلیاں تو نہیں کہ جس میں پڑنے سے تمھیں پھر اندیشہ ہو کہ ہم گمراہ ہو جاویں گے
اور راستی اور منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکیں گے اور صراط مستقیم سے بھٹک کر کہیں دور
نکل جائیں گے یہ خیال تمہارا سراسر لغو اور بیہودہ ہے بلکہ اللہ پاک اس گمان فاسد کی یوں
تکذیب کرتا ہے قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یعنی قرآن عربی زبان
میں آیا ہے جو تمام زبانوں کی ماں ہے اور اُس میں کسی قسم کی کجی نہیں کہ جس سے گمراہ ہو سکیں
بلکہ یہ اسلئے آیا ہے کہ تم متقی بنجاؤ پھر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ
وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا یعنی تمام محامد کے لائق وہی ذات پاک ہے جس نے اپنے بندہ پر اس
کتاب کو اُتارا اور اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں رکھا بلکہ فرمایا هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا یعنی
یہی کتاب میری صراط مستقیم کا پتہ دینے والی اور مجھ تک پہنچانے والی ہے اور پھر فرمایا
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا یعنی اے مسلمانو تم سب ملکر اللہ تعالیٰ

کی اس رسّی یعنی قرآن کریم کو پکڑلو اور اس سے جدائی نہ کرو مبادا کہ تم پراگندہ ہوکر منزلِ مقصود سے بھٹک جاؤ اور پھر باہم مل نہ سکو۔

علاوہ ازیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ہی کو اپنا امام و پیشوا بناؤ اُس کے سوا سب باتیں عبث ہیں چنانچہ اسکی تصدیق حدیث ذیل سے ہوتی ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ شَرْطٍ لَیْسَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ کَانَ مِائَۃَ شَرْطٍ رَوَاہُ الْبَزَّارُ وَالنَّسَائِیُّ یعنی بزار اور امام نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک شرط جو قرآن میں نہو خواہ وہ سوہی شرطیں کیوں نہوں سبکی سب باطل اور مردود ہیں دیکھو کنز العمال جلد اول صفحہ ۴۶

ایک اور حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ خاتم المرسلین صلوۃ اللہ وسلامہ کو خبر دی تھی کہ تیرے اس دُنیا سے کوچ کرنے کے بعد یہ اُمت بہت جلد ضلالت اور گمراہی کے گڑھے میں پڑنے والی ہے اس لئے اُس فدائی قوم اور خیر خواہ اُمت نے ایسے خطرناک نتائج اور انجام بد سے بچانے کے لیئے بار بار اپنے اصحاب کو کہا

اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ قِیْلَ فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ نَبَاُ مَنْ قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَنْ بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْھَزْلِ مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدٰی مِنْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ وَھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَھْوَاءُ وَلَا تَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِہٖ

تھوڑے عرصہ کے بعد ایک فتنہ برپا ہونیوالا ہے اور جب پوچھا گیا کہ اس سے نجات اور مخلصی کی کیا راہ ہے تو فرمایا کتاب اللہ سے نجات وابستہ ہے کیونکہ اُسمیں تمسے پہلی اُمتوں کے قصے اور آنیوالی زمانہ کی خبریں ہیں اور یہی کتاب قولِ فیصل اور تمہاری حکم ہر کل نزاعوں کا فیصلہ کریگی اور وہ قول فیصل ہے جس میں ذرہ بھی ہزل نہیں جو ظالم زبردست اُسکو ترک کریگا خدا اُسکو کاٹ ڈالیگا اور جو اُسکو چھوڑکر کسی اور چیز کو ذریعہ ہدایت سمجھے گا تو وہ ضلالت کے کنوئیں میں گریگا یہی اللہ کی طرف سے ایک مضبوط رسّی ہے جسکے سہارے انسان کنارِ امن وعافیت پر پہنچ سکتا ہے اور حکمت

الا لسن ولا يخلق عن الرد ولا
تنقضي عجائبه هو الذي
لم تنته الجن اذ سمعته ان
قالوا انا سمعنا قرانا عجبا يهدي
الى الرشد من قال به صدق
ومن حكم به عدل ومن
عمل به اجر ومن دعا اليه
هدي الى الصراط المستقيم
رواه الترمذي عن علي

کی بھری ہوئی نصیحت ہے جس سے آدمی فوائد کثیرہ
حاصل کر سکتا ہی یہی صراط مستقیم ہی جسپر چلنے سے بشر
اللہ تک پہنچ سکتا ہی اور یہی ایک کتاب ہے
کہ جسکی پیروی کرنیسے انسانی خواہشوں میں کجی نہیں
آسکتی اور وہ نعمائے الٰہی کا ایسا خوان نعمت ہے
کہ حقیقی علما اُس سے سیر نہیں ہوسکتے اور نہ زبانیں اُس سے
ملتبس ہو سکتی ہیں اور نہ وہ بار بار کی تکرار سے
کہنہ ہوسکتی ہی اور نہ عجائبات اُسکے کبھی ختم ہو سکتے
ہیں وہ ایسی کتاب ہی کہ جب اکثر آدمیوں نے بھی
اُسے سُن پایا تو پکار اُٹھے کہ ہمنے ایک عجیب کتاب سُنی ہی جو نیکی اور نیک کرداری کی رہنمائی کرتی ہی
جس شخص نے قرآن میں سے کہا اُسنے سچ کہا اور جسنے قرآن ہی کی رو سے حکم دیا اُسنے عدل کیا
اور جسنے اُسکے مطابق عمل کیا اُسکو اجر ملا اور جسنے اُسکی طرف بلایا اُسنے راہ راست کی طرف
ہدایت کی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۴۵

ایسا ہی **مسند** امام احمد بن محمد بن حنبل میں بروایت حضرت علیؓ آیا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اتاني جبريل فقال يا محمد ان الامة
مفتونة بعدك قلت له
فما المخرج يا جبريل قال
كتاب الله فيه نبأ ما قبلكم
وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم
وهو حبل الله المتين وهو الصراط
المستقيم وهو قول فصل ليس
بالهزل ان هذا القران لا يليه
من جبار فيعمل بغيره الا
قصمه الله ولا يبتغي علما

کہ جبرئیل میرے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد صلعم تیری اُمت
تیرے بعد فتنہ میں پڑنیوالی ہے میں نے پوچھا
کہ اے جبرئیل بتا وہ میری اُمت اس فتنہ سے کیونکر
نجات پائیگی۔ اُسنے کہا کہ قرآن کریم ہی مخلصی کی
راہ ہوگی جس میں اگلوں اور پچھلوں کی خبریں
ہیں۔ اور قرآن ہی تمہارے معاملات میں بڑا
افادہ کیلئے حکم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط
رسی ہی اور اللہ تک پہنچنے کی سیدھی سڑک ہے
وہ فیصلہ کن کلام ہے جس میں کوئی ہزل بات
نہیں قرآن وہ کتاب ہی کہ اگر کوئی زبردست بھی

سِوَاهُ اِلَّا اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَلَا يُخْلِقُ عَنْ رَدِّہٖ هُوَ الَّذِیْ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُهٗ مَنْ يَّقُلْ بِهٖ يَصْدُقْ وَمَنْ يَّحْكُمْ بِهٖ يَعْدِلْ وَمَنْ يَّعْمَلْ بِهٖ يُوْجَرْ وَمَنْ يَّقْسِمْ بِهٖ يُقْسِطْ

اسکو چھوڑکر اور چیز پر عمل کریگا تو اللہ تعالیٰ اُسکو پاش پاش کردیگا اور جو شخص اُسکے سوا کسی اور چیز سے اپنا مقصود چاہیگا تو خدا اُسکو گمراہ ہی رکھے گا۔ اور قرآن کریم کسی کے تکرار سے کہنہ نہیں ہوجائیگا وہ تو ایسا دریائے ناپیداکنار ہے کہ جسکے عجائبات ختم نہیں ہونے پائینگے جو شخص قرآن کے مطابق کہیگا وہ سچ اور صحیح کہیگا اور جو اُسکی روسے حکم کریگا تو اُسکا حکم عدل وانصاف پر مبنی ہوگا اور جو اُسکی تعلیم کیمطابق عمل کریگا اجر پائے گا اور جو اُسکے قواعد کے تحت میں تقسیم کریگا وہ سب ٹھیک اور درست ہوگی دیکھو کنز العمال جلد اول صفحہ ۴۵۔

مزید براں باہمی پھوٹ اور اختلاف سے اس پیارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت منع فرمایا ہے اور کہا ہے لَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ۔ بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کی کہ باہم اختلاف نہ کرنا کیونکہ تمسے پہلی اُمتوں نے باہم اختلاف کیا اور آخر وہ برباد اور ہلاک ہوگئیں۔ دیکھو کنز العمال جلد اصفحہ ۴۵۔ اس سے واضح **حدیث** صحیح مسلم میں آئی ہے جس کو ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِی الْكِتَابِ یعنی تم سے پہلے جو اُمتیں ہوئی ہیں جب اُنھوں نے کتاب اللہ میں اختلاف کیا تو اللہ نے اُنکو تباہ اور غارت کردیا۔ دیکھو کنز العمال جلد ا

ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اُس پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جوش محبت و دلولۂ شفقت سے قرآن حمید پر چلنے کے لئے کسقدر تاکید اور اختلاف کرنیسے کسقدر ڈرایا ہے۔ پھر اے **مسلمانو** اور اے **اُمت مرحومہ** کے لوگو تمہیں کیا ہوگیا اور تمہاری عقلیں کیا ہوئیں تم اپنے تنازعات پیش یا اُفتادہ کے لئے **کلام اللہ** کو کیوں حکم نہیں بناتے اور اُس پاک مطہر کتاب کو اپنی کل ضروریات کا دارومدار کیوں نہیں ٹھیراتے اور کیوں اپنی جان کے دشمن بن رہے ہو۔ تم خدا کو ناراض کرکے راحت بخش زندگی کیونکر بسر کرسکتے ہو خدا کی خوشنودی کیوں حاصل نہیں کرتے۔ اور پیارے رسول (فداہٗ

پانی و امی) علیہ السلام کی روحِ پاک کو کیوں رنج پہنچاتے ہو حالانکہ اُس غمخوارِ اُمت نے
اس کتاب کے پہنچانے میں کیا کیا خون جگر کھایا اور کیسے کیسے مصائب اُٹھائے کہ جنکے
سُننے سے بدن کانپتا اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ حیف اے مسلمانو کہ جس رسول نے اپنی ساری
عمر ہماری بھلائی اور بہبودی کیلئے بسر کر کے اتنا بڑا دکھ اُٹھایا اور اس دُنیا دنی میں ہماری
عزت و حرمت قائم کرنیکے سامان اور عالم آخرت میں راحت اور سرور بخش حیات حاصل
کرنیکے ذرائع بہم پہنچانے میں اپنا خون پانی کی طرح بہایا اور ایک لمحہ بھی دنیا میں چین نہیں لیا
اب بعد وفات بھی تم اپنی بداعمالیوں اور ناپاک کرتوتوں سے اُنھیں قبر میں بھی آرام نہیں
لینے دیتے اور اُن کی روحِ مبارک کو دُکھ پر دُکھ پہنچاتے ہو۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
اب بھی وقت ہے کہ سمجھ جاؤ اور کلام اللہ کو ہر امر میں اپنا مرجع بناؤ اور اسی سے اپنی اختلافات
کو مٹاؤ ورنہ بجز دستِ تاسف ملنے اور رونے کے کچھ حاصل نہ ہوگا وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ
الْمُبِيْن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیوں تم ایسی کتاب کی طرف رجوع نہیں لاتے جسکی نسبت
اللہ جل شانہ فرماتا ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ یعنی یہ کتاب ایسی ہے کہ جسقدر اس ہیں پہلی خبریں ہیں اور جسقدر
مابعد کی پیشگوئیاں ہیں وہ سب حق ہیں اُن میں جھوٹ کو کچھ دخل نہیں اور اس کتاب کا نازل ہونا
بطور کھیل نہیں بلکہ ایسی پُر حکمت باتوں سے بھری ہوئی ہے کہ اسکا پڑھنے والا لوٹتا ہی سبحان اللہ
وہ کیا ہی حمد کے لائق ذات ہے جس نے اسکو اُتارا ہے۔

شاید کوئی کہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ قرآن حمید میں مندرج ہے وہ سب حق ہے
لیکن اس میں اُن تمام باتوں کا ذکر نہیں جو انسانی ضروریات کے لئے مکتفی ہوسکیں سو اسکا
جواب خود اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنی کتاب میں یوں دیا ہے نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا
لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ یعنی ہمنے تم پر ایسی کتاب
اُتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان جو انسان کے لئے ضروری ہے پورے طور پر کر دیا
گیا ہے اور صرف بیان تک محدود نہیں رکھا بلکہ عملدرآمد کا طریق بھی بتا دیا ہے اور اسی پر
اکتفا نہیں کیا کہ رستہ بتا دیا اور آگے انسان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا بلکہ نتیجہ بھی بتا دیا
کہ ایسے فرماں بردار کو راحت بخش ابدی زندگی حاصل ہوگی اور نہ کسی قسم کا دکھ ہوگا اور نہ کسی

مصیبت کا سامنا ہوگا۔ دیکھو سورۃ النحل ع ۱۲

اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ دُنیا میں اہل اسلام کے جسقدر فرقے ہیں اُن سب میں اتفاق نہیں حالانکہ وہ سب قرآن شریف کو اپنا ماوای وملجا سمجھتے ہیں اور اُسی سے استدلال لیتے اور استنباط مسائل کرتے ہیں سواس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اختلاف قرآن شریف کی وجہ سے نہیں بلکہ اُنھوں نے قرآن شریف کو پس پشت ڈال رکھا ہے اگر وہ قرآن حمید کی تعلیم پر عمل کرتے تو یہ اختلاف ہرگز وقوع میں نہ آتا کیونکہ قرآن حمید کا نزول تو صرف اختلاف کے مٹانے کیلیے دُنیا میں ہوا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالی اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ یعنی ہمنے تمپر یہ کتاب اسواسطے نازل کی ہے کہ جسقدر اختلاف اہل کتاب میں ہیں انکو واضح کر کے دکھایا جاوے اور ظاہر کردیا جاوے کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے پس اس سے کوئی گمراہی اور اختلاف پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو ایک ایسا شاہ راہ ہے کہ جسپر چلنے سے انسان منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ دیکھو سورۃ نحل ع ۸

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ قرآن کریم کے بارہ میں جھگڑنا کفر ہے۔ چنانچہ حدیث ذیل سے اسکی تصدیق ہوتی ہے حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنَا اَبِىْ ثَنَا يَزِيْدُ اَنَا زَكَرِيَّا عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ جِدَالٌ فِى الْقُرْاٰنِ كُفْرٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ۔ امام احمد بن حنبل نے عبداللہ سے اُسنے اپنے باپ سے اُسنے یزید سے اُسنے زکریا سے اُسنے سعد بن ابراہیم سے اُسنے ابی سلمہ سے اُسنے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم کے بارہ میں جھگڑنا کفر ہے دیکھو مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۵۸

اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کو قرآن کریم کا فہم نہیں دیا گیا حالانکہ اسمیں عجیب درعجیب اسرار ومعارف مرکوز ہیں اُسکے جوہری ہی اُسکی آب وتاب در اصل حقیقت کے واقف ہوسکتے ہیں ہر کس و ناکس جوہری نہیں ہوسکتا۔

جب ثابت ہوگیا کہ قرآن شریف اختلاف کے مٹانے کے لیے دُنیا میں آیا ہے تو پھر یہ عذر پیش کرنا کہ لوگ قرآن ہی سے آیات نکالکر اپنی مطلب براری کرتے ہیں بالکل لغو اور جھوٹ ہے

وہ لوگ تو قرآن ہی کو اپنا پیشوا نہیں بناتے بلکہ اپنے خیال کی پرستش کرتے ہیں اگر قرآن کریم پر چلتے تو ہرگز ایک ذرہ کے برابر بھی اختلاف وقوع میں نہ آتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اُن لوگوں نے قرآن حمید کے مطلب کو نہیں سمجھا کیونکہ قرآن شریف کیلئے ظہر اور بطن دونوں ہیں چنانچہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری وغیرہ میں حدیث ہے وَلِلْقُرآنِ ظَہرٌ وَبَطنٌ یعنی قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۷۔ کتاب العلم

اور خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب میں امام ابوعبدالرحمٰن بن حسین سلمی نیشاپوری کی کتاب حقائق التفسیر کے حوالہ سے روایت ذیل لائے ہیں۔

فَقَدْ رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ مِنْ قَوْلِہٖ وَقَدْ رُوِیَ مُسْنِدًا اَیْضًا اِلَی النَّبِیِّ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اَنَّہٗ قَالَ لِکُلِّ اٰیَۃٍ ظَھْرٌ وَبَطْنٌ وَلِکُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ وَمَطْلَعٌ وَفِی بَعْضِ رِوَایَاتِہٖ اَنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَھْرًا وَبَطْنًا وَحَدًّا وَمَطْلَعًا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے اور ایسا ہی باسناد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آیت کیلئے ظہر اور بطن ہے اور ہر حرف کیلئے ایک حد اور مطلع ہے اور دوسری روایت میں بہ تبدیل الفاظ یہی مطلب ہے۔ دیکھو فصل الخطاب قلمی موجودہ کتب خانہ حضرت خلیفۃ المسیح

جب کلام اللہ کا ظاہر و باطن ہوا تو اکثر علما کی تگ و دو ظاہر تک رہتی ہے باطن تک اُنکی عقل کی رسائی نہیں ہوتی اور ظاہری الفاظ پرستی پر جمے رہتے ہیں چونکہ قسام ازل نے اُن کو وہ دقیق سمجھ عطا نہیں کی ہوتی جو باطن تک پہنچنے کے لئے مدد دیتی ہے اسواسطے وہ اُن لوگوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جو اپنے خداداد قویٰ کے زور سے جو محض ارحم الراحمین خدا کے فضل سے اُنکو حاصل ہوتے ہیں معارف قرآنی و اسرار باطنی ظاہر کرتے ہیں اور اُن والوں کی اپنی ہی عقل و نقص فہم ہے جسکی وجہ سے ان معارف و حقائق پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ علما ظواہر جو اپنے دعوے میں اَلنُّصُوصُ تُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاھِرِھَا پیش کیا کرتے ہیں اپنی بات پر قائم نہیں رہتے بلکہ خود بھی بہت سی آیات قرآنی کے معنی ظاہر پر قبول نہیں کرتے اور باطنی ہی معنی لیتے ہیں چنانچہ ہم مثال کے طور پر چند ایک آیات پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی جب تو نے کنکریاں پھینکیں تو تو نے نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے۔ کیا ان ظاہر پرست علما کا یہ ایمان ہے کہ اُسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا بن گئے تھے۔ یا واقعہ میں اُنھوں نے کنکریاں نہیں ڈالی تھیں۔

(۲) مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی یعنی جو اس دُنیا میں اندھا ہے وہ عالمِ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ کیا ان کا یہ یقین ہے کہ نابینا لوگ اُس جہان میں نابینا ہی ہونگے۔

(۳) اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ یعنی نماز کو قائم کرو۔ کیا کسی کا ایمان ہو کہ نماز کوئی جسم رکھتی ہے جسکو کھڑا کرنا مقصود ہے۔

(۴) صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً یعنی اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ سے رنگ میں کون اچھا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اللہ کا کونسا رنگ ہے سفید ہے یا سُرخ ہے یا سبز ہے یا کیا ہے۔

(۵) کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ یعنی تمپر روزے لکھے گئے۔ کوئی عالم ظاہر پرست دکھلا سکتا ہے کہ اُسکے کس حصہ بدن پر روزوں کی شکل لکھی ہوئی ہوتی ہے۔

(۶) ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ وہ یعنی عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم اُنکے لباس ہو۔ کیا کوئی ہے جو بتائے کہ عورتیں کونسا لباس ہیں۔ آیا دستار مبارک ہیں یا ازار ہیں یا چادر یا کرتہ ہیں۔

(۷) اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی ہم کو سیدھا رستہ دکھلا۔ بتاؤ وہ کونسی سڑک یا پگڈنڈی ہے جسپر چلیں۔ آیا کنکر کی بنی ہوئی ہے یا کچی ہے۔

(۸) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا یعنی سب ملکر اللہ کی رسی کو پکڑ لو بتاؤ وہ رسی مونجھ کی ہے یا سوت کی یا سن کی

(۹) خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ یعنی اللہ نے اُن لوگوں کے دلوں اور اُنکے کانوں پر مُہر کردی ہے اور اُنکی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا ہے کوئی بتا سکتا ہے کہ وہ کون کون لوگ ہیں جنکے دلوں اور کانوں کے اوپر مُہر اور اُنکی آنکھوں کے اوپر پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہ مُہر کس دھات کی ہے۔ آیا یہی موم یا لاکھ کی مُہر لگی ہوتی ہے

جولوگ پارسلوں یا رجسٹری پیر کیا کرتے ہیں۔

(۱۰) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ ایمان والو کیا تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں کہ جس سے تم عذاب الیم سے بچ جاؤ۔ وہ کونسی تجارت ہے اسکی ظاہری صورت بتائی جائے۔ آیا مویشیوں کی تجارت ہے یا غلہ کی یا میوہ جات یا لکڑی لوہا وغیرہ کی" سیکڑوں آیات اس قسم کی ہیں جنکے معنے یہ لوگ ظاہر پر نہیں کرتے لیکن ہم ان تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ پر اکتفا کرتے ہیں اور ہم پوچھتے ہیں کہ اے بھلے مانسو جب تم خود ظاہر پر ہر جگہ عمل کرنیسے عاجز ہو تو پھر تم ایسے بزرگ کو جو دین کا آفتاب ہو اور جسکو باطنی علوم سے بہرہ کامل دیا گیا ہو جب وہ معنے آیات کے کھولے تو کیوں بُرا کہتے اور مخالفت پر آمادہ ہوجاتے ہو۔ حالانکہ لاکھوں اولیاء اللہ کا تجربہ ہوچکا ہے کہ وقت کے ظاہر پرست علما نے اُنکو اُنکے باطنی معانی ظاہر کرنے پر تکفیر و تکذیب کی تھی مگر بعد کی نسلوں نے اُنھی کافر شدہ لوگوں کو سچّا اور راستباز مانا ہے۔ پھر تم کیوں وہی طریق اختیار کرتے ہو کیا لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ کہ مومن ایک ہی سوراخ سے دوبارہ کاٹا نہیں جاتا۔ نہیں پڑھتے۔

ہاں بعض علما اپنی کوتاہ فہمی سے کہتے ہیں کہ قرآن میں آیات متشابہات ہیں جنکے معانی کسی پر نہیں کھلتے اور وہ قیامت کو جاکر کھلیں گے۔ اصل میں یہ لوگ قرآنِ حمید پر غور و فکر نہیں کرتے اور اپنے قلتِ تدبر کیوجہ سے ایسی بات منہ سے نکال دیتے ہیں ورنہ متشابہات کو لاینحل سمجھنا سخت غلطی ہے متشابہات کے معنی تو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوئے کے ہیں۔ اور وہ آیات ایسی ہیں کہ ایک دوسری آیات کی مدد سے حل ہوجاتی ہیں اور جب دوسری آیات سے مدد نہ لی جائے تو ہر فہم کے انسان کے لیئے اُن کا حل کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن فی الاصل وہ کوئی لاینحل اور رادق نہیں ہوتیں۔

اول ہم اُن آیات کو بیان کردیتے ہیں جنمیں لفظ متشابہات اور محکمات آیا ہے اور پھر بتائیں گے کہ محکمات اور متشابہات کے کیا معنے ہیں۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف میں تین صورتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں ایک مقام پر تو یوں ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ یعنی یہ کتاب ایسی شان والی ہے کہ اسکی کل آیات محکم ہیں اور حکیم خبیر کیطرف سے اسکی تفصیل بھی دی گئی ہے دیکھو سورہ ھود ع ۱ اور قرآن حمید کے

دوسرے مقام پر ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا یعنی اللہ نے
ایک نہایت ہی عمدہ بات یعنی کتاب اُتاری ہے جو متشابہ ہے۔ اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ کل
قرآن متشابہ ہے دیکھو سورۃ الزمر ع اور تیسرے مقام پر یوں ہے هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ یعنی وہ ذات پاک ہے
جسنے تجھپر کتاب اُتاری ہے اور اُس کتاب کا ایک حصہ تو محکمات ہے جنکو ام الکتاب کہہ سکتے
ہیں اور دوسرا متشابہات دیکھو سورۂ آل عمران ع اب اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض
آیات محکم اور بعض متشابہات ہیں۔

اب اُن آیات سے تین مختلف بیان پائے جاتے ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کے
مخالف ہیں اور ظاہر پرست علما تو فوراً اس بات کے اقرار کرنے پر مستعد ہو جائیں گے
کہ گو تین مختلف بیان ہیں تو بھی کیا حرج ہے لیکن آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ
لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (اگر قرآن شریف خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اسمیں تو
لوگ بڑا ہی اختلاف پاتے -) اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے کلام میں اختلاف کا ہونا
محال ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر وہ آیات خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ضرور لازمی ہوا کہ اُنکی باہم
تطبیق ہو ورنہ وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم بنی نوع انسان کے فہم کے
مطابق نازل ہوا ہے اور جہانتک ہم اس عالم کون و فساد میں بنظر عمیق دیکھتے ہیں تو تین
قسم کے فہم کے ہی انسان دُنیا میں نظر آتے ہیں۔ ایک تو عوام ہوتے ہیں جنکو کوئی بات
بتائی جائے تو سمجھ سکتے ہیں ورنہ نہیں ایسے لوگوں کے لیے تو سارا قرآن متشابہ ہوتا ہے
اور ایک گروہ اعلیٰ درجہ کے عقلمندوں کا ہوتا ہے جنکو راسخون فی العلم کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے
اُنکے نزدیک کل قرآن شریف محکم ہوتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو اُنکے مابین واقع ہے یعنی
ظاہر پرست علما کا جنکی سمجھ دقیق اور معرفت کامل نہیں ہوتی اُنکے نزدیک کچھ حصہ قرآن کا محکم اور
باقی متشابہ ہوتا ہے۔ جب راسخین فی العلم اسرار و معارف ظاہر کرتے ہیں تو یہی علمائے ظواہر انکے
پیچھے پڑتے اور فساد برپا کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی علما کا فوٹو آیات ذیل میں کھینچا ہے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ
وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا یعنی

جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ متشابہ کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور یہ وہ چاہتے ہیں کہ اسطرحسے اسکی حقیقت تک پہنچ جائیں حالانکہ اسکی تاویل اللہ تعالی اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی نہیں جانتا اور راسخون فی العلم کا یہ ایمان ہے اور وہ کہتے ہیں کہ محکم اور متشابہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنکے دلوں میں صفائی نہیں ہوتی بلکہ تکبر اور غرور اور دیگر معاصی کا زنگ انکے دلوںپر بیٹھا ہوا ہوتا ہے وہ قرآن شریف کے اس حصہ کو نہیں سمجھ سکتے جو باریک اسرار اور معارف سے پر ہوتا ہے یہ حصہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کے لیئے خاص کیا ہے جو راسخ فی العلم ہیں۔

متشابہات کے معنی میں بہت اختلاف کیا گیا ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ ہم ان اقوال کو نقل کرنا موجب طوالت سمجھتے ہیں۔ مگر ذیل میں بعض کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

۱ تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۱۴ میں محکمات اور متشابہات کی نسبت یوں وارد ہے

وَقَالَ اٰخَرُوْنَ اَلْمُحْكَمَاتُ مِنْ اٰيِ الْكِتَابِ مَا اَحْكَمَ اللّٰهُ فِيْهِ بَيَانَ حَلَالِهٖ وَحَرَامِهٖ۔ وَالْمُتَشَابِهُ مِنْهَا مَا اَشْبَهَ بَعْضُهٗ بَعْضًا فِي الْمَعَانِيْ وَاِنِ اخْتَلَفَتْ اَلْفَاظُهٗ	اور دوسروں نے کہا ہے کہ محکمات قرآن کریم کی وہ آیات ہیں کہ جنمیں اللہ تعالی نے حلال اور حرام کا ذکر بیان فرمایا ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جو معانی میں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوئی ہوں خواہ الفاظ میں اختلاف ہی کیوں نہو۔

اسی کی تائید ذیل کی روایت سے ہوتی ہے۔

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ ثَنَا عَاصِمٌ عَنْ عِيْسٰى عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ فِيْ قَوْلِهٖ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ مَا فِيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ مُتَشَابِهٌ يُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَهُوَ مِثْلُ قَوْلِهٖ وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ اَوْ مِثْلُ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ	میرے پاس محمد بن عمرو نے بیان کیا اور اسکے پاس ابو عاصم نے عیسیٰ سے اسنے ابن ابی نجیح سے اسنے مجاہد سے خدا تعالی کے اس قول کی بابت بیان کیا کہ قرآن کریم کی بعض آیات محکمات ہیں انمیں حلال اور حرام کا ذکر ہے اور جو باقی انکے سوا ہیں وہ متشابہ ہیں جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور ایسی ہیں جیسے مَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ اور جیسے كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور جیسے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ

* مثل كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

پس اس تمام کلام سے صاف واضح ہے کہ محکمات وہ آیات ہیں جنمیں عمل کیلیئے حلال وحرام کا ذکر ہے جسکو ہر آدمی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور باقی جسقدر آیات ہیں وہ سب متشابہات ہیں جو بغیر ایک دوسری کی مدد کے اُنکے پورے معانی حل نہیں ہوسکتے

بخاری میں مجاہد کی تفسیر سے متشابہ کے معنی لکھے ہیں یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی متشابہ اسکو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد سے حل ہو جائے اور قرآن کریم میں کوئی آیت باہم مخالف ومتضاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہو۔

اسکی تصدیق حدیث ذیل سے ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا اَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ لَقَدْ جَلَسْتُ اَنَا وَاَخِیْ مَجْلِسًا مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ بِهٖ حُمْرَ النَّعَمِ اَقْبَلْتُ اَنَا وَاَخِیْ وَاِذَا مَشْيَخَةٌ مِّنْ صَحَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُلُوْسٌ عِنْدَ بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِهٖ فَكَرِهْنَا اَنْ نُّفَرِّقَ بَيْنَهُمْ فَجَلَسْنَا حَجْرَةً اِذْ ذَكَرُوْا اٰيَةً مِّنَ الْقُرْاٰنِ فَتَمَارَوْا فِيْهَا حَتّٰى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمْ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهٗ يَرْمِيْهِمْ بِالتُّرَابِ وَيَقُوْلُ مَهْلًا يَا قَوْمِ بِهٰذَا اُهْلِكَتِ الْاُمَمُ مِنْ قَبْلِكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ وَضَرْبِهِمُ الْكُتُبَ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ

امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ میرے پاس عبداللہ نے انکے پاس اُنکے باپ نے انکے پاس انس بن عیاض نے اُنکے پاس ابوحازم نے اُنکے پاس عمرو بن شعیب نے اُنکے پاس اُنکے باپ نے اُنکے پاس اُنکے دادا نے بیان کیا کہ میں اور ایک میرا بھائی ایک جگہ بیٹھے جسکو میں بہت ہی پسند کرتا تھا اور وہاں میں اور میرا بھائی دونوں ملکر گئے تو وہاں کچھ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکے ایک دروازہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہمنے اُنسے الگ بیٹھنا پسند نہ کیا بلکہ ہم بھی اُس حجرہ پر بیٹھ گئے پھر اُنہوں نے ایک آیت قرآنی کا ذکر کیا اور آپس میں وہ جھگڑنے لگے یہانتک کہ اُنکی آواز بلند ہوگئی! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک باہر تشریف لائے اور آپکا چہرہ مبارک سُرخ تھا اور اُنپر مٹی جھڑکتے تھے اور کہتے تھے اے قوم خاموش!!! اسی سبب سے جو قومیں تم سے پہلے تھیں اپنے انبیا کی اختلاف کرنے اور بعض آیات کو بعض پر لگانے سے ہلاک ہوگئیں

اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَمْ یَنْزِلْ یُکَذِّبُ بَعْضُهٗ بَعْضًا بَلْ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوْا بِهٖ وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوْهُ اِلٰی عَالِمِهٖ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ

یہ قرآن کریم اسواسطے نازل نہیں ہوا کہ بعض حصہ بعض کی تکذیب کرے بلکہ ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے پس جسکی سمجھ تمکو آجائے اُسی پر عمل کرو اور جو نہیں سمجھتے اسکو علماسے جاکر پوچھو۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۸۱

مگر ہمارے نزدیک وہ جو آیا ہے وَلِلْقُرْاٰنِ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ جسکی تصدیق حدیث ذیل سے ہوتی ہے۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ لِکُلِّ اٰیَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ یعنی ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم سات لغت پر نازل ہوا ہے جسکی ہر آیت میں ظہر اور بطن ہے اور ہر ایک آیت کی ایک حد اور مطلع ہوتا ہے یہ روایت شرح السنہ میں مذکور ہے۔ دیکھو مشکوۃ صفحہ ۲۰ کتاب العلم۔ اس ظہر اور بطن سے مراد محکم اور متشابہ سے ہے یعنی محکم مترادف ظہر اور متشابہ مترادف بطن ہے اور صرف ہمارا ہی خیال نہیں بلکہ اسکی تائید خود قرآن کریم کی اس آیت مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ سے ہوتی ہے کیونکہ محکمات کو ام الکتاب کہا گیا ہے۔ جب محکم بمرتبہ ماں کے ہوئی تو جو کچھ اُسکے اندر سے بطور اولاد کے خارج ہوگا وہی متشابہات ہوئے۔ اور اُسی کا نام حدیث میں بطن آتا ہے۔ پس جب قرآن شریف حامل ظہر و بطن ہوا تو پھر علماء ظواہر کیونکر بطور خود بطن کی حقیقت کو پہونچ سکتے ہاں اگر کسیکو اللہ تعالی توفیق رفیق عطا کرے اور اسکو راسخ فی العلم کا درجہ عطا ہو جائے تو وہ اسکی تاویل سمجھنے کے لائق ہو سکتا ہے۔

عبارت متذکرہ بالا میں چار لفظ آئے ہیں ایک ظہر اور ایک بطن اور ایک حد اور ایک مطلع اور چونکہ یہ عام فہم نہیں ہیں اسلیئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جو بزرگان دین نے انکے معنی ظاہر کیئے ہیں وہ بیان کر دیئے جائیں تاکہ پڑھنے والونکو وقت پیش نہ آئے۔ خواجہ محمد پارسا نے اسکے معنی یوں کیئے ہیں اَنَّ الظَّهْرَ هُوَ التَّفْسِیْرُ وَالتَّفْسِیْرُ کَشْفُ ظَاهِرِ الْکَلَامِ وَالْبَطْنُ هُوَ التَّاوِیْلُ وَالتَّاوِیْلُ کَشْفُ بَاطِنِهٖ وَالتَّاوِیْلُ مُخْتَلِفٌ عَجِیْبٌ بِحَسَبِ اَحْوَالِ الْمُسْتَمِعِ وَاَوْقَاتِهٖ فِیْ مَدَارِجِ سُلُوْکِهٖ

وَتَفَاوُتِ دَرَجَاتِہٖ وَکُلَّمَا مَنْ تَرَقّٰی عَنْ مَقَامِہٖ اِنْفَتَحَ لَہٗ بَابُ فَہْمٍ جَدِیْدٍ وَاَطَّلَعَ بِہٖ عَلٰی لَطِیْفِ مَعْنًی عَلِیْلٍ وَالْحَدُّ یَتَنَاھٰی اِلَیْہِ الْفُھُوْمُ وَالْمَطْلَعُ مَا یَصْعَدُ اِلَیْہِ مِنْہُ فَیَطَّلِعُ عَلٰی شُھُوْدِ الْمَلِکِ الْعَلَّامِ یعنی ظہر تفسیر ہوتی ہے اور تفسیر اُس کا نام ہے جو کلام ظاہر کو پورا کھولکر دکھائے۔ اور بطن تاویل کو کہتے ہیں اور تاویل وہ کیفیت ہے جو کسی چیز کے باطن کا حال کھولدے اور تاویل سُننے والیکے احوال اور اوقات کے موافق مختلف ہوتی ہے یعنی جوں جوں اُسکے مراتب سلوک ور درجات میں فرق ہوگا ویساہی اُسکے سمجھنے میں فرق ہوگا اور جب وہ اپنے مقام سے ترقی کرنے لگتا ہے تو ایساہی اُسکے لیے فہم جدید کا دروازہ کھُل جاتا ہے حتی کہ وہ اُسکے لطیف اور عمدہ معانی پر آگاہ ہوجاتا ہے۔ اور حدّ وہ مقام ہے کہ جہاں کلام کے معنی کے رو سے فہم انسان کی رسائی ہو اور اس سے آگے تجاوز نہ کرسکے اور مطّلع وہ مقام ہے کہ انسان صعود کرتا کرتا ملک العلام کے شہود پر مطلع ہوجائے۔ دیکھو فصل الخطاب قلمی صفحہ ۲۳

یہ تو معنی ہوئے اُن مصطلحات کے جو عبارت بالا میں آگئی تھیں۔ اب یہاں پر راسخین کے معنے بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کو راسخ فی العلم کی کیفیت سے ناواقفیت نرہے سو واضح ہو کہ ہم اس لفظ پر زیادہ بحث کرنا باعثِ طوالت خیال کرتے ہیں۔ اسلیے ہم صرف ایک مشہور بزرگ کے معنی بیان کرتے ہیں جنھوں نے راسخون فی العلم کی نسبت بحث کی ہے اور وہ بزرگ حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی ہیں جنھوں نے اپنے مکتوبات میں یوں تحریر کیا ہے "ونصیب علماءِ راسخین کہ ورثۂ انبیا اند علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات باانہم کہ علماءِ ظواہر دارند و آنچہ صوفیاں بآں ممتاز اند اسرار دقائق است کہ در متشابہاتِ قرآنی رمزے واشارتے بآں رفتہ است و بر سبیلِ تاویل اندراج یافتہ فَھُمْ اَلْکَامِلُوْنَ فِی الْمُتَابَعَتِ وَالْمُحَقِّقُوْنَ بِالْوِرَاثَۃِ ایشاں بر سبیلِ تبعیت و وراثت شریک دولت خاصِ انبیا اند علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ومحرم بارگاہ۔ لاجرم شرفِ کرامتِ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مشرف گشتہ اند" یعنی علماءِ راسخین جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے وارث ہیں وہ علمائے ظواہر کے علوم میں بھی بہرہ وافر رکھتے ہیں اور صوفیائے کرام کے علوم میں بھی مہارت تام اُنکو حاصل ہے اور صوفیہ کرام جن علوم پر ممتاز ہیں وہ اسرار اور دقائق ہوتے ہیں جنکا اشارہ متشابہات قرآنیہ میں ہے۔

یہی لوگ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پوری تابعداری کی وجہ سے اُنکی دولت خاص میں شریک اور اُنکے علوم کے وارث اور بارگاہ رب العزت کے محرم راز ہوتے ہیں۔ علاوہ اس بزرگ شرف یعنی عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل سے مشرف ہوتے ہیں۔ دیکھو مکتوب ۳۱ جلد ثانی مکتوبات صفحہ ۲۲۵

اور دوسری جگہ مجدد الف ثانیؒ صاحب لکھتے ہیں اِیَّاکُمْ مِنَ الرّٰسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ اے برادر حضرت حق سُبحانہ وتعالیٰ کتاب مجید خود را دو قسم ساخت محکمات و متشابہات۔ قسم اول منشار علم شرائع واحکام ست وقسم ثانی مخزن علم حقائق واسرار۔ ید و وجہ وقدم وساق واصابع وانامل کہ در قرآن وحدیث آمدہ است ہمیں متشابہات است ہمچنیں حروف مقطعات کہ در اوائل قرآن وارد شدہ اند نیز متشابہات اند کہ بر تاویل آنہا اطلاع نداوہ اند مگر علمار راسخین را۔

از حروف مقطعات قرآنی چہ نویسد کہ ہر حرفے ازاں حروف بحریست مواج از اسرار خفیہ عاشق ومعشوق ورمزیست غامض از رموز دقیقہ محب ومحبوب۔ ومحکمات ہر چند اُمہات کتاب اند اما نتائج وثمرات آن کہ متشابہات اند از مقاصد کتاب اند اُمہات از وسائل بیش نیستند از برائے حصول نتائج پس لب کتاب متشابہات اند ومحکمات کتاب قرآن۔ لب متشابہات اند کہ برمز واشارہ بیان اصل مینمائید واز حقیقت معاملہ آں مرتبہ نشاں میدہند بخلاف محکمات متشابہات حقائق اند ومحکمات نسبت بہ متشابہات صور آں حقائق۔ یعنی جز و راسخین فی العلم بجو۔ اے بھائی خداتعالیٰ نے اپنی کتاب مجید کو دو قسم کا بنایا ہے ایک محکمات ایک متشابہات۔ اول قسم کا منشار شریعتوں اور احکام سے ہے اور دوسری قسم کی منشار حقائق واسرار کے علم کے خزانہ سے ہے۔ ید۔ وجہ۔ قدم۔ ساق۔ اصابع اور انامل کہ جنکا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے سب کے سب متشابہات ہیں ایسا ہی حروف مقطعات بھی کہ قرآن کے اول میں آئے ہیں متشابہات ہیں کہ جنکی حقیقت سے بجز علمار راسخین اطلاع نہیں دگئی۔ حروف مقطعات قرآنی کے بارہ میں کیا لکھوں کہ اُن میں سے ہر حرف عاشق ومعشوق کے اسرار خفیہ کا ایک بحر مواج ہے اور محب اور محبوب کے باریک رموز سے گہری رمز ہے کہ محکمات جتنا کہ امہات کتاب ہیں وتنا ہی اُسکے نتائج وثمرات جو متشابہات ہیں کتاب لہذ کے مقاصد ہیں۔ اُمہات نتائج کے حصول کے لئے وسائل سے بڑھکر نہیں ہیں۔ پس کتاب کا لُب تو متشابہات ہیں اور محکمات کتاب قرآن متشابہات کا لب ہیں جو رمز اور اشارہ سے اصل کا بیان کرتے ہیں اور اس مرتبہ کی معاملہ کی حقیقت سے نشان دیتی ہیں بخلاف محکمات متشابہات حقائق ہیں اور محکمات متشابہات کی

یہی لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پوری تابعداری کی وجہ سے اُن کی دولت خاص میں شریک اور اُن کے علوم کے وارث اور بارگاہ رب العزت کے محرم راز ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اس بزرگ شرف یعنی عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سے مشرف ہوتے ہیں۔ دیکھو مکتوب ۱۳ جلد ثانی مکتوبات صفحہ ۲۵-۲۶+

اور دوسری جگہ مجدد الف ثانی صاحب لکھتے ہیں۔ اِیَّاکُمْ مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ ای برادر حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کتاب مجید خود را دو قسم ساخت محکمات و متشابہات قسم اول منشاء علم شرائع واحکامات وقسم ثانی مخزن علم حقائق واسرار۔ ید و وجہ و قدم و ساق و اصابع و انامل کہ در قرآن وحدیث آمدہ است ہمہ متشابہات است ہمچنیں حروف مقطعات کہ در اوائل قرآن وارد شدہ اند نیز متشابہات اند کہ بر تاویل آنہا اطلاع نہ دادہ اند مگر علماء راسخین را۔ از حروف مقطعات قرآنی چہ نویسد کہ ہر حرفے ازاں حروف بحر بسیت مواج از اسرار خفیہ عاشق ومعشوق و رمزیست غامض از رموز دقیقہ محب ومحبوب ومحکمات ہر چند امہات کتاب اند اما نتائج وثمرات آں کہ متشابہات اند از مقاصد کتاب اند امہات از وسائل پیش نیستند از برائے حصول نتائج۔ پس لب کتاب متشابہات اند ومحکمات کتاب قرآن لب متشابہات اند کہ برمز واشارہ بیان اصل مے نمایند واز حقیقت معاملہ آں مرتبہ نشان میدہند بخلاف محکمات متشابہات حقائق اند ومحکمات نسبت بہ متشابہات صور آں حقائق۔ یعنے خبردار راسخین فی العلم سے بچو اے بھائی خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید کو دو قسم کا بنایا ہے ایک محکمات اور ایک متشابہات اول قسم کا منشا شرائع اور احکام سے ہے اور دوسری قسم کا منشا حقائق اور اسرار کے خزانہ علم سے ہے۔ ید وجہ۔ قدم۔ ساق۔ اصابع اور انامل کہ جنکا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے سب کے سب متشابہات ہیں ایسا ہی حروف مقطعات بھی کہ قرآن کے اول میں آئے ہیں متشابہات ہیں کہ جنکی حقیقت پر بجز علماء راسخین اطلاع نہیں دی گئی حروف مقطعات قرآنی کے بارہ میں کیا لکھوں۔ کہ اُن میں سے ہر حرف عاشق ومعشوق کے لئے اسرار خفیہ کا ایک بحر مواج ہے اور محب اور محبوب کے باریک رموز میں سے ایک گہری رمز ہے کہ محکمات جتنا کہ امہات کتاب ہیں لیکن وہ تنہا ہی اُس کے نتائج وثمرات جو متشابہات ہیں کتاب اللہ کے مقاصد ہیں۔ امہات نتائج کے حصول کے لئے وسائل سے بڑھکر نہیں ہیں پس کتاب کا لب تو متشابہات ہیں اور محکمات کتاب قرآن متشابہات کا لب ہیں جو رمز اور اشارہ سے اصل کا بیان کرتے ہیں اور اسی مرتبہ کے معاملہ کی حقیقت سے نشان دیتے ہیں بخلاف محکمات متشابہات حقائق ہیں اور محکمات

متشابہات کی نسبت اُن حقائق کی صورتیں ہیں دیکھو مکتوبات امام ربانی مکتوب ۷۶ صفحہ ۲۵۶ و ۳۵۷ +

جب ہم اصحاب رسول اللہ صلعم اور آئمہ پر غور کرتے ہیں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر حالت میں قرآن شریف ہی کو مقدم سمجھا جاتا تھا چنانچہ حدیث کی تمام کتابوں میں حضرت عمرؓ کا یہ قول لکھا ہے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ ہمیں کتاب اللہ یعنی قرآن شریف ہی کافی ہے اور دوسری جگہ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فرمایا ہے یعنی کتاب اللہ تم کو کافی ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۰ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم +

روضۃ العلما میں بروایت صاحب ہدایہ نقل ہے +

عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِذَا قُلْتُ قَوْلًا وَكِتَابُ اللّٰهِ يُخَالِفُهُ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقِيْلَ اِذَا كَانَ خَبَرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَالِفُهُ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِخَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ اِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ يُخَالِفُهُ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ	ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہو جو قرآن حمید کے مخالف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو اور قرآن کے مطابق عمل کرو اور اگر مجھ سے رسول اللہؐ کی حدیث کے خلاف کوئی بات سرزد ہوئی ہو تو بھی میرے قول کو ترک کرو اور حدیث پر عمل کرو اور اگر کسی صحابی کے قول کے خلاف بھی میرا قول ثابت ہو تو بھی میرے قول کو چھوڑ دو اور صحابی کے قول پر عمل کرو +

اس روایت سے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ کس درجہ تک پایا جاتا ہے لیکن افسوس کہ اُس کے معتقدین باوجودیکہ اُن میں بڑے بڑے علما بھی ہیں اُن کے اس حکم پر عمل نہیں کرتے اور خدا اور رسول اور صحابہ سے تو روگردان ہو چکے تھے مگر جس پاک امام کا دامن پکڑے ہوئے تھے وہ بھی اُن سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں +

ایسا ہی دیگر آئمہ کا بیان ہے مگر ہم بخوف طوالت ترک کرتے ہیں اور اس لئے بھی کہ اس ملک میں دیگر آئمہ کے پیرو بہت کم نظر آتے ہیں لہذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اکتفا کیا گیا +

قرآن کریم لاریب فیہ مثل قول خداوندی ہے

جمال و حسنِ قرآن نورِ جانِ ہر مسلمان ہے	قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اُس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا	بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اُس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے
خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوفِ یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اُس پہ قرباں ہے

دیگر

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اُس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیرِ بیضا نکلا

زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

باب دوم

حدیث کے متعلق

قرآن کریم کے بعد اہل اسلام کو حدیث کی بھی سخت ضرورت ہے کیونکہ تفصیلات کا علم احادیث صحیحہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ خاصکر اُن پیشگوئیوں کی کیفیت احادیث ہی سے ملتی ہے جو مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیندہ زمانہ کی نسبت کی ہیں اور اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و علوِ شان ثابت ہوتی ہے کیونکہ قیامت تک کے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجیات خود بیان کر دیے تھے جو بعد ازاں اسیطرح ظہور میں آتے رہے۔ لہذا احادیث کو بالکل متروک کرنا تحکم اور زبردستی ہے۔ ہاں احادیث میں بڑی بڑی دقتیں بھی ہیں کیونکہ بزمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم احادیث کے لکھنے کی ممانعت کردی گئی تھی +

جیسے کہ احادیث ذیل سے واضح ہے:-

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا یَزِیْدُ اَنَا هُمَامُ بْنُ یَحْیٰی عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَکْتُبُوْا عَنِّیْ شَیْئًا اِلَّا الْقُرْاٰنَ فَمَنْ کَتَبَ عَنِّیْ شَیْئًا غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ +

حضرت امام احمد بن حنبل نے عبداللہ سے اُس نے اپنے باپ سے اُس نے زید سے اُس نے ہمام بن یحییٰ سے اُس نے زید بن اسلم سے اُس نے عطا بن یسار سے اُس نے ابو سعید خدری سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سوائے قرآن کریم کے اور کچھ نہ لکھا کرو اور جس نے مجھ سے سوائے قرآن کے سُنکر لکھا ہو اُسکو چاہیئے کہ وہ مٹا دے۔ دیکھو مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۱ +

دوسری حدیث میں یوں آیا ہے:-

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عِیْسٰی ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَیْدٍ عَنْ اَبِیْهِ

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ نے ہمارے پاس اُسکے پاس اُسکے باپ نے اُسکے پاس اسحٰق بن عیسیٰ نے

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا نَكْتُبُ مَا نَسْمَعُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ مَا هٰذَا تَكْتُبُوْنَ فَقُلْنَا مَا نَسْمَعُ مِنْكَ فَقَالَ اَكِتَابٌ مَعَ كِتَابِ اللّٰهِ فَقُلْنَا مَا نَسْمَعُ فَقَالَ اكْتُبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ اَمْحِضُوْا كِتَابَ اللّٰهِ اَكِتَابٌ غَيْرَ كِتَابِ اللّٰهِ اَمْحِضُوْا كِتَابَ اللّٰهِ اَوْ خَلِّصُوْهُ قَالَ فَجَمَعْنَا مَا كَتَبْنَا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اَحْرَقْنَاهُ بِالنَّارِ وَقُلْنَا اَيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَحَدَّثُ عَنْكَ قَالَ نَعَمْ۔ تَحَدَّثُوْا عَنِّيْ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَحَدَّثُ عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ قَالَ نَعَمْ تَحَدَّثُوْا عَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ فَاِنَّكُمْ لَا تُحَدِّثُوْنَ عَنْهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا وَقَدْ كَانَ فِيْهِمْ اَعْجَبُ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ ۔

اُس کے پاس عبدالرحمٰن بن زید نے اُس کے پاس اُس کے باپ نے اُس کے پاس عطا ابن یسار نے اُس کے پاس ابوہریرہ نے بیان کیا کہ ہم بیٹھکر جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے لکھتے جاتے تھے۔ ایک روز وہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کیا لکھا کرتے ہو۔ ہم نے عرض کی کہ ہم وہ لکھتے ہیں جو حضور والا سے سنتے ہیں۔ فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتاب۔ ہم نے کہا جو ہم سنتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔ فرمایا کہ کتاب اللہ ہی لکھا کرو اور صرف کتاب اللہ ہی لکھو کیا کتاب اللہ کے ساتھ اور کتاب لکھتے ہو ہرگز نہیں چاہیے صرف کتاب اللہ ہی لکھو اور یا یہ فرمایا کہ اُسی کو خالص لکھو۔ ابوہریرہ کہتا ہے کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہوا تھا سب جمع کرکے ایک جگہ ڈھیر لگا کر جلا دیا پھر ہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم آپ سے حدیث آگے بیان کیا کریں فرمایا کہ ہاں مجھ سے حدیث بیان کرو کوئی حرج نہیں ہے اور جو میری طرف سے جھوٹ بنا کر کہیگا اُسکا ٹھکانا دوزخ ہوگا پھر ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا بنی اسرائیل سے بھی روایت بیان کیا کریں فرمایا ہاں بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو کوئی حرج نہیں تم اُن سے کوئی روایت ایسی بیان نہیں کرسکتے جو اُس سے عجیب تر ہو دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۲

اور وجہ یہ تھی کہ اُس وقت قرآن شریف کا نزول ہو رہا تھا اگر قرآن شریف کے ساتھ ساتھ احادیث بھی قلمبند کی جاتیں تو پھر بعد کے زمانہ میں کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ میں فرق کرنا دشوار ہو جاتا اور اِس دین میں بھی اُسی طرح فساد برپا ہو جاتا۔ جیسے عیسائیوں میں انجیل شریف کی منسبت ہوا۔ کیونکہ اُن اناجیل میں جو اسوقت ہدایت نامہ کے طور پر مخلوق خدا کے سامنے پیش کی جاتی ہیں اُن میں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں کچھ امتیاز نہیں پایا جاتا۔ اور اب یہ کل مخلوط کلام آنیوالی نسلوں میں اللہ تعالیٰ ہی کا کلام مانا جاتا ہے نعوذ باللہ من ذالک اگر زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں صحابہ رِضْوَانَ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ بھی احادیث کو آیات قرآنی کی طرح لکھنے جاتے تو پھر کچھ شک نہیں تھا کہ دین اسلام میں اتنا بڑا فتور برپا ہوتا کہ جس کا علاج ناگزیر ہو جاتا۔ مگر رسول عربی عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر قربان جائیے اور اللہ جل شانہٗ کی کامل حکمت پر واری جائیے کہ جس نے اُن کو ایسی دقیق سمجھ عطا کی تھی کہ جس کی وجہ سے اُنہوں نے حکم جاری کر دیا تھا کہ کوئی شخص حدیث کو قلمبند نہ کرے تاکہ امت محمدیہ میں بھی عیسائیوں کی طرح فتور برپا نہ ہو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

گو احادیث بزمانہ حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معرض تحریر میں نہیں آئیں لیکن کثیر التعداد احادیث تعامل کے رنگ میں نسلاً بعد نسلاً ہم تک پہنچ گئی ہیں کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عاشق اور شیدا تھے کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھ لیتے یا اُن کے فرمان کو کانوں سے سُن لیتے تو فوراً اُس کو عمل میں لاتے تھے اور اُسی طرح مسلسل اُن سے اُن کی اولاد اور توابع نے اور اُن سے اُن کی اولاد نے لیکر عمل کیا اور اس طرح ہم تک پہنچ گئیں۔ اگر یہ باتیں جو تعامل میں آچکی تھیں احادیث کی کتابوں میں نہ بھی لکھی جاتیں تو بھی کچھ حرج نہیں تھا۔ مگر سوائے اُن احادیث کے اور بھی احادیث تھیں جو تعامل میں نہیں آئیں لیکن تواتر کے طور پر چلی آئی ہیں جن سے کسی صورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر تواتر کا انکار کیا جائے تو پھر دُنیا میں کوئی علم قائم نہیں رہ سکتا حتّٰی کہ قرآن کریم پر سے بھی اعتبار اُٹھ جاتا ہے لہٰذا تواتر قومی بھی ہر طرح قابل قبولیت ہے۔ ہاں اس امر کا بڑا لحاظ رہنا چاہئے کہ حدیثیں اسلام میں لاکھوں تک مروج ہیں اور ان میں اکثر موضوع اور بناوٹی حدیثیں بھی ہیں کیونکہ بزمانہ حضرت علےؓ وحضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لوگوں میں عداوت اور کینہ کی آگ مشتعل ہو چکی تھی اور لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے تھے اس لئے اُن کو بہ تقاضائے وقت ایسی ایسی حدیثیں وضع کرنی پڑیں جن سے فریقین کی مذمت اور بُرائی ثابت ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ آگ صرف اُسی زمانہ تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کی نوبت دُور تک پہنچی حتّٰی کہ خاندان بنی امیہ اور خاندان عباسیہ میں روافض اور خوارج کے گروہ جو پہلے دبے ہوئے تھے ظاہر ہو گئے اور پورے زوروں پر پہنچ گئے تھے اور خدا سے بیڈر ہو کر اُنہوں نے کثیر التعداد احادیث موضوع بنا کر شائع کر دی تھیں اور پھر عباسیوں اور بنی امیوں اور علویوں میں بھی باہم اس قدر عداوت پیدا ہو گئی تھی کہ اُن میں سے بھی جن کا

بس چلتا ایک دوسرے کو قتل یا ایذا رسانی سے ہرگز دریغ نہیں کرتے تھے اور اُنھوں نے اپنی تائید میں اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے بکثرت حدیثیں بھی وضع کر لی تھیں۔ اسی واسطے محدثین کو احادیث کے جمع کرنے میں بڑی بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ وجہ یہ کہ احادیث کو قرآن کریم کی طرح لکھا نہیں گیا تھا اور نہ قرآن حمید کی طرح حدیثیں حفظ کرائی گئی تھیں اس واسطے واقعی محدثین کو بڑی دقت کا سامنا ہوا اور پھر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے جمع کرنے کا فکر دوسری صدی اور زیادہ تیسری صدی میں پیدا ہوا جبکہ قرن اوّل اور قرن دوم کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قرن دوم میں روافض اور خوارج کے دو بھاری گروہ پیدا ہو گئے تھے اور ان ایمان کے غارتگر گروہوں نے ایک دوسرے کی بیجا عداوت اور اپنے اماموں کی بیجا محبت میں چشم بینا بند کر کے اور خدا سے بے ڈر ہو کر وہ موضوع حدیثیں گھڑ لیں کہ العیاذ باللہ بناوٹی حدیثوں کے طومار کے طومار کھڑے کر دئے اور اُن کو عام طور پر ایسا رواج دیدیا کہ بیچارے محدثین کو اُن کے پرکھنے اور الگ کرنے میں بڑی بڑی مشکلات کے سامنے ہوئے۔ گو اُنھوں نے صحیح اور موضوع احادیث کی تنقید میں بڑی بڑی سعی کی آخر انسان تھے اور کیا کر سکتے تھے۔ عالم الغیب تو تھے ہی نہیں یہ خاصہ تو خاص اللہ ہی کی ذات پاک کے لئے ہے۔ ہاں جس قدر انسانی عقل اور کوشش ہو سکتی تھی اُس کو نہایت دیانت اور امانت سے کام میں لائے اور اپنی مساعی جمیلہ سے بہت سی مشکلات کو حل بھی کر لیا۔ مگر بشری نقصانات سے وہ کیونکر بچ سکتے تھے بہر حال بہت کچھ نقص کتابوں میں رہ گئے +

اس میں شک نہیں کہ بعض محدثین نے نہایت عرقریزی اور جانفشانی سے اس مرحلہ کو طے کیا اور جہانتک اُن کے امکان میں تھا سچی حدیثوں کو جھوٹی حدیثوں سے الگ کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا بلکہ عزیز جانوں کو اسی راہ میں فدا کر دیا۔ جزاہم اللہ خیر الجزا۔ لیکن وہ بزرگوار بوجہ بُعد زمانۂ رسالت مآب احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ سے جُدا کرنے اور قوی اور ضعیف حدیثوں میں مابہ الامتیاز قائم کرنے میں معذور تھے۔ کیونکہ قریباً دو صدیاں گذر چکی تھیں اور درمیان میں کئی واسطے پڑ گئے تھے +

لہذا ایسی حالت میں حدیث کو قرآن پر قاضی قرار دینا نہایت کم عقلی ہے بلکہ اُن علماء کی سراسر جہالت ہے جو اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ نص قرآنی فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ اس کی شاہد ناطق ہے۔ ہاں حدیث کا ماننا نص قرآنی اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے

بموجب ضروری بلکہ اشد ضروری ہے لیکن جب خود اللہ تعالیٰ نے حدیث کو اپنے کلام پاک کے بعد جگہ دی ہے تو پھر حدیث کو قرآن پر مقدم رکھنا سخت ہٹ دھرمی او گستاخی ہے اور یہ بھی اُس حالت میں کہ جب حدیث حدیث ہی ثابت ہو اور وہ قرآن کے مخالف بھی نہ پڑتی ہو کیونکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ احادیث موضوعہ بکثرت پھیل چکی تھیں اور گو محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیثوں کے تنقید میں بڑی بڑی جانفشانی کی ہے مگر پھر بھی دھوکے کا احتمال ہے۔ لہذا اس دھوکے اور غلطی سے بچنے کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ احادیث کو قرآن کریم پر عرض کیا جائے۔ جو حدیث قرآن حمید کی کسوٹی پر چڑھکر ٹھیک اور درست ثابت ہو اُس کو بسر و چشم قبول کرنا اور اُس پر عمل درآمد کرنا لازم بلکہ فرض ہے اور اگر قرآن کریم کے مخالف پائی جائے تو اُس کو ردی کی طرح پھینک دینا چاہیے خواہ کسی حدیث کی کتاب میں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ انسانی کوشش سے جمع کی ہوئی باتیں خدا کے کلام کی برابری نہیں کر سکتیں اِنسان خواہ کتنا ہی بزرگ اور متقی ہو لیکن آخر ایک عاجز انسان ہی ہے اور مقولہ اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ اُس پر صادق ہے:۔

ہم دور ہی کیوں جائیں صرف اُن محدثین پر ہی غور کرلیں کہ جن کی احادیث بڑی وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور وہ صرف صحاح ستہ کے بزرگ مؤلف ہیں۔ کیا یہ امر کسی سے مخفی ہے کہ ان بزرگان دین نے کیسی نیک نیتی اور جانفشانی سے اس کام کو سرانجام دیا اور حدیثوں کے جمع کرنے میں کیا کیا تکالیف سفر برداشت کیں اور کس عرقریزی سے لاکھوں حدیثیں بہم پہنچائیں اور پھر قوی اور ضعیف اور صحیح اور موضوع کے پرکھنے کے لئے کیا کیا قواعد او ضوابط منضبط کئے لیکن جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو پھر بھی اُن میں نقص ثابت ہوتا ہے مثلاً جن قاعدوں کی بنا پر امام محمد اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں حدیثیں درج فرمائی ہیں اور لاکھوں حدیثیں اپنے مجوزہ قواعد کے مطابق نہ پاکر اُن کو رد کر دیا اور اُنہیں اپنی صحیح میں درج نہیں فرمایا امام مسلم رحمۃ اللہ نے اپنے قواعد منضبط کے رو سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی متروک و مردود کردہ احادیث میں سے بہت سی احادیث صحیح سمجھ کر اپنی کتاب صحیح مسلم میں داخل فرمادیں اور بعض احادیث بخاری جو امام محمد اسمٰعیل بخاری کی تحقیقات سے بہ وجوہ قوی تھیں ضعیف ٹھہر کر رد کر دیا جب ان عظیم الشان مسلم الثبوت کتابوں کا یہ حال ہے تو اور کتابوں کا جو درجہ ہیں اُن سے

اُنٹر کرہیں کیا حال ہو سکتا ہو۔ حال آنکہ امام محمد اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں کہ جنہوں نے ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے دو نفل ادا کئے اور خدا تعالیٰ سے دُعا مانگ کر اُس کو اپنی کتاب میں درج فرمایا اور غالباً انہی دعاؤں کا نتیجہ ہو کہ صحیح بخاری کو اتنا بڑا درجہ ملا ہے کہ قرآن کے بعد اسی کو مقدم رکھا گیا ہے اور اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ کے بزرگ لقب سے ملقب ہو گئی ہے +

اس جگہ اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ محدثین نے حدیث کے لینے کے وقت روایت کو مقدم رکھا ہے لیکن درایت کا مطلق خیال نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ گو اُن کے قواعد مرتبہ کے رو سے حدیث صحیح بھی ہو لیکن چونکہ درایت کا خیال تک نہیں کیا گیا اس لیے بہت سی حدیثیں قرآن کریم کے مخالف ہو گئی ہیں۔ پس اس صورت میں بھی قرآن کو معیار قرار دینا انسب ہے +

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث قرآن کریم کی کسی مجمل تعلیم کو کھول کر بیان کر دیتی ہی لیکن یہ کبھی بھی ممکن نہیں کہ حدیث ایک رائی کے برابر بھی قرآن کے مفہوم کے مخالف ہو +

ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے فرقہ میں حدیثوں کی نسبت اس قدر اختلاف ہے کہ ایک دوسرے کی حدیثوں کو موضوع یا ضعیف کہہ دیتے ہیں مثلاً شافعی حنفیوں کی روایات کو یا حنفی حنبلیوں کی حدیثوں کو اور مالکی ان سب کی حدیثوں کو اور فرقہ اہل حدیث تو ان تمام فرقوں کی اکثر روایات کو مردود قرار دیتا ہے۔ جب اہل سُنّت والجماعت کی کتب حدیث کا یہ حال ہے تو پھر اہل تشیعہ اور رافضیہ کی روایات کا کیا ہی حال ہوگا پس ہر صورت میں حدیث کو قرآن کریم پر عرض کرنا چاہئے جو مطابق ثابت ہو اُس کو قبول کیا جائے اور غیر مطابق کو نظر انداز کر دیا جائے +

اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ یہ صرف تمہارا ہی خیال ہے سو ہم پہلے باب میں ذکر کر آئے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی فرما دیا ہے کہ قرآن ہی واجب العمل اور محفوظ کتاب ہے ہم ذیل میں چند احادیث بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت تاکید فرمائی ہے کہ ہر حدیث کو قرآن کریم پر عرض کرنا چاہئے اور وہ احادیث یہ ہیں :-

طبرانی نے حضرت ثوبان سے روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری حدیث کو کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اُسکے موافق ہو تو جان لو کہ وہ	(۱) اَعْرِضُوْا حَدِیْثِیْ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ وَافَقَہٗ فَھُوَ مِنِّیْ وَ اَنَا قُلْتُہٗ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ عَنْ ثَوْبَانَ +

میری طرف سے ہے اور میں نے ہی اُسکو بیان کیا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ا صفحہ ۴۶ +

(۲) دوسری حدیث میں یوں آیا ہے +

اَلَا اِنَّ رَحَی الْاِسْلَامِ دَائِرَۃٌ قِیْلَ فَکَیْفَ نَصْنَعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَعْرِضُوْا حَدِیْثِیْ عَلَی الْکِتَابِ فَمَا وَافَقَہٗ فَھُوَ مِنِّیْ وَاَنَا قُلْتُہٗ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ وَسَمُّوْیَۃُ عَنْ ثَوْبَانَ +

طبرانی اور سمویہ نے ثوبان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی چکّی پھرنے والی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت ہم کیا کریں۔ فرمایا کہ میری حدیث کو کتاب اللہ پر عرض کرو جسکو موافق پاؤ جان لو کہ وہ میری حدیث ہے اور اس کا کہنے والا میں ہوں۔ دیکھو کنز العمال جلد ا صفحہ ۵۰ +

(۳) تیسری حدیث میں یوں آیا ہے +

سَتَکُوْنُ عَنِّیْ رُوَاۃٌ یَرْوُوْنَ الْحَدِیْثَ فَاعْرِضُوْہُ عَلَی الْقُرْاٰنِ فَاِنْ وَافَقَ الْقُرْاٰنَ فَخُذُوْھَا وَاِلَّا فَدَعُوْھَا رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ عَلِیٍّ +

ابن عساکر نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب راوی پیدا ہونگے جو میری طرف سے حدیث بیان کرینگے تم ان حدیثوں کو قرآن پر عرض کیا کرنا اگر وہ قرآن کے موافق ہوں تو اُن کو لے لو ورنہ ترک کرو۔ دیکھو کنز العمال جلد ا صفحہ ۵۰

یہ امر صرف اہل سنت والجماعت کی کتابوں سے ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ اہل تشیعہ کی کتابوں سے بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے ہم اُن سے بھی بطور نمونہ چند ایک احادیث بیان کر دیتے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عَنْ عَلِیِّ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّوْفَلِیِّ عَنِ السَّکُوْنِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ عَلٰی کُلِّ حَقٍّ حَقِیْقَۃً وَعَلٰی کُلِّ صَوَابٍ نُوْرًا فَمَا وَافَقَ کِتَابَ اللّٰہِ فَخُذُوْہُ وَمَا خَالَفَ کِتَابَ اللّٰہِ فَدَعُوْہُ رَوَاہُ الْکُلَیْنِیُّ فِیْ بَابِ الْاَخْذِ بِالسُّنَّۃِ وَشَوَاھِدِ الْکِتَابِ +

امام کلینی اس حدیث کو باب الاخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب میں ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر حق بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ہر نیکی پر نور ملتا ہے لیکن جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو اُس کو لیلو اور جو کتاب اللہ کے مخالف ہو۔ اُس کو چھوڑ دو۔ دیکھو کافی کلینی صفحہ ۳۴ +

(۲) دوسری حدیث میں یوں آیا ہے۔

عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِنَا عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّضْرِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ يَحْيَى الْحَلَبِيِّ عَنْ اَيُّوْبَ ابْنِ الْحُرِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ كُلُّ شَيْءٍ مَرْدُوْدٌ اِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكُلُّ حَدِيْثٍ لَا يُوَافِقُ كِتَابَ اللّٰهِ فَهُوَ زُخْرُفٌ رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ فِيْ بَابِ الْفَرْقِ بَيْنَ الرَّسُوْلِ وَالنَّبِيِّ وَالْمُحَدَّثِ +

ہمارے عمدہ اصحاب نے احمد بن محمد بن خالد سے اُس نے اپنے باپ سے اُس نے نضر بن سوید سے اُس نے یحییٰ بن حلبی سے اُس نے ایوب بن حر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ ہر ایک چیز کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ پر رد کی جائے اور ہر ایک حدیث جو کتاب اللہ سے موافقت نہ کھائے وہ لغو اور فضول ہے دیکھو کلینی صفحہ ۸۲۔ باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث +

یہ تو احادیث سے ثابت ہوا لیکن آگے ہم دکھاتے ہیں کہ صحابہ کا عملدرآمد بھی یہی رہا ہے ہم ذیل میں صرف حضرت عمر کی نظیر پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ علماء اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کو ہی مقدم سمجھتے تھے +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے بحضور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ انہوں نے زن مطلقہ کے نان و نفقہ و سکونت مکان کی نسبت یوں فرمایا تھا۔ چونکہ اُس کا بیان قرآن کریم کی نص صریح کے مطابق نہیں تھا تو امیر المومنین نے اُس کو یہ کہکر رد کیا۔ کہ میں ایک عورت کے بیان سے قرآن کے حکم کو نہیں بدل سکتا دیکھو الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ +

اِن تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید فرمائی ہے کہ میری ہر حدیث کو قرآن پر عرض کرنا چاہیے جو مطابق ثابت ہو اُس کو قبول کیا جائے اور جو مخالف ہو اُس کو رد کیا جائے۔ اور ہم گذشتہ باب میں ثابت کر آئے ہیں کہ تمام فرقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم ہی ایک کتاب دنیا میں ہے جو محفوظ و مامون ہے اور حدیثوں میں ہم ابھی ظاہر کر چکے ہیں کہ بڑا فساد ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرن دوم کے شروع میں دو زبردست فرقے خوارج اور روافض کے پیدا ہو گئے تھے اور ان ایمان کے غارتگروں

نے بغض وکینہ کی آگ سے مشتعل ہو کر ایک دوسرے کے مخالف ایسی ایسی موضوع حدیثیں گھڑ لی تھیں کہ العیاذ باللہ اُن کے سُننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اتنی جرأت ان میں پائی جاتی ہے۔ گویا اُن کے نزدیک کوئی خدا ہی نہیں اور نہ اُن کو دوزخ وبہشت پر ایمان ہے ورنہ اسقدر جسارت کیونکر ممکن ہوسکتی تھی۔ میرے اس بیان کی صداقت کلینی کے دیباچہ دیکھنے سے بخوبی ہوسکتی ہے جہاں امام کلینی نے لکھا ہے کہ ہمارے گروہ کے لوگوں نے بہت موضوع حدیثیں بنا لی تھیں۔ پس ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ کوئی کتاب حدیث بھی اِن غولانِ دین کے دست برد سے محفوظ رہی ہو۔ لہذا اشد ضروری ہے کہ حدیث کو قرآن پر پیش کیا جائے۔ اس امر سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ بعض اولیاء کرام نے بعض احادیث کو جنہیں محدثین نے اپنے قواعد سے ضعاف ٹھہرایا تھا مکاشفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملکر صحیح اور قوی قرار دیا ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ حدیثیں قرآن کریم کی طرح ساتھ ساتھ قلمبند نہیں ہوئیں اور نہ قرآن کریم کی طرح برزبان یاد کرائی گئیں حدیثوں کے جمع کرنے کا خیال اُس وقت پیدا ہوا جبکہ قرن اول اور قرن دوم کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قریب دو صدیوں کے گذر چکی تھیں پس ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ حدیثیں محفوظ رہی ہوں۔ لہذا اُن اولیاء اللہ کا مکاشفہ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرما کر کسی حدیث کا صحیح ظاہر کرنا بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ یہ بات ممکن ہے اور عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ جن قواعد کے رو سے محدثین نے کسی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے فی الحقیقت وہ ضعیف یا موضوع ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض احادیث فی الحقیقت صحیح اور قوی ہوں۔ مگر کسی راوی کے نقص کی وجہ سے ضعیف یا موضوع قرار پائی ہوں۔ کیونکہ درمیان میں بہت سے واسطے پڑ گئے تھے پس اولیاء اللہ کا کسی حدیث کو صحیح قرار دینا بعید از عقل نہیں معلوم ہوتا +

یہ امر بھی کسی پر مخفی نہیں کہ مسیح آخر الزمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَکَم یعنے سرپنچ قرار دیا ہے۔ اور سرپنچ کا کام یہی ہوتا ہے کہ لوگوں میں جس بات کا اختلاف اور تنازعہ ہو اُس کو بعد تحقیق وتدقیق کے دور کرے اور ہم اس دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے تنازعات میں کسی معتبر آدمی کو سرپنچ قرار دیتے اور اُن کے فیصلہ کو فیصلہ ناطق سمجھتے ہیں۔ جب اپنے مقرر کردہ حَکَم کے فیصلہ کو اتنی عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا اور رسول

کے مقررہ کردہ حَکَم کے فیصلہ کو نہ مانا جائے اور یہ یقینی بات ہے کہ مسیح آخر الزمان کا باتفاق کل مذاہب
ایسے وقت میں آنا ہے جبکہ مخلوقات میں سخت اختلاف ہوگا اور اس اختلاف کے دور کرنے اور
ایک فیصلہ ناطق دینے کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن کو دُنیا میں معبوث کرنا ہے پھر جن جن باتوں کو
مسیح علیہ السلام مردود قرار دینگے اُن کو مردود قرار دینا پڑیگا اور جن کو مقبول قرار دینگے اُن کو بلا چون
وچرا تسلیم کرنا ہوگا لہذا صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پرکھنے کے لئے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
بھی ایک بھاری آلہ ہونگے۔ اور ہمیں تمام مشکلات احادیث سے چھڑوا دینگے اور ظنیات کی دلدل
سے نکال کر ایقان کے بلند مینار پر چڑھا دینگے +

اب ہم ذیل میں احادیث کی فہرست دیتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ حدیثوں کی کتابیں کب
لکھی گئیں اور کن کن بزرگوں نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا +

واضح ہو کہ سب سے اول کتاب حدیث جو بعد کلام اللہ دنیا ء اسلام میں چہرہ نما ہوئی ہے
وہ بالاتفاق موطا امام مالک ہے اور یہ ظاہر ہے کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۹۵ھ ہجری میں
پیدا ہوئے اور اُن کا انتقال ۱۷۹ھ ہجری میں ہوا۔ اُن کو صرف چند صحابہ سے اتفاق ملاقات ہوا۔
کیونکہ جب اُن کو حدیث کے جمع کرنے کا خیال ہوا تو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ اور
جس قدر احادیث اُنہوں نے موطا میں درج فرمائی ہیں وہ بمقابلہ اُن احادیث کے جو صدی
یا دو صدی بعد جمع ہوئیں بہت ہی تھوڑی ہیں +

بعض کا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلی کتاب جو علمِ حدیث میں مدوّن ہوئی۔ وہ ابن جریج کی
کتاب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ربیع بن صبیح نے بصرہ میں کتاب حدیث لکھی مگر
عام کا اتفاق اس بات پر ہے کہ سب سے پہلے موطا امام مالک ہی لکھی گئی +

ذیل میں ہم ایک نقشہ دیتے ہیں جس میں نام کتاب و نام مصنّف و تاریخ وفات درج ہوگی۔ تاکہ
ناظرین کو یکجائی نظر کرنے سے پتہ لگ جائیگا۔ کہ کس قدر بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کتابیں جمع ہوئیں +

نمبر	نام کتاب	نام مصنّف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۱	موطا امام مالک	امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	سنہ ۱۷۹ھ	صحیحین کے بعد اسکا درجہ رکھا گیا ہے صحاح بلکہ بعض کے نزدیک صحاح ستہ کے برابر ہے
۲	مسند ابو داؤد طیالسی	ابو داؤد طیالسی	سنہ ۲۰۴ھ	

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۳	مسند الحمیدی	امام ابوبکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی	۲۱۹ھ	
۴	سنن سعید بن منصور	حافظ سعید بن منصور الخراسانی	۲۲۷ھ	
۵	مسند مسدد	ابو الحسن مسدد بن مسرہد	۲۲۸ھ	
۶	مسند اسحاق بن راہویہ	امام حافظ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی	۲۳۵ھ	
۷	مصنف ابن ابی شیبا	ابن ابی شیبا	۲۳۵ھ	
۸	مسند احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ	
۹	نوادر الاصول	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن شہر الموذن الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ	
۱۰	سنن دارمی	امام الحافظ عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی	۲۵۵ھ	
۱۱	جامع الصحیح یا صحیح بخاری	حضرت امام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل الجعفی البخاری رحمۃ اللہ	۲۵۶ھ	منجملہ صحاح ستہ سب سے زیادہ مقبول ہو چار مجلدات میں ہو۔ اول درجہ کی کتاب ہے
۱۲	جامع الصحاح یا صحیح مسلم	حافظ ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری	۲۶۱ھ	صحیح بخاری کے بعد اسکا دوسرے درجہ پر درجہ ہو۔ یہ بھی صحاح ستہ میں سے ہر
۱۳	سنن ابن ماجہ	ابی عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی	۲۷۳ھ	یہ کتاب بھی منجملہ صحاح ستہ ہے
۱۴	زیادات عبد اللہ بن احمد	عبد اللہ بن احمد	تیسری صدی میں	
۱۵	سنن ابو داؤد	سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ	یہ کتاب بھی منجملہ صحاح ستہ ہو اسکا پایہ صحیح مسلم کے
۱۶	جامع صحیح ترمذی و نوادر الاصول	حافظ ابو عیسےٰ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۷۹ھ	یہ کتاب بھی صحاح ستہ میں سے ہے اسکا پایہ بھی سنن ابی داؤد کے برابر ہے
۱۷	سنن نسائی	حافظ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ	یہ کتاب بھی صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہو
	کتاب الکنی	ابو حاکم نیشاپوری	چوتھی صدی میں	یعنی امام نسائی کے زمانہ کے قریب قریب ہوئے
۱۹	مسند ابو یعلی	ابو یعلی احمد بن علی	۳۰۷ھ	
۲۰	کافی کلینی	امام محمد بن یعقوب کلینی	۳۲۰ھ	یہ اہل تشیع کی بڑی معتبر و مدار علیہ کتاب حدیث ہو

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۲۱	اعتدال القلوب	شیخ ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد الخرائطی السامری	سنہ ۳۲۷ھ	
۲۲	مسند ابی بکر بن ابی شیبا	حافظ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد کوفی	سنہ ۳۳۵ھ	
۲۳	مسند ابن حمید	ابومحمد عبد بن حمید الکیشی	سنہ ۳۴۹ھ	
۲۴	معجم ابن قانع	حافظ ابوالحسین عبدالباقی بن قانع بن مرزوق بغدادی	سنہ ۳۵۱ھ	
۲۵	صحیح ابن حبان و سنن ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان البستی	سنہ ۳۵۴ھ	سنن ابن حبان کو علی بن بلبان فارسی نے جنکا انتقال سنہ ۷۳۹ھ میں ہوا عمدہ طور سے ترتیب دیا
۲۶	العظیمۃ ابی الشیخ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن محمد جعفر البستی	سنہ ۳۵۴ھ	
۲۷	المعجم الکبیر	حافظ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	سنہ ۳۶۰ھ	
۲۸	المعجم الاوسط	؍؍	؍؍	
۲۹	المعجم الصغیر	؍؍	؍؍	
۳۰	سنن و عمل الیوم واللیل ابن سنی و طب نبوی ابن سنی	حافظ احمد بن محمد المعروف بابن سنی الدینوری	سنہ ۳۶۴ھ	
۳۱	کامل ابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن محمد المعروف بابن عدی الجرجانی	سنہ ۳۶۵ھ	
۳۲	سنن دارقطنی اور افراد دارقطنی	امام الحجۃ ابوالحسن علی بن عمر المعروف بحافظ بغدادی	سنہ ۳۸۵ھ	
۳۳	شعب الایمان	ابی عبداللہ حسین بن حسن الحلیمی الشافعی	سنہ ۴۰۳ھ	
۳۴	مستدرک	الشیخ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم نیشاپوری	سنہ ۴۰۵ھ	
۳۵	فضائل صحابہ ابونعیم معہ کتاب الہدی و حلیہ	ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی	سنہ ۴۳۰ھ	
۳۶	سنن الکبیر للبیہقی	ابی بکر احمد بن حسین بن علی الخسروجردی البیہقی	سنہ ۴۵۸ھ	

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۳۷	الصلوٰۃ المروزی	امام ابومظفر منصور بن محمد المروزی	سنہ ۵۰۰ھ	
۳۸	البجلاء و تاریخ دمشق للخطیب	ابوزکریا یحییٰ بن علی الادیب	سنہ ۵۰۲ھ	
۳۹	تاریخ ابن عساکر	حافظ ابوالحسن علی بن حسین المعروف بابن عساکر	سنہ ۵۷۱ھ	
۴۰	مختارۃ الضیاء المقدسی	حافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی	سنہ ۶۴۳ھ	
۴۱	سنن نووی	امام الحافظ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	سنہ ۶۷۶ھ	
۴۲	طبقات ابن سعد	امام جلال الدین سیوطی	سنہ ۹۱۱ھ	
۴۳	مسند احمد بن منیع	احمد بن منیع		کتب ذیل کی تاریخیں نہیں ملیں مگر یہ یقینی بات ہے کہ دوسری صدی کے بعد یہ بزرگ محدثین ہوئے ہیں۔
۴۴	مسند ابی نصر الدیلمی	ابونصر الدیلمی		
۴۵	ابانہ جزی	ابونصر عبداللہ ابن سعید بن حاتم الجزی		
۴۶	مسند امام شافعی	امام محمد ادریس شافعی	سنہ ۲۰۴ھ	
۴۷	امالی	ابوالقاسم حسین بن ہبیت الدین صہری		
۴۸	مسند الشہاب	امام الشہاب القضاعی		
۴۹	قضاء الاجوائد ابن ابی الدنیا	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی الدنیا		
۵۰	مصنف عبدالرزاق	امام عبدالرزاق		
۵۱	ضعفاء عقیل	عقیل		
۵۲	الترغیب فی الذکر	ابن شاہین		
۵۳	موطا امام محمد	امام محمد	دوسری صدی کے اخیر	
۵۴	مسند الفردوس دیلمی	ابی نصر الدیلمی		
۵۵	معجم البغوی	عبداللہ بن محمد عبدالعزیز البغوی		
۵۶	فوائد سمویہ	الحافظ سمویہ		

کتب احادیث متذکرہ بالا کے دیکھنے سے واضح ہے کہ دوسری صدی کے اخیر میں صرف ایک دو

کتابیں مرتب ہوئیں باقی جس قدر کتابیں ہیں وہ سب بعد میں لکھی گئیں جنکی میعاد بخر چھٹی صدی تک پہنچتی ہے۔ پس ایسی حالت میں کیونکر بلاتحقیق قابل تسلیم ہوسکتی ہیں اور یہ امر بھی خود علماء دین پر مخفی نہیں کہ کثیر التعداد کتب احادیث کی موجودگی میں اہل سُنت والجماعت کے نزدیک صرف چھ کتابیں جو صحاح ستہ کے نام سے نامزد ہیں قابل اعتماد ٹھہرائی گئی ہیں اور پھر اُن میں بھی مدارج اور مراتب رکھے گئے ہیں سب سے مقدم صحیح بخاری رکھی گئی ہے بعد میں صحیح مسلم اور پھر سنن ابوداؤد اور ترمذی اور پھر باقی کتابیں +

ان مراتب کا قائم کرنا خود اس بات پر دال ہو کہ صحیح بخاری کی حدیثوں کے مقابلہ میں باقی کتابوں کی حدیثیں اعتبار کے درجہ سے گری ہوئی ہیں ورنہ مدارج چہ معنی دارد۔ اور پھر باوجو اسکے بعض علما صحیح بخاری کی احادیث کی نسبت بھی زبان اعتراض کھولتے ہیں۔ جب ایسی حالت ہے تو ان تمام جھگڑوں اور فساد سے بچنے کے لئے بجز اسکے اور کیا صورت ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم کو محک اور معیار قرار دیا جائے اور جو حدیث قرآن شریف کی کسوٹی پر چڑھکر صحیح اور درست ثابت ہو اُس کو قبول کیا جائے باقی کو ترک کیا جائے یا جن احادیث کو خدا اور رسول علیہ السلام کا مقرر کردہ حَکَم صحیح قرار دے اُسکو صحیح مان لیا جائے اور جنکو موضوع اور ضعیف ٹھہرائے اُسکو رد کیا جائے +

ہاں ایک بات اور بھی یاد رکھنے کے لائق ہو کہ حدیث کی صحت اور سچائی پر اس سے زیادہ یقینی اور قطعی گواہی مہر گز نہیں ہوسکتی کہ اگر وہ حدیث کسی پیشگوئی پر مشتمل ہو اور وہ پیشگوئی ہوبہو صفائی کے ساتھ پوری ہو جائے جس طرح حدیثیں مذکور تھی تو وہ لاریب صحیح اور سچی ہو کیونکہ جسقدر طریق محدثین نے حدیث کی صحت کے لئے قائم کئے ہیں۔ وہ سب ظنی ہیں مگر یہ طریق کہ پیشگوئی حسب مضمون حدیث پوری ہو جائے حدیث کے سچے ہونے پر مُہر کر دیتا ہے کیونکہ وہ حدیث کو ظن کے درجہ سے نکالکر یقین کے اعلیٰ مینار پر چڑھا دیتا ہے اور ایسی حدیث کا کوئی دوسری حدیث لگا نہیں کھاسکتی خواہ وہ حدیث کسی ہی طبقہ کی کتاب کی کیوں نہ ہو اور اگرچہ یہ حدیث جسکی پیشگوئی وقوع میں آئی ہے اسناد کی رو سے ضعیف بھی ہو تو بھی اُس کے صحیح اور یقینی ہونے میں شک نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسی بات پر جو غیب پر مشتمل ہو بموجب آیۃ کریمہ لَا یُظۡهِرُ عَلٰى غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ بجز مرسل من اللہ کے آگاہ نہیں ہوسکتا +

دوسری یہ بات بھی قابل غور ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام میں استعارات ہوتے ہیں ایسی

طرح اُن کے رسولوں کے کلام میں بھی استعارات اور رازہائے سربستہ ہوتے ہیں خاصکر اُن احادیث میں جو پیشگوئیوں کی حامل ہیں اس لئے اُن کے معانی کرنے کے وقت ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ سوچکر قدم رکھنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے جھٹ پٹ حدیث کی صحت پر شبہ کرنے لگ جائیں اور اس طرح کلام رسول علیہ السلام سے روگردانی کرلیں +

قرآن حمید کیا ہی عجیب نعمت ہی

از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ
بر غنچہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد
ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا
ویں یوسفے کہ تنہا از چاہ برکشیدہ

از مشرقِ معانی صدہا دقائق آورد
قدِ ہلالِ نازک زاں نازکی خمیدہ

کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد
شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ

آن نیّرِ صداقت چوں رو بعالم آورد
ہر بومِ شب پرستے در کنجِ خود خزیدہ

روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا
الّا کسے کہ باشد بارویش آرمیدہ

آں کس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف
واں بیخبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ

بارانِ فضلِ رحماں آمد بمقدمِ او
بدقسمت آنکہ ازوے سوئے دگر دویدہ

میلِ بدی نباشد الا رگِ شیطاں
آں را بشر ندانم کز ہر شرے رہیدہ

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی
تو نورِ آن خدائی کیں خلق آفریدہ

میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

حدیث بھی واجب العمل ہی

الا تا نتابی سر از روئے دوست
جہانے نیرزد بیک موئے دوست

خدائیکہ جاں بر رہِ او فدا
نیابی رہش جز پئے مصطفٰے

ابوالقاسم آن آفتابِ جہاں
کہ روشن شد از وے زمین و زماں

بشر کے بُدے از ملک نیک تر
نبودے اگر چوں محمدؐ بشر ⁂

نبایدت را شرم از کردگار	کہ اہلِ خرد باشی و باوقار
پس انگہ شنوی منکرِ آن رسولؐ	کہ باید از و نورِ چشمِ عقول
زسہو و زغفلت رہیدہ نہٗ	زطورِ بشر پاکشیدہ نہٗ
نباید زنوکارِ رب العبادؔ	مکن داوریہا زجہل و عناد

باب سوم

تفاسیر قرآن کریم کے باب میں

اِس باب میں ہم قرآن کریم کی تفاسیر کی فہرست دینا چاہتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ تفسیریں کس زمانہ میں لکھی گئیں اور وہ کون بزرگ ہیں جنہوں نے اس بارہ میں قلم اُٹھایا۔لیکن بیشتر اسکے کہ ہم فہرست دیں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ کسی قدر تفاسیر پر اپنی رائے ظاہر کریں +

سو واضح ہو کہ یہ بات علماء دین پر مخفی نہیں کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن مجید کی کوئی تفسیر لکھی نہیں گئی اگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی کوئی تفسیر کامل دنیا میں ہوتی تو پھر اسقدر اختلافات جو تفاسیر فرقانِ حمید میں پائے جاتے ہیں ہرگز وقوع میں نہ آتے لیکن یہ امر کیونکر ہو سکتا تھا جبکہ قوم کے لوگ آئندہ زمانہ کی ترقیات سے واقف اور وسیع معلومات سے بہرہ ور نہیں تھے اور عمیق در عمیق اسرار کلام اللہ اُن کو کیونکر مفید ہو سکتے تھے اور وہ کیونکر اُسکی دقیق در دقیق نکات کی تہ کو پہنچ سکتے تھے جبکہ وہ نیچر کے سادہ قوانین سے بھی پورے آگاہ نہ تھے اور نہ علوم طبیعات وطبابت وجغرافیہ وطبقات الارض وہیئت وغیرہ علوم میں کچھ مہارت رکھتے تھے۔ہاں جہانتک اُس زمانہ کی سمجھ اور فہم تھی اور جہانتک ضرورت زمانہ بھی مقتضی تھی اُس کے مناسب حال مختصر تفسیر بیان کی گئی جو بعد ازاں احادیث کی کتابوں میں درج ہوئی۔اگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ شریف کی تفسیر کامل بیان فرما جاتے جس سے لوگ قیامت تک مستغنی ہو جاتے تو پھر مجددین اور محدثین ومجتہدین کا سلسلہ قطعی بند رہتا۔اور پھر اُن کا آنا محض لاحاصل تھا اور آیتہ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کا مصداق

صحیح نہ ٹھیرتا کیونکہ مماثلت حضرت موسیٰ علیہ السلام کیونکر ثابت ہوتی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت
کے قائم رکھنے کے لئے سینکڑوں انبیا یکے بعد دیگرے ہوتے رہے اور آیۃ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
کا مورد بالکل غلط جاتا لہذا ضروری تھا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کا یہی تقاضا تھا کہ سلسلہ محدثین
ومجددین تا قیامت قائم رہے اور اسی لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بسیط تفسیر نہیں
لکھوائی اور نہایت تک فخر المرسلین سراج اوّلین والآخرین کی عزت افزائی کے لئے اُنکے خدام کو وقتاً فوقتاً
علم لدنی عطا کرکے اس خدمت کو سرانجام کرایا اور جو غلطیاں تفسیر قرآن شریف میں انسانی دخل
اور بشریت کے تقاضے سے وقوع میں آئیں اُن میں سے بعض کی صحت ضرورت زمانہ کے لحاظ
سے مجددین کے ذریعہ سے کرائی اور ہمیشہ کرائی جاتی رہیگی یہ سلسلہ کسی صورت میں منقطع نہیں ہوسکتا
کیونکہ جس طرح اللہ کی ذات بےمثل وبے مانند ہے ایسا ہی اُسکی صفات بھی بےمثل و بے مانند ہیں
انسان خواہ کتنا ہی عقل کے انتہائی نقطہ تک پہنچ جائے اور اللہ کی ذات اور صفات میں غور کرے اور
فکر کے گھوڑے کو میدان تحقیقات میں کتنا ہی جولان دے آخر تھک کر اور ماندہ ہوکر رہ جاتا ہے اور
اللہ تعالیٰ کی کنہہ تک نہیں پہنچ سکتا بھلا کیونکر ہو جبکہ خود اللہ تعالیٰ فرقان حمید میں فرماتا ہے۔ قُلْ
لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا
بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ یعنی اگر تمام روئے زمین کا سمندر اللہ تعالیٰ کے کلمات کے لکھنے کے لئے سیاہی
بنا دیا جائے۔ یہ سیاہی ختم ہو جائیگی مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہونے پائینگے خواہ ویسا ہی سمندر
اور بھی سیاہی بنا دیا جائے۔ بس انسان کا کیا مقدور ہے کہ وہ اُسکی ذات کی کنہہ تک کبھی پہنچ سکے
ہم دیکھتے ہیں کہ اُسکی قدرت کے کرشموں میں سے فطرت اللہ اُسکا ایک چھوٹا سا کرشمہ ہے جسکی تحقیقات
میں لاکھوں فلاسفر اور ہشیار حکماء سر پٹکتے مر گئے مگر پھر بھی اُنکی تحقیقات کے نتیجہ کو وہ نسبت ہو جو ایک
قطرہ کو سمندر سے ہو۔ بس انسان بے بنیان جب اُسکے ایک مختصر فعل کی کنہ وحقیقت کو نہیں پاسکتا
تو کیونکر اُسکی صفات پر آگاہی اور واقفیت کما ینبغی حاصل کرسکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جسقدر انسانی
عقل اللہ تعالیٰ کے اس نیچر کے غیر متناہی سلسلہ یعنے فطرت میں غور اور فکر کرتی ہو اُسیقدر اللہ تعالیٰ کی وسیع
قدرت اور عظمت ثابت ہوتی ہے اور جو عجائبات اس نیچر کے دامن کے نیچے مخفی ہیں اُنکی تحدید نہیں ہوسکتی
تو پھر یہ کیونکر ممکن ہو کہ کلام اللہ کے جو منجملہ صفات باری تعالیٰ ایک صفت ہے۔ عجیب درعجیب اسرار وغریب

درغریب معارف کسی خاص ہی زمانہ تک محدود کردیئے جائیں۔لہذا نہایت ضروری اور قرین مصلحت تھا۔کہ
جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جائے اور جوں جوں انسان کی معلومات بڑھتی جائیں قرآن حمید کی بزرگی اور عظمت
ہر زمانہ میں منکشف ہوتی جائے اور دنیا پر روشن ہوجائے کہ وہ کونسی کتاب ہی جسکا فطرت اللہ سے
توافق وتطابق ہی کیونکہ قول خداوندی و فعل خداوندی میں اختلاف کا ہونا محال ہی۔پس جبکہ زمانہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فطرت اللہ کی تحقیقات بہت کم بلکہ مفقود تھی تو ایسے وقت میں قولِ
خداوندی یعنے کلام اللہ کی تفسیر کیونکر اُن لوگوں کو مفید ہوسکتی تھی جو قوانین نیچر سے ناآشنا تھے +

میں نے اکثر دیکھا اور سُنا ہی کہ بعض علما محض دھوکہ دہی یا بوجہ اپنی کم مائیگی کے کہدیا کرتے ہیں
کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تفسیر کلی معلوم نہ تھی اور اب معلوم ہوگئی اور اگر اس بات کو
تسلیم کرلیا جائے تو کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بٹہ نہیں لگتا اور آپکی عظمت
میں فرق نہیں آتا جبکہ تفسیر دانی میں حال کے لوگ اُن سے بڑھکر رہے۔ایسا خیال کرلینا محض
دھوکہ ہے اور اُن کی اپنی سمجھ کی کمی ہے ورنہ اگر اُن کو معلوم ہوتا کہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے خدام بتوسل آن فخر رسل فَدَیتُ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ ایسی عمدہ اور عجیب تفسیر قرآن مجید بیان کرتے ہیں
تو خود آنحضرت کی کیا ہی عظیم الشان شان ہے جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ غلام اُنکی متابعت کرنے
اور اُنکے نقش قدم پر چلنے سے اس پایہ کو پہنچ جاتے ہیں۔کیا اس سے اُن کی کسر شان ہی ہرگز نہیں
بلکہ متبوع کی عظمت و علوِ شان ثابت ہوتی ہی۔ای نادانو کیا تم کسی ایسے انسان کی نظیر پیش کرسکتے
ہو کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جوئے سے باہر ہو اور پھر وہ کلام اللہ کی ایسی تفسیر
کرے جو فطرتِ انسانی کے مطابق اور شریعت حقّہ کے عین موافق ہو۔ہرگز ہرگز کوئی انسان تم پیش
نہیں کرسکتے۔تو پھر اس سے بجز اس کے اور کیا ثابت ہوتا ہے کہ جو اسرار و معارف قرآنِ مجید کوئی
بزرگ ما بعد زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر کرے تو وہ خود ظلی طور سے آنحضرت ہی کی
تفسیر سمجھی جائیگی۔نہ کہ اُس تابع کی جو بجز اطاعت و متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
نعمت سے ہرگز حصّہ نہیں لے سکتا تھا۔پس ان علماء کا متذکرہ بالا مغالطہ محض بے سود ہی اور
ایک منٹ کے لئے بھی قایم نہیں رہسکتا +

اب میں اپنے اصل مطلب کی طرف عود کرتا ہوں اور دکھاتا ہوں کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سب سے اول مفسّر قرآن شریف کون مانے گئے ہیں۔سو واضح ہو کہ سب سے پہلے مفسّر جو بالاتفاق

اہل اسلام میں مانے گئے ہیں وہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر و عظیم الشان صحابی حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ ہیں۔ وہ ترجمان القرآن و حبر الائمۃ و رئیس المفسرین کے خطاب سے ملقب ہیں۔ یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جنکو ایک خاص فخر حاصل ہے اور کوئی صحابی اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ سب سے پہلے فضیلت اُن کو حاصل ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لب مبارک اُس بزرگ صحابی کے دہن مبارک میں ڈالا اور جب جوان ہوئے تو فخر المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ نے انکو سینۂ مبارک سے لگا کر یہ دعا کی اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ یعنے اے اللہ عبد اللہ ابن عباسؓ کو دین کی تفقہ اور فہم اور قرآن شریف کے اسرار ظاہریہ و باطنیہ سے ممتاز فرما۔ اور دوسری روایت میں ہے اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ وَتَاوِیْلَ الْکِتَابِ رَوَاہُ اِبْنُ مَاجَۃَ وَاِبْنُ سَعْدٍ وَالطَّبْرَانِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ ابن ماجہ ابن سعد اور طبرانی نے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یہ دعا مانگی اے اللہ اسکو حکمۃ اور قرآن کریم کے حقائق سے ممتاز فرما۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۸۶ +

پس جو فخر حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں یہ صحابی ۶۸ھ میں دار الفنا سے دار البقا کی طرف رحلت فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جسقدر قرآن شریف کی تفسیر اس بزرگ صحابی سے بایہ ثبوت کو پہنچی ہے وہ صحیح بخاری کے حصہ کتاب التفسیر میں درج ہے اس تفسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت زمانہ کے لحاظ سے مختصر تفسیر بیان کی گئی ہے کیونکہ اُس زمانہ میں کسی طویل تفسیر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی اور بجز اُسی قدر تفسیر کے جو محمد اسمٰعیل علیہ الرحمۃ کی کتاب صحیح بخاری میں مندرج ہے اور کہیں کوئی مستقل تفسیر دُنیا میں پائی نہیں جاتی۔ وہ جو ایک تفسیر بنام تفسیر عباسی مشہور ہے وہ اس صحابی کی تفسیر نہیں ہے مجھے زیادہ تر اپنی طرف سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں اوّل مُسلّم و مُستند علما کی عبارات نقل کر دیتا ہوں جنہوں نے تفسیر عباسی کی نسبت اپنی آرائے ظاہر کی ہیں +

(۱) مجمع البحار میں لکھا ہے۔ تَفْسِیْرُ ابْنِ عَبَّاسٍ طَرِیْقُ الْکَلْبِیِّ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا ضُمَّ اِلَیْہِ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ السُّدِّیُّ الصَّغِیْرُ فَھِیَ سِلْسِلَۃُ الْکِذْبِ یعنے ابن عباس نام کی تفسیر جو کلبی کے طریق پر ابی صالح سے ابن عباس تک مروی ہے۔ اگر اُس میں محمد بن مروان سدی صغیر بھی شامل کیا جائے تو پھر یہ سارا سلسلہ جھوٹ اور افتراہی کا ہے دیکھو مجمع البحار مصنفہ

۱امام محمد طاہر سندھی جلد ۲ صفحہ ۵۰۹+

(۲) اتقان مصنفہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے باب طبقات التفاسیر میں یوں لکھا ہے:-

وَرَاَیْتُ عَنْ فَضَائِلِ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ شَاکِرِ الْقَطَّانِ اَنَّہٗ اَخْرَجَ بِسَنَدِہٖ مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ عَبْدِ الْحَکَمِ قَالَ سَمِعْتُ الشَّافِعِیَّ یَقُوْلُ لَمْ یَثْبُتْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِی التَّفْسِیْرِ اِلَّا شَبِیْہٌ بِمِائَۃِ حَدِیْثٍ+	امام سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کے فضائل دیکھے جو ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن شاکر القطان نے لکھے ہیں۔ جس میں لکھا تھا کہ اُس نے ابن عبد الحکم کے طریق پر باسناد روایت کیا ہے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سُنا ہے کہ تفسیر کے بارے میں ابن عباس سے بجز سو حدیث کے اور کچھ ثابت نہیں دیکھو اتقان صفحہ ۲۲۴-۲۲۵+

(۳) فوائد مجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ مصنفہ امام شوکانی رحمۃ اللہ کے صفحہ ۱۱۱ میں یوں لکھا ہے:-

وَمِنْ جُمْلَۃِ التَّفَاسِیْرِ الَّتِیْ لَا یُوْثَقُ بِھَا تَفْسِیْرُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِنَّہٗ مَرْوِیٌّ مِنْ طَرِیْقِ الْکَذَّابِیْنَ کَالْکَلْبِیِّ وَالسُّدِّیِّ وَمُقَاتِلٍ+	تمام تفسیروں میں سے جو ناقابل اعتماد ہیں وہ تفسیر ابن عباس ہے کیونکہ وہ کلبی و سدی اور مقاتل جیسے کذابوں کے طریق پر مروی ہے۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۱۱+

پس ان بزرگ علماء کی تحریر سے ثابت ہے کہ یہ تفسیر جو حضرت ابن عباس کے نام سے منسوب ہے وہ حضرت ابن عباس کی نہیں ہے اور اُن کی تفسیر بجز اُس تفسیر کے جو بخاری کی کتاب التفسیر میں درج ہے اور کوئی تفسیر پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی+

علاوہ اس کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اصحاب ذیل بھی مفسر قرآن مجید مانے جاتے ہیں۔ خلفاء اربعہ۔ ابن مسعود۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابو موسیٰ اشعری۔ عبد اللہ بن زبیر۔ انس بن مالک۔ ابوہریرہ۔ جابر۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص لیکن ان بزرگانِ دین کی کوئی مستقل تفسیر صفحہ دنیا پر نہیں ہے صرف روایات کے طور پر بعض بعض آیات کی تفسیر ان سے مروی ہے دیکھو کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۲۲۹+

جب ہم نیچے اُتر کر تابعین کے زمانہ پر غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ ان میں مشاہیر اصحاب ذیل ہیں۔ مجاہد بن جبر المکی عکرمہ مولیٰ ابن عباس۔ طاؤس بن کیسان الیمانی۔ عطا بن ابی رباح المکی

ابراہیم النخعی - الشعبی - حسن البصری - مجاہد کی کوئی اپنی تفسیر ثابت نہیں ہوتی صرف اُنہوں نے تین دفعہ قرآن شریف حضرت عبداللہ ابن عباس سے پڑھا اور اُن کی تفسیر حضرت ابن عباس سے زیادہ نہیں ہے۔ اُن کا انتقال ۱۰۳ھ ہجری میں ہوا +

باقی تابعین کی بھی کوئی مستقل تفسیر ثابت نہیں ہوتی البتہ بعض بعض تفاسیر میں بطور روایات اُن سے مذکور ہے اور اگر کہیں ہو بھی تو بمصداق نادر کالمعدوم کے ہے۔ کیونکہ عام طور سے اُن کا رواج دنیا میں نہیں ہے +

حضرت عکرمہ کا انتقال ۱۰۵ھ ہجری میں اور حضرت طاؤس بن کیسان کا انتقال ۱۰۶ھ ہجری اور عطاء بن ابی رباح کا انتقال ۱۱۴ھ ہجری میں ہوا اور تینوں بزرگوار خاک پاک مکہ میں مدفون ہیں۔ ابراہیم النخعی ۹۵ھ ہجری میں اور شعبی ۱۰۵ھ ہجری میں اور حسن بصری ۱۱۲ھ ہجری میں دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ +

زمانہ تابعین کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج سے موسوم کیا ہے۔ یہ زمانہ اسلام کے لئے ایک ابتلا کا زمانہ ہے کیونکہ اس عرصہ میں بہت سی عیسائی و مجوسی قومیں اسلام میں داخل ہوگئیں تھیں اور اُن میں اور اہل اسلام میں رات دن کے میل جول اور باہم مناکحت کی وجہ سے جو جو جھوٹی روایات اور افسانے اُن قوموں میں چلے آتے تھے مسلمانوں میں بھی رواج پا گئے کیونکہ اُس وقت اتنی چھان بین اور تحقیقات کا مادہ ہی کہاں تھا اور سامان ہی کہاں میسر تھے ہر ایک نے بوقت تفسیر لکھنے کے اپنی زیادہ معلومات جتلانے اور اپنی تفسیر کو بارونق بنانے کے لئے اُن بے بنیاد قصوں اور کہانیوں کو جو بنی اسرائیل میں رائج ہوگئی تھیں اور عیسائی لوگ وراثۃً اپنے ہمراہ لائے تھے درج کر دیا۔ اور یہ بات مستبعد بھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ہم ہندوستان میں جب مسلمانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ باوجود صدیوں تک اس ملک میں حکمراں ہونے کے پھر بھی ہندوؤں کے رسم و رواج کو مسلمانوں کے گھروں میں ایسا دخل ہو گیا ہے کہ گویا خود اسلام ہی کی اختراع معلوم ہوتے ہیں۔ اور اب اُن کا چھوڑنا موت سے بڑھکر سمجھا جاتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ متمول ہندوؤں میں عام رواج ہے کہ جب کوئی بڑا مالدار ہندو مرتا ہے تو اُسکی لاش کے ہمراہ نقارے اور باجے اور کوتل گھوڑے نکالے جاتے ہیں ایسا ہی ہند کے مسلمانوں نے بھی امام پاک حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے روز ہر سال نقارے اور باجے اور دُلدل

نکالنے شروع کر دیئے۔ ہندوؤں کے ہاں خاص ایام میں رام لیلا کا جلوس نکالنے کا دستور ہے
مسلمانوں نے بھی اُن کے قدم بقدم چل کر عشرۂ محرم میں اُسی قسم کا جلوس تعزیوں کی صورت
میں پیدا کر لیا۔ ایسا ہی ہندوؤں میں نکاح سے پہلے کھانے اور بھاجیاں دی جاتی ہیں۔
مسلمانوں نے بھی اپنی برادری میں وہی طریق اختیار کر لیا۔ ہندوؤں میں جو ایک مادہ پرست
قوم ہے اور جن کی غایت ریا اور دکھلاوے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی وہ شادیوں کے موقع پر
خاص جلوس کے ساتھ برات لیجاتے ہیں مسلمانوں نے بھی وہی عادات قبول کر لئے۔ ہندوؤں
میں بعد نکاح ایک دفعہ لڑکی سُسرال میں جا کر پھر میکے میں ایک دراز عرصہ تک رہتی ہے۔
مسلمانوں میں بھی اب ایسا رواج ہو گیا۔ غرض ہندوؤں میں اموات اور شادیوں کے موقعوں
پر جو جو رسومات ادا کی جاتی ہیں وہ سب اب مسلمانوں کے گھروں میں بھی عالمگیر طور سے رواج پذیر
ہیں حتیٰ کہ دونوں کی بھی پُوری مماثلت ہے۔ سب سے بڑھکر اسلام میں ایک ہی مسئلہ تھا جس پر
تمام قرآن شریف میں زور دیا گیا ہے۔ یعنے شرک اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ساری ہمت اور ہمہ تن مصروفیت اس شرک کے مٹانے اور اُسکے قلع
وقمع کے لئے رہی لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ شرک بھی مسلمانوں میں کس زور وشور سے جاگزیں
ہو گیا ہے اگر شک ہو تو قبروں اور مزاروں پر جا کر ملاحظہ کرو اور سجادہ نشینوں اور پیروں کو دیکھو کہ
کس طرح اُن کو سجدہ گاہ اور مرجع حاجات بنا لیا گیا ہے۔

یہ تو اُن چند باتوں کے متعلق ہمنے اس جگہ ذکر کیا ہے کہ جو تواتر اور تعامل کے طور پر
نسلاً بعد نسلاً مسلمانوں میں جاری وساری چلی آتی تھیں اور جن کی نسبت یقین تھا کہ ان
میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آئیگا مگر پھر بھی ہندوؤں سے باہمی بود وباش رکھنے اور
چولی دامن کا ساتھ ہو جانے سے بجائے اس کے کہ اسلامی عادات اور اخلاق کا اثر ہندوؤں
پر پڑتا خود مسلمان ہی اُن کی رسُومات اور عادات کے شکار ہو گئے اور یہانتک نوبت پہنچ
گئی کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کی رسوم میں تمیز کرنا مشکل بلکہ ناممکن امر ہے۔ جب ہندوستان
کے مسلمانوں کی یہ حالت ہے جو بچشم خود دیکھ رہے ہیں تو پھر دیگر بلاد کے مسلمانوں میں عیسائیوں
یہودیوں اور مجوسیوں کے رسم و رواج اور توہمات کا کیوں دخل نہ ہوا ہو گا ضرور ہوا اور ضرور ہوا
جسکا خمیازہ حال کے مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور نجاست خوروں نے اُن جھوٹی اور بے بنیاد باتوں کو

تفاسیر سے لیکر اسلام اور پیغمبر اسلام پر وہ وہ حملے کئے جن کے سننے سے دل پاش پاش ہوتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ مسئلہ غور طلب اور قابل تحقیقات ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے رسم و رواج کو ہندوں کے گھروں میں دخل نہ ہوا جبکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی مضبوط کتاب اور ایسے بڑے زبردست رسول کا اسوۂ حسنہ موجود تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے ہندوں کا اثر مسلمانوں پر پڑا تو اس کا سبب بجز اس کے نہیں کہ مسلمان بوجہ حکومت آرام طلب ہو گئے تھے اور ہندوں کی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں اور چونکہ اہل اسلام میں دیگر مذاہب کی نسبت عورتوں کو بہت سے حقوق آزادی حاصل ہیں اس لئے اُن عورتوں کے ذریعہ جو ہندوں کی بہو بیٹیاں تھیں مسلمانوں کے نکاح میں آنے سے وہ پرانی رسومات جو کفار کے گھروں میں عام رواج پائی ہوئی تھیں مسلمانوں کے گھروں میں عام رواج پا گئیں کیونکہ مسلمان مردوں کے ساتھ اپنے وطن سے اتنی کثیر تعداد کی عورتیں نہیں آئی تھیں کہ سب کے لئے مکتفی ہو سکتیں لہذا ہندوں کی کثیر التعداد عورتوں کے مسلمانوں کے گھروں میں آنے سے عام کفار کی رسومات و عادات کا دخل ہو گیا اور اس طرح اسلام کمزور ہوتا گیا۔ ایسا ہی مصر اور روم و شام اور ایران اور دیگر بلاد میں بعد فتوحات جب مسلمان جا کر رہنے لگے تو انہوں نے اُن ممالک کی عورتوں سے نکاح کر لئے اور جو جو توہمات و افسانجات اُن قوموں میں جاری ساری تھے وہ سب اُن عورتوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے گھروں میں بھی رواج پا گئے۔ چنانچہ مولینا محمد شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق جلد دو کے صفحہ ۲۱۶ میں لکھتے ہیں کہ عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لیں تھیں۔ باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سخت ممانعت بھی کر دی تھی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جب سے غیر مذاہب کی عورتوں کا اس ملک ہندوستان میں خاص مذہبی امورات اسلام میں اسقدر دخل ہوا کہ اسلامی شریعت کی باتیں جب اُن کے سامنے بیان کی جاتی ہیں تو وہ اُن کو اب بری اور بھدی معلوم ہونے لگتی ہیں ایسا ہی دیگر بلاد اسلام میں بھی مذہبی امور میں دخل ہو گیا۔ اور اسلامی تعلیم کا رواج اُن میں کم اور سست ہوتا گیا حتّٰی کہ قرآن شریف کی ایسی پاک اور مطہر کتاب کی تفسیروں میں ایسے ایسے پوچ اور قابل شرم افسانے لکھے گئے کہ جن کے دیکھنے سے بجز رونے اور آنسو بہانے کے اور کچھ چارہ نہیں کیونکہ حال کے علما تفاسیر متقدمین کو سند پکڑتے ہیں اور اپنی عقل کو دخل

دینا ہرگز روا نہیں رکھتے اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ دین میں عقل کا کیا کام حالانکہ جلیل القدر صحابہ میں جب کوئی مسئلہ خلافِ عقل معلوم ہوتا تھا تو وہ بڑی تفتیش و تحقیق کرتے تھے چنانچہ الفاروق جلد ۲ کے صفحہ ۱۰۲ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر مسائلِ شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر اُن کے خیال میں کوئی مسئلہ خلافِ عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے اور یہی حال دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا لیکن ہائے افسوس کہ زمانہ حال کے علمار حضرات صحابہ کی اس سُنت سے کوسوں دُور جا پڑے ہیں۔ خواہ اسلام ڈوبے اور اہل اسلام غارت ہوں اُن کو کیا فکر پڑی ہے کہ عقل کو کام میں لاکر کسی ایسے مسئلہ کو رد کریں جو غلطی سے تفاسیر میں درج ہوگیا ہی اور جو بظاہر شریعت اسلامی کو ضرر پہنچا رہا ہے مگر علما ہیں کہ یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ مرغ کی ایک ہی ٹانگ تھی +

زمانہ فیج اعوج کے علما کی نسبت کشف الظنون میں یوں لکھا ہی کہ بعض مفسرین نے صرف قصص اور کہانیوں پر زور دیا اور کچھ تحقیق نہیں کی کہ آیا اُن کا کوئی اصل بھی ہی اور فی الحقیقت سچی بھی ہیں کہ نہیں۔ بعض نے تو محض صرف و نحو اپنا مقصود ٹھہرایا اور تمام تفسیر میں اسی مضمون کو نبھایا۔ دوسروں نے ادلہ فروعیہ فقہیہ کے بارہ میں اپنے قلم کے گھوڑے کو دوڑایا اور باہم مسلمانوں میں اختلاف کا دروازہ کھول کر خوب لڑانے اور بھڑانے کا اکھاڑہ جمایا اور آیات قرآنی سے یہاں تک دُور جا پڑے کہ گویا وہ نصّ قرآنی کی تفسیر نہیں کرتے بلکہ اپنے سن گھڑت منطق کو داخل کرتے ہیں۔ بعض حکماء و فلاسفروں کے اقوال کو لیکر میدان میں کھڑے ہوئے اور یہاں تک اپنی جولانی کے جوہر دکھائے کہ اصل بات سے نکل کر کہیں کے کہیں چلے گئے بعض ایسے بزرگ نکلے کہ اُنہوں نے کفر اور الحاد کا دروازہ کھول دیا اور یہاں تک نوبت پہنچائی کہ بے دھڑک پکار اُٹھے اور کہنے لگے اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ مَا عَلَى الْعِبَادِ اَضَرُّ مِنْ رَبِّهِمْ یعنے جس قدر فتنہ اور فساد دیکھا جاتا ہے یہ سب اسے خدا تیرا ہی ہے اور بندوں پر خدا سے بڑھکر زیادہ کوئی ضرر رساں نہیں ہے بعض ایسے متکلمین پیدا ہوئے جنہوں نے بلا سند کلام اختیار کیا نہ اُنہوں نے اصول شرعیہ کو مدِ نظر رکھا اور نہ قواعد عربیہ کے پابند ہوئے۔ حتیٰ کہ بعض علمار کو بعض تفاسیر کی نسبت کہنا پڑا کہ فِیْهِ كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا التَّفْسِیْرَ یعنے اس میں تفسیر کے سوا اور سب کچھ ہی یہ حال ہے اُن تفاسیر کا جو بعد زمانہ تابعین لکھی گئیں +

میں ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ نہ تو زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی مستقل بسیط تفسیر لکھی گئی اور نہ تابعین کے زمانہ میں کسی ایسی تفسیر کا ظہور ہوا جو کل انسانی ضروریات کے لئے مکتفی ہو۔ اب اس زمانہ کے بعد جسقدر تفاسیر لکھی گئیں اُن میں وہ نقص ہیں جو اوپر ظاہر کئے گئے۔ پس ایسی تفاسیر پر من کل الوجوہ اعتبار کر لینا اور اُن کو غیر متزلزل اور غیر متبدل ٹھیرا کر اپنا ملجاؤ ماوا قرار دینا عقلمندوں کا کام نہیں۔ ہاں جو بات نص قرآنی کے عین مطابق اور احادیث صحیحہ کے موافق ہو اور قوانین نیچر کی بھی خلاف ورزی نہ کرتی ہو اُسکو ماننا اور اُس پر اپنا عملدرآمد قرار دینا نہایت ہی انسب اور اولےٰ ہے لیکن اُن کی ہر رطب و یابس کو مان لینا شایان عقل نہیں ورنہ اس سے بجز اس کے اور کچھ متصور نہ ہوگا کہ گویا اُن بزرگوں کا ایسی لغو اور دوراز کار باتوں کا قرآن جیسی پاک اور مطہر کتاب کی تفسیروں میں درج کرنا ذات اسلام پر ہی ایک خطرناک حملہ مقصود تھا تاکہ لوگ ایسی بھدّی اور بیہودہ باتوں کو دیکھ کر اسلام سے بیزار ہو جائیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ +

ہم ذیل میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں رسول علیہ السلام نے تفاسیر کی نسبت خبر دی ہے۔ وہو ہذا +

عَنْ عُمَرَ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُجْتَمِعِیْنَ وَاَنَا اَعْرِفُ الْحُزْنَ فِیْ وَجْھِہٖ فَقَالَ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّنَا۔ قَالَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ اٰنِفًا فَقَالَ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ قُلْتُ اَجَلْ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فَمِمَّ ذَاكَ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ مُفْتَنَنَةٌ بَعْدَكَ بِقَلِیْلٍ مِّنَ الدَّھْرِ غَیْرِ کَثِیْرٍ فَقُلْتُ فِتْنَۃُ کُفْرٍ اَوْ فِتْنَۃُ ضَلَالَةٍ قَالَ کُلٌّ ذٰلِكَ سَیَکُوْنُ قُلْتُ وَمِنْ اَیْنَ یَاْتِیْھِمْ ذٰلِكَ وَاَنَا تَارِكٌ فِیْھِمْ کِتَابَ اللّٰہِ قَالَ بِکِتَابِ اللّٰہِ یُضِلُّوْنَ وَاَوَّلُ ذٰلِكَ مِنْ قِبَلِ قُرَّائِھِمْ

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملکر بیٹھے ہوئے تھے کہ مینے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر غم اور حزن کے آثار نمودار دیکھے اور اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا۔ مینے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا للہ وانا الیہ راجعون آپ نے کیوں پڑھا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل آیا اور اُس نے یہی کلمہ پڑھا۔ میں نے اُس سے پُوچھا کہ یہ کلمہ کیوں تُو نے پڑھا ہے تو جبرئیل نے کہا کہ تیری امت تیرے بعد بہت قلیل زمانہ میں فتنہ میں مبتلا ہونے والی ہے۔ مینے

وَأُمَرَائِهِمْ يَمْنَعُ الْأُمَرَاءُ النَّاسَ حُقُوقَهُمْ فَلَا يُعْطُونَهَا فَيَقْتَتِلُونَ وَيَتَّبِعُ الْقُرَّاءُ أَهْوَاءَ الْأُمَرَاءِ فَيَمُدُّونَ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ فَبِمَ سَلِمَ مَنْ سَلِمَ مِنْهُمْ قَالَ بِالْكَفِّ وَالصَّبْرِ إِنْ أُعْطُوا الَّذِي لَهُمْ أَخَذُوهُ وَإِنْ مُنِعُوهُ تَرَكُوهُ رَوَاهُ الْحَكِيمُ وَابْنُ أَبِي عَاصِمٍ فِي السُّنَّةِ وَالْعَسْكَرِيُّ فِي الْمَوَاعِظِ وَأَبُو نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ وَالدَّيْلَمِيُّ وَابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْوَاهِيَاتِ۔

کہا کہ کیا کفر کا فتنہ ہوگا یا ضلالت کا تو اُس نے کہا کہ سب باتیں ہونگی میں نے کہا یہ سب باتیں کہاں سے پیدا ہونگی حالانکہ میں اُن میں قرآن شریف چھوڑ جاؤنگا۔ کہا کہ قرآن شریف ہی کے ذریعہ وہ گمراہ ہونگے (یعنی اپنی من گھڑت تفسیریں بنالینگے اور لوگوں کو گمراہ کرینگے) کیونکہ سب سے پہلے قرآن پڑھنے والوں (یعنے علماء) اور امیروں کی طرف سے یہ ناشائستہ کام وقوع میں آئیگا وجہ یہ کہ امرا لوگوں کے حقوق تلف کرینگے بلکہ اُن کو قتل کرا دیا کرینگے اور قرآن کے جاننے والے علماء امیروں کی خواہشوں کی پیروی کرینگے اور گمراہی میں ترقی کرتے جائینگے اور باز نہیں آئینگے + دیکھو کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۶۵

اِس حدیث سے پورے طور سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے زمانۂ حیات میں خبر دیدی تھی کہ اُن کے تھوڑے عرصہ کے بعد لوگ قرآن شریف کی غلط اور دوراز قیاس تفاسیر لکھکر امت کو گمراہی اور ضلالت کے گڑھے میں ڈالینگے اور حقیقی تعلیم قرآن کریم سے دُور کردینگے

اس کی وضاحت حدیث ذیل سے ہوتی ہے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي قُبَيْلٍ قَالَ لَمْ أَسْمَعْ مِنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ ابْنُ لَهِيعَةَ وَحَدَّثَنِيهِ يَزِيدُ ابْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَلَاكُ أُمَّتِي فِي الْكِتَابِ وَاللَّبَنِ۔ قَالُوا

امام احمد بن حنبل نے عبداللہ سے اُس نے اپنے باپ سے اُس نے ابو عبدالرحمٰن سے اُس نے ابن لہیعۃ سے اُس نے ابی قبیل سے روایت بیان کی ہو اور اُس نے کہا کہ میئنے عقبہ بن عامر سے سوائے اس حدیث کے اور کبھی کچھ نہیں سُنا۔ ابولہیعۃ نے کہا کہ میرے پاس یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا اور اُس کے پاس ابی الخیر نے عقبہ بن عامر جہنی سے روایت کی کہ میئنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا کہ میری امت کی ہلاکت اسکی کتاب

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْكِتَابُ وَاللَّبَنُ قَالَ يَتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ فَيَتَأَوَّلُوْنَهُ عَلٰى غَيْرِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيُحِبُّوْنَ اللَّبَنَ فَيَدَعُوْنَ الْجَمَاعَاتِ وَالْجُمَعَ وَيَبْدُوْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ +

اور دودھ سے ہوگی صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب اور اللبن سے آپ کی کیا مراد ہے ۔ فرمایا کہ قرآن تو لوگ سیکھینگے مگر منشار الٰہی کی اصلی غرض کے سوا دور از قیاس تاویلیں کرینگے اور دودھ سے پیار کرینگے اور جماعتوں اور جمعوں کو بلاکر دکھلاوا کرینگے ۔ دیکھو مسند امام محمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۵۵ +

طبرانی میں ابو مسعودؓ کی روایت ہے خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الثَّانِيْ ثُمَّ الثَّالِثُ ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ لَا خَيْرَ فِيْهِمْ یعنے میرے زمانہ کے لوگ سب سے اچھے ہیں۔ اُس سے دوسرے درجہ پر دوسرے زمانہ کے اور پھر اُس سے اُتر کر تیسرے زمانے کے لوگ اور پھر ایک قوم ایسی ہوگی کہ جس میں کچھ بھی خیر نہیں ہے دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۲ + ایسا ہی الحکیم میں بروایت ابی الدرداء یوں آیا ہے خَيْرُ اُمَّتِيْ اَوَّلُهَا وَ اٰخِرُهَا وَفِيْ وَسَطِهَا الْكَدَرُ یعنے میری امت کا اول و آخر اچھا ہے اور درمیانی زمانہ خراب دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۲ - اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسےٰ کا زمانہ اچھا قرار دیا گیا ہے اور درمیانی زمانہ کو ناپاک اور میلا کچیلا اس امر کی وضاحت حلیہ ابو نعیم میں بروایت عروۃ بن رویم ہوتی ہے جس میں یہ حدیث آئی ہے +

خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلُهَا وَ اٰخِرُهَا اَوَّلُهَا فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم وَ اٰخِرُهَا فِيْهِمْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ وَبَيْنَ ذٰلِكَ فَيْجٌ اَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنْكُمْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ +

اِس امت کا اول و آخر اچھا ہے ۔ اول حصہ تو وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آخر حصہ جس میں عیسیٰ بن مریم ہیں اور ان کا درمیانی زمانہ کجرو ہوگا نہ اُن کو تم سے کچھ تعلق ہوگا اور نہ ہماری اُن سے کچھ راہ و رسم ہوگی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

دوسری روایت میں یوں آیا ہے ۔

خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَكُوْنُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَشْهَدُوْنَ وَلَا

بخاری اور امام مسلم و ابوداؤد و ترمذی اور نسائی نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صحابیو

يستشهدون وينذرون ولا يفون ويظهر فيهم السمن رواه البخاري و ابوداؤد والترمذي والنسائي عن عمران بن حصين +

تمہارے لئے میرا زمانہ اچھا ہے پھر دوسرے درجہ پر بعد کا ملحق زمانہ (یعنے صحابہ کا) پھر اُس کے بعد کا آنے والا ملحق زمانہ (یعنے تابعین کا) اُن کے بعد ایسے لوگ ہونگے کہ خیانت کریں گے اور امانت کے لائق نہیں ہونگے اور بغیر طلب شہادت کے گواہی دیا کرینگے اور نذر مانینگے مگر وفا نہیں کرینگے اور اُن میں فربہی یعنے سستی زیادہ ہوگی۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

اور ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے +

امتي على خمس طبقات فاربعون سنة اهل بر وتقوى ثم الذين يلونهم الى عشرين ومائة سنة اهل تراحم وتواصل ثم الذين يلونهم الى ستين ومائة سنة اهل تدابر وتقاطع ثم الهرج الهرج النجاء النجاء رواه ابن ماجة عن انس +

میری امت کے پانچ طبقے ہیں چالیس سال تک نیکوکار اور متقی لوگ ہونگے بعد ازاں ایک سو بیس برس تک ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے والے اور باہم صلہ رحمی کرنیوالے ہونگے پھر اُن کے بعد ایک سو ساٹھ برس تک باہم قطع تعلق کرنیوالے ایک دوسرے سے جدائی کرنے والے ہونگے اور لڑائی اور فساد کا زمانہ ہوگا۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۲

ان تمام احادیث سے روشن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زمانے اعلیٰ درجہ کے بتائے ہیں ایک اپنا زمانہ اور ایک مسیح موعود کا زمانہ۔ اور نیز فرمایا کہ تین زمانے یعنے اپنی رسالت کا زمانہ۔ صحابیوں کا زمانہ اور تابعین کا زمانہ اچھے ہونگے۔ جس میں خیر اور بھلائی ہے پھر وسطی زمانہ کو مسیح موعود کے زمانہ تک خراب اور فسادوں اور شرارتوں کا بھرا ہوا زمانہ قرار دیا ہے حتیٰ کہ تاریخ بھی بتادی کہ ۱۲ برس تک بھلائی اور برکت کا زمانہ رہیگا۔ اور یہی زمانہ ہے کہ جہاں تابعین کا زمانہ ختم ہوتا ہے میں پیشتر ازیں ظاہر کر چکا ہوں کہ اس زمانہ میں کوئی مستقل طور سے بسیط اور مفصل تفسیر قرآن شریف کی نہیں لکھی گئی۔ جس قدر بہت سی مبسوط اور بڑی بڑی ضخیم تفسیریں اس زمانہ کے بعد ظہور میں آئیں وہ سب فیج اعوج میں داخل ہیں۔ اس سے یہ میری مراد نہیں کہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ سب مفسرین وفقہا وغیرہ بدنیت و بدباطن تھے اور بدخواہی سے اُنہوں نے کتابیں تصنیف کیں معاذ اللہ ایسا خیال ہی کرنا گناہ عظیم ہے یہ بزرگ ایسے ہرگز نہیں تھے بلکہ وہ تو دین کے

پیشوا اور اسلام کے خادم اور قابل اقتدا تھے لیکن وہ کسی طرح سے معذور بھی نہیں ہو سکتے جبکہ اس زمانہ میں عیسائی اور مجوسی اور دیگر اقوام کفار کے لوگ اسلام میں بکثرت داخل ہو چکے تھے اور اُن کی وجہ سے جو جو لغو اور بیہودہ قصے اور افسانے اہل اسلام میں شہرت پا گئے تھے وہ سب تفسیروں کے لکھنے کے وقت حسن ظنی سے داخل کر لئے گئے اور پھر مابعد کے مفسروں نے بھیڑ چال اختیار کر کے نقل پر نقل کرنی شروع کر دی اور اس طرح اُن بے بنیاد باتوں کو بالاتفاق قوت دیدی گئی جس کی وجہ سے وہ اسلامی شریعت کی جزو قرار پا گئیں +

تفسیروں کا دور تیسری صدی سے شروع ہو کر غیر متناہی طور سے برابر زمانہ حال تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی فہرست سے ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہو جائیگی +

کیفیت	تاریخ وفات مصنف	نام مصنف	نام تفسیر	نمبر
اس قسم کی تفسیر سب سے پہلے اس بزرگ امام نے لکھی	سنہ ۲۰۴ ہجری	امام محمد بن ادریس شافعی	احکام القرآن	۱
	سنہ ۲۳۸ ہجری	امام حافظ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی نیشاپوری	تفسیر اسحاق بن راہویہ	۲
یہ تفسیر بطور غریب القرآن ہے اور مختصر سی تفسیر ہے	سنہ ۳۰۳ ہجری	امام ابی بکر محمد بن عزیز سجستانی	تفسیر نزہۃ القلوب	۳
ایک بڑی تفسیر ہے	سنہ ۳۰۳ ہجری	ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق نیشاپوری	تفسیر انماطی	۴
یہ تفسیر بھی بہت بڑی تفسیر ہے ۳۰ مجلدات ہیں	سنہ ۳۱۰ ہجری	ابو جعفر محمد بن جریر طبری	تفسیر ابن جریر	۵
اس تفسیر میں روایات بکثرت ہیں	سنہ ۳۵۱ ہجری	عبد الرحمن بن ابی حاتم حنفی	تفسیر شفاء الصدور	۶
	سنہ ۳۸۳ ہجری	ابو اللیث نصر بن محمد فقیہ سمرقندی حنفی	تفسیر ابو اللیث	۷
اس تفسیر میں مشائخ اور صوفیہ کے اقوال بکثرت ہیں	سنہ ۴۱۲ ہجری	عبد الرحمن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری	تفسیر حقائق	۸
جس میں شیعوں کی روایات و اقوال ضعیفہ ہیں	سنہ ۴۲۷ ہجری	ابو اسحاق ثعلبی	تفسیر ثعلبی	۹
جھوٹی اور دور از قیاس روایات بہت ہیں	سنہ ۴۳۶ ہجری	ابو القاسم علی بن حسین بن موسیٰ شیعی	تفسیر درر و غرر	۱۰

نمبر	نام تفسیر	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۱۱	تیسیر فی علم التفسیر	ابو القاسم عبد الکریم قشیری	۴۶۸ھ ہجری	
۱۲	احتجاج القرآن در قراءۃ مفردات القرآن	ابو القاسم حسین بن راغب اصفہانی	۵۰۳ھ "	
۱۳	یاقوت التاویل	ابو محمد حامد محمد بن محمد بن غزالی	۵۰۵ھ ہجری	
۱۴	معالم التنزیل	امام حافظ محی السنۃ ابو محمد حسین الفراء البغوی شافعی	۵۱۶ھ ہجری	اس تفسیر میں بھی بکثرت بے بنیاد قصے ہیں
۱۵	تفسیر کشاف	ابو القاسم محمد بن عمر زمخشری خوارزمی	۵۳۸ھ ہجری	حنفی المذہب کہلاتے تھے علما معتزلہ قرار دیتے ہیں
۱۶	تفسیر مجمع البیان	ابو جعفر بن محمد بن حسن طوسی فقیہ شیعی	۵۶۱ھ ہجری	اس بزرگ نے اکثر آیات کو اپنے مذہب پر چسپاں کیا ہے
۱۷	مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر رازی	۶۰۶ھ	ضخیم اور نہایت مدلل اور معقول ہے
۱۸	تفسیر عرائس البیان	ابی محمد روزبہان بن ابی النصر البقلی صوفی شیرازی	۶۰۶ھ	تصوف کے شکنجہ پر چڑھا کر دور از قیاس تفسیر کی ہے
۱۹	تفسیر کواشی	ابی العباس شیخ احمد بن یوسف کواشی	۶۸۰ھ	
۲۰	تفسیر ابن العربی[۱]	شیخ الرئیس محی الدین محمد بن علی طائی اندلسی	۶۳۸ھ	یہ تفسیر بھی تصوف سے بھری ہوئی ہے
۲۱	تفسیر بیضاوی	قاضی ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی	۶۸۵ھ	اس تفسیر میں بڑی منطق بھری ہے
۲۲	تفسیر مدارک	علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی	۷۰۱ھ	
۲۳	تفسیر اسکندری	حسین بن ابی بکر نحوی مالکی	۷۴۱ھ	
۲۴	تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی المعروف بالخازن	"	
۲۵	تفسیر سراج المنیر	خطیب شربینی	۷۷۲ھ	
۲۶	تفسیر ابن کثیر	حافظ ابو الفدا اسمعیل بن عمر قرشی دمشقی	۷۷۱ھ	ضخیم ہے اور اس میں روایات بکثرت ہیں

۱؎ اصل میں یہ تفسیر عبد الرزاق کاشی کی ہے ۱۲

نمبر	نام تفسیر	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۲۷	تفسیر ابن عرفہ	امام الفاضل ابو عبداللہ محمد بن عرفہ مالکی	۸۰۳ھ ہجری	یہ تفسیر قلمی ہے۔ اب تک طبع نہیں ہوئی
۲۸	تفسیر تنویر المقباس	ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی شافعی	۸۱۷ھ	
۲۹	فصل الخطاب	شیخ الفاضل محمد بن محمود حافظی بخاری المعروف بخواجہ محمد پارسا	۸۲۲ھ ہجری	
۳۰	تبصیر الرحمٰن تیسیر المنان	علامہ شیخ زین الدین علی المہائمی	۸۳۵ھ	
۳۱	تفسیر بحر مواج	قاضی شہاب الدین بن عمر زاولی دولت آبادی	۸۴۹ھ	
۳۲	تفسیر جلالین	علامہ جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی و علامہ جلال الدین سیوطی	۸۶۴ھ ۹۱۱ھ	جلال الدین محلی نے ابتدا سے سورۃ الاسرا تک اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اخیر تک لکھی
۳۳	تفسیر جامع البیان	شیخ سید معین الدین بن شیخ سید صفی الدین	۸۸۹ھ	اس بزرگ نے تفسیر کو ۸۰۰ھ میں مکمل کر دیا تھا
۳۴	تفسیر حسینی	ملا حاجی حسین بن علی الواعظ کاشفی	۹۰۰ھ	فارسی میں ہے اور چھوٹی سی تفسیر ہے مگر بہت سی باتیں ناقابل اعتماد ہیں
۳۵	تفسیر جامع البیان	سید معین الدین محمد بن عبدالرحمٰن الایجی	۹۰۵ھ	
۳۶	تفسیر الدر المنثور	علامہ شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی	۹۱۱ھ	مبسوط ہے اور احادیث و آثار بکثرت ہیں
۳۷	اتقان	ایضاً	"	مختصر سی تفسیر ہے
۳۸	تفسیر ابو سعود	شیخ الاسلام مفتی الانام ابو سعود بن محمد عمادی	۹۸۲ھ	یہ تفسیر بھی ضخیم ہے
۳۹	مجمع البحار	امام محمد طاہر گجراتی	۹۸۶ھ	علاوہ روایات کے اسمیں لغت حدیث بھی ہے
۴۰	تفسیر سواطع الالہام	شیخ فیض اللہ المتخلص بفیضی رکن اعظم دربار اکبر بادشاہ	۱۰۰۱ھ	یہ تفسیر بے نقط ہے
۴۱	تفسیر فتوحات الٰہیہ المعروف بالجمل	شیخ سلیمان جمل	۱۱۹۶ھ	

نمبر	نام تفسیر	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۴۲	تفسیر فتح القدیر	قاضی القضات محمد بن علی بن محمد یمنی صنعانی شوکانی	۱۲۵۵ھ ہجری	بڑی ضخیم ہے طبع نہیں ہوئی
۴۳	تاج التفاسیر	سید محمد عثمان میر غنی مکی	۱۲۶۵ھ	یہ تفسیر بہت مختصر ہے
۴۴	تفسیر فوز الکبیر	احمد بن عبد الرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ	چھوٹی سی تفسیر مگر بڑی محققانہ ہے
۴۵	تفسیر فتح الخبیر	احمد بن عبد الرحیم المعروف بشاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ	بہت مختصر سی تفسیر ہے
۴۶	فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن	ایضاً	"	
۴۷	تفسیر کمالین	مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلوی ہندی	۱۲۸۰ھ	چھوٹی سی تفسیر ہے
۴۸	تفسیر فتح العزیز	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	تیرھویں صدی	تاریخ وفات نہیں ملی۔ ناکمل ہے۔
۴۹	تفسیر فتح البیان	نواب صدیق حسن خان نواب بھوپال	۱۳۰۷ھ ہجری	فی الحقیقت تفسیر شوکانی کا لب لباب ہے
۵۰	ترجمان القرآن	ایضاً	"	یہ تفسیر اردو میں ہے ناکمل چھوڑ کر انتقال کر گئے مکمل کر گئے
۵۱	تفسیر الوجیز	سید محمد عبد الرشید بن سید محمد عبد الحکیم	۱۳۱۰ھ	تاریخ تصنیف
۵۲	تفسیر بحر مواج	سید صادق علی لکھنوی	×	غالباً یہ تفسیر تیرھویں صدی میں لکھی گئی ہے
۵۳	روح البیان	شیخ اسمٰعیل فیضی	×	ایضاً
۵۴	تفسیر رؤفی	شاہ رؤف احمد مجددی ہندی	،	ایضاً
۵۵	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	تیرھویں صدی	یہ تفسیر چار ضخیم مجلدات میں ہے
۵۶	تفسیر لوامع التنزیل	مولوی ابو القاسم شیعی لاہوری	زندہ ہے	صحابہ رضوان اللہ علیہم پر بیجا حملے کئے گئے ہیں اب فوت ہو گئے ہیں
۵۷	تفسیر عمدۃ البیان	مولوی عمار علی شیعی	•	
۵۸	تفسیر اکسیر اعظم	مولوی احتشام الدین مراد آبادی	•	
۵۹	تفسیر نور الاسرار	علامہ سید محمد آفندی مفتی دمشق	زندہ ہیں	حال ہی میں شائع ہوئی ہے
۶۰	تفسیر فتح المنان	مولوی عبد الحق دہلوی	"	ایضاً

نمبر	نام تفسیر	نام مصنف	تاریخ وفات مصنف	کیفیت
۶۱	تفسیر سید احمد خان	آنریبل سر سید احمد خان کے سی ایس آئی علیگڈھ	۱۳۱۶ھ ہجری	نا مکمل چھوڑ کر فوت ہو گئے
۶۲	تفسیر مجالمات الاسرار	مولوی حکیم محمد حسن امروہی	زندہ ہیں	اس تفسیر کو ۱۳۲۱ھ میں لکھا اب فوت ہو گئے ہیں
۶۳	تفسیر محمدی	مولوی حافظ محمد لکھو کے	چودھویں صدی	یہ تفسیر پنجابی نظم میں ہے تفسیر معالم کا ترجمہ ہے
۶۴	تفسیر صافی	ملا محسن ایرانی شیعہ	۰	اسکی تاریخ وفات معلوم نہیں اہل تشیعہ کے نزدیک معتبر
۶۵	تفسیر نفح الطیب	علامہ احمد مقری مالکی مغربی	۰	ایضاً
۶۶	حاشیہ قنوی علی البیضاوی	علامہ قنوی	۰	ایضاً
۶۷	حاشیہ ابن تمجید علی البیضاوی	مصلح الدین مصطفےٰ بن ابراہیم المعروف بابن تمجید معلم سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ	۰ ۸۹۰ھ	ایضاً
۶۸	تفسیر بحر الحقائق	نجم الدین ابی بکر عبداللہ بن محمد الاسدی	۰	تاریخ وفات معلوم نہیں
۶۹	حاشیہ صاوی علی الجلالین	شیخ احمد صاوی مالکی	۰	ایضاً
۷۰	حاشیۃ الشہاب المسماۃ بعنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی البیضاوی	۰ ۰ ۰	۰ ۰ ۰	ایضاً
۷۱	تفسیر توضیح مجید	مولوی سید علی شیعی	۰	یہ تفسیر دو ضخیم مجلدات میں ہے
۷۲	کتاب التفسیر	ابی الحسن علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی	۰	
۷۳	تفسیر نیشاپوری	۰	۰	
۷۴	تفسیر لطائف القرآن	۰	۰	تصوف کے طریق پر ہے بہت قریب کے زمانہ کی ہے
۷۵	اعجاز القرآن باقلانی	قاضی ابوبکر باقلانی	۰	حال ہی میں طبع ہو کر آئی ہے
۷۶	غایت البرہان	مولوی محمد حسن امروہی	زندہ ہے	اب فوت ہو چکے ہیں

ان کے علاوہ اور بہت سی تفسیریں ہیں جنکی تعداد اسی قدر ہو گی جس قدر فہرست میں دکھلائی گئی ہے جو ہمارے مطالعہ سے گذریں لیکن بعض نامکمل ہیں اور اکثر اس ملک میں غیر معروف ہیں لہذا میں نے انکو اپنی کتاب میں درج کرنا باعث طوالت تصور کر کے نظر انداز کر دیا ہے +

تفاسیر مذکرہ بالا کے دیکھنے سے واضح ہے کہ یہ سب تفاسیر اُس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جسکو ختم المرسلین

فخر الاولین والآخرین نے فیج اعوج سے موسوم کیا ہے۔ پس ایسی حالت میں بلا تحقیق و بلا تفکر و تدبر آنکھیں میچ کر اُن کی ہر بات کو معتمد علیہ تسلیم کرنا خالی از خطا نہیں بلکہ معصیت میں داخل ہو۔ ہر حال میں وہ تفسیر قبول کرنی چاہئیے جو قرآن کریم کی دیگر آیات کے مخالف نہ پڑتی ہو بلکہ برخلاف اس کے نم وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا کا پورا پورا ثبوت دیتی ہو۔ اور نیز احادیث صحیحہ کے مطابق اور فطرت انسانی کے مناسب حال اور خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب یعنے فطرت اللہ کے موافق ہو اور بعید از عقل انسانی بھی نہ ہو کیونکہ کتاب اللہ انسانوں کی اصلاح کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اگر اُس کی عقل سے بالاتر ہے تو پھر ایک بھاری نقص لازم آتا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ ان مفسرین میں سے اکثر بڑے بڑے عالم و فاضل تھے اور اُن میں بہت سے صفت تقویٰ سے بہرہ ور بھی تھے اور اسی تقویٰ کی بنا پر اُنہوں نے بہت سے مقامات قرآن شریف پر رُک رُک کر قلم چلایا ہے۔ اور جہاں اُن کو مشکل پیش آئی ہے وہاں مختلف دیدہ و شنیدہ روایات کو قیل و قال سے زیب رقم فرما کر اور اپنی رائے کو دخل نہ دے کر اور مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهٖ کے الزام سے بچ کر تقویٰ کی صفت پر عمل کر کے آنے والی نسلوں کو خود غور و فکر کرنے اور تحقیقات کامل سے فیصلہ کرنے کے لئے دار فانی سے الوداع کہہ گئے جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ +

چوتھا باب

الہامی یا آسمانی کتابوں کی پیشگوئیوں کے بارہ میں

سب سے پہلے ہم اس باب میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ پیشگوئیوں کی نسبت کس طرح رہی ہو۔ اور کیونکر انبیا اور علماء زمان اُس کا وقوع اور مصداق مانتے رہے ہیں سو واضح ہو کہ توریت اور انجیل اور زبور اور دیگر صحائف انبیا پر جب نظر عمیق سے دیکھا جاتا ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے کہ اہل زمانہ کی عقل اور فہم کے مطابق پیشگوئیوں میں ایسے ایسے الفاظ استعمال کرتا رہا ہے۔ کہ جن کو نہ مہمل کہہ سکتے ہیں اور نہ صریح۔ بلکہ کچھ اجمال کے رنگ میں رنگین ہوتی ہیں۔ اور ایسی مجمل بھی نہیں کہ لوگوں کے ادراک سے باہر ہوں

بلکہ کسی قدر اجمال کے ساتھ ایسی صراحت جس کے اوپر خفا کا پردہ ہو اور ہر طبع سلیم اُسکو بوقت وقوع خوب سمجھ سکے مگر ہر عقل کے آدمی اُس کی مخفی پہلوؤں کی وجہ سے ہر پیشگوئی کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس طرح وہ اُس امر سے حجاب میں رہجاتے ہیں۔ اس میں سِر یہ ہے کہ اگر پیشگوئی کے الفاظ میں ایسا خفا نہ ہوتا تو پھر ایمان بالغیب صفحۂ دنیا سے مٹ جاتا اور پھر انسان اعلیٰ مدارج کی نعمت سے جو اس ایمانِ بالغیب کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے محروم رہ جاتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں پر اُس کے دوزخ اور بہشت پر اُس کی کتابوں اور اُس کے رسول پر ایمان لانے سے بڑے بڑے انعام کے وعدے دیئے گئے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے سورج چاند اور ستاروں۔ آسمان و زمین اور حیوانات و نباتات اور جمادات پر۔ ہوا۔ آگ اور پانی پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان کا وعدہ نہیں دیا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا خواہ فرشتے ہوں یا دوزخ یا بہشت ہوں یا کتابیں اور رسول ہوں وہ سب کی سب ویسی ہی مخلوق ہیں جیسے سورج چاند۔ ستارے وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا وجہ ہے کہ صرف اول الذکر چیزوں پر ایمان لانے سے انعام ملتا ہے اور موخّر الذکر اشیاء پر ایمان لانے سے کچھ انعام نہیں ملتا۔ اِس کا باعث بجز اس کے اور کیا ہے کہ اُن چیزوں کے ساتھ ایک خفا کی ملونی بھی لگی ہوئی ہے۔ لیکن اِن میں کوئی خفا نہیں سب روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہیں۔ اور اگرچہ اللہ تعالیٰ یا اُس کے فرشتے یا اُس کی وحی کی کیفیت کہ کس طرح وہ کسی نبی یا ولی پر اُترتی ہے اور کسی رسول کی حقیقت پر کہ کس طرح وہ دیگر لوگوں سے ممتاز فطرت رکھتا ہے۔ کماینبغی آگاہی نہیں ہوتی بلکہ فطرتِ سلیم اور عقلِ فہیم اپنی خداداد طاقتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اُسکے فرشتوں اور اُس کے دوزخ اور بہشت کے وجود پر وحی نبوت اور رسالت کے امکان پر بعض قرائن امکانیہ کی مدد سے ظنِ غالب تک پہنچ جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ جوں جوں فکرِ عمیق اور غورِ دقیق کو کام میں لاتا ہے تو اسکو ان اشیائے کے وجود پر اس قدر تیقن بڑھتا جاتا ہے اور اس کا ایمان اس حد تک ترقی کرتا ہے کہ گویا اُن اشیاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے مگر یہ بات ہر ایک قسم کی عقل اور سمجھ کے مناسب حال نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ صرف حسن ظن سے بطور تقلید کے اُن کی ہستی کے قائل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کی صحبت میں رہکر اُس کے نمونہ پر چلکر اُسکے قول و فعل کو اپنا ذریعہ بناکر خدا تعالیٰ کی غیب الغیب ہستی پر ایمان لائیں اور اس طرح سے وہ اپنے رب سے

تعلق پیدا کریں۔ رفتہ رفتہ جوں جوں اُن لوگوں کا اُس بزرگ کی مصاحبت اور تعلقات سے تجربہ بڑھتا جائیگا ویسا ہی اُن کا علم بھی وسیع ہوتا جائیگا اور بالآخر وہ بھی اُس مخفی نور کی جھلک سے منور ہونے لگ جائینگے جیسے سلیم الفطرت انسان ہوتے ہیں۔

پس اس تمام بیان سے ہویدا ہے کہ انسان کی ترقئیِ مدارج و علو مراتب کے لئے ایمان بالغیب کا ہونا اشد ضروری ہے۔ ورنہ انسان بڑے بڑے انعاموں سے محروم رہجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیشگوئیوں میں کچھ نہ کچھ خفا رکھا ہے تا کہ انسان اپنی خداداد قوائے کو استعمال میں لاکر اور اپنے نفس سے خوب جنگ کرکے عادات اور رسومات کی زنجیروں کو توڑتا ہوا اور خواہشہائے نفسانی کے قفس سے پرواز کرتا ہوا اُس نکتہ تک پہنچ جائے جہاں سے اُس رب العرش والعزۃ کے باغ رضا سے گل محبت کی خوشبو آنے لگے اور رفتہ رفتہ اُس حیّ و قیوم کی ذات سے ایسا تعلق ہوجائے کہ اُس کے گوشۂ نفس میں اُسی کی محبت کے سوا اور کسی کی جگہ نہ رہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ پیشگوئیوں اور رؤیا اور مکاشفات میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہوبہو سوا فق الفاظ ظاہری پوری ہوں بلکہ بسا اوقات قرائنِ قویہ کی وجہ سے اُن الفاظ کی تاویل ہوا کرتی ہے اور فی الحقیقت وہی اُن کا مقصد اور موضوع ہوتا ہے اور بظاہر بعض لوگ الفاظِ ظاہری کے خلاف دیکھکر اُن پر اعتراض کرنے اور اُن کے مصداق کو مفتری اور کذاب کہنے لگ جاتے ہیں ایسے معترضین کے اعتراض محض قلتِ تدبر یا آسمانی کتابوں یا رسولوں کی بشارات سے عدم علم کی وجہ سے ناشی ہوتے ہیں ورنہ حقیقت شناس اور ماہرانِ علمِ بشارات ایسی جلد بازی نہیں کرتے اور وہ ہر پہلو پر خوض اور فکر کرنیکے بعد نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ایسی پیشگوئیوں کے اظہار سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ اُس شخص کی خلق اللہ میں جن کی ہدایت کے لئے وہ اُس کو مامور کرتا ہے عزت اور عظمت ظاہر ہو اور معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کی اُس مامور من اللہ کے ساتھ کیسی محبت اور کیسا تعلق ہے۔ اسلئے وہ پیش از وقت اُس مامور کے ذریعہ سے ایک غیب کی بات جہان میں ظاہر کراتا ہے اور جب اُس کا وقوع اُسی طرح ہوجاتا ہے جیسا اُس خدا کے مرسل نے ابتدا ہی میں بتا یا تھا تو پھر اُن لوگوں میں اُس خدا کے بھیجے ہوئے کی گہری محبت دل پر بیٹھ جاتی ہے اور وہ اُسکی محبت کو اکسیر سمجھنے لگتے اور اُسکی فرمانبرداری اور اطاعت کو اپنے لئے نعمتِ ربانی خیال کرکے اُسکے نقشِ قدم پر چلکر پاک اور

گندی زندگی سے نجات پاکر ابدی زندگی کے وارث بن جاتے ہیں +

اب ہم ذیل میں تین چار انبیا کے بشارات بطور نمونہ درج کرتے ہیں تاکہ ناظرین اُن کو پڑھکر صحیح نتیجہ تک پہنچ جائیں کہ کیونکر کلام الٰہی اور کلام انبیا میں بشارات آتے ہیں اور کیونکر لوگ اُن کے مصداق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور کیونکر اُن بشارات کے مخفی اور عمیق ہونے کی وجہ سے لوگ غلطی کھا لیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ انبیا پر بھی اُن کی اصلی حقیقت نہیں کھلتی اور صحیح انکشاف کے ساتھ اُن بشارات کے مصداق کو نہیں پا سکتے اور نہ اُنکے حقیقی نتایج سے کما ینبغی آگاہی حاصل کر سکتے ہیں +

واضح ہو کہ جن انبیا کا ہم نظیراً ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ اوّل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت شروع کرکے پھر درجہ بدرجہ سب کا ترتیب وار بیان کرونگا +

(۱) ملاکی نبی کی کتاب کے چوتھے باب کی پانچویں آیت میں یہ پیشگوئی ہے۔ "دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجونگا"۔ اس پیشگوئی میں یہ اشارہ ہے کہ اول ایلیاہ نبی آئینگے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئینگے۔ کیونکہ ہولناک دن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ مراد ہے +

اس پیشگوئی کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل متی باب ۱۱ درس ۷ سے لغایت ۱۵ میں فرماتے ہیں "جب وے روانہ ہوئے یسوع یوحنا کی بابت جماعتوں سے کہنے لگا کہ تم جنگل میں کیا دیکھنے کو گئے کیا ایک سرکنڈا جو ہوا سے ہلتا ہے پھر تم کیا دیکھنے کو گئے کیا ایک مرد کو جو مہین کپڑے پہنے ہے۔ دیکھو جو پوشاک پہنتے ہیں وہ تو بادشاہوں کے محلوں میں رہتے ہیں۔ پھر تم کیا دیکھنے کو گئے۔ کیا ایک نبی کو۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑا۔ کیونکہ یہ وہ ہے جسکی بابت لکھا ہے کہ دیکھو میں اپنا رسول تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیرے آگے تیری راہ درست کریگا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اُن میں سے جو عورتوں سے پیدا ہوئے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں ہوا لیکن جو آسمان کی بادشاہت میں چھوٹا ہے سو وہ اُس سے بڑا ہے کیونکہ سب نبی اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی ہے۔ اور الیاس جو آنیوالا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو جس کسی کے کان سُننے

ان دونوں کتابوں یعنی ملاکی نبی اور متی کی کتاب سے ظاہر ہے کہ اول ملاکی نبی نے بالہام وحی الٰہی خبر دی کہ حضرت عیسیٰ کے آنے سے پہلے اول ایلیاہ یعنے حضرت الیاس علیہ السلام آئینگے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بوحیِ الٰہی لوگوں پر ظاہر کیا کہ یوحنا یعنی یحیٰی زکریا علیہ السلام کا بیٹا وہی ایلیاہ ہے چاہو تو قبول کرو +

لیکن یوحنا کے باب اول درس ۹ اتا ۲۱ میں یوں ہے۔" اور یوحنا کی گواہی یہ تھی جبکہ یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اُس سے پوچھیں کہ تو کون ہے اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب اُنہوں نے اُس سے پوچھا تو کون ہے۔ کیا تو الیاس ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی حقیقت خود حضرت یوحنا کو معلوم نہیں ہوئی۔ حالانکہ خود یوحنا کو اس کا علم تھا کہ مسیح کے پہلے آنیوالا میں ہوں اور مسیح اُس کے بعد آنے والا ہے۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱ درس ۱۵ و ۱۷ میں لکھا ہے" یوحنا نے اُس کی بابت گواہی دی اور پکار کے کہا یہ وہی ہے جس کا ذکر میں کرتا تھا کہ وہ جو میرے پیچھے آنے والا ہے مجھ سے مُقدّم ہے۔ کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا" اور آیات ۱۵ و ۱۷ میں یہ لکھا ہے" کیونکہ شریعت موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کے پیچھے +

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صاف کہدیا کہ یوحنا ہی الیاسؑ ہے دیکھو انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ تا ۱۲ جس میں لکھا ہے" اور اُس کے شاگردوں نے اُس سے پوچھا کہ پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاسؑ کا آنا ضروری ہے۔ یسوع نے اُنہیں جواب دیا کہ الیاسؑ البتہ پہلے آویگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاسؑ تو آچکا لیکن اُنہوں نے اُس کو نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اُس کے ساتھ کیا" +

اِن سب آیاتِ انجیل سے ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰؑ پر الیاسؑ کا مثیل ہونا نہ کھلا کہ میں الیاس کے رنگ میں آیا ہوں۔ دوسری یہ بات بھی ثابت ہے کہ یوحنا اور الیاسؑ دو مختلف الفاظ تھے اور صریح معلوم ہوتا تھا کہ دو مختلف اشخاص کے نام ہیں اور بات بھی پکی اور یقینی تھی کیونکہ الیاسؑ بہت مدت پہلے گذر چکے تھے اور حضرت یحییٰؑ یعنی یوحنا مسیح علیہ السلام کے ہمعصر اور پیر بھی تھے لیکن حضرت مسیح نے الہام الٰہی سے ظاہر کر دیا کہ لوگوں کو سمجھنے میں مغالطہ لگا ہے۔ جو وعدہ کہ الیاس کے واپس آنے کا دیا گیا تھا وہ بروزی آمد کا وعدہ تھا اور اُس سے مراد ایک ایسے شخص سے تھی

جو اُس کے رنگ اور خصلت میں آئیگا اور اُس کا مثیل ہوگا نہ کہ اُس کا عین اِسی لئے حضرت مسیح کو کہنا
پڑا کہ جو آنے والا تھا وہ تو آگیا۔ پس اس سے صاف کھل گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص خواہ
اُس کا کچھ ہی نام ہو دوسرے شخص کا نام اس وجہ سے حاصل کر سکتا ہے کہ کُلی خواو بعض صفات
میں کچھ موافقت و مناسبت رکھتا ہے۔ تیسری بات اس سے یہ بھی نکلتی ہے کہ پیشگوئی کی حقیقت
پر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے آگاہی دے اور جس کو چاہے نہ دے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ علماء یہود
باوجود علم و فضل کے اُس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور اسی لئے ایک جلیل القدر نبی کی نبوت سے
محروم رہکر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کے مصداق بنے۔ چوتھی یہ بات بھی نکلتی ہے کہ گاہے گاہے
ایسے امور میں مومنین کو بھی شک اور تردّد پیش آجایا کرتا ہے۔ جیسے حواریوں کو حضرت یوحنا
کے ایلیاہ ہونے کی نسبت ہوا اور اس تردد کی بنا پر حضرت مسیح سے سوال کیا کہ فقیہہ کیا کہتے ہیں
اور خود حل نہ کر سکے مگر مسیح نے جب اُنکو بتا دیا تو وہ ساکت ہوئے اور ایمانی طور سے مان گئے
اور منکر نہیں ہوئے۔ کیونکہ اُنہوں نے مسیح کو جب دیگر قرائن سے پہچان کر اپنا پیشوا تسلیم کر لیا
تھا تو ایک ایسے امر سے جو بظاہر اُن کی عقل اور سمجھ سے بالاتر تھا اُس کے کہنے پر عامل ہوئے
اور کوئی چون و چرا نہیں کیا۔ یہی تو ما بین اتقیا و اشقیا ما بہ الامتیاز ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ

۲۔ بشاراتِ مسیح

اب ہم بشاراتِ مسیح علیہ السلام کی نسبت کتبِ سابقہ سے مختصر سا حال لکھتے ہیں اور دکھاتے
ہیں کہ کیسے مجمل اور مہمل الفاظ ہیں لیکن پھر بھی اُن پیشگویوں کا مصداق مسیح کو بنایا گیا۔

(۱) یسعیاہ باب ۷ ورس ۱۴ میں ہے کہ ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی۔ اور اُس کا نام
عمانوئیل رکھیگی۔ اس پیشگوئی میں کیسے مجمل الفاظ ہیں اوّل ایک کنواری حاملہ ہوگی یہاں نہیں
بتایا گیا کہ فلاں لڑکی فلاں شخص کی بیٹی فلاں قوم اور فلاں ملک اور فلاں شہر فلاں محلے کی رہنے
والی ہوگی صرف ایک کنواری کا لفظ ظاہر کیا گیا۔ اور کوئی امر ایسا تعین نہیں کیا گیا کہ جس سے ٹھیک پتہ چل
سکتا کہ فلاں گھرانے کی لڑکی سے مراد ہے۔ اور دوسرا لفظ جو اس پیشگوئی میں ہے وہ یہ ہے کہ اُس کا
نام وہ عمانوئیل رکھیگی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ عمانوایل کبھی نہیں پکارا گیا بلکہ یسوع نام ہی رکھا گیا

اور اسی نام سے اپنی قوم اور خدا تعالیٰ کی کلام میں مشہور ہوا مگر پھر بھی یسوع کو ماننے والوں نے خوش اعتقادی سے یسوع کو عمانوایل ہی مان لیا ۔

(۲) یسعیاہ باب ۸ ورس ۳ میں لکھا ہے "اور میں نبیہ کے پاس گیا سو وہ پیٹ سے ہوئی اور ایک بیٹا جنی تب خداوند نے مجھے کہا اُس کا نام مہیر شالال حاش بز رکھ"۔ اس پیشگوئی میں نبیہ اور مہیر شالال حاش بز قابل غور ہیں اسی نبی یسعیاہ کی معرفت سات باب میں کہا گیا ہے کہ ایک عورت حاملہ ہوگی اور لڑکا جنیگی اور اُس کا نام عمانوایل رکھیگی۔ اور اس باب میں اُسی نبی کی معرفت ظاہر کیا گیا۔ کہ ایک نبیہ بیٹا جنیگی اور اُس کا نام مہیر شالال حاش بز رکھیگی۔ اِن دونوں باتوں میں کس قدر اختلاف ہے اور انسان کس قدر دھوکہ کھا سکتا ہے بلکہ بظاہر انسان ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ پیشگوئیاں ایک ہی شخص کی نسبت ہیں لیکن عیسائیوں میں بالاتفاق مانا گیا ہے کہ یہ الفاظ ایک ہی شخص یعنی مسیح کی نسبت تھے حالانکہ مہیر شالال حاش بز کے نام سے مسیح علیہ السلام کبھی نہیں پکارے گئے جیسے کہ آگے ظاہر ہوگا ۔

(۳) انجیل متی باب ۱ آیت ۸ الغایت ۱۲ میں ہے "اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اُس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو اُن کے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ تب اُس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور نہ چاہا کہ اُسے تشہیر کرے ارادہ کیا کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے۔ اور وہ ان باتوں کی سوچ ہی میں تھا کہ دیکھو خداوند کے ایک فرشتہ نے اُس پر خواب میں ظاہر ہو کے کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی جورو مریم کو اپنے یہاں لوالانے سے مت ڈر کیونکہ جو اُس کے رحم میں ہے سو وہ روح القدس سے ہے اور وہ بیٹا جنیگی اور تو اُس کا نام یسوع رکھیگا"۔ ان آیات اور آیات کتاب یسعیاہ نبی میں کسقدر اختلاف ہے۔ پہلے عمانوایل پھر مہیر شالال حاش بز اور پھر انجیل متی میں یسوع نام ظاہر کیا گیا باوجود اس قدر اختلافات کے اِن سب باتوں کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ اسی متی کی انجیل کی ۲۲ و ۲۳ آیات میں ہے "یہ سب کچھ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہوا کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اُس کا نام عمانوایل رکھینگے"۔

امورات متذکرہ بالا کی تصدیق متی باب ۱۔ ورس ۲۵ سے یوں ہوتی ہے "پھر اُس کو نہ جانا جب تک کہ وہ اپنا پلوٹھا بیٹا نہ جنی اور اُس نے اُس کا نام یسوع رکھا"۔ اب ظاہر ہے کہ یسعیاہ نبی

نے پیشگوئی کی کہ ایک حاملہ بیٹا جنیگی اور اُس کا نام عمانوایل رکھیگی اور اُسی نبی کی کتاب میں ہے کہ فرشتہ نے خدا کا حکم سُنایا۔ کہ اُس کا نام مہیر شالال حاش بز رکھنا لیکن جب وہ پیدا ہوا تو اُسکا نام یسُوع رکھا۔ اور اسی نام سے مشہور ہوا +

(۴) میکہ نبی کی کتاب باب ۵ آیت ۲ میں ہے "پر اے بیت لحم افراتاہ ہرچند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وہ شخص نکلیگا کہ جو مجھ پاس آویگا اور جو اسرائیل میں حاکم ہوگا" اس آیت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک شخص بیت لحم سے نکل کر خدا کا مقرب ہوگا اور پھر اسرائیلیوں پر حکومت کریگا۔ اس کی تصدیق انجیل متی باب ۲ آیت ایک سے ہوتی ہے۔ جس میں لکھا ہے "کہ جب یسُوع ہروڈیس بادشاہ کے وقت یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا" یہاں پر بیت لحم کے پیدا ہونیوالے شخص کی تخصیص ہوگئی اور بتلا دیا کہ وہ شخص یسُوع ہے مگر فی الحقیقت دیکھو تو الفاظِ وحی میں نام نہیں بتلایا گیا۔ صرف قرائن سے یسُوع کو مصداق بنایا گیا +

دوسرا امر اس پیشگوئی کے الفاظ میں یہ تھا۔ کہ اسرائیل میں حکومت کریگا یہ بات بظاہر مسیح کو نصیب نہیں ہوئی بلکہ اس حکومت کی منشا کہ وہ ملکی حکومت ہے یا روحانی خود حضرت مسیح علیہ السلام پر نہیں کھُلی کیونکہ اُس نے اول اول اپنے معتقدوں کو حکم دیا تھا کہ تلواریں اور سامانِ جنگ خریدیں اگر اس کی حقیقت اُن پر کھُلتی تو کیوں ایسی غلط کارروائی کرتے اس سے یہ بھی نکلا کہ بعض اوقات خود انبیاء پر وحی کی حقیقت مخفی رہتی ہے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک مسکنت اور غربت کی حالت میں اس جہان سے گذر گئے تو ان کے بعد عیسائیوں نے اس حکومت سے حکومت روحانی مراد لی ہے۔ ورنہ اگر جسمانی مراد ہوتی تو پھر پیشگوئی جھوٹی جاتی میکہ باب ۲ ورس اول سے لغایت ۲ میں یہ لکھا ہے "اور جب یسوع ہروڈیس بادشاہ کے وقت یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا۔ تو دیکھو کئی مجوسیوں نے پورب سے یروشلم میں آکے کہا کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا سو وہ کہاں ہے کہ ہم نے پورب میں اُس کا ستارہ دیکھا ہے" ان آیات میں مسیح کو ستارہ کی صورت میں مجوسیوں پر ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر انسان کو ستارہ سے کیا نسبت ہے مگر عالم کشف میں کسی عالم ربانی یا امام زمان کو ستارہ کی صورت میں دکھلایا جاتا ہے اور یہی سُنت اللہ ہے یا یہ کہ اُن کی کتابوں میں لکھا ہوگا کہ جب مسیح علیہ السلام پیدا ہونگے تو اُن کی تصدیق کے لئے مشرق کی طرف سے ایک خاص قسم کا ستارہ طلوع کریگا۔ اس بنا پر تلاش میں نکلے ہونگے ۔

اِن آیات میں ایک لفظ بادشاہ ہی جو مجوسیوں کی زبان سے مسیح کی نسبت نکلا ہے۔ اگر ظاہر الفاظ کا خیال کیا جائے تو مسیح کسی صورت میں بھی بادشاہ تو کیا ایک چھوٹا سا حاکم بھی نہیں ہوا۔ اِسی لیئے اِس کی تاویل بھی کی گئی ہو کہ روحانی بادشاہ تھا اور یہ بات واقعہ میں درست بھی ہے۔ اور اِس کی تصدیق یرمیاہ نبی کی کتاب کے باب ۳۶ آیت ۳۰ سے ہوتی ہے جس میں لکھا ہے "کہ اِس لیئے یہوداہ کے بادشاہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں کہتا ہے۔ کہ اُس کی نسل میں سے کوئی نہ رہیگا۔ جو داؤد کے تخت پر بیٹھے" اور انجیل متی باب ۱ درس ۱۶ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ یسوع یواقیم یا یہویقیم کاب کی نسل سے ہے۔ اس سے بخوبی روشن ہے کہ مسیح کے لیئے جسمانی سلطنت نہ ہوگی مگر مسیح کے زمانۂ حیات میں اوّل لوگوں نے یہی گمان کیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ پہلے ظاہر کیا گیا ہی خود مسیح کو بھی یہی خیال ہوا تھا کہ وہ جسمانی بادشاہ ہوگا ورنہ ہیروڈیس اور اُس کی جماعت کو اُس سے کیوں خوف پیدا ہوا تھا۔ اور کیوں سینکڑوں بچے قتل کرائے گئے تھے +

(۵) کتاب زکریاہ کے باب ۳ درس ۸ میں ہے "کہ دیکھ میں اپنے بندے شاخ نامی کو پیش لاؤنگا" +

پھر اسی کتاب کے باب ۶ میں ہے "دیکھ وہ شخص جس کا نام شاخ ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اُگیگا اور خداوند کی ہیکل کو بنائیگا۔ اور وہ صاحبِ شوکت ہوگا۔ اور اپنے تخت پر جلوس کرکے کاہن بھی ہوگا" +

پھر یسعیاہ نبی کی کتاب کے باب ۴ درس ۲ میں ہے۔ "اُس دن خداوند کی شاخ شوکت اور حشمت ہوگی۔ اور یرمیاہ نبی کی کتاب کے باب ۲۳ درس ۵ میں ہے کہ "میں داؤد کے لیئے صداقت کی ایک شاخ نکالونگا۔ اور ایک بادشاہ بادشاہی کریگا اور اقبالمند ہوگا اور عدالت اور صداقت زمین پر کریگا" +

پھر یسعیاہ باب ۱۱ درس ۱-۲ میں لکھا ہے "یسی کے تنے سے ایک کونپل نکلیگی۔ اور اُس کی جڑوں سے ایک پھلدار شاخ پیدا ہوگی اور خداوند کی روح اُس پر پڑیگی"۔ واضح ہو کہ یسی حضرت داؤد کے باپ کا نام ہے +

اور انجیل لوقا باب ۲ آیت ۶۹-۷۰ میں ہے "اور ہمارے لیئے نجات کا سینگ اپنے بندے داؤد کے گھر میں سے نکال کے کھڑا کیا۔ جیسا اُس نے اپنے پاک نبیوں کی معرفت جو

دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے کیا"۔ اِن سب کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
ایک شاخ کا وعدہ دیا اور شاخ ایک ایسا لفظ ہے جو درخت اور سینگ پر بھی آسکتا ہے لیکن
یہاں مراد مسیح سے لی گئی جو حضرت داؤد کی نسل سے ہے دیکھو اعمال باب ۱۳ ورس ۲۳
جسمیں لکھا ہے "اُسی کی نسل سے خدا نے اپنے دعویٰ کے موافق اسرائیل کے لئے نجات دینے
والا یشوع کو اُٹھایا"۔ اور یہاں شاخ کے معنے نسل کے لئے گئے ہیں۔ لیکن بموجب اناجیلِ
مروجہ حضرت مسیح نہ تو اقبال مند ہوئے اور نہ اُنہوں نے بادشاہی کی اور نہ کوئی عدالت کا
اُنہیں موقع ملا۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول نہیں کیا بلکہ برخلاف
اِسکے اُسکو مفتری اور کذاب خیال کرلیا +

(۶) زبور باب ۴۵ آیت ۸ و ۹ میں ہے "تیرے سارے لباس سے مُر اور عود اور تج
کی خوشبو آتی ہو کہ جنسے۔ ہاتھی دانت کے محلوں کے درمیان اُنہوں نے تجھ کو خوش کیا ہے
بادشاہوں کی بیٹیاں تیرے عزت والیوں میں ہیں"۔ عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آیات بھی
یسوع کے بارہ میں ہیں مگر اُن کا وقوع کبھی بھی ثابت نہیں کرتے اور نہ کرسکتے ہیں +

جہاں تک ہم آیات متذکرہ بالا پر غور کرتے ہیں عیسائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں
ہے کیونکہ وہ کسی صورت میں یسوع کو بادشاہ اور حاکم اور اقبالمند اور پھلدار درخت اور باشان و
شوکت انسان جس کے کپڑوں سے خوشبوؤں کی لپٹ آتی ہو اور بادشاہوں کی بیٹیاں
اُس کے دائیں بائیں ہوں ثابت نہیں کرسکتے صرف اندھا دُھند بے دلیل یہ ساری باتیں
مسیح پر تھوپتے چلے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہودی اُس سے انکاری رہے۔ لیکن اُنکو
اگر حقیقت حال سے آگاہی ہوتی تو پھر نہ عیسائیوں کو اور نہ یہودیوں کو اُس کے تسلیم کرنے
میں دقت رہتی۔ کیونکہ حقیقت میں یشوع صلیب پر نہیں مرے بلکہ جیسے کہ پیشگوئیوں میں ہے
کہ مُردوں سے جی اُٹھیگا۔ چنانچہ وہ اُٹھا اور اپنے حواریوں سے ملتا رہا اور آخر اپنے اُس
مشن کے لئے جس کے لئے وہ اصل میں مامور ہوا تھا یعنے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں
کے لئے نکلا اور جہاں جہاں وہ تھیں اُن کو تلاش کیا اور اُن میں با اقبال بھی ہوا۔ اور اُس کے
کپڑوں سے بھی خوشبوؤں کی لپٹیں آئیں۔ اور ہاتھی دانت کے محلوں میں بھی داخل ہوا جو ہندوستان
اور اُسکے مضافات میں تھے اور تمام قوموں پر حکومت بھی کی اور اُس کے نام سے سکے بھی جاری

ہوئے اور بادشاہوں کی بیٹیاں بھی اُس کے دائیں بائیں رہیں۔ ہم اس مضمون کو کسی دوسرے باب میں مفصل بیان کرینگے +

۳۔ بشارات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اب ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کتب سابقہ سے بیان کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ باوجود صاف اور صریح پیشگوئیوں کے بھی بدظنی کرنے والے اور حسد اور کینہ رکھنے والے کبھی بھی ہدایت یاب نہیں ہوسکتے +

(۱) کتاب پیدایش کے باب ۱۲ اورس ۶ لغایت ۸ میں ہے "اور ابراہام اُس ملک میں سکم کی بستی اور مورہ کے بلوط تک گذرا اُسوقت ملک میں کنعانی تھے۔ تب خداوند نے ابراہام کو دکھلائی دیکے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا۔ اور اُس نے وہاں خداوند کے لئے جو اُس پر ظاہر ہوا ایک قربان گاہ بنائی اور وہاں سے روانہ ہو گئے اُس نے بیت ایل کے پورب کے ایک پہاڑ کے پاس اپنا ڈیرا کھڑا کیا"۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا تھا اور دکھلایا تھا کہ ملک شام تیری اولاد کو دونگا چنانچہ اُس کی اولاد کے سوا ابتک وہ ملک کسی اور قوم کے قبضہ میں نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دو ہزار برس پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ملک عطا ہوگا۔ لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے صرف اُس کو حضرت اسحاق تک ہی محدود رکھا اسلیئے راستی اور صداقت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ اور دوسرا اس سے بیت اللہ کا بھی پورا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ جب وہ شام کے مُلک سے نکلکر آگے بڑھے اور چلتے چلتے آخر ایک ایسی جگہ پر مقام کیا۔ جس کے مغرب کی طرف بیت اللہ تھا تو دکھیو وہ کوہ صفا تھا جس کے متصل اُنہوں نے ڈیرہ لگایا تھا۔ اس سے بھی صریح اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو وہ مُلک جس کا اوپر ذکر ہوا ملیگا +

(۲) پھر پیدایش باب ۱۳ آیات ۱۴ سے لغایت ۱۷ میں ہے "اور بعد اُس کے کہ لوط اُس سے جدا ہوا خداوند نے ابراہام سے کہا کہ اپنی آنکھ اُٹھا اور اُس جگہ سے جہاں تو ہے اُتر اور دکن اور پورب اور پچھم کو دیکھ کہ یہ تمام مُلک جو تو اب دیکھتا ہے۔ میں تجھ کو اور تیری نسل کو ہمیشہ کے لئے دونگا اور تیری نسل کو میں زمین کی خاک کی مانند بناؤنگا کہ اگر کوئی آدمی زمین کی خاک کو گن سکے

تو تیری نسل بھی گنی جائیگی"۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتک اُس زمین پر قابض ہیں۔ گو دشمنوں اور غیر اقوام نے بڑی بڑی چڑھائیں کیں اور یوروپ کے کل بادشاہ اسکے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے متفق ہو کر لاانتہا فوجیں چڑھا لائے مگر چونکہ خداوند تعالے نے ہمیشہ کے لئے ابراہیم کی نسل کے واسطے وعدہ کیا تھا وہ ناکام و نامراد رہے اور اسلیئے کوئی اس پیشگوئی کو جھٹلا نہ سکا۔ مگر باوجود اس کے عیسائی ایسا کھلا نشان دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ اور ابتک اسی صداقت سے مُنہ موڑے ہوئے ہیں +

(۳) کتاب پیدائش کے باب ۱۷ اور س ۷، ۸ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ہے۔ "اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان اُن کی پُشت در پُشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہونگا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو اور میں اُن کا خدا ہونگا"۔ دیکھو یہ کیسی صریح پیشگوئی ہے۔ اگر اس سے مراد صرف حضرت اسحق کی اولاد تھی۔ تو پھر یہ پیشگوئی غلط جاتی ہے۔ اگر اس میں ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسحق اور حضرت اسمٰعیل مراد تھے تو پیشگوئی بڑی کامل وضاحت کے ساتھ پوری ہو گئی ہے کیونکہ یہ ملک بعد اولادِ اسحق اندازاً ۱۳ سو برس سے برابر بلا تزلزل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں ہے جو بنی اسمٰعیل ہیں مگر عیسائی اور یہودی ابتک اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ خدا کے کلام کو اُنہوں نے جھوٹا ہونا گوارا کر لیا مگر حق کو قبول نہ کیا +

(۴) اس سے بڑھکر کتاب پیدائش کے باب ۱۵ آیت ۱۸ میں اور بھی تصریح ہے "اُسی دن خداوند نے ابراہام سے عہد کر کے کہا کہ میں تیری اولاد کو یہ ملک دونگا۔ مصر کی ندی سے لیکے بڑی ندی تک جو فرات کی ندی ہے"۔ اس آیت میں حدودِ ملک بھی بتا دی گئی ہیں لیکن عیسائی اور یہودی پھر بھی منکر ہی ہیں۔ حالانکہ وہ ملک عرب کے اُس رسول کے خادموں کے قبضہ میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا +

(۵) کتاب پیدائش باب ۱۳ آیت ۱۶ میں ہے "اور تیری نسل کو میں زمین کی خاک کی مانند بناؤنگا اگر کوئی آدمی زمین کی خاک کو گن سکے تو تیری نسل بھی گنی جائیگی"۔ اس سے بھی مسلمانوں کی قوم کا کیسا ثبوت ملتا ہے باوجودیکہ بڑی بڑی مردم شماری ہوئی مسلمانوں کی تعداد

کا اب تک ٹھیک پتہ نہیں ملا۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل جو بابل سے جلا وطن ہو کر ممالک مشرقی میں آباد ہو گئے تھے اب تک اُن کا بھی کوئی پتہ نہیں لگا سکا اور اسی واسطے اُن کا شمار بھی ناممکن ہو گیا ہے +

آیات متذکرہ بالا کی وضاحت ذیل کی آیات سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دیکھو پیدایش باب ۱۶ آیت ۱۰ جس میں لکھا ہے "پھر خداوند کے فرشتہ نے اُسے (یعنی ہاجرہ سے) کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤنگا کہ وہ کثرت کی وجہ سے گنی نہ جائے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ کل اُمت محمدیہ کا گننا تو درکنار صرف بنی اسمٰعیل کے لوگ جو عرب کی سرزمین میں رہتے ہیں کوئی گن نہیں سکا یہ کیسی کھُلی صداقت ہے +

(۶) پھر پیدایش باب ۱۷ آیت ۲۰ میں ہے "اور اسمٰعیل کے حق میں مینے تیری سُنی دیکھ میں اُسے برکت دونگا اور اُسے برومند کرونگا اور اُسے بہت بڑھاؤنگا۔ اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اس سے بھی بڑی بناؤنگا" اس آیت سے بھی حضرت اسمٰعیل کی اولاد کی کثرت کا کھُلا بیان ہے۔ گو اس میں شک نہیں کہ حضرت اسحاق کی اولاد بھی شامل ہے +

(۷) کتاب استثنا باب ۱۸ ورس ۱۸ میں ہے "میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی پیدا کرونگا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالونگا" اب اس آیت میں کیا صاف صاف بیان ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسحاق کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی موسیٰ سا پیدا کرونگا۔ یہ پیشگوئی سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آسکتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل ہی میں سے پیدا ہوئے اور سب جانتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل ہی بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔ اور اُن کے سوا کون ہے کہ بھائی ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ امر کسی پر مخفی نہیں ہے کہ بنی اسمٰعیل میں سے حضرت محمد رسول اللہ کے سوا اور کوئی بھی نبی نہیں ہوا۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ موسیٰ جیسا نبی پیدا کرونگا سو بجز ختم المرسلین کے اور کوئی ایسا نبی نہیں ہوا۔ جس کی مماثلت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہوتی ہو اور جس کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ یعنے ہم نے تمہاری

طرف اُسی طرح کا رسول بھیجا ہی جس طرح فرعون کی طرف ہم نے ایک رسول بھیجا تھا۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ علیہ السلام قرار دیا گیا ہے +

مماثلت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بموسیٰ علیہ السلام

اب ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت حضرت موسیٰ سے بوجوہات ذیل ثابت کرتے ہیں +

(۱) جیسی زبردست شریعت یعنی کتاب توریت حضرت موسے کو دی گئی ایسا ہی ایک نہایت ہی زبردست اور غیر متبدل شریعت یعنی قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا

(۲) جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دشمنوں کے خوف سے ملک مصر سے ہجرت کر کے ملک شام میں آئے ایسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی +

(۳) حضرت موسیٰ نے بھی جس طرح شہر یثرب میں بعد ہجرت پناہ لی ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے بھی شہر یثرب یعنی مدینہ منوّرہ میں پناہ لی +

(۴) جیسے حضرت موسیٰ پر کلام خدا بلفظہ نازل ہوا ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف بلفظہ نازل ہوا +

(۵) جس طرح حضرت موسیٰ نے کفار کے ساتھ جہاد کیا ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار سے جہاد کیا +

(۶) جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام نے دنیاوی بادشاہت بنی اسرائیل میں قائم کی ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی سلطنت بنی اسمٰعیل میں قایم کی

(۷) جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام نے ملک فتح کئے۔ اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ملک فتح کئے +

(۸) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے متفرق اور اسیر اقوام کو ایک جگہ جمع کیا ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے بنی اسمٰعیل کی متفرق جماعتوں کو ایک جگہ جمع کیا +

(۹) جیسے حضرت موسیٰ کی شریعت قائم رکھنے اور تجدید کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء آئے ایسا ہی حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے قائم رکھنے اور تجدید کرنے کے لئے مجددین آتے رہے۔ جنہوں نے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا لقب حاصل کیا +

(۱۰) جیسے حضرت موسیٰ کے ۔۔۱۳ برس بعد چودھویں صدی کے سر پر بنی اسرائیل کے گھرانے کی نبوت کے خاتم حضرت عیسےٰ علیہ السلام نبی ناصری ہوئے ایسا ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۳۰۰ برس بعد چودھویں صدی کے سرے پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم ولایت خاندان نبوت محمدی ہوئے +

(۱۱) جیسے حضرت مسیح علیہ السلام نبی ناصری تابع شریعت موسوی نے بعض حصہ توریت شریف کی تفسیر بہ وحی الٰہی دنیا پر ظاہر کی تھی۔ ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تابع شریعت محمدیؐ نے بعض حصہ قرآن کریم کی اصلی تفسیر بالہام الٰہی ظاہر کی +

(۱۲) جیسے خاتم نبوت بنی اسرائیل نے علماء وقت کی غلطیاں ظاہر کیں ایسا ہی خاتم ولایت محمدی نے علماء وقت کی غلطیاں ظاہر کیں +

غرض ان وجوہات سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت موسیٰ میں مماثلت تامہ ثابت ہوتی ہے +

(۸) زبور باب ۱۱۹ - آیت ۲۲ میں ہے " وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہو گیا " پھر اسی باب کی ۲۶ آیت میں ہے " مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے " +

زکریاہ باب ۴ - آیت ۷ میں ہے " اور وہی پتھر یہ پکارتے ہوئے نکالیگا۔ کہ اُس پر فضل اُس پر فضل " +

پھر انجیل متی باب ۲۱ آیت ۴۲ - ۴۴ میں " یسوع نے اُنہیں کہا کہ تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لیجائیگی اور ایک قوم کو جو اُس کا میوہ لاوے دیجائیگی ۔ جو اس پتھر پر گریگا چور ہو جائیگا پر جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالیگا " +

پھر انجیل مرقس باب ۱۲ آیت ۱۰-۱۱ میں لکھا ہے "کیا تم نے یہ نوشتہ نہیں پڑھا کہ وہ پتھر جسے معماروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا"+

پھر انجیل لوقا کے باب ۲۰- آیت ۱۷-۱۸ میں ہے "تب اُس نے اُن کی طرف دیکھ کے کہا پھر وہ کیا ہے جو لکھا ہے کہ وہ پتھر جسے راجگیروں نے رد کیا ہے کونے کا سرا ہوا۔ ہر ایک جو اس پتھر پر گرے چور ہو گا- اور جس پر وہ گرے اُسے پیس ڈالیگا"+

اِن سب آیات میں جس پتھر کا ذکر ہے اُس کو عیسائیوں نے اپنی نادانی سے حضرت مسیح پر زبردستی بلا وجہ فوبیہ لگایا ہے- چنانچہ اعمال باب ۴ آیت ۱۰-۱۱ میں "تو تم سب اور اسرائیل کی ساری قوم کو معلوم ہو کہ یسوع مسیح ناصری کے نام سے جس کو تم نے صلیب دی- اور جسے خدا نے مُردوں میں سے پھر اُٹھایا اُسی سے یہ مرد تمہارے سامنے بھلا چنگا کھڑا ہے یہ وہی پتھر ہے جسے تم معماروں نے ناچیز جانا جو کونے کا سرا ہو گیا"+

پھر افسیوں باب ۲ آیت ۲۰-۲۱ میں ہے "اور رسولوں اور نبیوں کی نیو پر جہاں یسوع مسیح اب کونے کا سرا ہے ایک عمارت اُٹھائی گئی ہے- جس سے ساری عمارت ایک ساتھ جُڑ کر مقدس ہیکل خداوند کے لئے اُٹھتی جاتی ہے" ان سب آیات میں دعوےٰ کیا گیا ہے کہ وہ پتھر یسوع مسیح ہے حالانکہ یہ بات بالبداہت غلط ہے- کیونکہ مسیح ویسا پتھر ثابت نہیں ہوا کہ جس کی تعریف میں لکھا تھا کہ جو اُس پر گرا یا جس پر وہ گرا چور چور ہو گیا ہو بلکہ برخلاف اُس کے وہ خود پکڑا گیا اور اُسے دُکھ دیا گیا مُنہہ پر تھوکا گیا اُس کو کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اور زخمی ہوا- اور قبر میں رکھا گیا- پس کسی صورت میں یہ بات صادق نہیں آتی کہ وہ پتھر مسیح علیہ السلام تھا- کیونکہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے نبوت کی عمارت کے کونہ کا سرا صرف حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے ہیں جس نے آنکر عمارت نبوت کو مکمل کر دیا- اور یہ بات خود مسیح کے قول سے ثابت ہے دیکھو انجیل متی باب ۲۱ آیت ۴۳ و ۴۴ جن میں خود مسیح علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے وحی کی ہے کہ خدا کی بادشاہت یعنی شریعت تم سے لے لیجائیگی اور ایک قوم کو جو برومند ہو گی دیجائیگی اور وہ ایسا پتھر ہے کہ جو اُس پر گریگا چور چور ہو جائیگا یا جس پر وہ گریگا چور چور کر دیگا- اب تمام دُنیا پر روشن ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام کوئی جدید شریعت نہیں لائے تھے بلکہ اُسی موسوی شریعت کے پیرو تھے اور

اُسی کی تجدید کے لئے آئے تھے اور یہ امر بھی خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کلام سے مترشح ہے کہ شریعت ایک اور قوم کو جو بنی اسرائیل کے سوا ہوگی دیجائیگی اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت بنی اسمٰعیل کو دی گئی اور وہی آخری پتھر تھا جس نے ثابت کرکے دکھا دیا کہ جو اُسپر گرا چور چور ہوا اور جس پر وہ گرا وہ بھی چور چور ہوا۔ پس ایسی بیّن صداقت کی موجودگی میں عیسائیوں اور یہودیوں کا آنکھوں پر پردہ ڈال لینا اور کھلی سچائی کو نہ ماننا بجز تعصب اور ہٹ دھرمی کے اور کیا متصور ہوسکتا ہے +

(۹) (الف) کتاب استثنا باب ۳۳- ورس ۲ میں ہے "- اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا- دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی" +

(ب) حبقوق نبی کی کتاب کے باب ۳ آیت ۳ میں ہے "- خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا اور اُس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا- اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوگئی- اُس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی- اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں- پر وہاں بھی اُس کی قدرت در پردہ تھی- موت اُس کے آگے آگے چلی اور اُس کے قدموں پر آتشی وبا روانہ ہوئی وہ کھڑا ہوا اور اُس نے زمین کو لرزا دیا- اُس نے نگاہ کی اور قوموں کو پراگندہ کیا اور قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگئے اور پرانی پہاڑیاں اُس کے آگے دھس گئیں" +

اِن آیات میں ایک سینا- ایک شعیر اور ایک فاران آیا ہے اور یہ بات مُسَلّم و مُحقّق ہے کہ سینا سے حضرت موسیٰؑ کی توریت کی طرف اشارہ ہے اور شعیر سے حضرت عیسیٰؑ کی انجیل کی طرف اشارہ ہے اور فاران چونکہ مکہ معظمہ کا پہاڑ ہے اِس سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت بیضا ہے- جو ایسی روشن ہے کہ روشنی کی چمک تمام عالم میں چھائی ہوئی ہے اور سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہے جس نے تمام عرب اور روم اور شام بلکہ کل دنیا کو ہلا دیا اور کون شک کرسکتا ہے کہ اُنھوں نے تمام مقابلہ کرنے والی قوموں کو پراگندہ کردیا- اور قیصر اور کسریٰ کی بڑی زبردست سلطنتوں کو جو بڑے بڑے پہاڑوں کی صورت میں تھیں صفحہ ہستی سے زاویہ عدم میں پہنچا دیا اور عرب اور آس پاس کی کل ریاستوں کو جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی شکل میں نظر آتی تھیں اپنے

تحت میں لے لیا اور سب کا نام ونشان اُٹھا دیا +

دوسرا ان آیات میں دس ہزار قدوسیوں کا ذکر ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار مقدس لوگ ہونگے سو یہ امر بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو اُس وقت اُن کے ہمراہ دس ہزار صحابہ تھے۔ تمام دُنیا بھر کی تاریخیں اس کی شاہد ناطق ہیں +

تیسرا لفظ اس پیشگوئی میں ہے اُس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی سو یہ امر بھی ظاہر و باہر ہے کہ اسلامی شریعت کیسی روشن اور زبردست ہے کہ کفار کو کیسا سخت انذار کیا گیا اور کیسا ڈرایا گیا اور اُن سے کیسا مواخذہ کیا گیا +

پس اِن تمام واقعات سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھیں جن کا حال دنیا سے مخفی نہیں لیکن افسوس بہتیروں کی آنکھیں ابتک اس نورِ صداقت سے اندھی ہیں اور نہیں دیکھ سکتیں +

(۱۰) یسعیاہ باب ۲۲ آیت ۷ میں ہے" اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک گدھے کا سوار تھا اور دوسرا اونٹ کا" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یسعیاہ نبی نے ایک حضرت عیسٰے کے آنے کی خبر دی جس کی سواری گدھے کی تھی۔ اور ایک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی جن کی سواری اونٹ کی تھی۔ واضح ہو کہ اس آیت کا ترجمہ اردو انجیل میں غلط کیا گیا ہے۔ وہاں بجائے واحد کے جمع کا استعمال کیا گیا ہے۔ ہم نے یہاں اصل عبرانی سے ترجمہ کیا ہے +

(۱۱) انجیل لوقا کے باب ۲۴ آیت ۴۹ میں ہے" اور دیکھو میں اپنے باپ کے اُس موعود کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ لیکن جب تک تم عالم بالا کی قوت سے ملتبس نہ ہو یروشلم شہر میں ٹھہرو" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے نے کہا۔ کہ میرے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور نبی جس کا وعدہ دیا گیا ہے آنے والا ہے۔ تب تک یروشلم میں قیام رکھو یعنے شریعت سابقہ پر عمل کرو۔ اور اُس بیت المقدس کو اپنا قبلہ قایم رکھو +

اسی کی تصدیق انجیل یوحنا سے یوں ہوتی ہے۔ دیکھو باب ۱۴۔ آیت ۳۰۔ جس میں لکھا ہے" بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کرونگا۔ اِس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے۔

اور مجھ میں اُس کی کوئی چیز نہیں"۔ اس آیت سے کیسی صاف اور بین دلیل موجود ہے اور کس پر مخفی ہے کہ اس جہان کا سردار بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہوا اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ جو جو صفات کمالیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھیں وہ مسیح میں کہاں تھیں +

پھر اس انجیل کے باب ۱۵ آیت ۲۶ میں ہے" پھر جبکہ وہ تسلی دینے والا جس سے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی روح حق جو باپ سے نکلتی ہے آوے تو وہ میرے لئے گواہی دیگی"۔ اس آیت سے بھی بتصریح ظاہر ہے کہ دنیا میں ایک ہی تسلی دینے والا آیا وہ کون وہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بلاشک روح حق تھے اور اُنہوں نے آن کر گواہی دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ناصری پیغمبر اور خدا کے رسل تھے خدا کے پیارے تھے اور وہ صلیب پر نہیں مرے۔ جس سے وہ لعنتی قرار پاتے بلکہ اُن کا رفع ہوا۔ اور مثل دیگر انبیاء کے طبعی موت سے مر کر خدا کے مقرب ہوئے۔ اور حضرت یحییٰ کے ساتھ اُن کو جگہ دی گئی +

پھر انجیل یوحنا باب ۱۲ آیت ۳۱ میں ہے "اب اس دُنیا پر حکم ہوتا ہے۔ اب اس دنیا کا سردار نکال دیا جائیگا" +

پھر اسی انجیل کے باب ۱۶۔ آیت ۱۱-۱۴ میں ہے" عدالت سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں۔ پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آویگی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتاویگی۔ اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی۔ لیکن جو کچھ وہ سُنیگی سو کہیگی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگی۔ وہ میری بزرگی کریگی" +

ان سب آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون سردار ہوا۔ اور کس نے صراط مستقیم کی طرف خلق اللہ کو راہ نما کیا اور کس نے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کا ثبوت دیا۔ اور وہ کون ہے کہ جس نے بلا وحی کوئی کام کیا ہو اور کس نے قیامت تک کی خبریں دی ہیں کہ جن کا ظہور اب تک ہو رہا ہے اور کس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بزرگی ظاہر کی یہ وہی جہان کے سردار ہیں جن کے بعد آسمانی

بادشاہت کا خاتمہ ہوگیا - اور ساری سرداری کی فضیلت اُسی ذات بابرکات پر ختم ہوگئی جن کا نام مبارک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے +

(۱۲) یوحنا باب ۱ - میں ہے - " بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں - تب انہوں نے اُس سے پوچھا تو اور کون ہے - کیا تو الیاس ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں - پس آیا تو وہ نبی ہے اُس نے جواب دیا نہیں " اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو تین نبیوں کی انتظار تھی - ایک عیسے - ایک الیاس اور ایک اُس نبی کی جس کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اشارہ کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسا عظیم الشان نبی اور وہ بھی ایسا معروف و مشہور کہ صرف اشارہ ہی کافی خیال کیا گیا - اور ظاہر ہے کہ کتاب استثنا کے باب ۱۸ آیت ۱۵ میں بنی اسرائیل کو ایک وعدہ دیا گیا تھا کہ میں موسیٰ کی طرح ایک نبی تمہارے بھائیوں میں سے کھڑا کرونگا - اُسی وعدہ کی بنا پر صرف یہی کہدیا گیا کہ کیا تو وہ نبی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسی نبی کے بڑے مشتاق و منتظر تھے جسکا وعدہ کتاب استثنا میں دیا گیا تھا +

(۱۳) دانیال کی کتاب کے باب ۲ - آیت ۴۴ میں ہے " اور اُن بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کریگا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور وہ سلطنت دوسری قوم کے قبضہ میں نہ پڑیگی - وہ اُن سب مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کریگی - اور وہی تا ابد قایم رہیگی " اس آیت میں بھی نبی آخر الزمان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے اور بخوبی ظاہر ہے کہ آسمانی سلطنت ہمیشہ کے لئے یعنے قیامت تک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اور اور جس قدر شرائع تھیں وہ سب اُٹھا دی گئیں اور جس قدر اُن دنوں میں زمینی سلطنتیں تھیں وہ بھی نیست و نابود کردی گئیں - کہاں ہیں کیانیوں کی سلطنت اور کدھر ہے رومیوں کی حکومت سب کی سب منہدم ہوگئیں اور اب اسلام ہی کا پھریرا اُن ممالک میں لہلہا رہا ہے + کیا ہم توریت و انجیل سے بطور شہادت لے سکتے ہیں

اس جگہ اس امر کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے کہ آیا ہم توریت اور انجیل سے کسی شہادت کے لینے کے لئے مجاز بھی ہیں کہ نہیں کیونکہ آجکل کے علماء اکثر یہی کہدیا کرتے ہیں کہ یہ کتابیں محرّف و مبدّل ہیں اور نیز حدیث میں آیا ہے وَلَا تُصَدِّقُوا وَلَا تُكَذِّبُوا کہ نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو - اس لئے اِن کتابوں میں سے کچھ پیش کرنا حرام

ہے۔ ہمارے نزدیک ان علماء کی سراسر غلطی یا کم عقلی ہے۔ قرآن کریم اور دیگر احادیث اُن کے اِس قول کی تکذیب کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اے کفار مکہ اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کرو۔ اگر ممانعت ہوتی تو اللہ تعالٰی یہود یوں اور نصاریٰ کی طرف کیوں اشارہ کرتا۔ اور وَلَا تُصَدِّقُوْا وَلَا تُکَذِّبُوْا کی روایت جو وہ پیش کرتے ہیں اُس کے معنے نہیں جانتے۔ اُس سے کہاں ممانعت ثابت ہوتی ہے بلکہ اُس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تم جو باتیں قرآن کریم کے مخالف اُن کی کتابوں میں پاؤ۔ اُس کی تصدیق نہ کرو اور جو قرآن کریم کے مطابق دیکھو اُس کی تکذیب نہ کرو۔ اِس سے اجازت ثابت ہوتی ہے نہ کہ ممانعت ہم ذیل میں چند احادیث پیش کرتے ہیں۔ جن سے صریح اجازت پائی جاتی ہے +

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ اَنَّہٗ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ قَرَأْتُ الْقُرْاٰنَ وَالتَّوْرٰیۃَ فَقَالَ اِقْرَأْ بِھٰذَا اللَّیْلَۃَ وَبِھٰذَا اللَّیْلَۃَ رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرَ +

ابن عساکر عبد اللہ بن سلام سے روایت کرتا ہے کہ عبد اللہ بن سلام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نے قرآن مجید و توریت شریف پڑھی ہیں میرے لئے کیا حکم ہے فرمایا کہ ایک رات اسکو (قرآن کریم) اور ایک رات اسکو (توریت شریف) پڑھا کرو۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۶۰ +

(۲) بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَلَا حَرَجَ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالْبُخَارِیُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبُوْدَاؤُدَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ +

احمد بن حنبلؒ اور نسائی اور امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے اور ابو داؤد نے ابو سعید سے اور احمد بن حنبلؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے خواہ ایک ہی آیت ہو لوگوں کو پہنچا دو اور بنی اسرائیل سے بھی روایت بیان کرو کوئی حرج نہیں۔ جس شخص نے میری نسبت عمداً جھوٹ بولا۔ اُس نے اپنی جگہ دوزخ میں بنا لی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۱ +

(۱۳) انجیل یوحنا کے پُرانے نسخوں میں لکھا ہے کہ "میں یہ باتیں تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے تم سے کہیں۔ لیکن پیر یکلیطاس پاک روح جس کو خدا بھیجیگا" اس عبارت میں اصل

لفظ عبرانی فارقلیط کو بگاڑ کر پیرکلیطاس بنایا گیا ہے جس کے معنی احمد کے تھے مگر حال کی انجیلوں میں اس کو بھی اڑا کر اس کی جگہ لفظ تسلی دینے والا درج کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی خدا تعالیٰ نے قول ذیل نقل فرما کر فارقلیط کی تصدیق کر دی ہے اور وہ حسب ذیل ہے:۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورہ صف رکوع ۱)

جب مریم کے بیٹے عیسےٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول کر کے بھیجا گیا ہوں۔ اور جو کچھ تمہارے پاس توریت سے ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہوں اور تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک نبی آئیگا۔ جس کا نام احمد ہوگا۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ بموجب فرمانے حضرت عیسیٰ کے ایک نبی آیا جس کا نام احمد بھی اور محمدؐ بھی تھا۔ گو عبرانی زبان میں فارقلیط نام رکھا گیا تھا لیکن احمد اور فارقلیط کے ایک ہی معنی ہیں اور کچھ فرق نہیں۔ مگر ظاہر میں انسان ضرور دھوکا کھا سکتا ہے کہ نام تو جو والدین نے رکھا تھا وہ محمدؐ تھا اور مسیح نے احمد نام کی خبر دی تھی جیسے کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے مگر انجیلوں میں احمد بھی نہیں بلکہ فارقلیط کے نام کی خبر دی گئی ہے۔ احمد کیونکر فارقلیط ہو سکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ یہ نام صفاتی ہیں اور محمدؐ اور احمد لفظ حمد سے نکلے ہیں۔ جس کے معنے حکومت کے بھی ہیں یعنے وہ بڑی حکومت کرنیوالا اور فیصلہ ناطق دینے والا ہوگا۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے فیصلے بھی کئے اور حکومت بھی کی اور اسی طرح انجیل کے دیگر مقامات سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ جہان کا سردار اور حاکم ہوگا۔ جس نے اس باب میں مفصل بحث دیکھنی ہو تو وہ علامہ نورالدین حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام کی کتاب فصل الخطاب دیکھے۔

قرآن کریم کی پیشگوئیاں

کتب عہد عتیق کی چند ایک پیشگوئیاں پیش خدمت ناظرین کر چکے ہیں۔ اب ہم قرآن کریم اور احادیث کی چند مختلف پیشگوئیاں بطور نمونہ لکھتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والے کو بخوبی روشن ہو جائے

کہ پیشگویوں میں اللہ تعالیٰ کی کیا سُنت ہے۔ اور انبیاء کی کلام کے الفاظ ان پیشگویوں کے متعلق کیا کیا ہوتے ہیں +

(الف) سو واضح ہو کہ سورہ دخان رکوع اول میں آیا ہے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ یعنی اے رسول تو اُس دن کا انتظار کر جبکہ آسمان سے دھواں آئیگا۔ اور لوگوں کو گھیر لیگا۔ یہ ایک درد دینے والا عذاب ہوگا۔ اس آیت میں لفظ دخان قابل غور ہے۔ لغت عرب کھول کر دیکھ لو اس کے معنی بجز دھوئیں کے اور نہیں لیکن جب مُلک عرب پر قحط شدید محیط ہو گیا۔ یہانتک کہ لوگ مُردوں کی ہڈیوں تک پیس کر کھا گئے تو تمام اہل عرب چلّا اُٹھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ قحط وہی دخان مبین ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا +

(ب) (۱) بعض دفعہ پیشگوئی صاف بھی ہوتی ہے اور نبی صاف طور سے خلق اللہ پر ظاہر بھی کر دیتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی مصلحت سے جس کی اطلاع ہی کو نہیں ہوتی۔ اُس پیشگوئی کی ظاہری صورت کو اور طرح بدل دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں حضرت یونسؑ کا ذکر یوں آیا ہے وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اور ذو النون یعنے یونس کی طرف غور کرو کہ اُن سے بتقاضائے بشریت کیا حرکت سرزد ہوئی کہ وہ غصے ہو کر چل کھڑے ہوئے اور اُس نے گمان کر لیا کہ ہم عذاب لانے پر قادر نہیں۔ آخر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اندھیرے میں پکار اُٹھے کہ معبود حقیقی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اے اللہ تو ہی پاک ذات ہے۔ میں تو غلط کاروں میں سے تھا۔ اس کی تفصیل توریت شریف سے یوں ہوتی ہے۔ دیکھو کتاب یونہ نبی باب ۳ جس میں لکھا ہے "اور خداوند کا کلام دوسری بار یونہ (یونس) کو پہنچا اور اُس نے کہا کہ اُٹھ اُس بڑے شہر نینوہ کو جا۔ اور وہاں اس بات کی منادی کر جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں۔ تب یونہ خداوند کے کلام کے مطابق اُٹھکر نینوہ کو گیا۔ اور نینوہ خدا کے سامنے ایک بڑا شہر تھا کہ جس کے گرداگرد احاطے تین دن کی راہ کے تھے اور یونہ شہر میں داخل ہونے لگا اور ایک دن کی راہ کے بعد تبلیغ احکام شروع کر دی اور انذار کر دیا کہ ۴۰ دن میں نینوہ برباد کیا جاویگا"۔ اِن آیات سے صاف ظاہر ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو وحی کی کہ نینوہ کے باشندوں کو جا کر انذار کر۔ کہ تم پر ۴۰ روز میں عذاب نازل ہوگا۔ مگر ۴۰ روز گذر گئے اور کوئی عذاب نازل نہ ہوا۔ اور نہ اس بارہ میں انکو کوئی وحی ہوئی۔ جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ قرآن میں یوں کرتا ہے۔ فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ط لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ۔ یعنی کیوں کوئی بستی ایمان نہ لے آئی کہ ایمان کا لے آنا۔ اُس کو فائدہ مند پڑتا۔ مگر یونس کی قوم ہی ایک ایسی قوم تھی کہ جب وہ ایمان لائی تو ہم نے ذلت اور رسوائی کا عذاب اُن سے ٹال دیا اور ایک مدت تک دُنیا میں اُن کو زندہ رہنے دیا۔ دیکھو سورہ یونس رکوع ۱۰۔

اب ہم اسی عذاب کے ٹلنے کی کیفیت توریت شریف سے دکھلاتے ہیں۔ چنانچہ توریت شریف کی آیات ذیل سے معلوم ہو جائیگا کہ کیونکر عذاب ٹلا۔

"تب نینوہ کے باشندوں نے خدا پر اعتقاد کیا اور روزہ کی منادی کی اور سب نے چھوٹے سے بڑے تک ٹاٹ پہنا۔ اور یہ خبر نینوہ کے بادشاہ کو پہنچی اور وہ اپنے تخت پر سے اُٹھا اور بادشاہی لباس کو اُتار ڈالا اور ٹاٹ اوڑھکر راکھ پر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہ اور اُس کے ارکان دولت کے فرمان سے ایک اشتہار نینوہ میں جاری کیا گیا۔ اور اس بات کی منادی ہوئی کہ کوئی انسان ہو یا حیوان گلہ ہو یا رمہ کوئی چیز ہو مطلق نہ چکھے اور نہ کھاوے اور نہ پانی پیوے۔ لیکن انسان اور حیوان ٹاٹ پہن لیں اور خدا کے حضور میں شدت سے نالہ وزاری کریں۔ بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی بُری راہ سے اور اپنے اپنے ظلم سے جو اُن کے ہاتھوں میں ہے باز آویں۔ شاید کہ خدا پھرے۔ اور توبہ قبول کرے اور اپنے قہر شدید سے باز آوے تاکہ ہم لوگ ہلاک نہ ہوں۔ اور خدا نے اُن کے کاموں کو دیکھا کہ وے اپنی اپنی بُری راہ سے باز آئے۔ تب خدا نے اُس عذاب سے جسکا اُس نے وعدہ کیا تھا۔ باز آیا اور اسی طرح عذاب ٹل گیا۔ پھر یُونہ اُس سے نہایت ناخوش ہوا اور بہت رنجیدہ ہو گیا۔ اور اُس نے خداوند کے آگے عرض کی کہ اے خداوند میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ میرا مقولہ نہ تھا۔ جس وقت میں ہنوز اپنے وطن میں تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تو کریم رحیم خدا ہی جو غصہ کرنے میں دھیما ہے۔ اور نہایت مہربان ہے اور توبہ قبول کرکے عذاب سے باز رہتا ہے۔ اب اے

خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ میری جان کو مجھ سے لے کیونکہ میرا مرنا میرے جینے سے بہتر ہے" ان آیات متذکرہ بالا سے صاف واضح ہے کہ باوجودیکہ حضرت یونس نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کردی تھی کہ اگر میں نے اس عذاب کو اُن لوگوں پر ظاہر کردیا اور وہ تائب ہوگئے تو تو عذاب کو ٹال دیگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کو کچھ جواب نہ دیا۔ اور اُنہوں نے یہی سمجھ کر کہ عذاب ضرور نازل ہوگا اور چالیس روز میں نازل ہوگا۔ اور یہ کہکر آپ معہ بیوی بچوّں کے باہر چلے گئے اور اس انذار میں رجوع الی اللہ کی شرط بھی نہیں لگائی تھی مگر ادھر یہ لوگ عذاب سے ڈر کر سرکشی سے باز آئے اور ایسے تائب ہوئے جس کی نظیر تلاش کرنی چاہیں تو نہیں ملیگی۔ غرض اُن کی اس طرح کی توبہ سے عذاب ٹل گیا۔ اُدھر حضرت یونس ناراض ہوگئے کہ میری بات جھوٹی گئی۔ اب یوں لوگوں میں رہنا عار ہے۔ بلکہ بے بس ہوکر پکار اُٹھے کہ میرا مرنا جینے سے بہتر ہے۔ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مصلحت سے اصلیت واقعہ پر نبی کو بھی آگاہ نہیں کرتا +

ب (۲) ہم یہاں پر عذاب کے ٹل جانے کی ایک اور مثال بیان کرتے ہیں تاکہ ناواقف مسلمانوں کو پُورا علم ہوجائے۔ کہ عذاب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی کیا سنت ہے +

کتاب ۲۔ تواریخ باب ۱۲ ورس ۵ لغایت ۱۰ میں لکھا ہے "تب سمعیاہ نبی رحبعام کے پاس اور یہودہ کے امیروں کے پاس جو سیسق کے ڈر کے مارے یروشلم میں جمع ہوئے تھے آیا اور انہیں کہا۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تم نے مجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے میں نے تمہیں بھی سیسق کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اسرائیل کے امیروں اور بادشاہ نے اپنے تئیں عاجز بنایا۔ اور کہا کہ خداوند صادق ہے۔ اور جب خداوند نے دیکھا کہ وے عاجز ہوئے ہیں۔ تو خداوند کا کلام سمعیاہ پاس آیا اور کہا کہ انہوں نے عاجزی کی ہے۔ سو میں اُنہیں ہلاک نہیں کرونگا۔ بلکہ تھوڑی دیر میں اُنہیں رہائی دونگا۔ اور میرا غضب سیسق کے ہاتھ سے یروشلم پر نازل نہ ہوگا۔ دیکھو توریت صفحہ مندرجہ بالا +

(ج) ایسا ہی قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بعض دفعہ منکروں اور کافروں کے رجوع لانے پر خواہ وہ رجوع عارضی ہی کیوں نہ ہو عذاب ٹال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۂ دخان کی آیات ذیل سے اس کی پُوری تصدیق ہوتی ہے +

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۔ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُ الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ +

اُس دِن کا انتظار کر جبکہ آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہوا اور وہ دھواں لوگوں کو گھیر لیگا۔ یہی دردناک عذاب ہوگا تو تنگ آکر یہ دُعا مانگینگے۔ اے ہمارے رب یہ عذاب ہم سے اُٹھا لے ہم ایمان لے آئے لیکن اس سے اُن کو کیا عبرت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اُن کے پاس ایک ایسا رسول آیا جو کھول کھول کر اُن کو سُناتا تھا مگر پھر بھی یہ لوگ اُس سے روگردان ہو گئے اور لگے کہنے کہ یہ تو سیکھا سکھلایا مجنون ہے۔ ہم تو تمہارے اس عارضی رجوع پر بھی عذاب تھوڑے عرصہ کے لئے تم سے ہٹا لینگے مگر تم تو اپنے کفر پر جو وہی کروگے۔ دیکھو سورہ دخان رکوع ۱ +

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ بعض دفعہ اُن لوگوں کی منافقانہ دعاؤں پر بھی عذاب کو کچھ عرصہ کے لئے ٹال دیتا ہے تاکہ اُن پر حجت پوری ہو جائے اور اُن پر روشن ہو جائے کہ اُن کی عاجزانہ دعاؤں پر شنوائی ہو جاتی ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ چڑچڑا نہیں ہے کہ لوگ کتنے ہی سر پٹخیں اور روئیں اور چلائیں وہ اپنی ضد اور ہٹ پر جما رہے۔ ہرگز نہیں وہ ادنےٰ سے رجوع پر بھی رجوع برحمت فرماتا ہے +

(د) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی خبر دی کہ غزوہ خندق کی تیاری کرو۔ میں تمہیں فتح عظیم دونگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب فرمان الٰہی جنگ کی تیاری کر دی۔ اور روانہ ہو گئے وہاں جاکر دیکھا کہ کفار ۱۲۰۰۰ ہزار فوج جرار لئے موجود ہیں ادھر مسلمان صرف تین ہزار تھے مدینہ کے باہر مقابلہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرداگرد ایک خندق کھدوائی۔ کفار کی فوج کثیر کو دیکھکر مسلمان گھبرا گئے۔ کیونکہ برخلاف امید ایک ماہ سے زیادہ اس لڑائی میں طول کھنچا اور تمام رسد وغیرہ ختم ہو گیا اور سخت تکلیفوں کا سامنا ہوا۔ گھوڑوں تک کھا گئے اور درختوں کے پتے کھانے تک نوبت پہنچی اور ایک نہایت ہی سخت ابتلا مسلمانوں پر آیا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اس سین کا فوٹو یوں کھینچتا ہے +

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝	جب کافروں کی فوجیں اوپر اور نیچے سے تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور نوبت یہانتک پہنچی کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے۔ اور اُس وقت تم لوگ اللہ تعالیٰ پر کیسے کیسے گمان کرنے لگے۔ یہ ایسا موقع تھا کہ ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہی زلزلائے گئے۔ اور منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں پوشیدہ طور سے

ضعف ایمان کا مرض تھا چلا اُٹھے۔ کہ اللہ اور اُس کے رسول کا وعدہ جو تم سے تھا وہ محض ایک دھوکا ہی تھا +

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے فتح کا وعدہ سُنایا تھا۔ اِدھر مسلمانوں کی حالت یہانتک پہنچی کہ بہت سے جلد باز کمزور دل اور منافق طبع لوگوں کو کہنا پڑا کہ جو وعدے دئے گئے تھے وہ سب جھوٹے تھے یہ مسلمانوں پر کیسا خطرناک ابتلا تھا مگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا وعدہ تو سچّا تھا۔ اور انجام کار فتح بھی ہوئی لیکن بسا اوقات جلد باز انجام پر نظر نہ کر کے بہت ہی جلد کسی پیش آمدہ تکلیف سے نتیجہ نکال لیتا ہے کہ بس جو ہونا تھا سو ہو لیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ لوگ جلد بازی سے بہت سے پیشگویوں سے انکار کر بیٹھتے ہیں

(۵) سورۃ الفتح کے رکوع چہارم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے +

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝	یعنے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور اُس خواب کا مضمون یہ تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ سر منڈوانے اور بال کتروانے ہوئے بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ گے اور تم اُس

بات پر آگاہ کئے گئے جسکا علم تم کو نہیں تھا۔ اور پھر اُس کے ساتھ ہی ایک قریب کی فتح اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کی +

اس آیت کا نزول شان صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے اور وہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ میں مع اپنے اصحاب کے مکّہ معظمہ میں با امن بلا کسی خوف وخطر کے داخل ہوا اور حج کیا اور سر منڈوائے اور بال کتروائے۔ جب یہ خواب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنی تو بہت ہی خوش ہوئے اور فوراً اسی امید پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکّہ معظمہ کو چل پڑے رستہ میں حدیبیہ کے مقام پر کفار مکّہ کی طرف سے آگے بڑھنے سے روک دئے گئے بلکہ جو شرائط مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکّہ کے قائم ہوئیں۔ وہ بظاہر مسلمانوں کے لئے مضر تھیں اس پر بہت سے لوگ ناراض ہو گئے۔ اور بعض تو اُس خواب کی سچائی پر شک لائے اور حضرت عمر جیسے بہادر اور مضبوط دل انسان کو بھی ایک طرح کا تردد پیدا ہوا اور اُنہوں نے بھی سوال کیا کہ کیا آپ رسول اللہ نہیں ہیں کہ ایسی دبکر شرائط قبول کرتے ہیں۔ اور کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ حج با امن ہو گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کب کہا تھا کہ اس سال ہی حج ہو گی۔ چنانچہ دوسرے سال فتح عظیم ہوئی اور حج بھی اُسی طرح ہوا جس طرح خواب میں دکھلایا گیا تھا پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض اوقات انبیا سے بھی فہم پیشگوئی میں غلطی لگ جایا کرتی ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہی کیوں ہوتے +

بعض وقت رویا و مکاشفات و وحی انبیا میں بعض حالات تو عین اُسی طرح واقعہ ہوتے ہیں جیسے دیکھے جاتے ہیں اور بعض دفعہ ظاہر الفاظ کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ اُس کے اور معنے ہوتے ہیں جس کو تاویل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور فی الحقیقت وہی اُس کے اصلی معنے ہوتے ہیں کیونکہ تاویل کے معنے ہی حقیقت اصلی کے ہیں نہ کہ ایسے معنے جو مصنوعی ہوں جیسے عام لوگوں کا خیال ہے۔ ورنہ اگر تاویل بُرے معنوں میں مستعمل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُس کو انعامات میں شمار نہ کرتا چنانچہ قرآن شریف میں حضرت یوسُف کے بارہ میں منجملہ انعامات اُس کو بھی ایک انعام اور احسان کی ذیل میں ظاہر کیا ہے۔ دیکھو سورہ یوسف رکوع ۳ جس میں فرمایا ہے +

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِى الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ	یعنے اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں مسلط کر دیا اور ہم ہی نے اُسکو

تاویل الاحادیث یعنی ہر بات کی حقیقت سکھلا دی تھی۔ اور جب تمام حالات ہو چکے اور ماں

باپ اور بھائی اُن کے پاس آ گئے تو حضرت یوسف نے بطور شکر فرمایا هٰذَا تَاوِيْلُ رُءْيَايَ یہ میرے رویا کی حقیقت ہے دیکھو سورۂ یوسف۔ ایسا ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول اللہ تعالیٰ نقل کرتا ہے وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ یعنی اس طرح تیرا رب تجھ کو چن لیگا۔ اور تجھکو تاویل الاحادیث سکھلاویگا اور اپنی نعمت تم پر پوری کریگا۔ پھر اس سورہ کے رکوع ۶ میں ہے اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاوِيْلِهٖ یعنی میں اُس کی اصلی حقیقت پر آپ کو آگاہ کرونگا۔ پس بخوبی عیاں ہو کہ تاویل کا لفظ بُرے معنوں میں نہیں آتا۔ بلکہ عمدہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اب میں اول قرآنی رویا کا ذکر کرتا ہوں۔ اور بعدہٗ احادیث میں جن جن مکاشفات و رویا کا ذکر آیا ہے۔ اُن کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرونگا۔ کیونکہ اس زمانہ کے لوگ عموماً اور مسلمان خصوصاً اس علم سے بے بہرہ ہیں۔ اور اسی واسطے وہ بعض بزرگوں کے رویا والہام وغیرہ پر اعتراض کر دیتے ہیں +

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ تو اپنے بیٹے کو ذبح کر۔ آخر اُنہوں نے حکم الٰہی سمجھکر حضرت اسمٰعیل کو اس واقعہ کی خبر دی يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب بتا و تمہاری کیا مرضی ہے۔ اسپر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بلا کسی عذر کے فرمایا يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ کہ اے میرے باپ جو حکم آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اُس کو آپ بلا دریغ بجا لائیے۔ مجھ کو آپ ضرور صابر ہی پائینگے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کو گرا کر اُس کی گردن پر چھری چلانی شروع کی تو ربُّ العزۃ نے فرمایا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا۔ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچّا کر دکھایا۔ اور جو کچھ آپ کو کہا گیا آپ نے اُس کی تعمیل ہو بہو کر دی۔ دیکھو سیپارہ ۲۳۔ سورۂ صٰفٰت رکوع ۳ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رویا بھی قابلِ تعمیل اور قابلِ حجّت ہے۔ اگر رویا یونہی بے حقیقت بات ہوتی تو حضرت ابراہیم جیسے جلیل القدر نبی کیوں اُس پر عمل کرتے اور رب العرش کیوں اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے۔ دوسری بات اِس سے یہ نکلتی ہے کہ اُنہوں نے ظاہر پر عمل کیا اگر حقیقت سے بیخبر رہے کیونکہ اس سے مراد ایک جانور کی قربانی تھی جس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض اوقات انبیاء کو بھی فہم میں غلطی لگجاتی ہے

(۳) بعض رویا میں کچھ حصہ تو عین اُسی صورت میں ظہور پاتا ہے۔ جیسا دیکھا جاتا ہے اور کچھ حصہ کے باطنی معنے ہوتے ہیں جیسے کہ ذیل کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے دیکھو قرآن شریف سیپارہ ۱۲ سورہ یوسف رکوع اول جس میں لکھا ہے اِذْ قَالَ یُوسُفُ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے باپ میں نے دیکھا کہ گیارہ ستارے۔ سورج اور چاند میرا سجدہ کرتے ہیں۔ اب اگر لغت عرب جو علم ادب کے لیے مخصوص ہے اُس کو کھول کر دیکھا جاوے تو کوکب اور شمس اور قمر کے معنی بجز اجرام سماوی کے جن کو شب و روز دیکھتے ہیں اور کوئی معنے ثابت نہیں ہوتے لیکن کوئی شخص ثابت نہیں کر سکتا کہ کبھی بھی سورج یا چاند یا ستاروں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا ہو بلکہ اس قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ان گیارہ ستاروں سے اُن کے گیارہ بھائی مراد تھے اور شمس سے باپ اور قمر سے ماں مراد تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ یوسف کے رکوع ۱۱ میں یوں فرماتا ہے :۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۝ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ

یعنے جب وہ سب کے سب بھائی مع اپنے والدین کے یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور فرمایا کہ بمشیت ایزدی آپ مصر میں امن کے ساتھ داخل ہوں اور پھر یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب کے سب حضرت یوسف کے آگے سجدے میں گر گئے۔ جس پر حضرت یوسف بول اُٹھے یہ میرے اُس رویا کی اصل حقیقت ہے جو میں پہلے عرض خدمت کر چکا ہوں میرے رب میرے محسن حقیقی نے اُس کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ بعض الفاظ کے معنے ظاہر کے خلاف باطنی معنے لئے گئے ہیں۔ جیسے کوکب۔ شمس۔ قمر۔ اور بعض کے ظاہر حالت میں جیسے لفظ سٰجِدِیْنَ سے ظاہر ہے یعنی سجدہ اُسی طرح و نوع میں آیا جس طرح رویا میں دیکھا تھا۔

اب ہم یہ بھی دکھانا چاہتے ہیں کہ رویا اور کشف میں بعض چیزیں فی الحقیقت بڑی ہوتی ہیں۔ اور اُن کو چھوٹا دکھایا جاتا ہے۔ اور بعض تعداد میں قلیل ہوتی ہیں۔ اُن کو تعداد میں کثیر

دکھایا جاتا ہے۔ اس کی تصدیق دسویں سیپارہ کے رکوع اول سے یوں ہوتی ہے اِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ۔ یعنے یاد کرو اُس وقت کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو تمہاری نظروں میں بحالت خواب تھوڑا دکھلایا۔ اور اگر تم کو بہت دکھلاتا تو تمہارے چھکے چھوٹ جاتے۔ اور اسی رکوع میں تھوڑا آگے یوں آیا ہے وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۝ اور جب باہمی مقابلہ کے وقت کفار کی فوج کو تمہاری آنکھوں میں اور تم کو اُن کی آنکھوں میں تھوڑا دکھلایا تاکہ اللہ تعالیٰ اُس کام کا فیصلہ کر دے جس کے کرنے کا اُس نے ارادہ کر لیا تھا۔ اور اُس میں یہ سر تھا کہ مسلمان کثیر التعداد فوجوں کو دیکھکر بیدل نہ ہو جائیں۔ اور کفار کو صحابہ کی فوج اسواسطے تھوڑی دکھلائی کہ وہ یہ دیکھکر کہ مسلمان تو بہت تھوڑے سے ہیں ہماری ساری فوج کو جانے کی ضرورت نہیں۔ اس بنا پر وہ تھوڑی فوج لیکر مسلمانوں پر بڑھے اور جب قریب ہوئے تو برخلاف امید مسلمانوں کو زیادہ پاکر بیدل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب کفار کی رزرو* فوج نے یہ حالت دیکھی۔ تو وہ بھی مرعوب ہو کر بے بس ہو گئی۔ اور اس طرح مسلمان مظفر و منصور ہو گئے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایک کو بہت اور بہت کو تھوڑا دکھا سکتا ہے۔ حالانکہ واقع میں وہ کم ہوں یا زیادہ۔

ایسا ہی سورۂ یوسف کے رکوع ۲ میں ہے:۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ	مصر کے بادشاہ نے ارکان سلطنت کو بلا کر کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات دُبلی پتلی گائیں سات موٹی تازی گائیوں کو کھا رہی

ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ سات ہری ہری بالیں ہیں اور سات ہی سوکھی ہیں۔ اس کی تعبیر بیان کرو کہ کیا ہے۔ اُن میں سے ایک بھی اُس کی تعبیر بیان نہ کر سکا تو بالآخر اُن میں سے ایک حضرت یوسف کے پاس گیا۔ اور جا کر پوچھا کہ بتاؤ اس کی کیا تعبیر ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے ہاں اِس مُلک میں سات سال تک خوب زراعت ہوگی۔ چاہئے کہ جو کچھ کاٹو اُس میں سے تھوڑا خرچ کرو۔ اور باقی محفوظ رکھو۔ کیونکہ اُن کے بعد سات سال تک قحط شدید برپا ہوگا جس میں وہی پہلا جمع کیا ہوا ذخیرہ کام آئیگا۔ ان آیات میں الفاظ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ

* رزرو یہ انگریزی لفظ ہے اسکے معنے باقی فوج

اور سَبعٌ عِجَافٌ اور سَبعَ سُنبُلٰتٍ قابل غور ہیں سَبعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ سے تو سات سال ارزانی کے مراد لئے گئے ہیں اور سَبعَ بَقَرَاتٍ عِجَافٌ سے سات سال قحط کے اور سَبعَ سُنبُلٰتٍ کے کل ملکِ مصر کی سات سالہ زراعت مراد لی گئی ہے۔ جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ بظاہر کچھ اور الفاظ ہیں اور فی الواقعہ مراد اُن سے کچھ اور لی گئی ہے۔ اور دوسری یہ بات کہ بادشاہ کو کل پیداوار ملکِ مصر صرف سات بالوں کی صورت میں دکھلائی گئی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بظاہر تھوڑا دکھلا کر ایک لا انتہا تعداد مراد لیتا ہے +

اب ہم نمونہ کے طور پر چند ایک رویا و مکاشفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیا کی کلام میں کیا دقیق در دقیق اسرار مخفی ہوتے ہیں +

(۱) کتاب مُسندِ امام احمد بن حنبلؒ اور بیہقی اور نسائی میں بروایت حضرت عبد اللہ ابن عمر یہ حدیث آئی ہے +

بَینَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ اُتِیتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبتُ مِنهُ حَتّٰی لَاَرَی الرِّیَّ یَجرِی فِی اَظفَارِی ثُمَّ اَعطَیتُ فَضلِی عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ قَالُوا فَمَا اَوَّلتَهٗ یَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ العِلمَ	رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں جب میں سویا ہوا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دودھ کا پیالہ میرے سامنے آیا ہے میں نے اُس کو پی لیا اور یہانتک سیر ہوا کہ پاؤں تک اُس کی دھار بہنے لگی۔

پھر میں نے اُس کا بقیہ عمر بن خطاب کو دیدیا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کی کیا تاویل ہے فرمایا کہ لبن سے مراد علم ہے اس جگہ لبن کی تاویل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم بتائی۔ حالانکہ لغت عرب میں لبن کے معنے دودھ کے ہیں دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۵ +

(۲) ایسا ہی مسند امام احمد بن حنبلؒ اور بیہقی اور ترمذی اور نسائی میں بروایت ابو سعید یوں آیا ہے

بَینَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیتُ النَّاسَ یُعرَضُونَ عَلَیَّ وَعَلَیهِم قُمُصٌ مِنهَا مَا یَبلُغُ الثُّدِیَّ وَمِنهَا مَا یَبلُغُ اَسفَلَ مِن ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بنُ الخَطَّابِ وَعَلَیهِ قَمِیصٌ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جب میں خواب استراحت میں تھا تو دیکھا کہ میرے سامنے لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور اُن کے گلے میں قمیص ہیں بعض کے قمیص

بَجُرُّہٗ قَالَ فَمَا اَوَّلْتَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الدِّیْنَ +

تو چھاتیوں تک اور بعض کے اس سے نیچے اور جب عمر بن خطاب میرے سامنے پیش ہوئے تو کیا دیکھتا ہوں اُن پر ایک قمیص ہے جو زمین پر گھسٹتا چلا جاتا ہے۔ پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کیا مراد ہے۔ تو فرمایا کہ قمیص سے مراد دین ہے۔ حالانکہ اس عالم میں قمیص کے معنے کرتے کے ہیں لیکن عالم رویا میں اُس کے معنے دین کے ہیں دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۵ +

(۳) اسی طرح مسند امام احمد بن حنبلؒ اور طبرانی میں بروایت ابوالطفیل یوں حدیث آئی ہے +

رَاَیْتُ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ کَاَنِّیْ اَنْزِعُ اَرْضًا وَرَدَتْ عَلَیَّ غَنَمٌ سُوْدٌ وَغَنَمٌ عُفْرٌ فَجَاءَ اَبُوْبَکْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوْبًا اَوْ ذَنُوْبَیْنِ وَفِیْھِمَا ضُعْفٌ وَاللّٰہُ یَغْفِرُ لَہٗ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَنَزَعَ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَمَلَاءَ الْحَوْضَ فَاَرْوَی الْوَارِدَۃَ فَلَمْ اَرَ عَبْقَرِیًّا اَحْسَنَ نَزْعًا مِنْ عُمَرَ فَاَوَّلْتُ اَنَّ السُّوْدَ الْعَرَبُ وَاَنَّ الْعُفْرَ الْعَجَمُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ گویا میں زمین کو کھودتا ہوں۔ اور میرے سامنے سیاہ اور خاکی رنگ کی بکریاں پیش کی گئیں اتنے میں ابوبکرؓ آئے اور ایک یا دو ڈول نکالے لیکن اُن میں کمی تھی۔ اللہ اُن کی مغفرت کریگا۔ پھر عمرؓ آئے اور پانی نکالا۔ اور بجائے ڈول کے چڑسہ بن گیا اور اُس نے حوض پُر کر دیا۔ اور اُترے ہوئے قافلہ کو سیر کر دیا۔ اور میں نے پانی کے نکالنے کے لئے عمر سے زیادہ قوی تر نہیں دیکھا۔ بس میں نے کالے سے مراد عرب اور عفر یعنے مٹیالے سے مراد عجم لی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۴ +

(۴) ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں بروایت حضرت عائشہ یہ حدیث بیان کی ہے +

اِنَّ اللّٰہَ مُلْبِسُکَ قَمِیْصًا تُرِیْدُکَ اُمَّتِیْ عَلٰی خَلْعِہٖ فَلَا تَخْلَعْہُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عثمان اللہ تعالیٰ تجھ کو قمیص پہنائیگا۔ لیکن میری امت کے لوگ چاہینگے۔ کہ تو اُسے اُتار ڈالے مگر تم نہ اُتاریو۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۱
اس حدیث کی تاویل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہوتی ہے جو کامل ابن عدی کی کتاب میں ہے وَھُوَ ھٰذَا +

يَا عُثْمَانُ اِنَّكَ سَتُؤْتِي الْخِلَافَةَ مِنْ بَعْدِيْ وَسَيُرِيْدُكَ الْمُنَافِقُوْنَ عَلٰى خَلْعِهَا فَلَا تَخْلَعْهَا وَصُمْ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ تُفْطِرُ عِنْدِيْ +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اے عثمانؓ عنقریب میرے بعد تجھ کو خلافت ملیگی۔ اور منافق چاہینگے۔ کہ تم اُس کو ترک کردو مگر تم ہرگز نہ چھوڑیو۔ اور تم اس روز روزہ رکھیو

اور میرے پاس افطار کریو۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۱۔ اس حدیث میں قمیص کے معنے خلافت کے کئے گئے ہیں +

(۵) نعیم بن حماد نے اپنی کتاب کے باب الفتن میں صفوان بن عمیر سے مرسلاً یہ حدیث بیان کی ہے +

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَعَدَنِيْ فَارِسَ ثُمَّ الرُّوْمَ۔ نِسَاءَهُمْ وَاَبْنَاءَهُمْ وَلَامَتِهِمْ وَكُنُوْزَهُمْ وَاَمَدَّنِيْ بِحِمْيَرَ اَعْوَانًا رَوَاهُ نُعَيْمٌ +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ فارس اور روم اور اُن کی عورتیں اور اُن کے بیٹے اور اُن کی رعایا اور اُن کے خزانے تمہیں دونگا

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فضل کیا کہ قوم حمیر کو میرا مددگار بنایا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۰

یہاں پر نادان اور جلد باز مسلمانوں کو غور کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فارس اور روم کی فتح کا وعدہ دیا تھا۔ مگر یہ بات علماء پر مخفی نہیں کہ فارس اور روم خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فتح نہیں ہوئے۔ بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں مفتوح ہوئے۔ تو کیا اس سے یہ گمان کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی غلط گئی حَاشَا وَكَلَّا بلکہ خلفائے راشدین کے ہاتھ سے مفتوح ہونا اس بات کی گواہی ہے کہ خلفاء کوئی جُدا نہیں تھے۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی خدام تھے اور خدام کے ہاتھ سے مفتوح ہونا خود مخدوم کی فتح سمجھی جاتی ہے پس اگر بعض نشان کسی مامور من اللہ کی حیات میں ظاہر نہ بھی ہوں۔ تو بھی کوئی جائے اعتراض نہیں +

اس امر کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو ابن مندہ و ابونعیم کی کتاب کے باب معرفت اور تاریخ ابن عساکر میں بروایت عبداللہ بن سعد انصاری آئی ہے

وَھُوَ ھٰذَا +

اور وہ یہ ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ اَعْطَانِی فَارِسَ وَنِسَاءَھُمْ وَسِلَاحَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ وَاَعْطَانِی الرُّوْمَ وَنِسَاءَھُمْ وَاَبْنَاءَھُمْ وَسِلَاحَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ وَاَمَدَّنِی بِحِمْیَرَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ملک فارس اور اُس کی عورتیں اور اوزار اور مال عطا کیا۔ ایسا ہی ملک روم اور اُس کی عورتیں اور اُس کے بیٹے اور اُس کے اوزار اور اُس کا مال دیا اور مجھے حمیر سے مدد دی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۲۔

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ میں بروایت حسن یہ حدیث مذکور ہے +

رَاَیْتُ کَاَنَّمَا فِی یَدَیَّ سَوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ فَکَرِھْتُھُمَا فَنَفَخْتُھُمَا فَذَھَبَا کِسْرٰی وَقَیْصَرُ +

یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مینے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں دو کڑے طلائی ہیں۔ مینے اُن کو مکروہ جانکر پھونک سے اُڑا دیا اور ساتھ ہی کسریٰ اور قیصر کا خاتمہ ہوا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۴ +

اس سے ظاہر ہے کہ کسریٰ اور قیصر جو دنیا میں اُس وقت زبردست بادشاہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور دو سنہری کڑوں کے دکھلائے گئے جو دُعا سے ہلاک ہوئے

(۷) ایک روایت میں یوں آیا ہے +

رَاَیْتُ کَاَنِّی فِی دِرْعٍ حَصِیْنٍ وَرَاَیْتُ بَقَرًا تُنْحَرُ فَاَوَّلْتُ اَنَّ الدِّرْعَ الْحَصِیْنَ اَلْمَدِیْنَۃُ وَاَنَّ الْبَقَرَ نَفَرٌ وَاللّٰہُ خَیْرٌ ط

امام احمد حنبل ونسائی اور ضیاء حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مینے دیکھا کہ گویا میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور دیکھا کہ ایک گائے ذبح کیجاتی ہے۔ مینے یہ تاویل کی ہے کہ درع حصین تو مدینہ ہے اور گائے ایک شخص ہے اور اللہ باقی بہتر ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۷

(۸) ایک روایت میں اس طرح آیا ہے +

رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّی اُھَاجِرُ مِنْ مَکَّۃَ اِلیٰ اَرْضٍ بِھَا نَخْلٌ فَذَھَبَ وَھْلِی اِلیٰ اَنَّھَا الْیَمَامَۃُ اَوْ ھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ الْمَدِیْنَۃُ یَثْرِبُ وَرَاَیْتُ فِی رُؤْیَایَ ھٰذِہٖ اَنِّی

بیہقی اور ابن ماجہ نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت بیان کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے خواب میں دیکھا کہ میں مکّہ سے کسی ایسے شہر میں جاتا ہوں جس میں کھجوریں

هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَ مَا اُصِيْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰى فَعَادَ اَحْسَنَ مَا كَانَ فَاِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَاَيْتُ فِيْهَا بَقَرًا وَاللّٰهُ خَيْرٌ فَاِذَا هُمُ الْبَقَرُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ اُحُدٍ وَاِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ وَثَوَابِ الصِّدْقِ وَالَّذِيْ اَتَانَا اللّٰهُ بِهٖ يَوْمَ بَدْرٍ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى +

ہیں۔ اس پر میرا گمان یہ ہوا کہ وہ شہر یمامہ ہے یا ہجر ہے۔ لیکن درحصل مدینہ جس کو یثرب بھی کہتے ہیں نکلا۔ اور اس خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو جھٹکا دیا۔ لیکن وہ درمیان سے ٹوٹ گئی۔ جس سے مراد اُس مصیبت سے ہے جو مومنوں کو جنگِ اُحد میں پیش آئی پھر میں نے دوبارہ تلوار کو جنبش دی۔ تو پھر اپنی سابقہ حالت سے بھی بہتر ہوگئی جس سے یہ مراد اُس فتح اور اجتماعِ مومنین سے ہے۔ جو بعد ازاں وقوع میں آئے۔ اور میں نے اس میں ایک گائے دیکھی جس سے مراد اُن مومنوں سے تھی۔ جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ اور وہ جو خیر دیکھی۔ سو وہ انجام بخیر تھا۔ جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کر دیا۔ اور ثواب الصدق وہ تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے بدر کے روز عطا کیا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۷ +

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گاہے گاہے انبیاء بھی فہم الہام و رؤیا میں غلطی کھا سکتے ہیں۔ جیسے کہ مدینہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ یا ہجر سمجھ لیا تھا اور نیز یہ بھی ثابت ہے کہ تلوار کے ٹوٹنے سے مراد تکلیف تھی اور گائے سے ایک کثیر جماعتِ مسلمانان تھی اور تلوار کے سالم اور صحیح ہونے سے مراد فتح و ظفر تھی +

اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو ابنِ عباس کی روایت سے بیہقی اور مستدرک حاکم میں ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۵ +

(۹) مسندِ امام احمد بن حنبل اور صحیح مسلم اور ابو داؤد اور نسائی میں بروایتِ انس یوں حدیث آئی ہے +

رَاَيْتُ كَاَنِّي اللَّيْلَةَ فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ وَاُتِيْتُ بِتَمْرٍ مِنْ تَمْرِ ابْنِ طَابٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ ایک رات گویا میں عقبۃ بن رافع کے گھر میں

فَاَوَّلْتُ اَنَّ لَنَا الرِّفْعَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْعَافِیَۃَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ دِیْنَنَا قَدْ طَابَ

ہوں اور مجھے ابن طاب کی کھجوروں میں سے کچھ کھجوریں دی گئیں۔ اس سے مینے یہ مراد لی کہ دنیا میں بلندی مراتب اور آخرت میں عافیت حاصل ہو گی اور ہمارا دین پاک اور طیب ہے یہاں تمر سے مراد دین لیا گیا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۰۶

(۱۰) ایک روایت میں یوں آیا ہے

رَاَیْتُ کَاَنِّیْ اُتِیْتُ بِکُتْلَۃِ تَمْرٍ فَعَجَمْتُہَا فِیْ فِیَّ فَوَجَدْتُ فِیْہَا نَوَاۃً فَلَفَظْتُہَا فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ ھُوَ جَیْشُکَ الَّذِیْ بَعَثْتَ یَسْلَمُوْنَ وَیَغْنَمُوْنَ فَیَلْقَوْنَ رَجُلًا فَیَنْشِدُھُمْ ذِمَّتَکَ فَیَدْعُوْنَہٗ ثُمَّ یَلْقَوْنَ رَجُلًا فَیَنْشِدُھُمْ ذِمَّتَکَ فَیَدْعُوْنَہٗ قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ الْمَلَکُ رَوَاہُ جَابِرٌ

مسند امام احمد بن حنبل اور دارمی میں بروایت جابر یوں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے دیکھا کہ مجھے کھجوروں کا ایک پیمانہ دیا گیا مینے اُس کو اپنے مُنہہ میں ڈالکر چبایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُس میں کچھ گٹھلیاں ہیں مینے اُن کو پھینک دیا۔ ابوبکر نے کہا کہ وہ آپ کا لشکر ہے جس کو آپ نے روانہ کیا ہے اور وہ کہیں تو صلح اور آشتی سے کام لیتا ہے اور کہیں غنیمت حاصل کرتا ہے۔ پھر اُن کو ایک آدمی سے اتفاق ملاقات ہوتا ہے۔ اور وہ اُن سے آپ کی ذمہ واری چاہتا ہے۔ پر وہ اُس کو چھوڑتے ہیں۔ پھر کسی دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ بھی اُن سے آپ کی ذمہ واری چاہتا ہے۔ اور وہ اُس کو چھوڑتے ہیں۔ فرمایا کہ فرشتہ نے بھی اسی طرح کہا ہے دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۵

(۱۱) مُستدرک حاکم میں بروایت ابن عمر یوں حدیث آئی ہے کہ

رَاَیْتُ عَمُوْدَ الْکِتَابِ اِنْتُزِعَ مِنْ تَحْتِ وِسَادَتِیْ فَذَھَبَ اِلَی الشَّامِ فَاَوَّلْتُہُ الْمُلْکَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مینے دیکھا کہ کتاب کا سرا میرے تکیہ کے نیچے سے نکلکر شام کی طرف چلا گیا ہے مینے یہ تاویل کی کہ وہ ملک ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۵۹

(۱۲) تَمَثَّلَتْ لِیَ الْحِیْرَۃُ کَاَنْیَابِ الْکِلَابِ وَاَنَّکُمْ سَتَفْتَحُوْنَہَا۔ رَوَاہُ اَبُوْنُعَیْمٍ

ابو نعیم وطبرانی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَالطَّبْرَانِيُّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ۔ | کہ حیرہ کنون کے کلوں کی صورت میں دکھلایا

گیا ہے اور تم اُس کو عنقریب فتح کر لو گے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۳ +

۱۳۔ مسند امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ میں بہ روایت براء یہ روایت آئی ہے +

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ - وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُبْصِرُ قُصُوْرَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَكَانِيْ هٰذَا - اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ - وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ الْمَدَائِنَ وَاَنْظُرُ قُصُوْرَهَا الْبِيْضَ مِنْ مَكَانِيْ هٰذَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ - وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلٰى اَبْوَابِ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِيْ هٰذَا

اللہ بہت ہی بڑا خدا ہے۔ جس کے فضل سے مجھے شام کے ملک کی چابیاں عطا ہوئیں اور قسم بخدا میں اپنی آنکھوں سے اسی جگہ اپنے مکان پر بیٹھے ہوئے اُس کے سُرخ سُرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اکبر مجھے فارس کے ملک کے خزانوں کی کلیدیں بھی مل گئی ہیں۔ اور خدا کی قسم میں اُس کے شہروں اور اُس کے سفید سفید محلوں کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اکبر مجھے یمن کے خزانوں کی کلیدیں بھی دی گئی ہیں۔ اور اللہ کی سوگند کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں صنعا کے دروازوں تک اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۴ +

اس حدیث میں جو پیشگوئی ہے۔ وہ بزمانۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پوری نہیں ہوئی کیا اس سے یہ سمجھا جائے۔ کہ یہ پیشگوئی غلط گئی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ پیشگوئی پوری ہوئی کیونکہ خلفاء کے ہاتھ سے مفتوح ہونا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پورا ہونا ثابت ہوتا ہے کہ گویا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا +

(۱۴) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۴ صفحہ ۱۳۱ و مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۲۱ میں بہ تبدیل الفاظ میں یہ حدیث آئی ہے +

حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ

موسیٰ بن اسمٰعیل نے ہمارے پاس بروایت حضرت عائشہ صدیقہ حدیث بیان کی اور ابو عوانہ نے فراس سے اُس نے شعبی سے اُس نے مسروق سے اور اُس نے عائشہ رضی اللہ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا قَالَ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَاَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا فَكَانَتْ سَوْدَةُ اَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ اَنَّمَا كَانَتْ طُوْلُ يَدِهَا الصَّدَقَةُ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ زَيْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ +

تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ازواجِ مطہرات نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم میں سے کون سب سے پہلے آپکو آپکی وفات کے بعد آنکر ملیگی بجواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھکو سب سے پہلے وہ آنکر ملیگی جس کے ہاتھ لمبے ہیں اس پر ازواجِ مطہرات نے ایک سرکانا لیا۔ اور ہاتھوں کو ناپنے لگیں اور اُس سے معلوم ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لمبے ہاتھ ہیں۔ لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ طویل ید سے مراد صدقہ تھا۔ کیونکہ سب سے پہلے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ملیں وہ حضرت زینب تھیں اور وہ بہت صدقہ دیا کرتی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ صلعم کو اس کی کیفیت اپنی زندگی میں معلوم نہیں ہوئی اور نہ ازواجِ مطہرات کو اس کی اطلاع ہوئی ہاں جب وقوعہ ہوا۔ اور سب سے پہلے جب بی بی زینب کا انتقال ہوا تو اُس وقت سمجھا کہ لمبے ہاتھ سے مراد زیادہ صدقہ دینیوالی ہے +

ہم اسی قدر حوالجات پر اکتفا کر کے گوش گذار ناظرین کرتے ہیں کہ بیانہائے ماسبق سے خوب عیاں ہے کہ پیشگوئیوں اور الہامات اور رویا و مکاشفاتِ انبیا میں کچھ راز سربستہ بھی ہوتے ہیں۔ اور اُن کا افشا کرنا ہر ایک فرد بشر کا کام نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کی سمجھ اور فہم خاص خاص بندگان کو دیا جاتا ہے چنانچہ تم نے ابھی دیکھا کہ ایلیا کی حقیقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تو خوب کھولکر سنا دی تھی مگر حضرت یحییٰ کو اُس کی اطلاع بھی نہ ہوئی چنانچہ خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب کے صفحہ ۲۴ میں ہے +

وَالتَّاوِيْلُ يَخْتَلِفُ بِحَسْبِ اَحْوَالِ الْمُسْتَمِعِ وَاَوْقَاتِهٖ فِيْ مَرَاتِبِ سُلُوْكِهٖ وَتَفَاوُتِ دَرَجَاتِهٖ وَكُلَّ تَرَقّٰى عَنْ مَقَامِهٖ اِنْفَتَحَ لَهٗ بَابُ فَهْمٍ جَدِيْدٍ

باطنی اور حقیقی معنے کے سمجھنے میں سامعین کے حالات اور اوقات کے مطابق جوں جوں مراتبِ سلوک اور تفاوتِ درجات میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ویسا ہی اُس میں ہوتی ہے

وَ اطَّلَعَ بِهٖ عَلٰی لَطِیْفِ مَعْنًی عَتِیْدٍ   اور جب وہ اپنے مقام سے ترقی کرتا ہے تو اُس کے لئے نئے فہم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور لطیف اور عمدہ معنوں پر مطلع کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی حضرت عیسےٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو جو بشارات کتب سابقہ میں مندرج تھیں علماءِ وقت اُن کی دور از قیاس تاویلیں کر کے اُن بزرگ انبیاء کے قبول کرنے سے بے نصیب رہے۔ باوجودیکہ بعض بعض بشارات نہایت کھلی کھلی تھیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ضد اور تعصب انسان میں آجاتا ہے۔ تو پھر اُس کے سامنے کیسی ہی پختہ اور عمدہ دلائل پیش کرو۔ وہ اُن کو پوچ اور لغو ہی خیال کرتا ہے اور جوں جوں وہ اپنی شتاب کاری اور عجلت کی وجہ سے مخالفت میں قدم بڑھاتا ہے توں توں اللہ تعالیٰ بھی اُن کو شقاوت اور ضلالت کے تنگ و تاریک کوچہ میں ہانکے لئے جاتا ہے۔ اور پھر وہ اُس نورِ آسمانی سے جو دنیا کو منور کرنے اور ظلمت کو صفحۂ ہستی سے اُٹھانے کے لئے آتا ہے کوسوں دور جا پڑتا ہے۔ بالآخر شپر کی طرح بقیہ زندگی بسر کر کے خائب و خاسر مر جاتا ہے۔ اِسی واسطے ہر عقلمند کو چاہیئے کہ واقعاتِ گذشتہ کو مدنظر رکھکر ہر پیشگوئی اور مکاشفات و الہامات میں اپنی رائے دینے کے وقت جلد بازی اور شتابکاری کو کام میں نہ لائے بلکہ فکرِ عمیق اور تدبیر صحیح سے کام لے جیسے صحابہ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ کیا کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کو کسی پیشگوئی میں دِقت اُٹھانی نہیں پڑی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پر کبھی اُن کو شک کرنے کا موقع پیش آیا بلکہ جہانتک معلوم ہوتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو راست اور صحیح قرار دینے کے لئے اُس کی تاویل کر لیا کرتے تھے۔ خواہ کتنی ہی کنجلک اور پیچیدگی اُس میں کیوں نہ ہوتی تھی +

میں پہلے دکھا چکا ہوں کہ حج کرنے کی نسبت جو خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھی۔ اور اُسی کی بنا پر روانہ ہوئے تھے پھر جب اُسمیں سخت روک پیش آگئی تو اُسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مینے کب کہا تھا کہ اس سال حج ہو گی تو سب نے اس توجیہہ کو قبول کر کے سکوت اختیار کر لیا تھا ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے سوال پر یہ کہا تھا کہ تم میں سے پہلے وہ

نوت ہوگی جس کے لمبے ہاتھ ہیں اور سب ازواجِ مطہرات کو یقین ہوگیا تھا کہ حضرت سودہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کا انتقال سب سے پہلے ہوگا۔ اور اُسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود بھی تھے لیکن جب سب سے پہلے بی بی زینب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کا انتقال ہوا توبجائے اس کے کہ اُس بات کو جُھٹلاتے سب نے بالاتفاق قرار دیا کہ لمبے ہاتھ سے سخاوت مراد تھی۔ کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت صدقہ دینے والی بی بی تھیں۔ اس تمام واقعہ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض دفعہ صاحبِ الہام وکشف ورویا پر بھی اصلیت نہیں کھلتی بلکہ بعد وقوعہ حقیقتِ حال سے آگاہی ہوتی ہے۔ جیسے کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ پس کسی پیشگوئی یا مکاشفہ میں شتاب کاری اور عجلت شعاری سے کام لینا۔ اور جھٹ پٹ پیش از وقت اپنی رائے کو قائم کرلینا عقلمندی اور دُور اندیشی کے خلاف ہے۔ جبکہ انبیائے اُولُوالعزم کے پہچاننے کے متعلق پیشگوئیوں میں بڑی بڑی قوموں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضال اور گمراہ اور مغضوب علیہ قرار پاچکی ہیں اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے جہنم کا ایندھن بن چکی ہیں۔ تو اب مسلمانوں کو کسی ایسے رازِ سربستہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ودیعت چلا آتا ہو اور کسی زمانہ میں آنکر کوئی بزرگ اُسی راز کو افشا کر کے اسکو اپنا مصداق ہونا ظاہر کرے میں ڈرتا ہوں کہ سابقہ قوموں کی طرح جنہوں نے اپنی نادانی سے حق کے پہچاننے میں جلدبازی سے کام لیا اور فساد اور عناد کی آگ بھڑکا کر خود ہی جلکر رہ گئے اور اس طرح سے صفحہ ہستی سے اُن کا نام مٹ گیا۔ مبادا اے مسلمانوں تم بھی ویسا ہی کرو۔ اور تم بھی اُن کی طرح ہلاکت اور تباہی کے کنویں میں گرو۔ اور اُس راز کے سمجھنے میں تم بھی آنکھیں بند کرلو۔ اور آخر جہنم ابدی کے وارث بن جاؤ۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ آپ لوگوں کو اس باب میں بڑی مشکل کا سامنا نہیں۔ آپ کے آگے ہزارہا انبیاء کی نظیریں موجود ہیں اور پھر قرآن شریف اور احادیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں اور پھر لاکھوں اولیاء اللہ اس امت میں ہوچکے ہیں۔ جن کے کلمات کو کروڑوں آدمیوں نے تسلیم کیا ہے۔ تو پھر اب کیوں اتنی بڑی مشکل سمجھتے ہو۔ میں یہاں پر دور کی بات نہیں سُناتا خود اس مُلک کی ہتی بات بیان کرتا ہوں۔ یقین ہے کہ اُس سے کسی کو انکار نہیں ہوگا۔ آپ نے سُنا ہے کہ اِس مُلک ہند میں بلکہ مُلک پنجاب کے ایک بستی میں جس کو سرہند کہتے

ہیں۔ ایک بزرگ شیخ احمد صاحب ہوئے ہیں۔ جن کو عام لوگ امام ربانی۔ مجددِ الفِ ثانی کے بزرگ لقب سے پکارتے ہیں۔ اُن کے والد بزرگوار فرماتے ہیں۔ کہ مجدد صاحب کی ولادت سے قبل میں ایک دفعہ مراقبہ میں تھا۔ ناگہاں کیا دیکھتا ہوں کہ تمام جہان پُراز ظلمت ہو گیا ہے اور خوک اور بندر اور ریچھ جہان میں لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ کہ اس اثنا میں میرے سینہ سے ایک نور نکلا اور اُس سے تمام عالم نُورانی ہو گیا۔ اور ایک بجلی اُس نور سے ایسی نکلی۔ جس نے تمام خوک و خرس کو خاکِ سیاہ کر دیا اور اس نور سے ایک تخت نمودار ہوا جس پر ایک شخص نُورانی تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اور ہزاروں نُورانی شکلیں بلکہ آسمانی فرشتے اُس کے سامنے باادب کھڑے ہیں اور سارے جہان کے ظالم و فاسق زندیق و ملحد گرفتار ہو کر اُن کے سامنے ذبح کئے جا رہے ہیں اور کوئی شخص با آوازِ بلند کہتا ہے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۔ دیکھو مقاماتِ امام ربانی صفحہ ۵۔ اب ظاہر ہے کہ اس مکاشفہ میں مُجددِ الفِ ثانی کو ایک نُور کی صورت میں دکھلایا گیا ہے۔ اور فاسق اور فاجر اور روافض کو خوک و خرس کی صورت میں دکھلایا گیا ہے۔ کیونکہ اُن کے وقت میں روافض کا سخت زور تھا۔ اور ایک رافضیہ عورت یعنی نُور جہاں بیگم تمام ملکِ ہند پر مسلّط تھی۔ اور اُس کی وجہ سے رافضیوں کا زور تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور کا طوفان اُمنڈ رہا تھا۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے گیارھویں صدی میں اس امام پاک کو پیدا کر کے دشمنانِ خدا کا قلع قمع کیا

ایسا ہی مقاماتِ امام ربانی کے صفحہ ۱۱۔۱۲ میں لکھا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بموجبِ ارشاد خواجہ انکنکی صاحب استخارہ کیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک طوطی سبز شاخ پر بیٹھی ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ طوطی میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ جائے تو مجھ کو اس سفر میں کشائش ہو گی بمجرد اس خطرہ کے وہ طوطی اُڑ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھی میں نے اپنا لعابِ دہن اُس کی چونچ میں ڈالا اور اُس نے میرے مُنہ میں شکر ڈالی صبح کو میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ انکنکی سے بیان کیا حضرت خواجگی نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کے جانوروں میں سے ہے۔ وہاں تم سے کوئی شخص ظاہر ہو گا کہ اُس سے تمام جہان منور ہو گا۔ اور تم کو بھی اس سے فائدہ ہو گا۔ پھر جب میں ہندوستان میں سرہند پہنچا تو بعینہ وہی ثبوت پایا اور نشانِ قبولیت بھی معلوم ہوا۔ اس میں غور کرنا چاہئے کہ خواجہ نقشبند صاحب نے دیکھی

توطوطی اور اس سے مراد یہ لی کہ وہ مجدد الف ثانی ہیں +

اِس طرح تمام بزرگان دین اور اولیاء ملتِ اسلام کے متعلق سینکڑوں کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور لوگ اُن کو بسر وچشم قبول کرتے رہے ہیں۔ ہاں بعض علماء ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اُن بزرگوں پر کفر و الحاد کے فتوےٰ اپنی نادانی سے دیئے ہیں۔ چونکہ وہ لوگ خشک اور لفظ پرست ہوتے ہیں وہ الہامی کتابوں سے وسیع معلومات کے ہونے اور مکاشفات و رویا کی فلاسفی سے محض ناآشنا ہونے کی وجہ سے ایسا کر گذرتے ہیں مگر حق کی روشنی کبھی مخفی نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنا جلوہ دکھاتی ہے اور ایک آگ کی طرح مشتعل ہو کر تمام خبیث النفس انسانوں کو جلا دیتی ہے۔ اور ایک طوفان کی طرح جوش زن ہو کر تمام خس وخاشاک کو راستہ سے اُٹھا دیتی ہے۔ اور اس طرح تمام روکیں دور ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ بات کسی پر پوشیدہ ہے کہ جن جن بزرگان کو علماء وقت نے ایذائیں دیں اور کافر و زندیق ٹھہرایا۔ کیا وہ اب سب کے سب اولیاء اللہ نہیں مانے جاتے۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھو۔ حضرت عبد القادر جیلانی حضرت بایزید بسطامی۔ حضرت امام محمد اسمٰعیل بخاری حضرت امام محمد غزالی امام ابن تیمیہ۔ حضرت ابنِ قیم۔ حضرت امام ابنِ حزم منصور حلاج۔ حضرت شاہ ولی اللہ۔ حضرت شیخ احمد سرہندی امامِ ربانی مجددِ الفِ ثانی۔ سید احمد صاحب بریلوی و مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی سب کے سب اپنے اپنے زمانہ کے مولویوں سے کافر ٹھہرائے گئے۔ اور بعض کی نسبت مکفرین کی ذریت اب تک زبانِ طعن کھولتی ہے لیکن کیا وہ کروڑوں انسانوں میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے اور کیا اُن کو امام یا ولی اللہ نہیں مانا جاتا۔ لہذا اب بھی اے مسلمانوں خود اپنی عقل سے کام لو۔ اور اُن علماء ناعاقبت اندیش کی کارروائی سے الگ رہو۔ جو جھٹ پٹ کفر کے فتوے مومنوں یا دین کے حامیوں پر لگا دیتے ہیں +

رویا واجب العمل ہے

بعض ایسے ظالم ہیں جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ رویا کوئی چیز نہیں اور نہ قابل حجت ہو سکتی ہے ایسے کہنے والے اپنے جہالت کا ثبوت دیتے ہیں ورنہ ایسے الفاظ مُنہ پر نہ لاتے ہم ابھی قرآن مجید اور احادیث اور بزرگان دین کے کلام سے دکھا چکے ہیں کہ رویا کا بھی ایک مستقل عالم ہے اور رویاء صادقہ ضرور واجب العمل ہوتی ہیں چنانچہ اسی رویا ہی کی بناء پر حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا۔ یہی رویا ہی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت یوسف ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔ اسی رویا کی بنا پر فخر المرسلین صلوات اللہ وسلامہ حج کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ رویا پر عمل کرنے کا ثبوت کافی طور سے کلام اللہ میں موجود ہے۔ اور بخاری اور دیگر کتب احادیث سے بھی ظاہر ہے۔ کہ سب سے اول وحی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رویا ہی سے شروع ہوئی تھی +

اگر رویا کوئی چیز نہیں تو پھر انبیا اُس پر کیوں عامل ہوتے رہے۔ بلکہ احادیث سے رویا کے نہ ماننے پر وعید آیا ہے۔ دیکھو حدیث ذیل :-

مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِالرُّؤْيَا الصَّادِقَةِ فَإِنَّهُ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِذٍ +

امام دیلمی عبد الرحمن بن عائذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رویا صادقہ پر ایمان نہ لایا وہ گویا اللہ اور رسول پر بھی ایمان نہ لایا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۳۳ +

مزید برآں رویا صالحہ کو نبوت کی جزو قرار دیا گیا ہے دیکھو احادیث ذیل :-

رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ اَنَسٍ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ +

احمد اور بیہقی انس سے اور ابو داؤد اور ترمذی عبادہ بن صامت سے اور ابن ماجہ ابو ہریرہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی خواب نبوّت کا چھیالیسواں حصّہ ہے۔ ایسا ہی طبرانی مسلم۔ بخاری الحکیم۔ ابن جریر۔ ابن مردویہ وغیرہ میں آیا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۳۲ +

بیانات متذکرہ بالا سے واضح ہے کہ وحی ربانی والہامات ورویا صادقہ میں بکثرت استعارات لطیفہ ہوتے ہیں۔ بالخصوص پیشگوئیوں میں رازہائے سربستہ ضرور ہوتے ہیں۔ کیونکہ سنت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ نیز ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ بعض حصہ تو بعینہٖ ہی الفاظِ ظاہری کے مطابق واقع ہوتا ہے۔ اور بعض حصّہ کے باطنی معنے ہوتے ہیں۔ جن کے سمجھنے میں بعض دفعہ غلطی کا احتمال ہوجاتا ہے۔ اِس لئے ہر ایک انسان کا کام نہیں ہوتا کہ وہ اس کی اصل

حقیقت پر آگاہ ہو سکے بلکہ راسخین فی العلم کا کام ہے +

یہ بھی ہم دکھا چکے ہیں کہ بعض دفعہ انبیاء سے بھی اجتہادی خطا واقع ہو جاتی ہے مگر اُن کو اس خطا پر بہت جلد متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ اور دیر تک اُن کو اُس حالت غلطی میں نہیں رکھا جاتا نیز یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے مرسلوں کے ذریعہ کسی قوم کی نسبت عذاب کی خبر دیتا ہے۔ اور پھر کسی خاص مصلحت سے اُس عذاب کو ٹال بھی دیتا ہے۔ اور اُس نبی کو جس کے ذریعہ عذاب کی پیشگوئی کی گئی تھی بعض دفعہ مطلع بھی نہیں فرمایا جاتا جیسے یونس علیہ السلام کے ساتھ ہوا +

یہاں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک دفعہ وعدہ کر لیتا ہے۔ کہ میں ایسا کرونگا۔ اور پھر ویسا نہیں کرتا۔ تو کیا یہ وعدہ خلافی میں داخل نہیں۔ اصل میں یہ اعتراض قلت تدبر اور آسمانی کتابوں کی ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر اُن کو آسمانی کتابوں پر نظر ہو تو پھر اس اعتراض کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک وعدہ ہوتا ہے۔ اور ایک وعید۔ سو ان دونوں امور میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وعدہ میں تو وہ ہرگز خلاف نہیں کرتا جیسے کہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ سے ہویدا ہے۔ لیکن برخلاف اس کے وعید میں اللہ تعالیٰ کمی بیشی کر لیا کرتا ہے اور اس میں بھید یہ ہے کہ وعید کا اُسی حالت میں حکم سُنایا جاتا ہے جب کوئی شخص یا کوئی قوم خدا تعالےٰ کے احکام کو پس پُشت ڈالکر اُس کے مامورین و مرسلین کی نافرمانی کرتی اور سرکشی پر اڑی رہتی ہے۔ لیکن اگر وہ وقت مقررہ سے پہلے تائب ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اُسی کو اپنی ڈھال اور سپر بنالے تو وہ ارحم الرحمین خدا رجوع برحمت کرتا ہے۔ خواہ کسی نبی کے ذریعہ اُن کو منذر وحی بھی سُنادی گئی ہو۔ اور عذاب کا وقت بھی مقرر کر دیا ہو۔ یہ اُنکے سدھارنے کے لئے ایک قسم کی تنبیہ ہوتی ہے جیسے کوئی ماں باپ اپنے بچّوں کو کسی خطرناک چیز سے دُور رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن نادان اور کم عقل بچے ناعاقبت اندیشی سے اُس سے باز نہیں آتے تو مادر مہربان اُن کو دھمکاتی یا ڈرا دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُس کام سے جس کا نتیجہ اُن کی ذات کے لئے مضر تھا باز آجاتے ہیں۔ ایسا کرنا وعدہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ یہ بات رحم اور خیر خواہی کی بنا پر ہوتی ہے۔ خدا بڑی اور چرچڑا مزاج

نہیں اگر وہ ایک دفعہ کسی کو کسی عذاب کی خبر دیچکا ہے تو اب وہ لوگ خواہ کتنی ہی عاجزی کریں اور اُس کے آستانہ پر ناک رگڑیں اور رورو کر دعائیں مانگیں وہ اڑ کر بیٹھ رہے اور کہے کہ اب میں عذاب دیئے بغیر نہیں ٹلونگا ایسا کرنا اُس خدائے رحیم و کریم کی مقدس اور مطہر شان سے بعید ہے۔ لہذا وہ وعید میں بحالتِ رجوع درگذر کرتا ہے خواہ نبی کو حقیقت حال سے آگاہی دیجائے یا نہ دیجائے۔ لیکن وعدہ میں کبھی بھی خلاف نہیں کرتا۔ ہمیں آدم سے لیکر تا ایندم ایک نظیر بھی ایسی نہیں ملتی کہ اُس قدوس خدا نے کبھی وعدہ میں خلاف کیا ہو۔ اور وعید میں قضاء و قدر کو ٹالدینا عین اُس کی مشیت کا مقتضیٰ ہے +

چنانچہ بزمانہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام قبطیوں پر اُن کی سرکشی کی وجہ سے عذاب آیا مگر جب اُن لوگوں نے سرکشی سے باز آکر فروتنی اختیار کرلی اور حضرت موسیٰ کے آگے نہایت ادب سے التجا کرنے لگے کہ ہمارے واسطے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے عذاب ٹال دے۔ تو حضرت موسیٰ نے اُن کی اس درخواست پر دعا کی اور عذاب ٹل گیا جسکی تصدیق آیات ذیل سے ہوتی ہے:-

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ +	اور جب اُن پر عذاب آیا تو لگے کہنے اے موسےٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر۔ اگر ہم سے عذاب ٹل جائے تو ہم تجھ پر ایمان لائینگے اور بنی اسرائیل کو بھی تیرے ساتھ کردینگے جب ہم نے اُن سے عذاب اُس مدت تک ٹالدیا

کہ جو اُنکے لئے مقدر تھا تو وہ اپنے وعدہ سے پھر گئے۔ دیکھو قرآن کریم سیپارہ ۹ رکوع + ۶

اس امر کا بھی ذکر کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں چند ملہمین یا اہلِ کشف ہوتے ہیں اور اُن کو بعض دفعہ ایک دوسرے کے مخالف الہام ہوجایا کرتے ہیں یا کچھ عرصہ تک تو موافق اور کچھ عرصہ کے بعد مخالف الہام ہونے لگتے ہیں۔ ہم بتاتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ سو واضح ہو کہ الہام کی صداقت اور صفائی صاحب الہام و اہل کشف کے تقویٰ اور حسن اعمال کے مناسب حال ہوتی ہے یعنی جس قدر تقویٰ اور نیک اعمال میں قدم بڑھاتا ہے اُسی قدر اُس کے الہامات و رویا و مکاشفات میں سچائی

بعض ملہموں کو مخالف الہام ہونا اور اسمیں مصلحت

اور صفائی اور کثرت ہوتی ہے اور اختلاف کا باعث یہ ہوتا ہے کہ جب کسی ملہم کو دوسرے بزرگ سے بدظنی ہو جاتی ہے تو اُسی قدر اُس کے نورِ قلب میں ایک ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور جوں جوں اُس کا تعلق بدظنی اور بداعتقادی سے ٹوٹتا جاتا ہے ویسا ہی ظلمت اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے اور گو وہ اپنے آپ کو کیسا ہی پاک اور طیب سمجھتا ہو لیکن اس کی بدظنی کی ظلمت اسکو اپنے باپ شیطان کے قریب کھینچے لئے چلی جاتی ہے اور آخر شیطان ہی اُس کا بئس القرین ہو جاتا ہے۔ جس کی تصدیق خدا تعالیٰ اس آیت میں کرتا ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ سورہ شعراء رکوع

لیکن وہ نادان اُسکو ربانی الہام سمجھتا ہے اور اس دھوکہ میں رہکر اپنی جان پر ظلم کرتا اور بعض مخلوقاتِ خدا کو بھی دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اس کی سابقہ بزرگی اور الہامات سب کی سب ھبآءً منثوراً ہو جاتے ہیں بلعم باعور کی مثال اس کے لئے کافی ہوگی۔ کیا یہ بات کسی پر مخفی ہے کہ بلعم کس قدر خدا رسیدہ اور پاکباز تھا اُسے الہام بھی ہوتے تھے اور اُس کی دُعائیں اس قدر قبول ہوتی تھیں کہ وہ مرجع خلائق ہو گیا تھا۔ لیکن جب اُس نے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کیا تو خدا تعالیٰ نے اُس کو اپنی درگاہ سے مردود کر دیا اور بجائے علوی ہونے کے سفلی بنا دیا گیا۔ چنانچہ اس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دیتا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ یعنی ہم نے تو اُس کا رفع کرنا چاہا تھا لیکن وہ زمین ہی کی طرف جھکتا گیا۔ جس سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا ر دنی کی طرف جھک گیا اور شیطان اُسکا ساتھی ہو گیا۔

پس یہ ایک سخت عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرنا چاہیئے خواہ آدمی کیسا ہی نیک اور صالح ہو لیکن جب وہ مامور من اللہ و مرسل من اللہ سے دوری اختیار کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اُس کو اور بھی طغیان و عصیان میں ڈالنے کے لئے سامان مہیّا کر دیتا ہے۔ اور آخر جب اُس پر کامل حجت پوری ہو جاتی ہے تو فوراً پکڑ لیتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ جو شخص مامور من اللہ ہونے کا مدعی ہو اگر اسکو اُس کے دعوی کی پوری تصدیق نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ مخالفت اور سرکشی پر اصرار نہ کرے بلکہ اپنی زبان کو بند رکھے اور خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگے تاکہ وہ ارحم الراحمین خدا اُس کی ہدایت کے

لئے کوئی سبیل پیدا کر دے۔ لیکن جو لوگ بلا تحقیق جھٹ پٹ مخالفت پر زبان کھول دیتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہو جاتی ہے جیسے ایک بدپرہیز مریض کی جو اپنی بد پرہیزی کی وجہ سے مرض کو لاعلاج کر لیتا ہے۔ ایسا ہی جس نے مخالفت پر زبان کھول دی پھر اُس کو حق کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پھر قبول کرنا وہ اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ مرسلانِ خدا کی مخالفت سے جہانتک ممکن ہو بچے بلکہ احسن اور اسہل طریق تو یہ ہے کہ قرائنِ مرجحہ کو دیکھکر اُن کے ساتھ ہو جائے اور اُس مومن کے نقشِ قدم پر چلے۔ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے لئے لوگوں کو کہا تھا اور اُس کا بول کچھ ایسا مقبول تھا کہ خدا تعالیٰ نے بھی اُس کو اپنی پاک کلام میں بجنسہ نقل فرمایا ہے اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ۔ یعنی اے لوگو اگر یہ آدمی یعنی موسیٰ علیہ السلام جھوٹا ہے تو جھوٹ کا وبال اُس کی گردن پر پڑیگا۔ اور اگر صادق ہے تو تم اُس میں سے کچھ تو پالو گے۔ جس کا وہ وعدہ دیتا ہے۔ لہذا ہم مسلمانوں کو بھی چاہئے اسی مثال پر کاربند ہوں۔ جھوٹے کو کبھی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔ خود خدا اُس کا دشمن ہو جاتا ہے اور جلد اُس کو تباہ اور ہلاک کر دیتا ہے ؞

مجددین کے باب میں

جب ہم نیچر یعنی فطرت اللہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں ثابت ہوتا ہے کہ ضرورتِ حقہ کے وقت وہ قادرِ مطلق خدا جس کا نام اللہ ہے۔ محض اپنے فضل و کرم سے نزولِ فیضان فرماتا اور تمام ضروریات کا سرانجام کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب انتہا درجہ کی خشک سالی ہو جاتی ہے اور مخلوقاتِ خدا بڑے بڑے دکھوں میں گرفتار ہو جاتی ہے تو آسمان سے بارانِ رحمت برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے وہی زمین جو بارش کے

نہ ہونے کی وجہ سے اُس بیوہ کی طرح جس کا پیارا خاوند عین جوانی کی حالت میں سر پر سے گذر گیا ہو۔ اور وہ اسی غم میں سوکھتے سوکھتے کانٹا سی ہو گئی ہو۔ اور جس کی دل آویز اور پسندیدہ صورت بدل کر مہیب اور بھیانک نظر آتی ہو۔ کچھ عرصہ پہلے سناٹے کے عالم میں ماتم کدہ ہو رہی تھی۔ اب ایسا بہروپ بدل لیتی ہے کہ یک لخت نوعروس کی طرح شاندار زمردی لباس پہنے ہوئے سروقد باہر نکل پڑتی ہے۔ ایسی بشاش اور خنداں ہوتی ہے۔ کہ ہر طرف اُس کے مُنہ سے لالہ و گلزار جھڑے پڑتے ہیں۔ ایک وقت تو وہ تھا کہ گھاس کا تنکا بھی اُس پر دکھلائی نہیں دیتا تھا۔ یا اب وہ سبزہ زار سے ایسی مالا مال ہے کہ دیکھنے والے کا دل باغ باغ اور دماغ اُس کے خوشبودار پھولوں کی لپٹ سے معطر ہوا جاتا ہے۔ اسی طرح جب صفحۂ دنیا شبِ دیجور کی دھواں دھار تاریکی سے ایک ڈراؤنی اور مہیب صورت اختیار کئے ہوئے ہوتی ہے۔ تو اچانک آفتاب عالمتاب کے پُر انوار شُعاعوں سے اُسکا چہرہ چمکتا اور دمکتا ہوا دکھلائی دینے لگتا ہے +

الغرض قانون قدرت میں لاکھوں ایسی نظیریں ملینگی کہ ہر تنگی کے بعد کشادگی اور ہر عُسر کے بعد یُسر نمودار ہوتا ہے جب اس چند روزہ مادی زندگی کے لئے خالق السموات والارض نے یہ قانون اٹل مقرر فرما دیا ہے۔ تو کیونکر باور ہو سکتا ہے۔ کہ روحانی زندگی کے لئے جو ابدالآباد تک رہنے والی ہے اور جس کا کبھی بھی انقطاع نہیں کوئی سامان تجویز نہ فرمائے ضرور فرماتا ہے۔ اور ضرور فرماتا ہے۔ کیا تم تاریخ عالم میں نہیں دیکھتے۔ کہ جب زمین ناپاک روحوں سے گندی اور مخلوقات کی معاصی اور معائب سے بودار ہو جاتی رہی ہے۔ تو اُس کے صاف کرنے کے لئے وہ ارحم الراحمین خدا اپنے پاس سے ایسے بندوں کو وقتاً فوقتاً بھیجتا رہا ہے جو اپنے انفاسِ طیبات سے بنی نوعِ انسان کو صاف اور ستھرا کر دیتے رہے ہیں۔ لہذا اب بھی اُس خدا کی وہی سُنت جاری ہے۔ کیا وہ خدا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُس کی شریعت کے زندہ رکھنے کے لئے متواتر انبیاء مبعوث کرتا رہا ہے۔ کیا وہ افضل الرسل فخر بنی آدم کی شریعت کے قائم رکھنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے بلکہ کرتا رہا چنانچہ اُس نے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کی جماعت کے ساتھ حتمی وعدہ فرمایا ہے کہ میں اس باغ اسلام کے لئے جس کی آبیاری آپ نے کی ہے ضرورت

کے وقت ایک ایسا باغبان ہمیشہ بھیج دیا کرونگا۔ جو خشک اور ناپاک ٹہنیوں اور شاخوں کو کاٹ کر باہر پھینک دیا کریگا۔ اور ہونہار مگر پژمردہ اور مرجھائے ہوئے پودوں کو اپنے انفاسِ طیبہ کے پانی سے از سرِ نو تازہ کر دیا کریگا۔ چنانچہ آیت

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ

مصدق ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے وعدہ کیا جو تم میں سے ایمان لائے اور عمل اچھے کئے۔ تو ہم اُن کو زمین میں خلیفہ بنائینگے۔ اسی طرح جس طرح اس سے پہلے خلیفہ بنائے گئے اور اُن کے دین کو جس کو خدا نے اُنکے لئے پسند فرمایا ہے مضبوط کرونگا۔ دیکھو سورہ نور رکوع

پھر جب ہم احادیث نبویہ پر غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے زور کے ساتھ خبر دی ہے کہ میرے بعد ہر صدی کے سر پر مجدّد آیا کرینگے چنانچہ سنن ابی داؤد و مستدرک حاکم و سنن بیہقی میں بروایت حضرت ابوہریرہ یہ حدیث آئی ہے

اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا۔

یعنے ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ اس امت میں ایک ایسا شخص بھیجا کریگا جو دین کو تازہ کر دیا کرے دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۸۔ و ابو داؤد مطبوعہ مطبع مجتبائی صفحہ ۲۴۱۔

حدیث مذکرہ بالا کی نسبت امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ تنبیہ میں لکھا ہے اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی صِحَّتِہٖ یعنی عام حافظان احادیث نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ اور مرقات صعود شرح سنن ابی داؤد میں اس حدیث کی تحت میں لکھا ہے فَاَقُوْلُ ہٰذَا الْحَدِیْثُ اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلَی الصَّحِیْحِ مِنْهُمُ الْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ۔

اور حافظ ابن حجر نے بھی اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ امام سخاوی اور ملا علی قاری اور علی متقی نے بھی اس کو صحیح تسلیم کیا ہے اور نواب صدیق حسن خانصاحب نے حجج الکرامہ کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِاَسْنَادٍ صَحِیْحٍ یعنی ابوداؤد اور حاکم اور بیہقی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت ابوہریرہ سے صحیح

اسناد کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کتاب تعریف الاحیا الفضائل الاحیا الشیخ العلامہ عبد القادر بن الشیخ بن عبد اللہ العید روسی باعلوی بر حاشیہ احیاء العلوم صفحہ ۳۲ پر یوں لکھا ہے :-

وَقَالَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنْهُمُ الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ عَسَاكِرَ فِي الْحَدِيْثِ الْوَارِدِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ

اور علما کی ایک جماعت نے کہا ہے جن میں سے ایک شیخ امام حافظ ابن عساکر ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر اس امت کے لئے کسی ایسے شخص کو مبعوث کیا کریگا جو دین کی تجدید کریگا۔

اور حجج الکرامۃ فی آثار القیمہ کے صفحہ ۱۳۳ پر نواب صاحب لکھتے ہیں وَقَدِ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰى تَصْحِيْحِ هٰذَا الْحَدِيْثِ یعنی حفاظ حدیث نے اس حدیث کے سچے ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ جب یہ سچی ہے۔ اور ہر صدی میں اس کی تصدیق کے لئے مجدد بھی آتے رہے ہیں اور اُن کے آنے کے لئے قرآن اور حدیث کا بھی اتفاق ہے۔ اور ہم تاریخ سے بھی اس کا ثبوت پاتے ہیں۔ کہ اہل اسلام میں عموماً اور اہل سنت والجماعت میں خصوصاً اس امر کو مدار علیہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کتاب ازالۃ الخفاء کے صفحہ ۱۴۱ میں لکھتے ہیں۔ وخبر داد ازانکہ بر رأس ہر مائۃ مجدد پیدا خواہد شد وہم چناں واقع شد یعنے اس امر کی خبر دی ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد پیدا ہوا کریگا اور ایسا ہی وقوع میں آیا۔
اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات الٰہیہ قلمی صفحہ ۳۵ زیر آیۃ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا فرمایا ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر اس امت کے لئے ایک ایسا شخص مبعوث کیا کریگا جو دین اسلام کی تجدید کیا کریگا۔

اور بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف ممالک اسلامیہ میں مختلف مجددوں کا آنا

مسلّم ہے۔ اور اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کا قالب باوجود اس قدر صدمات کے ابتک صفحۂ روزگار پر نظر آرہا ہے ورنہ کثیر التعداد انبیار کی اُمتوں کی طرح ان کا نام ونشان بھی کبھی کا مٹ گیا ہوتا۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر ہدایت النہایۃ میں لکھتے ہیں وَقَدْ ذَكَرَ كُلُّ طَائِفَةٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ عَالِمًا مِنْ عُلَمَائِهِمْ یعنے علمار کے ہر گروہ نے ذکر کیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک عالم عظیم الشان یعنے مجدد ہوا کرتا ہے اور حافظ عزیز الدین ابن کثیر لکھتے ہیں +

فَالْأَحْسَنُ وَالْأَجْدَرُ أَنْ يَكُونَ ذَالِكَ إِشَارَةً إِلَى حَدِيثٍ وَجَمَاعَةٍ مِنَ الْأَكَابِرِ الْمَشْهُورِينَ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ يُجَدِّدُونَ لِلنَّاسِ دِينَهُمْ وَيَحْفَظُونَ دِينَهُمْ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ

عمدہ اور مضبوط بات یہ ہے کہ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے اور مشہور اکابر علمار کی جماعت میں سے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ ہوا کرینگے جو لوگوں کے دین کی تجدید اور اطراف عالم میں اُن کے دین کی حفاظت کیا کرینگے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۳+

اور حضرت عینی لکھتے ہیں وَاِنَّ تَجْدِيدَ الدِّيْنِ مُتَنَاوِلٌ لِجَمِيْعِ اَنْوَاعِهٖ تجدید دین ہر قسم کی ہوگی ہاں اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ چونکہ اسلام کا دائرہ دُور دراز ممالک میں محیط ہوچکا تھا اور اُس وقت کوئی ایسا سامان پردۂ غیب سے ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔ کہ ایک جگہ کا مجدد سب ممالک میں تبلیغ کرسکے۔ اور ایسا کرنا ناممکن بھی تھا۔ کیونکہ اہل اسلام میں بہت سی قسم کے فتور آچکے تھے۔ اور ایک شخص کے لئے تمام فسادات کی اصلاح کا ٹھیکہ اُٹھانا مشکل امر تھا۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ کو ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت اور ایک ہی ملک میں مختلف المذاق کے مجدد کھڑے کرنے پڑے۔ اور یہ بات کوئی نامناسب بھی نہیں معلوم ہوتی۔ جبکہ تنگ دائرہ میں ایک ہی وقت اور ایک ہی ملک میں متعدد انبیا مبعوث فرمائے گئے تو ایک ہی وقت مگر متفرق ملکوں میں ایسی حالت میں جبکہ اسلام کا دائرہ نہایت ہی وسیع ہوچکا تھا۔ کیونکہ متعدد مجدد مقرر نہ فرماتا۔ پس متعدد مجددوں کا ہونا تو لازم اور لابدی امر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ اُن مجددوں کا جو ایک وقت میں ہوتے رہے۔ ایک امام اور پیشوا ہوتا تھا اور باقی سب اُسکے تابع سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے علمار کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ امام حجر عسقلانی

فرماتے ہیں +

اِنَّهٗ لَا یَلْزِمُ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ وَاحِدٌ	یعنے یہ لازم نہیں کہ صدی کے سر پر صرف ایک ہی مجدد ہو

اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ تنبیہہ میں کہتے ہیں +

لَا یَلْزِمُ مِنْهُ اَنْ یَّکُوْنَ الْمَبْعُوْثُ عَلٰی رَأْسِ الْمِائَةِ رَجُلًا وَاحِدًا بَلْ وَقَدْ یَکُوْنُ اَکْثَرُ +	یعنی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شخص مبعوث ایک ہی ہو بلکہ زیادہ بھی ہوتے ہیں - دیکھو حجج الکرامہ +

مجدد کس کو کہتے ہیں

اس جگہ پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بات بھی دکھلاویں کہ مجدد کسکو کہتے ہیں - اور اُسکا کیا کام ہوتا ہے +

سو واضح ہو کہ لفظ مجدد مصدر تجدید سے نکلا ہے - اور اس کے معنے تازہ کرنے والے اور مضبوط کرنے والے کے ہیں یعنی اسلام میں اگر کسی نہ کسی وجہ سے کوئی پژمردگی اور ضعف واقع ہو جائے تو وہ شخص جو مبعوث ہوا ہے علم خداداد اور انفاسِ طیبہ کی برکت سے اُن تمام کمزوریوں اور خرابیوں کو دور کر کے دین میں ایک نئی روح پھونک دے اور پھر اُسکو ایک بڑے مضبوط چٹان پر قائم کر کے دنیا سے الوداع کہے - چونکہ بعض خشک اور سنت اللہ سے ناواقف لوگ یہ اعتراض بھی کر دیا کرتے ہیں - کہ جب قرآن اور حدیث موجود ہے - اور ہر زمانہ میں علماء بھی ہوتے چلے آتے ہیں تو پھر ضعف اور پژمردگی کے کیا معنے - اور کسی مجدّد کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے - اس کا جواب یہ ہے - کہ ہر صدی میں فطرتاً ایک تغیر واقع ہوتا ہے اور زمانہ ایک نیا رنگ و روپ پیدا کر لیتا ہے - اور چونکہ زمانہ روز بروز دنیاوی ترقی کرتا ہے اس لئے آرام و آسایش کے سامان ساتھ ساتھ پیدا ہوتے جاتے - اور لوگ عیش و عشرت اور آرام طلبی کے عادی ہو جاتے ہیں - اِس لئے لازماً اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ رفتہ رفتہ شریعتِ حقہ سے پہلو تہی اور تغافل کر لیتے ہیں - اور چونکہ علماء بھی اِسی آرام طلبی میں شریک ہوتے ہیں - اِس لئے اُن کے وعظ و نصیحت کا اثر زنگ خوردہ دلو

پر نہیں پڑ سکتا بلکہ وہ خود بھی زمانہ کے اثر سے متاثر ہونے کی وجہ سے اُس روحانیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جو دوسروں پر نورانی جھلک ڈال سکتی ہے لہذا اشد ضروری ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن پر اُس وعدہ کے موافق جو آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ میں کیا ہے اِس دینِ متین کی سرسبزی کے لئے ہر صدی کے بعد ایک یا متعدد اشخاص پیدا کر دے۔ تاکہ وہ آ کر تمام کمزوریوں اور فسادوں کو دور کر کے ایک پاک وصاف سڑک قائم کر کے اور اپنا کام سرانجام دیکر دنیا سے کوچ کر جائیں +

زمانۂ مجدد

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لایق ہے کہ وہ زمانہ جس میں مجدد مبعوث ہوتا ہے لیلۃ القدر کے مبارک نام سے موسوم ہوتا ہے۔ جس کی فضیلت یہ ہے۔ کہ مثنا بہ اُس رات کے ہے جو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی وحی اور فرشتے بھی نزول فرماتے ہیں۔ اور ایک خوف کے بعد امن اور سلامتی کی راہ کھلتی ہے۔ اور نزول رحمت الٰہی کی یہانتک نوبت پہنچتی ہے۔ کہ دینِ اسلام کی راتیں متبدل بہ صبح صادق ہو جاتی ہیں۔ بلکہ جس طرح آفتاب عالمتاب نکل کر رات کی تاریکی کو دُور کر دیتا ہے اسی طرح وہ بھی آفتاب صداقت سے روز روشن کی طرح منوّر ہو جاتی ہیں +

چنانچہ آیات ذیل اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ اس بیان مذکورہ بالا کی تصدیق کرتی ہیں +

یہ بات مخفی نہ رہے۔ کہ ہزار ماہ کے ۸۳ برس اور ۴ ماہ ہوتے ہیں اِس میں وہ سال جو مجدد یا مامور من اللہ کی نابالغیت کے ہوتے ہیں۔ شامل نہیں اور یہ تو صریح بات ہے کہ زمانۂ بلوغت ۱۶ یا ۱۷ سال سے شروع ہوتا ہے اِس لئے اِسی زمانہ کو صدی سے نکال لیا گیا ہے۔ کیونکہ مامور من اللہ کی پیدایش کے وقت سے برکات آسمانی نازل ہونے لگ جاتی ہیں۔ اور یہ مدت بھی لیلۃ القدر میں داخل ہوتی ہے۔ جس طرح ہمارے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ نبوت ایک لیلۃ القدر کا زمانہ تھا +

الغرض ہر مامور من اللہ کا زمانہ لیلۃ القدر ہوتا ہے۔ کیونکہ زمانہ میں جب عام غفلت اور بے پرواہی کی ظلمت اور گناہوں اور فسادوں کی رات چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے پر ظلمت وقت میں آسمان سے ایک نور بھیجتا ہے۔ اور وہ نور آکر اپنے انفاسِ قدسیہ سے اُن تمام نفوس کو جو فطرتِ قابلہ رکھتے ہوں منور کر دیتا اور ایک نئی لگن لگا دیتا ہے۔ جس سے لوگ غفلت کے پردوں کو پھاڑ کر اور خوابِ خرگوش سے چونک کر ہوش میں آجاتے۔ اور تلافیٔ مافات میں مشغول ہوتے اور جان توڑ کر کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی اصلاح کر کے دنیا میں ایک پاک اور عمدہ نمونہ بنجاتے ہیں +

ورثۃ الانبیاء

یہاں پر ہم اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ زمانہ حال کے اکثر علماء اپنے آپ کو اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کی ذیل میں داخل کر کے ممبروں پر چڑھ کر بڑی بلند آواز سے کہا کرتے ہیں۔ کہ ہم ہی وارث انبیاء ہیں۔ اور کلیدِ شریعت صرف ہمارے ہی قبضہ میں ہے۔ لیکن ہماری رائے میں اُن کی سخت غلطی ہے۔ یہ تو زمین کے ذلیل کیڑے ہیں۔ اُن کو ورثۃ الانبیاء سے کیا مناسبت اُن کو خود غرضی کے کُتّے کہئے تو بجا یا مسجدوں کے مردار خوار جانور کہئے تو زیبا کیونکہ اُن کو رات دن نفس پرستی اور لوگوں کے جائز و ناجائز مال کے کھانے سے فرصت ہی کہاں ہے۔ جیسے کتوں کی عادت ہے کہ کسی ہڈی کے مل جانے پر دوسرے کُتّے پر جسکو اتفاقاً پاس سے گذر ہو جائے حملہ کرتا اور اُس کو چیرتا پھاڑتا ہے۔ اسی طرح علماء کی حالت ہو رہی ہے کہ کسی دوسرے عالم کے آجانے پر اُس کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ اور اُس کو فکر پڑ جاتی ہے کہ جہاں تک اور جس طرح ممکن ہو عیب لگا کر یا کفر کا فتویٰ جما کر الگ کر دیا جائے یا جیسے گِدھیں فضائے آسمان پر اس تاک میں رہتی ہیں۔ کہ کہیں کوئی مُردہ تو نہیں پڑا۔ ایسا ہی ان علماء کی حالت ہے کہ شب و روز اس امید اور تفتیش میں رہتے ہیں۔ کہ کوئی مالدار آدمی مرا ہے کہ نہیں۔ اس کی کچھ پروا نہیں کہ خواہ میت سود خوار تھا یا مرتشی یا چوری کا مال لینے والا تھا

یا خود چوپڑھتا۔ بلکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ وہ اُس وقت بڑے خوش ہوتے ہیں اور بغلیں بجاتے ہیں کہ جب کوئی مالدار رنڈی جوساری عمر زنا کی کمائی سے دولت جمع کرتی رہی ہو مرجائے کیونکہ اس سے بہت کچھ ملنے کی امید ہوتی ہے پس ایسے گندے اور ناپاک طبع علمار کیونکر ورثۃ الانبیار کے لقب کے مستحق ہوسکتے ہیں۔ ورثۃ الانبیار میں تو وہ علمار داخل ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم لدنیؔ عطا ہوتا ہے۔ اور تقویٰ کے اعلیٰ مراتب طے کرچکے ہوتے ہیں اور جنکو بارگاہ رب العزۃ میں وجاہت اور قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جن کی ذات ان ناپاک خیالات سے پاک اور نفسانی خواہشات سے منزّہ ہوتی ہے۔ احادیث اور اقوال سلف صالح سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مجدّدین کو ہی ورثۃ الانبیار کے خطاب مستطاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابو احمد عبدالرحمٰن محمد المعروف با بن عدی جرجانی اپنی کتاب کامل ابن عدی میں حدیث ذیل نقل کرتے ہیں:۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعُلَمَاءُ مَصَابِیْحُ الْاَرْضِ وَخُلَفَاءُ الْاَنْبِیَاءِ وَوَرَثَتِیْ وَوَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ +	حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ علمار زمین کے چراغ اور انبیار کے خلیفے اور میرے اور انبیار کے وارث ہوتے ہیں دیکھو کنزالعمال جلد ۵ صفحہ ۲۰۱ +

اور حضرت رب العزت کے دربار گوہر بار سے بھی وہ لوگ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کے لقب سے ملقب ہیں۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں جو شیخ جمال الدین ناگوری کے نام پر ہے لکھتے ہیں وَالْعُلَمَاءُ الرَّاسِخُوْنَ ھُمُ الْوَارِثُوْنَ فِی الْحَقِیْقَۃِ یعنی علمار راسخین ہی فی الحقیقت وارث انبیا ہیں۔ دیکھو مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۱۰۱۔ اور پھر اسی مکتوبات کے جلد ۲ مکتوب ۱۳ میں جو مرزا شمس الدین کے نام ہے۔ علمار راسخین کی تفصیل یوں فرماتے ہیں +

وَنَصِیْبُھُمْ عُلَمَاءِ رَاسِخِیْنَ کہ وَرَثَۃُ انبیا اند علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات بانچہ علمار ظواہر دارند وبآنچہ صوفیہ بآن ممتاز اند اسرار وفایق	یعنی علمار راسخین جو وارث الانبیا ہیں علمار ظواہر اور صوفیہ کرام دونو کے علوم سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یعنی ظاہری علوم سے بھی۔ اور

است کہ در متشابہات قرآنی رمزے اشارتے بآں رفتہ است و بسبیل تاویل اندراج یافتہ فَهُمُ الْكَامِلُونَ فِي الْمُتَابَعَتِ وَالْمُتَحَقِّقُونَ بِالْوِرَاثَتِهِ ایشان بسبیل تبعیت و وراثت شریک دولت خاص انبیاء اند علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و محرم بارگاہ لاجرم بشرف کرامت عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ مشرف گشتہ اند+

باطنی علوم سے بھی۔ باطنی علوم تو اسرار دقائق ہیں۔ جن کو قرآن کریم میں متشابہات کے لفظ سے تاویل کیا جاتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو شریعت کی متابعت میں کامل اور نبوت کی وراثت میں محقق ہیں۔ جس میں شک و شبہ کو کچھ دخل نہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو خاص انبیا کی وراثت میں شریک اور شریعت کے پیرو ہیں۔ اور یہی بارگاہ الٰہی کے محرم راز ہیں۔

اور اسی بنا پر عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ کے باعزت لقب سے مشرف و ممتاز ہیں۔ دیکھو مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۳۴ ا صفحہ ۱۳۶+

مجدّد کی پہچان کیا ہے

اگر تم انکی پہچان چاہو کہ کیونکر ہو تو باور کرو کہ ان بزرگوں کی پہچان یہ ہے۔ کہ انکو کلام الٰہی کا خاص فہم دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ رموزِ قرآن و اسرار فرقان کی نہریں مشرق و مغرب تک جاری کر دیتے ہیں۔ اور برسوں کے پیاسوں کو جو شریعتِ حقّہ سے دور پڑکر ضلالت اور گمراہی کے لق و دق جنگل میں سراب جیسے دھوکہ دہ نظارہ کے پیچھے مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں۔ کلام الٰہی کے آب زلال سے سیراب کر دیتے ہیں۔ اور اپنے وجودِ باوجود سے اسلام کے قالب مردہ میں نئی زندگی کا صور پھونکتے ہیں۔ گویا برسوں کے مُردے اُن کی روحانی تاثیر سے اور اُن کی قوت قدسیہ کی برکت سے باہر نکل آتے ہیں جیسے انجیل سے بھی ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے مبعوث ہونے پر مُردے قبروں سے نکل آئے تھے۔ یا جیسے رسول اللہ صلعم کی زمانہ میں صدیوں کے مُردوں کو از سر نو حیات حاصل ہوئی تھی جس کی تصدیق قرآن شریف کی آیت [إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ] سے ہوتی ہے۔ یعنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلاوے تو دوڑ کر آیا کرو کیونکہ اُس کا بلانا تمہاری زندگی کے لئے ہی کہ تم حیاتِ جاوید پاؤ اور ابدی زندگی کے وارث بنو

پہلی فصل

اِس باب میں کہ ۱۳ صدیوں میں کون کون مجدّد ہوئے ہیں

ہم اوپر دکھلا چکے ہیں۔ کہ ہر صدی کے سرے پر مجدّدوں کا آنا ضروری ہے۔ کیونکہ ہر سو سال کے بعد زمانہ کی حالت پلٹا کھاتی ہے۔ اور دینِ اسلام میں ضُعف واقع ہو جاتا ہے لہٰذا ازبس ضروری ہے۔ کہ اس ضُعف اور کمزوری کے دُور کرنے کے لئے کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص تائید پاکر دُنیا میں کھڑا ہو۔ اور جس قدر اہل اسلام میں فتور برپا ہو گیا ہو۔ اِس کو دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اور دینِ مُردہ کو از سرِ نو زندہ کر کے اسکو اپنی اصلی ہیئت میں دکھلا وے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفخ صور سے پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ اس غرض کے پورا کرنے کے لئے ۱۳ صدیوں میں جس قدر اصحاب مجدد تسلیم کئے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض نے اپنی زبان سے دعویٰ مجددیت کیا ہے اور بعض نے زبان سے تو دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن بعض لوگوں نے اُن کو اپنے اعتقاد اور علم سے مجدد تسلیم کر لیا ہے۔ ہم اُن کے نام صدی وار لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ اُنکے اسمائے مبارک سے ناواقف اور ناآشنا ہیں۔ اچھی طرح سے واقف ہو جائیں +

پہلی صدی میں اصحاب ذیل مجدد تسلیم کئے گئے ہیں

(۱) عمر بن عبدالعزیز (۲) سالم (۳) قاسم (۴) مکحول۔ علاوہ انکے اور بھی اس صدی میں مجدد مانے گئے ہیں۔ چونکہ جو مجدّد جامعِ صفاتِ حسنیٰ ہوتا ہے۔ وہ سب کا سردار اور فی الحقیقت وہی مجدّد فی نفسہ مانا جاتا ہے۔ اور باقی اُس کی ذیل سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے انبیاء بنی اسرائیل میں ایک نبی بڑا ہوتا تھا۔ تو دوسرے اُس کے تابع ہو کر کارروائی کرتے تھے۔ چنانچہ صدی اوّل کے مجدّد مُتّصف بجمیع صفات حسنیٰ حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے دیکھو نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۹۔ و قرۃ العیون و مجالس الابرار۔ و تعریف الاحیا بفضائل الاحیا صفحہ ۳۲

دوسری صدی کے مجدد صاحب ذیل ہیں

(۱) امام محمد ادریس ابو عبد اللہ شافعی (۲) احمد بن محمد بن حنبل شیبانی (۳) یحییٰ بن معین بن عون عطفانی (۴) اشہب بن عبد العزیز بن داؤد قیس۔ (۵) ابو عمرو مالکی مصری۔ (۶) خلیفہ مامون رشید بن ہارون (۷) قاضی حسن بن زیاد حنفی (۸) جنید بن محمد بغدادی صوفی (۹) سہل بن ابی سہل بن رنجلہ شافعی (۱۰) بقول امام شعرانی حارث بن اسعد محاسبی ابو عبد اللہ صوفی بغدادی۔ (۱۱) اور بقول قاضی القضات علامہ عینی۔ احمد بن خالد الخلال۔ ابو جعفر حنبلی بغدادی۔ دیکھو نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۴۔ قرۃ العیون و مجالس الابرار تعریف الاحیا بفضائل الاحیا صفحہ ۳۲۔

تیسری صدی کے مجدد صاحب ذیل ہیں

(۱) قاضی احمد بن شریح بغدادی شافعی (۲) ابو الحسن اشعری متکلم شافعی (۳) ابو جعفر طحاوی ازدی حنفی (۴) احمد بن شعیب (۵) ابو عبد الرحمن نسائی (۶) خلیفہ مقتدر باللہ عباسی (۷) حضرت شبلی صوفی (۸) عبید اللہ بن حسین (۹) ابو الحسن کرخی صوفی حنفی۔ (۱۰) امام بقی بن مخلد قرطبی مجدد اندلس اہل حدیث۔ دیکھو تعریف الاحیا بفضایل الاحیار صفحہ ۴۳ و نجم الثاقب و قرۃ العیون و مجالس الابرار۔

چوتھی صدی کے مجدّد صاحب ذیل ہیں

(۱) امام ابو بکر باقلانی (۲) خلیفہ قادر باللہ عباسی (۳) ابو حامد اسفرائنی (۴) حافظ ابو نعیم (۵) ابو بکر خوارزمی حنفی (۶) بقول شاہ ولی اللہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بالحاکم نیشاپوری (۷) امام بیہقی۔ (۸) حضرت ابو طالب ولی اللہ صاحب قوت القلوب جو طبقہ صوفیا سے ہیں (۹) حافظ احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی (۱۰) ابو اسحق شیرازی (۱۱) ابراہیم بن علی بن یوسف فقیہ و محدث۔

پانچویں صدی کے مجدد اصحاب ذیل ہیں

(۱) محمد بن محمد ابو حامد امام غزالی (۲) بقول عینی و کرمانی حضرت راعونی حنفی۔ (۳) خلیفہ مستظہر بالدین مقتدی باللہ عباسی۔ (۴) عبداللہ بن محمد انصاری ابو اسمٰعیل ہروی (۵) ابو طاہر سلفی (۶) محمد بن احمد ابو بکر شمس الدین سرخسی فقیہ حنفی +

چھٹی صدی کے مجدد اصحاب ذیل ہیں

(۱) محمد بن عمر ابو عبداللہ فخر الدین رازی (۲) علی بن محمد (۳) عز الدین ابن کثیر (۴) امام رافعی شافعی صاحب زبدہ شرح شفا (۵) یحییٰ بن حبش بن ہیرک حضرت شہاب الدین سہروردی شہید امام طریقت (۶) یحییٰ بن اشرف بن حسن محی الدین لوذی۔ (۷) حافظ عبدالرحمٰن ابن جوزی۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سرتاج طریقہ قادری +

ساتویں صدی کے مجدد اصحاب ذیل ہیں

(۱) احمد بن عبدالحلیم تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی (۲) تقی الدین ابن دقیق السعید (۳) شاہ شرف الدین مخدوم بہائی سندی (۴) حضرت معین الدین چشتی (۵) حافظ ابن القیم جوزی شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن القیم الجوزی درعی دمشقی حنبلی۔ (۶) عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان بن خلاج ابو محمد عفیف الدین یافعی شافعی (۷) قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی حنفی دمشقی +

آٹھویں صدی کے مجدد اصحاب ذیل ہیں

(۱) حافظ علی بن حجر عسقلانی شافعی (۲) حافظ زین الدین عراقی شافعی (۳) صالح بن عمر بن ارسلان قاضی بلقینی (۴) علامہ ناصر الدین شاذلی ابن سنت میلی +

نویں صدی کے مجدد اصحاب ذیل ہیں

(۱) عبدالرحمن بن کمال الدین شافعی معروف بامام جلال الدین سیوطی (۲) محمد بن

عبدالرحمٰن سخاوی شافعی (۳) سید محمد جون پوری ہندی ۔ اور بقولِ بعض دسویں صدی کے مجدد ہیں۔ حضرت امیر تیمور صاحب قرآن فاتح عظیم الشان +

دسویں صدی کے مجدد صحابِ ذیل ہیں

(۱) ملا علی قاری (۲) محمد طاہر فتنی گجراتی محی الدین محی السنۃ (۳) حضرت علی بن حسام الدین معروف بعلی متقی ہندی مکی +

گیارھویں صدی کے مجدد صحابِ ذیل ہیں

(۱) عالمگیر بادشاہ غازی اورنگ زیب (۲) حضرت آدم بنوری صوفی (۳) شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین فاروقی سرہندی ۔ معروف با مام ربانی مجدد الف ثانی +

بارھویں صدی کے مجدد صحابِ ذیل ہیں

(۱) محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان نجدی (۲) مرزا مظہر جان جانان دہلوی (۳) سید عبدالقادر بن احمد بن عبدالقادر حسنی کوکبانی ۔ (۴) حضرت احمد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (۵) امام شوکانی (۶) علامہ سید محمد بن اسمٰعیل امیر یمن (۷) محمد حیات بن ملا ملازیہ سندہی مدنی +

تیرھویں صدی کے مجدد صحابِ ذیل ہیں

(۱) سید احمد بریلوی ۔ (۲) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۳) مولوی محمد اسمٰعیل شہید دہلوی (۴) بعض کے نزدیک شاہ رفیع الدین صاحب بھی مجدد ہیں (۵) بعض نے شاہ عبدالقادر کو مجدد تسلیم کیا ہے ۔ ہم اس کا انکار نہیں کرسکتے ۔ کہ بعض ممالک میں بعض بزرگ ایسے بھی ہونگے جن کو مجدد مانا گیا ہو ۔ اور ہمیں اُن کی اطلاع نہ ملی ہو ۔ وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو جامع جمیع صفات انسانی تھے ۔ کوئی کامل انسان ایسا نہیں ہوسکتا تھا ۔ کہ شریعتِ اسلامی کے تمام محکمہ جات کی خدمات

کو سرانجام دے سکتا۔ اس لئے ضروری بلکہ اشد ضروری تھا۔ کہ شریعت حقۂ اسلام کے ہر پہلو اور ہر محکمہ کے ضعف اور کمزوری کو دور کرنے کے لئے الگ الگ افراد اس خدمت پر مامور ہوں اور مشاہدہ اور تجربہ گواہی دیتا ہے کہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ چنانچہ فہرست مجددین سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی مجدد وفقیہہ ہے کوئی محدث ہے۔ کوئی مفسر ہے کوئی صوفی ہے کوئی متکلم ہے۔ اور کوئی بادشاہ ہے۔ الغرض جن کاموں کو ایک ذات جامع جمیع صفات انسانی صلوٰۃ اللہ وسلامہ بہمہ حسن وخوبی سرانجام دیتی تھی۔ اُن کے بعد کس کا یارا تھا کہ سب کام اُسی طرح کر سکتا۔ اس لئے مختلف زمانوں میں مختلف افراد مختلف پہلوؤں میں ان خدمات کو بجا لاتے رہے۔ اور اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا +

جب یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا۔ کہ ہر صدی کے سر پر کسی مجدّد کا آنا ضروری ہے تو اب کوئی وجہ نہیں کہ چودھویں صدی کے سر پر کوئی مجدّد نہ آوے۔ مجدد کا آنا نہایت ہی ضروری ہے۔ خاصکر ایسے پرفتن زمانہ میں جبکہ اسلام پر ہر پہلو اور ہر طرف سے مصائب کے پہاڑ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ اور اسلام ایسے نرغہ میں پھنس گیا ہو کہ جس سے جانبری نہایت ہی مشکل ہوگئی ہو +

مجدّد کا فرض

ہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر صدی میں جو مجدد آتا تھا۔ اُس کا اہم کام یہی ہوتا تھا۔ کہ اسلام پر جس پہلو سے حملہ کیا گیا۔ یا جس بات میں اسلام ضعیف ہوگیا اُسی حملہ یا نقص کے دُور کرنے کے لئے وہ مجدد کھڑا ہوا کرتا تھا۔ اور مجدد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر عالم کی اُس غلط رائے کو جو وہ اپنی کسی کتاب میں درج کر چکا ہو اُٹھائے۔ مجدد ہمیشہ جس امر میں صریح عملی ضرر دیکھتا ہے اور جس سے اُس زمانہ میں جس میں وہ مجدد ہوتا ہے اسلام یا اہل اسلام پر سخت مصیبت کا اندیشہ دامنگیر ہو جاتا ہے۔ اپنے مساعیٔ جمیلہ سے اُسی ضرر کو دفع کرتا ہے۔ اور باقی غلطیوں کا وہ ذمہ وار نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلطیاں جس جس زمانہ میں سر اُٹھاتی اور اسلامی شریعت کو ضرر پہنچاتی ہیں۔ اُسی زمانہ میں اُن کے دفعیہ کے لئے ایک دوسرا مجدّد کھڑا کیا جاتا ہے۔ گویا وہ غلطیاں اُسی

کے لئے ودیعت رکھی جاتی ہیں۔ لہذا اب اس چودھویں صدی کے سر پر بھی وہی شخص مستحق تجدید ہو سکتا ہے۔ جو چودھویں صدی کے مفاسد اور معزات کے دفعیہ کے قابل ہو۔ سو الحمد للہ کہ یہ صدی بھی مثل گذشتہ صدیوں کے خالی نہیں گئی۔ عین صدی کے سر پر ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے اُن تمام مفاسد موجودہ کے دُور کرنے میں ایسی جان توڑ کوشش کی کہ اُس کی نظیر گذشتہ تیرہ صدیوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس بزرگ نے اپنی تدابیر حسنہ اور مساعی جمیلہ کی برکت سے دشمنانِ دین کے خطرناک حملات کو ایسا اُٹھایا ہے۔ کہ نام و نشان تک مٹا دیا ہے۔ اور اسلام کی حقانیت کی ڈھاک ایسی بٹھادی ہے کہ زبردست سے زبردست دشمن کا دل بھی لرزا گیا ہے۔ اور جیسے تھرمامیٹر (یعنے آلہ مقیاس الحرارت) شدتِ گرمی سے بیچین ہو کر اوپر چڑھ جاتا ہے۔ اور باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے ایسا ہی ان دشمنوں کے دل بیقرار ہو گئے۔ اور اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے ہیں اور اب وہ اہلِ اسلام کے مقابل میں ایسے بودے اور بزدلے ہو گئے کہ سامنے آنا تو درکنار اس طرف رُخ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے

ہم اس امر کو طوالت دینا پسند نہیں کرتے۔ اور نہ ہم زیادہ انتظار میں ڈالنا چاہتے ہیں وہ بزرگ جو یقیناً یقیناً چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیاں ہیں۔ جنہوں نے چھوٹتے ہی دشمنوں کے حملہ ہی سے اسلام کو نہیں بچایا بلکہ اُن کے گھروں میں داخل ہو کر اُن کے مذاہب کی عمارات کا پول ظاہر کر دیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اُن کی مذہبی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ اور اُن کو ایسا کچل دیا اور پائمال کر دیا ہے۔ کہ اب اُن کے اُبھرنے کی تا قیامت امید نہیں ہو سکتی۔ ہم اس اجمال کی تفصیل آگے چل کر کرینگے۔ یہاں ہم اس کا موقع مناسب نہیں سمجھتے +

کیا گذشتہ بزرگان میں سے کسی نے دعویٰ الہام کیا ہے یا نہیں

البتہ اس جگہ پر ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ کہ بعض نادان صوفی منش یا نا اہل علماء کے اس اعتراض کو اُٹھا دیں۔ جو اس صورت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ آجتک کسی بزرگ نے اپنی زبان سے دعویٰ نہیں کیا۔ کہ میں فلاں مرتبہ کا انسان ہوں اور مجھے الہام ہوتا ہے۔

اسلئے یہ بزرگان دین کی روش کے خلاف ہے۔ بلکہ دکانداروں کا طریق ہے۔ اور اگر سچے بھی ہوں۔ تو بھی اظہار کی ضرورت نہیں۔ خود بخود لوگوں کو اُن کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ یعنے کستوری اصل وہی ہے جو خود ہی اپنی بو سے اصلیت ظاہر کرے نہ کہ اُس کی اصلیت کی وجوہ عطار بیان کرے۔

سو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ لوگ بزرگان دین کی سوانح عمری سے محض ناواقف ہیں۔ اور نہ ان کو تاریخ کا علم ہے۔ محض چند زاہد گوشہ نشینوں کے قصے جو مبالغہ سے مبرا نہیں ہوتے کہیں سے سُن پاتے ہیں۔ اور آخر اُنہیں کو نظیر ٹھیرا کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جب ایسے ایسے بزرگ اپنے مکاشفات اور الہامات کے اظہار سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ اپنے انکشاف کو ترقیات کا حارج بھی سمجھتے تھے۔ تو پھر کون شخص ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ دُنیا میں ننگی تلوار لیکر میدان میں کھڑا ہو جائے اور بآواز بلند نعرے مار کر کہے کہ مجھے زمین و آسمان کے مالک نے یہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ جو مجھے نہیں مانیگا اور میرے مرتبہ سے انکار کریگا۔ تو خدا تعالیٰ کا مجرم قرار پائیگا۔ ایسا شخص تو دنیا دار ہوتا ہے۔

فرق مابین مامور من اللہ و عابدِ زاہد

افسوس اگر اِن ناداںوں کو یہ علم ہوتا۔ کہ جو لوگ مامور من اللہ اور مخلوقات کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اُنکا لازمی فرض ہوتا ہے کہ وہ انبیا کی طرح اپنے دعویٰ کا اظہار کریں کیونکہ یہ لوگ انبیا یا انبیا کے ظل ہوتے ہیں۔ ان میں اور گوشہ نشین زاہدوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ گوشہ نشین زاہد مکلف نہیں ہوتے اور نہ وہ مخلوقاتِ خدا کے افعال کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ وہ تو اپنے نفس کے تزکیہ اور پاک کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ اُن کو دنیا وَمَا فِیہَا سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی شخص خوش قسمتی سے اُن کی رفاقت یا مصاحبت یا ہمسائگت اختیار کرے تو وہ بشرطِ رکھنے فطرت قابلہ کے اپنے اعتقاد اور خلاص کے مقدار کے بموجب اُن انوار سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ جو اُس بزرگ پر نزول فرماتے ہیں اور یہ بات بعید از عقل نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ ہم قانونِ قدرت میں دیکھتے ہیں کہ پتھر خواہ کتنا ہی سخت اور کھردرا ہو جب پانی کے رستہ میں واقع ہوتا ہے۔ تو رفتہ رفتہ خوب صاف

اور ہموار ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب کوئی انسان کسی بزرگ کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ تو اُس پر بھی اُس بزرگ کے انوارِ باطنی کا پرتو پڑجاتا ہے۔ لیکن وہ کسی صورت سے اُنکی اندرونی ناہمواریوں کو دور نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ لوگ کسی کے عیب کے اظہار کو بھی معیوب سمجھتے ہیں چہ جائیکہ کارِ تبلیغ کو سرانجام دیں۔ وجہ یہ کہ وہ مامور نہیں ہوتے۔ اور جب وہ اپنا منصب ہی نہیں سمجھتے۔ تو وہ عیوب کو ظاہر کرکے کسی انسان کے دل کو کیونکر دکھانا پسند کرتے ہیں۔ خواہ مشرک اُن کے پاس آئے یا کافر یا مجوس یا یہود یا نصاریٰ غرض کوئی ہو کسی مذہب کا ہو۔ اُنکو اُن کی خطاؤں سے کیا سروکار اور اُنکے گناہوں سے کیا کام۔ اسلئے سب لوگ اُن کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کو بڑا بزرگ تسلیم کرکے اُن کے آگے ہاتھ باندھکر کھڑے ہوتے ہیں۔ یا اُن کے حضور میں بے زبان جانوروں کی طرح خاموش ہوکر دوزانوں بیٹھتے ہیں۔ اگر کسی سے وہ بزرگ مخاطب ہوگئے تو زہے قسمت ورنہ جیسے آتے ہیں۔ ویسے ہی اپنا مُنہ لیکر واپس چلے جاتے ہیں +

برخلاف اس کے جو مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اُس کا بڑا اور اہم کام یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کی غلطیوں کو نکالے۔ وہ علماء اور فقرا کی غلط کاریوں کی اصلاح کرے۔ اور جس قدر دنیا میں فتور برپا ہوتا ہے اُس کے رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اِس لئے تمام مذاق کے انسان جو مدتوں غفلت کے پردوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ یکلخت ایسے انسان کے پیدا ہوجانے سے بھڑک اُٹھتے ہیں اور اُن معائب کو جو اُن کے اندر مدت مدید سے جاگزیں ہوتے ہیں اُس کی زبان سے سُنکر جوش میں آجاتے ہیں اور مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انبیاء اور مرسلانِ بارگاہِ الٰہی یا اُنکے اظلال زمانہ کے لوگوں سے دُکھ اُٹھاتے رہے ہیں۔ برخلاف اس کے گوشہ گزین زاہدوں کا کوئی بھی دشمن نہیں ہوتا۔ خواہ وہ کسی کو گالی بھی دیدے یا مارے بلکہ گالیوں کا دینا اور دُکھانا بھی کسی مقصد براری کا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں کہ فقیر صاحب کی خاص توجہ میری طرف ہوگئی ہے۔ بنا بریں گوشہ گزین زاہدوں اور ماموریں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایسے زاہدوں کو ایک باعفت پردہ نشین عورت سے زیادہ رُتبہ نہیں دے سکتے۔ اور مامور من اللہ اُن کے مقابلہ میں ایک بہادر مردِ میدان ہوتا ہے کہ ڈنکے کی چوٹ برملا لوگوں کے عیوب اور روحانی امراض کو ظاہر کرتا ہے

اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور مخالفت کرنے والے کی مخالفت سے نہیں ڈرتا۔ ان کی پہچان کے لئے یہی امر مابہ الامتیاز ہے +

اب ہم اس امر کے واضح کرنے کے لئے بطور مثال چند مجددوں کا حال بیان کر دیتے ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان میں دعویٰ تجدید کیا ہے اور بڑے زور سے کیا ہے +

یہ بات عامۃ الناس پر مخفی نہیں۔ کہ اس ملک ہندوستان میں چند ایسے نامی اشخاص ہوئے جن میں سے بعض نے خود بھی دعویٰ تجدید کیا ہے اور بعض لوگوں کو حسن ظنی سے خود لوگوں نے مجدد تسلیم کیا ہے گو بذات خود انہوں نے اپنے منہ سے اظہار دعویٰ نہیں کیا چنانچہ جن بزرگان نے دعویٰ مجددیت علانیہ کیا ہے۔ وہ شیخ احمد سرہندی المعروف بامام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ہیں۔ گو سید محمد جونپوری اور سید احمد بریلوی اور بعض دیگر بزرگان نے بھی اظہار کیا ہے لیکن بخوف طوالت صرف دو کا ذکر دیتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کو بصیرت ہو۔ اور اُن لوگوں کو شرمندگی اور ندامت ہو جو کہا کرتے ہیں۔ کہ آجتک کسی نے اپنی زبان سے دعویٰ نہیں کیا۔ اور ایسا دعویٰ کرنا شان بزرگی کے منافی ہے +

حال امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

سو واضح ہو کہ شیخ احمد سرہندی گیارھویں صدی میں ہوئے ہیں۔ اُن کے مکتوبات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دور دراز تک اُن کی بزرگی کا شہرہ تھا۔ اور بڑے بڑے علماء و فضلاء اُن کی مجددیت کے قائل تھے۔ چونکہ ہندوستان میں نور جہاں بیگم کی وجہ سے ہزارہا شیعہ لوگ امور ریاست میں دخیل ہو گئے تھے اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اُن کے قبضے میں تھے۔ اسلئے اہل سنت والجماعت پر بہت بُرا اثر پڑنے لگا تھا اور یہانتک نوبت پہنچ گئی تھی کہ وہ مذہب جو شرک کے مٹانے کے لئے دنیا میں آیا تھا اب خود اسی میں شرک اس زور و شور سے بسیرا لا چکا تھا۔ اب ہندوستان کا کوئی شہر کوئی قصبہ نہیں جو اس کے اثر سے بچ رہا ہو۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ جو لوگ دنیا سے شرک اور فضولیات اٹھانے کے لئے آئے تھے۔ اب ہندوؤں کے رشیوں کی طرح خود

پوجے جانے لگے ہیں۔ اور یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ امام پاک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کو اب معبود بنا لیا گیا ہے۔ ایک ناپاک اور پلید طبع شخص کے فسق و فجور کی وجہ سے اُس کے مُلک میں رہنا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنی جانِ عزیز اور کل اعزا و اقربا کو دین کی خاطر قربان کر دیا۔ مگر وہ فسق و فجور کے دیکھنے کے روادار نہ ہو سکے۔ تو پھر وہ اسقدر فضولیات کو کب پسند کر سکتے ہیں۔ جو شرک کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور فسق و فجور یہانتک ترقی کر گیا ہے کہ اس زمانہ کا ایک ایک شخص زمانۂ حسین علیہ السلام کے دس دس کیا بلکہ سو سو یزید کے برابر ہے۔ اُس وقت ایک یزید تھا اب لاکھوں یزید موجود ہیں جو بدکاری اور نفسانیت میں زمانۂ حسین کے یزید سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ الغرض جسقدر تعزیہ داری اور سال بسال عزا و ماتم دیکھتے ہو۔ یہ اُسی زمانہ کا اثر ہے۔ جبکہ ایک رافضیہ عورت کا امورات سلطنت میں دخل عظیم ہو گیا تھا۔ حتٰی کہ اب سُنی لوگ بھی اُس کو بڑی خوشی سے ادا کرتے ہیں۔ گویا اُن کو وحی آسمانی آ چکی ہے۔ اور اب اُس کا ترک کرنا موت سے بھی بڑھکر سمجھتے ہیں*

ایسے وقت میں مجدد صاحب دنیا میں کھڑے ہوئے۔ اور جہانتک اُن سے بن پڑا اس اثر کے مٹانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ہائے افسوس کہ اُس وقت کے علما حسب دستور قدیمہ اُن کو بھی کافر قرار دیکر اُن کی کارروائی میں حارج ہو گئے۔ اور وہ جس غرض کے لئے مامور ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اُس میں ایک بھاری روک ڈال دی۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ دربار جہانگیر بادشاہ میں ان کی ریش مبارک کھینچی گئی تھی۔ اور ان کو ایک عرصہ تک گوالیار کے قلعہ میں محبوس رکھا گیا۔ گو وہ کچھ عرصہ کے بعد رہا ہو گئے تھے۔ لیکن رفض کا اثر جو لوگوں کے گھروں میں پڑ چکا تھا۔ اُس کا پورا قلع قمع نہ کر سکے اور اس رفض کا یہانتک اثر ہوا ہے۔ کہ تعزیوں کا تو ذکر ہی جانے دو۔ کوئی گھر خالی نہیں ہے۔ جس میں مردوں اور عورتوں کے وہ نام رکھے نہ گئے ہوں۔ جو بالخصوص شیعہ رکھا کرتے ہیں۔ خاصکر ہندوستان کے اُن اضلاع میں جہاں شیعہ حکام کا دور دورہ تھا +

الغرض حضرت شیخ احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے گیارھویں صدی میں اس ذرہ

* حالانکہ فضلائے اہل شیعہ بھی تعزیہ داری کو اپنے مذہب کے رو سے حرام سمجھتے ہیں +

شور سے دعوی کیا۔ کہ میں وہ مجدد ہوں کہ میرے سائفہ کا مجدد ین سابقہ میں سے بھی میرا
کوئی نظیر نہیں ہوا ہے۔ ہم بجنسہ انکا کلام نقل کر دیتے ہیں وھو ھذا۔

اگر گوید کہ فہم کند و کہ دریا بد ایں معارف از حیطۂ ولایت ارباب ولایت در رنگِ علمائِ ظواہر در ادراکِ آن عاجز اند و در درک آن قاصر ایں علوم مقتبس از مشکوٰۃ انوار نبوت اند علٰی اَرْبَابِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ کہ بعد از تجدید الفِ ثانی بتبعیت و وراثتِ تازہ گشتہ اند و بطراوتِ ظہور یافتہ صاحب ایں علوم و معارف مجددِ ایں الف است کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی النَّاظِرِیْنَ فِیْ عُلُوْمِہٖ وَمَعَارِفِہِ الَّتِیْ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ وَتَتَلَبَّسُ بِالْاَحْوَالِ وَالْمَوَاجِیْدِ وَالتَّجَلِّیَاتِ وَالظُّهُوْرَاتِ فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمَعَارِفَ لُبُّ ذٰلِكَ الْقِشْرِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِیْ۔ و بداند بر سرِ ہر مائۃ مجددے گذشتہ است اما مجددِ مائۃ دیگر است و مجددِ الف دیگر۔ چنانچہ درمیانِ مائۃ و الف فرق است در مجددینِ ایہا نیز ہمان قدر فرق است بلکہ زیادہ از آں و مجدد آن ست کہ ہر چہ دراں مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتادِ آن وقت بوند و بُدلا و نجبا باشند	اگر کوئی کہے کہ ان معارف کو جو ولیوں کی ولایت کے محل سے چہرہ نمائی کرتے ہیں کون سمجھ سکتا یا کون اُن کی کُنہہ کو پا سکتا ہے سو یاد رہے کہ الفاظ پرست علماء ان معارف کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اور اُن کی حقیقت کے پانے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم کبھی حاصل نہیں ہوتے بلکہ نبوت کے لائیٹ ہاؤس یعنی روشنی گھر سے حاصل ہوتے ہیں۔ جو انبیاء کی کامل پیروی کرنے کے بعد بطور وراثت عطا

ہوکر دوسرے ہزار کی تجدید کے لئے تر و تازہ ہو گئے ہیں۔ جس شخص کو یہ علوم اور معارف ملے ہیں۔ وہی اس صدی کا مجدد ہے۔ چنانچہ یہ بات اُن لوگوں پر مخفی نہیں جنہوں نے اُس کے علوم پر نظر کی ہے۔ اور اُن معارف کو ملاحظہ کیا ہے۔ جو اس شخص کی ذات اور صفات اور افعال سے متعلق ہیں۔ اور نیز اس کے حالات اور مواجید اور تجلیات اور ظہورات کو دیکھا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ یہ تمام معارف اُس پوست کا ایک ذرہ ہیں جو اُس شخص کو دیئے گئے ہیں۔ یعنے جو کچھ اب تک لوگوں نے دیکھا ہے۔ یہ بہت قلیل ہے۔ اُسکی شان اس سے بڑھکر ہے۔ اور یہ خاص اُسی پاک ذات کا فضل ہے جس نے لوگوں کی ہدایت کے لئے

ایک ہادی بھیجا ہے۔ لہذا فی الحقیقت وہی ذات ہادی ہی کہلانے کے لایق ہے۔
اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد ہوتا رہا ہے لیکن صدی کا مجدّد اور چیز ہے۔ اور الف کا اور ۔یعنی جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے اِسی طرح اُن کے مجددوں میں فرق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مجدّد وہ شخص ہوتا ہے۔ کہ اُس زمانہ میں جس قدر فیض اُمتوں کو پہنچتا ہے۔ وہ صرف اُسی مجدّد کے توسط اور وسیلہ سے پہنچتا ہے۔ خواہ اُس زمانہ کے قطب اور اوتاد اور ابدال اور نجبا بھی موجود ہوں دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد ۲ مکتوبات چہارم صفحہ ۱۳ و ۱۴+

امام ربانی مجدّد الف ثانی کی کلام سے واضح ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو مجدّد الف ثانی قرار دیا ہے۔ اور صرف مجدّد ہی نہیں بلکہ فخر کیا ہے۔ کہ میرا مرتبہ دوسرے تمام مجددوں سے بڑھکر ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جسقدر سو اور ہزار میں فرق ہے اس سے بھی بڑھکر میرا درجہ ہے۔ لیکن اگر بنظرِ غور دیکھا جائے۔ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس قدر دعویٰ کیا گیا ہے۔ اُتنی کوئی خدمت دینی ثابت نہیں ہوتی۔ گو یہ بات قرینِ قیاس ہے۔ کہ جس قدر زمانہ رسالت مآب سے بُعد اور دُوری ہوتی گئی۔ اُسی قدر دین میں فتور آتا گیا۔ اور جس قدر فتور زیادہ ہوا۔ اُسی پایہ کا مجدد بھی ہوا۔ لیکن اگر اس چودھویں صدی کے مفاسد کا گیارھویں صدی کے مفاسد سے مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ ہم چودھویں صدی کے مفاسد کا ذکر آگے چل کر کرینگے۔ جس کے سننے سے ایک شیر دل آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوجائینگے اور کلیجہ مُنہہ کو آئیگا +

بہر حال جب گیارھویں صدی کے مجدّد کا وہ مرتبہ ہے۔ جو اُنہوں نے اپنی مکتوبات میں ظاہر فرمایا ہے۔ تو پھر چودھویں صدی کے مجدّد کا مرتبہ کیا ہی عظیم الشان ہوگا۔ جن کے کارنامے بمقابلہ مجدد الف ثانی ہزار بلکہ لاکھہ درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل اپنے موقع پر آئیگی +

حال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مجدّد صدی دوازدہم

یہ حال تو شیخ احمد سرہندی کا ہوا اور اب ہم شاہ ولی اللہ صاحب کا کچھہ مختصر سا حال

قلمبند کرتے ہیں۔ جو بارھویں صدی کے مجدّد ہیں۔ ان کے زمانہ میں ایمانی اور عملی کمزوری کا دریا بہ رہا تھا۔ اور لوگ صراط مستقیم سے بہت دُور ہو گئے تھے۔ اور فرائض اور نوافل سے پرے درجہ کی غفلت طاری تھی۔ اور لوگوں نے نئے نئے طریق ایجاد کر لئے تھے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کو بارھویں صدی کا مجدّد مقرر فرما کر لوگوں کی ہدایت کے لئے کھڑا کر دیا۔ جس کا اظہار وہ خود اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں بدیں الفاظ فرماتے ہیں:۔

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلَيَّ وَعَلٰى اَهْلِ زَمَانِيْ بِاَنْ مَنَحَنِيْ طَرِيْقًا مِنَ السُّلُوْكِ هِيَ اَقْرَبُ الطُّرُقِ وَهِيَ مُرَكَّبَةٌ مِنْ خَمْسِ اَقْرَبَاتٍ اَعْنِي الْاِيْمَانَ الْحَقِيْقِيَّ وَقُرْبَ النَّوَافِلِ وَقُرْبَ الْوُجُوْبِ وَقُرْبَ الْفَرَائِضِ وَقُرْبَ الْمَلَكُوْتِ وَجَعَلَ هٰذِهِ الطَّرِيْقَةَ غَايَةَ مَنْ اَرَادَهَا اَتَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهَّمَنِيْ رَبِّيْ جَلَّ جَلَالُهُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ اِمَامَ هٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ وَاَوْصَلْنَاكَ ذُرْوَةَ سَنَامِهَا وَسَدَدْنَا طُرُقَ الْوُصُوْلِ اِلٰى حَقِيْقَةِ الْقُرْبِ كُلِّهَا الْيَوْمَ غَيْرَ طَرِيْقَةٍ وَاحِدَةٍ وَهُوَ مَحَبَّتُكَ وَالْاِنْقِيَادُ لَكَ فَالسَّمَاءُ لَيْسَ عَلٰى مَنْ عَادَاكَ بِسَمَاءٍ وَلَيْسَتِ الْاَرْضُ عَلَيْهِ بِاَرْضٍ فَاَهْلُ الْمَغْرِبِ وَاَهْلُ الْمَشْرِقِ كُلُّهُمْ رَعِيَّتُكَ وَاَنْتَ سُلْطَانُهُمْ عَلِمُوْا اَوْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنْ عَلِمُوْا فَازُوْا

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے زمانہ کے لوگوں پر یہ احسان کیا کہ اُس نے مجھے ایک ایسا طریقہ سلوک عطا کیا ہے۔ کہ جو سب طریقوں سے قریب تر ہے۔ اور اس میں پانچ قسم کے قرب کے ذریعہ ہیں یعنی ایک تو ایمان حقیقی کا قرب ہے دوسرا قرب نوافل تیسرا قرب وجوب چوتھا قرب فرائض اور پانچواں قرب ملکوت اور اس کو ایسا عمدہ غایت بنایا ہے۔ کہ جو کوئی اُس کا ارادہ کریگا۔ وہ مُراد کو پہنچیگا۔ اور میرے رب نے مجھے مطلع فرمایا ہے۔ کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام مقرر کیا۔ اور اس کی اعلیٰ بلندی تک پہنچایا۔ اور ہم نے آج کے روز سے باقی سب طریقوں کو حقیقت قرب تک پہنچنے سے مسدود کر دیا۔ بجز اس طریقہ کے جو تجھے دیا گیا۔ اور وہ ایک ہی طریقہ ہے جو کھلا رکھا گیا ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ تجھ سے محبت کریں اور تیری فرمانبرداری کو ذریعہ نجات سمجھیں۔ اور اب آسمانی برکات اس شخص

وَاِنْ جَھِلُوْا اَخَابُوْا + | پر نہیں ہونگی جو تیرے ساتھ عداوت اور بغض

رکھیگا۔ اور نہ ارضی برکات کا مورد ہوگا۔ اور مشرق اور مغرب کے لوگ تیری رعیت کردئے گئے ہیں۔ اور تو اُن کا بادشاہ مقرر کیا گیا ہے۔ خواہ وہ لوگ تمہاری اس حقیقت سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔ اگر واقف ہونگے۔ تو فائز المرام ہونگے۔ اور اگر بے خبر رہینگے تو خسارہ اور ٹوٹا پائینگے +

اس تمام عبارت سے عیاں ہے۔ کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنا امام ہونا بلند آواز سے ظاہر کیا ہے اور جتلا دیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُنکو آسمان اور زمین کا بادشاہ کردیا تھا۔ اور اپنی رضا اُنکی رضا کے ساتھ وابستہ کردی تھی۔ اور تمام مشرق مغرب کی مخلوقات کو اُنکی رعیت بنا کر اُن کو سلطان مقرر کردیا تھا اور جس قدر قرب الی اللہ کے طریقہ دُنیا میں لوگوں نے تجویز کر رکھے تھے اُن سب کو مردود قرار دیکر صرف وہی طریق جس پر شاہ ولی اللہ صاحب کو چلایا۔ قایم رکھا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجددین کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسی بڑی شان اور عظمت ہوتی ہے +

عبارت مندرجہ بالا میں صرف امام ہونے کا ادعا کیا گیا ہے۔ ابھی تک صراحت مجددیت نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ہم ایک اور مقام پیش کرتے ہیں۔ جس سے اُنکا مجدد ہونا صریح الفاظ میں پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے وَھُوَ ھٰذا +

کُنْتُ قَدْ اَلْبَسَنِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خِلْعَۃَ الْمُجَدِّدِیَّۃِ حِیْنَ انْتَھَتْ بِیْ دَوْرَۃُ الْحِکْمَۃِ ثُمَّ لَمَّا اُلْبِسْتُ خِلْعَۃَ الْحَقَّانِیَّۃِ وَسُلِبَ عَنِّیْ کُلُّ عِلْمٍ نَظْرِیٍّ وَفِکْرِیٍّ بَقِیْتُ مُتَحَیِّرًا کَیْفَ یَتَاَتّٰی بِیَ الْمُجَدِّدِیَّۃُ ثُمَّ اَوْضَحَ رَبِّیْ جَلَّ جَلَالُہٗ طَرِیْقًا خَاصًّا یَجْمَعُ بِھَا بَیْنَ الْحَقَّانِیَّۃِ وَالْمُجَدِّدِیَّۃِ بِلَا نَظْرِیٍّ وَفِکْرِیٍّ وَاِنِّیْ اِلَی الْاٰنَ لَمَّا اُمْنَحْ بِتَفْصِیْلِ الْمُجَدِّدِیَّۃِ وَمُنِحْتُ

یعنی جب دورہ حکمت کا انتہا تک پہنچ چکا تو اللہ تعالیٰ نے خلعت مجددیت سے سرفراز فرمایا اور جب حقانیت کا خلعت مجھے پہنایا گیا اور ہر نظری و فکری علم مجھ سے زائل کردئے گئے۔ تو میں بادیہ حیرت میں سرگردان رہا۔ کہ میں کیونکر مجددیت کی ذمہ واری سے عہدہ برآ ہونگا۔ اتنے میں اللہ جل جلالہ نے میرے لئے ایک طریقہ ایسا واضح کیا۔ کہ جس سے مجددیت و حقانیت کو باہم پیوست کردیا گیا۔ جس میں

اِجْمَالَهَا وَعُلِّمْتُ عِلْمَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمُخْتَلِفَاتِ وَعُلِّمْتُ اَنَّ الرَّاىَ فِى الشَّرَائِعِ تَحْرِيْفٌ وَفِى الْقَضَاءِ مَكْرُمَةٌ

نہ علم نظری کی ضرورت رہی اور نہ علم فکری کی حاجت اور اُس وقت تک مجھے مجددیت کی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر اُس نے اپنے فضل سے اسکا اجمال مجھ پر کھول دیا اور مجھے یہ علم عطا کیا گیا۔ کہ جس کے رو سے میں مسائل مختلفہ کو باہم تطبیق دیکر اور باہم جوڑ سکوں۔ اور مجھے اس بات کی بھی تعلیم دی گئی۔ کہ خبردار شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا تحریف ہے اور تصفیہ مقدمات میں رائے دینا کرامت اور بزرگی میں داخل ہے۔ پس اس تمام عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ صاحب کو مجدد کر کے اپنے پاس سے علمِ لدنی عطا کیا۔ اور راحسن طریق سے اختلافاتِ امت کے مٹانے کا حکم نافذ فرمایا +

اِن تمام واقعاتِ ماسبق سے روشن ہے۔ کہ بعد زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر صدی کے سرے پر ایک ایک یا دو دو یا تین تین بازاید مجدد ہوتے رہے۔ اور مجدد ہونے کے دعویٰ بھی کرتے رہے ہیں۔ اِس لئے ضروری تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ چودھویں صدی میں بھی ایک یا ایک سے زیادہ مجدد ہونا ضروری ہیں۔ رہا اس امر کا یقین کہ اس چودھویں صدی میں کون مجدد ہے۔ سو یہ نور روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے۔ کہ ایک ہی شخص نے دعویٰ کیا۔ اور مجدد ہونے کا کامل ثبوت بھی دیا جس کی آگے چل کر ہم تفصیل دینگے۔ بالفعل یہاں پر اتنا لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ وہ بزرگ جس نے صدی چہاردہم کے سر پر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا وہ سلطانِ قلم بادشاہِ علم وحلم قامعِ آثارِ شرک و بدعت رافعِ اعلامِ توحید و سنت نیّرِ برجِ ولایت گوہرِ درجِ ہدایت شیرِ میدانِ تسلیم و رضا نہنگِ دریائے قدر و قضا۔ غواصِ بحرِ معانی سباحِ فلم ہم نکتہ دانی تاجِ اولیا رہپشوائے اتقیا۔ مقتدائے صالحین۔ مہندائے عارفین سلالۂ دودمان سلمان خلاصۂ خاندانِ ایران۔ امامِ آوان ہادیِ اقران۔ مہدیِ زمان۔ عیسیٰ دوران برگزیدۂ بارگاہِ صمد حضرت مرزا غلام احمد علیہ الرحمۃ والرضوان رئیس قصبہ قادیاں ہیں۔ جو حجت کی ننگی تلوار لیکر شیر کی طرح بے دھڑک میدان میں کھڑے ہیں۔ اور دشمنانِ دین کو ایسا پائمال اور گھائل کر دیا ہے کہ صرف اُن کو تابِ مقابلہ ہی نہیں رہی بلکہ ایسے ہراسان و خوف زدہ ہوئے کہ سب کے سب لومڑی کی طرح دُم دبا کر اپنی اپنی بلوں میں گھس گئے ہیں۔ غرض آں ذات

بابرکات نے مجددیت کا نو ثبوت ہر پہلو سے دیدیا ہے کہ کوئی گنجایش اعتراض نہیں رہی اور ہم اس کی تفصیل ایک الگ باب میں کرینگے +

اس میں شک نہیں کہ مولینا مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم بھوپالوی علم دین میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور نہایت قابل قدر بزرگ تھے۔ اور امید رکھتے تھے۔ کہ غالباً چودھویں صدی کے سر پر وہ مجدد ہونگے۔ کیونکہ اُن کو یقین تھا۔ کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا بزرگ صاحب علم اُن کے سوا نظر نہیں آتا۔ اور کم از کم ایک شخص کا سر صدی پر مجدد ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ قضا و قدر میں اُن کا نام مجددین میں نہ تھا اور چونکہ اُن کی خدمات دینی بھی ایسی تھیں کہ خدا کو منظور نہ ہوا کہ وہ بھی مثل دیگر علماء ابتلا میں گرفتار ہوں اُن کو اُٹھا لیا اور چونکہ اُس علیم و خبیر خدا کے علم میں اُن کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ اور اُن کا ستارہ نیر چودھویں صدی کے انتہائے افق پر نظر آتا تھا۔ اس لئے اُن کو زیادہ مہلت نہ دی اور وہ اپنی ساری اُمنگیں دل ہی دل میں لے گئے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت اُن سے بہت کچھ ہو چکی تھی۔ اِس لئے اُس شکور خدا نے اُن کو آنیوالی صدی کے ابتلا سے بچانے کے لئے پہلے ہی سے اُٹھا لیا اور ازل سے مقرر کردہ مجدد کے لئے میدان خالی کر دیا +

رہا اُن کا مہدی ہونا۔ سو یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ مجدد ہونے کے ساتھ مہدی ہونا لازم ملزوم امر ہے۔ کیونکہ مجدد کو خاص اللہ تعالیٰ سے علم لدنی دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تذکرہ میں ظاہر کیا ہے۔ پس مہدی بجز اس کے اور کیا ہے۔ کہ خود اللہ تعالیٰ سے ہدایت یافتہ ہو۔ اور آگے خلق اللہ کو ہدایت کرے۔ سو دونوں باتیں حضرت مرزا صاحب موصوف میں پائی جاتی ہیں۔ اُس کی تفصیل بھی آئندہ چل کر بیان کیجائیگی +

نصیحت

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا	بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا
اگر یاراں کنوں بر غربت اسلام رحم آرید	با اصحاب نبی نزد خدا نسبت شود پیدا
در انصار نبی بنگر کہ چوں شد کار تا دانی	کہ از تائید دیں سرچشمۂ دولت شود پیدا

بجو از جان و دل تا خد منے از دستِ تو آید	بقائے جا و داں یابی گر این شربت شود پیدا
بہ صفت این اجرِ نصرت رادہندت ای اخی ورنہ	فضائے آسمان ست این بہر حالت شود پیدا
ہمے بینیم کہ داوارِ قدیر و پاک میخواہد	کہ باز آں قوتِ اسلام و آن شوکت شود پیدا
دریغ و درد قوم من ندائے من نمے شنود	زہر در بے دہم پندش مگر عبرت شود پیدا
عجب دارید اے ناآشنایاں غافلان از دین	کہ از حق چشمۂ حیواں درین ظلمت شود پیدا
چرا انسان تعجب ہا کند در فکر این معنے	کہ خواب آلودگاں را رافعِ غفلت شود پیدا
فراموشت شدا اے قوم ام احادیث نبی اللہ	کہ نزدِ ہر صدی یک مصلحِ امت شود پیدا

چھٹا باب

مُحدَّث کے باب میں

گزشتہ باب میں مجدّد کا ذکر آپ لوگ سُن چکے ہیں۔ اِس باب میں ضروری سمجھا گیا ہے کہ محدّث کی نسبت بھی کسی قدر ذکر کیا جاوے۔ کہ اس سے کیا مراد ہے۔ اور وہ کون لوگ ہوتے ہیں کہ جن سے خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس زمانہ میں ایسے بھی ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ خدا کسی سے ہم کلام نہیں ہوتا۔ ایسے کہنے والے محض اپنی نادانی کا ثبوت دیتے ہیں۔ کیا وہ خدا جو ہمیشہ سے اپنے پاک اور برگزیدہ۔ بندوں سے کلام کرتا چلا آیا ہے۔ وہ اب کیونکر کلام کرنے سے عاری ہو گیا۔ کیا اُس کے کلام کرنے کی کوئی حد بست تھی کہ فلاں تاریخ تک تو کلام کریگا۔ اُس کے بعد وہ کلام نہیں کر سکیگا یا اُس کو کلام کرنے کا حق ہی نہیں رہیگا۔ کسی کے پاس کوئی ثبوت ہے تو پیش کرے ورنہ اِن ڈھکوسلوں سے کیا ہو سکتا۔ وہ قادرِ مطلق خدا ہمیشہ سے کلام کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کلام کرتا رہیگا اور وہ اب بھی ضرور کلام کرتا ہے۔ مگر اُنہیں سے جنکو وہ برگزیدہ کر لیتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس کے معنے بتائیں۔ اِس بات کا بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ ایک لفظ مُحدّث بکسر دال ہوتا ہے

اور دوسرا بفتح دال- اوّل الذکر کے معنے وہی مشہور متعارف ہیں- جو زبان زدِ خلائق ہیں یعنی وہ اشخاص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو یاد کرتے یا لوگوں کو باسناد پہنچاتے ہیں- لیکن موخر الذکر یعنی مُحدَّث بفتح دال کے معنی خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے اور درگاہ رب العزت میں باریاب ہونے والے کے ہیں- ان میں اور انبیاء میں بہت تھوڑا فرق ہوتا ہے- جس طرح اللہ تعالیٰ انبیاء سے ہمکلام ہوتا اور غیب کی خبروں سے ممتاز فرماتا ہے اسی طرح محدثوں سے بھی کلام کرتا اور اسرارِ نہانی سے آگاہ فرماتا ہے- چنانچہ خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب میں ابن وہب کا قول نقل کرتے ہیں +

قَالَ اِبْنُ وَهْبٍ تَفْسِيْرُ مُحَدَّثُوْنَ مُلْهَمُوْنَ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَالْمُسْلِمُ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ	یعنی ابن وہب مُحَدَّثُوْنَ کے معنی مُلْهَمُوْنَ کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتے ہوں امام بخاری

اور امام مسلم نے اس کو بیان کیا ہے- دیکھو فصل الخطاب صفحہ ۵۲ +

شارح عمدۃ القاری زیر لفظ مُحَدَّثُوْنَ لکھتا ہے- اَلْمُرَادُ بِالْمُحَدَّثِ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَكُوْنَ اَنْبِيَاءُ- یعنی مراد محدثوں سے یہ ہے- کہ خدا تعالیٰ اِن سے کلام کرتا ہے مگر وہ نبی نہیں ہوتے دیکھو عینی شرح صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۶۱۴ +

اور شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی امام قرطبی کا قول نقل کرتے ہیں +

وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ اَلْمُسْلِمُ الصَّادِقُ الصَّالِحُ هُوَ الَّذِيْ يُنَاسِبُ حَالُهٗ حَالَ الْاَنْبِيَاءِ فَاُكْرِمَ بِنَوْعٍ مِمَّا اُكْرِمَ بِهِ الْاَنْبِيَاءُ وَهُوَ الْاِطِّلَاعُ عَلَى الْغَيْبِ	یعنی قرطبی کہتا ہے- کہ راستباز اور صالح مسلم وہ ہوتا ہے- جس کے حال کی مناسبت انبیاء کے حال سے ہو- اور ایک نوع میں اسی طرح ممتاز ہو جس طرح انبیاء ممتاز ہوتے

ہیں اور وہ چیز جو ممتاز ہونے کی علامت ہو سکتی ہے- وہ غیب پر مطلع ہونا ہے- دیکھو فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۹ +

محدّث کا لفظ قرآن کریم میں بطور قراءت شاذ کے آیا ہے- چنانچہ بخاری اور فتح الباری میں یوں مذکور ہے +

اَخْرَجَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ حَدِيْثِ	یعنی عبد بن حمید نے عمرو بن دینار کی حدیث

عَمرو بن دینار قال کان ابن عباس یقرأ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الآیۃ

سے بیان نکالی ہے کہ ابن عباس جب قرآن کریم میں اس آیت پر پہنچتے تو یوں پڑھا کرتے۔ جیسے روایت میں درج ہے۔ دیکھو عمدۃ القاری جلد صفحہ ۱۴۱

حضرت مولوی محمد اسمٰعیل شہید مجدد اپنی کتاب منصب امامت میں فرماتے ہیں +

وقال اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ ایتہ۔ در قراۃ ابن عباس این کریمہ مسطورہ باین طریق مرویست وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ ایتہ۔ پس برین تقدیر معنے عصمت کہ مفاد این کریمہ است چنانکہ بر رسل و انبیا ثابت شدہ ہمچنیں بمحدثین ہم ثابت گردید ہر چند قراۃ ابن عباس از قراۃ متواترہ ہست واما قراۃ غیر متواترہ در اثبات حکم بمنزلہ خبر مشہور ست۔ پس امتیاز متواتر از غیر متواتر در تلاوت ست نہ در اثبات حکم +

وہ جو اللہ تعالیٰ نے آیت وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الآیۃ میں فرمایا ہے۔ ابن عباس کی قرأت متعلق آیہ کریمہ مذکورہ میں یوں آیا ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الآیۃ پس اس طرح عصمت کا مطلب جو آیت کریمہ کا منشا اصلی ہے جس طرح رسولوں اور نبیوں پر صادق و ثابت ہے اسی طرح محدثین پر بھی ثابت ہو گیا اگرچہ قرأت ابن عباس قرأت متواترہ میں سے ہے لیکن قرأت غیر متواترہ حکم کے اثبات میں بمنزل حدیث مشہور ہے۔ پس متواتر اور غیر متواتر کا فرق تلاوت میں ہے نہ اثبات حکم میں دیکھو منصب امامت صفحہ ۴۲ +

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مجدد دہلوی تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں :۔

المحدث لا سیما اذا کان محدثا لیس علیہ ان یتبع الشرائع الاجتہادیۃ فقد اغنی الاصباح عن المصباح وانما قدومہ

محدث کا وہ مرتبہ ہے کہ جب محدث ظہور پاتا ہے تو بر ضرور اس کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ اجتہادی شریعتوں کا پابند نہیں ہوتا جس طرح سورج کے ہوتے

بِالْوَحْيِ وَعُلُوْمُ الرُّسُلِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ +

چراغ کی ضرورت نہیں رہتی ایسا ہی محدث کا حال ہے کہ وہ مجتہدوں کے اجتہادات کا پابند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب وہ آتا ہے تو اُس کے ساتھ وحی اور رسولوں کے علوم ہوتے ہیں اُن سب پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں دیکھو تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۳۶

اس سے ظاہر ہے کہ محدث کا کس قدر مرتبہ ہے۔ کہ وہ کسی مجتہد کے اجتہاد کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے +

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ گذشتہ زمانوں میں محدث ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ حدیث ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے +

قَدْ كَانَ يَكُوْنُ فِي الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْهُمْ رَوَاهُ الْمُسْلِمُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَاَبُوْ يَعْلٰى عَنْ عَائِشَةَ +

مسلم اور ترمذی اور نسائی اور ابو یعلی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں اور ضرور ضرور میری اُمت میں بھی ہونگے جن میں سے ایک عمر بن خطاب ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۷

اس حدیث سے عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جس طرح پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح اس امت میں بھی ہوتے رہینگے۔ جو لوگ کہ حرف اِن کے معنی شرط کے کرتے ہیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ کیونکہ حرف اِن کو شرط ہی کے معنوں تک محدود رکھنا سراسر نادانی ہے اِن بمعنی قَدْ بھی آتا ہے اور قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے دیکھو آیت اِنْ شَاءَ اللّٰهُ میں اِن بمعنی قَدْ ہے۔ یعنی ضرور ضرور اللہ نے یہی چاہا ہے اور آیت وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ میں اِنْ بمعنی قَدْ ہے اور یہاں اس حدیث میں کئی قرائن صارفہ موجود ہیں۔ اوّل اُمم سابقہ میں مُحَدَّثُوْنَ کا ہونا۔ دوم اُمم سابقہ کے ساتھ قَدْ کا حرف ہونا پھر مِنْهُمْ کی ضمیر کا جمع کے صیغے میں ہونا

اِس بات پر دال ہے۔ کہ اس امت میں بھی مُحَدَّث ضرور ہونگے۔ اور ان کے ثبوت کے لئے بطور نمونہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا گیا ہی تفہیمات الٰہیہ میں ہے کہ

اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ۔ | اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی زبان اور دل سے باتیں کرتا ہے +

وہ لوگ حق کا خُون کرتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اب اس اُمّت میں محدّثوں کی ضرورت نہیں۔ کیوں ضرورت نہیں۔ کیا وہ خدا جو ہمیشہ سے بولتا آیا ہے۔ وہ اب گنگا ہو گیا ہے۔ یا بولنے کی طاقت اُس سے سلب ہو گئی ہے۔ یا مخلوقات کو خدا سے ہمکلام ہونے کی ضرورت نہیں رہی مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ وہ پہلے بھی بولتا رہا ہے اور اب بھی اپنے صادق بندوں کے ساتھ بولتا ہے۔ کیا قرآن کریم میں یہ آیت بُشْرٰى لَكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا نہیں پڑھتے۔ بُشْرٰی اور کیا چیز ہے۔ یہی الہام و رویا صالحہ ہی تو ہیں۔ جن کے ذریعہ سے غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا جاتا ہے۔ چنانچہ فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۲ پر لکھا ہے فَلَمَّا انْقَطَعَ الْوَحْيُ بِمَوْتِهِ (یعنی موتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وَقَعَ الْإِلْهَامُ لِمَنِ اخْتَصَّهُ اللّٰهُ بِهِ جب رسولِ اکرم و فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پُر ملال ہوا تو وحیِ شریعت منقطع ہو گئی۔ مگر اُن لوگوں کو جنہیں اللہ نے مخصوص کر لیا تھا۔ الہام ہونے لگے +

اور طبرانی میں یوں ہے :-

وَلِلطَّبَرَانِيِّ مِنْ حَدِيثِ حُذَيْفَةَ بْنِ أُسَيْدٍ مَرْفُوعًا ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ | یعنی طبرانی حذیفہ بن اسید سے مرفوع حدیث بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت تشریعی تو ختم ہو گئی مگر مبشرات باقی رہے دیکھو فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۲ +

اس تمام بیان سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخصوص لوگوں کو الہام ہوتے ہیں۔ اور جب ہم اولیاء اللہ کے حالات پر غور کرتے ہیں۔ تو اُن کے تذکرہ سے یہی ثبوت ملتا ہے۔ کہ اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا رہا ہے۔ پس جب خدا کی کلام سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث سے شارحین حدیث اور صوفیہ کرام کے بیان

سے اولیاء اللہ کی سوانح عمری سے ہمکلامی کا وجود پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے تو ایسے محقق امر کا انکار کرنا ایمان کے ضائع ہونیکا ڈر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ جو فطرت قابلہ رکھتا ہو۔ اور خدا کے لیے سب دنیاوی محبتوں کی زنجیروں کو توڑ کر صرف اُس کے لیے ہو گیا ہو۔ اُسی کو وہ منصب عطا ہوتا ہے۔ اور جتنا بڑا تعلق اُس کو خدا سے ہوتا جاتا ہے۔ وتنا ہی اُس کے لیے مرتبہ میں ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ نبوت کے بعد اگر کوئی درجہ ہے تو یہی مُحدَّثیّت کا ہی ہے۔ گو نبوت اور محدثیت کے الفاظ میں معنی کے لحاظ سے کچھ فرق ہو تو ہو مگر عملی حالت میں مُحدَّث اور نبی میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔ جس طرح نبی سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے اور غیب کی خبریں بتاتا ہے۔ اُسی طرح محدث سے ہمکلام ہوتا۔ اور اُن کو غیب کی باتوں پر آگاہ کرتا ہے۔ اور چونکہ بعض نبی صاحبِ شریعت ہوتے ہیں۔ اور خاتم النبیین صلوٰۃ اللہ وسلامہ کے بعد کوئی نبی صاحب شریعت نہیں آسکتا تھا۔ اسواسطے ایسا شخص آسکتا تھا۔ جو جزوی نبوت کا حامل ہو جسکو دوسرے لفظوں میں محدث یا غیر تشریعی نبی کہا گیا ہے اور یہ کوئی چھوٹا سا مرتبہ نہیں۔ حضرت باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کے خزانہ انعاماتِ غیر متناہیہ سے یہ ایک بڑا بھاری انعام ہے

این سعادت بزور بازو نیست ✦ تا نا بخشند خدائے بخشندہ۔ غرض وہ مبدءِ فیاض اپنی زبردست اور ناپیدا ئے کنار طاقت سے کسی انسانی روح کو عجائباتِ غیر متناہیہ کا سرچشمہ بنا دیتا ہے۔ کہ جس کے صافی اور خوش گوار پانی سے انسانی فطرت کے باغ میں وہ خوشبودار پھول کھلتے ہیں کہ جن کی شیریں اور دلکش لپٹ سے لوگوں کے دماغ معطر ہو جاتے ہیں جس کے نور سے بہت سی مخلوق جو ظلمتِ جہالت اور تاریکیِ ضلالت کے پردوں میں ایک مدت سے مخفی اور مستور ہوتی ہے۔ نکال کر راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ جب ہم اس سلسلۂ کائنات میں دیکھتے ہیں۔ تو وہاں بھی یہی اصول پاتے ہیں۔ مثلاً آفتاب ایک ایسا جرم بنایا گیا ہے۔ کہ جس کی روشنی سے تمام عالم روشن ہے۔ اور گو انسانوں کو چشمِ بینا بھی بخشی ہے۔ مگر جب تک آسمانی روشنی یعنی آفتاب نہ ہو تو یہ آنکھیں بالکل نکمّی اور بیکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب تک کوئی آسمانی روشنی سے منور انسان اس عالم میں کھڑا نہ ہو تب تک لوگ صراطِ مستقیم پر نہیں چل سکتے۔ لہذا اشد ضروری ہے کہ ہم میں سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسا آدمی خدا کی طرف سے آتا رہے جو خدا تعالیٰ سے ایک خاص

قوت پاکر اُس کی مرضی کی راہوں پر چلانے پر قادر ہو۔ کیونکہ انسانی فطرت اس قسم کی واقع ہوئی ہے۔ کہ جب تک اُس کے لئے کوئی زبردست تحریک دینے والا ذریعہ نہ ہو تو یہ سست اور کاہل ہو جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ بالکل مرجاتی ہے۔ یہی تو سبب ہے کہ جن قوموں میں خدا کے مرسل کم آئے ہیں۔ اُن کی روحانی قوائے ایسے پژمردہ ہو گئے ہیں۔ کہ اب اُن کے اُبھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ اُن میں خدا سے محبت لگانیکا احساس ہی نہیں رہا +

فرق مابین مومنِ کامل و ناقص

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ کامل مومن اور ناقص مومن یا غیر مومن میں ایک مابہ الامتیاز کا ہونا ضروری ہے اور وہ امتیاز جو ہمارے نزدیک ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کامل مومن کو سمجھ دقیق دیجاتی ہے۔ اور اُسکو بشارتیں ملتی ہیں۔ اور دوسروں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ کامل مومن کو بکثرت الہام اللہ و یا صادقہ ہوتے ہیں۔ اور اُس کے غیر کو شاذ و نادر۔ لیکن یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ جس قدر کامل مومن کی سمجھ اور فہم رسا ہوتا ہے۔ اُسی قدر اُن کی اکثر خوابیں اور الہام پیچیدہ اور دقیق ہوتے ہیں اور عام فہم نہیں ہوتے۔ بلکہ رازِ سربستہ کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک سمجھ کے انسان کا کام نہیں کہ اُس کی تہ تک پہنچ سکے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگوں کو ٹھوکر کا موجب ہو جاتے ہیں +

برخلاف اس کے ناقص مومن اور دوسرے لوگوں کی خوابیں بسا اوقات صاف اور سطحی ہوتی ہیں۔ اور کبھی اُنہیں الہام بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس سے کافر فاسق فاجر اور بدمعاش بھنگی۔ چوڑے بھی باہر نہیں۔ اور گاہے گاہے ان سب لوگوں کو صاف اور سچی خوابیں بھی آجاتی ہیں مگر پھر بھی اس سے بہت لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں اور عموماً اُن کی خوابیں پریشان لاحل ہوتی ہیں اور چونکہ ہر ایک طبیعت کے انسان پر اس رازِ سربستہ کا حل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اِس لئے ہم کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ جو اپنی خوابوں یا الہاموں کی بنا پر کسی مامور من اللہ کا انکار کر دیتے ہیں متنبہ ہو جائیں۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اُن کو توبہ کی توفیق عطا کر دے اور حق کو پالے +

سو واضح ہو کہ چونکہ ہر انسان کے اندر بموجب حدیث کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی فِطْرَۃِ الْاِسْلَام

یعنی ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ فطرتِ اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اِس لئے ایک کشفی روشنی بھی اُس میں مخفی ہوئی ہے۔ اور اگر اس کی قسمت میں ایمان یا اعلیٰ مرتبہ ایمان مقدر ہوتا ہے۔ تو اُسی وقت حسب مراتبِ ایمان وہ روشنی اپنا پرتوہ ظاہر کرتی ہے۔ اور اگر وہ کامل مومن کے درجہ تک مقدر رہوتا ہے تو وہی فطری روشنی کرامت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ کہ کافر یا فاسق و فاجر ہو جاتے ہیں۔ اُن میں بھی فطری طور ہی سے ایک روشنی ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ اِس لئے گاہے گاہے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔ کہ بجلی کی چمک کی طرح کوئی ذرہ سا حصہ اُسی روشنی کا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے ایک جاہل انسان خیال کرنے لگتا ہے۔ کہ گویا اُسکو مرتبہ ابدال و اقطاب حاصل ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ ترقی نہیں کرسکتا بلکہ رستہ میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ یا برخلاف اس کے کامل مومنوں کے مکاشفات یا بشارات کو وہ بدیں وجہ نظرِ حقارت سے دیکھنے لگتا ہے۔ کہ جب میرے جیسے فاسق فاجر کو بھی خوابیں آتی ہیں۔ تو اُس کو ہم سے کیا امتیاز ہے۔ یہ کیونکر نبی یا ظلِ نبی ہو سکتا ہے اگر ایسا ہے تو ہم بھی نبی ہیں پھر ہمیں کسی کو نبی یا امام ماننے کی کیا ضرورت ہے +

فرق مابین خوابہائے عوام و خواص

سو اس کی پہچان کے لئے کہ خواص کے علوم اور کشوف اور عوام کی خوابوں اور کشفی نظاروں میں کیا فرق ہے۔ ہم ذیل میں وجوہات بتلاتے ہیں۔ غور سے سُنو اور قبول کرو۔ واضح ہو کہ خواص کا دل تو مظہر تجلیاتِ الٰہیہ ہوتا ہے۔ اور جیسے [illegible]ب روشنی سے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بھرپور ہے اسی طرح وہ لوگ علومِ ظاہریہ و باطنیہ اور اسرارِ غیبیہ و معارفِ نظریہ سے معمور ہو جاتے ہیں۔ اور جس طرح سمندر اپنے پانیوں کی کثرت کی وجہ سے ناپیداکنار نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اُن کی حالت ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح ایک گندے سڑے ہوئے چھپڑ یعنی جوہڑ کو محض تھوڑے سے پانی کی وجہ سے [illegible] جمع ہے سمندر نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح وہ لوگ جو شاذونادر کوئی سچی خواب [illegible] یا الہام پالیتے ہیں۔ اُن کی نسبت ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ بھی اُن بزرگانِ دین سے [illegible] رکھتے ہیں جو علوم ربانی کے سمندر ہوتے ہیں۔ جو لوگ ایسا خیال کر لیتے ہیں۔ اُن کا خیال اسی قسم کا لغو اور بیہودہ ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص ناک۔ کان۔ دانت یا ہاتھ پاؤں دیکھکر بندر کو انسان کہدے۔ تمام مدار کثرتِ علوم غیب اور استجابتِ دعا اور باہمی محبت اور وفا اور قبولیت اور محبوبیت پر ہے۔ ورنہ کثرت و

فلت کا فرق درمیان سے اُٹھا کر ایک کرمِ شب تاب کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ بھی سورج کے برابر ہے۔ کیونکہ روشنی اُس میں بھی ہے۔ دنیا کی جتنی اشیا ہیں وہ کسی قدر آپس میں مشابہت ضرور رکھتی ہیں۔ مثلاً بلور یا ایسے شفاف پتھر پہاڑوں میں موجود ہیں۔ جو الماس کی طرح چمک رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ الماس نہیں ہو سکتے۔ لیکن جس طرح ان پتھروں کی شناخت سے ناواقف محض ظاہری چمک دمک پر دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اسی طرح اسرارِ غیبیہ سے ناآشنا کسی مُزوّرِ دھوکہ باز کی کرامت نمائی پر فریب میں آ سکتے ہیں لیکن جس طرح پتھروں کا جوہری جو پتھروں کے مختلف صفات سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ صرف چمک ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ دیگر صفات سے بھی شناخت کرتا ہے اسی طرح مردانِ خدا جو خدا تعالیٰ سے محبت اور مودت کا تعلق رکھتے ہیں۔ وہ صرف پیش گوئیوں تک ہی اپنے کمالات کو محدود نہیں رکھتے بلکہ اُن پر معارف اور حقائق کے خزانہ کھولے جاتے۔ اور عمیق در عمیق اسرارِ شریعتِ حقہ اور دلائل لطیفہ دربارِ حقانیتِ ملت نیرّہ اُن کو عطا ہوتے ہیں۔ اور اعجازی طور سے اُن کے دل پر دقیق در دقیق علومِ قرآنی اور لطائفِ کتابِ ربانی اُتارے جاتے ہیں۔ اُن کی دعائیں خارق عادت طور سے اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ وہ گناہ سے۔ دشمنوں کے حملوں سے اور تعلیم کی غلطیوں سے معصوم رکھے جاتے ہیں اور اگر بشریت کی وجہ سے کوئی لغزش اُن سے سرزد بھی ہو جائے تو فوراً متنبہ کئے جاتے ہیں

ان میں استقلال فوق العادت ہوتا ہے۔ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوتے اور اُن کے دشمن باوجودیکہ بڑے بڑے منصوبے اُن کی ہلاکت کے لئے تجویز کرتے۔ اور اُن کے فرائض مفوضہ کی بجا آوری میں بڑی بڑی روکیں ڈالتے ہیں لیکن بالآخر وہی ذلیل اور خوار ہوتے اور اپنے منصوبوں میں نامراد رہتے ہیں اور مامورینِ خدا ہر طرح سے کامیاب ہوتے ہیں اور اس خوشی میں ملاءِ اعلیٰ یہ اشعار پڑھتے اور وجد میں آتے ہیں +

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ رہ کو اڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے

کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی اُن پر اک طوفان لاتی ہے

غرض رُکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

پس اُن لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اپنے معدودے چند خوابوں یا الہاموں کی بنا پر وہ کسی

مامور من اللہ کی اطاعت سے انکار نہ کریں کیونکہ ایسے انکار کرنے والے بجائے روح القدس
کے جو خدا کے نیک بندوں اور خدا کے مُرسلوں کے ساتھ ہوتا ہے شیطان کے پنجہ میں
گرفتار ہو جاتے ہیں اور بجائے الہاماتِ ربانی کے جو روح القدس کے وسیلے سے ہوتے
ہیں۔ اضغاثِ احلام کے مورد و مصدر بن جاتے ہیں گو انسان پہلے نیک اور پاک دل ہو
اور اُس کی خوابیں اور الہام بھی سچے نکلتے رہے ہوں۔ مگر جب خدا کے فرستادہ سے
سرکش یا باغی ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے اندر ہی اندر اس طرح مواد ردیہ پیدا ہوتے جاتے
اور اُس کے قلب کو زنگ لگاتے جاتے ہیں جس طرح زہریلے مواد بدنِ انسان میں خون کے
ذریعہ سرایت کرتے کرتے آخر جذام تک نوبت پہنچا دیتے ہیں۔ اور انسان کو خبر تک نہیں
ہوتی۔ اس طرح وہ انسان بھی جس کو کبھی سچی خواب یا الہام ہو گیا ہو۔ اُسی کے دھوکہ میں
رہکر وہ شیطانی القا اور رحمانی الہام میں فرق نہیں کر سکتا۔ حالانکہ قرآنِ کریم کی نص سے
ظاہر ہے کہ جب نبی اور رسول بھی تمنا کرتے ہیں۔ تو اُن کو بھی شیطانی القا ہو جاتا ہے۔
لیکن چونکہ اللہ کی حمایت اُن کے ہر وقت شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس شیطانی القا سے
فوراً مبرا کر دیتی ہے لیکن جو آدمی کہ ایک معمولی انسان ہو۔ وہ اس شیطان کے پنجہ سے کیونکر
بچ سکتا ہے۔ کیا بلعم باعور کا قصہ جو قرآنِ کریم میں ہے۔ عبرت کے لئے کچھ کم ہے۔ لہٰذا ہم
ڈنکے کی چوٹ سے حق کے طالبوں کو خبر دیتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں صرف ایک ہی شخص
ہے جو کہ القائے شیطانی سے محفوظ اور اُن صفاتِ حسنیٰ سے موصوف ہے۔ جو ہم نے اوپر
بیان کی ہیں اور وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ اور ساتھ ہی پکار کر کہتے
ہیں۔ اور بیت اللہ میں قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے سوا جس قدر مدعیانِ الہام ہیں
اگر وہ اس امام برحق کے آگے گردن تسلیم خم نہیں کرتے بلکہ اپنے الہامات پر نازاں ہیں۔
وہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں۔ اور بلاشک شیطان اُن کے مُنہ کو بوسہ دیتا ہوا اور اُن سے
بغل گیری کرتا ہے ٭

نصیحت

الا اے کمر بستہ بر افترا	مکش خویشتن را بترکِ حیا

بخاصانِ حق کینہ ات تا کجا	گہے شہرت آید ز گیہاں خدا
چو چیزے بود روشن اندر بہی	برو ہر چہ بندی بود ابلہی
چو بر نیک گوہر گماں بد بری	بدانند مردم کہ بد گوہری
چو گوئی دُرِ پاک را پُر غبار	غبارِ دو چشمت شود آشکار
سخنہائے پر خبث و بیمغز و خام	بود بر خبیثاں نشانی تمام
نہ باید گفتن سخن جز دروغ	برِ حق ندارد دروغے فروغ
بنا رید باد از حق بیچگوں	پسند او فنا دست دنیا کو دوں
زوالِ مکافات آید فراز	تو بر عیش دنیا بدیں ساں مناز
تو خود ناقصی و دنی الصفات	منہ تہمتِ نقص بر پاکِ ذات

ساتواں باب

اس ثبوت میں کہ مسیح موعود کے اشارات قرآنِ شریف واحادیثِ نبویہ میں پائے جاتے ہیں کہ نہیں

پیشتر اس کے کہ ہم اس مضمون کو چھیڑیں اول مناسب سمجھتے ہیں کہ لفظ مسیح پر بحث کریں کہ اس سے کیا مراد ہے اور صرف ایک ہی نبی یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کیوں کہا گیا اس میں کیا سر ہے*

لفظ مسیح کی تحقیقات

سو واضح ہو کہ لفظ مسیح مساحت سے نکلا ہے جس کے معنے سیاحت کرنے اور قطع مسافت کے ہیں۔ گو لغت میں لفظ مسیح کے اور معنے بھی آئے ہیں لیکن چونکہ وہ صفات اور انبیا میں بھی

ثابت ہوتی ہیں اس لئے وہ بھی اس خطاب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے جب صرف عیسیٰ علیہ السلام کو اس خطاب سے مخاطب فرمایا ہے تو ضرور اس میں کوئی خصوصیت ہے۔ اور ہمارے نزدیک صرف یہی خصوصیت ہے کہ مسیح علیہ السلام نے بڑے بڑے سفر کئے ہیں اور دیگر انبیاء میں سے ایک نبی بھی ایسا ثابت نہیں ہوتا جس نے اس قدر قطع منازل کئے ہوں۔ اسی واسطے یہی صحیح ہے کہ وہ سفروں کی وجہ سے مسیح کہلائے ورنہ مسیح بمعنے مبارک کے آئے ہیں کیا کسی کا ایمان ہو سکتا ہے کہ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی مبارک تھے اور کوئی نبی مبارک نہ تھا حتےٰ کہ فخر المرسلین سرتاج اولین والآخرین بھی مبارک نہیں تھے مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ یا مسیح بمعنے مسح کرنے والے یعنی چھونے والے کے ہیں۔ تو کیا کوئی اور نبی دوسرے کو نہیں چھوتا تھا۔ اور اگر افاضہ باطنی سے مراد ہے تو کوئی نبی ایسا نہیں ہوا کہ افاضۂ باطنی سے ممتاز نہ ہو مسیح کے معنے صدیق کے بھی ہیں تو کیا اور نبی صدیق نہیں تھے۔ ہاں کسی نبی سے سفر ثابت نہیں ہوتا اس لئے وہ کسی صورت سے مسیح نہیں کہلا سکتے اور صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی کو سفر پیش آئے جیسے کہ آگے چل کر ثابت ہو جائیگا اسلئے وہی مسیح کہلانیکے حقدار ہیں +

علاوہ ازیں دجال کو بھی مسیح الدجال کہا گیا ہے۔ اور چونکہ دجال بھی اپنے مطلب کے لئے تمام زمین پر سیاحت کریگا اس لئے مسیح کے لقب سے ملقب ہوا اور ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر پادریوں اور سائنٹسٹوں نے اپنے دینِ باطل کے لئے زمین کی سیاحت کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُسکو مسیح کہا جاتا ہے ورنہ دجال کو سیاحت کی وجہ سے اور مسیح کو کسی اور وجہ سے مسیح کہنا بالکل غیر موزوں ہے لفظ مسیح مصدرِ مساحت سے نکلا ہے اور مفعیل کے وزن پر ہے جو مبالغہ کے لئے ہوتا ہے۔ اِسلئے اس کے معنے بہت مساحت کرنیوالے کے ہیں۔ چنانچہ ہم ذیل میں اس کی تصدیق کے لئے بعض علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جس سے پوری تسلی ہو جائیگی

(۱) صاحب لوامع التنزیل زیر آیۃ اِسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لکھتے ہیں:۔

مسیح ماخوذ از سیاحت بمعنے گردش باشد۔ چونکہ آنحضرت بسبب خوف یہود شب بجائے و

مسیح لفظ سیاحت سے نکلا ہے جس کے معنے گردش کے ہیں چونکہ آنحضرت یہود کے خوف

روز بجائے بود و چندروز متوالی بجائے قرار نہ گرفت ۔	سے رات کہیں اور دن کہیں گذارتے تھے اور چند روز تک متواتر ایک جگہ آرام نہیں لے سکتے تھے

دیکھو لوامع التنزیل جلد ۴ صفحہ ۲۳۶ گو ثنیا سی معنے ہیں۔ کیونکہ اصل حقیقت سے صاحب لوامع التنزیل ناواقف ہیں ۔

(۲) درالجنان و تفسیر کبیر میں احمد بن یحییٰ سے نقل ہے ۔

کہ مسیح بروزن مفعیل از برائے مبالغہ ماخوذ از مساحۃ الارض بمعنے قطع و پیمایشِ زمین باشد چہ آنحضرت بخوفِ یہود قطع و پیمایشِ آن باقدام میکرد لہذا مسیح نامیدند	مسیح مفعیل کے وزن پر ہے جو مبالغہ کے لئے آتا ہے مساحت الارض سے لیا گیا ہے جس کے معنے زمین کے طے کرنے کے ہیں۔ کیوں آنحضرت یہود کے خوف سے سفر کرتے تھے اسی واسطے مسیح نام رکھا گیا۔ دیکھو لوامع التنزیل صفحہ مذکرہ بالا ۔

(۳) تفسیر توضیح مجید میں ہے۔ مسیح اسواسطے کہلائے کہ وہ مساحت زمین کی کرتے تھے ساتھ سیاحی کے۔ دیکھو تفسیر مذکور جلد ا صفحہ ۴۳۶ ۔

(۴) تفسیر روح المعانی جلد ا صفحہ ۵۹۲ میں ہے۔

وَكَانَ عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَيْسَ لَهُ قَرَارٌ وَلَا مَوْضِعٌ يُعْرَفُ إِنَّمَا هُوَ سَائِحٌ فِي الْأَرْضِ	یعنے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کوئی ٹھکانہ کی جگہ نہ تھی اور نہ کہیں قرار تھا۔ وہ ہمیشہ زمین میں سفر کرتے رہے ۔

(۵) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۲۔ مَسِيحٌ۔ مِنَ الْمَسْحِ لِأَنَّهُ مَسَحَ الْأَرْضَ أَيْ ذَهَبَ۔ یعنے مسیح مسح سے نکلا ہے کیونکہ اُس نے زمین پر سفر کیا ۔

احادیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت کا ثبوت

مزید براں خود احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملک شام سے نکل کر دور دراز ممالک میں سفر کرتے رہے۔ چنانچہ وہ احادیث جن سے اُن کا سفر کرنا ثابت ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی اَنْ یَا عِیْسٰی اِنْتَقِلْ مِنْ مَکَانٍ اِلٰی مَکَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُؤْذٰی اَلْحَدِیْث رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ +

ابن عساکر نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ اے عیسیٰ اپنے مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان پر چلا جا تاکہ ہو وے تجھ کو پہچان نہ لیں اور تجھے ایذا نہ پہنچائیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲

(۲) کَانَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَسِیْحُ فَاِذَا اَمْسٰی اَکَلَ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَشَرِبَ الْمَاءَ الْقَرَاحَ وَتَوَسَّدَ التُّرَابَ ثُمَّ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لَیْسَ لَہٗ بَیْتٌ یَخْرُبُ وَلَا وَلَدٌ یَمُوْتُ لَغَدَاءُہٗ بَقْلُ الصَّحْرَاءِ وَشَرَابُہُ الْمَاءُ الْقَرَاحُ وَوِسَادُہُ التُّرَابُ فَلَمَّا اَصْبَحَ سَاحَ فَمَرَّ بِوَادٍ فَاِذَا فِیْہِ رَجُلٌ اَعْمٰی مُقْعَدٌ مَجْذُوْمٌ قَدْ قَطَعَہُ الْجُذَامُ اَلسَّمَاءُ مِنْ فَوْقِہٖ وَالْوَادِیْ مِنْ تَحْتِہٖ وَالثَّلْجُ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَالْبَرْدُ عَنْ یَسَارِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ثَلَاثًا فَقَالَ لَہٗ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَا تَحْمَدُ اللّٰہَ وَاَنْتَ اَعْمٰی مُقْعَدٌ مَجْذُوْمٌ قَدْ قَطَعَکَ الْجُذَامُ وَالسَّمَاءُ مِنْ فَوْقِکَ وَالْوَادِیْ مِنْ تَحْتِکَ وَالثَّلْجُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَالْبَرْدُ عَنْ یَسَارِکَ۔ قَالَ یَا عِیْسٰی اَحْمَدُ اللّٰہَ اِذْ لَمْ اَکُنِ السَّاعَۃَ مِمَّنْ یَقُوْلُ اِنَّکَ اللّٰہُ اَوِ ابْنُ اللّٰہِ اَوْ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ رَوَاہُ الدَّیْلَمِیْ وَابْنُ النَّجَّارِ عَنْ جَابِرٍ +

دیلمی اور ابن النجار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سفر کرتے تھے۔ جب شام پڑ جاتی تو جنگل کا ساگ پات کھا لیتے اور چشموں کا پانی پی لیتے اور مٹی کا تکیہ بناتے (یعنی زمین پر ہی بلا بستر کے لیٹ رہتے۔ پھر کہتے کہ نہ تو میرا گھر ہے کہ جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ کوئی اولاد ہے کہ جن کے مرنے کا کوئی غم ہو۔ کھانے کے لئے جنگل کا ساگ پات پینے کے لئے چشموں کا پانی اور سونے کے لئے زمین بستر ہے اور اُن کے گم ہو جانے کا کچھ فکر نہیں جب صبح ہوتی چل کھڑے ہوتے۔ یہاں تک کہ سفر کرتے کرتے ایک وادی میں پہنچے (مراد کشمیر ہے کیونکہ اُسکو وادی ہی کہتے ہیں) جہاں ایک اندھا آدمی دیکھا جو چل پھر نہیں سکتا تھا اور وہ ایک مجذومی تھا اور جذام نے اُس کے بدن کو پھاڑ دیا ہوا تھا۔ اُس کے لئے کوئی سایہ کی جگہ نہیں تھی اُس کے اوپر آسمان ہی کا سائبان تھا وادی اُس کے نیچے تھی۔ اور اُس کے دائیں

بائیں برف اور شدید سردی تھی۔ مگر باوجود ان سب تکالیف کے وہ اپنے رب العالمین کا شکر ادا کرتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُس سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے تو کس چیز پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے حالانکہ تو اندھا بھی ہے اپاہج بھی ہے جذامی بھی ہے اور جذام سے تیرا سارا بدن پارہ پارہ ہوگیا ہے اور تو آسمان کے نیچے بے اوٹ پڑا ہے۔ اور وادی تیرے نیچے ہے جس میں دائیں بائیں سردی اور برف ہے۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں اللہ تعالیٰ کی حمد اس لئے کرتا ہوں کہ میں اُس زمانہ اور وقت میں نہیں ہوا جبکہ لوگ تیری نسبت کہینگے کہ تو خدا اور خدا کا بیٹا اور اقنوم ثالث ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱ +

اس کل بیان سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے نجات پانے کے بعد یہود کے خوف سے اور اللہ تعالیٰ کی وحی سے ارض مقدسہ کو خیرباد کہکر ممالک مشرقی میں آئے اور چلتے چلتے ملک کشمیر میں وارد ہوئے جہاں بکثرت میوہ جات کے سبب سے جذامی لوگ بہت ہوتے ہیں اور جہاں سردی بھی خوب ہوتی ہے لہذا وہ اسی سیاحت کی وجہ سے مسیح کے نام سے موسوم ہوئے۔ کیونکہ یہ ہزارہا میل کا سفر تھا جو اُن کو دشوار گذار ممالک میں کرنا پڑا بنابرین سوائے ان معنوں کے کوئی اور معنے لینا بجز تحکم کے اور کچھ منصور نہیں ہوتا

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا ہندوستان و کشمیر میں آنا

صرف یہی ثبوت مسیح کی سیاحت کے نہیں بلکہ اُس تحقیقات سے جو ناٹووچ روسی سیاح نے لکھی ہے بخوبی ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف شام کے ملک ہی میں سرگرداں نہیں رہے بلکہ وہ ممالک مشرقی میں بھی آئے چنانچہ آگے چلکر آپ کو واضح ہوجائیگا کہ وہ کیونکر صلیب سے بچے اور کس طرح وہ بھاگ کر ایران و افغانستان و ہندوستان و تبت و کشمیر میں آئے اور کس طرح اُنہے نبی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کیا اور بالآخر کشمیر میں ۱۲۰ یا ۱۲۵ برس کی عمر میں وفات پاگئے اور دار الخلافہ سری نگر کے محلہ خان یار میں مدفون ہوئے اور اُن کی قبر ابتک عیسیٰ صاحب یا نبی صاحب یا یوز آسف نبی کے نام پر قائم و مشہور ہے۔ ناٹووچ روسی سیاح لکھتا ہے کہ ہندوستان کے برہمنوں سے بھی مسیح علیہ السلام کے ساتھ

ہوئے اور جب نیپال میں تھے تو اسوقت انکی عمر ۴۹ برس کی تھی +

علاوہ اس کے کتاب کروسی فکشن سے جو ایک فریمیسن کا خط ہے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح صلیب سے بچکر غیر ملک میں پناہ گزین ہوئے اور حالات مندرجہ خط اُسکے اپنے چشم دید ہیں +

سب سے بڑھکر قرآن کریم کی اس آیت سے بخوبی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ صلیب سے بچائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک ایسی پناہ کی جگہ پہنچایا جہاں چشمے اور شاداب زمین اور پھلدار درخت تھے ۔ وَاٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ۔ ہم نے اُن دونوں (ماں بیٹے) کو پناہ دی اور ایسی جگہ جو بلند سرسبز اور شاداب تھی جہاں ٹھیر بھی سکتے تھے اور جہاں چشمے جاری تھے ۔ دیکھو قرآن کریم سورۃ المومنون رکوع ۳ +

ماسوا اس کے ہندؤں کے خیالات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اُن لوگوں کو بھی اس بات کا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام ہندوستان میں آئے تھے چنانچہ اڈیٹر اخبار بھارت مورخہ یکم دسمبر ۱۹۱۱ء میں لکھتا ہے جس کی سُرخی عیسوی مذہب اور بھگوان کرشن ہے اور راقم مضمون کی منشاء اس سے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ یا اُس کے حواریوں نے مشرقی علوم سے واقفیت پیدا کر کے اُن ممالک میں وہی تعلیم دی ۔ ہم اس بارہ یہاں کچھ لکھنا پسند نہیں کرتے کہ آیا راقم مضمون کا خیال غلط ہے یا درست مگر ہم صرف وہ حصہ لکھ دیتے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ اہل ہنود کا بھی خیال ہے کہ مسیح اور اُس کے حواری ہندوستان میں آئے تھے ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے اور ان اٹھارہ سو سالوں میں اُن کی زندگی کے کسی واقعہ کا علم ہمیں نہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ تعلیم اُنہوں نے اپنے وطن سے باہر کہیں حاصل کی تھی ۔ اُن ممالک کے باشندے اُن دنوں میں مصر کو اپنا اعلیٰ ترین تعلیم گاہ سمجھتے تھے ۔ قیاس غالب ہے کہ حضرت مسیح نے بھی یہیں پر ہی تعلیم حاصل کی ہوگی اور یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ وہ خاص ہندوستان میں ہی پہنچ گئے ہوں ۔ وہ آگے چلکر ایک مشہور فرانسیسی عالم کی رائے بھی تحریر کرتے ہیں جس نے مسیح کی نسبت ممالک شرقیہ میں تعلیم پانا ظاہر کیا ہے ۔ چنانچہ فرانسیسی عالم لکھتا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے ۔ بیشک مسیح مصر کو گیا ۔ بلا شک مسیح نے مشرق میں بہمراہی حواریان تعلیم پائی ۔ چونکہ یہ لوگ اصلی حقیقت سے محض ناآشنا ہیں اس واسطے وہ یقینی نہیں کہہ سکتے کہ مسیح کا ممالک شرقیہ میں محض تعلیم کے لئے آنا تھا یا اُس کو خدا کی طرف سے حکم تھا کہ وہ ممالک شرقیہ میں جائے

اور بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرے۔ بہر حال ان دونوں سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ وہ مشرق میں کسی نہ کسی وجہ سے آئے ضرور تھے۔ دیکھو اخبار بھارت جالندھر مورخہ یکم دسمبر ۱۹۱۱ء

اشارات مسیح علیہ السلام از قرآن کریم

اب ہم ذیل میں دکھانا چاہتے ہیں کہ مسیح کی آمد کے اشارات قرآنِ کریم میں پائے جاتے ہیں کیونکہ ممکن نہیں تھا کہ قرآن کریم کامل کتاب ہو کر کسی ایسے معاملہ کو جو آئندہ زمانہ میں ایک بھاری نزاع کا باعث ہو گا ترک کر دیتا۔ لہذا ازبس ضروری ہے کہ آجکل دنیا میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ایک طوفانِ بے تمیزی برپا ہے اور لوگ اُن کی تکذیب اور تکفیر پر تلے ہوئے ہیں خود خدا ہی اس امر کا فیصلہ کر دے تاکہ سیاہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد +

سو واضح ہو کہ جہانتک قرآنِ شریف میں نہایت خوض اور تدبر سے کام لیا جاتا ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ شریف میں سینکڑوں پیشگوئیاں ہیں جو زمانہ آئندہ کی خبروں پر مشتمل ہیں اور یہ آپ کو چوتھے باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ پیش گوئیوں میں بعض دفعہ ایسے الفاظ مجمل ہوتے ہیں کہ ہر ایک عقل کے انسان اُس کی کیفیت کو کما ہینبغی نہیں پا سکتے کیونکہ اُن میں کوئی صراحت نہیں ہوتی بلکہ استعارات کے رنگ میں ہوتی ہیں جن کو بجز علماء راسخین جنہیں ورثۃ الانبیا قرار دیا گیا ہے حل نہیں کر سکتے۔ اسی واسطے ضروری ہے کہ علماء راسخین کی کلام کا مطالعہ کیا جائے اور جو کچھ وہ کسی پیشگوئی کی حقیقت کو بیان کریں اُسکو تسلیم کر لیا جائے +

اب ہم اُن آیات قرآنی کو پیش کرتے ہیں جن سے اشارتاً یا کنایتاً حضرت مسیح موعود کا پتہ چلتا ہے +

(اول) هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ	اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق اور حقیقت سے بھرے ہوئے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُس کے رو سے تمام

ادیان پر غلبہ حاصل کرے۔ سورۃ الصف رکوع ۲ +

گویہ آیت بظاہر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہے لیکن اس میں مسیح کی نسبت بھی اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تمام ادیان باطلہ کو تبلیغ نہیں کی گئی کیونکہ اُن ایام میں سفر کے ذرائع کہاں میسر تھے اور تمام دنیا کے لوگوں کو تبلیغ کا موقع کہاں مل سکتا تھا کیونکہ اُس وقت تک نہ تو امریکہ کا کچھ سُراغ ملا تھا اور نہ دیگر جزائر کا پتہ ہی معلوم تھا لہذا صریح اشارہ نکلتا ہے کہ اسکا مسیح کے وقت میں ظہور ہوگا کیونکہ سوائے مسیح کے اور کسی کے آمد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر نہیں دی۔ اور اگر اُن سے کوئی عظیم الشان دینی کام ظہور پذیر نہیں ہونا تھا۔ تو پھر کیونکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اُن کا ذکر کرتے اور قسمیں کھا کھا کر تاکید فرماتے رہے۔ اور پھر بار بار دجال کا اُن کے ذکر کے ساتھ کیوں تذکرہ کرتے رہے جس سے پایا جاتا ہے کہ انکو بتایا گیا تھا دنیا میں ایسا بڑا فتور برپا ہوگا کہ جس سے ایماندار لوگوں کو سخت قلق اور بیقراری ہوگی اور دین کی حالت زار دیکھکر اُن کی حالت مایوسی تک پہنچ جائیگی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان داروں کی تسلی کے لئے بار بار قسمیں کھا کر مسیح کی آمد کی خبر دی۔ لہذا اشد ضروری ہے کہ اسلام کی تبلیغ کل روئے زمین پر مسیح کے ہاتھ سے ہوا اور یہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اب دُنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں ہے کہ انسان کا وہاں تک گذر نہ ہوسکتا ہو۔ اب ہر جگہ انسان پہنچ سکتا ہے اور جس قدر آسان سے آسان ذریعے اس وقت ہمیں میسر ہیں ۵۰ برس پہلے کب میسر تھے ۱۲۰۰ برس کا تو ذکر ہی کیا ہے لہذا نصِ قرآنی صرف مسیح ہی کی آمد کو ظاہر کرتی ہے گو اس میں شک نہیں کہ جو کچھ مسیح کے ہاتھ سے ہوگا وہ سب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام سمجھا جائیگا کیونکہ ہمیشہ تابعداروں کی کارروائی اُن کی اپنی سمجھی نہیں جاتی بلکہ متبوع کی سمجھی جاتی ہے جیسے خزائن قیصر و کسریٰ کی کنجیاں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں نہیں آئیں اُن کے خلفاء کے ہاتھ میں آئیں۔ لیکن تمام امت محمدیہ میں بالاتفاق اُسی خاتم المرسلین فخر الاولین والآخرین کے ہاتھ پر ہی مفتوح سمجھی گئیں۔ ایسا ہی ہم نظام دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جب کسی جنگ میں فتح ہوتی ہے تو اس میں ساری بہادری اور جانفشانی ادنیٰ ادنیٰ سپاہیوں کی ہوتی ہے افسران فوج کا بہت کم حصہ ہوتا ہے وہ تو

دور رہتے ہیں لیکن فتح بالآخر افسروں کے نام پر سمجھی جاتی ہے۔ اسی واسطے اس آیت کا مصداق گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن اشارہ مسیح کا پایا جاتا ہے۔ اس میں ہماری اپنی ہی رائے نہیں بلکہ اکثر مفسرین کا خیال بھی یہی ہے چنانچہ تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۷۲ میں زیر آیۃ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ یوں لکھا ہے:

(۱) ذٰلِكَ عِنْدَ خُرُوْجِ عِیْسٰی حِیْنَ تَصِیْرُ الْمِلَلُ كُلُّهَا وَاحِدَةً۔

یعنے یہ بات عیسیٰ علیہ السلام کے نکلنے پر ہوگی جبکہ کل ادیان ایک ہو جائینگے۔

(ب) پھر ابوہریرہ سے اس آیۃ کے متعلق ابن جریر طبری نے حسب ذیل روایت بیان کی ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ ثَنَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدِ نِ الْقَطَّانُ قَالَ ثَنَا شَفِیْقٌ قَالَ ثَنِیْ ثَابِتُ الْحَدَّادُ اَبُو الْمِقْدَامِ عَنْ شَیْخٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْ قَوْلِهٖ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ قَالَ حِیْنَ خُرُوْجِ عِیْسٰی بْنِ مَرْیَمَ رَوَاهُ ابْنُ جَرِیْرٍ۔

ابن جریر نے محمد بن بشار سے اس نے یحیی بن سعید القطان سے اس نے شفیق سے اس نے ثابت الحداد ابو المقدام سے اس نے شیخ سے اس نے ابوہریرہ سے روایت کی کہ ابوہریرہ نے آیت لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ کی نسبت کہا کہ وہ بوقت خروج عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۱۰ صفحہ ۷۲۔

(ج) دوسری روایت میں یوں آیا ہے:

حَدَّثَنَا ابْنُ وَكِیْعٍ قَالَ ثَنَا حُمَیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ فَضْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ اَبَا جَعْفَرٍ یَقُوْلُ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ قَالَ اِذَا خَرَجَ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِتَّبَعَهٗ اَهْلُ كُلِّ دِیْنٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ جَرِیْرٍ۔

ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ ابن وکیع میرے پاس روایت کی اس نے حمید بن عبدالرحمن سے اس نے فضل بن مرزوق سے اس نے ابا جعفر سے کہ کہتا تھا کہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ پر فرمایا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام خروج کریگا تو کل دین اس کے تابع ہو جائینگے۔

(د) تفسیر ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ ۵۴ پر زیر آیۃ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ لکھا ہے۔

يَقُوۡلُ لِيُظْهِرَ دِيۡنَهُ الْحَقَّ الَّذِىۡ اَرْسَلَ بِهٖ رَسُوۡلَهٗ عَلٰى كُلِّ دِيۡنٍ سِوَاهُ وَ ذٰلِكَ عِنْدَ نُزُوْلِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ +	فرماتا ہے کہ اُس کے سچے دین کو جس کے لئے اُس نے اپنا رسول بھیجا ہے تمام دینوں پر یاں غالب کرے اور یہ غلبہ عیسیٰ بن مریم کے نزول کے وقت ہوگا دیکھو تفسیر مذکور +

(۲) تفسیر حسینی قلمی کے صفحہ ۹۱۰ پر زیر آیتہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یوں لکھا ہے تا غالب گرداند این دین را بر ہمہ کیش و ملتے بوقتِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام یعنے تاکہ اس دین کو تمام دینوں اور ملتوں پر بوقتِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام غالب کرے۔ اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی لکھا ہے مگر بخوفِ طوالت انہی نظائر پر اکتفا کی جاتی ہے۔ غرض اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے اور تمام مذاہبِ باطلہ پر حجت پوری کرنے کا اشارہ ثابت ہوتا ہے + **آیت متذکرہ بالا میں برخلاف شانِ نزول مسیح کیسے دخل ہو سکتا ہے**

اس جگہ اس بات کا اظہار کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو اپنی وفات کے بعد ایک ایسے رسول کے آنے کی خبر دی ہے جس کا نام احمد ہوگا جو آیتہ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ سے ظاہر ہے تو بدیں حالت کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ نزولِ شان تو حضرت احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا اور اب اس آیت کو کسی ایسے شخص پر لگا کر جو احمد مسیح ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اس کا مصداق بنا یا جاوے سو اس کا جواب یہ ہے کہ آیتہ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے صاف نکلتا ہے کہ آخری زمانہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائینگے تب ہی تو آخری زمانہ کے لوگ تعلیم نبوی حاصل کر کے صحابہ میں داخل ہونگے اور چونکہ آیت اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کے رو سے وہ بذاتِ خود تشریف نہیں لا سکتے اِس لئے اُن کا آنا اسی طرح سے ہے جس طرح ایلیا کا آنا یا مسیح کا آنا۔ لہذا وہ آنا بروزی ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے ایک محمد اور ایک احمد۔ محمد تو جلالی تجلیات کا مظہر ہے اور احمد جمالی تجلیات کا۔ محمد کا ظہور اُسی وقت ہو چکا جبکہ دین کے لئے تلوار اُٹھائی گئی اور اب ایک ایسا زمانہ ہے کہ جس میں دین کے لئے تلوار کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب اسلام کا مقابلہ تلوار کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ زبان اور قلم کے ساتھ۔ اور چونکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے لئے ضروری

تھا کہ رسول اکرم صلواۃ اللہ وسلامہ تشریف لاتے اور محمد کے ظل میں نہیں بلکہ احمد کے ظل میں کیونکہ محمدی مظہر تو اپنے کمال کے ساتھ ابتدا میں پورا ہو چکا تھا اور احمدی مظہر باقی تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسیح نے بھی مظہر احمدی کی خبر دی تا کہ اس کی امت کے لوگوں کے ساتھ آخری زمانہ میں اسی مظہر احمدی کا مقابلہ ہو اور وہ مظہر حضرت مرزا غلام احمد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اب جس قدر کارروائی دین اس بزرگ کے ہاتھ سے مقدر ہے وہ سب ظلی طور سے آن حضرت ہی کی کارروائی ہے +

(۲) ایسا ہی اس آیۃ میں ہے

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝

اور خدا نے کہا یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی عبادت کرو۔ لیکن انہوں نے باہم پھوٹ ڈال لی اور الگ ہو گئے اور پھر سب کے سب ہماری طرف رجوع کرینگے اور یہ سب اسی حالت میں رہینگے یہانتک کہ یاجوج اور ماجوج کا زمانہ آجائیگا اور وہ کھول دیئے جائینگے اور ہر پہلو سے نکل پڑینگے سپ ۱۷ ع ۶ اس آیت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے الگ الگ فرقے ہو جائینگے اور ان کی حالت یاجوج ماجوج کے نکلنے تک ایسی ہی رہیگی پھر کوئی ایسی صورت واقع ہوگی جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرینگے۔ اس سے کسی مُصلح کا آنا تو نکلتا ہے مگر اس میں مسیح کی صراحت نہیں پائی جاتی لیکن اگر اس کی ماقبل آیت کو لیا جائے تو پھر کچھ شک نہیں رہتا کہ مسیح علیہ السلام ہی آئینگے۔ چنانچہ ماقبل آیت یہ ہے وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اس آیت کے سیاق کو لینے سے ثابت ہوتا ہے کہ آیات مذکرہ بالا کا اس آیت سے بڑا تعلق ہے ورنہ بے معنی بات ہوئی جاتی ہے اور پھر جب ہم مابعد کی آیت کو دیکھتے ہیں تو اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے ظاہر ہونے پر ایک وعدہ کے پورے ہونے کا وقت بتلایا گیا ہے چنانچہ وہ آیت یہ ہے وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ یعنی اُس وقت جبکہ یاجوج ماجوج کا ظہور ہو سمجھ لو کہ وعدہ کا وقت قریب آن پہنچا۔ پس صاف

ظاہر ہے کہ آیات بالا میں ایک وعدہ کا وجود پایا جاتا ہے اور اُس کا ظہور یاجوج ماجوج کے ظہور کے بعد وابستہ کردیا گیا ہے اور اب یاجوج ماجوج تو ظاہر ہوگئے اور تم انکو دیکھ رہے ہو اس لیئے لازم تھا کہ وہ وعدہ بھی پورا ہوتا جسکا آیت متذکرہ بالا میں اشارہ ہے اور وہ پورا یوں ہوا کہ یاجوج ماجوج کے ظہور کے بعد جو روس اور انگریز اور دیگر فرنگستان کے لوگوں سے مراد ہے جن کا ذکر ایک الگ باب میں مفصل طور سے بیان ہوگا۔ ایک شخص نے دعویٰ مسیحیت کیا اور وہ کام یا ب بھی ہونکلا پھر کیونکر شک ہوسکتا ہے دیکھو قرآن شریف سورۃ الانبیاء رکوع

پھر دوسری جگہ سورۃ کہف کے رکوع ۱۱ میں اللہ تعالیٰ اُسی وعدہ کا یوں ارشاد فرماتا ہے فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا یعنی جب وعدہ اللہ کا آپہنچیگا اُس وقت ہم سد ذوالقرنین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینگے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے وہ کبھی نہیں ٹلیگا وہ پورا ہوکر رہیگا۔ پھر آگے چلکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا یعنی ہم اُس زمانہ میں یعنے بزمانہ یاجوج ماجوج مختلف مذاہب کے لوگوں کو مہلت دینگے کہ تا ایک دوسرے کے مذہب پر حملہ کریں یعنی ہر ایک مذہب کا آدمی اپنے مذہب کو دیگر مذاہب سے سچا اور قوی ہونا ثابت کریگا اور دوسرے مذاہب کے جھوٹے بنانے کی سعی اور کوشش میں لگجائیگا جب یہ حالت دُنیا پر طاری ہوگی تو اچانک اللہ تعالیٰ صور پھونکیگا۔ یعنی کسی مجدد کو اپنی طرف سے الہام دیکر مامور کریگا اور ان سب ادیان کا میلان ایک طرف کردیگا +

چنانچہ یہ سب باتیں وقوع میں آچکی ہیں۔ جہانتک دیکھا جاتا ہے ہر مذہب کے لوگوں میں ایک بہت بڑا جوش پایا جاتا ہے اور ایک دوسرے پر ایسے ایسے حملے کرتے ہیں کہ گویا وہ اپنے ذہن میں سمجھتے ہیں کہ اب باقی سب دینوں کو پاش پاش کر دینگے ایسی حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نفخ صور کیا اور اپنے بندوں میں سے ایک کو الہام سے مشرف کرکے دنیا میں کھڑا کیا اور اُس نے آنکر سب کو ایک جگہ جمع کیا یعنی جلسۂ اعظم تحقیق مذاہب کا انعقاد لاہور جیسے صدر مقام میں ہوا اور وہاں سب لوگ خواہ وہ مشرک تھے خواہ عیسائی مُردہ پرست خواہ برہمو خواہ سکھ خواہ دہریہ خواہ کسی عقیدے کے لوگ تھے سب نے اُس موقع پر توحید کی طرف میلان ظاہر کیا اگر شک ہو تو رپورٹ جلسہ

تحقیق مذاہب کھول کر دیکھو سب نے توحید کا گیت گایا ہے۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اسکا مصداق واقع ہو چکا +

(۳) سورہ فاتحہ کی آیت غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ میں مسیح کی آمد کا اشارہ ہے یہ ظاہر ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کے پاک نبی تھے محض شرارت سے لعنتی ٹھہرا کر خدا تعالیٰ کا غضب اپنے پر نازل کرالیا اور مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ٹھہر گئے اور گو نصاری بھی اُن کو پاک اور مقدس اقنوم بلکہ خدا مانتے ہیں لیکن اپنی نادانی اور اپنی جہالت سے اُن کو لعنتی قرار دیتے ہیں اگرچہ اُنہوں نے انکو ایک طرح تو ایک الزام یہود سے بچانا چاہا تھا مگر لعنت کے مفہوم سے ناواقف ہونے کی وجہ سے عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہو گئے کیونکہ لعنت کا مفہوم دل کی ناپاکی سے تعلق رکھتا ہے اور نبی ایسی ناپاکی سے معصوم ہوتے ہیں۔ اِس لئے وہ بھی گمراہ قرار پائے۔ غرض اس پیشگوئی میں مسلمانوں کو ہر روز پانچ وقتہ نماز میں بار بار یاد دلایا گیا کہ اے مسلمانوں جس طرح مسیح ناصری کی تکفیر و تکذیب سے یہود مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ہو گئے اِسی طرح تم بھی آخری زمانہ کے مسیح موعود کی تکفیر و تکذیب سے مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ نہ ہو جانا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں مسیح کے آنے کی پیشگوئی ہے +

(۴) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۝ سورۃ النور رکوع

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ کیا کہ تم میں سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہیں انکو زمین میں خلیفہ بناؤنگا جس طرح اُن سے پہلے خلیفے بنائے گئے اور اُس دین کو جو میں نے اُن کے لئے پسند کیا ہے مضبوط کرونگا اور خوف کے بعد امن پیدا کر دونگا +

اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اس امت میں سے خلفا بنائے جائینگے اور چونکہ مسیح علیہ السلام کی نسبت احادیث سے واضح ہے کہ وہ آخری زمانہ میں خلیفہ ہوگا اِس لئے لازمی طور سے ماننا پڑتا ہے کہ مسیح علیہ السلام بھی اس وعدہ میں داخل ہے ورنہ ایک صورت میں خدا پر تکذیب لازم آتی ہے اور دوسری صورتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ضروری ہوجاتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس نصِ صریح میں مومنوں سے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ خلیفے اسی امت میں سے بنائے جائینگے اور اگر بقول علماءِ زمان مسیح اس امت میں سے نہیں تو پھر اگر اسکو خلیفہ تسلیم کرلیا جائے تو قول خداوندی معاذ اللہ جھوٹا ہوتا ہے اور اگر اس آیت میں مسیح کے خلیفے ہونے کا ذکر نہ تسلیم کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسمیں کھاکر کہا ہے کہ مسیح ضرور آئیگا لہذا لامحالا ماننا پڑتا ہے کہ مسیح کی آمد کا صریح اشارہ اس آیت میں ہے اور آیۃ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ اس کی اور وضاحت کرتی ہے کیونکہ یہ وعدہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں خلفا ہوئے اُسی طرح سلسلہ محمدی میں بھی رسول اللہ کے بعد خلفا ہونگے اور یہ تو ظاہر ہے موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء میں آخری خلیفہ عیسیٰ علیہ السلام تھے اِس لئے اِس اُمّتِ محمدیہ کا آخری خلیفے بھی عیسےٰ ہی ہونا ضروری ہے اور اگلی آیت ظاہر کرتی ہے کہ وہ ضرور عیسیٰ علیہ السلام ہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے شر سے سخت خوف دلایا ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ اسلام کی نسبت خوف تھا کہ کہیں وہ ملعون اُسے نقصان نہ پہنچائے اور اُس کے مقابل میں دینِ اسلام کے بچانے کیواسطے عیسیٰ علیہ السلام ہی قرار دیا گیا ہے جسکی خود آنحضرت صلعم نے خبر دی ہے سو صاف ہے کہ اس آیت میں صریح مسیح علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے +

(۵) پانچویں آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہے جس سے مسیح کے آنے کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت کا نزول شان یہی لکھا ہے کہ اس کے مصداق فارسی النسل ہونگے سو وہ مسیح جس نے دعویٰ مسیح ہونے کا کیا ہے وہ فارسی الاصل ہی ہے اسکی تفصیل آگے چلکر معلوم ہوگی +

ثبوت آمدِ مسیح علیہ السلام از احادیث

اب ہم اس کی تائید میں چند ایک احادیث بھی درج کرتے ہیں جن میں مسیح کے آنیکا ذکر ہے

(۱) بخاری جلد اصفحہ ۴۹۰ میں یہ حدیث آئی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ اَنَا یَعْقُوْبُ ابْنُ اِبْرَاهِیْمَ کہ سعید بن مسیب نے حضرت ابوہریرہ کو یہ کہتے سنا

ثنا ابی عن صالح عن ابن شہاب ان سعید بن المسیب سمع اباھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لا یقبل احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابوھریرۃ واقرءوا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ضرور بالضرور تم میں ابن مریم حکم اور عدل ہو کر نزول فرمائیگا اور وہ صلیب کو پاش پاش کریگا اور خنزیر کو قتل کریگا اور لڑائی اور جنگ کو اُٹھا دیگا اور مال اس قدر دیگا کہ کوئی بھی اُسکو قبول نہ کرسکیگا اور اُسوقت زمانہ کی حالت ایسی ہوگی کہ صدق دلی سے ایک سجدہ بھی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا پھر ابوہریرہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی اہل کتاب نہیں کہ جو واقعِ قتلِ مسیح کو اپنی موت سے پہلے پہلے اپنی ایمان کی جزو خیال نہ کرتا رہیگا اور قیامت کے روز حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دربار میں گواہی دینگے کہ ان لوگوں نے ناحق اس عقیدے کو گھڑ لیا تھا میرا اس میں کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس حدیث سے حضرت مسیح کے نازل ہونے کا صریح ذکر ہے ابن مریم اور لفظ نزول وغیرہ پر الگ باب میں مفصل بیان کرینگے۔ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے +

(۲) ایسا ہی بخاری میں ایک اور حدیث ہے جس سے نزول ثابت ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

حدثنا ابن بکیر ثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب عن نافع مولی ابی قتادۃ الانصاری ان اباھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم +

ابن بکیر نے حدیث بیان کی کہ اس نے لیث سے اور لیث نے یونس سے اور یونس نے ابن شہاب سے اُس نے نافع سے جو ابی قتادہ انصاری کا غلام تھا سنا کہ ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں نزول فرما ہوگا اور وہ تمہیں میں سے ایک امام ہوگا۔

اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ ابن مریم ضرور آئینگے۔ دیکھو بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۰+

(۳) کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ فَاَمَّکُمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ

مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا تمہارا کیا حال ہوگا حالانکہ وہ تمہاری امامت کریگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲+

(۴) ایسا ہی مسند احمد بن حنبل میں ایک روایت یوں آئی ہے:۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ حَدَّثَنَا اَبِیْ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّھْرِیْ عَنْ نَافِعٍ مَوْلٰی اَبِیْ قَتَادَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ بِکُمْ اِذَا نَزَلَ بِکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ فَاَمَّکُمْ اَوْ قَالَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ+

احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے کہ میرے پاس عبداللہ نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس عبدالرزاق نے اُن کے پاس معمر نے اُن کے پاس زُہری نے اُن کے پاس نافع مولی ابی قتادہ نے اُن کے پاس ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ تمہارے پاس ابن مریم نازل ہوگا اور وہ تمہاری امامت کریگا یا یہ کہ تم میں سے ایک امام ہوگا۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد دوم صفحہ ۲۷۲+

(۵) ایسا ہی مسند احمد میں ایک دوسری روایت ہے+

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ حَدَّثَنَا اَبِیْ ثَنَا اِسْحٰقُ ابْنُ یُوْنُسَ وَھُوَ الْاَزْرَقُ اَنَا عَوْفٌ عَنْ شَھْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ نَاسٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ+

امام احمد بن حنبل نے روایت بیان کی کہ میرے پاس عبداللہ نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس اسحٰق بن یونس ازرق نے اُن کے پاس عوف نے اُن کے پاس شہر بن حوشب نے اُنہوں نے ابوہریرہ سے کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم (دین) آسمان پر بھی چلا جائے گا تو ابنائے فارس میں سے بعض آدمی اُتار کر لائینگے۔ دیکھو مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۶+

غرض مسیح کے آنے کی نسبت تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ لہٰذا ہم ضرورت نہیں

سمجھتے کہ اس بارہ میں زیادہ لکھیں۔ بہرحال قرآن کریم اور احادیث سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسیح کے آنے کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے جو آخری زمانہ میں آئیگا +

آٹھواں باب

اس تحقیق میں کہ اُس مسیح سے جس کا اشارہ قرآن و احادیث میں ہے کیا مُراد ہے آیا مسیح ناصری ہی یا کوئی اور

فصل اوّل

اس بارہ میں کہ لفظ توفی پر علماء کا اختلاف ہے

یہ امر کہ مسیح موعود سے مراد حضرت عیسٰے علیہ السلام اسرائیلی نبی سے ہے یا اس اُمت میں سے کوئی شخص ہوگا جو مسیح کے نام پر آئیگا۔ ایک مسئلہ ہے جو نہایت ہی غور طلب ہے۔ اور جہانتک دیکھا جاتا ہے اس امر میں بڑے بڑے علماء متقدمین و متاخرین نے قلم اُٹھائی ہے مگر کسی نے قطعی فیصلہ انشراح صدر سے نہیں کیا اور محض دیانت اور تقوٰی پر کام فرماکر یونہی اس معاملہ کو چھوڑ گئے اور کچھ فیصلہ نہ فرما گئے بجز اُن علماء کے جو کم درجہ کے ہیں اور جو تحقیقات کا مادہ بھی نہیں رکھتے تھے اور جن میں تقوٰی کی بھی کمی تھی۔ اب یہ عاجز بتوفیق و مدد رب قدیر و علیم اس باب میں تحقیقات کرنے کے لئے قلم اُٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے کہ وہ اس عاجز کو اِس بارہ میں خاص نصرت عطا فرماوے اور اس پیچیدہ اور مشکل مسئلہ کو حل کرنے کی توفیق بخشے۔ کیونکہ اُس کی ذات نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْر ہے +

ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ایک بڑا بھاری تنازع مسلمانوں میں قایم ہوگیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان مسیح موعود ہونے کے مدعی ہیں

اور کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نبی ناصری مر چکے ہیں اور جس مسیح کے آنے کا وعدہ ہے وہ اسی امت میں سے ہونے والا تھا سو وہ میں ہوں۔ دوسری طرف علما رزمان اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ناصری زندہ آسمان پر موجود ہیں وہی آخری زمانہ میں آئینگے اس لئے کوئی دوسرا شخص مسیح نہیں ہوسکتا۔ یہ قضیہ ہے۔ اب تنقیحہ طلب یہ امر ہے کہ کیا فی الواقع مسیح ناصری علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہے۔ اگر یہی ثابت ہوگیا تو بلا شک کسی اور کا دعویدار ہونا حق بجانب نہیں ہوسکتا اور اگران کا زندہ آسمان پر موجود ہونا ثابت نہ ہوا بلکہ اُن کا فوت ہونا پایہ ثبوت کو پہنچا تو پھر کسی مدعی مسیحیت کے دعوے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا بعید از انصاف ہوگا۔ ماننے یا انکار میں تعجیل نہیں چاہیئے ہاں کامل تحقیقات کے بعد تسلیم ہو یا انکار بجا اور درست ہے۔ جب دلائل قویہ و براہان ساطعہ سے ظاہر ہو جائے کہ مدعی کا دعویٰ حق بجانب ہے تو پھر قبول نہ کرنا بلکہ کینہ اور بغض کو دل میں جگہ دینا بعید از انصاف وخالی از معصیت نہ ہوگا +

لہٰذا ہم اول قرآن کریم میں غور کرتے ہیں کہ اُس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا ذکر ہے آیا اُس کی حیات کا ذکر ہے یا وفات کا۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت الفاظ ذیل استعمال ہوئے ہیں۔ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یعنی اے عیسیٰ میں تجھے مارونگا اور اپنی طرف اُٹھا لونگا۔ اس آیت میں دو لفظ ہیں ایک متوفی اور دوسرا رافع ان دونوں لفظوں پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی ہیں اور بڑا بڑا اختلاف کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں جو جو معنے مُتَوَفِّیۡكَ کے لفظ کے کئے گئے ہیں اول ہم وہ سب یہاں درج کرتے ہیں جس سے واضح ہوگا کہ اگراُن علمار کو یقینی طور پر اس امر کا علم تھا کہ مسیح علیہ السلام نہیں مرے اور وہ فی الحقیقت زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر موجود ہیں تو پھر کیوں اتنا اس لفظ توفی کے معنوں میں اختلاف کرتے رہے چنانچہ وہ اختلاف حسب ذیل ہے +

(۱) اِجۡرَاءُ الۡاٰیَةِ عَلٰی ظَاهِرِهَا مِنۡ غَیۡرِ تَقۡدِیۡمٍ وَّلَا تَاخِیۡرٍ فِیۡهَا + — یعنی اس آیت کا اجرا ظاہر پر ہے اُن میں تقدیم و تاخیر کی ضرورت نہیں +

(۲) فَرَضُ التَّقۡدِیۡمِ وَالتَّاخِیۡرِ فِیۡهَا + — یعنی تقدیم و تاخیر لازمی ہے +

(۳) مُتَوَفِّیۡ اَجَلَكَ وَمَعۡنَاهُ اِنِّیۡ عَاصِمُكَ — میں تیری اجل کو پورا کرونگا یعنی میں تجھکو

مِنْ اَنْ یَّقْتُلَكَ الْكُفَّارُ وَمُؤَخِّرُكَ اِلٰی اَجَلٍ كَتَبْتُهٗ لَكَ ۔	کافروں کے ہاتھ سے قتل کرنے سے بچاؤنگا اور اُس اجل تک جو میں نے تیرے واسطے مقرر کر رکھی ہے ڈھیل دونگا۔ دیکھو تفسیر کشاف مطبوعہ کلکتہ جلد ا صفحہ ۴۰۶ ۔
(۴) مُمِیْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْهِمْ ۔ تفسیر کشاف	یعنی میں تجھے طبعی موت سے مارونگا۔ اُن کے ہاتھ سے (کفار سے) تجھے قتل نہیں ہونے دونگا
(۵) تَوَفَّى اللّٰهُ عِیْسٰی بْنَ مَرْیَمَ ثَلٰثَ سَاعَاتٍ مِّنَ النَّهَارِ	یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ بن مریم کو تین ساعت کے لئے ماردیا تھا (قول وہب) دیکھو تفسیر درالمنثور مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۳۶ ۔
(۶) اَمَاتَهُ اللّٰهُ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۔	یعنی اللہ نے حضرت مسیح کو تین روز کے لئے فوت کردیا تھا پھر زندہ کردیا ۔
(۷) اِنَّ اللّٰهَ تَوَفّٰی عِیْسٰی سَبْعَ سَاعَاتٍ ثُمَّ اَحْیَاهُ ۔	اللہ نے حضرت عیسیٰ کو سات گھنٹے تک ماردیا پھر زندہ کیا۔ ایضاً درالمنثور
(۸) اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّیْ حَقِیْقَةُ الْمَوْتِ ۔	یعنی توفی سے حقیقی موت مراد ہے۔ دیکھو تفسیر خازن
(۹) مُتَوَفِّیْكَ نَائِمًا ۔	یعنی میں تجھے نیند میں مارونگا۔ یعنی سلادونگا دیکھو حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد ۳ صفحہ ۶۲ ۔
(۱۰) مُمِیْتُكَ عَنِ الشَّهَوَاتِ الْعَائِقَةِ عَنِ الْعُرُوْجِ اِلٰی عَالَمِ الْمَلَكُوْتِ ۔	یعنی تجھے شہوات نفسانیہ کی طرف سے مارونگا جو جو عالم ملکوت کی طرف رجوع کرنے کو روکتی ہیں ۔
(۱۱) اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ عَنِ الصِّفَاتِ النَّفْسَانِیَّةِ وَالْاَوْصَافِ الْحَیْوَانِیَّةِ	یعنی میں تجھے نفسانی صفات اور حیوانی اوصاف سے مارونگا۔ دیکھو تفسیر بحر الحقائق ۔

(۱۲) پورا پورا لینے والا ہوں دیکھو تفسیر فتح المنان صفحہ ۱۵۰ جلد ۲ بحوالہ تفسیر کبیر
اِنَّ التَّوَفِّیَ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا۔ یعنی توفی کے معنے کسی چیز کا پورا پورا لینا ۔

(۱۳) اَنْ یُّقَدَّرَ فِیْهِ حَذْفُ الْمُضَافِ	یعنی یہاں مضاف محذوف ہے اصل میں یہ ہے

وَ التَّقْدِیْرُ مُتَوَفِّیْ عَمَلَكَ یعنی مُسْتَوْفِیْ عَمَلَكَ | کہ میں تیرے عمل کو پورا کرنے والا ہوں +

(۱۴) قَابِضُكَ یعنی تجھے قبض کرنے والا ہوں اِنَّ التَّوَفِّیَ هُوَ الْقَبْضُ۔ یعنی توفی کے معنے قبض کرنا ہے۔ تفسیر کبیر +

(۱۵) قَابِضُ لِرُوْحِكَ یعنی میں تیری روح کو قبض کرنے والا ہوں۔ دیکھو حاشیہ شیخ احمد صادی المالکی علی جلالین +

(۱۶) میں تجھے بھر لینے والا ہوں۔ قرآن مترجم شاہ رفیع الدین صاحب +

(۱۷) اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اَیْ جَعَلَكَ کَالْمُتَوَفِّیْ۔ تفسیر کبیر۔ یعنی میں تجھے مثل متوفی کرنے والا ہوں +

الغرض اسقدر معنے قریباً تمام تفاسیر میں جو ہمارے دیکھنے میں آئی ہیں پائے جاتے ہیں ہاں بعض میں تھوڑے اور بعض میں زیادہ لیکن سب کو ملا کر اس قدر ہو جاتے ہیں اب دیکھو کہ یہ کس قدر اختلاف ہے۔ اگر اُن کو ایک معنے پر یقین ہوتا تو کیونکر اتنے سرگردان ہوتے

اب میں پوچھتا ہوں کہ برائے خدا کوئی عقلمند جسکو اللہ تعالیٰ نے ذراسی بھی زیرکی اور دانش عطا کی ہو اس قدر اختلافات کے بعد کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس قوی دلائل ہیں اور میں ایک مضبوط اور بلند چٹان پر کھڑا ہوں جس سے کوئی شخص اسکو متزلزل نہیں کر سکتا۔ ہرگز کوئی عقلمند ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ تو پھر کیوں اس قدر شور محشر برپا کر رکھا ہے۔ اور جب اُن کے ہاتھ میں کوئی مضبوط وجہ موجہ نہیں تو پھر کیوں ایک بات پر اڑے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ بڑے بڑے علما اور فضلا اس بات کا تصفیہ نہیں کر سکے کہ ان میں سے کونسی بات پختہ ہے اور چونکہ اُن میں تقوی کا مادہ مرکوز تھا اس لئے اُنھوں نے اس بارہ میں اپنی رائے کو دخل نہ دیا جیسی جیسی مختلف آراے کو سنا یا لکھا دیکھا اُسی طرح لکھ دیا سخت ہی احمق اور بیوقوف ہیں وہ لوگ جو ان متفرق آراے کی موجودگی میں تحکم کر کے حضرت عیسٰے کی زندگی پر زور دیتے ہیں۔ اور کہے جاتے ہیں کہ وہ ابتک بے آب و دانہ آسمان پر موجود ہیں

بہر حال چونکہ اس وقت یہ ایک امر فیصلہ طلب ہے۔ اِس لئے ہم اپنے امام یعنے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ کیا فیصلہ دیتا ہے۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم کامل کتاب اور قول فیصل ہے اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آسکتی اس لئے قیامت تک جو تنازعات

پیش آئینگے یہی فیصل کریگا۔ اگر کسی امر میں یہ فیصلہ نہ کر سکے تو معاذ اللہ پھر یہ کامل کتاب نہیں ٹھیر سکتی۔ سو اس کے فیصلہ کے لئے سب سے پہلے ہم یہ تحقیقات کرتے ہیں کہ سوائے اُن مقامات کے جو مسیح علیہ السلام کی نسبت استعمال کئے گئے اور کہاں کہاں لفظ تَوَفِّیْ آیا ہے اور اُن کے کیا معنے کئے گئے ہیں جن سے الفاظ متنازعہ کے معنے حل ہو جائینگے +

فصل دوم

اس بارہ میں کہ لفظ توفی قرآن شریف میں کہاں کہاں اور کن معنوں کے لئے آیا ہے

جب ہم قرآن کریم میں غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ تَوَفِّیْ کا لفظ دو جگہ مسیح کے لئے آیا ہے یعنی ایک جگہ پر اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ سورہ آل عمران رکوع ۶۔ اور دوسری جگہ پر فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ سورۂ المائدہ رکوع ۱۶۔ اور ما سوا اُن کے اور لوگوں کی نسبت لفظ مُتَوَفِّیْ مختلف صیغوں میں بتعداد ذیل آیا ہے +

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۱	وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا سورۃ البقر رکوع ۳۰	اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہیے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے تئیں انتظار میں رکھیں	مولوی نذیر احمد دہلوی
		اور جو لوگ مر جاویں تم میں اور چھوڑ جاویں عورتیں وے انتظار کرا ویں اپنے تئیں چار مہینے اور دس دن	شاہ عبدالقادر
		اور جو لوگ مر جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیاں اپنی انتظار دیویں جانوں اپنی کو چار مہینے اور دس دن کا	شاہ رفیع الدین
		کسانیکہ بمیرند از شما وبگذارند زنان را باید کہ انتظار کنانند این زنان خویش را چہار ماہ و دہ روز	شاہ ولی اللہ
		وآنانکہ بمیرند از شما وبگذارند زناں را انتظار برند بنفسہائے خود چہار ماہ و دہ روز	شیخ سعدی

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۲	وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا سیپارہ ۲ - سورۃ البقرہ رکوع ۳۱	اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بیبیاں چھوڑ مریں +	مولوی نذیر احمد دہلوی
		اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور چھوڑ جاویں عورتیں +	شاہ عبد القادر
		اور جو لوگ مرجاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیاں +	شاہ رفیع الدین
		و آنانکہ قبض روح ایشاں کردہ شود از شما و بگزارند زنان را +	شاہ ولی اللہ
		و آنانکہ وفات کنند از شما و بگزارند زنان را +	شیخ سعدی
۳	رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ سورہ آل عمران رکوع ۲۰	پس اے پروردگار ہم کو ہمارے قصور معاف فرما اور ہم پر سے ہمارے گناہ دور کر اور نیک بندوں کے شمول میں ہمارا بھی خاتمہ بالخیر کیجو +	مولوی نذیر احمد
		اے رب ہمارے بخش ہم کو گناہ ہمارے اور اوتار ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیکوں کے ساتھ +	شاہ عبد القادر
		اے پروردگار ہمارے پس بخش ہم کو گناہ ہمارے اور دور کر ہم سے برائیاں ہماری اور مار ہم کو ساتھ نیک بختوں کے +	شاہ رفیع الدین
		ای پروردگار پس بیامرز گناہان ما را و دور کن از ما بدی ہائے ما را و بمیران ما را با نیکوکاران +	شاہ ولی اللہ
		ای پروردگار ما بیامرز ما را گناہان ما و درگزار از ما بدیہائے ما و بمیران ما را با نیکوکاران +	شیخ سعدی
۴	فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ + سورۃ النساء رکوع ۳	پس اگر گواہ اُنکی بدکاری کی تصدیق کریں تو سزا کے طور پر اُن عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت اُنکا کام تمام کردے +	مولوی نذیر احمد
		پھر اگر وے گواہی دیویں تو اُن کو بند رکھو گھروں میں جب تک اٹھا لیوے اُنکو موت +	شاہ عبد القادر
		پس اگر گواہی دیویں پس بند رکھو اُنکو بیچ گھروں کے یہاں تک کہ اُٹھالے اُنکو موت +	شاہ رفیع الدین
		پس اگر گواہی دادند محبوس کنید ایشانرا در خانہا تا کہ عمر ایشانرا تمام کند مرگ +	شاہ ولی اللہ
		پس اگر گواہی دہند نگاہ دارید این زنان را در خانہا تا وقتیکہ بمیراند ایشانرا مرگ +	شیخ سعدی

نمبرشمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۵	إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ سورۃ النساء رکوع ۱۴	جو لوگ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں فرشتے اُنکی جان قبض کئے پیچھے اُن سے پوچھتے ہیں کہ تم دار الحرب میں پڑے پڑے کیا کرتے رہے + جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اُس حال میں کہ وہ بُرا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں تم کس بات میں تھے + تحقیق جو لوگ کہ قبض کرتے ہیں انکو فرشتے کہ وہ ظلم کرنیوالے ہیں جانوں اپنی کو کہتے ہیں کس دین میں تھے تم + ہر آئینہ آنانکہ فرشتگاں قبض ارواح ایشان کروند کہ وے ستمگار بودند بر خویشتن فرشتگان بایشان گفتند در چہ حال بودید شما + بدرستی آنانکہ جان مے ستانند ازیشاں فرشتگان۔ بودند ستمگار بر جانہائے ایشاں۔ گفتند فرشتگان در چہ بودید شما +	مولوی نذیر احمد دہلوی شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی
۶	وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى سورۃ الانعام رکوع ۷	اور وہی ہے جو رات کیوقت نیند میں ایک طرح پر تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تمنے دن میں کیا تھا وہ اسکو بھی جانتا ہے اور پھر دن کیوقت تمکو اُٹھا کھڑا کرتا ہے* اور وہی ہے کہ تم کو بھر لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کما چکے ہو دن کو پھر تم کو اُٹھاتا ہے اس میں کہ پورا ہو وعدہ جو ٹھہرا دیا + اور وہی ہے جو قبض کرتا ہے تم کو بیچ رات کے اور جانتا ہے جو کماتے ہو بیچ دن کے اور پھر اُٹھاتا ہے تم کو بیچ اسکے تو کہ پورا کیا جاوے وقت مقرر کیا ہوا واوست آنکہ قبض روح شما میکند بشب و میداند آنچہ کسب کردید بروز باز برمے انگیزد شمارا در روز تا بانجام رسانیدہ شود میعاد معین واوست آنکہ در خواب مے برد شمارا بشب و میداند آنچہ کسب کنید در روز پس برانگیزد شمارا در روز تا برسد بہ وقتے معین	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی
۷	حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ سورۃ الانعام رکوع ۸	یہانتک کہ جب تم میں سے کسی کو وقتی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اُنکی روح پورے طور پر قبض کرتے ہیں اور وہ تعمیل حکم میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے + یہانتک کہ جب پہنچے تم میں کسی کو موت اُسکو بھر لیویں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ قصور نہیں کرتے + یہانتک کہ جب آتی ہے ایک کو تم میں سے موت قبض کرتے ہیں اُسکو بھیجے ہوئے ہمارے اور وہ نہیں کمی کرتے + تا وقتیکہ بیاید یکے از شمارا مرگ قبض روح او کنند فرستادگانِ ما و ایشان تقصیر نمے کنند + تا وقتیکہ بیاید یکے از شمارا مرگ میرانند او را فرشتگانِ ما و ایشاں تقصیر نمے کنند +	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی

* میعاد حیات جو اسکے علم میں مقرر ہے ایک دن پوری ہو

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۸	حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ سورۃ الاعراف رکوع ۴	یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے انکی روحیں قبض کرنیکے لئے انکے سامنے آموجود ہونگے تو اُنسے پوچھینگے کہ اب کہاں ہیں جنکو تم خدا کے سوا حاجت روائی کیلئے*	مولوی نذیر احمد دہلوی
		یہاں تک کہ جب پہنچے اُن پاس بھیجے ہوئے ہمارے جان لینے کو بولے کیا ہوئے جنکو تم پکارتے تھے سوا اللہ کے +	شاہ عبدالقادر
		یہانتک کہ جب آوینگے اُن کے پاس بھیجے ہوئے ہمارے قبض کرتے ہوئے انکو کہینگے کہاں ہیں جنکو تھے تم پکارتے سوا اللہ کے +	شاہ رفیع الدین
		تا وقتیکہ بیایند نزدیک ایشاں فرستادگانِ ما تا قبض ارواحِ ایشاں کنند گویند کجاست آنچہ شما پرستید بجز خدا +	شاہ ولی اللہ
		تا وقتیکہ آمدند بایشاں فرستادگانِ ما تا قبض کنند ارواحِ ایشاں را گویند کجا اند آن بتاں کہ بودید شما پرستندگان از جز خدا +	شیخ سعدی
۹	رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ؕ سورۃ الاعراف رکوع ۱۴	کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کی کھالیں انڈیل دے اور اپنی فرمانبرداری کی حالت میں ہم کو دنیا سے اٹھالے +	مولوی نذیر احمد
		کہ اے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان +	شاہ عبدالقادر
		اے رب ہمارے ڈال اوپر ہمارے صبر اور مار ہم کو مسلمان کر کر +	شاہ رفیع الدین
		اے پروردگار ما بریز بر ما شکیبائی و قبض ارواح ما کن در حالیکہ مسلمان باشیم +	شاہ ولی اللہ
		ای پروردگار ما بریز بر ما شکیبائی و بمیران ما را گردن نہادگان +	شیخ سعدی
۱۰	وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ سورہ یونس رکوع ۵	اے پیغمبر جیسے جیسے عذاب کے ہم اُن لوگوں سے وعدے کر رہے ہیں چاہے ہم تم کو اُن میں سے بعض وعدوں کا وقوع دکھا دیں یا وقوع سے پہلے تم کو دنیا سے اُٹھالیں	مولوی نذیر احمد
		اور اگر ہم دکھاوینگے تجھکو کوئی اُن وعدوں میں سے جو دیتے ہیں انکو یا پوری کر دینگے تیری عمر +	شاہ عبدالقادر
		اور اگر دکھاویں ہم تجھکو بعض چیز کہ جو وعدہ دیتے ہیں ہم انکو یا قبض کر لیویں تجھکو پس طرف ہماری ہے پھر آنا انکا +	شاہ رفیع الدین
		واگر بنمائیم ترا بعض آنچہ وعدہ میکنیم بایشاں یا بمیرانیم ترا بہر حال بسوئے ما رجوع ایشان است +	شاہ ولی اللہ
		اگر بنمائیم ترا لختے آنچہ وعدہ دادہ ایم ایشاں را یا اگر بمیرانیم ترا پس بسوئے ماست بازگشت ایشاں +	شیخ سعدی

* بلایا کرتے تھے

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۱۱	فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ سورہ یوسف رکوع ۱۱	ای آسمان و زمین کے پیدا کرنیوالے دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے تو اب مجھکو اپنی فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھالے اور مجھکو اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ ای پیدا کرنیوالے آسمان و زمین کے تو ہی ہے میرا کارساز بیچ دنیا اور آخرت میں موت دے مجھکو اسلام پر اور ملا مجھکو نیک بختوں میں + ای پیدا کرنیوالے آسمانوں کے اور زمین کے تو ہی ہے دوست یعنی کارساز میرا بیچ دنیا اور آخرت کے قبض کر مجھکو مطیع اپنا اور ملا دے مجھکو ساتھ صالحوں کے ای پیدا کنندہ آسمانہا و زمین توئی کارساز من در دنیا و آخرت مسلمان بمیران مارا و لاحق کن مرا بہ صالحان + اے آفرینندۂ آسمان ہا و زمین توئی یار من در دنیا و آخرت و بمیراں مرا مسلمان و در رساں مرا بشائستگان +	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی
۱۲	وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ سورۂ رعد رکوع ۶	اور ای پیغمبر عذاب وغیرہ کے جیسے جیسے چاہے بعض وعدے ہم تمہاری زندگی میں تمکو پورے کر دکھائیں اور ان وعدوں کے وقوع سے پہلے تمکو دنیا سے اٹھالیں* اور یا کبھی دکھا دیں ہم تجھکو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں انکو یا تجھکو بھر لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے اور ہمارا ذمہ حساب لینا + اور اگر دکھلا دیں ہم تجھکو بعض وہ چیز جو وعدہ دیتے ہیں ہم انکو یا قبض کر لیویں تجھکو پس سوائے اسکے نہیں کہ اوپر تیرے پیغام پہنچانا ہے اور اوپر ہمارے حساب لینا اگر بنمائیم ترا بعض آنچہ وعدہ میکنیم باایشان یا قبض روح تو کنیم بہرحال جز این نیست کہ بر تو پیغام رسانیدن است و بر ما حساب اگر بنمائیم ترا بعضے از آنچہ وعدہ دادہ ایم ایشانرا یا بمیرانیم ترا پس جز این نیست کہ بر تست رسانیدن پیغام و بر ما ست حساب	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی
۱۳	قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ سورۃ النحل رکوع ۴	جن لوگوں کو دنیا میں حق بات کی سمجھ دیگئی تھی وہ بول اٹھینگے کہ آجکے دن فضیحت اور خرابی کافروں پر ہے کہ دنیا میں بھی جسوقت فرشتوں نے انکی روحیں قبض کی تھیں یہ لوگ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے+ بولینگے جنکو خبر ملی تھی بے شک رسوائی آجکے دن اور برائی منکروں پر ہے جن کی جان لیتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں + کہینگے وہ لوگ کہ دیئے گئے تھے علم تحقیق رسوائی آجکے دن اور برائی اوپر کافروں کے ہے جو قبض کرتے تھے انکو فرشتے اس حالت میں کہ ظلم کرنیوالے تھے اوپر جانوں اپنی کے گویند اہل علم ہر آئینہ رسوائی و سختی امروز بر کافران ست آنانکہ قبض ارواح ایشان میکردند فرشتگان حال آنکہ ستمگار بودند بر خویش + گویند آنانکہ دادہ شدند دانش بدرستیکہ خواری در این روز و بدی بر کافران ست آنانکہ فرا گیرند روح ایشانرا فرشتگان در حالتیکہ ستمگار اند بر ذاتہائے خود	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی

* بہرحال ہمارے احکام کا پہنچا دینا تمہارا کام ہے اور ان سے حساب لینا ہمارا

+ خدا بنا کر اپنے اوپر ستم کر رہے تھے

نمبر شمار	نام آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۱۴	كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ سورۃ النحل رکوع ۴	پرہیزگاروں کو اللہ ایساہی عوض دیتا ہے جنکی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہوتے ہیں ایساہی بدلا دیگا اللہ پرہیزگارونکو جن کی جان لیتے ہیں فرشتے اور وہ ستھرے ہیں + اسی طرح خبر دیتا ہے اللہ پرہیزگاروں کو جو لوگ قبض کرتے ہیں انکو فرشتے اُس حالت میں کہ پاکیزہ ہیں + ہمچنیں خبر میدہد خدا متقیان را آنانکہ فرشتگان قبضِ ارواحِ ایشاں میکنند حالانکہ شادمان باشند + مانند این جزا دہد متقیاں را آنانکہ بمیرانند ایشان را فرشتگان در حالتیکہ پاک باشند +	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی
۱۵	وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ سورۃ النحل رکوع ۹	اور لوگو خدا ہی نے تم کو پیدا کیا پھر وہی تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو عمر کی بدترین حالت کی طرف* اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے اور کوئی تم میں پہنچتا ہے نکمّی عمر کو کہ سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے + اور اللہ نے پیدا کیا تم کو پھر قبض کریگا تم کو اور بعض تم میں سے وہ شخص ہے کہ پھیرا جاتا ہے طرف ناکارہ عمر کے تو کہ نہ جانے پیچھے جاننے کے کچھ خدا آفریدہ شمارا باز میمیراند شمارا و از شما کسے ہست کہ عاید کردہ میشود بخوارترین عمر تا آنکہ نداند بعد دانستن چیزے را و خدا پیدا کرد شمارا پس بمیراند شمارا و شمارا کسے ست کہ باز گردانیدہ شود بسوئے خوار ترِ عمر۔ تا آنکہ نداند بعد از دانستنِ چیزے	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی
۱۶	وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ سورۃ الحج رکوع ۱	تم میں سے کوئی کوئی تو عمر طبعی سے پہلے مر جاتا ہے اور کوئی کوئی سب سے زیادہ نکمّی عمر یعنی بڑھاپے کی طرف لوٹا کر لایا جاتا ہے کہ سب کچھ جانے پیچھے + اور کوئی تم میں بُورا بھر لیا اور کوئی تم میں پھر چلایا نکمّی عمر تک تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے + اور بعض تم میں سے وہ شخص ہے کہ قبض کیا جاتا ہے اور بعض تم میں سے وہ ہے کہ پھیرا جاتا ہے طرف ناکاری عمر کے تو کہ نہ جانے پیچھے جاننے کے کچھ از شما کسے بود کہ قبضِ ارواح او کردہ آید و از شما کسے بود کہ باز گردانیدہ شود بہ بدترین عمر تا نداند چیزے را بعد از آں کہ میدانست + و از شما کسے بود کہ میرد و از شما کسے بود کہ گردانیدہ شود بسوئے فروترین زندگانی تا نداند از پسِ دانش چیزے را	مولوی نذیر احمد شاہ عبد القادر شاہ رفیع الدین شاہ ولی اللہ شیخ سعدی

* لوٹائے جاتے ہیں تاکہ بہتیرا کچھ جانا بوجھے پیچھے ایسے ننھے ہوجائیں کہ کچھ نہ جان سکیں + آخیر میں ستر ا بہترا ہوکر کچھ سمجھے بوجھے خاک نہیں

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۱۷	قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ سورۃ السجدہ رکوع ۱	اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ ملک الموت جو تم پر تعینات ہے وہی تمہاری روحوں کو قبض کرتا ہے +	مولوی نذیر احمد
		تو کہہ بھر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر تعین ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے +	شاہ عبدالقادر
		کہ قبض کریگا تم کو فرشتہ موت کا وہ جو مقرر کیا گیا ہے ساتھ تمہارے پھر طرف رب اپنے کے پھیرے جاؤ گے +	شاہ رفیع الدین
		بگو قبض روح شما میکند ملک الموت که گماشته شده است بر شما باز بسوئے پروردگار خویش گردانیده شوید +	شاہ ولی اللہ
		بگو میراند شمارا فرشتۂ مرگ آنکه برگماشته شده است بشما پس بسوئے خداوند باز گردیده شوید	شیخ سعدی
۱۸	اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى سورۃ الزمر رکوع ۵	لوگوں کے مرتے تک اللہ انکی روحوں کو اپنے پاس بلا لیتا ہے اور جو لوگ موئے نہیں انکی روحیں بھی انکے سونے وقت خدا کی طرف بلائی	مولوی نذیر احمد
		اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہے انکے مرنے کا اور جو نہیں مریں انکی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا +	شاہ عبدالقادر
		اور خدا قبض کرلیتا ہے جانوں کو نزدیک موت انکی کے اور جو نہیں موئے قبض کرلیتا ہے انکو بیچ نیند انکی کے +	شاہ رفیع الدین
		خدا تعالیٰ قبض ارواح میکند نزدیک موت آن روح که نه مرده است قبض آن میکند نزدیک خواب آن +	شاہ ولی اللہ
		خدا قبض میکند روحہارا ہنگام موت انہا و آنرا که نه مرده است در خواب او +	شیخ سعدی
۱۹	وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ سورۃ المومن رکوع ۷	اور تم میں سے کوئی کوئی ان دنوں سے پہلے بھی مرجاتا ہے اور جنکو جوانی یا بڑھاپے تک زندہ رکھا جاتا ہے کہ تم لوگ موت کے وقت مقرر تک پہنچو	مولوی نذیر احمد
		اور کوئی تم میں کہ بھر لیا پہلے اس سے اور جب تک پہنچو لکھے وعدے کو اور شاید تم بوجھو +	شاہ عبدالقادر
		اور تم میں سے وہ ہے کہ مرجاتا ہے پہلے اس سے اور تو کہ پہنچو وقت مقرر کو اور تو کہ تم عقل پکڑو +	شاہ رفیع الدین
		وبعض از شما کسے ہست که قبض روح او کرده شود پیش ازین و باقی میگزارد تا برسید بمدتے معین و تا بود که بفہمید +	شاہ ولی اللہ
		و از شما کسے باشد که میرانیده شود پیش ازین و نگاه میدارد تا برسید مدتے نام برده و باشد که شما بدانید +	شیخ سعدی

نمبرشمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۲۰	فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ سورۃ المومن رکوع ۸	تو اے پیغمبر صبر سے بیٹھے رہو بیشک خدا کا وعدہ برحق ہے تو عذاب کے جیسے جیسے وعدے ہم اُن لوگوں سے کرتے ہیں اُن میں سے کچھ تم کو دکھائیں یا اُنکے وعدوں کے واقع ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اُٹھالیں +	مولوی نذیر احمد
		تو ٹھیرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر اگر کبھی ہم دکھادیں تجھ کو کوئی وعدہ جو اُن کو دیتے ہیں یا بھر لیں تجھ کو	شاہ عبد القادر
		پس اگر دکھلاویں ہم تجھکو بعضی وہ چیز کہ وعدہ دیتے ہیں ہم اُن کو یا قبض کر لیویں تجھکو پس ہماری ہی طرف پھیرے جاوینگے +	شاہ رفیع الدین
		پس اگر بنمائیم ترا بعض آنچہ وعدہ میدہیم ایشانرا فیہا و اگر قبض روح تو کنیم پس بسوے ما بازگردانیدہ شوند کافران +	شاہ ولی اللہ
		پس اگر بنمائیم ترا برخے از آنچہ وعدہ دادیم ایشانرا یا اگر بمیرانیم ترا پس بسوئے ما بازگردیدہ خواہید شد +	شیخ سعدی
۲۱	فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ سورہ محمد رکوع ۳	پھر اُس وقت اُن کی کیسی گت بنیگی جب فرشتے اُن کی روحیں قبض کرتے اور اُن کے مونہوں پر اور اُن کے چوتڑوں پر مارتے جاتے ہونگے +	مولوی نذیر احمد
		پھر جب کیا ہوگا کہ فرشتے جان نکالیں گے اُن کی مارتے جاتے اُن کے مُنہہ پر اور پیٹھ پر +	شاہ عبد القادر
		پس کیونکر ہوگا حال اُنکا جس وقت قبض کرینگے فرشتے اُنکی جان مارتے ہونگے مُنہہ اُنکے اور پیٹھیں اُن کی +	شاہ رفیع الدین
		پس چگونہ باشد حال وقتیکہ قبض روحِ ایشاں کنند فرشتگان میزنند روہاے ایشانرا و پشت ہاے ایشانرا +	شاہ ولی اللہ
		پس چگونہ باشد حالِ ایشاں وقتیکہ قبض کنند جانِ ایشانرا در حالتیکہ میزنند گرزہا بر روہاے ایشاں و پشتہاے ایشاں +	شیخ سعدی

ان آیات مندکرہ بالا میں جو متفرق لوگوں کے باب میں ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں کل مقامات پر قبضِ روح اور موت کے معنے لئے گئے ہیں اور یہی تراجم ہیں جو آجکل مسلم و مستند ہیں اور جن کا ہندوستان میں عام رواج ہے۔ ایک ترجمہ تو مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کا ہے جو حال میں شائع ہوا ہے لیکن جہانتک دیکھا گیا ہے پبلک نے اس کو بہت پسند کیا ہے گو اُنھوں نے تقویٰ سے کام نہیں لیا اور بہت سے مقامات پر غلط معنے کئے ہیں اور بہت سے محاورات بازاری بھی داخل کر دئے ہیں اور برخلاف اعتقاد ذاتی محض علماء کے ڈر سے کمزور حاشئے لکھدیئے ہیں تاکہ فروخت بند نہ ہوجائے اس لئے ہم نے اسکو بھی درج کرلیا ہے باقی دو اُردو اور دو فارسی ترجمہ ہیں اُردو تو شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پسران شاہ ولی اللہ صاحب کے ہیں اور ایک ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے اور دوسرا الشیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا عام طور سے مشہور ہے وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ غرض یہ پانچ ترجمے ہیں جو ہندوستان میں عام طور پر مروج ہیں۔ سب میں لفظ توفی کے معنے قبض روح اور موت آیا ہے البتہ شاہ عبدالقادر صاحب نے اکثر جگہ معنے بھر لینا کے کئے ہیں جن کا مطلب قبض روح سے ہے بعض جگہ لے لینا معنے کئے گئے ہیں جس کے معنے موت ہی کے ہیں کیونکہ یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو لوگ بھی بطور تادب بولتے ہیں کہ آج فلانے کو اللہ نے لے لیا یعنی ماردیا اس محاورہ کو شاہ رفیع الدین صاحب نے زیادہ تر برتا ہے +

جب ہم آیات زیربحث یعنی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معانی پر جو ان مترجموں نے کئے ہیں غور کرتے ہیں تو پایا جاتا ہے کہ جو ترجمہ اُنھوں نے دیگر آیات کا کیا ہے جو ہم نقشہ بالا میں دکھا آئے ہیں وہی ترجمہ ان دونوں آیات کا بھی کیا ہے۔ جو مفہوم دیگر آیات کے ترجمہ سے لیا جاسکتا ہے وہی ان آیات کے ترجمہ سے لینا چاہئے۔ لہٰذا ہم ان آیات کا ترجمہ بھی انہی بزرگواران سے جدول ذیل میں پیش کرتے ہیں +

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۱	یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ	اے عیسےٰ دنیا میں تمہاری رہنے کی مدت پوری کر کے ہم اپنی طرف اٹھا لینگے	مولوی نذیر احمد
		جس وقت کہا اللہ نے اے عیسےٰ میں تجھکو بھر لونگا اور اٹھا لونگا اپنی طرف	شاہ عبدالقادر

نمبر شمار	آیت قرآن کریم	ترجمہ	نام مترجم
۱	وَرَافِعُكَ إِلَيَّ سورہ آل عمران رکوع	جسوقت کہا اللہ نے اے عیسٰی تحقیق میں لینے والا ہوں تجھکو اور اُٹھانے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف +	شاہ رفیع الدین
		انگاہ کہ گفت اے عیسٰی ہرآئینہ من گیرندۂ توام و بردارندہ توام بسوئے خود	شاہ ولی اللہ
		چوں گفت خدا کہ اے عیسٰی بدرستی من ترا گیرندۂ توام و بردارندہ ترا بسوئے من	شیخ سعدی
۲	فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ سورۃ المائدہ رکوع ۱۶	پھر جب تو نے مجھکو دنیا سے اُٹھا لیا تو تو ہی انکا نگہبان تھا	مولوی نذیر احمد
		پھر جب تو نے مجھے بھر لیا تو تو ہی خبر رکھتا اُن کی	شاہ عبدالقادر
		پس جب قبض کیا تو نے مجھکو تھا تو ہی نگہبان اوپر اُنکے	شاہ رفیع الدین
		پس وقتیکہ برگرفتی مرا تو بودی نگہبان برایشان	شاہ ولی اللہ
		پس آن ہنگام کہ مرا گرفتی بودی تو نگہبان بر ایشان	شیخ سعدی

ان آیات اور آیات ماسبق میں توفی کے معنے قبض کے بھی لئے گئے ہیں اور شاہ عبدالقادر صاحب بھی قبض ہی کے معنے لیتے ہیں کیونکہ بھر لینا اُن کے محاورہ میں قبض ہی سے مراد ہے اور اس بنا پر بعض نادان کہدیا کرتے ہیں کہ قبض سے موت کہاں ثابت ہوتی ہے کیونکہ قبض کے معنے کل کا کل قبضہ میں لے لینا ہے۔ یہ بات اُن کی سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ قبض کے معنے ہمیشہ قبضِ روح سے مراد ہوتی ہے جبکہ وہ ذوالعقول کے لئے مستعمل ہوتا ہے جسکی تصدیق احادیثِ ذیل سے ہوتی ہے +

(۱) مَا قَبَضَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيًّا اِلَّا فِى الْمَوْضِعِ الَّذِىْ يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ عَنْ اَبِىْ بَكْرٍ +

ترمذی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے وفات دی اُسکو اُسجگہ پر دی کہ جہاں وہ نبی دفن ہونا پسند کرتا تھا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ +

(۲) مَا مَاتَ نَبِيٌّ اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِىْ بَكْرٍ +

ابن ماجہ حضرت ابوبکر سے روایت کرتے ہیں کہ جو نبی مر گیا تو اُس کو اُسی جگہ دفن کیا گیا

جہاں اُس کی روح قبض ہوئی دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹+

(۳) مَا مِنْ نَبِیٍّ تَقْدِرُ اُمَّتُہٗ عَلٰی دَفْنِہٖ اِلَّا دَفَنُوْہُ فِی الْمَوْضِعِ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْہِ رَوَاہُ الرَّافِعِیُّ مِنْ طَرِیْقِ الزُّبَیْرِ بْنِ بَکَّارٍ

امام رافعی زبیر بن بکار کے طریق پر روایت کرتا ہے کہ کوئی بھی نبی نہیں جس نے اپنی امت کو اپنے دفن کے لئے اختیار دیا ہو بلکہ امت کے لوگوں نے اُسی جگہ اُس کو دفن کیا ہی جہاں اُس کی جان قبض ہوئی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰+

اِن حدیثوں سے ثابت ہے کہ قبض کے معنے بھی قبضِ روحِ تام ہے۔ پھر جن بزرگوں نے توفی کے معنے قبض کے لئے ہیں اُن سے اُن کی مُراد موت ہی تھی۔ پس کسی کو حق نہیں کہ اب اُن کے معانی کی اپنے خیال کے موافق تاویل کرے+

جب ثابت ہو گیا کہ اُنکے معنے بھی وہی ہیں جو دیگر آیات میں کئے گئے ہیں تو اب زیر بحث آیات کے معنو نکا اور مفہوم لینا اور دیگر کل آیات کا مفہوم موت یا قبضِ روح لینا دانش اور عقلمندی کے خلاف ہے کیونکہ جب قرآن شریف کا محاورہ بھی یہی ہی تو یہی حالتیں اختلاف کرنا خدا تعالیٰ کی کلام پاک کو جو سراسر حکمت اور نور سے بھرپور ہی جائے اعتراض قرار دینا ہی۔ کیونکہ وہ حکیم و خبیر خدا خوب جانتا تھا کہ لوگوں نے اس لفظ پر ٹھوکر کھائی ہے اور انہی الفاظ کو اپنی دلیل ٹھہراتا ہے تو کیونکر ایسے مشتبہ اور ذو معنے الفاظ استعمال کرنا پسند کرتا ورنہ یہی سمجھا جائیگا کہ معاذ اللہ خود اللہ تعالیٰ نے مشتبہ الفاظ استعمال کر کے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا اور ہلاکت کے گڑھے میں پھینکنا چاہا تھا سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ اُس قدوس خدا کی شان سے بالاتر ہے کہ ایسا کرے یہ سب اُن لوگوں کی غلطی ہے جو قرآن شریف کی اصطلاح کو ترک کر کے اپنے من گھڑت معنے لیتے ہیں حالانکہ عموماً دیکھتے ہیں کہ ایک لفظ کے لغت عرب میں کئی معنی ہوتے ہیں لیکن کسی خاص کتاب میں جب کسی لفظ کو بار بار لایا جاتا ہے تو وہاں یہی سمجھا جاتا ہے کہ مصنف کی اس لفظ کے لانے سے یہ منشا ہے مثلاً قانون یا طب کی کتابوں میں خاص خاص الفاظ کو اصطلاح ٹھہرالی جاتی ہے تو پھر اسی کتاب میں جب کبھی اُن علوم کی کتابوں میں وہ لفظ آئیگا اُس کے وہی معنے لئے جائینگے جو مصنف اپنی اصطلاح قرار دے چکے ہیں۔ مثلاً قانون کی کتابوں میں اٹیچمنٹ ایک انگریزی لفظ آتا ہے تو اُس کے معنے قرقی کے لئے جاتے ہیں گو لغت میں اس لفظ کے معنے محبت۔ اُلفت لگاؤ وغیرہ کے بھی

بھی ہیں ایسا ہی علم طبابت میں جب لفظ موشن آئیگا تو اُس کے معنے دست یا پاخانہ کے ہونگے لیکن جب لغت میں اس کے معنے دیکھے جائیں تو حرکت۔نقل مکان وغیرہ کے معنے بھی ہونگے۔ ایسا ہی علم منطق میں قضیہ کبریٰ وصغریٰ آتا ہے مگر یہی لفظ قضیہ علم فقہ یا قانون میں دوسرے معنے دیگا مگر منطق میں خاص معنے دیگا یہی حال تمام فنوں کا ہے۔چنانچہ ریلوے سٹیشن یا ریلوے کے محکمہ میں جب ٹکٹ کا ذکر آئیگا تو صرف اُسی ٹکٹ سے مراد ہوگی جس کے ذریعے انسان ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کرسکتا ہے درزی کی دُکان پر جب ٹکٹ کا ذکر آئیگا تو صرف اُسی ٹانکہ سے مراد ہوگی جس سے وہ کپڑے سیتا ہے۔ڈاکخانوں میں جب ٹکٹ کا ذکر ہوگا تو صرف اُسی ٹکٹ سے مراد ہے جو خطوط پر چسپاں کیجاتی ہے۔جب عدالت میں ٹکٹ کا نام آئیگا تو اُس سے مراد ہوگی جو سٹام کے کاغذ پر ہوتی ہے۔غرض ہر محکمہ کی الگ الگ اصطلاح ہوتی ہے +

لہذا ضروری طور سے ماننا پڑتا ہے کہ جب انسانوں کی اصطلاح کو اس قدر وقعت دیجاتی ہے اور اُن کی مقررہ اصطلاح کو یقیناً اُسی طرح ماننا پڑتا ہے جس کے لئے وہ لفظ وضع کیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اصطلاح کو جو قرآن شریف جیسی مقدس اور معتمد علیہ کتاب میں ہے نہ مانا جائے۔حالانکہ اس قرآن کریم میں اس قسم کے بہت سے اصطلاحی الفاظ ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ۔صوم۔زکوٰۃ وغیرہ۔کیا کسی نے یہ شبہ کیا کہ لغت میں صلوٰۃ کے معنے چوتڑ ہلانے کے ہیں اس لئے موجودہ طریق نماز کی کیا ضرورت ہے یا صوم کے معنے لُغت میں شترمرغ کی مینگنی کے ہیں تو کیا کوئی شخص یہ کہدے کہ لغت عرب میں اس کے معنے شترمرغ کی مینگنی کے ہیں ہم روزے کیوں رکھیں اور ایسا ہی زکوٰۃ کے معنے تزکیہ کے ہیں۔کوئی کہنے والا کہدے کہ میں زکوٰۃ متعارفہ کو نہیں مانتا لغت میں اس کے معنے تزکیہ نفس کے ہیں تو کیا ہم ان معانی کو تسلیم کرسکتے ہیں یہ ہم مانتے ہیں کہ آیاتِ متذکرہ بالا میں دو مقامات پر نیند کے معنے لئے گئے ہیں اور تم جانتے ہو کہ نیند کی حالت میں روح ناقص طور سے قبض کیجاتی ہے اور موت کی حالت میں قبض تام ہوتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں جسم بیکار اور معطل رہتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اَلنَّوْمُ اَخُوالْمَوْتِ یعنے نیند بھی موت کی بہن ہے شاید کسی کو یہاں پر یہ گمان ہو کہ جب توفی کا استعمال نیند کے معنوں میں آگیا تو بہرحال لفظ توفی نوم اور موت

دو لفظوں پر مشترک ہوا تو ایسی حالت میں اگر مسیح کو سویا ہوا مان لیں تو کیا حرج ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب کسی لفظ کو اُس کے حقیقی معنے سے پھیر کر مجازی کی طرف لایا جائے تو وہاں قرینہ صارفہ کا ہونا لازمی اور لابدی ہوتا ہے۔ چنانچہ هُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُم بِالَّيْلِ اور آیت اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا کا قرینہ صارفہ موجود ہے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ توفی کے اصلی اور حقیقی معنے موت کے ہی ہیں جسکی تصدیق تفسیر البحر المحیط لامام ابی حیان جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ سے ہوتی ہے چنانچہ زیر آیت وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ یوں لکھا ہے

اَلتَّوَفِّيْ عِبَارَةٌ فِي الْعُرْفِ عَنِ الْمَوْتِ وَهُنَا الْمَعْنِيُّ بِهِ النَّوْمُ عَلٰى سَبِيْلِ الْمَجَازِ لِلْعَلَاقَةِ الَّتِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَوْتِ وَهِيَ زَوَالُ اِحْسَاسِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ وَفِكْرِهٖ +

تَوَفِّيْ کے معنے عرف میں موت کے ہیں اور یہاں مجاز کے طور پر نیند کے معنے لئے گئے ہیں اُس علامت کی وجہ سے جو مابین نیند اور موت کے ہے اور وہ علامت احساس اور معرفت اور فکر کا زوال ہے + دیکھو تفسیر مذکور جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ +

(۲) تفسیر الدر اللقیط من البحر المحیط لامام تاج الدین ابی محمد احمد بن عبد القادر القیسی الحنفی النحوی بر حاشیہ بحر محیط جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ زیر آیہ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ یوں لکھا ہے +

وَالتَّوَفِّيْ عِبَارَةٌ فِي الْعُرْفِ عَنِ الْمَوْتِ وَهُنَا الْمَعْنِيُّ بِهِ النَّوْمُ عَلٰى سَبِيْلِ الْمَجَازِ لِلْعَلَاقَةِ الَّتِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَوْتِ +

توفی کے معنے عرف میں موت کے ہیں اور یہاں پر معنے نیند کے ہیں جو بسبیل مجاز لئے گئے ہیں بوجہ اُس علامت کے جو مابین نیند و موت کے ہے۔ دیکھو تفسیر مذکور جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ بر حاشیہ تفسیر بحر المحیط +

اگر نیند کے معنے بھی بالفرض مان لیں تو بھی اس میں قبض روح ہوتا ہے۔ مگر ناقص اس لئے ماننا پڑا کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کی روح قبض ہوئی تو اُسی روح کا رفع ہوا جسم کا تو کسی صورت میں رفع ثابت نہ ہوا کیونکہ نیند میں جسم بیکار رہتا ہے لہذا جو لوگ حضرت مسیح کی نیند کے قائل ہیں اُن کا ذمہ ہے کہ دکھائیں کہ حضرت مسیح کا جسم کہاں پڑا ہے اگر کسی مولوی نے اسکو کسی خاص کوٹھری یا قبر یا کسی غار میں بطور ودیعت چھپا رکھا ہے تو اول بذریعہ اشتہار شائع کر دیں تاکہ آخری زمانہ میں اُسی جگہ سے لوگ اُن کو اُٹھتے

ہوئے دیکھ لیں ورنہ بلا اطلاع اُٹھ کھڑے ہوئے تو اُن کو کوئی تسلیم نہیں کریگا اور اُن بیچاروں کو بہت مشکل کا سامنا ہو جائیگا +

لیکن کہاں مسیح اور کہاں اُس کا جسم وہ تو مر کے پاک روحوں میں جا کر مل گئے اور بہشتِ بریں کی سیر کر رہے ہیں جسکا ثبوت ہم نے آگے چل کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارواح انبیاء سے ملے تھے نہ کہ انبیا کے اُن کثیف اجسام کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ بہر حال جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع الجسد آسمان پر چلے گئے یہ اُن کے ذمہ ثبوت ہے کہ دُنیا کی کسی لغت سے دکھائیں کہ رفع کے معنے رفع الی السماء مع الجسد ہیں +

یہ بات بھی یاد رہے کہ لفظ تَوَفِّی باب تَفَعُّل میں جب آتا ہے تو سوائے موت اور قبضِ روح کے اور کسی معنیٰ پر نہیں آتا اور خاصکر جب اللہ تعالیٰ فاعل اور انسان مفعول ہو تو پھر بجز موت اور قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے جیسا کہ آگے چلکر بخوبی روشن ہو جائیگا مگر اس سے بڑھکر اور کیا بھاری ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب حضرت اقدس جناب میرزا صاحب نے اس قسم کا اشتہار دیا کہ اگر کوئی شخص لغتِ عرب میں سے بازمانہ قدیم یا حالی کے اشعار وغیرہ سے ثابت کر دے کہ فلانے مقام پر خدا تعالیٰ فاعل اور انسان مفعول ہے اور پھر معنے موت اور قبضِ روح کے سوا اور معنے پائے جاتے ہیں تو اُس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا اور علامۂ زمان حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب حال امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ کیا تھا کہ اگر کوئی ایسا ثبوت پیش کرے تو وہ بھی پانچ ہزار روپیہ مزید براں اپنی جیبِ خاص سے بطورِ انعام دینگے مگر اس کو دس سال کامل ہو گئے آجتک کسی نے بھی ثبوت نہیں دیا۔ پھر کس منہ سے کوئی اعتراض کر سکتا ہے اور یہ عاجز راقم الحروف تمام دنیا کو چیلنج دیتا ہے کہ دنیا بھر کی کتب فقہ۔ کتب احادیث۔ کتب تواریخ یا کسی اور مضمون کی کتاب میں جہاں جہاں لفظ تَوَفِّی باب تَفَعُّل میں مختلف صیغوں میں آیا ہے وہاں بجز حقیقی موت کے اور کوئی معنے ثابت کر دے تو اُسکو ایک سو روپیہ انعام دیگا +

بعض نادان قرآنِ شریف کی آیات وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ اور ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ

بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْهِمْ اور وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی اور اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ پیش کر دیا کرتے ہیں جس سے اُن کی قلتِ علم اور جہالت کا ثبوت ملتا ہے وہ بھلے مانس نہیں جانتے کہ اول الذکر تین آیات میں جو لفظ وُفِّیَتْ وَتَوَفّٰی وَوَفّٰی آئے ہیں وہ تو باب تَفْعِیْل کے ہیں اور چوتھا لفظ یَسْتَوْفُوْنَ ہے وہ باب استفعال سے ہے اول الذکر الفاظ کے معنے ہیں پورا دینا اور آخر الذکر کے معنے ہیں پورا لینا انکو باب تَفَعُّل سے کیا تعلق ہے۔ یہ مانا کہ ان سب کا ماخذ یعنے روٹ لفظ توفی یا وفات یا وفی ہے لیکن علمِ صرف کا عام قاعدہ ہے کہ سوائے چند الفاظ مثلاً نزول وغیرہ کے باقی سب الفاظ دیگر مختلف بابوں میں جاکر خاص خاص معنے دیتے ہیں چونکہ صرف کی ادنیٰ سے ادنیٰ کتابوں میں اس کا ذکر ہے اس لئے مجھے زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں جس نے دیکھنا ہو وہاں دیکھ سکتا ہے +

ہم گذشتہ بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کے دیگر مقامات پر جو الفاظ توفی کے مختلف صیغوں میں آئے ہیں اُن سے بجز موت اور قبضِ روح کے اور کوئی معنے ثابت نہیں ہوتے الفاظِ متنازعہ فیہا میں کیونکر غیر معنے لئے جا سکتے ہیں +

فصل سوم

اس بارہ میں کہ آیات زیر بحث میں لفظ توفی کے معنے موت کے ہیں اور اُن کا ثبوت احادیث سے

جب کلام الٰہی سے توفی کے معنے موت یا قبض روح ثابت ہو چکے ہیں تو عقلمندوں کے لئے تو بجز قبول کرنے کے کچھ چارہ نہیں تھا لیکن شاید کوئی یہ کہدے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے معنے شاید اور طرح کئے ہیں اس لئے ہم نہیں مانتے کیونکہ قرآن کو وہی سمجھ سکتے تھے۔ اِس لئے اپنے قیاس پر چلنا اور کچھ معنے سمجھ لینا انصاف و دانش کے خلاف ہے بنائے علیہ ضروری ہوا کہ ہم احادیثِ نبویہ پر توجہ کریں کہ آیا اُن میں کوئی معنے

الفاظ زیر بحث کے پائے جاتے ہیں کہ نہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لفظ متنازعہ فیہا کے معنے موت ثابت ہو جائیں تو پھر کسی کو کلام کرنے کی کیا گنجایش ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم کے معنے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سمجھتے تھے اُن سے بڑھکر اور کون سمجھ سکتا ہے۔ بہر حال اُن کے معنے سب پر واجب التسلیم ہیں بنابریں جب ہم حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ میں یعنی صحیح بخاری کے حصہ کتاب التفسیر میں یہ لکھا ہے وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ دیکھو بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۶ مطبوعہ مطبع احمدی۔ اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ابن عباس کا قول درج فرمایا ہے اور سند کوئی نہیں دی لیکن علامہ بدرالدین ابو محمد بن احمد عینی اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری المعروف بعینی میں زیر قول وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ یوں لکھا ہے

وَقَالَ الْكِرْمَانِيُّ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ هٰهُنَا وَإِنْ كَانَتْ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ لِمُنَاسَبَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ) وَكِلَاهُمَا مِنْ قِصَّةِ عِيْسٰى تَعْلِيْقُ ابْنِ عَباسٍ	کرمانی نے کہا ہے کہ یہ کلمہ یعنی مُتَوَفِّيْكَ سورہ آل عمران کا ہے اور یہاں صرف خدا تعالیٰ کے قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کی خاص مناسبت کی وجہ سے لایا گیا ہے کیونکہ یہ دونو آیات حضرت

عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہیں +

اس کے بعد حضرت ابن عباس کے قول کی یوں اسناد پہنچائی ہے

هٰذَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِيْهِ حَدَّثَنَا اَبُوْ صَالِحٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ	یعنی اس قول کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے اُنہوں نے اپنے باپ سے اور اُن کے باپ نے ابو صالح سے اور ابو صالح نے حضرت

معاویہ سے اُنہوں نے علی بن ابی طلحہ سے اور علی نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت سُنی تھی۔ دیکھو عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۳۹۵ +

اب جبکہ اس قول کی اسناد بھی صحیح طور سے حضرت ابن عباس تک ثابت ہو گئی تو پھر اس میں کیا شک وشبہ رہا۔ اول تو شک کی جگہ پہلے بھی نہیں ہو سکتی تھی جبکہ امام بخاری

جیسے نقادِ فنِ حدیث نے اپنی کتاب بخاری میں درج فرمایا تھا جس میں کوئی حدیث دوگانہ نماز اور دعا کے بغیر درج نہیں کی گئی مگر اب اس سے اور بھی قوت ہوگئی اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس کوئی معمولی انسان نہیں ہیں بلکہ وہ بزرگ ہیں جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینۂ مبارک سے لگا کر یہ دعا کی تھی اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْل یعنی اے اللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ اور قرآن شریف کی حقیقی تفسیر سکھلاوے جس شخص کے حق میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کریں وہ کیونکر رد ہوسکتی ہے۔ لہٰذا حضرت ابن عباس کے معنے اور تمام لوگوں سے بڑھکر قابلِ سند ہیں +

دوم ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۵ - ۶۷۳ - ۶۹۰ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی میں بہ تبدیلِ الفاظ حدیث ذیل لکھی ہے +

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ نَا سُفْیٰنُ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُحْشَرُوْنَ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلًا ثُمَّ قَرَءَ کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ فَاَوَّلُ مَنْ یُّکْسٰی اِبْرَاھِیْمُ ثُمَّ یُؤْخَذُ بِرِجَالٍ مِّنْ اَصْحَابِیْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اَصْحَابِیْ فَیُقَالُ اِنَّھُمْ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰۤی اَعْقَابِھِمْ مُنْذُ فَارَقْتَھُمْ فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ

محمد بن یوسف نے بیان کیا کہ مجھے سفیان نے مغیرۃ بن النعمان سے اُس نے سعید بن جبیر سے اور سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی کہ اُنہوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگ برہنہ بدن برہنہ پاؤں بلاختنہ اُٹھائے جائینگے اس کے بعد یہ ایت پڑھی ایسے ننگے ہونگے جیسے خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو جس طرح ابتدا میں پیدا کیا تھا ویسے ہی آخرت کو کرینگے یہ وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرینگے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سب سے پہلا شخص جس کو لباس پہنایا جائیگا وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہونگے پھر میرے صحابیوں میں سے کچھ ذات الیمین اور کچھ ذات الشمال پکڑے ہوئے لائے جائینگے۔ تو اُس وقت

شَيْءٍ شَهِيدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

میں خدا تعالیٰ کے دربار میں عرض کرونگا کہ اے اللہ یہ تو میرے اصحاب ہیں تو یہ جواب ملیگا کہ یہ لوگ تو اُس وقت سے جب سے تو اُن سے جدا ہوا مرتد ہو کر اپنی پہلی حالت پر آ گئے تھے تو میں بھی اُسی طرح کہونگا جس طرح اُس نیک مرد یعنی عیسےٰ بن مریم نے کہا تھا کہ میں جب تک اُن لوگوں میں رہا میں اُن کے حالات کو بچشم خود دیکھتا تھا اور جب تُو نے مجھے مار دیا تو پیچھے تو ہی اُن پر نگہبان تھا الی آخرہ +

غور کرنے کی بات ہے کہ یہاں اس حدیث میں جو صحیح بخاری کی حدیث ہے اور طرفہ یہ کہ حضرت ابن عباس ہی اس کے راوی ہیں اس حدیث میں لفظ تَوَفَّیْتَنِیْ آیا ہے جو قرآنِ کریم میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت تھا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کلام کو بطور نقل اپنے کلام پاک میں درج فرمایا ہے اور یہ اُس وقت کا موقع ہے جبکہ اُن سے پوچھا گیا تھا کہ تو نے اِن لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو سوا خدا کے دو اور خدا مان لینا چنانچہ قرآنِ شریف پارہ ۷ سورۃ المائدہ رکوع ۱۶ میں یہ آیت ہے +

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا بنا لو۔ تو اسپر حضرت مسیح نے اپنی بریت یوں کرلی کہ یہ جواب کہا کہ تیری ذات پاک ہے اور ہر عیب سے منزہ ہے اور مجھ سے کیونکر ہو سکتا تھا اور میں کیونکر ایسی بات کہہ سکتا تھا جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں تھا اور اگر میں نے اس کو کہا ہے تو تو اُسے جانتا ہی کیونکہ تو اُس بات کو جو میرے نفس کے اندر ہے جانتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے جی میں کیا ہے۔ تو ہی تو بڑا غیب دان ہے

امر واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے تو ان لوگوں کے آگے وہی بات بیان کی جس کے بیان کرنے کا

تو نے مجھے حکم دیا تھا اور وہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں اُن کو اس بات پر قایم دیکھتا رہا جب تک میں اُن میں رہا اور جب تو نے مجھے مُتوَفّی کر دیا پیچھے تو ہی نگہبان تھا۔ حدیث ماسبق اور قرآن کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ دونوں نبیوں کے ساتھ قریب قریب ایک ہی قسم کے واقعے پیش آئے ایک سے تو سوال ہوا اور دوسرے سے سوال نہیں ہوا مگر اُن کے سوال پر جواب ملا کہ دونو کی امت کے لوگ اُس تعلیم سے جو دونوں نے اپنے اپنے وقت میں دی تھی قائم نہیں رہے تھے اور اتنے دور جا پڑے تھے کہ جس سے خدا تعالیٰ اس قدر ناراض ہوا کہ اس بارہ میں اُن کو ملزم کرنے کے لئے نبیوں سے تفتیش فرمائی اور دونوں اُلُو العزم نبیوں نے یکساں الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی کہ ہم جب تک اُن میں تھے ہم تو اُن کو راہِ راست پر اور تیری توحید پر قایم دیکھتے رہے جب تو نے ہمیں مُتوَفّی کر دیا تو پیچھے تو اُن کے حال کا نگراں تھا ہم تو معذور ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ کو اپنی ذاتِ مبارک پر لگا کر اُس کے معنے حل کر دئے اب جو معنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہو سکتے ہیں وہی حضرت مسیح کیلئے ہونے چاہییں کیونکہ اگر یہ آیت ذو معنے ہوتی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کو جوامع الکلم دیئے گئے تھے جس کی تصدیق حدیث سے ہوتی ہے۔ ایسے الفاظ نہ بولتے۔

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ۔

نسائی اور مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیا پر چھ باتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں دوسری بات یہ کہ رعب دیا گیا ہے تیسری بات یہ کہ میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور زمین میرے لئے پاک اور سجدہ گاہ بنائی گئی اور تمام مخلوقات کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور تمام نبیوں کا خاتمہ میرے پر ہی ہوا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۳

پس آنحضرت ایسا لفظ نہ بولتے کیونکہ ان کو قیامت تک اپنی امت کے حالات سے اطلاع دی گئی

تھی اور جانتے تھے بلکہ قسمیں کھا کھا کر فرما گئے کہ مسیح تم ہی میں سے آئیگا۔ جب اُن کو یہ علم بخوبی تھا تو کیونکر اس لفظ کو اگر اُس کے معنے کچھ اور بھی تھے اپنی ذات کی نسبت استعمال کرتے ورنہ اس سے یہ ماننا پڑیگا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس امت میں فساد ڈالنا چاہا ہے مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ آن ذاتِ بابرکات ایسے اتہام سے پاک ہے۔ پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑا کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو کر زیرِ زمین مدفون ہیں ایسا ہی حضرت عیسیٰ بھی زیرِ زمین مدفون ہیں۔ رہی یہ بات کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو مزارِ شریف مدینہ منورہ میں موجود ہے تو فطرۃً یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ کی قبر کہاں ہے سو اس کا ذکر دوسرے موقع پر آئیگا اور ہم بتا دینگے کہ اُن کی قبر بھی صفحۂ دنیا پر موجود ہے اور لوگ اُس کی زیارت کے لئے جاتے اور دعائیں مانگتے ہیں راقم آثم بھی زیارت سے مشرف ہوا ہے نہ صرف انکی قبر سے بلکہ خود مسیح علیہ السلام سے بھی بہ دیگر انبیا علیہم السلام

کیا یہ صحیح ہے کہ مسیح بعد نزول از آسمان مرینگے؟

یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ اکثر مولوی یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ واقعہ تو قیامت کے روز ہوگا جب مسیح دوبارہ آسمان سے اُتر کر زمین پر آئینگے اور اپنی تبلیغ کے سرانجام دینے کے بعد مر جائینگے تو پھر جب لوگ بگڑ جائینگے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یہ سوال کریگا۔ سو اُس کا جواب یہ ہے کہ یہ اُن لوگوں کی سراسر حماقت ہے کیونکہ جیسا حدیث بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ فرمایا ہے یعنی اپنی نسبت صیغہ مضارع کا جسکے معنے آئندہ کے ہیں استعمال فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ کی نسبت ماضی کا تو اس کا مطلب سوائے ان دو صورتوں کے حل نہیں ہو سکتا یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسےٰ سے جواب طلب ہوگا اور جب وہ کہہ چکینگے تو بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہونگے تب وہی لفظ استعمال کرینگے لیکن یہ بات بالبداہت غلط ہے کیونکہ نہ تو قرآن شریف کی کسی آیت سے اور نہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قیامت کے روز اللہ کے حضور میں وہ کلام کرینگے۔ پس یہ بات تو قائم نہیں رہتی دوسری صورت یہ ہے کہ اس قیامت

سے پہلے بھی سوال ہوا ہو سو یہ بات قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ عالم برزخ میں ثابت ہوتا ہے
کہ سوالات ہوتے ہیں اور تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے یہ سوال کیا ہو کیونکہ
اللہ تعالیٰ کو اس بات سے بڑا رنج اور غصہ ہوتا ہے کہ کوئی کہے کہ اللہ کا بیٹا ہے چنانچہ قرآن
شریف میں سورۃ مریم کے اخیر رکوع میں یہ آیت تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ
تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ط دیکھو سورہ مریم رکوع ۶ نزدیک ہے کہ اس بات
کے کہنے سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں
کہ رحمٰن کا بھی کوئی بیٹا ہے لہذا یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برزخ میں یہ سوال کیا
تھا اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیں کہ قیامت کے ہی روز یہ سوال ہوگا تب بھی کچھ ہرج نہیں
آیت مذکورہ سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ قوم اُن کی وفات کے بعد بگڑی اور ہم پیچھے حدیث
سے ثابت کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو اپنی ذات پر چسپاں
کر کے مسیح کی وفات پر مہر کر دی ہے اور جیسے اپنی اُمت کا بگڑنا اپنی وفات کے بعد ظاہر
کیا ہے ایسا ہی مسیح علیہ السلام نے بھی وفات کے بعد اپنی قوم کے بگڑنے کا اظہار کیا ہے
سوال اب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جو ابتک زندگی کے قائل ہیں اُن کو اس امر کا ثبوت
دینا چاہیئے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی اُمت نہیں بگڑی اور ابتک توحید پر قائم ہے
لیکن وہ کیا ثبوت دے سکتے ہیں کیونکہ بچہ بچہ اس بات سے واقف ہے کہ نصاریٰ نے
تین خدا تسلیم کر لئے ہیں اور وہ اُسی کی ترویج کرتے پھرتے ہیں +

رومن کیتھلک کے گرجوں میں جا کر دیکھیئے کہ علاوہ اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ اور مریم
کو بھی اُنہوں نے خدا مان رکھا ہے جب مشاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مسیح کی قوم بگڑ گئی،
اور اُنہوں نے تین خدا مان لئے تو ساتھ ہی لازمی اور لابدی طور سے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت
عیسےٰ علیہ السلام بھی دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور زیرِ زمین جا کر بسیرا کر چکے کیونکہ قوم کا بگڑنا
حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کا لازمہ ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی وفات
کے بعد بگڑنا تسلیم کر چکے ہیں تو کون ہے کہ برخلاف اُن کے سچے اظہار کے کوئی اور بات
بیان کرے اور دور از قیاس تاویل گھڑے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی
صداقت اور پھر قرآن شریف کی صداقت میں حرف آتا ہے معاذ اللہ من ذلک +

فصل چہارم

اِس بارہ میں کہ مسیح کی موجودہ زندگی ماننا قیامت میں مسیح کی غلط بیانی کا باعث ہے

اگر اس طرح جیسے ہمنے اوپر بیان کیا ہو نہ مانا جائے بلکہ یہ مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ آکر فوت ہو جائینگے اور پھر جی اُٹھنے کے بعد قیامت کے روز یہ عذر کرینگے۔ اچھا اگر اسکو تسلیم ہی کر لیا جائے تو بھی ان لوگوں کے لئے کوئی مفید اور کارآمد نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یوں ہی ہوگا جیسا کہ آجکل کے کمبخت اور بدنصیب ملا کہتے ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر معاذ اللہ دروغ بیانی کا الزام عاید ہوتا ہے کیونکہ وہ بجواب سوال رب العرش فرماتے ہیں وَكُنتُ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ یعنی جب تک میں اُن میں رہا تو میں اُن کے حال کا نگراں تھا۔ اب اگر یہ قبول کر لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ جب دوبارہ آئینگے تو پھر فوت ہو کر قیامت کے روز زندہ ہو کر خدا کے حضور میں حاضر ہونگے اور پھر عذر کرینگے تو پھر بڑی مشکل پڑتی ہے کیونکہ اب ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر تثلیث کا زور ہے اور ساری دنیا پر اسی تثلیث کا اثر ہو رہا ہے اور اُن کا آنا بھی غالباً صلیب کے زور کے وقت مقدر ہے کیونکہ یکسر الصلیب کے رو سے صلیب کا توڑنا اُنکا بڑا فرض مقرر کیا گیا ہے تو جب وہ آجائینگے تو آتے ہی کیا مشاہدہ کرینگے۔ یہی جو ہم کر رہے ہیں یعنی یہ کہ تین خدا پوجے جا رہے ہیں اور یہ تو کسی مسلمان کا اعتقاد نہیں اور نہ یہ قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے زمین تک پہنچنے سے پہلے یہ لوگ توحید کے قائل ہو جائینگے بلکہ یہی ہوگا کہ کچھ مدت تک زمین پر رہکر حضرت مسیح تبلیغ میں کوشش کرینگے اور ایک مدت کی جانفشانی اور عرقریزی کے بعد صلیب کے توڑنے پر کامیاب ہونگے تو اب اُس زمانہ کا جو نزول الی الارض اور کسر صلیب کے مابین اُس کو بسر کرنا پڑیگا علم تو اُن کو ضروری ہوگا اور اُنہوں نے اُن میں رہکر خوب دیکھ بھی لیا ہوگا کہ نصاریٰ لوگ تثلیث پرست تھے تو اب بعد فوت ہو جانے کے اللہ تعالیٰ

کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ وہ توحید پر قائم تھے کیونکہ انکا بیان ہے۔ کہ میں جب تک
اُن میں رہا میں نے اُن کو اسی توحید پر ہی پایا کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان جھوٹا نہیں
ہوگا تو کیا ہوگا کیونکہ وہ دوبارہ آکر بچشم خود دیکھ چکے تھے کہ عیسائی تین خداؤں کے پجاری
ہیں اور مخلوقات خدا کو تین خداؤں کی پرستش کی ترغیب دیتے تھے اور خود اُن میں رہکر خوب
مشاہدہ بھی کر چکے تھے تو کیا وہ وقت جو نزول سے لیکر تین خداؤں کے پجاریوں کے تائب اور
درست ہونے تک ہے مَا دُمْتُ فِيهِمْ میں داخل نہیں ہے ضرور داخل ہے کون
انکار کر سکتا ہے جب اس زمانہ میں تین خدا کے پوجنے والوں کو مسیح نے بچشم خود مشاہدہ
کر لیا تو پھر اُن کا خداتعالیٰ کے حضور اس طرح لاعلمی ظاہر کرنا اور غلط بیان دیکر کہنا فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ جب تو نے مجھے مار دیا پیچھے تو نگہبان تھا۔ کیا
دروغگوئی میں داخل نہیں لیکن نبی تو دروغگوئی سے پاک ہوتے ہیں لہذا یہی ماننا
پڑیگا کہ پہلے ہی فوت ہو چکے ہیں: دوبارہ آنے کی بات غلط ہے۔ ورنہ ایک سخت فتور برپا
ہوگا اور کسی نبی پر اعتماد نہیں رہیگا۔ معاذ اللہ من ذلک +

فصل پنجم

اس بارہ میں کہ توفی کے معنے موتِ حقیقی کے ہیں

اب ہم چند ایک مثالیں لفظ تَوَفِّی کی پیش کرتے ہیں جو یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا یا صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر بزرگانِ دین
کی زبان سے نکلا اور یہ بھی دکھانا چاہتے ہیں کہ عام بول چال میں اس کا کیونکر استعمال ہے +

اوّل لفظ توفی کا استعمال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

واضح ہو کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے لفظ توفی نکلا ہے
تو وہاں پر بجز موت کے اور کسی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ دیکھو حدیثِ ذیل:۔

(۱) مَا تَوَفَّى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا	ابن سعد ابو ملیکہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ رُوْحُهٗ رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْ مُلَيْكَةَ +

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کسی نبی کو وفات دی ہے تو اُس کو بجز اُسی جگہ کے جہاں اُس کی روح قبض ہوئی کسی اور جگہ دفن نہیں کیا گیا کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ +

(۲) وَقَالَ مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْنٍ زَيْدُ بْنُ يَزِيْدَ الرَّقَاشِیُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی تُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ حِيْنَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ الْاٰيَةَ اِنَّ ذٰلِكَ تَامٌّ قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً فَيَتَوَفّٰی كُلَّ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰی مَنْ لَا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰی دِيْنِ اٰبَائِهِمْ +

تفسیر ابن کثیر میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے۔ کہ رات اور دن معدوم نہیں ہونگے تاوقتیکہ لات وعزی کی پرستش نہ ہو میں نے کہا کہ یا رسولُ اللہ البتہ میں بھی ایسا گمان کرتی تھی۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کیساتھ بھیجا ہے۔ الی اخرہ۔ تو وہ گمان جاتا رہا۔ کیا وہ پورا ہو گیا۔ اُنہوں نے فرمایا۔ کہ انشاء اللہ ضرور دین غالب ہوگا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک پاک ہوا بھیجیگا تو جس مومن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا مر جائیگا اور پھر ایسی بات نہیں رہیگی کہ جس میں خیر و برکت ہو لوگ اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کر جائیں گے۔

دیکھو تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۶ +

(۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا يَحْيٰی بْنُ بُكَيْرٍ ثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ بُدَيْلٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی

عبد اللہ نے ہمارے پاس حدیث بیان کی اور اُن کے پاس اُنکے باپ نے اور اُنہوں نے یحیی بن بکیر سے اُنہوں نے ابراہیم بن طہمان سے اُنہوں نے بدیل سے اُنہوں نے حسن بن مسلم سے اُنہوں نے صفیہ بنت شیبہ سے اُنہوں نے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰی عَنْہَا زَوْجُہَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَۃَ مِنَ الثِّیَابِ وَلَا الْمُشَقَّقَۃَ وَلَا الْحُلِیَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَکْتَحِلُ

ام سلمہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا کہ جس عورت کا خاوند مرجاوے وہ نہ رنگین کپڑے پہنے نہ زیبائش کرے نہ خضاب لگاوے اور نہ سُرمہ آنکھوں میں لگاوے ۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ +

دوم لفظ توفی کا استعمال ازواج مطہرات سے

ایسا ہی ازواج مطہرات میں بھی لفظ توفی موت کے لیے استعمال ہوتا تھا دیکھو احادیث ذیل

(الف) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

(۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ دَاؤدَ قَالَ اَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ ہِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَۃُ تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنَۃُ سِتِّ سِنِیْنَ بِمَکَّۃَ مُتَوَفّٰی خَدِیْجَۃُ وَدَخَلَ بِیْ وَاَنَا ابْنَۃُ تِسْعِ سِنِیْنَ بِالْمَدِیْنَۃِ +

ہمارے پاس عبد اللہ نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس سلیمان بن داؤد نے اور اُنکے پاس عبد الرحمن نے اُنکے پاس ہشام بن عروہ نے اُنہوں نے اپنے باپ سے سُنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرا نکاح حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس وقت مکہ میں ہوا جب میں ۶ سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تھا اور جب میں ۹ سال کی ہوئی تو مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ہم صحبت ہوئے دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ +

(۲) ایسا ہی حضرت عائشہ صدیقہ سے اور روایت ہے

عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَکٰی وَبَکٰی اَصْحَابُہٗ حِیْنَ تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ اِلٰی اٰخِرِہٖ رَوَاہُ ابْنُ جَرِیْرٍ +

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب معاذ بن جبل کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنکے اصحاب روئے ۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۲ +

(۳) حَدَّثَنِیْ حَبَّانُ قَالَ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ عَنِ

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

بْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِی عُرْوَۃُ اَنَّ عَائِشَۃَ اَخْبَرَتْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اشْتَکٰی نَفَثَ عَلٰی نَفْسِہٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْہُ بِیَدِہٖ فَلَمَّا اشْتَکٰی وَجَعَہُ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ طَفِقْتُ اَنْفُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِیْ کَانَ یَنْفُثُ وَمَسَحَ بِیَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْہُ

روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی شکایت ہوتی تو معوذات کو پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک کر بدن پر مسح کرتے تھے۔ جب اُس درد کی شکایت ہوئی جس سے اُن کا انتقال ہوا تو میں نے معوذات کو پڑھ کر اُسی طرح دم کیا جیسے آنحضرت کیا کرتے تھے اور ہاتھوں پر پھونک کر اُن ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیرا۔ دیکھو بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹

(ب) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ ثَنَا سُفْیَانُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ وَالَّذِیْ تَوَفّٰی نَفْسَہٗ یَعْنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تُوُفِّیَ حَتّٰی کَانَتْ اَکْثَرُ صَلٰوتِہٖ قَاعِدًا اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ وَکَانَ اَعْجَبُ الْعَمَلِ اِلَیْہِ الَّذِیْ یَدُوْمُ عَلَیْہِ الْعَبْدُ وَاِنْ کَانَ یَسِیْرًا +

ہمارے پاس حدیث عبد اللہ نے بیان کی اُن کے پاس اُنکے باپ نے اُن کے پاس عبد الرزاق نے اُن کے پاس سفیان نے ابی اسحٰق سے اُن کے پاس ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن نے اُن کے پاس ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کی اور فرمایا کہ اُس ذات کی قسم ہے جسنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کو وفات دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں فوت ہوئے جب تک اُنکی نماز اکثر بیٹھکر نہ ہونے لگی۔ بجز نماز فرض کے اور نہایت ہی پسندیدہ عمل اُن کے نزدیک وہ تھا جس پر بندہ مداومت کرے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۱۴

سوم لفظ توفی کا استعمال خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

اب ہم یہاں پر یہ بھی دکھاتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ بھی لفظ توفی موت ہی کے معنوں میں استعمال کرتے تھے اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ دنیا بھر کی کتبِ حدیث کے اوراق پلٹ ڈالو اور جہاں کہیں لفظ توفی کسی صیغے میں آیا ہو تو وہاں سوائے موت کے اور کوئی

معنے ثابت نہیں ہونگے خواہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی یا صحابیہ کے منہہ سے ہی کیوں نہ نکلا ہو +

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ۔ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاؤُدَ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ قَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ اَيَّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ قَالَ فِيْ كَمْ كَفَّنْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا اَبَتِ كَفَّنَّاهُ فِيْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ جُدُدٍ يَمَانِيَّةٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ اُدْرِجَ فِيْهَا اِدْرَاجًا رَوَاهُ اَحْمَدُ

ہمارے پاس عبداللہ نے حدیث بیان کی اُنہوں نے اپنے باپ سے اُنہوں نے سلیمان بن داؤد سے اُنہوں نے عبدالرحمن سے اُنہوں نے ہشام بن عروہ سے اُنہوں نے اپنے باپ سے اُنہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہتے سُنا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے پوچھا کہ اے بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس روز ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ پیر کے روز۔ پھر پوچھا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا تھا میں نے کہا ابا جان تین سفید کپڑوں میں ہمنے اُن کو کفنا دیا تھا جو نئے اور یمن کے تھے اور اُن میں نہ تو کوئی قمیص تھا اور نہ عمامہ تھا۔ بغیر سلائی کے لپیٹ دئے گئے تھے +

دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ +

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ لِطَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ مَا لِيْ اَرَاكَ قَدْ شَعِثْتَ وَاغْبَرَرْتَ مُنْذُ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّكَ سَاءَكَ يَا طَلْحَةُ اِمَارَةُ ابْنِ عَمِّكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَجْدَرُكُمْ

احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس عبداللہ نے اُس کے پاس اُس کے باپ نے اُس کے پاس عبداللہ بن نمیر نے اُس کے پاس مجاہد نے اُس کے پاس عامر نے اُس کے پاس جابر نے عبداللہ سے بیان کیا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو طلحہ بن عبید اللہ سے کہتے ہوئے سُنا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے

أَنْ لَا أَفْعَلُ ذٰلِكَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا أَحَدٌ عِنْدَ حَضْرَةِ الْمَوْتِ إِلَّا وَجَدَ رُوْحُهُ لَهَا رَوْحًا حِيْنَ تَخْرُجُ مِنْ جَسَدِهٖ وَكَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَمْ أَسْأَلْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا لَمْ يُخْبِرْنِي بِهَا فَذٰلِكَ الَّذِي دَخَلَنِي قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَأَنَا أَعْلَمُهَا قَالَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ مَا هِيَ قَالَ هِيَ الْكَلِمَةُ الَّتِي قَالَ لَهَا لِعَمِّهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَالَ طَلْحَةُ صَدَقْتَ رَوَاهُ أَحْمَدُ ٭

تم رنجیدہ خاطر اور ملول رہتے ہو شاید اے طلحہ تمہیں اپنے چچازاد بھائی کی امارت بری لگتی ہے۔ اس نے کہا معاذ اللہ۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا میں تمہارے ڈر سے ایسا نہیں کرتا بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں کہ جو شخص موت کے وقت اسکو پڑھے تو اسکی روح کو راحت حاصل ہوتی ہے جب وہ بدن سے نکل رہی ہو اور قیامت کے دن اس کو ایک نور ملتا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کلمہ نہ پوچھ سکا۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کو مجھے بتلایا۔ یہی بات ہے جو دل میں ہر وقت کھٹکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ کلمہ میں جانتا ہوں اس نے یہ سنکر خدا کا شکر کیا اور کہا بتائے کہ وہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ وہی کلمہ ہے جو اپنے چچا کو فرمایا تھا یعنے لا الٰہ الا اللہ طلحہ نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۰

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن سعد نے مصنف ابن ابی شیبہ میں امام احمد بن حنبل نے مسند احمد میں اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں عقیل نے ضعفا میں اور حسین بن حسن الحلیمی نے شعب الایمان اور سعید بن منصور نے سنن میں ٭

عَنْ عُثْمَانَ أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ أَسْأَلَهٗ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْأَمْرِ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ

حضرت عثمان سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ کا انتقال ہوا تو بڑے بڑے صحابہ کو ملال و ہنگیر ہوا یہاں تک کہ بعض کو وسوسہ بھی پیدا ہونے لگا اور میں بھی ان میں سے ایک تھا میں نے ابو بکرؓ کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو وفات دیدی ہے اور مجھے ایک بات فلاں امر کے متعلق پوچھنی باقی تھی تو ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ میں وہ بات تو پوچھ لی تھی

قَدْ سَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِي عَرَضْتُهَا عَلٰى عَمِّي فَرَدَّهَا عَلَيَّ فَهِيَ لَهُ نَجَاتُهُ +

اور فرمایا تھا کہ جس شخص نے میری اُس بات کو قبول کر لیا جو مینے اپنے چچا کے آگے پیش کی تھی اور اُس نے مجھ پر ہی رد کر دی تھی پس وہ بات اُس کے لیئے وسیلۂ نجات ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ، صفحہ ۳۰ + اس حدیث میں دو دفعہ لفظ توفی آیا ہے اور دونو دفعہ حضرت عثمان کے منہہ سے نکلا ہے اور سوائے فوت کے اور کوئی معنے ثابت نہیں

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

(۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْعَبَّاسِ ثَنَا الْحَسَنُ ابْنُ يَزِيدَ الْأَصَمِّ قَالَ سَمِعْتُ السُّدِّيَّ إِسْمٰعِيلَ يَذْكُرُهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ أَبُو طَالِبٍ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ قَدْ مَاتَ قَالَ اذْهَبْ فَوَارِهِ ثُمَّ لَا تُحْدِثْ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنِي قَالَ فَوَارَيْتُهُ ثُمَّ أَتَيْتُ قَالَ اذْهَبْ فَاغْتَسِلْ ثُمَّ لَا تُحْدِثْ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنِي قَالَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ قَالَ فَدَعَا لِي بِدَعَوَاتٍ مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي بِهَا حُمْرَ النَّعَمِ وَسُودَهَا وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا غَسَّلَ الْمَيِّتَ اغْتَسَلَ رَوَاهُ أَحْمَدُ +

امام احمد بن حنبل عبد اللہ سے وہ اپنے باپ سے وہ ابراہیم بن ابی العباس سے وہ حسن بن یزید اصم سے روایت کرتے ہیں کہ مینے اسمٰعیل سدی کو عبد الرحمٰن سلمی سے اور اُس نے علی رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا اور فرمایا کہ جب ابو طالب فوت ہو گیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور مینے کہا کہ آپ کا چچا شیخ فوت ہو گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور اسکو دفن کرو پھر کوئی بات نہ کرو جب تک میرے پاس نہ آؤ۔ علی نے فرمایا کہ میں چلا گیا اور اُس کو دفن کر آیا تو پھر کہا کہ جاؤ اور غسل کرو اور کوئی بات نہ کرو جب تک واپس میرے پاس نہ آؤ کہا پھر مینے غسل کیا اور آپ کے حضور حاضر ہوا تو مجھے ایک مختصر سی دعوت دی الخ دیکھو مسند احمد جلد اول صفحہ ۱۰۳ +

(۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا أَبُو سَعِيدٍ ثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام احمد نے عبد اللہ سے اُس نے اپنے باپ سے اُس نے ابو سعید سے اُس نے اسرائیل سے اُس نے ابی اسحٰق سے اُس نے حرث سے اُس نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ

لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ مِنَ الْمَعْرُوفِ سِتٌّ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَا وَيَشْهَدُهُ إِذَا تُوُفِّيَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ وَيَنْصَحُ لَهُ بِالْغَيْبِ رَوَاهُ أَحْمَدُ +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کیساتھ چھ باتیں کرنا ضروری ہیں جب وہ اُس سے ملے اُس کو سلام کہے۔ اور جب وہ چھینکے تو چھینک کا جواب دے اور جب وہ بیمار ہو تو اُس کی عیادت کرے اور جب دعوت دے تو وہ قبول کرے اور جب وہ مرجائے تو جنازہ پر حاضر ہو اور اُس کے لئے وہی بات پسند کرے جو وہ اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے اور غیب میں اُس کی بھلائی کرے۔ دیکھو مسند احمد جلد اول صفحہ ۸۹ +

چہارم لفظ توفی کا استعمال دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے

۱۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ ثَنَا يُونُسُ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَتُوُفِّيَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَتُوُفِّيَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ رَوَاهُ أَحْمَدُ +

حضرت احمد بن حنبل نے روایت بیان کی کہ ہمارے پاس عبداللہ نے بیان کیا اُنہوں نے اپنے باپ سے اُنہوں نے ابونعیم سے اُنہوں نے یونس سے اُنہوں نے ابی النضر سے اُنہوں نے عامر سے اُنہوں نے جریر سے سُنا کہ فرمایا کہ میں حضرت معاویہ کے پاس تھا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو اُنکی عمر ۶۳ برس کی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو اُنکی عمر بھی ۶۳ برس کی تھی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو اُن کی عمر بھی ۶۳ برس کی تھی۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۹۷ +

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ

حضرت امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس عبداللہ نے بیان کیا اُن کے پاس

أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ تَابَعَ الْوَحْيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تُوُفِّيَ أَكْثَرُ مَا كَانَ الْوَحْيُ يَوْمَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ أَحْمَدُ

اُن کے باپ نے اُن کے پاس یعقوب نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس صالح نے اُن کے پاس ابن شہاب نے اُن کے پاس انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُن کی وفات سے پہلے تک وحی برابر نازل ہوتی رہی حتیٰ کہ آپ کا انتقال ہو گیا اور اکثر وحی اُس روز ہوئی جس روز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۳۶

۳۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ نَا بِشْرُ ابْنُ مُفَضَّلٍ ثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ ثَنَا عَمَّارٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ ثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

میرے پاس نصر بن علی نے اُن کے پاس بشر ابن مفضل نے اُن کے پاس خالد الحذاء نے اُن کے پاس عمار بنی ہاشم کے غلام نے اُنہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی۔ دیکھو اکمال اکمال المعلم جلد ۶ صفحہ ۱۴۲۔

۴۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے

حَدَّثَنِي إِسْحٰقُ قَالَ أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ أَحَدَ الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ تِيبَ عَلَيْهِمْ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللهِ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا أَبَا حَسَنٍ كَيْفَ

اسحٰق نے میرے پاس حدیث بیان کی اور کہا بشر بن شعیب بن ابو حمزہ نے خبر دی کہ میرے باپ نے زہری سے روایت کی کہ اُسکو عبداللہ بن کعب بن مالک انصاری نے خبر دی اور کعب بن مالک اُن تین میں سے تھا جن کی توبہ قبول ہوئی تھی اُس نے کہا کہ عبداللہ بن عباس نے اُسے خبر دی تھی کہ علی بن طالب رسول اللہ کے پاس آئے تھے جبکہ وہ اُس درد میں مبتلا تھے جس سے اُن کی وفات ہوئی اور لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ اے

اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰہِ بَارِیًا فَاَخَذَہٗ بِیَدِہٖ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَہٗ اَنْتَ وَاللّٰہِ بَعْدَ ثَلٰثٍ عَبْدُ الْعَصَا وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَرٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ سَوْفَ یُتَوَفّٰی مِنْ وَجْعِہٖ ھٰذَا اِنِّیْ لَاَعْرِفُ وُجُوْہَ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عِنْدَ الْمَوْتِ اِذْھَبْ بِنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلْنَسْئَلْہُ فِیْمَنْ ھٰذَا الْاَمْرُ اِنْ کَانَ فِیْنَا عَلِمْنَا ذٰلِکَ وَاِنْ کَانَ فِیْ غَیْرِنَا عَلِمْنَاہُ فَاَوْصٰی بِنَا فَقَالَ اِنَّا وَاللّٰہِ لَئِنْ سَاَلْنَاھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنَعَنَاھَا لَا یُعْطِیْنَاھَا النَّاسُ بَعْدَہٗ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَا اَسْئَلُھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

حسن کے باپ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی رات کیسے بسر کی اُنہوں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ رات کو اُنہیں افاقہ رہا پھر عباس پسر عبد المطلب نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تم تو نہیں جانتے اور اللہ کی قسم میں تو گمان کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس درد سے فوت ہو جائینگے کیونکہ میں بنی عبد المطلب کے چہروں سے موت کا وقت پہچان لیتا ہوں الی آخرہ

پنجم۔ لفظ توفی کا استعمال آئمہ مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اول امام ابوحنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے

(۱) رَوٰی اَبُوْ حَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْمَرِیْضِ طَلَّقَ اِمْرَءَتَہٗ ثَلَاثًا فِیْ مَرَضِ مَوْتِہٖ فَاِنْ مَاتَ فِیْ مَرَضِہٖ ذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ تَنْقَضِیَ عِدَّتُھَا وَرِثَتْ وَاعْتَدَّتْ عِدَّۃَ الْمُتَوَفّٰی عَنْھَا زَوْجُھَا فَاِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُھَا قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ لَمْ تَرِثْہُ وَلَمْ تَکُنْ

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے اُس نے ابراہیم سے ایک مریض کے متعلق روایت کی جس نے مرض موت میں اپنی عورت کو تین طلاق دیئے تھے۔ پس اگر وہ اپنی اُس بیماری میں اُس عورت کی عدت گذرنے سے پہلے مرجاتا تو وہ اُس کی جائداد کی وارث ہتی اور اپنے خاوند متوفی کی

عَلَيْهَا عِدَّةٌ	موت سے عدت پوری کرنا اُس پر لازم ہوجاتی

اور اگر اُس کی عدت اُس کی موت سے پہلے پوری ہوجاتی تو وہ عورت اُس کے مال کی وارث نہیں ہوسکتی تھی اور نہ اُس پر عدت لازمی تھی۔ دیکھو مسند امام اعظم صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مطبع محمدی دہلی +

(۲) قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَجُلٌ تُوُفِّيَ عَنْ اِمْرَأَتِهٖ وَهِيَ مَمْلُوْكَةٌ فَاَقَرَّتْ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بَعْدَ شَهْرَيْنِ وَخَمْسَةِ اَيَّامٍ +	ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی عورت کا خاوند مرگیا جو مملوکہ تھی وہ دو مہینے ۵ دن کی عدت گذرنے کے بعد ٹھہری رہی۔ دیکھو کتاب مبسوط شمس الدین سرخسی جلد ۶ صفحہ ۵۵ +
(۳) قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا اَصْلَ اَنَّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا يَلْزَمُهَا الْحِدَادُ فِيْ عِدَّتِهَا +	ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے اصل بات یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند مرجائے تو اُس کو عدت میں سوگ کرنا چاہئے دیکھو کتاب مبسوط صفحہ ۵۸ جلد ۶

(دوم) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے

(۱) وَذَكَرَ ابْنُ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اَنْ تَبِيْتَ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ وَهٰذَا صَحِيْحٌ +	اور ابن سماعت نے محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ اُس عورت کے لئے کہ جسکا خاوند مرگیا ہو کہ وہ نصف رات سے کم رات غیر مقام پر بسر کرے اور یہ صحیح ہے۔ دیکھو مبسوط امام سرخسی جلد ۶ صفحہ ۳۴ +
۲- وَاِذَا انْهَدَمَ مَنْزِلُ الْمُطَلَّقَةِ اَوِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَهِيَ فِيْ سَعَةٍ مِنَ التَّحَوُّلِ اِلٰى اَيِّ مَوْضِعٍ شَاءَتْ +	اور جب مطلقہ عورت یا اُس عورت کا جسکا خاوند مرگیا ہو مکان گرجائے تو وہ نقل مکان کرسکتی ہے جہاں وہ چاہے۔ دیکھو مبسوط جلد ۶ صفحہ ۳۶
۳- وَفِي الْكِتَابِ قَالَ بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ رَدَّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ	اور کتاب میں لکھا ہے کہ امام محمد نے فرمایا ہمیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو

جسکا خاوند مرگیا تھا ذی الحلیفہ سے واپس کردیا تھا۔ دیکھو مبسوط امام شمس الدین سرخسی جلد ۶ صفحہ ۳۶

سوم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے۔

۱- وَفِی النَّوَادِرِ اَبِی یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا بَأْسَ بِاَنْ تَلْبِسَ الْعُصَبَ وَالْخَزَّ الْاَحْمَرَ اِلٰی اَنْ قَالَ لِمَا رُوِیَ اَنَّ الْمُتَوَفّٰی عَنْھَا زَوْجُھَا اِسْتَاذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْاِکْتِحَالِ فِی الْاِبْتِدَاءِ فَاَذِنَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	اور کتاب نوادر میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر خاوند مری ہوئی عورت رنگین یا ریشم کا کپڑا پہن لے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ روایت ہے کہ جب ایک عورت نے جس کا خاوند فوت ہوگیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتدا میں آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی تھی۔ دیکھو کتاب مبسوط جلد ۶ صفحہ ۵۹
۲- فَاَمَّا الْکِتَابِیَّۃُ تَحْتَ مُسْلِمٍ اِذَا فَارَقَھَا اَوْ تُوُفِّیَ عَنْھَا زَوْجُھَا فَلَیْسَ عَلَیْھَا اَنْ تَتَّقِیَ فِیْ عِدَّتِھَا شَیْئًا مِنَ الْمُطَیِّبِ وَالزِّیْنَۃِ +	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن ایک کتابیہ جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہے جب اپنے خاوند سے طلاق پائی ہو یا اُسکا خاوند مرجائے تو اُس کے لئے لازم نہیں کہ وہ اپنی

عدت میں کسی قسم کی خوشبو لگانے یا زینت کرنے سے بچے مبسوط جلد ۶ صفحہ ۵۹ +

چہارم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے۔

۱- مَقَامُ الْمُتَوَفّٰی عَنْھَا زَوْجُھَا فِیْ بَیْتِھَا حَتّٰی تَحِلَّ +	جس عورت کا خاوند مرجائے وہ اپنے گھر میں ٹھہری رہے یہانتک کہ حلال ہوجائے دیکھو موطا امام مالک مطبوعہ مطبع احمدی دہلی صفحہ ۲۱۷ +
۲- عِدَّۃُ اُمِّ الْوَلَدِ اِذَا تُوُفِّیَ سَیِّدُھَا	لڑکے کی ماں کی عدت جب اُس کا خاوند مرجائے دیکھو موطا امام مالک صفحہ ۲۱۷
۳- وَالْمُتَصَدَّقُ عَلَیْہِ یَوْمَئِذٍ حَیٌّ ثُمَّ تُوُفِّیَ قَبْلَ اَنْ تَبْلُغَہُ الصَّدَقَۃُ	اور وہ شخص جسکو صدقہ ملتا تھا اُسی وقت زندہ تھا اور پھر وہ صدقہ پانے سے پہلے مرگیا دیکھو مدونۃ الکبریٰ جلد ۵ صفحہ ۱۱۵ +

پنجم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

۱- قُلْنَا الْعِدَّۃُ جُعِلَتْ عَلَیْھَا بِسَبَبٍ لَیْسَ	ہم کہتے ہیں عدت عورت کے لئے بتائی گئی ہے

هٰذَا اَلَا تَرٰی اَنَّهَا تَعْتَدُّ وَلَا یَعْتَدُّ وَاَنَّهَا تَتَوَفّٰی صِلْمُ اَرْبَعًا وَیُتَوَفّٰی فَلَوْ یَنْکِحُ دَخَلَ بِهَا اَوْ لَمْ تَدْخُلْ بِهَا حَتّٰی تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۔

کسی سبب سے جو یہ سبب نہیں ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ عورت کے لئے تو عدت مقرر ہے اور مرد کے لئے کوئی عدت نہیں اور عورت مرجائے تو مرد چار عورتوں تک نکاح کر لیتا ہے اور مرد مرجائے تو عورت نکاح نہیں کر سکتی خواہ مرد نے اُس سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو جب تک کہ چار مہینے اور دس دن پورے نہ کرے۔ دیکھو اُم شافعی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۴۲

۲- وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا حَدَادَ عَلَیْهَا لِاَنَّ هٰذِهِ الْعِدَّةَ وَاجِبَةٌ لِتُعْرَفَ بَرَاءَةُ الرَّحِمِ فَلَا حَدَادَ عَلَیْهَا کَالْمُعْتَدَّةِ عَنْ وَطْءِ الشُّبْهَةِ اَوْ نِکَاحٍ فَاسِدٍ وَهٰذَا لِاَنَّ الْحَدَادَ عَلَی الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا لِاِظْهَارِ التَّاَسُّفِ عَلٰی مَوْتِ الزَّوْجِ +

اور شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا کہ اُس عورت پر سوگ نہیں کیونکہ یہ عدت اس واسطے واجب ہے کہ رحم کی بریت ہو جائے۔ اور عدت دار عورت کی طرح اس پر سوگ نہیں چاہئے جیسے شبہ وطی یا نکاحِ فاسد کا ہو سکتا ہے اور یہ سوگ اُس عورت کا جس کا خاوند مرگیا ہے اپنے خاوند کی موت پر تاسف کے اظہار کے لئے ہے۔ دیکھو مبسوط شمس الدین سرخسی جلد ۶ صفحہ ۵۸ +

ششم۔ لفظ توفی کا استعمال مورخین اسلام سے

دُنیا بھر کی تاریخیں عربی زبان کی جمع کرو اور خوب غور سے پڑھو یہی ثابت ہوگا کہ جہاں کہیں مورخین نے کسی کی وفات کا ذکر کیا ہے تو سوائے توفی کے اور کم لفظ استعمال کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ کل مورخین کے نزدیک لفظ توفی بجز حقیقی موت کے اور کسی معنے میں استعمال نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم ثبوت میں چند مشہور تواریخوں سے بطور نمونہ چند مقامات دکھاتے ہیں کہ جہاں توفی کا استعمال ہوا ہے وہاں بجز موت اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے +

(۱) کتاب فوات الوفیات للعلامۃ محمد ابن شاکر احمد الکتبی۔ حضرت رتن ہندی رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے (الف) وَذَکَرَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْقَارِیُّ الصُّوْفِیُّ اَنَّهٗ تَوَفّٰی حُدُوْدَ سَنَةِ اِثْنَیْنِ وَثَلَاثِیْنَ وَسِتِّمِائَةٍ ۔ دیکھو کتاب مذکور۔ یعنے حضرت رتن ہندی کی نسبت عبد الرحمٰن

قاری صوفی نے لکھا ہے کہ وہ ۲۳۲ھ میں فوت ہوا۔ دیکھو صفحہ ۱۶۳+

(۲) عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وُلِدَ سَنَةَ اِثْنَیْنِ مِنَ الْھِجْرَةِ وَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَہٗ ثَمَانَ سِنِیْنَ وَ اَرْبَعَةُ اَشْھُرٍ۔ دیکھو فوات الوفیات صفحہ ۲۱۰ یعنے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو وہ ۸ سال ۴ ماہ کا تھا+

(۳) اَبُوْ جَعْفَرٍ مَنْصُوْرٌ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَاشَ اَرْبَعًا وَسِتِّیْنَ سَنَةً وَتُوُفِّیَ بِبِئْرِ مَیْمُوْنَ مِنْ اَرْضِ الْحَرَمِ یعنے ابو جعفر منصور امیر المومنین ۶۴ برس زندہ رہا اور بئیر میمون میں جوار ض حرم میں ہے فوت ہوا۔ دیکھو فوات الوفیات صفحہ ۲۳۳+

(۴) عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ ھٰرُوْنَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبُو الْعَبَّاسِ الْمَاْمُوْنُ وُلِدَ سَنَةَ سَبْعِیْنَ وَ مِائَةٍ وَتُوُفِّیَ سَنَةَ ثَمَانِیْ عَشَرَةَ وَ مِائَتَیْنِ۔ امیر المومنین ابو العباس المامون یعنے عبد اللہ بن ہارون ۱۷۰ھ ہجری میں پیدا ہوا اور ۲۱۸ھ ہجری میں فوت ہوا۔ دیکھو فوات الوفیات صفحہ ۲۳۹+

۲ (الف) ابو جعفر محمد الطبری المتوفی ۳۱۰ھ ہجری۔ دیکھو کشف الظنون باب التفسیر

(ب) عبد الملک بن عبد العزیز الاموی المکی المتوفی۔ دیکھو کشف الظنون باب التفسیر

ہفتم۔ لفظ توفی کا استعمال کاغذات سرکاری میں

علاوہ ان کے کاغذات سرکاری میں جب کسی مرے ہوئے کا ذکر ہوتا ہے یا اگر کوئی دوران مقدمہ میں مرجاتا ہے تو ہمیشہ لفظ متوفی اُسکی بابت لکھا جاتا ہے اور نیز رپورٹ ہائے پولیس و کاغذات پٹواری و واجب العرض میں مرے ہوئے کی نسبت بجز متوفی کے اور کوئی لفظ نہیں لکھا جاتا+

الغرض کلام اللہ و حدیث رسول اللہ و آثار صحابہ و اقوال مورخین و مسلمات سرکاری و کاغذات پٹواری سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ توفی موت کے لئے آتا ہے۔ اب ہم اُن لوگوں سے پوچھتے ہیں جو توفی کے معنے موت کے نہیں لیتے کہ کبھی انہوں نے اُن لوگوں کی نسبت بھی خیال کیا ہے جنکی نسبت لکھا ہے کہ فلاں شخص بھی آسمان پر اُٹھایا گیا یا کبھی حکام عدالت سرکاری و ججان چیفکورٹ

پنجاب وہائیکورٹ کلکتہ وہائیکورٹ الہ آباد وہائیکورٹ مدراس وقاضیان ومفتیانِ شرع اسلام نے کبھی کسی زمانہ میں خواہ بزمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ بزمانۂ خلفاء الراشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین خواہ بزمانۂ سلاطینِ بنی امیہ یا سلاطینِ بنی عباس یا سلاطینِ فاطمیہ یا بزمانہ سلاطینِ مغلیہ وسلاطینِ ترک اس امر پر بحث پیدا ہوئی ہے کہ متوفیٰ کے معنے سوائے فوت شدہ آدمی کے کچھ اور معنے مثلاً آسمان پر چلا جانا یا کسی جگہ سویا ہوا ہونا کئے ہوں۔ جہاں تک کتابوں کی ورق گردانی کی گئی ہے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ سوائے مرے ہوئے کے اور مفہوم بھی کسی کے وہم و گمان میں گذرا ہو اور حال کے زمانہ میں بیرسٹر و وکیل وایڈوکیٹ عدالتہائے سرکاری تو لفظ لفظ کے اوپر بحث کرنے اور بال کی کھال نکالتے ہیں مگر کسی عدالت کی کارروائی سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی قانون پیشہ انسان نے لفظ متوفی پر بجز فوت شدہ کے کوئی اور معنے کئے ہوں اور نہ کبھی کسی نے یہ بحث اُٹھائی ہے کہ لفظ متوفی ذو معنے ہے اور ممکن ہے کہ وہ شخص جس کی نسبت متوفی استعمال کیا گیا ہے کہیں صفحۂ زمین پر سویا پڑا ہو یا آسمان پر چلا گیا ہو اور اسی خیال کی بنا پر اُس کی جائداد کی تقسیم کی ممانعت کر دی گئی ہو تم ہرگز ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے تو پھر کیوں اور کس وجہ سے حضرت مسیح کو زندہ سمجھتے ہو

ہشتم۔ لفظ توفی کے معنے لغت عرب سے

(۱) منتہی الارب جلد ۴ صفحہ ۵۳۴ تَوَفِّی۔ میرانیدن یُقَالُ تَوَفَّی اللّٰهُ تَعَالٰی اَیْ قَبَضَ رُوْحَہٗ۔ یعنے توفی کے معنے مارنے کے جیسے توفی اللہ کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُس کی روح کو قبض کر لیا۔ و تمام گرفتن حق را۔ حق کا پورا پورا لے لینا اب مسیح کا پورا لینا اُس کا مارنا ہی مراد ہو سکتی ہے یا کچھ اور۔

(۲) اساس البلاغت جلد ۲ صفحہ ۳۱۴ تُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰهُ وَاَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ یعنی فلاں شخص مر گیا اللہ تعالیٰ نے اُسکو مار دیا۔ اُسکو موت نے آن دبایا۔

(۳) مجمع البحار جلد ۴ صفحہ ۵۴ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ عَلَی التَّقْدِیْمِ وَالتَّاخِیْرِ وَقَدْ یَکُوْنُ الْوَفَاتُ قَبْضًا لَیْسَ بِمَوْتٍ یعنی متوفیک و رافعک مقدم و موخر ہیں اور موت قبض کی موت نہ ہوگی نہ حقیقی موت بہرحال توفی کے معنے قبض روح یا موت لئے ہیں باقی

مقدم و موخر کا بارِ ثبوت صاحب کتاب پر۔

(۴) اقرب الموارد جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۲۔ تَوَفِّیَ۔ المُدَّۃُ بَلَغَھَا وَاسْتَکْمَلَھَا تَوَفَّی اللّٰہُ زَیْدًا۔ قَبَضَ رُوحَہٗ تُوُفِّیَ فُلَانٌ مَجْھُوْلًا قُبِضَتْ رُوحُہٗ وَمَاتَ فَاللّٰہُ المُتَوَفِّیْ وَالعَبْدُ المُتَوَفّٰی تَوَفِّیْ کے معنے مدت کا پورا ہونا کامل ہوجانا۔ اللہ تعالیٰ نے زید کو متوفی کردیا یعنی اُس کی روح کو قبض کرلیا۔ فلاں شخص متوفی کیا گیا یعنے اُس کی روح قبض کی گئی اور مرگیا جہاں خدا فاعل اور بندہ مفعول ہو۔ تو وہاں بجز قبض روح اور موت کے اور کوئی معنے نہیں ہوتے۔

(۵) قاموس جلد ۴ صفحہ ۳۰۱۔ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوحَہٗ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُس کی روح کو قبض کرلیا۔

(۶) تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴۔ تُوُفِّیَ فُلَانٌ اِذَا مَاتَ۔ یعنی تُوُفِّیَ فُلَانٌ کا اُس وقت استعمال ہوتا ہے جب آدمی مرجاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُس کے نفس کو یعنی جان کو قبض کرلیا وَفِی الصِّحَاحِ رُوحَہٗ اور صحاح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکی روح کو قبض کرلیا۔ وَقَالَ غَیْرُہٗ تَوَفِّیَ المَیِّتِ اِسْتِیْفَاءُ مُدَّتِہِ الَّتِیْ وُفِیَتْ لَہٗ وَعَدَدِ اَیَّامِہٖ وَشُھُوْرِہٖ وَاَعْوَامِہٖ فِی الدُّنْیَا وَمِنْہُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا اَیْ یَسْتَوْفِیْ مِنَ الْاٰجَالِ فِی الدُّنْیَا اور دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ میت کی توفی اُس کی مدت کا پورا کرنا ہے یعنی اُس کے دنوں مہینوں اور سالوں کی تعداد دُنیا میں پوری کرنی اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت لوگوں کی جانوں کو لیتا ہے یعنی دُنیا کی مدت زندگی کو پورا کرتا ہے۔

(۷) لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۰ وَتُوُفِّیَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاہُ اللّٰہُ اِذَا قَبَضَ نَفْسَہٗ وَفِی الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوحَہٗ وہی الفاظ ہیں جو تاج العروس میں آچکے ہیں

(۸) صراح جلد ۲ صفحہ ۵۲۰ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ رُوحَہٗ یعنے اللہ نے اُسکی روح قبض کرلی

(۹) صحاح جوہری جلد ۲ صفحہ ۵۶۳ تَوَفَّاہُ بمعنی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ اَیْ قَبَضَ رُوحَہٗ یعنی تَوَفَّاہُ کے معنے اللہ نے اُسکو وفات دی یعنے اُسکے روح کو قبض کرلیا۔

(۱۰) مفردات امام راغب اصفہانی جو قرآن کریم کے مفرد الفاظ کی لغت ہے اس میں

یوں لکھا ہے قد عُبِّرَ عَنِ النَّوْمِ وَالْمَوْتِ بِالتَّوَفِّیْ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ یَا عِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَوَفِّیْ مَوْتٌ لِاَنَّہٗ اَمَاتَ یعنی توفی کے معنے وفات اور موت کے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا ہمارے فرشتے اسکو مارتے ہیں یا قبض روح کرتے ہیں۔ ہمیں نیکوں کے ساتھ مار۔ اے عیسیٰ میں تجھے مارنے والا ہوں اور اپنے قرب میں جگہ دینے والا ہوں اور ابن عباس نے بھی کہا ہے توفی کے معنے موت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو مار دیا تھا۔ دیکھو کتاب مذکورہ بالا +

۴۔ توفی کے معنے تفاسیر سے جو بغرض آسانی چند فصول پر منقسم کیا گیا ہے

فصل پہلی

درباره آیۃ یٰعیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ

بالآخر جب ہم تفاسیر قرآن شریف پر نگاہ کرتے ہیں تو بجز دو مقامات کے جو متنازعہ فیہما ہیں باقی سب مقامات پر قبض روح و موت کے معنے ثابت ہیں اور متنازعہ مقامات پر علما کا اتفاق نہیں حتی کہ کوئی مفسر بھی اس بارہ میں مستقل رائے قائم نہیں کر سکا پھر دوسروں کے اختلاف کا کیا ذکر۔ چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں کہ صرف مُتَوَفِّیْکَ کے معنے اکثر مفسرین نے ۱۶ یا ۱۷ تک کئے ہیں۔ اگر ان کو مسیح کی حیات پر انشراح صدر ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ اس قدر اس میں اختلاف کرتے۔ یہ یاد رہے کہ لفظ متوفی کے مختلف معانی پر یہاں بحث نہ ہوگی بلکہ ہمارا صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ منجملہ دیگر معانی کے موت و قبض روح کے معنے بھی برابر لیتے چلے آئے ہیں اگر مسیح کی وفات کا کوئی وجود نہیں تھا تو پھر ان مفسرین کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اپنی کتابوں میں ایک جماعت کا یہ اعتقاد بھی ظاہر کرتے

آئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں تقویٰ تھا جس کی بنا پر وہ اس قول کو نقل کرتے چلے آئے اور ضرور اُن کے دل میں یہ خلجان گذرتا رہا ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ مسیح علیہ السلام مرگئے ہوں کیونکہ سُنت اللہ اسی طرح پر چلی آتی ہے۔ اب ہم ذیل میں تفاسیر کے صرف وہی اقوال نقل کرتے ہیں جن سے موت یا قبض روح ثابت ہوتی ہے +

۱۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن لابی جعفر الامام محمد بن جریر الطبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ زیر آیۃ یا عیسیٰ اِنّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ یہ معنے لکھے ہیں +

(۱) یَعْنِی بِذٰلِکَ جَلَّ ثَنَاءُہٗ وَمَکَرَ اللّٰہُ بِالْقَوْمِ الَّذِیْنَ حَاوَلُوْا قَتْلَ عِیْسٰی مَعَ کُفْرِھِمْ بِاللّٰہِ وَتَکْذِیْبِھِمْ عِیْسٰی فِیْمَا اَتَاھُمْ بِہٖ مِنْ عِنْدِ رَبِّھِمْ اِذْ قَالَ اللّٰہُ جَلَّ ثَنَاءُہٗ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ۔ یعنی وَمَکَرَ اللّٰہُ بِھِمْ حِیْنَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ فَتَوَفَّاہُ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ +

یعنے اس سے اللہ جل شانہ کی مراد یہ ہے کہ اُس نے اُس قوم سے جو باوجود کفر باللہ عیسیٰ علیہ السلام کے اس امر میں تکذیب کے جو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے لایا تھا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو رہے تھے تو عیسیٰ علیہ السلام کے بچانے کی یہ تدبیر کی اور فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں طبعی موت سے ماروں گا اور تجھے مقرب بناؤں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق انہیں وفات دی اور اُسے اپنا مقرب بنایا +

(۲) اور صفحہ ۱۸۴ تفسیر مذکور جلد ۳ میں روایت ذیل بہ تصدیق معنی مذکور یوں لکھی ہو۔

حَدَّثَنِی الْمُثَنّٰی قَالَ ثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُعَاوِیَۃُ عَنْ عَلِیٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُہٗ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یَقُوْلُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ

میرے پاس مثنے نے بیان کیا اور اُن کے پاس عبداللہ بن صالح نے اور عبداللہ نے فرمایا کہ میرے پاس معاویہ نے بروایت علی اور علی نے ابن عباس سے بیان کیا کہ ابن عباس یہ کہتے تھے کہ اِنّی مُتَوَفِّیکَ کے معنے ہیں کہ میں تجھے وفات دونگا +

(۳) دوسری روایت میں یوں ہے دیکھو صفحہ ۱۸۴ تفسیر مذکور جلد ۳ +

حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَیْدٍ قَالَ ثَنَا سَلَمَۃُ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ

ابن حمید نے ہمارے پاس بیان کیا اور کہا کہ میرے پاس مسلمہ نے بروایت ابن اسحٰق

الزُّبَيْرِ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ اَيْ قَابِضُكَ وَقَالَ آخَرُوْنَ مَعْنٰى ذٰلِكَ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَفَاةَ مَوْتٍ

بیان کیا اور اُن کے پاس محمد بن جعفر بن زبیر نے بیان کیا کہ آیہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنے ہیں میں تجھے قبض کرونگا اور دوسروں نے اس کے معنے یوں کئے ہیں کہ میں تجھے موت کی وفات دونگا +

ایک اور روایت میں یوں بھی آیا ہے۔ جو غالبًا عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور عیسائیوں سے وراثتًا آیا ہے۔ مگر پھر بھی وفات ہی ثابت ہوتی ہے +

(۳) حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ قَالَ ثَنَا سَلَمَةُ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَمَّنِ الَّذِيْ لَا يُتَّهَمُ عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ الْيَمَانِيِّ اَنَّهُ قَالَ تَوَفَّى اللّٰهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ثَلَاثَ سَاعَاتٍ مِنَ النَّهَارِ حَتّٰى رَفَعَهُ اِلَيْهِ +

ابن حمید نے ہمارے پاس بیان کیا کہ سلمہ نے ابن اسحٰق سے اُن کے پاس بیان کیا اس نے اُس شخص سے جو متہم نہیں اور اُس نے وہب بن منبہ الیمانی سے کہ اُس نے یہ کہا کہ اللہ نے عیسٰی بن مریم کو دن میں سے تین ساعت مار دیا تھا یہانتک کہ پھر اُسکو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ +

ابن جریر طبری کی ان روایا سے ظاہر ہے کہ ایک گروہ اس امر کا قائل تھا کہ توفی کے معنے موت حقیقی کے ہیں +

۲۔ تفسیر کتاب البحر المحیط لابی حیان جلد ۲ صفحہ ۴۷۳ برزیر آیۃ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ

وَفَاةُ مَوْتٍ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَقَالَ وَهْبٌ مَاتَ ثَلَاثَ سَاعَاتٍ وَرَفَعَهُ فِيْهَا ثُمَّ اَحْيَاهُ اللّٰهُ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي السَّمَاءِ وَفِيْ بَعْضِ الْكُتُبِ سَبْعَ سَاعَاتٍ وَقَالَ الْفَرَّاءُ هِيَ وَفَاةُ مَوْتٍ وَلٰكِنَّ الْمَعْنٰى مُتَوَفِّيْكَ فِيْ اٰخِرِ اَمْرِكَ عِنْدَ نُزُوْلِكَ وَقَتْلِكَ الدَّجَّالَ وَفِي الْكَلَامِ تَقْدِيْمٌ وَتَاْخِيْرٌ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مُتَوَفِّيْ اَجَلِكَ وَمَعْنَاهُ اَيْ عَاصِمُكَ مِنْ اَنْ يَقْتُلَكَ الْكُفَّارُ

ابن عباس نے مُتَوَفِّیْکَ کے معنے وفات موت کئے ہیں اور وہب تو تین ساعت موت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اُس کے بعد اُس کو اُٹھا لیا اور پھر اللہ نے اسکو آسمان میں زندہ کیا اور بعض کتابوں میں سات ساعت وفات لکھی ہے۔ اور فراء نے کہا ہے کہ عیسٰی طبعی موت سے مراد ہی لیکن آیت مقدم موخر ہے اور زمخشری کا قول ہے کہ میں تیری اجل کو پورا کرونگا اور یہ معنے ہیں کہ میں تجھے کفار کے ہاتھ سے قتل ہونے سے

وَ مُؤَخِّرُكَ اِلٰی اَجَلٍ کَتَبْتُهٗ وَ مُمِیْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْهِمْ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ اَیْ مَحَلِّ ثَوَابِكَ	بچا ؤنگا اور اجل مسمّیٰ تک زندہ رکھونگا تجھے طبعی موت سے مارونگا اور کفار کے ہاتھ سے قتل نہیں ہونے دونگا اور رَافِعُكَ کے

معنے یہ ہیں کہ تجھے ثواب کے مکان پر جگہ دونگا +

۳۔ تَفْسِیْرُ النَّهْرِ الْمَادِّ مِنَ الْبَحْرِ لِاَبِیْ حَیَّانَ صفحہ ۴۷۳ برحاشیہ تفسیر بحر المحیط زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یوں لکھا ہے +

وَالظَّاهِرُ اَنَّ مَعْنٰی مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ +	اور ظاہر میں مُتَوَفِّیْ کے معنے مُمِیْتُكَ ہیں یعنے میں تجھے طبعی موت سے مارکر اپنے پاس بلانے والا ہوں +

۴۔ الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن لولی اللہ تعالیٰ والعارف الشیخ سیدی عبد الرحمٰن الثعالبی مطبوعہ مطبع الجزائر زیر آیۃ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یوں لکھا ہے دیکھو جلد اول صفحہ ۲۷۲ +

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هِیَ وَفَاةُ مَوْتٍ وَنَحْوُهٗ لِمَالِكٍ فِی الْعُتْبِیَّةِ وَقَالَ وَهْبٌ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِالْمَوْتِ ثَلَاثَ سَاعَاتٍ وَرَفَعَهٗ فِیْهَا ثُمَّ اَحْیَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَقَالَ الْفَرَّاءُ هِیَ وَفَاتُ مَوْتٍ وَلٰکِنِ الْمَعْنٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ فِیْ آخِرِ اَمْرِكَ +	اور ابن عباس نے کہا ہے کہ وہ حقیقی موت تھی اور ایسا ہی امام مالک رحمۃ اللہ اپنی کتاب عتبیہ نام میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام طبعی موت سے مرگئے اور وہب نے وفات کو مانا ہے کہ تین ساعت مرگئے تھے پھر اللہ نے ان کو اٹھالیا اور پھر اُن کو زندہ کیا اور فراء نے کہا ہے کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام

کی موت طبعی موت ہے لیکن معنے یہ ہیں کہ میں تجھے اس کام کے اخیر مارونگا۔ جو تیرے سپرد ہوا ہے +

۵۔ تفسیر البحر المحیط جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ زیر آیۃ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ یوں لکھا ہے +

وَالتَّوَفِّیْ عِبَارَةٌ فِی الْعُرْفِ عَنِ الْمَوْتِ	اور توفی کے معنے ہیں موت کے اور اس جگہ

وَهٰذَا الْمَعْنِیُّ بِهِ النَّوْمُ عَلٰی سَبِیْلِ الْمَجَازِ لِلْعَلَاقَةِ الَّتِیْ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمَوْتِ وَ هِیَ زَوَالُ اِحْسَاسِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ وَفِکْرِهٖ +	مجازاً نیند سے مراد ہے بسبب اُس علامت کے جو نوم اور موت کے درمیان ہے اور وہ زوالِ احساس و معرفت و فکر ہے +

۶۔ تفسیر الدر اللقیط من البحر المحیط للامام تاج الدین ابی محمد احمد بن عبد اللہ القادر القیسی الحنفی النحوی بر حاشیہ بحر المحیط صفحہ ۴۶ از زیر آیہ هُوَالَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ اِلٰی آخِرِہٖ

وَالتَّوَفِّیْ عِبَارَةٌ فِی الْعُرْفِ عَنِ الْمَوْتِ وَهُنَا الْمَعْنِیُّ بِهِ النَّوْمُ عَلَی السَّبِیْلِ الْمَجَازِ +	اور توفی کے معنے عرف میں موت کے ہیں اور یہاں ہر مجازی طور سے مراد نیند ہے +

۷۔ تفسیر فتح البیان جلد اول صفحہ ۴۹ میں زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ یہ معنے لکھے ہیں +

وَقِیْلَ الْکَلَامُ عَلٰی حَالِهٖ مِنْ غَیْرِ اِدِّعَاءِ تَقْدِیْمٍ وَتَاخِیْرٍ فِیْهِ وَالْمَعْنٰی کَمَا قَالَ فِی الْکَشَّافِ مُسْتَوْفِیْ اَجَلَکَ وَمَعْنَاهُ اِنِّیْ عَاصِمُکَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَکَ الْکُفَّارُ وَمُؤَخِّرُ اَجَلِکَ اِلٰی اَجَلٍ کَتَبْتُهٗ لَکَ وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْهِمْ	کہتے ہیں کہ یہ کلام اپنے حال پر قائم ہے اس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہیں اور معنے یہی ہیں جیسے کہ کشاف میں ہیں کہ میں تیری عمر کو پورا کرنیوالا ہوں اور معنے یہ ہوئے کہ میں تجھکو کفار کے قتل سے بچانے والا ہوں اور اُسی عمر تک تجھکو ڈھیل دینے والا ہوں جو میں نے

تیرے واسطے لکھ رکھی ہے اور میں تجھے طبعی موت سے مارنے والا ہوں ان کافروں کے ہاتھ سے تو قتل نہیں ہونے پائیگا +

اِس سے ظاہر ہے کہ مفسر نے لفظ توفی کے معنے حقیقی موت کے لئے ہیں اور یہ بات بھی درست ہے کہ میں تیری عمر پوری کر کے تجھے مارونگا کیونکہ بالاتفاق مفسرین اسلام و یہود و نصاریٰ و مورخین عالم جب مسیح کا معاملۂ صلیب واقع ہوا ہے تو اُس وقت جناب مسیح علیہ السلام کی عمر ۳۳ ۱/۲ برس کی تھی لیکن احادیث رسول اللہ سے جو اپنے موقع پر لکھی جائیں گی ثابت ہے کہ حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی ہے بہر حال ۸۷ برس کی بقیہ زندگی دُنیا میں

پوری کرکے پھر دنیا سے اٹھائے گئے +

۸۔ تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۲۰۶ میں بھی اِس آیت کے متعلق وہی عبارت لکھی ہے جو تفسیر فتح البیان میں ہے +

۹۔ تفسیر الدر المنثور جلد ۲ صفحہ ۳۶ مطبوعہ مطبع مصر زیر آیۃ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ یوں لکھا ہے +

(۱) اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِیْقِ عَلِیٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یَقُوْلُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ +

ابن جریر اور ابن منذر و ابن ابی حاتم نے علی کے طریق پر ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنے ہیں میں تجھے مارنیوالا ہوں +

(۲) اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ وَھْبٍ قَالَ تَوَفَّی اللّٰہُ عِیْسٰی بْنَ مَرْیَمَ ثَلٰثَ سَاعَاتٍ مِنَ النَّھَارِ حَتّٰی رَفَعَہُ اللّٰہُ

ابن جریر و ابن ابی حاتم وہب سے بیان کرتے ہیں کہ اُس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کے بیٹے عیسےٰ کو دن کے تین گھنٹہ تک مار دیا حتّٰی کہ اُس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ دیکھو تفسیر در المنثور جلد اول صفحہ ۴۰۶ +

اس وہب کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مُتَوَفِّیْ کے معنے مُمِیْت کے لیتے ہیں اور کوئی معنے اُن کے نزدیک نہیں۔ باقی اس امر کا ثبوت کہ تین ساعت تک وہ مرے رہے اور پھر اُٹھائے گئے اسکا ثبوت اُنکی گردن پر ہے +

(۳) اَخْرَجَ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ وَھْبٍ قَالَ اَمَاتَہُ اللّٰہُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ ثُمَّ رَفَعَہٗ

یعنے ابن عساکر وہب سے روایت کرتے ہیں کہ وہب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین روز تک مار دیا تھا پھر کھڑا کیا اور اپنی طرف اُٹھا لیا یہ خیال عیسائیوں سے لیا گیا ہے بہرحال لفظ توفی کے معنے موت کے لئے گئے ہیں باقی واقعہ کا ثبوت اُنکے ذمہ ہے دیکھو تفسیر در المنثور جلد ۲ صفحہ ۳۶ +

(۴) اَخْرَجَ الْحَاکِمُ عَنْ وَھْبٍ اَنَّ اللّٰہَ تَوَفّٰی عِیْسٰی سَبْعَ سَاعَاتٍ ثُمَّ اَحْیَاہُ

امام حاکم وہب سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سات گھنٹہ کے

لئے مار دیا تھا پھر زندہ کر دیا تھا۔ اس جگہ بھی توفی کے معنے موت ہی کے لئے گئے ہیں۔ باقی معاملہ کے متعلق ثبوت راوی کے ذمہ ہے۔ دیکھو تفسیر در المنثور جلد ۲ صفحہ ۳۶+

(۱۰) حیات القلوب بر حاشیہ جلالین معکمالین مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے صفحہ ۵۰ پر زیر آیۃ یا عیسیٰ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ یوں لکھا ہے+

اَلتَّوَفِّی ھُوَ الْقَبْضُ ... وَفِی الْبُخَارِیِّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ۔ اَیْ مُمِیْتُکَ فِیْ وَقْتِکَ بَعْدَ النُّزُوْلِ مِنَ السَّمَآءِ وَرَافِعُکَ لَآنَ وَقَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ تُوُفِّیَ سَبْعَ سَاعَاتٍ ثُمَّ اَحْیَاہُ اللّٰہُ وَرَفَعَہٗ

توفی کے معنے قبض کرنے کے ہیں۔ اور بخاری میں ابن عباس سے مُتَوَفِّیْکَ کے معنے ہیں میں تجھے مارنے والا ہوں۔ یعنے بعد نزول کے میں تجھے اپنے وقت پر مارونگا اور اس وقت تجھے اُٹھالونگا اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ سات ساعت مر گئے تھے پھر اللہ نے اُن کو زندہ کر کے اُٹھالیا تھا+

دیکھو یہاں بھی توفی کے معنے بہرحال موت کے کرتے ہیں باقی مفسر کی یہ رائے کہ بعد نزول مریگا کوئی ثبوت نہیں دیا اور دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق آیۃ اِلَّا الْمَوْتَۃَ الْاُوْلٰی کے خلاف ہے+

(۱۱) تفسیر محمدی مصنفہ حافظ مولوی محمد لکھو کے والے مطبوعہ مطبع گلزار محمدی لاہور زیر آیۃ وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ جلد ۱ صفحہ ۲۷+

چوں گفت خدا اے عیسیٰ البتہ من بگیرندہ
توام از دنیا و بردارندہ توام بسوئے خود
ہک کہن توفی معنے موت جو اول عیسا آئی۔
ترے ساعت یاست مویا فر زندہ کرے چڑھائی۔
ہک کہن توفی موت اجہی پر معنے پچھے اگے
اوہ مونوں پیش کیا آسمانی ریا فرشتیاں سنگے
اور اس تفسیر کے حاشیہ پر لکھا ہے لکھیا بعض نے مراد توفی
تحقیں موت ہے جو ہیں روایت کیتی ہے علی بن
طلحہ نے ابن عباس تحقیں

جب خدا نے کہا کہ اے عیسیٰ میں تجھے دنیا سے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانیوالا ہوں
بعض کہتے ہیں کہ توفی کے معنے موت کے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر وارد ہوئی اور تین یا سات ساعت مر گئے تھے پھر زندہ ہو کر اوپر چلے گئے اور بعض کہتے ہیں کہ توفی کے معنے حقیقی موت کے ہیں مگر آیت مقدم موخر ہے بعض نے کہا ہے کہ مراد توفی سے موت ہی ہے جیسا کہ علی بن طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے

(۱۲) تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۲۰۴ پر وہی عبارت ہی جو تفسیر فتح البیان اور تفسیر کشاف میں ہی +

(۱۳) تفسیر خازن جلد اول صفحہ ۲۰۵ زیر آیہ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّی حَقِیْقَۃُ الْمَوْتِ قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ مَعْنَاہُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ۔ یعنے توفی سے مراد حقیقی موت ہی جیسا کہ ابن عباس نے کہا ہو کہ اس کے معنے مارنے والے کے ہیں +

اس کے بعد مسیح کی موت کے متعلق وہ لفظ جو وہب نے تین ساعت تک مرنے کے لکھے ہیں مندرج ہیں۔ غرض اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ علاوہ دیگر معانی کے توفی کے معنے حقیقی ہوتے ہیں

(۱۴) حاشیہ ابن تمجید علی البیضاوی برحاشیہ قنوی جلد ۳ صفحہ ۶۲ زیر آیہ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہی

قَوْلُہٗ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ بِمَعْنٰی اِنِّیْ مُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ لَا یَقْتُلُکَ ھٰؤُلَاءِ الْکَفَرَۃُ الَّذِیْنَ یَحُوْمُوْنَ حَوْلَ قَتْلِکَ فَلَا تَخَفْ اِنِّیْ عَاصِمُکَ مِنْھُمْ فَھُوَ کِنَایَۃٌ تَلْوِیْحِیَّۃٌ عَنِ الْعِصْمَۃِ لِاَنَّ التَّوَفِّیْ حَتْفَ اَنْفِہٖ لَازِمٌ لِتَاخِیْرِہٖ اِلٰی اَجَلِہِ الْمُسَمّٰی وَتَاخِیْرِہٖ اِلٰی اَجَلِہٖ لَازِمٌ لِلْعِصْمَۃِ +

یعنے اسکے اس قول اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ کے معنے ہیں میں تجھے طبعی موت سے مارنے والا ہوں اُن کفار کے ہاتھ سے جو تیرے قتل کے در پے ہیں قتل نہیں ہونے دونگا اور تجھے کچھ خوف کرنا نہیں چاہیے میں تجھے اُن سے محفوظ رکھونگا یہ عصمت کی نسبت ایک عجیب اشارہ ہے کیونکہ طبعی موت اس امر کے لئے لازمی پڑی ہے کہ اجلِ مقرر تک اُن کو ڈھیل دی جائے اور تاخیر اجلِ مقرر تک کے لئے عصمت لازمی ہے +

اس تمام تفاسیر میں بھی لفظ توفی کے معنے موت حقیقی مراد لئے گئے ہیں کیونکہ وہ صلیب سے بچکر دیگر ممالک میں بقیہ عمر امن کے ساتھ بسر کرکے فوت ہو گئے +

(۱۵) حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد ۳ صفحہ ۶۲ پر زیر آیہ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ یہ عبارت لکھی ہے +

قَوْلُہٗ اَوْ مُتَوَفِّیْکَ نَائِمًا اَیْ مُمِیْتُکَ بِالنَّوْمِ فَیَکُوْنُ اِسْتِعَارَۃً تَبَعِیَّۃً اِذْ رُوِیَ اَنَّہٗ رُفِعَ نَائِمًا اَوْ مُمِیْتُکَ عَنِ الشَّھَوَاتِ الْعَائِقَۃِ عَنِ الْعُرُوْجِ اِلٰی عَالَمِ الْمَلَکُوْتِ فَیَکُوْنُ

یعنے اُن کا یہ قول کہ میں تجھے نیند میں مارنے والا ہوں یہ تو استعارہ تبعیہ ہوتا ہے جبکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ وہ نیند کی حالت میں اُٹھائے گئے یا یہ کہ تجھے شہوات نفسانیہ سے مارنیوالا ہوں جو عالم ملکوت کی طرف عروج کرنے سے سدراہ

مَجَازًا مُرْسَلًا اِذْ هٰذَا الْاِنْقِطَاعُ لَازِمٌ لِلْمَوْتِ الْحَقِیْقِیِّ وَجَعَلَهٗ لَازِمًا لِلْاِمَاتَۃِ +	ہوتی ہیں) پس یہ مجاز مرسل ہو جاتا ہے جبکہ اس قسم کا انقطاع موت حقیقی کے لئے لازمی ہے اور اس قسم کی بے تعلقی امانت کے لئے لازمی

قرار پا چکی ہے +

(۱۶) تفسیر بحر الحقائق قلمی میں زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ عَنِ الصِّفَاتِ النَّفْسَانِیَّۃِ وَالْاَوْصَافِ الْحَیْوَانِیَّۃِ اس سے بھی ظاہر ہے کہ توفی کے معنے موت کے لئے ہیں۔ جب انسان کی صفات نفسانیہ اور اوصاف حیوانیہ ماردی جائیں تو اسی کا نام موت ہوتا ہے +

(۱۷) تفسیر غایۃ البرہان فی تاویل القرآن جلد ا صفحہ ۹۸ مطبوعہ مطبع سید المطابع امروہا زیر آیۃ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یہ لکھا ہے۔ یاد کرو جبکہ اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں . . . . اور معالم میں طلحہ بن علی اور ابن عباس سے موت مسیح ثابت ہے اور آیۃ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ بھی دلیل مسیح کی موت پر ہے +

الغرض اسی تفسیر میں قطعی طور سے مصنف کی رائے یہی ہے کہ مسیح وفات پا چکے ہیں +

(۱۸) تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ یوں لکھا ہے قَالَ شَیْخُ الْاِسْلَامِ ابْنُ حَجَرٍ قَدِ اخْتُلِفَ فِیْ مَوْتِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَبْلَ رَفْعِہٖ فَقِیْلَ عَلٰی ظَاہِرِ الْاٰیَۃِ اِنَّہٗ مَاتَ قَبْلَ رَفْعٍ ثُمَّ یَمُوْتُ بَعْدَ النُّزُوْلِ یعنے شیخ الاسلام ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی موت قبل رفع کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ آیۃ کے ظاہری معنے لینے چاہئیں اور وہ یہ ہیں کہ حضرت عیسٰے السلام رفع سے پہلے فوت ہو گئے اور پھر نزول کے بعد دوبارہ زندہ ہونگے۔ اس سے بھی ہویدا ہے۔ کہ بعض توفی کے معنے موت حقیقی کے لیتے ہیں۔ رہا اس امر کا ثبوت کہ مرے ہوئے دوبارہ زندہ ہوا کرتے ہیں۔ سو وہ انہیں کے ذمہ ہے +

(۱۹) تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۱۶۲ زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یہ عبارت ہے وَقَالَ بَعْضُہُمُ الْمُرَادُ بِالتَّوَفِّی الْمَوْتُ وَرَوٰی عَلِیُّ بْنُ طَلْحَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ مَعْنَاہُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ یَدُلُّ عَلَیْہِ قَوْلُہٗ تَعَالٰی قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ۔ یعنے بعض

نے کہا ہے کہ توفی سے حقیقی موت مراد ہے اور علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ میں تجھے مارنے والا ہوں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ کہدے کہ ملک الموت تم کو ماریگا دلیل ہے +

(۲۰) تفسیر جامع البیان صفحہ ۲۵ پر زیر آیۃ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے۔ مُتَوَفِّیْكَ اَلْمُرَادُ مِنَ الْوَفَاۃِ ھٰھُنَا النَّوْمُ اَوْفِی الْاٰیَۃِ تَقْدِیْمٌ وَتَاخِیْرٌ اَوْتَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثَلٰثَ سَاعَاتٍ حِیْنَ رَفَعَہٗ اِلَیْہِ وَسَبْعَ سَاعَاتٍ ثُمَّ اَحْیَاہُ یعنے مُتَوَفِّیْکَ سے مراد نیند کی موت ہے یا آیت میں تقدیم وتاخیر ہے یا اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُٹھانے سے پہلے تین یا سات ساعت تک ماردیا پھر اُن کو زندہ کیا۔ یہاں بھی متوفی کے معنے موت یا قبض روح کے لئے گئے ہیں۔ باقی تقدیم یا تاخیر یا دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت بذمہ مفسر +

(۲۱) تفسیر مجمع البیان ملا ابو جعفر جلد ا زیر آیۃ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ وَفَاۃٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَوَھَبٍ قَالَ اَمَاتَ اللّٰہُ ثَلٰثَ سَاعَاتٍ۔ یعنے توفی کے معنے وفات ہے ابن عباس اور وہب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین ساعت کے لئے ماردیا۔ ابن عباس کی نسبت کہیں بھی ثابت نہیں کہ وہ تین ساعت کے مرنے کے قائل ہوں بہرحال موت کے قائل ہیں +

(۲۲) تفسیر سید احمد خان صاحب جلد ۴ میں زیر آیۃ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یوں لکھا ہے جب خدا نے کہا اے عیسیٰ بیشک میں تجھکو مارنے والا ہوں +

(۲۳) تفسیر مظہری صفحہ ۳۸۷ جلد اول۔ زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے قَالَ بَعْضُھُمْ اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّی الْمَوْتُ رَوٰی عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَعْنَاہُ اِنِّیْ مُمِیْتُكَ یعنے بعض نے کہا ہے کہ مراد توفی سے موت ہے علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ تحقیق میں تجھکو مارنے والا ہوں +

(۲۴) تفسیر غرائب القرآن مصنفہ حسن القمی مطبوعہ مطبع ایران جلد اصفحہ ۳۲۰ زیر آیۃ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یوں لکھا ہے۔ چوں گفت خدا کہ اے عیسےٰ بدرستی کہ میرانیم ترا و بالا برندہ ام ترا بسوئے خود نیز یہ بھی لکھا ہے مُتَوَفِّیْكَ مُتَمِّمُ عُمُرِكَ وَعَاصِمُكَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَكَ الْکُفَّارُ وَقِیْلَ مُمِیْتُكَ کَیْلَا یَصِلُ اَعْدَاؤُكَ مِنَ الْیَھُوْدِ اِلٰی قَتْلِكَ یعنے میں تیری عمر کو تمام کرنے والا ہوں اور کفار کے قتل سے تجھکو محفوظ رکھونگا اور یہ بھی کہا

جاتا ہے کہ میں تجھ کو مارونگا تاکہ تیرے یہودی دشمن تیرے قتل کی جرأت نہ کریں - اس تفسیر میں بھی متوفی کے معنے مارنے والا مراد لئے گئے ہیں +

(۲۵) تفسیر صافی مصنفہ ملا محسن جلد اول سورہ آل عمران زیر آیۃ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یہ عبارت تحریر ہے مُسْتَوْفِیْ اَجَلَكَ وَمُؤَخِّرُكَ اِلٰی اَجَلِكَ الْمُسَمّٰی - عَاصِمًا اِیَّاكَ مِنْ قَتْلِهِمْ اَوْ مُمِیْتُكَ عَنِ الشَّهَوَاتِ یعنی تیری عمر پوری کرنے والا ہوں اور مقررہ عمر تک تجھ کو ڈھیل دینے والا ہوں اور اُن کے قتل سے تجھ کو بچانے والا ہوں یا یہ کہ شہوات سے مارنے والا ہوں - اس تفسیر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ رفع سے پہلے موت ہوئی خواہ کسی قسم کی موت کو وہ تسلیم کریں +

(۲۶) تفسیر معالمات الاسرار فی مکاشفات الاخیار جلد اول صفحہ ۱۷۹ - زیر آیۃ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یوں لکھا ہے - یاد کن چوں فرسود حق تعالیٰ بدرستیکہ من میرانندہ توام چنانکہ مذہبِ ابن عباس است - یعنے یاد کر جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ تحقیق میں تجھ کو مارنے والا ہوں - جیساکہ ابن عباس کا مذہب ہے - اس تفسیر میں قطعی طور سے حضرت عیسےٰ کے مرنے کی تصدیق ہے - سوائے موت کے اُس نے اور معنے نہیں لئے +

(۲۷) تفسیر فتح المنان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ - زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یوں لکھا ہے توفی کے معنے لغت میں کسی چیز کا پورا پورا لینا اور چونکہ مُردہ اپنی حیات کا پورا حصہ پالیتا ہے اِس لئے اُس کو متوفی کہتے ہیں +

آگے چلکر صفحہ ۱۵۰ پر یوں لکھا ہے - وہب کہتے ہیں کہ تین ساعت وفات پائی - محمد بن اسحاق کہتے ہیں پانچ ساعت تک وفات رہی پھر خدا نے اُن کو زندہ کرکے آسمان کی طرف اُٹھالیا - جیساکہ عیسائی کہتے ہیں مگر یہ وفات یہود کے سولی دینے سے واقع نہیں ہوئی تھی جیساکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ بلکہ آثارِ جسمانیہ کے ہلکا کرنے کے لئے خدا نے وفات دی تھی - خلاصہ یہ کہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ میں جو نفی ہے تو یہود کے ہاتھوں قتل کرنے کی نفی ہے نہ مسیح کی وفات کی نفی جو طبعی طور سے اُس نے پائی +

بیشک مصنف کی یہ رائے نہایت پختہ ہے کہ مسیح کی وفات کا انکار قرآن سے ثابت نہیں بلکہ اُسی قسم کی موت سے قرآن شریف نے انکار کیا ہے جس قسم کی موت یہودی قرار دیتے ہیں یعنے

(۲۸) فوز الکبیر مطبوعہ مطبع محمدی صفحہ ۶ زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ لکھا ہے مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ یعنے میں تجھے حقیقی موت سے مارنے والا ہوں +

(۲۹) تفسیر عباسی سورہ آل عمران زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ یوں لکھا ہے مقدم و موخر

وَیَقُوْلُ اِنِّیْ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مُنَجِّیْکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِکَ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ اِتَّبَعُوْا دِیْنَکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْحُجَّۃِ وَالنُّصْرَۃِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ مُتَوَفِّیْکَ +

یعنے مفسر صاحب کہتے ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ میں تجھ کو اپنی طرف اُٹھالونگا اور تجھکو پاک کرونگا یعنے کافروں سے تجھ کو نجات دونگا اور جو لوگ تیرے دین کے تابعدار ہیں اُن کو قیامت کے دن تک حجت اور نصرت کے ساتھ کافروں پر قیامت تک غالب رکھونگا پھر میں تجھ کو مار ڈالونگا +

یہ تفسیر ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کہ مفسر نے کسی ایسے وقت میں تفسیر لکھی ہے جبکہ اُس کے دماغ میں اختلال واقع تھا ورنہ کوئی صحیح و سلیم دماغ کا انسان ایسی تو تفسیر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب مسیح آسمان پر اُٹھا لئے گئے اور وہاں پر جانے سے نجات بھی مل گئی تو پھر کیا فکر رہا کیونکہ باعتقاد مفسر زمین پر تو اللہ تعالیٰ سے ممکن نہ تھا کہ مسیح کو کفار یہود سے نجات دلا سکتا اور شاید اسی خوف سے خدا نے اول آسمان پر بھی نہیں رکھا بلکہ دوسرے یا چوتھے آسمان پر جا کر رکھا۔ اور مسیح کے تابعداروں کو قیامت کے دن تک حجت اور نصرت سے کفار پر غالب کرنیکا وعدہ کر دیا اور وہ جب آسمان پر جا چکے تو بلاشک وہاں پر ہی اُسکو مار یگا۔ کیونکہ یہ تو مفسر نے ثابت نہیں کیا کہ قرآن سے انکا رجوع بھی نکلتا ہے۔ بہرحال وہ متوفی کے معنے موت کے لیتے ہیں لیکن اُن کی موت زمینی نہیں لیتے بلکہ آسمان پر مرنا تسلیم کرتے ہیں۔ خواہ کسی طرح مانیں ہمارا مقصد تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ توفی کے معنے موت ہی ہے باقی باتوں کا مفسر خود ذمہ وار ہے +

(۳۰) تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۳۴۳ زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے اَیْ مُتَوَفِّیْ اَجَلَکَ وَمَعْنَاہُ اِنِّیْ عَاصِمُکَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَکَ الْکُفَّارُ وَمُؤَخِّرُکَ اِلٰی اَجَلٍ کَتَبْتُہٗ لَکَ وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْھِمْ۔ یہ وہی تفسیر ہے جو اکثر دوسری تفسیروں میں آچکی ہے۔ غرضیکہ اس تفسیر میں توفی سے موت طبعی مراد لی گئی ہے +

(۳۱) تفسیر الفتوحات الٰہیہ جلد ا صفحہ ۲۹۳ زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے +

فِيهِ وَجْهَانِ اَظْهَرُهُمَا اَنَّ الْكَلَامَ عَلٰی حَالِهٖ مِنْ غَيْرِ اِدِّعَاءِ تَقْدِيمٍ وَتَاخِيرٍ فِيهِ بِمَعْنٰی اِنِّيْ مُسْتَوْفِيْ اَجَلَكَ وَمُؤَخِّرُكَ وَعَاصِمُكَ مِنْ اَنْ تَقْتُلَكَ الْكُفَّارُ اِلٰی اَنْ تَمُوْتَ حَتْفَ اَنْفِكَ مِنْ غَيْرِ اَنْ تُقْتَلَ بِاَيْدِ الْكُفَّارِ +

اس میں دو صورتیں ہیں۔ ان دونوں میں سے غالب تر یہ صورت ہے کہ کلام کو بغیر تقدیم وتاخیر کے اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور معنے یہ ہیں کہ میں تیری عمر کو پورا کرونگا اور تجھ کو ڈھیل دونگا اور کفار کے ہاتھوں قتل سے بچاؤنگا۔ یہانتک کہ تو اپنی موت سے مرجائے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ مفسر اپنی اس رائے کو ترجیح دیتا ہے کہ مسیح طبعی موت سے مرا +

(۳۲) حاشیہ شیخ احمد صادی المالکی علی جلالین جلد اول صفحہ ۱۵۹ زیر آیہ اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ یوں لکھا ہے اُخْتُلِفَ فِي التَّوَفِّيْ فَقِيْلَ مَعْنَاهُ مُبَلِّغُكَ الْاَمَلَ نُبَلِّغُ عُمُرَكَ بِتَمَامِهٖ وَلَا تَمُوْتُ بِقَتْلِ اَحَدٍ بَلْ مِنَ اللّٰهِ وَقِيْلَ مَعْنَاهُ بِالنَّوْمِ یعنے توفی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس کے معنے یہ ہیں میں تیری عمر کو مقررہ وقت تک پہنچاؤنگا۔ اور تو کسی شخص کے ہاتھ سے قتل کی موت نہ مریگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے توفات پائیگا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ موت سے مراد نیند ہے +

الغرض اس مفسّر کے نزدیک بھی توفی کے معنے طبعی موت اور قبضِ روح کے ہیں باقی کا وہ خود ذمہ وار ہے +

(۳۳) تفسیر سراج المنیر جلد اول صفحہ ۲۱۰ زیر آیہ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ میں وہی عبارت ہے جو تفسیر کشاف وغیرہ میں ہے یعنے طبعی موت سے مرنا +

(۳۴) ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ پر زیر آیہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یہ ہے۔ ابن کثیر نے کہا مفسرین کا اختلاف ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ سے کیا مراد ہے۔ قتادہ نے کہا اس میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے اِنِّیْ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُتَوَفِّیْكَ یعنے پہلے رفع ہے پھر وفات ہے۔ ابن عباس نے کہا متوفی کے معنے مُمِیْتُ ہے وہب بن منبہ نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کو تین ساعت اول روز میں وفات دی ابن اسحاق نے کہا کہ یہ عقیدہ نصاریٰ کا ہی کہ سات ساعت مرے رہے پھر زندہ ہوگئے۔ دوسرا قول وہب کا یہ ہے کہ تین دن مرے رہے پھر زندہ ہوگئے۔ مطر وراق نے کہا مراد دنیا کی وفات ہے نہ وفاتِ موت۔ اکثر اہل علم کا

قول ہے کہ مراد وفات سے اس جگہ خواب ہے پھر اسی تفسیر کے صفحہ ۳۸۰ پر ہے - ابوزید نے کہا متوفی کے معنے قابض کے ہیں +

(۳۵) تفسیر توضیح مجید جلد اول صفحہ ۴۳۹ پر زیر آیۃ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ یوں کہا ہے - وقتیکہ کہا خدا نے اے عیسیٰ بدرستیکہ میں تمام کرنے والا ہوں عمر تیری کو اجل تک اور پھر وہی مفسر کہتا ہے جو بیضاوی وغیرہ میں ہے کہ طبعی موت سے موت ہوگی - الغرض اس تفسیر سے بھی ایک معنے موت کے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ اس مفسر نے بھی اور مفسروں سے اتفاق کیا ہے

(۳۶) تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ پر زیر آیۃ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ یہ لکھا ہے +

(۱) اِنِّىْ مُتَمِّمٌ عُمْرَكَ فَحِيْنَئِذٍ تَوَفَّاكَ - یعنے میں تیری عمر کو پورا کرنے والا ہوں اور جب پوری ہو جائے گی تو میں تجھے وفات دونگا +

(۲) مُمِيْتُكَ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ - یعنے مارنے والا ہوں اور یہ ابن عباس اور محمد بن اسحاق سے مروی ہے +

(۳) قَالَ الرَّبِيْعُ ابْنُ اَنَسٍ اَنَّهٗ تَعَالٰى تَوَفَّاهُ حِيْنَ رَفَعَهٗ اِلَى السَّمَآءِ ربیع بن انس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُٹھانے کے وقت نیند کی موت دیدی تھی +

غرضیکہ اس تفسیر سے بھی حقیقی موت اور نیند کی موت یعنے قبض روح ثابت ہوتی ہے +

(۳۷) تفسیر فتح المنان جلد ۳ صفحہ ۳۳۱ زیر آیۃ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَالتَّوَفِّىْ يُسْتَعْمَلُ فِىْ اَخْذِ الشَّيْءِ وَافِيًا اَىْ كَامِلًا یعنے توفی مستعمل ہوتا ہے کہ اس وقت جبکہ کسی چیز کا پورا لینا مقصود ہو - الوفاۃ بمعنے الموت ومنہ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا اور وفات موت کے معنے کے لئے بھی آتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ لوگوں کو موت کے وقت ماردیتا ہے بِمَعْنَى النَّوْمِ وَمِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ اَىْ يُنِيْمُكُمْ یعنے نیند کے معنے میں بھی آتا ہے بموجب قول اللہ تعالیٰ کے وہ وہ ذات ہے کہ تم کو رات کے وقت نیند کی موت سے مارتا ہے - یعنے تمہیں سُلا دیتا ہے +

(۳۸) تفسیر ابن کثیر اِخْتَلَفَ الْمُفَسِّرُوْنَ فِىْ قَوْلِهٖ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ فَقَالَ الْقَتَادَةُ وَغَيْرُهٗ هٰذَا مِنَ الْمُقَدَّمِ وَالْمُؤَخَّرِ - یعنے قتادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مقدم موخر ہے - بہر حال توفی کے معنے موت کے ہوئے مقدم موخر ثبوت بزعم قتادہ +

وَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اَیْ مُمِیْتُکَ - اور علی ابن ابی طلحہ ابن عباس سے نقل کر کے کہتا ہے کہ متوفیک کے معنے ہیں تجھے مارنے والا ہوں +

قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ اِسْحٰقَ عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّہٖ قَالَ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثَلٰثَ سَاعَاتٍ یعنے محمد بن اسحاق وہب بن منبہ سے نقل کرتا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ اللہ نے تین ساعت تک حضرت عیسےٰ کو ماردیا تھا +

قَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ وَالنَّصَارٰی یَزْعُمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ تَوَفَّاہُ سَبْعَ سَاعَاتٍ یعنے ابن اسحٰق نے کہا کہ نصاریٰ گمان کرتے ہیں کہ وہ سات ساعت تک مر گئے تھے +

قَالَ اِسْحٰقُ ابْنُ بِشْرٍ عَنْ اِدْرِیْسَ عَنْ وَهْبٍ اَمَاتَہُ اللّٰہُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ - یعنے اسحاق بن بشر ادریس سے اور وہ وہب سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ نے اسکو تین یوم تک مار دیا تھا +

(۳۹) تفسیر فتح القدیر جلد اول قلمی میں زیر آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یوں لکھا ہے قَالَ الْفَرَّاءُ اِنَّ فِی الْکَلَامِ تَقْدِیْمًا وَتَاخِیْرًا تَقْدِیْرُہٗ اِنِّیْ رَافِعُکَ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمُتَوَفِّیْکَ بَعْدَ اِنْزَالِکَ یعنے تقدیم و تاخیر ہے اور تیرے انزال کے بعد تجھے مارونگا +

بہرحال معنے توفی کے موت کے ہوئے +

وَقَالَ اَبُوْ زَیْدٍ مُتَوَفِّیْکَ - قَابِضُکَ - یعنے ابو زید نے کہا ہے کہ متوفیک کے معنے ہیں کہ میں تجھے قبض کرونگا سو قبض بہ تشبیہ روح کو ہوا کرتی ہے +

وَقَالَ فِی الْکَشَّافِ مُسْتَوْفِیْ اَجَلِکَ وَمَعْنَاہُ اِنِّیْ عَاصِمُکَ مِنْ اَنْ یَّقْتُلَکَ الْکُفَّارُ وَمُؤَخِّرٌ اَجَلَکَ - اَیْ اَجَلٌ کَتَبْتُہٗ لَکَ وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ لَا قَتْلًا بِاَیْدِیْهِمْ یعنے کشاف میں ہے کہ تیری عمر کو پورا کرونگا یعنے میں تجھ کو کفار کے ہاتھوں سے قتل سے بچاؤنگا اور تیری اجل کو ڈھیل دونگا یعنے اس عمر تک جو ہم نے تیرے لئے لکھدی ہے اور تجھے طبعی موت سے وفات دونگا اور ان کفار کے ہاتھوں قتل نہیں ہونے دونگا +

(۴۰) تفسیر لطائف القرآن قلمی صفحہ ۳۰۲ زیر آیۃ مذکورہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ مِنَ الصِّفَاتِ وَالْاَوْصَافِ الْحَیَوَانِیَّۃِ یعنے تجھکو صفات اور اوصاف حیوانیہ سے ماردینے والا ہوں۔ اس سے بھی موت ثابت ہوئی - کیونکہ جب انسان صفات حیوانیہ سے الگ کردیا گیا تو اسی کا نام موت ہوا کہ

(۴۱) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ مُتَوَفِّيكَ بَعْدَ اِنْزَالِكَ بِحَالَتِ تَقْدِيْمٍ وَ تَاخِيْرٍ یعنے بحالت تقدیم وتاخیر معنے ہیں کہ تیرے نزول کے بعد تجھے مارونگا۔ وَ مُمِيْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا قَتْلًا بِاَيْدِيْهِمْ یعنے طبعی موت سے مارونگا اوران کفار کے ہاتھوں سے قتل نہیں کراونگا +

(۴۲) تفسیر بیضاوی میں زیرآیۃ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ وہی قول لکھا ہے جو کشاف میں ہے +

دوسری فصل

اِس بیان میں کہ مفسرین نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے کیا معنے کئے ہیں

اب ہم یہاں پر فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنے تفاسیر کلام اللہ سے دکھاتے ہیں +

(۱) تفسیر ابن جریر جلد ۷ صفحہ ۸۴ زیر آیۃ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِيْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ط یوں لکھا ہے +

وَهٰذَا خَبَرٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ عَنْ قَوْلِ عِيْسٰى يَقُوْلُ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا الَّذِيْ اَمَرْتَنِيْ بِهٖ مِنَ الْقَوْلِ اَنْ اَقُوْلَهٗ لَهُمْ وَهُوَ اَنْ قُلْتُ لَهُمْ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا يَقُوْلُ وَكُنْتُ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَهٗ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ شَاهِدًا عَلٰى اَفْعَالِهِمْ وَاَقْوَالِهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ يَقُوْلُ فَلَمَّا قَبَضْتَنِيْ اِلَيْكَ

اور یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا تھا کہ میں نے تو اُن لوگوں کو وہی بات کہی تھی جو بات کہ تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ کہوں اور جو میں نے اُن کے پاس بیان کیا وہ یہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور جو کچھ وہ کرتے تھے میں اُن کے افعال واقوال کو بچشم خود دیکھتا اور سُنتا تھا جب تو نے مجھے

كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ يَقُوْلُ اَنْتَ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمْ وَاِنِّيْ لَاَنِّيْ اِنَّمَا شَهِدْتُ مِنْ اَعْمَالِهِمْ مَا عَمِلُوْهُ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ وَفِيْ هٰذَا بَيَانُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِنَّمَا عَرَّفَهُمْ اَفْعَالَ الْقَوْمِ وَمَقَالَتَهُمْ بَعْدَ مَا قَبَضَهُ اِلَيْهِ وَتَوَفَّاهُ +

قبض کر لیا تو پیچھے تو اُن پر حافظ و نگراں تھا اور میں جب تک اُن کے درمیان رہا میں اُن کے اعمال جو وہ کرتے تھے دیکھتا رہا اور اِس میں کھلا کھلا بیان ہے کہ بعد قبض کر لینے اور وفات دینے مسیح علیہ السلام کے قوم مسیح علیہ السلام کے افعال و اقوال کا خدا تعالیٰ ہی کو علم ہے +

(۲) تفسیر البحر المحیط جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں یوں لکھا ہے +

قَالَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ تَوَفَّاهُ وَفَاتَ الْمَوْتِ قَبْلَ اَنْ يَرْفَعَهُ

کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ رفع سے پہلے حضرت عیسے علیہ السلام کی وفات طبعی موت سے ہوئی تھی +

(۳) تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۷۰۰ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ - وَالْمُرَادُ مِنْهُ وَفَاةُ الرَّفْعِ اِلَى السَّمَاءِ یعنے رفع کی موت مراد ہے یعنے وہ موت جس کا نتیجہ رفعت منزل ہوتی ہے +

(۴) تفسیر غایت البرہان جلد ۱ صفحہ ۹۱۵ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ پس جب تو نے ارادہ میری وفات کا کیا تو تو ہی اُن پر رقیب تھا +

(۵) تفسیر مجمع البیان جلد ا صفحہ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ اَيْ قَبَضْتَنِيْ اِلَيْكَ وَاَمَتَّنِيْ عَنْ جُبَّائِيْ - یعنے امام جبائی کہتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنے ہیں جب تو نے مجھے مار دیا چنانچہ تفصیل اُس کی ذیل میں ہے +

قَالَ الْجُبَّائِيُّ وَفِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهُ اَمَاتَ عِيْسٰى وَتَوَفَّاهُ ثُمَّ رَفَعَهُ اِلَيْهِ لِاَنَّهُ بَيَّنَ اَنَّهُ كَانَ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مَا دَامَ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّاهُ اللّٰهُ كَانَ هُوَ الشَّهِيْدُ عَلَيْهِمْ لِاَنَّ التَّوَفِّيْ لَا يُسْتَفَادُ مِنَ الْاِطْلَاقِ اِلَّا الْمَوْتَ اَلَا تَرٰى اِلٰى قَوْلِ اللّٰهِ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا +

یعنے جبائی نے کہا کہ یہہ آیت اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسے علیہ السلام کو مار دیا اور مار کر اپنی طرف اُٹھا لیا کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ جب تک حضرت عیسٰی اپنی قوم میں رہے اُن کے افعال و اعمال کو دیکھتے رہے - جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو مار دیا تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اُن کے حال پر نگران تھا کیونکہ توفی بغیر موت کے اطلاق کے کچھ

فائدہ نہیں دیتی۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے قول کو نہیں دیکھتے جہاں فرماتا ہے کہ موت کے وقت لوگوں کو متوفی کرتا ہے یعنے مار دیا کرتا ہے +

(۶) تفسیر سید احمد خان صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ میں زیر آیۃ بالا یوں لکھا ہے۔ جب تو نے مجھے فوت کیا تو تو ہی اُن پر نگہبان تھا +

(۷) تفسیر حسینی قلمی۔ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي۔ پس آن ہنگام کہ مرا فرا گرفتی یعنے رفع کردی بآسمان یا بمیرانیدی یعنے اُسوقت جب تو نے مجھے اُٹھا لیا یا مار دیا +

(۸) تفسیر غرایب القرآن جلد ۲ صفحہ ۷۴ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ پس چوں بمیرانیدی مرا بودی تو مواظب بر آنہا۔ یعنے جب تو نے مجھے مار دیا تو تو اُنپر نگہبان تھا +

(۹) تفسیر صافی جلد ۱۔ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي اَلتَّوَفِّيْ اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا وَالْمَوْتُ نَوْعٌ مِنْهُ۔ یعنے توفی کے معنے کسی شے کا پورا لے لینا اور موت بھی اُس کی ایک قسم ہے +

(۱۰) تفسیر معالمات الاسرار جلد ۱ صفحہ ۲۳۵ زیر آیۃ بالا۔ پس ہر گاہیکہ بمیرانیدی مرا و بر آسمان برداشتی بودی تو نگہبان برایشاں۔ یعنے جب تو نے مجھکو مار دیا اور مار کر آسمان پر لے گیا تو تو اُن پر نگراں تھا +

(۱۱) تفسیر فتح المنان جلد ۳ صفحہ ۷۴ زیر آیۃ بالا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو اُن پر تو نگہبان تھا +

(۱۲) تفسیر اکسیر اعظم جلد ۷ صفحہ ۱ از یر آیۃ بالا۔ پھر جب تو نے مجھے لے لیا تو تو اُنپر نگہبان تھا +

(۱۳) حاشیہ شیخ احمد صادی مالکی علی جلالین جلد اول صفحہ ۳۱۵ زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَ[illegible] يُسْتَعْمَلُ التَّوَفِّيْ فِيْ اَخْذِ الشَّيْءِ وَافِيًا اَيْ كَامِلًا وَالْمَوْتُ نَوْعٌ مِنْهُ۔ یعنے توفی کسی چیز کے پورا لینے کے وقت استعمال ہوتا ہے اور موت بھی اُسکی ایک قسم ہے +

(۱۴) تفسیر فتح القدیر قلمی میں زیر آیۃ۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھا ہے۔ قِيْلَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ تَوَفَّاهُ قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَهٗ۔ یعنے کہتے ہیں کہ یہ آیت اسی بات پر دال ہے کہ اللہ سبحانہ نے مسیح علیہ السلام کو اُس کے رفع سے پہلے مار دیا تھا +

(۱۵) تفسیر جامع البیان صفحہ ۱۱۱۔ اَلتَّوَفِّيْ اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا۔ یعنے توفی کے معنے کسی چیز کا پورا پورا لے لینا بھی ہے +

(۱۶) تفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ ۲۱۵ زیر آیہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ عَنِ الْجُبَائِیِّ اَنَّ الْمَعْنٰی اَمَتَّنِیْ وَ ادَّعٰی اَنَّ رَفْعَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَی السَّمَآءِ وَ کَانَ بَعْدَ مَوْتِہٖ یعنے جبائی سے مروی ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ - مجھے مار دیا - اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السمار موت کے بعد تھا +

(۱۷) تفسیر توضیح مجید جلد ۲ صفحہ ۸ زیر آیہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ پس ہرگاہ کہ وفات دی تونے مجھ کو تھا تو نگہبان +

(۱۸) تفسیر بحر مواج جلد اول صفحہ ۲۵۷ زیر آیہ بالا - پس آنگاہ کہ مرا متوفا گردانیدی و بجہانے دیگر رسانیدی ہم تو نگہبان بودی در کار و بار ایشاں یعنے جب تو نے مار دیا اور دوسرے جہان میں لے گیا تو بھر تو اُن کے کاروبار کا نگران حال تھا +

(۱۹) تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ - زیر آیہ بالا قِیْلَ ھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ تَوَفَّاہُ قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَہٗ کہتے ہیں یہ آیت اس امر کی دال کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اُن کو رفع سے پہلے مار دیا تھا +

(۲۰) تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۶ زیر آیہ وَکُنْتُ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ

اَیْ کُنْتُ اَشْہَدُ عَلٰی اَعْمَالِہِمْ حِیْنَ کُنْتُ بَیْنَ اَظْہُرِہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ - قَالَ اَبُوْدَاؤدَ الطَّیَالِسِیُّ حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ قَالَ انْطَلَقْتُ اَنَا وَسُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ اِلَی الْمُغِیْرَۃِ ابْنِ النُّعْمَانِ فَاَمْلٰی عَلٰی سُفْیَانَ وَاَنَا مَعَہٗ فَلَمَّا قَامَ انْتَسَخْتُ مِنْ سُفْیَانَ فَحَدَّثَنَا قَالَ سَمِعْتُ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ یُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

یعنے میں جب تک اُن میں تھا اُن کے اعمال کو دیکھتا تھا - جب تو نے مجھے مار دیا تو تو اُن کا نگہبان تھا - اور تو ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے - ابو داؤد الطیالسی کہتا ہے کہ مجھے شعبہ نے حدیث بیان کی اور کہا کہ میں اور سفیان ثوری مغیرہ ابن نعمان کے پاس گئے - اُس نے سفیان کو مخاطب کر کے تقریر کی اور میں بھی پاس تھا جب وہ کھڑا ہوا تو میں نے اُس کو سفیان سے نقل کر لیا اُس نے ہمارے پاس حدیث بیان کی اور کہا کہ میں نے سعید بن جبیر کو ابن عباس سے روایت

وَسَلَّمَ بِمَوْعِظَةٍ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ مُحْشُوْرُوْنَ اِلَى اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ حُفَاةً عُرَاةً كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهٗ وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ اَلَا وَاِنَّهٗ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اُصَيْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ .... وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عِنْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ عَنْ اَبِي الْوَلِيْدِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَثِيْرٍ +

کرتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ہم میں کھڑے ہوئے اور وعظ فرمانے لگے اور ابتدا یہاں سے کی کہ اے لوگو تم سب اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے کئے جاؤ گے۔ اور تمہاری حالت ویسی ہی ہوگی جیسے ابتدا میں پیدایش کے وقت ننگے پاؤں اور ننگے بدن۔ اور بلا ختنہ ہوتی ہے۔ اور تمام مخلوقات میں سے جسکو سب سے پہلے لباس پہنایا جائیگا ابراہیم علیہ السلام ہونگے۔ خبردار رہو کیونکہ قیامت کے دن میری اُمت کے لوگوں میں سے بعض آدمی لائے جائینگے۔ اور جن کے بائیں ہاتھ میں اعمالنامے ہونگے۔ اُن کو ماخوذ کیا جائیگا۔ تو میں اُسوقت کہونگا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں۔ تو جواب یہ ملیگا کہ تو نہیں جانتا کہ تیری وفات کے بعد اِن لوگوں نے کیا کیا بدعات نکالیں تو میں وہی کہونگا جو ایک نیک بندہ کہہ چکا ہے کہ جب تک میں اُن میں رہا اُن کو راہ راست پر پایا۔ جب تو نے مجھے وفات دیدی تو پیچھے تو نگہبان تھا +

اِن تمام تفاسیر کی عبارات سے صاف واضح ہے کہ ایک جماعت اس امر کی ہمیشہ سے قائل چلی آئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ قطعی طور سے کسی سے بھی کوئی فیصلہ نہو سکا۔ اور وہ ہمیشہ شکی اور ظنی بنا پر قایم رہے ہیں اکثروں نے نزول والی احادیث سے یہی سمجھا ہے کہ حضرت عیسیٰ ہی زندہ آسمان پر گئے ہیں۔ اور وہی نازل ہونگے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے لفظ توفی میں اس قدر اختلافات کئے ہیں حتیٰ کہ کئی کئی توجیہیں ان کو گھڑنی پڑیں۔ اگر وہ قرآن شریف کی دیگر آیات سے مدد لیتے اور خود قرآن شریف کے محاورہ کو مدنظر رکھتے تو اُن کو اس قدر تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی بعض سے جب کچھ بن نہ پڑا تو اُنہوں نے نیند کی موت تجویز کر لی۔ مگر ساتھ ہی اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ نیند میں تو روح کا رفع ہوتا ہے نہ جسم کا روزمرہ کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان جہاں سوتا ہے وہاں اُس کا جسم بیکار پڑا رہتا ہے پھر

کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ مسیح کا جسم اپنی جگہ سے آسمان پر چلا گیا۔ سو جو لوگ مسیح کی زندگی کے قائل ہیں ان کو اس امر کا ثبوت دینا چاہئیے کہ حضرت مسیح کا جسم فلاں مکان پر پڑا ہے۔ لیکن یہ تو ممکن ہی نہیں کہ وہ دکھلا سکیں۔ لہذا مجبوراً اُن کو اور جھوٹی تاویلیں کرنی پڑیں جو نہایت ہی دُور از قیاس ہیں۔ حالانکہ کسی نے بھی روایت وفات پر جرح نہیں کی اور اگر اصول محدثین اَلْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَی النَّافِیْ کو بھی مدنظر رکھتے تو بھی وفات ہی کا پہلو بھاری رہتا۔ کیونکہ وفات کے متعلق صرف ایک آدھ آدمی کا بیان کر دینا کافی ہوتا ہے اور اگر بہت لوگ وفات کے قائل نہ بھی ہوتے تو بھی مثبت نافی پر مقدم ہے دیکھو الحصول المامول من علم الاصول صفحہ ۱۱۶۔

تیسری فصل

اس باب میں کہ احادیث سے بھی وفات حضرت مسیح علیہ السلام ثابت ہے

یہاں پر ہم اوّل اُن احادیث کو پیش کرتے ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صراحتاً یا کنایتاً فوت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اُن احادیث سے یہ بھی واضح ہو جائیگا کہ کن کن بزرگان دین نے اُن احادیث کو اپنی اپنی کتابوں میں درج فرما کر اُن کی وقعت کو بڑھا دیا ہے۔

(۱) بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۵ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ یعنے ابن عباس کہتے ہیں کہ مُتَوَفِّیْكَ کے معنے ہیں میں تجھے مارونگا۔

(۲) ابو محمد محمود بن محمد عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کی جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ میں ابن عباس کے متذکرہ قول کی یوں اسناد بیان کرتے ہیں هٰذَا رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِیْهِ حَدَّثَنَا اَبُوْ صَالِحٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ گویا اس مؤلف نے اس کی تائید کر دی ہے۔

(۳) عینی میں صفحہ ۵۹۳۔ زیر قول وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ لکھا ہے۔

وَقَالَ الْکِرْمَانِیُّ ذَکَرَ هٰذِهِ الْکَلِمَةَ مِنْهُمَا وَاِنْ کَانَتْ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ بِمُنَاسَبَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ	کرمانی کہتا ہے کہ اس کلمہ متوفیک کو اس جگہ بیان کرنا حالانکہ سورہ آل عمران کا جملہ ہے۔ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کو فلما توفیتنی کنت

كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَكِلَاهُمَا مِنْ قِصَّةِ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْ تَعْلِيْقِ ابْنِ عَبَّاسٍ +	انت الرقیب علیہم سے مناسبت ہے کیونکہ دونوں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہیں +

(۴) بخاری میں صفحہ ۴۹۰ و ۶۷۴ - یہ حدیث ہے +

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ نَا سُفْيٰنُ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْشَرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ فَاَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ ثُمَّ يُؤْخَذُ بِرِجَالٍ مِنْ اَصْحَابِيْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اَصْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ - اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ	یعنے ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ننگے ادر زادو قیامت کے دن اُٹھائے جائینگے - پھر آپنے آیۃ کما بدأنا الی آخرہ پڑھی - اول جس کو لباس پہنایا جاویگا وہ ابراہیم علیہ السلام ہونگے - پھر میرے اصحاب ذات الیمین و ذات الشمال میں سے پکڑے جائینگے تو میں کہونگا یہ تو میرے اصحاب ہیں - تو یہ جواب ملیگا کہ یہ لوگ مرتد ہوگئے جب تو ان سے جدا ہوا تو میں وہی کہونگا جو نیک بندہ عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا - میں اُن کے حال سے واقف تھا جب تک میں اُن میں رہا جب تو نے ماردیا پیچھے تو نگہبان تھا +

اِس کی تائید عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۸۳۳ سے یوں ہوتی ہے +

قَوْلُهٗ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَهُوَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ صَلٰوةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا - قَوْلُهٗ	پس اس حدیث سے حضرت مسیح کا فوت ہونا بخوبی ثابت ہے - کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا اِلٰى آخِرِهٖ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتُ فِيْهِمْ اَیْ كُنْتُ اَشْهَدُ عَلٰى اَعْمَالِهِمْ حِيْنَ كُنْتُ بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ اَیْ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمْ ۔

اُنہیں الفاظ کو جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے استعمال کئے ہیں اپنے اوپر چسپاں کر کے حل کر دیا ہے کہ جو حال میرا ہوا وہی مسیح کا ہوا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا ہے۔ لہذا مسیح کا بھی انتقال ہو گیا ۔

(۵) امام حافظ ابو الفدا اسماعیل ابن عمر قرشی دمشقی اپنی تفسیر بنام ابن کثیر کی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ میں یوں تحریر فرماتے ہیں ۔

وَبَعْضُ الْاَحَادِيْثِ لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ فَالرَّسُوْلُ مُحَمَّدٌ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوٰةُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

یعنے بعض حدیثوں میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو اُن کو بجز ہماری اطاعت کے اور کچھ چارہ نہ ہوتا۔ پس محمدؐ رسول اللہ تمام نبیوں کی مُہر ہے جس پر ہمیشہ قیامت تک خدا کا درود اور سلام ہو۔ اس بزرگ محدث نے اس پر کوئی جرح نہیں کی اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسطرح موسیٰ فوت ہو چکا ہے اسی طرح عیسیٰ بھی مر چکا ہے۔

(۶) نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم بھوپالوی اپنی تفسیر ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۶۱ میں حدیث متذکرہ بالا یعنے لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ کو درج فرمایا ہے جرح نہیں کی ہے اور اُسکو صحیح تسلیم کیا ہے ۔

(۷) خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فصل الخطاب کے صفحہ ۴۷۴ میں اُس حدیث کو ان الفاظ میں زیب رقم فرمایا ہے وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَوْ اَدْرَكَاهُ لَزِمَهُمَا الدُّخُوْلُ فِیْ شَرِيْعَتِهٖ۔ یعنے اگر عیسےٰ اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام ہمارا زمانہ پاتے تو لازمی طور سے ہماری شریعت کے پابند ہوتے ۔

(۸) خواجہ محمد پارسا صاحب اسی کتاب کے اُسی صفحہ پر دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَدْرَكَنِیْ مُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ دیکھو کتاب مذکورہ بالا۔ اس بزرگ نے بھی اس حدیث کو صحیح سمجھ کر اپنی کتاب

میں لکھا ہے اور کوئی جرح نہیں کی +

(۹) کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر مصنفہ عارف ربانی امام سید عبد الوہاب شعرانی میں بصفحہ ۲۴ حدیث ذیل بدیں الفاظ لکھی ہے +

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ اِنَّمَا کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ لِاَنَّ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نُوَّابٌ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰی اٰخِرِ الرُّسُلِ وَھُوَ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کَمَا اَبَانَ عَنْ ذٰلِکَ حَدِیْثُ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ مَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ وَصَدَقَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ذٰلِکَ فَاِنَّہٗ لَوْ کَانَ مَوْجُوْدَ الْجِسْمِ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰی زَمَانِ وُجُوْدِہٖ لَکَانَ جَمِیْعُ بَنِیْ اٰدَمَ تَحْتَ شَرِیْعَتِہٖ حِسًّا وَلِھٰذَا لَمْ یُبْعَثْ نَبِیٌّ اِلَی النَّاسِ عَامَّۃً اِلَّا ھُوَ خَاصَّۃً فَجَمِیْعُ شَرَآئِعِ الْاَنْبِیَآءِ ھِیَ بِالْحَقِیْقَۃِ شَرِیْعَۃٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں۔ اور یہ بات فخر کی رو سے نہیں کہتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردار بنی آدم ہیں اور وجہ یہ ہے کہ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اُن کے نائب ہیں۔ آدم سے لیکر آخری رسول یعنے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو اُن کو بغیر میری اطاعت کے کوئی چارہ نہ ہوتا اور بلاشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہوتے تو حضرت آدم سے لیکر اُن کے زمانۂ وجود تک تمام بنی آدم اُن کی شریعت کے زیر سایہ ہوتے۔ اور یہی سبب ہے کہ کوئی نبی بھی کافۃ الناس کے پاس نہیں بھیجا گیا اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک فرد ہیں جو سب کے لیے مبعوث ہوئے۔ لہذا تمام نبیوں کی شریعتیں فی الاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہیں +

(۱۰) کتاب مدارج السالکین قلمی مصنفہ فخر المحدثین امام ابن قیم شامی کے صفحہ ۱۳۳ جلد ۲ پر یہ حدیث یوں درج ہے لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی عَلَیْہِمَا السَّلَامُ حَیَّیْنِ لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِہٖ یعنے اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ضرور اسکے اتباع میں داخل ہوتے +

(۱۱) کتاب مواہب لدنیہ زرقانی شرح میں حدیث لَوْ کَانَ عِیْسٰے وَمُوْسٰی حَیَّیْنِ لِمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ جلد ۶ صفحہ ۴۷ مفصل درج ہے +

(۱۲) رسالہ بشارات احمدیہ مصنفہ مولوی سید علی حائری شیعی کے صفحہ ۲۴ پر یوں لکھا ہے۔ ونیز خود آنحضرت فرمودہ است لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰے فِیْ حَیٰوتِھِمَا مَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ یعنے اگر موسیٰ وعیسیٰ در دنیا مے بودند ممکن نمے بود ایشاں راگر آنکہ متابعت من میکردند +

(۱۳) رسالہ براہین محمدیہ جو بشارات احمدیہ کے حاشیہ پر درج ہے بصفحہ ۴۲ لکھا ہے آنحضرت نے فرمایا ہے:۔ لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰے فِیْ حَیٰوتِھِمَا مَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ یعنے اگر موسیٰ وعیسیٰ دُنیا میں ہوتے تو اُن کے واسطے میری فرمانبرداری کے سوا اور کچھ ممکن نہ تھا +

(۱۴) المواہب اللدنیہ مصنفہ علامہ قسطلانی کے جلد اوّل صفحہ ۴۲ پر یوں لکھا ہے +

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ لِفَاطِمَةَ اَنَّ جِبْرَئِیْلَ کَانَ یُعَارِضُنِی الْقُرْاٰنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَرَّةً وَاَنَّهٗ عَارَضَنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَامَ مَرَّتَیْنِ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ اِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِیْ قَبْلَهٗ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ وَلَا اَرٰی اِلَّا ذَاھِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ اِنْتَھٰی مُلَخَّصًا +

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام بیماری میں جس سے وہ بالآخر فوت ہو گئے فاطمہ کو فرمایا تھا کہ جبرائیل ہر سال ایک دفعہ قرآن شریف عرض کیا کرتا تھا۔ اور اس سال اُس نے دو دفعہ عرض کیا ہے اور یہ بھی مجھے خبر دی ہے کہ کوئی بھی نبی نہیں کہ جس کی عمر اپنے ماقبل سے نصف نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بھی مجھے خبر دی ہے کہ عیسیٰ بن مریم نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی لہذا میں امید کرتا ہوں کہ میں ۶۰ کے شروع میں اس دنیا سے کوچ کرونگا +

(۱۵) کتاب ماثبت بالسنہ مصنفہ عبد الحق محدث دہلوی کے صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے +

مَا وَقَعَ فِیْ مَرَضِهٖ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُیِّرَ عِنْدَ مَوْتِهٖ یَقُوْلُ فِیْ اٰخِرِ مَرَضِهٖ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو موت کے وقت حیات دنیا و آخرت میں اختیار دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی آخری مرض میں کہا کہ اُسے

وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔ | اللہ مجھ کو اُن لوگوں کے ساتھ کر دے یعنے اُن

نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام کیا اور یہی عمدہ رفیق ہیں۔ اس سے بھی مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر آسمان پر زندہ رہنا کوئی نعمت ہیں داخل تھا تو ضرور جب اللہ تعالیٰ نے فخر بنی آدم کو اختیار دیا کہ جو تو پسند کرے تجھے دیا جاویگا اب اُنہوں نے وہ انعام طلب کیا جو نبیوں پر ہوا۔ اگر مسیح زندہ آسمان پر تھا تو ضرور اُن کو بھی اس انعام سے متمتع کیا جاتا۔

(۱۶) شرح مواہب لدنیہ مصنفہ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی کی جلد اول صفحہ ۴۲ میں یوں لکھا ہے۔

وَالْمُصَرَّحُ بِهٖ فِی الْاَحَادِیْثِ النَّبَوِیَّةِ اَنَّهٗ اِنَّمَا رُفِعَ وَهُوَ ابْنُ مِائَةٍ وَعِشْرِیْنَ سَنَةً اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ بِسَنَدٍ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْهِ لِفَاطِمَةَ اَنَّ جِبْرِیْلَ کَانَ یُعَارِضُنِی الْقُرْاٰنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَرَّةً وَاَنَّهٗ عَارَضَنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَامَ مَرَّتَیْنِ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ اِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِیْ قَبْلَهٗ وَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ وَلَا اَرَانِیْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ اِنْتَهٰی مُلَخَّصًا۔

اور حدیث نبویہ میں بتصریح آیا ہے کہ جب مسیح کا بعد موت رفع ہوا اُسوقت اُن کی عمر ۱۲۰ سال کی تھی اور طبرانی نے کبیر میں حضرت عائشہ سے روایت بیان کی ہے اور اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرض میں جس سے اُنکی وفات ہوئی فاطمہ کو فرمایا کہ جبرئیل ہر سال ایک دفعہ قرآن شریف کا معارضہ کرتا تھا لیکن اس سال اُس نے دو دفعہ معارضہ کیا اور یہ بھی مجھے اطلاع دی کہ عیسٰی بن مریم ۱۲۰ سال زندہ رہے اور میں دیکھتا ہوں کہ ۶۰ برس کے سرے پر میں بھی جانیوالا ہوں۔ خلاصہ کے طور پر بیان ہوا۔

(۱۶) تفسیر کمالین کے حاشیہ پر یوں لکھا ہے۔

وَمِنْ مُرْسَلِ ابْنِ الْمُسَیَّبِ اَنَّهٗ عَاشَ ثَمَانِیْنَ سَنَةً لٰکِنَّهٗ مِنْ رِوَایَةِ عَلِیِّ بْنِ

ابن مسیب کے مرسل میں تو یہ ہے کہ وہ ۸۰ برس تک زندہ رہے۔ لیکن اُس میں جو روایت

زُیِّدِ مِنْہُ وَھُوَ ضَعِیْفٌ وَفِی الْمُسْتَدْرَکِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عِیْسٰی عَاشَ مِائَۃً وَعِشْرِیْنَ سَنَۃً کَذَا فِی الْاِصَابَۃِ ۔

علی ابن زید کی ہے وہ ضعیف ہے۔ اور مستدرک حاکم میں وہ اپنے چچا کے بیٹے سے روایت کرتا ہے کہ عیسیٰ ۱۲۰ برس تک زندہ رہا۔ ایسا ہی اصابہ میں بھی ہے ✦

(۱۷) حجج الکرامہ فی آثار القیامہ کے صفحہ ۴۲۸ میں یوں لکھا ہے ✦

حَدِیْثُ طَبْرَانِیِّ وَحَاکِمٍ وَمُسْتَدْرَکُ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ لِفَاطِمَۃَ اِلٰی اٰخِرِہٖ

غرض وہی حدیث ہے جو مواہب لدنیہ میں ہے الا اتنا اور ایزاد کیا ہے وَرِجَالُہٗ ثِقَاتٌ وَلَہٗ طُرُقٌ یعنے اُن کے راوی سب ثقہ اور معتبر ہیں۔ اور یہ حدیث کئی طریق پر آئی ہے ✦

(۱۸) حلیہ ابونعیم میں بروایت زید بن ارقم یہ حدیث آئی ہے ✦

مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا عَاشَ نِصْفَ مَا عَاشَ النَّبِیُّ الَّذِیْ کَانَ قَبْلَہٗ

دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹۔ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں مامور کیا وہ اُس نبی سے جو اُس سے اوّل ہوتا رہا نصف زندگی پاتا رہا۔ اس سے بھی وفات مسیح ثابت ہے۔ کیونکہ مسیح کی عمر ۱۲۰ یا ۱۲۵ برس کی ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر اُن سے نصف ہے۔ یعنے ۶۳ برس ✦

(۱۹) طبرانی میں فاطمۃ الزہرا سے یوں مروی ہے ✦

اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ نَبِیٌّ کَانَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ اِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِیْ کَانَ قَبْلَہٗ وَاَنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ سَنَۃٍ وَاَنِّیْ لَا اَرَانِیْ اِلَّا ذَاھِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ

یعنے جو نبی بعد میں ہوتا رہا وہ اُس نبی سے جو اُس سے پہلے ہوتا رہا نصف عمر پاتا رہا اور عیسیٰ بن مریم ۱۲۰ برس تک زندہ رہے لہذا میں دیکھتا ہوں کہ میں ۶۰ برس کے سرے پر دنیا کو ترک کرونگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰

(۲۰) اَعْمَارُ اُمَّتِیْ مَا بَیْنَ السِّتِّیْنَ اِلَی السَّبْعِیْنَ وَاَقَلُّھُمْ مَنْ یَّجُوْزُ ذٰلِکَ

میری اُمّت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں۔ اور بہت ہی تھوڑے ہیں جو اِس عمر کو

رَوَاہُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ	پہنچینگے +

اِس حدیث سے ثابت ہے کہ اگر مسیح کو اس امت میں سمجھا جائے جیسا کہ بعض علماء زمان کا خیال ہے تو بھی بموجب اس حدیث کے وہ مر چکے ہیں۔ دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۱۹ +

(۲۱) مصنف ابن ابی شیبا میں باسناد جابر بن عبد اللہ یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْکُمْ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ یَأْتِیْ عَلَیْھَا مِائَةُ سَنَةٍ وَھِیَ حَیَّةٌ یَوْمَئِذٍ	جابر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جاندار آج سے سو برس تک زندہ نہیں رہیگا +

اِس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۵۳ یہاں زمین کی تخصیص نہیں ہے +

(۲۲) اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ خَیْرُ الْاَوَّلِیْنَ وَ خَیْرُ الْاٰخِرِیْنَ وَخَیْرُ السَّمٰوٰتِ وَخَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ رَوَاہُ الْحَاکِمُ فِی الْکُنٰی وَاَبُوْ اَحْمَدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَعْرُوْفُ بِابْنِ عَدِیٍّ فِیْ کِتَابِ کَامِلِ ابْنِ عَدِیٍّ	حاکم اور ابن عدی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر اور عمر اولین اور آخرین اور اور آسمان والوں اور زمین والوں سے بہتر ہیں بجز انبیاء و رسل کے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۱ +

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت مسیح نبی ہیں تو بموجب حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آنہیں سکتے۔ اور اگر نبوت سے محروم کئے گئے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کا درجہ اِن سے بہتر ہے۔ اِس حالت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سخت ہتک و بے عزتی ہے کہ اس امت کے لوگوں کا نبی سے بھی بڑھکر درجہ ہوا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۱ +

(۲۳) کَانَ فِیْمَا خَلَا مِنْ اِخْوَانِیْ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ ثَمَانِیَةَ اٰلَافِ نَبِیٍّ ثُمَّ کَانَ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ ثُمَّ کُنْتُ اَنَا بَعْدَہٗ رَوَاہُ الْحَاکِمُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ عَنْ اَنَسٍ یعنے نبیوں میں سے جس قدر میرے بھائی مر چکے ہیں وہ آٹھ ہزار نبی تھے۔ پھر اُن کے بعد مریم کا بیٹا عیسٰے ہوا اُس کے بعد میں ہوا۔ اس کو حاکم و ترمذی و بیہقی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۱

اِس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسیح کا زمانہ نبوت ہو چکا تو مبرادور شروع ہوا جس سے حضرت مسیح کی وفات ہی ثابت ہوتی ہے +

(۲۴) بخاری میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں +

رَاَیْتُ عِیْسٰے وَمُوْسٰے وَاِبْرَاهِیْمَ فَاَمَّا عِیْسٰے فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ وَاَمَّا مُوْسٰے فَآدَمُ جَسِیْمٌ سَبِطٌ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ وَاَمَّا اِبْرَاهِیْمُ فَانْظُرُوْا اِلٰی صَاحِبِکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَہٗ +

کہ میں نے عیسیٰ و موسٰے و ابراہیم کو دیکھا عیسٰے تو سُرخ رنگ۔ بال گھونگروالے اور چوڑی چھاتی والے۔ لیکن موسیٰ گندمی رنگ جسیم بدن والا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قبیلہ زط کے لوگوں میں سے ہے۔ اور ابراہیم کی صورت شکل ایسی ہے جیسی تم میری دیکھتے ہو +

اس حدیث سے عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کو موتیٰ میں دیکھا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی زندہ مُردوں میں جاکر نہیں رہ سکتا۔ لہذا حضرت عیسے مرچکے ہیں اور اُن انبیا کے ساتھ ہیں جو دُنیا سے وفات پا چکے ہیں +

(۲۵) اَوَّلُ الرُّسُلِ آدَمُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ وَاَوَّلُ اَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مُوْسٰے وَاٰخِرُهُمْ عِیْسٰے وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِالْقَلَمِ اِدْرِیْسُ۔ رَوَاهُ الْحَکِیْمُ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ +

حکیم حضرت ابو ذر سے روایت کرتے ہیں کہ آدم سب سے پہلا رسول ہے اور بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے سب سے پہلا نبی موسیٰ ہے اور سب سے آخری عیسٰے۔ اور جس نے سب سے پہلے قلم سے لکھا وہ ادریس علیہ السلام ہیں +

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے انبیا کا خاتم لکھا ہوا اور اپنے آپکو رسول اللہ نے تمام مرسلین کا خاتم۔ لہذا اس حدیث سے مسیح کا یقینی طور سے مرنا ثابت ہے +

(۲۶) اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اَدْرَکْتُ حَیًّا وَمَنْ یُّوْلَدُ بَعْدِیْ۔ رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا +

یعنی ابن سعد حسن سے مرسل طور سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میں اُس کے لئے رسول ہوں جس کو میں نے

پایا یعنے جو میرے وقت میں زندہ ہے۔ اور نیز اُس کے لئے جو میرے بعد پیدا ہونگے +
اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ اگر زندہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے۔ اور پھر وَمَنْ یُّولَدُ بَعْدِیْ میں مسیح علیہ السلام داخل نہیں ہوسکتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصر کر دیا کہ جو از سر نو پیدا ہونگے اُن کے لئے رسول ہوں لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیونکر رسول ہوسکتے ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ +

(۲۷) كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ۔ رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ قَتَادَةَ مُرْسَلًا۔ یعنے ابن سعد قتادہ سے مرسل طور سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدائش میں میں سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔ اور بعثت میں سب سے آخر مقرر کیا گیا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۲ +

اس حدیث سے عیاں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری بعثت سب انبیاء کے پیچھے کی گئی ہے۔ اب اگر مسیح پھر مبعوث ہوں تو پھر یہ قول صحیح نہیں ٹھہر سکتا +

(۲۸) اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ وَالنَّسَائِیُّ عَنْ جَابِرٍ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالطَّبْرَانِیُّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ +

بیہقی اور نسائی جابر سے اور احمد بن حنبل اور طبرانی ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ ایسی باتیں مجھے عطا کی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے انبیا میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئیں ایک تو یہ کہ مجھے ایسا رعب دیا گیا ہے کہ لوگ ایک مہینے بھر کی مسافت سے کانپتے ہیں۔ دوسری یہ بات کہ میرے لئے زمین سجدہ گاہ اور پاک بنائی گئی ہے۔ میری اُمت کا ہر شخص جب اُس کو نماز کا وقت آ جائے جہاں چاہے ادا کر سکتا ہے اور تیسری یہ بات کہ میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئیں۔ اور مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہیں ہوئی تھیں۔ اور چوتھی یہ بات کہ مجھے شفاعت کا مرتبہ عطا کیا گیا۔ اور پانچویں یہ بات کہ جو نبی مبعوث ہوتا

تھا وہ خاص اپنی قوم کے لئے مبعوث ہوتا تھا۔ اور میں کافۃ الناس کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۳ +

اِس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر کیا ہے کہ پانچ ایسے امر مجھے عطا کئے گئے ہیں جن کو اور کوئی نبی نہیں حاصل کر سکا۔ جب یہ فضیلت خاص رسول اللہ کے لئے ہے تو اس میں حضرت مسیح کیونکر شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر اُنکا آنا ضروری ہے پھر رسول اللہ کے لئے یہ فخر خاص نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جب مسیح بھی ان امور میں شامل ہو گیا تو پھر کیسا فخر۔ اور سب سے بڑھکر یہ بات قابلِ نوٹس اور توجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو نبی آپ سے پہلے گذرے ہیں وہ سب اپنی قوم کے لئے بھیجے گئے تھے اور میں تمام دنیا کی اقوام کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتا اور اُس نے دوبارہ آکر تمام اقوام دُنیا کو تبلیغ کرنی تھی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فخر بیفائدہ ہو جاتا ہے +

(۲۹) اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَآءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّۃِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ عَنْ اَنَسٍ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَتِرْمَذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ یعنے مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی و نسائی انس سے روایت کرتے ہیں کہ میرے تابعدار دوسرے انبیاء کے تابعداروں سے قیامت کے روز زیادہ ہونگے۔ اور میں سب سے پہلے باب الجنّت کو کھٹ کھٹاؤنگا۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ +

اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر ظاہر فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے روز میری امت دوسرے انبیاء کی امتوں سے بہت ہی بڑھکر ہو گی۔ لیکن اگر مسیح زندہ ہیں اور وہی واپس آئینگے۔ اور کل روئے زمین کے اہل کتاب کفار اُن پر ایمان لائینگے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر کہ میری امت سب امتوں سے زیادہ ہو گی کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مدت اُس حد تک محدود ہو گئی جبکہ مسیح نازل ہو گئے اور مسیح کو مبعوث ہوئے اب تک ۱۹۰۰ برس گذر چکے ہیں۔ تو اوّل بعثت کے ایمان لانے والے اور بعد نزول کے ایمان لانے والوں کی کوئی حدِ شمار نہیں رہیگی کیونکہ جب حال میں دیکھا جاتا ہے کہ مسیح کی امت کے لوگوں کی تعداد بمقابلہ امتِ محمدی

تھوڑی ثابت ہوتی ہے۔ جیسے کہ دُنیا کی مردم شماری سے واضح ہے۔ اور پھر اگر نزول مسیح کے بعد کے زمانہ کو قیامت تک حساب میں لایا جائے تو پھر کس قدر تعداد میں زیادتی ہوتی ہے۔ بنابریں کیونکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فخر کے مستحق ہو سکتے ہیں لہذا یا تو اس حدیث کو غلط قرار دینا پڑیگا۔ یا مسیح ناصری کے دوبارہ تشریف لانے کو غلط متصور کرنا پڑیگا ہمارے خیال میں حدیث صحیح ہے۔ اور ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت امت کا فخر حاصل ہے۔ اور بالضرور مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ وہ کسی صورت سے اس فخر میں شریک نہیں ہوسکتے اور اگر کوئی کہے کہ وہ نبی ہو کر نہیں آئیگا بلکہ امتی بن کر آئیگا تو قیامت کے روز تو مسیح امت محمدیہ کے ساتھ بطور اُمتی ہوگا تو پھر وہ امت عیسیٰ علیہ السلام جو اُن کی اول بعثت میں جبکہ وہ نبی تھے کس کے جھنڈے کے نیچے ہوگی کیونکہ وہ تو اب نبوت سے معزول ہو چکے ہیں وہ نبیوں کی ذیل میں کیونکر ہو سکتے ہیں۔ مگر ایسا خیال کرنا نبی کی توہین ہے اس لئے یہی ماننا پڑیگا کہ مسیح مر چکا ہے اُن کو نبوت سے معزول کرنے کی ضرورت نہیں +

(۳۰) مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا شَابًّا رَوَاهُ ابْنُ مَرْدُوْيَه وَالضِّيَاءُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ابن مرویہ اور ضیائنے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ نے کسی کو مبعوث کیا تو جوان ہی مبعوث کیا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ اس حدیث سے واضح ہے کہ مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اگر بقول علماء وہ زندہ ہے۔ اور اُس کی عمر اب ۱۹۰۰ برس سے زائد ہو چکی ہے تو بلاشک وہ پیر فرتوت ہو چکے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو اصدق الصادقین ہیں فرماتے ہیں۔ تمام انبیا جوان بھیجے گئے۔ اور تواریخ بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ رسول ہمیشہ جوان آتے رہے ہیں۔ تو پھر خلاف شہادت افضل الرسل و مورخین کیونکر تسلیم کر لیا جائے۔ کہ حضرت عیسیٰ نہیں مرے بلکہ اتنی بڑی عمر پاکر امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے آسمان سے آئینگے اور کوئی نبی آدم ازل زمانہ سے محفوظ نہیں جیسا ہم آگے ثابت کرینگے +

(۳۱) مَا بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيًّا قَطُّ فِيْ قَوْمٍ ثُمَّ يَقْبِضُ اِلَّا جَعَلَ بَعْدَهٗ فَتْرَةً وَمَلَاءَ مِنْ تِلْكَ الْفَتْرَةِ جَهَنَّمَ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ یعنے طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کسی قوم میں مبعوث کیا۔ اور پھر اُس کو

وفات دی نواس کے بعد ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے جو عدم موجودگی نبی فترۃ کہلاتا ہے جس فترۃ کی وجہ سے جہنم بھرا جاتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰۔

اِس حدیث سے واضح ہے کہ جس نبی کو دنیا میں مامور کرکے کسی قوم پر بھیجا گیا تو اُس کی روح کو قبض بھی کیا گیا اور پھر اُس کے مرنے کے بعد ایک فترۃ کا زمانہ قایم ہوتا رہا جس زمانہ میں لوگ سُنت اور شریعت سے رفتہ رفتہ دست بردار ہوکر وارثِ جہنم ہوجاتے ہیں اب دیکھنا ہے کہ مابین زمانہ حضرت عیسےٰ و حضرت ختم المرسلین فترۃ کا زمانہ تھا کہ نہیں۔ اور نصاریٰ گمراہ ہو چکے تھے کہ نہیں۔ اور وہ مستحقِ جہنم ہو گئے تھے کہ نہیں۔ ضرور وہ گمراہ ہو گئے تھے جس کی خبر قرآنِ شریف بڑے زور سے دیتا ہے۔ اور تاریخ دنیا کامل طور سے تصدیق کرتی ہے پس واقعات بالا سے مسیح کا وفات پانا ہی ثابت ہوتا ہے۔

(۳۲) قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِنْ اَصَابَھُمْ مَا یُحِبُّوْنَ حَمِدُوْا وَشَکَرُوْا وَاِنْ اَصَابَھُمْ مَا یَکْرَھُوْنَ صَبَرُوْا وَاحْتَسَبُوْا وَلَا حِلْمٌ وَلَا عِلْمٌ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ یَکُوْنُ لَھُمْ ھٰذَا وَلَا حِلْمٌ وَلَا عِلْمٌ قَالَ اُعْطِیْھِمْ مِنْ حِلْمِیْ وَعِلْمِیْ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَحَاکِمٌ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ اَبِیْ دَرْدَاءِ

امام احمد بن حنبل اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو درداء سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے عیسیٰ میں تیرے بعد ایک ایسی امت کھڑی کرنے والا ہوں اگر اُن کو وہ چیز میسر ہو جائے جس کو وہ محبوب سمجھتے ہیں تو وہ حمد اور شکر کیا کرینگے اور اُن کو کوئی ایسی چیز ملیگی جس کو وہ مکروہ سمجھتے ہیں تو وہ صبر کرینگے اور رُکے رہینگے حالانکہ نہ اُن کو بُردباری ہوگی اور نہ علم ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب یہ اُن کو کیونکر میسر ہوگا جبکہ اُنکو نہ حلم ہے اور نہ علم تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے پاس سے حلم بھی عطا کرونگا اور علم بھی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۱۔

(۳۳) اِنَّ لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلًا وَاِنَّ لِاُمَّتِیْ مِائَةَ سَنَةٍ فَاِذَا مَرَّتْ عَلٰی اُمَّتِیْ مِائَةُ سَنَةٍ اَتَاھَا مَا وَعَدَھَا اللّٰہُ

یعنے طبرانی نے مستورد بن شداد سے روایت کی ہے کہ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور میری اُمت کے لوگوں کی عمر سو برس ہے

رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ عَنِ الْمُسْتَوْرَدِ بْنِ شَدَّادٍ +

جب اُن پر سو برس گذریگا تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اس امت کے لوگوں کے لئے کیا گیا ہے پورا ہوگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ +

اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ میری امت کے لوگوں کی عمر سو برس کی ہوا کریگی۔ اب اگر حضرت عیسےٰ اس امت میں داخل ہیں تو اُن پر بھی یہی قاعدہ الٰہی جاری ہے۔ پس اس صورت میں بھی وہ زندہ نہیں +

(۳۴) اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی رِیْحًا یَبْعَثُھَا عَلٰی رَأْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ تَقْبِضُ رُوْحَ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰے وَالرُّوْیَانِیْ وَابْنُ قَانِعٍ وَالْحَاکِمُ وَالضِّیَاءُ عَنْ بُرَیْدَۃَ +

ابو یعلے۔ اور رویانی۔ اور ابن قانع اور حاکم اور حافظ ضیاء الدین نے بریدہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ہوا ہے جس کو صدی کے سر پر بھیجتا ہے جس سے ہر مومن کی روح قبض کی جاتی ہے +

اس حدیث سے بھی واضح ہے کہ اگر مسیح علیہ السلام جماعتِ مومنین میں داخل ہیں۔ تو بموجب حدیث نبوی مدت سے مر چکے ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ +

(۳۵) لَمْ یَبْعَثُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِیًّا اِلَّا بِلُغَۃِ قَوْمِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ +

امام احمد بن حنبل نے ابو ذر سے روایت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مامور کر کے نہیں بھیجا مگر اُس کی اپنی قوم کی لغت میں دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ +

اس حدیث سے واضح ہے کہ جو نبی آیا وہ اپنی قوم کی زبان کے ساتھ آیا اور اُسی زبان میں تبلیغ احکام کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی زبان تو عبرانی تھی اور وہ زبان صفحۂ دنیا سے اُٹھ چکی ہے اب اس کا بولنے والا کوئی نہیں رہا۔ اب اُسکو مُردہ زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے تو اگر وہ دُنیا میں بقول علماء زبان آجاویں تو وہ کس زبان میں تبلیغ فرماوینگے۔ عربی سے تو وہ محض ناآشنا ہیں۔ اگر وہ قرآن کی تعلیم کی اشاعت کرینگے تو عربی کہاں سے سیکھینگے غالباً یہی جواب ملیگا کہ خدا تعالیٰ اُن کو موجودہ زمانہ کی کل زبانیں کو سکھا کر بھیجیگا۔ جو عقل و فکر سے باہر ہے

اِس لئے اِن کھٹکوں سے بچنے کے لئے یہی کیوں نہ مان لیا جائے کہ وہ مر چکے۔

اِن تمام احادیث سے صاف عیاں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور یہاں تک بتا گئے کہ اُن کی عمر ۱۲۰ برس کی تھی۔ اس واسطے ہماری عمر اب قریب ۶۰ سال کے ہوگی۔ اور پہلے تمام انبیاء کی نسبت عام قاعدہ مقرر فرما دیا تو اب جو لوگ قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابتک زندہ ہیں اور اب اُن کی عمر ۱۹۰۰ برس سے زاید ہو چکی ہے۔ تو پھر لا محالہ ماننا پڑیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں مرے۔ کیونکہ بعد مرنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فوت ہونگے۔ مگر یہ قاعدہ بھی درست نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا ہوئے ۱۳۴۳ برس ہوئے اگر آج بھی حضرت عیسیٰ فوت ہو جائیں تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصف عمر نہیں قائم ہو سکتی۔ جب یہ صورت بھی نہ ہوئی تو معاذ اللہ ماننا پڑیگا کہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہی نہیں ہوئے اور یہ بالبداہت غلط ہے۔ اِس لئے ضرور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسےٰ بموجب قولِ اصدق الصادقین وافضل المرسلین اس دنیاءِ ناپایدار میں ۱۲۰ برس عمرِ مستعار بسر کر کے دارِ فانی کو سدھار گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

چوتھی فصل

اِس باب میں کہ قرآن کریم کی کون کونسی دیگر آیات سے وفات مسیح علیہ السلام ثابت ہوتی ہے

اب ہم اِس فصل میں قرآن مجید و فرقان حمید کی اُن آیات کو لکھتے ہیں جن سے تمام بنی آدم کی موت عموماً اور حضرت عیسیٰ کی خصوصاً ثابت ہوتی ہے۔

(۱) لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ یعنے اللہ تعالیٰ کی پیدایش میں کوئی تغیر و تبدل نہیں یعنے اصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون اس دنیا میں بنایا ہے وہ غیر متبدل

ہے۔ لہذا اُن کو کوئی توڑ نہیں سکتا پس زمانہ کا اثر ہر ایک شخص پر ہوگا۔ یہ نہیں کہ بعض پر ہو اور بعض پر نہ ہو۔ اس لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی اس قاعدہ سے باہر نہیں ہو سکتے دیکھو پارہ ۲۱۔ سورۃ الروم رکوع ۴ +

(۲) مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ سورۃ المائدہ رکوع

یعنے مریم کا بیٹا مسیح ایک رسول ہے۔ اور تم بخوبی جانتے ہو کہ جسقدر رسول اُس سے پہلے تھے وہ سب مر چکے۔ اس آیت کا نزول شان یہ ہے کہ عیسائی لوگ زمانہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دعویٰ سے کہتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں اور وہ زندہ موجود ہیں تو اسپر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے وہ تو ایک رسول تھا۔ اور رسولوں سے بڑھکر کوئی بات اُس میں نہ تھی۔ اور جس قدر اُس سے پہلے رسول گذرے ہیں وہ سب اپنا تبلیغ کا کام سرانجام دیکر مر گئے مسیح علیہ السلام بھی مثل دیگر بنی آدم کے ایک عورت کے پیٹ سے یعنے مریم جیسی ضعیفہ اور غریب عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ایسا ہی اور سب رسول پیدا ہوئے۔ اور جس غرض کے لئے تمام رسول آئے تھے اُسی غرض یعنے تبلیغ کے لئے مسیح علیہ السلام بھی آئے تھے۔ ضرور جس طرح اور رسولوں کو تبلیغ احکام میں اُن کی قوم نے تکالیف اور دُکھ دئے اسی طرح حضرت مسیح کی قوم نے مسیح کو دُکھ دئے۔ اور جس طرح اور رسولوں کو خدا نے بچایا اسی طرح اُن کو بھی بچایا۔ پھر بتاؤ کہ رسولوں سے بڑھکر کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے اُن کو خدا مان لیا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب پہلے رسولوں سے بڑھکر اُس میں کوئی بات نہ تھی تو کیونکر برخلاف قولِ خداوندی یہ تسلیم کیا جاوے کہ حضرت عیسےٰ ابتک زندہ ہیں۔ جبکہ کل رسول اُن سے پہلے وفات پا چکے ہیں۔ لہذا وہ اس قاعدہ سے جو رسولوں کے متعلق ہے باہر نہیں رہ سکتے +

(۳) وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ (سورہ مائدہ رکوع ۱۰) اُس کی ماں تو راستباز تھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو ماں کے پیٹ میں ۹ ماہ تک خون حیض پی کر پرورش پاتا رہا۔ اور پھر وہ مثل کل بنی آدم دردِزہ کے وقت ماں کی شرمگاہ سے ایک عاجز ناتوان کی طرح روتا اور چلاتا ہوا نکلا اور اس دنیا کی ہوا کھاتا رہا اور جس طرح آدم کی اولاد ماؤں کے دودھ پینے اور پستان چوسنے کی محتاج ہے اُسی طرح بیچارہ مسیح بھی محتاج تھا اور وہ دو سال تک ماں کے پستان چوس کر

پرورش پاتا رہا پھر وہ خدا کیونکر بن سکتا اور خدائی کی صفات کیونکر اپنے اندر لے سکتا ہے۔ کوئی ایسی مثال پہلے بھی ہو چکی ہے کہ جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور وہ زمانہ کے اثر سے خدا کی طرح محفوظ رہا ہو۔ اس کی کوئی نظیر نہیں لہذا زمانہ کا اثر اُن پر ہوا۔ اور وہ طبعی موت کے ہاتھ سے جانبر نہیں ہو سکا +

(۴) کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ ط (سورہ مائدہ رکوع ۱۰) وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس میں عجیب اشارہ یہ ہے کہ جو کھانے کا محتاج ہو وہ ہر ایک چیز کا محتاج ہے۔ یعنے وہ ہگنے موتنے سونے اُٹھنے کا بھی محتاج ہے۔ جب وہ سب انسانوں کی ضروریات کا محتاج ہے تو پھر وہ خدائی کی صفات کیونکر رکھ سکتا ہے۔ اور زمانہ کے اثر سے کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے اور دوسری بات اس امر کی شہادت ہے کہ یہاں ماں اور بیٹے کو ایک ہی حالت میں بیان کیا گیا۔ یعنے جو حال اُس کا تھا وہی اُس کی ماں کا تھا۔ جیسے اُس کی ماں محتاج تھی ویسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام محتاج تھے۔ اور جیسے اُس کی ماں پر زمانہ کا اثر ہوا۔ اور اس دارِ فانی کو الوداع کہ گئیں۔ ایسا ہی مسیح علیہ السلام پر اثر ہوا۔ اور اپنی ماں کی طرح دارِ فانی سے الوداع کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پھر کیونکر مانا جائے کہ مسیح نہیں مرا

(۵) یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔ (سورہ آل عمران رکوع ۶) اس کا ذکر پہلے گذر چکا۔ اے عیسیٰ میں تمہیں طبعی موت سے مارنے والا ہوں اور اپنے قرب کے مقام پر پہنچانے والا ہوں +

(۶) وَکُنْتُ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ (سورہ مائدہ۔ رکوع ۱۶) اسکا ذکر بھی اوپر مفصل گذر چکا۔ یعنے اور جب تک میں اُن میں رہا میں اُن کے حالات مشاہدہ کرتا رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تو اُن پر نگہبان تھا +

(۷) وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ (سورہ مریم۔ رکوع ۲) یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں نماز۔ اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور ماں کے ساتھ نیکی بجا لاتا رہوں۔ یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضرت علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ اُن کو بموجب

شہادتِ قرآنِ شریف انجیلی نماز اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ کہ جب تک زندہ رہو اس حکم کی تعمیل کرتے رہو۔ اب اگر وہ زندہ مان لئے جاویں تو وہ زکوٰۃ کہاں اور کس کو دیتے ہونگے۔ اور نماز کہاں ادا کرتے ہونگے۔ اور نیز اگر وہ اُنہی ایام میں آسمان پر چلے گئے تھے تو ماں کو جدائی کا عذاب دے گئے کہاں خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ اور بالفرض اگر مان لیں کہ وہ زندہ ہیں اور وہی آجائینگے تو وہ اُسی حکم کے بموجب جو خدا تعالیٰ سے اُن کو صادر ہو چکا ہے انجیلی نماز پڑھا کرینگے۔ کیونکہ تاحیات اُسی نماز کا حکم ہوا ہے۔ اور قرآنِ شریف سے خدا تعالیٰ کے اُس حکم کی تنسیخ یا ترمیم ثابت نہیں ہوتی۔ تو اب وہ اس شریعت میں کیونکر آسکتے ہیں۔ یا یہاں بھی وہ نمازِ اسلام سے مستثنےٰ رکھے گئے ہیں غور کرو سفکر کرو۔ لہٰذا ہماری رائے میں حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو جو حکم اُن کو ہوئے تھے وہ سب ادا کر گئے +

(۸) اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ط (سورہ آلِ عمران۔ رکوع۔۱) یعنے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہی زندہ اور قایم ہے۔ تفسیر درالمنثور میں اس کا نزول شان یہ لکھا ہے کہ نجران کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہا کہ حضرت عیسےٰ نے مُردوں کو زندہ کیا۔ بیماروں کو اچھا کیا۔ اور آسمان پر زندہ موجود ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی الٓمٓ۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ط۔ اَے لَیْسَ مَعَہٗ غَیْرُہٗ شَرِیْکٌ فِیْ اَمْرِہٖ وَالْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَقَدْ مَاتَ عِیْسٰی فِیْ زَعْمِھِمْ اَلْقَیُّوْمُ اَیْ قَائِمٌ عَلٰی سُلْطَانِہٖ لَا یَزَالُ وَقَدْ زَالَ عِیْسٰی یعنے اللہ وہ ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں وہ زندہ ہے جس کو موت نہیں۔ اور عیسیٰ تو بقول اُن کے مرچکا اور اللہ اپنے غلبہ کے ساتھ قائم ہے اُس کو کبھی بھی زوال نہیں۔ اور عیسےٰ تو زائل ہو چکا اور اُس کا جسم بوسیدہ ہو گیا۔ خدا کے سوا کون زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر مسیح زندہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کا استدلال بے معنے ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس آیت کو پیش کرنا نادرست اور ناواجب

(۹) اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّھْلِکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (پارہ ۶، رکوع ۷) یعنے اللہ نے جب چاہا کہ مسیح اور اُس کی والدہ۔ اور جو اُس مُلک میں رہتے ہیں ہلاک کردے سو ایسا کر دیا اب دیکھنا چاہیئے کہ اگر مسیح نہیں مرا تو اُس کی ماں اور اُس

ملک کے رہنے والے بھی اب تک زندہ ہیں۔ یہاں اِنْ ظرفیہ ہے۔ جیسے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ میں اِنْ ظرفیہ ہے دیکھو تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۱۲۹+

(۱۰) اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ۔ دیکھو پارہ ۲۵۔ رکوع ۱۲۔ وہ ایک میرا بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا+

یعنے بشریت کے تمام لوازم اُس میں تھے صرف خلعتِ نبوت ایک امرِ زائد ہے+

(۱۱) لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ دیکھو قرآن شریف پارہ اوّل رکوع ۱۶۔ یعنے ہم کسی نبی میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے+

یعنے کوئی نبی بھی قانون قدرت سے باہر نہیں اور کسی میں بھی سنۃ اللہ کے خلاف کوئی امر پایا نہیں جاتا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ بعض میں تو سنت اللہ کے موافق کوئی بات پائی جائے اور بعض میں نہ پائی جائے اور یاد رہے کہ اس آیت کے معنوں میں تفرقہ فی الدرجات مراد نہیں کیونکہ آیت فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ اس کی مصدق ہے+

(۱۲) وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ سورہ نساء۔ رکوع ۲۲۔ یعنے یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے طبعی موت سے مار کر اپنے قرب کے مقام پر پہنچا دیا یہاں رَفَعَہُ اللّٰہُ ایفائے وعدہ ہے اللہ تعالیٰ نے پیشتر ازیں حضرت عیسےٰ سے آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں طبعی موت سے مارنے۔ اور ذلت۔ اور بےعزتی کی موت سے بچا کر اُٹھا لیجانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس آیت میں اُسی وعدہ کو پورا کیا ہم اس رفع کی نسبت آگے فصل میں مفصل ذکر کرینگے+

(۱۳) وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ۔ سورہ نساء رکوع ۲ یعنے کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں ہوگا جو اپنی موت سے پہلے مسیح کے قتل پر ایمان نہ رکھیگا اس آیت پر اکثر لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ اور اس کے معنے بےشمار دئے ہیں کہ ہر اہل کتاب مسیح پر مسیح کی موت سے پہلے یا اپنی موت سے پہلے ایمان لائیگا۔ یا یہ کہ مسیح کے نزول کے بعد جس قدر کفار ہونگے وہ سب کے سب مسیح کے مرنے سے پہلے پہلے ایمان لائینگے اور کوئی کافر نہیں رہیگا۔ مگر یہ سب باتیں فضول ہیں۔ ان میں سے اول دو باتوں کا کوئی بھی

ظہور نہیں ہوا۔ باقی رہی تیسری بات سو اگر مان لیں تو قرآن شریف میں مداخلت بے جا ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآن شریف سے ایسا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ آیات وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ وَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے خلاف ہے اس کا مفصل ذکر دوسرے مقام پر ہوگا +

(۱۴) وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ۔ سورہ مریم رکوع ۲۔ یعنے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔ اور ساتھ ہی قرار دیا کہ جہاں کہیں میں ہونگا میں برکت کا باعث ہونگا +

اس آیت سے بھی ایسا نکلتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی موت سے نہیں مرینگے۔ بلکہ اُس کی وجہ سے اُن کو ہجرت کرنی پڑیگی۔ جیسے دیگر اولوالعزم انبیاء کو کرنی پڑی۔ اور نبوت اور برکت کو لازم ملزوم ٹھیرایا۔ یعنے جہاں ہونگے نبی ہو کر رہینگے کبھی بھی نبوت سے خالی نہیں رہینگے۔ اور زمانہ نبوت پورا کر کے اس جہان کو ترک کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تمام تفاسیر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مُبارَکًا کے معنے نَفَّاعًا لِّلْخَيْرِ یعنے بھلائی میں بہت ہی نفع پہنچانے والا لکھا ہے۔ اگر آسمان پر زندہ مان لیں تو اُس پر نَفَّاعًا لِّلْخَيْرِ کہاں ثابت ہوتے ہیں +

(۱۵) وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔ سورہ مریم رکوع ۲۔ یعنے میرے پیدا ہونے اور میرے فوت ہونے اور میرے قیامت کے روز جی اُٹھنے کے دنوں پر سلامتی ہے

یہاں تین واقعہ بیان کئے جو سب مخلوقات کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اس سے زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان نہیں کیا۔ ورنہ صعود اور نزول کے واقعہ کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ضرور ذکر ہوتا۔ اور اُن پر بھی سلامتی کی دعا ہوتی۔ اور اُس حالت میں یہ آیت یوں ہوتی وَسَلٰمٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ وَيَوْمَ اُنْزِلُ اَوْ اَرْجِعُ إِلَى الْاَرْضِ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا بیان نہیں کیا۔ اِس لئے صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کے اس باب میں اپنے من گھڑت خیالات میں جو اُنہوں نے خود بنا لئے ہیں +

(۱۶) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سورہ فاتحہ

یعنے ہم کو وہ راہ دکھلا جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔ یعنے وہ راہ جسپر چل کر انبیاء مورد انعامات ہوئے ہیں +

یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ برس تک سات وقت کی نماز میں برابر مانگتے رہے۔ اگر صدیوں تک آسمان پر رکھنا کسی انعام میں داخل تھا تو کم از کم چند روز تک تو افضل الرسل و خاتم النبیین کو آسمان پر اللہ تعالیٰ رکھتا۔ کیونکہ نبی کی دُعا تو کسی طرح رد نہیں ہو سکتی تھی۔ جب نہیں ہوا تو پھر حضرت عیسیٰ کا بھی آسمان پر جانا معلوم +

(۱۷) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ سورۃ النحل رکوع ۹۔ یعنے اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تمہیں مارتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ بدترین حصہ زندگی کو پہنچتے ہیں۔ تا کہ عالم ہونے کے بعد جاہل ہو جائیں۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کا اس دنیا میں بنی نوع انسان کے لئے ایک محکم اور قوی قانون ظاہر کرتی ہے کہ جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا بھی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بچپن میں۔ اور بعض جوانی میں بعض ادھیڑ میں اور بعض بڑھاپے میں مرجاتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اتنی دراز عمر کو پہنچکر محض چھوٹے چھوٹے نادان اور کم شعور بچوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب اس قانون کے نیچے تمام بنی آدم ہیں تو مسیح علیہ السلام اس قانون سے کیونکر باہر ہو سکتے ہیں۔ یا تو وہ مر چکے۔ اور اگر زندہ ہیں تو زمانہ کے اثر کے نیچے رہ کر وہ ایسے پیر فرتوت ہو گئے ہونگے کہ اب اُن کو اپنی جان دوبھر ہو گئی ہو گی +

(۱۸) وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ پارہ ۱۷ سورۃ الحج۔ رکوع ۱۔ اس آیت کا مضمون بالکل آیت ماسبق کے موافق ہے +

(۱۹) وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ۔ سورہ یٰسین۔ رکوع ۵۔ یعنے جس کو ہم عمر دیتے ہیں تو اُس کی پیدائش کو گھٹا بھی دیتے ہیں۔ یعنے انسان ابتدا کے بعد ایک حد تک جا کر ترقی سے بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر اُس کے قوائے میں فتور آنا شروع ہوتا ہے۔ اور آخر کو ایک بے برگ درخت کی طرح سوکھ کر اور کھجور کی شاخ کی طرح ٹھہرا ہو کر رہ جاتا ہے جسمانی

قوائے میں ۔بصارت میں ۔سماعت میں ۔غرض ہر قسم کے قوائے میں سخت خلل واقع ہوتا ہے ۔اور آخر یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ اُس کو بقیہ ایام زندگی دوبھر معلوم ہوتے ہیں ۔اب اگر مسیح علیہ السلام کو اس جسمِ خاکی کے ساتھ زندہ مانا جائے تو ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ اس کے تمام قوائے ظاہری و باطنی میں ضرور فرق آگیا ہوگا۔ لیکن خدا تعالیٰ کسی نبی کو ایسا کیوں ذلیل کرنے لگا۔ لہذا یقینی بات ہے کہ وہ مرچکے ۔بلکہ خود مولویوں اور خطیبوں کا بھی یہی ایمان ہو گیا ہے جمعہ کے خطبوں میں اسکا برابر ذکر کرتے ہیں چنانچہ خطبہ منظوم علمی میں لکھا ہے

دس برس عمر جس دن ہوگئی یا بیس کی ۔ آدمی چاہیئے کچھ قدر سمجھے زیست کی
تیس کے سن تک نشاطِ زندگی حاصل رہے ۔ جب ہوا چالیس کا ہر کام میں کاہل رہے
اور جب اس عمر کو نہ سے گئے پورے پچاس ۔ فرق آتا ہے بصر میں جاتے ہیں ہوش و حواس
ساٹھویں میں تکیہ دیوار کی حاجت پڑے ۔ جب ہوا ستر کا ہر ایک کام میں دقت پڑے
جب ہوئی اسّی کی یا نوے کی عمرِ بے بقا ۔ تن میں آئی ناتوانی جان میں ہر رنج و عنا

جب علما کا یہ اعتقاد ہو تو پھر کیونکر حضرت عیسٰی علیہ السلام اس قانون سے باہر رہ سکتے ہیں لغت عرب میں لکھا ہے وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَيْ مَنْ اَطَلْنَا عُمْرَهٗ نَكَسْنَا خَلْقَهٗ فَصَارَ بَعْدَ الْقُوَّةِ الضُّعْفُ وَبَعْدَ الشَّبَابِ الْهَرَمُ دیکھو تاج العروس جلد ۴ صـ ۲۶۳
یعنے جس کی عمر لمبی کرتے ہیں اُس کی خلق کو گھٹاتے ہیں چنانچہ قوت کے بعد ضعف اور جوانی کے بعد بڑھاپا آجاتا ہے +

(۲۰) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً سورۃ الروم ۔رکوع ۶ ۔یعنے اللہ وہ ذات جامع کمالات ہے ۔جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا ۔پھر اُس کے بعد قوۃ بخشی ۔پھر قوت کے بعد کمزوری اور پیرانہ سالی کا محکوم بنا دیا +

یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون قدرت ظاہر کرتی ہے ۔اور بتاتی ہے کہ تمام نوع انسان پر یکساں اسکا اثر ہے ۔کوئی بھی اس کے قانون کے اثر سے باہر نہیں پس مسیح علیہ السلام کیونکر باہر رہ سکتے ہیں +

(۲۱) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ط سورۃ البقرۃ ۔رکوع ۴ ۔تمہارے

لئے زمین میں ٹھہرنا اور ایک میعاد تک اُس سے فائدہ اُٹھانا ہوگا +
یہ آیت کل بنی آدم کے لئے ایک اٹل اور ناخطا کرنے والا قانون ظاہر کرتی ہے۔ جس سے کسی کو بھی مستثنٰے نہیں رکھا گیا۔ پھر ایسی حالت میں حضرت مسیح کیونکر زمین سے باہر رہ سکتے ہیں
(۲۲) وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۔ سورۃ الاعراف۔ رکوع ۲۔ یہ آیت آیتِ ماسبق کے عین مطابق ہے۔ اِس لئے اِس کی تفصیل کی الگ ضرورت نہیں +
(۲۳) قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۔ سورۃ الاعراف رکوع ۲
یعنے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم اور اُس کی ذریت تمہارے لئے یہ قانون ناگزیر اور غیر مبتدل قرار دیا گیا ہے۔ کہ اسی زمین میں تمہاری زندگی ہوگی۔ اور اسی میں تم مروگے۔ اور اسی سے قیامت کے روز نکالے جاؤ گے +
یہ کیسی صریح آیت ہے کہ کوئی بنی نوعِ انسان زمین کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ تو کیونکر مسیح علیہ السلام کسی اور جگہ زندہ رہ سکتے ہیں +
(۲۴) وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۔ سورۃ الانبیاء۔ رکوع ۱۔ یعنے ہمنے کسی نبی کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ بغیر کھانے کے زندہ رہ سکے
یہ آیت صریح اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی جسم خاکی بغیر کھانا کھانے کے ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر مسیح علیہ السلام کیونکر اب تک بغیر کھانا کھانے کے زندہ ہیں +
(۲۵) وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۔ سورۃ الفرقان۔ رکوع ۲۔ یعنے تجھ سے پہلے جس قدر رسول ہم نے بھیجے وہ سب کے سب کھانا بھی کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں بھی چلا کرتے تھے +
اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سابقہ رسولوں کو جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوئے ہیں کھانے پینے اور سودا سلف خریدنے کا محتاج قرار دیتا ہے۔ پس جب مسیح بھی مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں داخل ہے تو وہ کیونکر کہیں رہ کر بلا کھانا کھانے کے زندہ موجود ہو سکتا ہے +
(۲۶) اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۔ سورہ مائدہ رکوع ۴ +

اس آیت سے بھی وفاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب اکمالِ دین ہوگیا تو کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔ دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت پُوری کر چکا تو اگر مسیح واقعی آسمان پر زندہ نعمتہائے ربانی سے مستفیض ہو رہا تھا۔ تو پھر حضرت محمد رسول اللہ سے یہ کہنا کہ نعمت تم پر پوری کر دی گئی خلاف واقعہ ثابت ہوتا ہے معاذ اللہ منہ پس بلاشک مسیح مر چکا ورنہ ہمارے نبی علیہ السلام اُن سے بھی زیادہ عُمر پانے کے حقدار تھے +

(۲۷) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ پارہ ۲۲ سورۃ الفاطر۔ رکوع ۵۔ یعنی اے رسول تمہیں معلوم رہے سنت اللہ میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوسکتی +

پس جو قانون اللہ تعالیٰ نے دیگر بنی آدم کے لئے مقرر فرمایا ہے وہی مسیح کے لئے ہے کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ جو سُنت دیگر انبیاء و رُسل و عامۃ الناس کے لئے جاری و ساری ہے اس سے مسیح علیہ السلام مستثنٰی رکھے جائیں +

(۲۸) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ سورۃ الانبیاء رکوع ۳۔ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ نہیں رکھا۔ اگر اے نبی تو مر جاوے تو کیا یہ لوگ جو تیری موت چاہتے ہیں زندہ رہ جائینگے +

اس آیت کا نزولِ شان یہ ہے کہ کفارِ مکہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ رسول فوت ہو جاوے تو ساتھ ہی ان کا کل کارخانہ تتر بتر ہو جائیگا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتقاضاء بشریت کسی قدر تردد و دلگیر ہو گیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان کے لئے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے رسول تو دیکھ میرا قانون قدرت تو یہ ہے کہ نہ ہم نے اگلوں کو جو تجھ سے قبل ہو چکے ہیں چھوڑا ہے اور نہ تو رہیگا۔ اور نہ یہ لوگ رہینگے۔ غرضیکہ تینوں زمانوں کا حال بتا دیا کہ گذشتہ کا تو مشاہدہ کر چکا کہ اس قدر مخلوقات جو تجھ سے پہلے تھی وہ کہاں ہے۔ اور حال میں اگر تو فوت ہو جائے تو تیرے دشمنوں کا مدعا بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ اُن کو کب چھوڑنے والے ہیں۔ جب اس آیت سے صریح معلوم ہوگیا کہ موت کی فکر سے رسول اللہ متردد تھے۔ تو اس آیت سے اس طرح اطمینان دلایا گیا کہ سب تجھ سے پہلے مر گئے ہیں تو کیوں فکر کرتا ہے۔ تو کیا مسیح مِن قَبْلِہٖ میں داخل نہیں ہیں؟ ضرور ہیں

اور وہ مر چکے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا استدلالی طور سے اس آیت کا نازل فرمانا بے سود اور بے معنے ہوتا ہے نعوذ باللہ من ذلک +

(۲۹) تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ - پارہ اول سورۃ البقر رکوع ۱۷- یعنے تمام معلم الخیر لوگ یعنے انبیاء و رسل اس دُنیا سے ہمیشہ کے لئے گذر گئے۔ یعنے مر گئے۔ اُن کے اعمال اُن کے ساتھ۔ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور اُنکے اعمال سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے +

یہ آیت بھی مسیح کی موت پر دال ہے کیونکہ ان میں مسیح بھی شامل ہے +

(۳۰) تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ - یہ آیت بھی اسی رکوع میں ہے جس میں ماسبق آیت ہے۔ اور مضمون دونوں کا ایک ہے +

(۳۱) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ سورۃ البقر۔ رکوع ۱۷ یعنے ہم نے تم کو عمدہ معلم الخیر بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ +

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ معلم الخیر اب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو گی۔ یہاں حضرت عیسےٰ کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح تو اس امت میں سے نہیں ہیں۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ اُن کا انتقال ہو چکا ہے۔ یہ آیت اُن کے آنیکی تصدیق نہیں کرتی +

(۳۲) وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ - سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۵۔ یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں۔ اور رسول سے بڑھکر کوئی بات اُن میں نہیں ہے۔ اور یقیناً اُن سے جس قدر پہلے رسول ہوئے ہیں وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ اب یہ نبی مر جائے یا قتل ہو جائے تو کیا تم مرتد ہو جاؤ گے +

یہ آیت بھی مسیح علیہ السلام کی موت کی خوب ہی تشریح کرتی ہے۔ کیونکہ اس آیت کا نزولِ شان جنگِ اُحد کے موقع پر ہے۔ اُس وقت عین اثنار جنگ میں کسی شیطان نے مشہور کر دیا تھا کہ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ خبر سُنکر اکثر صحابہ متردد ہو گئے

کہ اب کیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے استدلالاً یہ آیت نازل فرما کر بتا دیا کہ اگر یہ نبی مر جائے تو کیا حرج ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سابقہ رسولوں میں سے کون زندہ رہا ہے۔ یہ نبی بھی تو ایک رسول ہی ہے۔ اور رسولوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا کہ یا تو وہ اپنی موت مرے یا لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ اب اگر یہ نبی بھی فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو کیا ہوا دین جو تمہیں دیا گیا ہے۔ وہ تو تمہارے پاس موجود ہے۔ تم اُس پر قائم رہو۔ پس صاف ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسلِ سابقہ کی سنت بتا دی کہ یا تو وہ طبعی موت سے مرے۔ یا قتل ہوئے اب مسیح کیونکر مستثنےٰ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کو مستثنےٰ نہیں فرمایا +

(۳۳) وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ۔ پارہ ۷۔ رکوع ۱۸۔ یعنے خدا وہ ذات ہے جس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہارے لئے ایک ہی مستقر اور ایک ہی مستودع بنایا تحقیق سمجھدار قوم کے لئے ہم نے آیات کھول کھول کر بیان کر دی ہیں +

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین ہی سب کے لئے جائے قرار بنائی گئی۔ دیکھو تفسیر ابو سعود جلد ۴ صفحہ ۳۸۲ +

(۳۴) ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ۔ سورۃ المؤمنون۔ رکوع ۱۔ یعنے پھر اس کے بعد مر جاؤ گے +

اِس سے ماقبل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون قدرت بتلایا ہے کہ کیونکر ہم انسان کی پیدایش کرتے۔ اور کیونکر اُس کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور پھر آخر مار دیتے ہیں۔ جب کل بنی نوع انسان کے لئے یکساں قانون ٹھیرا تو پھر مسیح علیہ السلام اس قانون کے اثر سے کیونکر باہر رہ سکتے ہیں +

(۳۵) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ۔ سورۃ الروم رکوع ۴۔ یعنے اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مارتا ہے۔ پھر تمہیں زندہ کریگا +

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون قدرت بتا دیا کہ ہر انسان کے ساتھ چار حالتیں ہوتی ہیں۔ یعنے اول خلق پھر تربیت پھر موت پھر زندگی۔ جب مسیح بھی ایک انسان ہی تو وہ

بھی انہی حالات کے تحت میں ہے۔ یہاں اُن کے لئے کوئی استثناء ثابت نہیں ہوتا کہ صرف مسیح علیہ السلام اس قانون سے باہر ہیں +

(۳۶) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ سورۃ الرحمٰن رکوع ۲۔ یعنے جو روئے زمین پر ہے وہ سب فانی ہے۔ اور خدائے ذوالجلال والاکرام کو بقا ہے +

یہ آیت بھی ایک مستحکم قانون بتاتی ہے کہ سب کو ہر آن میں فنا طاری ہے۔ ہر چیز کا ذرہ جو روئے زمین پر ہے زوال پذیر ہے۔ خواہ وہ جاندار ہے یا غیر جاندار تو پھر کیونکر مسیح اس قانون سے باہر ہو سکتا ہے۔ اُس پر بھی اس قانونِ قدرت کا اثر ہونا چاہئے۔ اور ضرور اثر ہوا۔ کیونکہ فانی جسم رکھتا تھا۔ غرض کچھ شک نہیں کہ اس فانی جسم نے ان کو زندہ نہیں رہنے دیا

(۳۷) أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔ پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۱۔ یعنے جہاں کہیں تم ہو موت تم کو پکڑیگی۔ خواہ تم کیسے ہی مضبوط قلعوں میں پناہ گزین ہو جاؤ +

اِس آیت سے بھی یہی واضح ہے کہ موت کے لوازمات ہر جگہ اس جسم خاکی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ خواہ انسان کہیں چلا جائے۔ اس سے بھی مسیح علیہ السلام مستثنٰے نہیں ہیں +

(۳۸) وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ۔ پارہ ۱۴ سورۃ النحل۔ رکوع ۲۔ یعنے جن لوگوں کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہے وہ تو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ اور خود مخلوق ہیں۔ مرچکے ہیں۔ زندہ بھی نہیں ہیں۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائینگے۔ یہ آیت بھی حضرت مسیح کی موت پر دلالت صریحہ ہے کیونکہ مسیح سے زیادہ آجکل کون ایسا ہے جس کی کل روئے زمین پر پرستش ہو رہی ہو +

(۳۹) وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ

یعنے ہم اِن سب کو اُس دن اکٹھا کھڑا کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں کو کہیں گے۔ کہ تم اور تمہارے معبود اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں اور پھر اُن کو الگ الگ کر دیا جائیگا تو اُس وقت

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ + پارہ ۱۱ سورہ یونس۔ رکوع ۳ +

تمہارے معبود تمہاری طرف منہ کر کے کہینگے کہ تم تو ہماری پرستش نہیں کرتے تھے تمہارے اور ہمارے درمیان اس امر کے لئے خدا تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے۔ کہ ہم تو تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ یعنے ہم کو ذرہ بھی علم نہیں +

اس آیت سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ ورنہ اگر وہ زندہ تسلیم کر لئے جائیں تو اُن کو اس شرک کا بخوبی علم ہے۔ اور اگر اب علم نہیں ہو تو بھی اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ زندہ ہیں اور وہی نازل ہونگے تو بعد نزول تو اُنکو علم یقینی ہو جائیگا۔ کہ اُن کی کس قدر پرستش ہوئی ہے۔ جب مر کر خدا کے حضور میں حاضر ہونگے بقول علماء زمان خلاف واقعہ بیان کرینگے۔ اور جھوٹ بولینگے کہ ہمیں تو کسی کی پرستش کی خبر نہیں۔ لیکن ایسا جھوٹ صریح نبیوں کی شان کے خلاف ہے۔ پس ضرور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسٰے فوت ہو چکے ہیں +

(۴۰) اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ پارہ ۱۷۔ رکوع ۷ +

تم اور تمہارے معبود جہنم کے ایندھن ہیں اور تم بھی اُس میں پڑنے والے ہو۔ اگر یہ تمہارے معبود اللہ ہوتے تو جہنم میں نہ پڑتے۔ اور سب کے سب اُس میں رہینگے وہ چلاتے رہینگے۔ اور اُن کی چیخ کی کچھ شنوائی نہیں ہوگی۔ اور وہ لوگ جہنم سے دور رہینگے جن کی نیکیاں پہلے ہی سے ہمارے پاس پہنچ چکی ہیں +

اس آیت میں معبودوں کا ذکر ہے۔ جن میں مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی لوگوں میں دیکھا ہی۔ لہذا اُن کی موت میں کیا شک ہو سکتا ہے +

(۴۱) اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

یا تو تمہارا گھر زخرف ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے آسمان پر چڑھنے پر بھی

حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ پارہ ۱۵ - سورہ بنی اسرائیل - رکوع ۱۰+

ایمان نہیں لائینگے - جبتک کہ تو ہمارے پاس کوئی کتاب نہ لائے - جس کو ہم پڑھیں - تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو کہا ان لوگوں کو کہدے کہ میں تو بشر ہوں - جو رسول کر کے بھیجا گیا ہوں - یہ صفات تو اُس کی ہیں جو تمام بشری لوازمات سے پاک اور منزہ ہے - اس آیت سے ظاہر ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزہ مانگا کہ تو ہمارے سامنے آسمان پر چلا جا - اور کتاب لا - تو ہم ایمان لائینگے لیکن اُسے صاف جواب ملا کہ یہ تو عادت اللہ میں داخل نہیں کہ کسی خاکی جسم کو آسمان پر لیجائے پس جب افضل الرسل جیسے رسول کو اللہ تعالیٰ آسمان پر نہیں لے گیا تو پھر مسیح جو اُن سے ہزارہا درجہ مرتبہ میں کمتر تھا کیونکر آسمان پر جا سکتا تھا - پس ظاہر ہے کہ اُن کی روح بعد مرنے کے آسمان پر گئی +

(۴۲) اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ۔ پارہ ۱۱ - سورہ یونس رکوع ۳+

اِس دُنیا کی زندگی کی مثال اُس پانی کی سی ہے جس کو ہم آسمان سے اُتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی اُس میں مل جاتی ہے پھر وہ روئیدگی بڑھ بڑھا کر کاٹی جاتی ہے اور وہ پھر انسانوں اور حیوانوں کی غذا بنتی ہے +

اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا یہ قانونِ قدرت ثابت ہوتا ہے کہ جیسے دُنیا کی دیگر اشیاء کو زوال لگا ہوا ہے ایسا ہی بنی آدم کو تو پھر مسیح علیہ السلام کیونکر اس سے باہر رہ سکتے ہیں جبکہ اُن کے لئے کوئی استثناء قائم نہیں کیا گیا +

(۴۳) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ۔ پارہ ۲۳ - سورۃ الزمر رکوع ۲

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا - اور پھر اُس کو چشمے بنا کر زمین پر چلایا - پھر اُس سے مختلف قسم کے رنگوں کی کھیتیاں نکلتی ہیں - پھر وہ بڑھتی اور پھولتی ہیں پھر یکا یک زرد سی ہو جاتی ہیں - پھر اُن کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے - اس میں عقلمند ول

کے لئے عبرت ہے +

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو کھیتی کی مثال میں بیان کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ عقلمند سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جب انسان بھی اسی طرح زمانہ کے اثر سے متاثر ہو کر ہمیشہ معرضِ زوال میں ہی تو پھر مسیح کیسے اس اثر سے باہر ہے +

(۴۴) اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا ؕ پارہ ۲۷ سورۃ الحدید۔ رکوع ۳ +

جان لو کہ لہو و لعب اور زینت اور تفاخر اور مال اور اولاد کی کثرت یہ سب چیزیں تمہارے لئے حیاتِ دنیا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک برسنے والے بادل سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ کفار کو بھلی معلوم ہوتی ہے پھر بڑھتی ہے۔ پھر پک کر زرد ہو جاتی ہے پھر آخر کو بھوسہ ہو جاتی ہے +

اس میں بھی انسانی زندگی کو عام قانون قدرت سے وابستہ کیا گیا ہے پھر مسیح اس سے کیسے باہر ہو سکتے ہیں

(۴۵) مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ پارہ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب رکوع ۵

یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی آدمی کا باپ نہیں۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور نبیوں کی مہر ہے +

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس اعتراض کا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد نرینہ نہیں ہے جواب دیا ہے کہ بے شک اُن کی اولاد نرینہ تو نہیں ہے لیکن چونکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مُہر ہیں اس واسطے اُن کی روحانی اولاد جن سے مراد رسول و انبیا ہیں وہ ضرور اس کی امت میں پیچھے رہینگے اور جو غرض رسولوں اور نبیوں کے مبعوث کرنے کی ہوتی ہے وہ اس رسول کے بعد ہی اسی رسول کی مہر کے نیچے پوری ہوتی رہیگی یعنے انبیا ہوا کرینگے اس رسول کی اطاعت اور تابعداری کے جوئے کو اپنی گردن پر اُٹھائے ہوئے ہونگے پھر ان معترضین کا اولاد نرینہ کا اعتراض کرنا فضول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا اُن کو بُرا لگتا تھا اور اس امر سے اُن کو خوشی تھی کہ اب اُن کے بعد اولاد نرینہ نہیں تو اس سلسلہ کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اُن کو بھی یہ جواب دیکر شرمندہ اور لاجواب کیا اور اُن کی امیدوں پر پانی پھیر دیا

کہ اس کے بعد تو برابر قیامت تک نبی و رسول آئینگے اور اُسی غرض کو علیٰ رغم دشمن پورا کرتے رہینگے کیونکہ وہ اس رسول کی مہر کے ساتھ آئینگے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ پر تشریعی نبوت ختم ہو چکی ہے اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کریں تو نبیوں کا کہاں خاتمہ ہوا۔ختم تو تب ہو جب پہلے نبیوں میں سے سب مر چکے ہوں اور کوئی تشریعی نبی اُن کے بعد آنے والا نہ ہو اگر مسیح ناصری آنیوالا ہے جو صاحب شریعت نبی تھا اور جسکو انجیل جیسی مقدس کتاب دی گئی تھی تو پھر قرآن شریف کی یہ آیت غلط ٹھہرتی ہے۔

(۴۶) وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ پارہ ۱۷۔ سورۃ الانبیاء۔ رکوع ۱۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس امر میں تم خود فیصلہ نہ کر سکو تو اس بارہ میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے یا اُن لوگوں سے مشورہ کر لو۔ لہذا ہم توریت و انجیل کے رو سے دکھائینگے کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے ہیں اسلئے یہاں بھی اُنکی موت قبول کرنی چاہیے۔

(۴۷) يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ پارہ ۳۰۔ سورۃ فجر۔ رکوع ۱۔ یعنے اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی خوشی چل اور میرے خاص بندگان میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں رہو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے اور وہ خدا پر راضی اور خدا اُس سے راضی ہوتا ہے تو اس دنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے یعنے فوت کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خواص میں داخل ہو کر بہشتی زندگی کا وارث بنتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کو حضرت یحییٰ کے ساتھ دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مر کر داخل ہوئے ورنہ حسب آیت قرآن حمید وہ خواص ہوتے میں کیوں داخل ہوتا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ فوت ہو گئے اور داخل جنت ہوئے۔ جس کا ثبوت ہم نے پہلے مفصل دیا ہے۔

(۴۸) إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ۔ پارہ ۲۷۔ سورۃ القمر رکوع ۳ یعنے متقی لوگ بعد فوت ہو جانے کے بہشت میں جاتے ہیں جن میں نہریں چلتی ہیں اور زبردست اور باعزت بادشاہ کے نزدیک صدق کے مقام پر رونق افروز

ہوتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے جیسے کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ میں اشارہ ہے +

(۴۹) اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۔ پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء رکوع ۷ — یعنی جو لوگ جنتی ہیں اور ہماری طرف سے اُن کو جنتی قرار دیا جاچکا ہے۔ اُن کو دوزخ سے دور کیا گیا ہے اور وہ اُس کی آواز کو بھی سن نہیں سکتے

بلکہ وہ ایسی حالت میں ہیں کہ جو اُن کا جی چاہتا ہے وہ سب جنت سے اُن کو میسر ہوجاتا ہے۔ اِس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ جو جنت میں چلا جائے اُن کو اس جہان کی اشیاء کی حاجت نہیں رہتی۔ بلکہ جنت میں جو چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ پس جب مسیح جنت میں داخل ہوا تو وہ فوت بھی ہوچکا +

(۵۰) وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ۔ پارہ ۱۴ سورۃ الحجر رکوع ۴۔ یعنی جو جنت میں ایک دفعہ داخل ہوجائے وہ اُس سے نکالا نہیں جاتا۔ اِس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اب واپس بھی نہیں آسکتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو شبِ معراج جنت میں دوسرے انبیاء کے ساتھ دیکھا ہے +

(۵۱) مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ پارہ ۲۸ سورۃ الحشر رکوع ۱۔ یعنے جو کچھ رسول تم کو دے وہ لے لو اور جس سے روکے اُس سے باز آجاؤ۔ سو ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسیح فوت ہوچکا ہے اب اُن کا کہنا نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے +

(۵۲) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔ پارہ ۵ سورۃ النساء ع اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی تابعداری کرو اور جو تم میں اولی الامر ہو اُس کا کہا بھی مانو سو ہم دیکھتے ہیں اور اس کا ثبوت بھی دیچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے حضرت مسیح کا فوت ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اب جو تم میں اولی الامر یعنے اس زمانہ کا مجدد کہتا ہے وہ بھی مان لینا چاہیئے وہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں +

(۵۳) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا۔ پارہ ۳۰۔ سورۃ المرسلت رکوع ۲
کیا ہم نے زندوں اور مُردوں کے لئے زمین کو سمیٹنے والا یعنے جاذب نہیں بنایا۔ یہ کیسی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین ہی زندوں کے رہنے کے لئے اور مُردوں کے آرام دینے کے لئے بنائی گئی ہے اور اس آیۃ سے صریح کشش ارض کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمین کو خدا نے بنایا ہی اسلیئے ہے کہ ہر ایک چیز کو اپنے مرکز کی طرف کھینچے اور اگر ایک سیارہ کی چیز دوسرے سیارہ میں چلی جائے تو اللہ تعالیٰ کا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا فرمانا غلط ہو جاتا ہے پس ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جسم عُنصری کے ساتھ نہیں گئے بلکہ مر کر اسی زمین کے اندر دفن ہوئے +

(۵۴) وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ پارہ ۲۵۔ سورۃ الزخرف۔ رکوع ۶۔ یعنے قوموں کے زوال اور ترقی کی گھڑی کا علم خدا کے پاس ہے۔ کہ کب ایک قوم کو زوال اور ذلت کے گڑھے میں ڈالیگا اور کس قوم کو بلندی کے اعلیٰ چٹان پر کھڑا کریگا۔ اگر آیۃ کی ضمیر حضرت عیسے کی طرف راجع کریں جیسے عوام علماء کا خیال ہے تو علم کی بجائے عَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ پڑھنا چاہئے تھا اور پھر یہ معنے ہونگے کہ عیسے قیامت کا نشان ہے مگر یہاں تو حضرت عیسے علیہ السلام عِلْمُ السَّاعَةِ قرار پائے ہیں اور عِلْمُ السَّاعَةِ کی نسبت اللہ تعالیٰ اسی سورۃ میں فرماتا ہے عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنے عِلْم ساعت خدا کے پاس ہے یعنے مرگیا ہے اور چونکہ مرے ہوئے تو واپس آتے نہیں اسپر اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرما دیا وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ حضرت عیسے تو واپس نہیں آئیگا تم کو اُن کے پاس جانا ہوگا +

اس سورۃ کے اخیر ساتویں رکوع کے بموجب کہ جہاں ہے وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنے قیامت کا علم خدا کے پاس ہے اور بموجب آیۃ اِرْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کے خدا کے پاس ہوئے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام بموجب اعتقاد مفسرین و عوام فوت ہو چکے ہیں اس پر اُن کو زندہ قرار دینا اپنی بات کو جھٹلانا ہے۔ اور جو لوگ قائل ہیں کہ حضرت عیسے دوبارہ آئینگے اُنکو بھی اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہدیا ہے کہ وہ تو نہیں آئیگا بلکہ تم لوگ اُس کے پاس مر کر جاؤ گے جیسے کہ آیۃ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ سے ظاہر ہے +

(۵۵) يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ۔ قرآن شریف سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۸

یعنی ہم اُس روز تمام لوگوں کو اپنے اپنے اماموں کے نام پر طلب کرینگے۔ اگر مسیح علیہ السلام فوت شدہ نہ مانے جائیں تو پھر ضروری ہے کہ وہی تشریف لائیں اور ان کا تشریف لانا دو صورتوں پر ہو سکتا ہے یا تو مستقل طور سے نبی ہو کر یا اُمتی ہو کر۔ اور دونوں صورتوں میں اُن کا آنا محتمل بر فساد ہے کیونکہ اگر وہ مستقل نبی ہو کر آئینگے تو قرآن شریف کی آیت خاتم النبیین منسوخ قرار پاتی ہے لیکن ہمارے نزدیک قرآن شریف کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں لہٰذا اُن کا نبی ہو کر آنا بے اصل بات ہے۔ رہی دوسری صورت سو وہ بھی قایم نہیں رہ سکتی قیامت کے روز جب مسیح علیہ السلام کو اُن اماموں میں طلب کیا گیا جو اُمتِ محمدیہ میں داخل ہیں تو پھر اُن کی سابقہ اُمت کس نام سے پکاری جائیگی اور پھر خدا تعالیٰ کا یہ سوال کرنا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کس اُمت کے لئے ہوگا اگر سابقہ اُمت کے لئے سوال ہوگا تو پھر اس امت میں کیونکر داخل سمجھے جائینگے اور وہ اُس جھنڈے کے نیچے کیونکر ہونگے جو اُمتِ محمدیہ کے لئے نصب کیا جائیگا۔ اور اگر اُمتِ محمدیہ کی نسبت سوال ہوگا تو پھر خدا تعالیٰ کا سوال بیجا ثابت ہوتا ہے کیونکہ امت کیحالت میں تو بموجب اعتقادِ علما کل روئے زمین کے کفارِ اہل کتاب اُن پر اُن کی موت سے پہلے ایمان لائینگے اور کوئی کافر نہیں رہیگا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اُسی وقت فوت ہو گئے تھے جبکہ وہ رسول ہو کر بنی اسرائیل کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور اپنا زمانہ تبلیغ رسالت پورا کر کے حسب سنتِ انبیا فوت ہو گئے ورنہ بڑا فساد لازم آتا ہے۔

(۵۶) وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا سورۃ الانعام رکوع ۱۶۔ یعنے ہر ایک شخص کو عمل سے درجے ملتے ہیں۔ یہ آیت بھی مسیح کی وفات پر دال ہے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور اُن کو بموجب نص قرآنی کوئی خدمت مقرر ہوتی اور اسی طرح بیکار رکھ کر بیجا آوری خدمات سے محروم نہ رہتے۔ اگر مسیح علیہ السلام کو زندہ مان لیا جائے تو ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس پر حرف آتا ہے کہ بلا وجہ برخلاف اپنی سُنتِ قدیمہ کے ایک انسان کو بیکار بٹھا رکھا اور دوسری طرف مسیح علیہ السلام کی توہین و ہتک لازم آتی ہے جبکہ بموجب آیۃ زیربحث اُمتِ محمدیہ کے ہر ایک فرد کو عمل کا موقع دیا گیا ہے اور اُن کے مراتب میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے اور بیچارہ عیسیٰ علیہ السلام کو ہر ایک قسم کے عمل سے محروم رکھا گیا ہے۔ اس لئے شان

خداوندی پر ایسا گمان کرنا کفر ہے۔ پس لامحالہ عیسےٰ علیہ السلام کا فوت ہو کر دنیا سے رحلت فرمانا ہی صحیح و درست ہے +

(۵۷) وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی . . . تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ۔ پارہ اول رکوع ۱۶ اس آیت سے بھی حضرت مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسےٰ وغیرہ کو ملا کر کہدیا ہے کہ وہ اس دنیا سے گذر چکے +

(۵۸) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ۔ پارہ ۶ رکوع ۱۔ یعنے جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے رسولوں سے ترجیح نہ دی تو اجر کے مستحق ہونگے یہاں بھی تفرقہ درجات مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ انسانی صفات میں سب یکساں ہیں۔ اگر مسیح کی وفات تسلیم نہ کی جائے بلکہ اُن میں اور رسولوں سے بڑھکر اُن میں صفات مانی جائیں تو کوئی مسلمان اجر نہیں پا سکتا۔ لہذا یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے +

(۵۹) وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ سورۃ الجمعہ رکوع ۱۔ اب یہ آیت بھی مسیح کی موت پر دال ہے۔ کیونکہ آخری زمانہ کے لوگوں کی جو اس امت میں سے ہیں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اگر مسیح زندہ ہوتے تو اُن کا کچھ ذکر ہوتا۔ اور اگر ذکر ہے تو اہل فارس کا جن کی نسبت فرمایا گیا ہے لَوْ كَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ +

(۶۰) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے کہ ایسا ہو تو ویسا ہی ہو جاتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مسیح علیہ السلام کی وفات ظاہر کرے تو اس نے امت محمدیہ سے ایک مسیح کھڑا کر دیا دیکھو سورہ یٰسین ع ۵

پانچویں فصل

اس باب میں کہ مفسّرین نے آیات ذیل پر کیا آرائی ظاہر کی ہیں

اس فصل میں ہم آیات مندرجہ بالا پر بعض آیات کی نسبت ہم مفسرین کی آرائے ظاہر کرتے ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ سب کی سب آیات پر جو شمار میں ۶۰ ہیں فرداً فرداً تفسیر بیان کی جائے کیونکہ اس سے کتاب بہت طویل ہو جاتی ہے عقلمند کو صرف چند آیات

ہی کافی ہوسکتی ہیں لہذا ہم نمبروار ہر ایک آیت پر الگ الگ مفسرین کی آرائے ظاہر کرینگے
تاکہ معلوم ہوجائے کہ اُن لوگوں کے خیال میں کل رسولوں کی موت کی نسبت کیا خیال تھا۔

۱۔ تفسیر ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۶۸ زیر آیۃ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ پر اس طرح لکھا ہے:

يَقُوْلُ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هُوَ يَصْنَعُ اللّٰهُ بِهٖ صَانِعٌ مَنْ قَبَضَهُ اِلَيْهِ عِنْدَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ اَجَلِهٖ كَسَائِرِ مُدَّةِ رُسُلِهٖ اِلٰى خَلْقِهِ الَّذِيْ مَضَوْا قَبْلَهٗ وَمَاتُوْا عِنْدَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ آجَالِهِمْ

اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعد اختتام مدت عمر ویسا ہی کرونگا جس طرح تمام رسولوں کے ساتھ کیا جو اُس سے پہلے مخلوقات کے پاس بھیجے گئے اور جو اپنی مدت عمر پوری کرکے فوت ہوئے

۲۔ تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۶۸ زیر آیۃ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ پر یوں لکھا ہے:

هٰذَا اِسْتِمْرَارٌ فِيْ عَتْبِهِمْ اَخْبَرَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلٌ كَمَنْ مَضٰى مِنَ الرُّسُلِ بَلَّغَ عَنِ اللّٰهِ كَمَا بَلَّغُوْا وَلَيْسَ بَقَاءُ الرُّسُلِ شَرْطًا فِيْ بَقَاءِ شَرَائِعِهِمْ بَلْ هُمْ يَمُوْتُوْنَ وَتَبْقٰى شَرَائِعُهُمْ يَلْتَزِمُهَا اَتْبَاعُهُمْ فَلَمَّا مَضَتِ الرُّسُلُ وَانْقَضَوْا فَكَذٰلِكَ حُكْمُهُمْ هُوَ فِيْ ذٰلِكَ وَاحِدٌ وَقَرَأَ الْجُمْهُوْرُ الرُّسُلُ بِالتَّعْرِيْفِ عَلٰى سَبِيْلِ التَّفْخِيْمِ لِلرُّسُلِ فَرَاَةُ التَّعْرِيْفِ اَرْجَحُ اِذْ تَدُلُّ عَلٰى تَسَاوِيْ كُلٍّ فِي الْخَلْقِ وَالْمَوْتِ فَهٰذَا الرَّسُوْلُ هُوَ مِثْلُهُمْ فِيْ ذٰلِكَ۔

یہ قاعدہ دائمی ہے اُن کے بعد آنے والے کے لئے یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول اُسی طرح کا ہے جس طرح رسول اُس سے پہلے گذرے ہیں اور اس نے اُسی طرح تبلیغ منجانب اللہ کی جس طرح اُن رسولوں نے کی تھی اور شریعتوں کے بقا کے لئے رسولوں کے بقا کی شرط لازمی نہیں کیونکہ رسول تو مر ہی جاتے ہیں اور اُن کی شریعتیں قایم رہتی ہیں اُن کی اطاعت لازمی ہے اور دنیا سے گذرنے کا قاعدہ سب کا یکساں ہے اور جمہور علماء نے الرسل کو تعریف کے ساتھ پڑھا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ تمام رسول پیدائش اور موت میں مساوی ہیں ایسا ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے۔

اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ اَتُؤْمِنُوْنَ بِہٖ مُدَّۃَ حَیَاتِہٖ فَاِنْ مَاتَ ارْتَدَدْتُّمْ فَتُخَالِفُوْا سُنَنَ اَتْبَاعِ اَنْبِیَاءٍ قَبْلَکُمْ فِیْ ثَبَاتِہِمْ عَلٰی مِلَلِ اَنْبِیَائِہِمْ بَعْدَ وَفَاتِہِمْ	کیا تم اس کی مدت حیات پر ایمان لاتے ہو اور اگر وہ نبی فوت ہو جائے تو تم مرتد ہو جاؤ گے یہ بہ تو اُن انبیاء کے اتباع کی سنت کے خلاف ہے جو تم سے پہلے گذرے ہیں کیونکہ وہ تو اپنے نبیوں کی وفات کے بعد اُنکے دین پر قائم رہے

آیۃ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ +

(۳) تفسیر ابو سعود جلد ۳ صفحہ ۸۵-۸۶ بزیر آیۃ بالا یوں لکھا ہے +

(۱) کَاَنَّہٗ قِیْلَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہٖ اَمْثَالُہٗ فَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا۔ اَفَاِنْ مَاتَ اِنْکَارٌ لِارْتِدَادِہِمْ وَانْقِلَابِہِمْ عَنِ الدِّیْنِ بِخُلُوِّہٖ بِمَوْتٍ اَوْ قَتْلٍ بَعْدَ عِلْمِہِمْ بِخُلُوِّ الرُّسُلِ قَبْلَہٗ وَبَقَاءِ دِیْنِہِمْ مُتَمَسِّکًا بِہٖ	گویا کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جنس یعنی انبیا اُن سے پہلے فوت ہو چکے پس یہ رسول بھی پہلے رسولوں کی طرح اس دنیا کو خالی کر دیگا۔ اگر یہ نبی مر گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ دین سے مرتد یا پھر سکتے ہیں جبکہ اُن کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ اس

رسول سے پہلے جس قدر رسول ہوئے ہیں وہ سب یا تو موت کے ذریعہ یا قتل کے ذریعہ دُنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور اُن کا دین قائم رہا ہے +

(۴) تفسیر کشاف جلد ا صفحہ ۲۳۹ پر اس طرح لکھا ہے +

فَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا وَکَمَا اَنَّ اَتْبَاعَہُمْ بَقُوْا مُتَمَسِّکِیْنَ بِدِیْنِہِمْ بَعْدَ خُلُوِّہِمْ	یعنے جیسے اور سب رسول جو اس رسول سے پہلے دُنیا میں تھے دنیا کو خالی کر گئے اسی طرح

یہ بھی خالی کریگا اور اُن کے اتباع اُن کے مرنے کے بعد اُس کے دین پر قایم رہے +

(۵) تفسیر مدارک جلد اوّل صفحہ ۲۴۲۔ فَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا وَکَمَا اَنَّ اَتْبَاعَہُمْ بَقُوْا مُتَمَسِّکِیْنَ بِدِیْنِہِمْ بَعْدَ خُلُوِّہِمْ۔ یہ بھی اُسی طرح گذر جائینگے جیسے پہلے لوگ گذر چکے اور اُن کے اتباع جس طرح اُن کے بعد اُنکے دین پر قائم رہے اُسی طرح اب بھی ہوگا

(۶) تفسیر خازن جلد اوّل صفحہ ۳۴۳ وہی عبارت ہے جو تفسیر مدارک میں ہے +

(۷) حاشیہ للقنوی علی البیضاوی جلد ۳ صفحہ ۱۲۴ - قولہ فسیخلو کما خلوا بالموت او القتل ھذا ناظر بالرسل المتقدمین یعنے جیسے دوسرے رسول اپنی موت یا قتل سے دنیا کو خالی کر گئے یہ بات سابق رسولوں کی نسبت ہے +

(۸) تفسیر تبصیر الرحمن و تیسیر المنان جلد اول صفحہ ۱۲۷ و الرسل منھم من مات و منھم من قتل فلا منافاۃ بین الرسالۃ و القتل و الموت - یعنی جس قدر رسول اس رسول سے پہلے ہوئے ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ بعض اپنی موت سے مرے اور بعض قتل ہوئے پس یہ بات منافی رسالت نہیں ہے +

(۹) تفسیر ابن عرفہ وَقَالَ نَاسٌ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ لَوْکَانَ نَبِیًّا مَا قُتِلَ فَاَخْبَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَنَّ الرُّسُلَ مِنْ قَبْلِہٖ قَدْ مَاتُوْا وَثَبَتَتْ اُمَمُھُمْ عَلٰی دِیْنِھِمْ وَلَمْ یَرْتَدُّوْا عَنْھُمْ بِوَجْہٍ +

یعنے منافقوں نے کہا کہ اگر یہ نبی ہوتا تو مارا نہ جاتا - تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس سے پہلے تمام رسول یقیناً مر چکے اور اُن کی اُمتیں اُنکے دین پر قایم رہیں اور کسی طرح مرتد نہیں ہوئیں +

(۱۰) تفسیر سواطع الالہام - صفحہ ۱۰۳ - وَھُوَ رَاحِلٌ لَمَّا رَحَلُوْا مَالَہٗ دَوَامُ الْعُمَا - یعنے یہ بھی اُن رسولوں کی طرح ہے جو اس سے پہلے تھے یہ بھی ہمیشہ کے لئے کوچ کرنیوالا ہے +

(۱۱) تفسیر کمالین صفحہ ۹۵ - اس میں وہی مضمون ہے جو کشاف میں ہے +

(۱۲) تفسیر جامع البیان صفحہ ۶۱ - قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَیَخْلُوْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیْضًا - یعنے اِس رسول سے پہلے سب رسول فوت ہوئے یا قتل ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا +

(۱۳) تفسیر مظہری جلد اول صفحہ ۴۵۸

قَدْ خَلَتْ مَضَتْ مَاتَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ فَسَیَمُوْتُ ھُوَ اَیْضًا - اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ - اَیْ رَجَعْتُمْ اِلٰی دِیْنِکُمُ الْاُوْلٰی مِنَ الْکُفْرِ اَنْکَرَ عَلٰی اِرْتِدَادِھِمْ بِمَوْتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یعنے اس رسول سے پہلے سب رسول مر گئے ایسا ہی اگر یہ رسول بھی فوت ہو جائیگا تو کیا تم اپنے پہلے دین یعنے کفر پر عود کرو گے اور جب تم کو علم ہے کہ اس سے پہلے سب رسول مر چکے تو کیا تم اس رسول کے فوت ہونے پر مرتد ہو جاؤ گے +

بَعْدَ عِلْمِهِمْ بِمَوْتِ مَنْ سَبَقَهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَبَقَاءِ دِيْنِهِمْ +

(۱۴) تفسیر غرائب القرآن جلد اول صفحہ ۳۴۸ - فَسَيَخْلُو كَمَا خَلَوْا وَكَمَا اَنَّ اَتْبَاعَهُمْ بَقُوا مُتَمَسِّكِيْنَ بِدِيْنِهِمْ بَعْدَ خُلُوِّهِمْ... وَسَبَبُ الْاِنْكَارِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الدَّلِيْلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى الرَّسُوْلِ هِيَ التَّبْلِيْغُ وَثَانِيْهُمَا الْقِيَاسُ عَلٰى مَوْتِ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَقَتْلِهِمْ +

یعنے یہ رسول بھی اُسی طرح گذر جائیگا جیسے پہلے رسول گذر گئے اور انکے متبعین اُن کے مرنے کے بعد اُن کے دین پر قایم رہے - اور اس انکار کا سبب جو اگلی آیت میں ہے ان دو وجوہات سے ہے ایک تو یہ کہ رسول کا کام تبلیغ کرنا ہے اور دوسری دلیل اس بات کی ہے کہ اس رسول سے پہلے تمام انبیاء فوت ہو گئے ہیں +

(۱۵) تفسیر صافی جلد اول سورہ آل عمران - فَسَيَخْلُو كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ یعنے جیسے رسول موت یا قتل سے مرے ایسا ہی اس رسول کے ساتھ ہوگا +

(۱۶) درالاسرار - جلد ۵ صفحہ ۶۸ - کَسَوَاہُ - یعنے جیسے دوسرے انبیاء کا حال ہوا ویسا ہی ان کا ہوگا یعنے مرنے جینے میں سب مساوی ہیں +

(۱۷) تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۳۰۷ - وہی مضمون ہے جو تفسیر کشاف میں ہے +

(۱۸) تفسیر فتوحات الٰہیہ - جلد اصفحہ ۳۲۶

- فَاِنَّهُمْ لَمَّا انْقَلَبُوْا كَاَنَّهُمْ اِعْتَقَدُوْا اَنَّهُ لَيْسَ لِسَائِرِ الرُّسُلِ فِيْ اَنَّهُ يَمُوْتُ كَمَا مَاتُوْا وَيَجِبُ التَّمَسُّكُ بِدِيْنِهِ بَعْدَهُ كَمَا يَجِبُ التَّمَسُّكُ بِاَدْيَانِهِمْ بَعْدَهُمْ +

پس جس وقت وہ پھر گئے گویا کہ اُنہوں نے یہ اعتقاد کر لیا کہ دوسرے تمام رسولوں کے برخلاف کہ جیسے وہ مر گئے یہ رسول نہیں مریگا اور یہ نہ سمجھے کہ جیسے اور رسولوں کے پیرو اپنے رسولوں کے مرنے کے بعد اپنے دین پر قایم رہے ایسا ہی نہیں رہنا ہوگا - وَقَوْلُهُ اَفَاِنْ مَاتَ - اَیْ فَلَا يَنْبَغِي الرُّجُوْعُ عَنْ دِيْنِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ لِاَنَّهُ كَسَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ فَاِنَّهُمْ لَمْ يَرْجِعُوْا عَنْ اَدْيَانِهِمْ بِمَوْتِهِمْ وَقَتْلِهِمْ یعنے اس رسول کی موت کے بعد اس دین سے پھرنا مناسب نہیں کیونکہ سارے نبی اور رسول فوت ہو گئے اور اُن کی اُمتیں اُن کی موت اور

قتل پر اپنے دینوں سے نہیں پھرینگے +

(۱۹) حاشیہ شیخ احمد صادی مالکی بر جلالین جلد اول صفحہ ۱۶۳۔ اس میں وہ حدیث بیان کی گئی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق نے بوقت وفات حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی تھی۔ جس سے وفاتِ کل انبیا ثابت ہوتی ہے +

(۲۰) حاشیۃ الشہاب المسماۃ بعنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی البیضاوی۔ جلد ۳ ص۶۰ اَنَّہٗ لَیْسَ مُبَرَّءًا عَنِ الْہَلَاکِ کَسَائِرِ الرُّسُلِ فِی اَنَّہٗ یَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا۔ یعنے یہ رسول اور تمام رسولوں کی طرح موت سے بری نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بھی اُسی طرح جائیگا جیسے سب رسول گذر گئے +

(۲۱) تفسیر سراج المنیر جلد اوّل صفحہ ۲۳۳۔ فَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ معنے اوپر بیان ہو چکے +

(۲۲) ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۳۵ (ف) حاصل یہ ٹھہرا کہ حضرت کا فرمایا ما راجانا موجبِ ضعف کا دین میں سبب رجوع کا اسلام سے نہیں ہوسکتا اس لئے کہ سارے انبیاء جو حضرت سے پہلے تھے مر چکے ہیں مگر اُن کے اتباع بعد اُن کی موت کے دینِ انبیاء سے نہیں پھرے +

(۲۳) تفسیر بحر مواج جلد اول صفحہ ۱۳۴۔ یعنے بدرستی پیشِ او پیغامبران گذشتہ اند وہماز جہان رفتہ اند یعنے سب پیغمبر اس جہان سے گذر گئے +

(۲۴) تفسیر عمدۃ البیان۔ جلد ۱ صفحہ ۱۹۳۔ اور نہیں ہے محمّد مگر پیغمبر کہ آدمی ہے تحقیق کہ گذرے ہیں پہلے اُس سے پیغمبر کہ مر گئے ہیں یا قتل ہو گئے ہیں اور یہ بھی ایک روز مریگا +

(۲۵) تفسیر کبیر۔ جلد ۳۔ صفحہ ۸۶-۸۷۔ فَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا۔ یعنے یہ رسول بھی باقی سب رسولوں کی طرح فوت ہو جائیگا وَحَاصِلُ الْکَلَامِ اَنَّہٗ تَعَالٰی بَیَّنَ اَنَّ قَتْلَہٗ لَا یُوْجِبُ ضُعُفًا فِیْ دِیْنِہٖ بِدَلِیْلَیْنِ۔ اَلْاَوَّلُ بِالْقِیَاسِ عَلٰی مَوْتِ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَقَتْلِہِمْ یعنے حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھول کر بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل ہوجانا دینِ اسلام میں دو وجوہات سے ضعف کا باعث نہیں ہوسکتا۔ ایک تو یہ کہ سب نبیوں کو موت سے پالا پڑا یا قتل سے +

(۲۶) تفسیر ابن کثیر - جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ - وَ

قَالَ الزُّهرِیُّ وَحَدَّثَنِیْ اَبُوْسَلَمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَابَکْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ یُکَلِّمُ النَّاسَ وَقَالَ اِجْلِسْ یَا عُمَرُ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَمَّا بَعْدُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اِلٰی قَوْلِہٖ وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ +

یعنے امام زہری کہتے ہیں کہ ابو سلمہ نے ابن عباس سے حدیث بیان کی کہ ابو بکر باہر آئے اور دیکھا کہ عمر لوگوں سے کلام کر رہا ہے۔ ابو بکر نے فرمایا کہ اے عمر بیٹھ جا۔ اس کے بعد کہا کہ جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہی اس کو معلوم ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا سو اللہ تو زندہ ہے اور نہیں مریگا۔ اور پھر دلیل میں یہ آیت پڑھی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں اور جس قدر رسول اُن سے پہلے ہوئے وہ سب مر چکے +

(۲۷) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۷ - زیر آیۃ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ سَبَبُ نُزُوْلِ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اُصِیْبَ یَوْمَ اُحُدٍ صَاحَ الشَّیْطَانُ قَائِلًا قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَفَشَلَ بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی قَالَ قَائِلٌ قَدْ اُصِیْبَ مُحَمَّدٌ فَاَعْطُوْا بِاَیْدِیْکُمْ فَاِنَّمَا ھُمْ اِخْوَانُکُمْ وَقَالَ اٰخَرُ لَوْ کَانَ رَسُوْلًا مَا قُتِلَ فَرَدَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ذٰلِکَ وَاَخْبَرَھُمْ بِاَنَّہٗ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ وَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا +

یعنے اس آیت کا نزولِ شان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنگ اُحد میں تکلیف پہنچی تو شیطان چلایا اور کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو قتل ہو گئے اس پر بعض مسلمانوں کا پاؤں پھسل گیا یہاں تک کہ کسی کہنے والے نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مصیبت پہنچی وہ پہنچ چکی اب تم اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔ ایک دوسرے نے کہا کہ اگر وہ رسول ہوتے تو قتل نہ ہوتے اسپر اللہ تعالٰی نے اس کا جواب دیا اور مطلع کیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہے اور اس سے پہلے رسول گذر چکے ہیں۔ یہ بھی اُسی طرح اس دُنیا سے جائیگا۔ جس طرح وہ چلے گئے۔ آگے فرماتا ہے۔ اَیْ کَیْفَ تَرْتَدُّوْنَ وَتَکْفُرُوْنَ بِدِیْنِہٖ اِذَا مَاتَ اَوْ قُتِلَ مَعَ عِلْمِکُمْ اَنَّ الرُّسُلَ تَخْلُوْا وَیَتَمَسَّکُ اَتْبَاعُھُمْ بِدِیْنِھِمْ

وَاِنْ فَقَدُوْا بِالْمَوْتِ اَوْقَتْلٍ - یعنے تم کس طرح اُس کے دین سے مرتد ہوتے اور اُس کا انکار کرتے ہو یہ سُنکر کہ رسول تو مرگیا یا قتل کیا گیا باوجودیکہ تم کو علم ہے کہ کل رسول مر چکے یا قتل کئے گئے اور اُن کے تابعدار اُن کے دین پر قایم ہیں +

(۲۸) تاج التفاسیر میں یوں لکھا ہے - وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ - بَشَرٌ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ - قَدْ خَلَتْ - صِفَتٌ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ - فَمِنْهُمْ مَنْ مَاتَ وَمِنْهُمْ مَنْ قُتِلَ نَزَلَتْ هٰذِهٖ حِيْنَ قَالَ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْكَانَ نَبِيًّا مَا قُتِلَ اِرْجِعُوْا اِلٰى اِخْوَانِكُمْ وَدِيْنِكُمْ وَقَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ يَا قَوْمِ اِنْ كَانَ قُتِلَ مُحَمَّدٌ فَاِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ +

یعنے نہیں ہے محمد مگر ایک بشر جسکو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے - اُس سے پہلے کل رسول گذر چکے جن میں سے کچھ تو اپنی موت سے مرے اور بعض قتل کئے گئے اور یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جبکہ منافقوں نے کہا کہ اگر وہ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے - تم اپنے بھائیوں اور اپنے آبائی دین میں عود کرو - اسپر بعض صحابہ نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے تو کیا ہوا محمد کا رب تو زندہ ہے جو نہیں مریگا - دیکھو صفحہ ۴۷ +

(۲۹) تفسیر فتح القدیر جلد اول قلمی زیر آیۂ مذکور یوں لکھا ہے وَسَيَخْلُوْ كَمَا خَلَوْا - یعنے یہ رسول بھی اُسی طرح دنیا سے گذر جائیگا جس طرح کل رسول گذر گئے آگے چلکر یوں لکھا ہے -

اَیْ كَيْفَ تَرْتَدُّوْنَ وَتَتْرُكُوْنَ دِيْنَهٗ اِذَا مَاتَ اَوْ قُتِلَ مَعَ عِلْمِكُمْ اَنَّ الرُّسُلَ تَخْلُوْا وَيَتَمَسَّكُ اَتْبَاعُهُمْ بِدِيْنِهِمْ وَ اِنْ فَقَدُوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ +

یعنے تم کیوں مرتد ہوتے اور دین کو چھوڑتے ہو اس وجہ پر کہ وہ مرگیا یا قتل ہوگیا حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ کل رسول گذر گئے اور اُن کے اتباع اُن کے دین پر قائم ہیں خواہ وہ رسول اپنی موت سے مرے یا قتل ہوگئے +

(۳۰) تفسیر جامع البیان صفحہ ۶۱ زیر آیۂ بالا - قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَيَخْلُوْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْضًا - ترجمہ اوپر گذر چکا ہے +

(۳۱) تفسیر محمدی منزل اول صفحہ ۲۰۳ زیر آیۂ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ پر یوں لکھا ہے +

ونیست محمد مگر پیغمبر البتہ گذشتہ اند پیش از وے پیغمبران۔ آیا اگر بمیرد یا کشتہ شود باز گردید بر پاشنہ ہائے خود +

نہیں محمد مگر نبی تس اگے نبی سدھارے
جو مویا یا مارا گیا تا فرسو اُلٹے پچھان دوبارے
یعنے جیویں پیغمبر گذرے زندہ رہیا نہ کوئی
تویں محمدؐ رہے نہ دایم موت بندیاں سر ہوئی

نہیں ہے محمد مگر پیغمبر اُس سے پہلے رسول یقیناً گذر چکے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کی طرح اپنی موت سے یا بذریعہ قتل مرجائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر واپس ہو جاؤ گے +

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی ہیں اور اُس سے پہلے کل نبی دنیا سے کوچ کر گئے اگر یہ نبی بھی اپنی موت سے مرجائے یا دوسروں کے ہاتھ سے مارا جائے تم دین چھوڑ دو گے۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح سارے پیغمبر مر گئے کوئی بھی زندہ نہ رہا اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں رہ سکتے بندوں پر موت کا آنا ضروری ہے +

اِن تمام تفاسیر سے صاف واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہوئے ہیں وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں ایک بھی باقی نہیں رہا لیکن تعجب کی بات ہے کہ مفسرین تفسیر کرتے ہوئے کیوں مسیح کی موت کے وقت بیچ کہا کئے حالانکہ یہی ایک ہی آیت مسیح کی وفات کے لئے کافی تھی۔ پھر نامعلوم کیوں حضرت مسیح کی نسبت دوسرے مقامات پر فیصلہ قطعی نہیں کرسکے بلکہ اُن کی وفات کی نسبت اسقدر اختلافات اُن سے وقوع میں آئے جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں۔ اگر وہ بزرگوار قرآن شریف کی تفسیر کرتے وقت اس آیۃ کا خیال رکھ لیتے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا یعنی اگر قرآن شریف خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو تم اُس میں بڑا اختلاف پاتے۔ تو پھر اس قدر کیوں اس میں اختلاف کرتے بلکہ مسیح علیہ السلام کو بھی دیگر انبیاء کی طرح مرا ہوا یقین کرتے کیونکہ اس آیت نے صریح تمام رسولوں کی موت کا فیصلہ کر دیا ہے اس میں کسی طرح کی تاویل کی گنجایش نہیں ہے ہاں بعض نادان مولوی لفظ خَلَتْ پر بحث کریا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے معنے مرنے کے نہیں لیکن ہم نے متذکرہ بالا تفاسیر سے دکھلایا ہے کہ خلت کے معنے موت کے لئے گئے ہیں

فصل پنجم

شعبہ اوّل

لفظ خلت اور حدیث

جب ہم حدیث میں غور کرتے ہیں کہ خلت کن معنوں میں استعمال ہوا ہے تو وہاں بھی وفات ہی کے معنے ثابت ہوتے ہیں چنانچہ مستدرکِ حاکم و ترمذی و ابویعلی و بیہقی میں حضرت انس سے روایت ہے۔

(۱) کَانَ فِیْمَا خَلَا مِنْ اِخْوَانِیْ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ ثَمَانِیَۃَ اٰلَافِ نَبِیٍّ ثُمَّ کَانَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ ثُمَّ کُنْتُ اَنَا بَعْدَہٗ رَوَاہُ حَاکِمُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْیَعْلٰی وَالْبَیْہَقِیُّ۔

جس قدر میرے بھائی نبیوں میں سے جو پہلے چلے ہیں آٹھ ہزار تھے پھر اُن کے بعد عیسٰی بن مریم ہوئے پھر اُس کے بعد میں ہوا دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۱۔

اس حدیث میں لفظ خلا آیا ہے جسکے معنے فوت کے ہیں یعنے سب انبیاء جو مجھسے پہلے تھے وہ سب مر چکے ہیں اگر موت کے معنے نہ لئے جائیں تو پھر سب کو زندہ ماننا پڑیگا۔ کیونکہ جوامع الکلم ذاتِ بابرکات نے سب انبیا کے لئے ایک ہی لفظ بولا ہے خَلَا۔ اور اگر اس کے معنے موت کے نہ لئے جائیں تو آں ذاتِ والاصفات صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا ہے ورنہ سب کو زندہ ماننا پڑیگا۔

اگر علماء اس کے معنے موت کے بھی نہ لیتے تو بھی کچھ ہرج نہیں تھا کیونکہ اس آیت میں جملہ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ خَلَتْ کی تفسیر واقع ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ موت یا قتل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تک ہی محدود نہیں بلکہ اُس سے پہلے جس قدر رسول گذرے ہیں اُن کا بھی یہی حال ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا حضرت رسولِ خدا کی قتل کی نسبت اس آیت کو اسند لالاً نازل کرنا بے معنے ہوتا۔ کیونکہ جنگِ اُحد میں کفار نے مشہور کر دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور اصحابِ رسول اللہ اس خبر کو سُنکر سخت پریشان اور متردد ہوئے کہ اب کیا ہو گا تو بطور عتاب یہ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ نازل ہوئی۔

اگر خلت کے معنے موت یا قتل کے نہیں تھے تو پھر اسکو کیوں ایسے موقع پر نازل کیا جس سے صاف نکلتا ہے کہ اس کے معنے موت کے ہیں +

شعبہ دوم

اعتراض مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ پر

لفظ خلت کا استعمال قرآن کریم میں

یہاں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اور پھر اُن کے مقلدین مولوی ثناء اللہ امرتسری و مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے اعتراض کیا ہے کہ آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں مِنْ قَبْلِهِ لفظ خَلَتْ کے متعلق ہے نہ الرُّسُلُ کے اور اسی لیے یہاں تمام رسول مراد نہیں ہو سکتے اور اگر تمام رسول مراد لیں تو پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول نہیں قرار پا سکتے کیونکہ جب اُن سے پہلے کل رسول گذر گئے تو اب وہ کیسے رسول ہو سکتے ہیں۔ جبکہ کسی رسول کی جگہ ہی نہ رہی۔ یہ بڑا دھوکا ہے جو ایمان کے غارتگر انسانوں نے دیا ہے اپنی بات کے پورا کرنے کے لئے قرآن شریف کی آیات میں کیا کیا توجیہیں نکالتے ہیں خواہ قرآن کریم جھوٹا ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو جائے مگر وہ حق کے قبول کرنے سے کوسوں دور بھاگینگے کیونکہ وہ اپنے مقابل کو خواہ وہ کیسا ہی راستباز اور خدا کا فرستادہ ہو ہرانے کی سعی کرینگے اور اُسکو نیچا دکھانے کے لئے اپنی ایڑی تک زور صرف کر دینگے مگر حق کو قبول نہیں کرینگے ان ناترسوں کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے تمام صحابہ کی تکذیب اور تمام آئمہ کی تکذیب ہوتی ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ اِتَّقُوا اللّٰهَ یَا اُولِی الْاَلْبَابِ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو کس موقع پر نازل ہوئی ضرور معلوم ہے مگر ضد اور تعصب نے آنکھوں پر سخت پردہ ڈالدیا ہے اگر یہاں اس آیت میں سارے رسول مراد نہیں تھے تو پھر جنگ اُحد میں رسول اللہ کے قتل ہونے پر صحابہ کا پریشان و متردد ہونا اور پھر خدا تعالیٰ کا اُن پر تنبیہ کرنا چہ معنے دارد۔ اگر گذشتہ

رسولوں میں سے کوئی ایک رسول زندہ تھا تو پھر اللہ تعالی کا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کہنا اور گذشتہ رسولوں کی موت یا قتل پر استدلال پیش کرنا عبث تھا کیونکہ اگر ایک رسول بھی زندہ ثابت ہو جائے تو پھر استدلال بالکل غلط ہو جاتا ہے ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ پھر اگر گذشتہ رسولوں میں سے کوئی رسول زندہ تھا تو حضرت عمر کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا خطبہ پڑھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس آیت کو استدلالاً پیش کرنا اور حضرت عمر اور تمام صحابہ کا اس آیت کو سنکر تسلی پانا فضول ہو جاتا ہے اور پھر سب سے بڑھکر یہ بات قابل غور ہو کہ اُسوقت کسی نے ایسا اعتراض نہیں کیا کہ عیسے علیہ السلام تو زندہ ہی پھر سارا رسول زندہ کیوں نہیں

اب ہم اس اعتراض کی قلعی کھولتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ یہ اعتراض ایک منٹ کے لئے بھی قایم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا حال واقعہ ہے نہ یہ کہ مِنْ قَبْلِهِ خَلَتْ کے متعلق ہے جیسا کہ پیر صاحب گولڑوی اور دیگر کہتے ہیں اور کتب علم بلاغت میں صاف لکھا ہو کہ حال قایم مقام صفت ہوتا ہے پس اس صورت میں آیت کے یہ معنے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر رسول ہوئے ہیں وہ سب کے سب مر چکے۔ اگر کسی کو ہمارے اس معنے اور اس بیان پر شک ہو تو کتاب اعراب ابو البقا کو ملاحظہ فرما کر اپنی تسلی کرے سراسر ہمارے مدعا کے مطابق پائیں گے کیونکہ علامہ مذکور نے اس طرح آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ پر مفصل لکھا ہے جس کو دیکھنا منظور ہو اس آیت کے نیچے دیکھ لے +

ہم لفظ خَلَتْ پر کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں وہ مختلف صیغوں میں آیا ہے۔ بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اس کے معنے ایسے گذرنے کے ہیں کہ پھر کبھی نہ آئے اور ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے جس کی دوسری صورت میں بجز موت اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی کیونکہ جو چیز ہمیشہ کے لئے گذر جائے اور اُس کے واپس آنے کی کوئی امید نہ ہو اسی کو موت کہتے ہیں +

(۱) تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ۔ پارہ اول رکوع ۱۶۔ یہ ایک امت ہو جو گذر گئی۔ کیا اس کے یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے نہیں گئی بلکہ اُس کے واپس آنے کی امید ہے۔ یا کیا یہ خیال ہو سکتا ہو کہ وہ ابتک زندہ ہے +

(۲) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ - پارہ چہارم - سورۃ آل عمران رکوع ۱۴ - تحقیق تم سے پہلے قومیں گذر گئیں - کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جو قومیں کہ پہلے گذر چکی ہیں وہ واپس آئینگی +

(۳) مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔ پارہ ۶ - رکوع ۱۴ مسیح ابن مریم ایک رسول ہے اس سے پہلے رسول گذر چکے ہیں اب تماؤ انہیں سے کسی کے واپس آنے کی امید ہے - اس آیت سے قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کیونکہ جو الفاظ مسیح کی آیت میں آئے ہیں وہی الفاظ رسول اللہ صلعم کی آیت میں ہیں جو معنے خلت کے مسیح کے پہلے رسولوں کے متعلق ہوسکتے ہیں وہی رسول صلعم کے پہلے رسولوں کے متعلق ہونگے مگر جسقدر انبیا حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے گذر چکے ہیں - اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں مانا جاتا اور نہ کوئی واپس آئیگا تو پھر کیا وجہ ہے کہ سب جگہ موت یا ایسے گذر جانے کے معنے لئے جاتے ہیں کہ ہمیشہ کیلئے اُنکی جگہ خالی کردی جائے لیکن آیۃ زیر بحث میں اور معنے لئے جائیں یہ انصاف اور عقل کے خلاف ہی +

(۴) وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۔ سورہ فاطر رکوع ۳ - یعنے کوئی ایسی اُمت نہیں جس میں کوئی نذیر نہ گذرا ہو - کیا یہاں بھی تسلیم کرلیا جائے کہ جس قدر اُمتیں ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک ہوئی ہیں اور اُن میں نذیر آتے رہے ہیں وہ سب کے سب زندہ موجود ہیں +

(۵) قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ - پارہ ۱۴ - سورۃ الحجر - رکوع ۱ - تحقیق اولین کی سنت گذر چکی کون نہیں مان سکتا کہ جو قدیم الایام میں لوگ تھے اُن کے طریق بھی اُن قوموں کے ساتھ ختم ہوگئے ہیں کون ہو جو کہے کہ وہ پھر زندہ ہو جائینگے +

(۶) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ ۔ پارہ ۱۳ - سورۃ رعد - رکوع ۳ - یعنی اُن سے پہلے بہت اُمتیں گذر چکیں - کیا کوئی نشان دے سکتا ہے کہ وہ اُمتیں ابتک زندہ ہیں +

(۷) وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ - پارہ ۲۶ - سورۃ الحجر رکوع ۱ - زمانہ گذر گئے کیا کوئی قبول کرسکتا ہے کہ جو زمانہ گذر چکے ہیں وہ واپس آئینگے فَتَدَبَّرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

(۸) أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ - ان اُمتوں کے بارے میں جو اُن سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں اُن پر فرد جرم لگ چکا ہو کہ وہ ٹوٹا پانے والے تھے +

انہی امثلہ پر اکتفا کر کے اب ہم لغت سے اسکے معنے ظاہر کرتے ہیں +

شعبہ سوم

لفظ خَلَتْ کے معنی لغتِ عرب میں کیا ہیں

اگر لغتِ عرب کو مدنظر رکھتے تو بھی وہ اُنکو رہنمائی کرتی چنانچہ لغاتِ ذیل سے واضح ہے +

(۱) خَلَتِ الدَّارُ خَلَاءً۔ اَیْ لَمْ یَبْقَ فِیْهَا اَحَدٌ۔ کوئی اُس گھر میں باقی نہیں رہا سب مر گئے

(۲) خلا الشَّیُٔ۔ اِذَا مَضٰی۔ چیز گذر گئی اور اب واپس نہیں آئیگی +

(۳) قَالَ الْاَعْرَابِیُّ خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ۔ اعرابی لوگ جب بولتے ہیں کہ خَلَا فُلَانٌ اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ فلاں آدمی مر گیا + دیکھو لسان العرب +

(۴) خَلَا مَکَانُہٗ۔ مَاتَ وَمَضٰی۔ یعنے اُس کا مکان مسمار ہو گیا اور نام و نشان اُس کا مٹ گیا۔ دیکھو القاموس +

(۵) خَلَا الرَّجُلُ۔ اَیْ مَاتَ الرَّجُلُ۔ یعنے آدمی مر گیا۔ دیکھو اقرب الموارد جلد ا صفحہ ۲۹۹

(۶) خَلَا فُلَانٌ۔ مَاتَ۔ یعنے فلاں مر گیا۔ دیکھو تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۹ +

(۷) شعر سموءل۔ دیکھو حماسہ صفحہ

اِذَا سَیِّدٌ مِنَّا خَلَا قَامَ سَیِّدٌ + قَؤُوْلٌ بِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلٌ

جب ہم میں سے کوئی سردار مر جاتا ہے تو ایک اور سردار کھڑا ہو جاتا ہے وہ اُسی طرح باتیں کرتا ہے جس طرح شریف لوگ کرتے ہیں اور ویسا ہی کام کرتا ہے +

(ب) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ پارہ ستارہ سورۃ الانبیاء رکوع ۳

یعنے ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ نہیں رکھا۔ اگر اسے نبی تو مر جائے تو کیا یہ لوگ چھوڑ دئے جائینگے +

(۱) تفسیر ابن جریر جلد ۱۷ صفحہ ۱۶ زیر آیۃ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِن مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پر یوں لکھا ہے +

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ لِنَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا خَلَّدْنَا اَحَدًا مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ يَا مُحَمَّدُ قَبْلَكَ فِي الدُّنْيَا فَنُخَلِّدُكَ فِيْهَا وَلَا بُدَّ لَكَ مِنْ اَنْ تَمُوْتَ كَمَا مَاتَ مِنْ قَبْلِكَ رُسُلُنَا اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ يَقُوْلُ فَهٰؤُلَاءِ الْمُشْرِكُوْنَ بِرَبِّهِمْ هُمُ الْخٰلِدُوْنَ فِي الدُّنْيَا بَعْدَكَ لَا مَا ذٰلِكَ كَذٰلِكَ بَلْ هُمْ مَيِّتُوْنَ +

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے تو کسی آدمزاد کو تجھ سے پہلے اس دنیا میں زندہ نہیں رکھا اور نہ تجھے زندہ رہنے دینگے بلکہ لازمی ہے کہ تو بھی اُسی طرح مرجائیگا جس طرح تجھ سے پہلے میرے رسول مرچکے ہیں تو کیا یہ اپنے رب سے شرک کرنے والے لوگ دنیا میں تیرے بعد زندہ رہجائینگے ۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ بھی اُسی طرح مرجائینگے +

(۲) تفسیر محمدی مصنفہ حافظ لکھوکے پنجابی منزل چہارم صفحہ ۱۹۴ - زیر آیۃ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِن مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ +

ونہ دادیم ہیچ آدمی را پیش از تو ہمیشہ بودن آیا اگر تو میری ایشاں ہمیشہ باشندگان اند
نہ دتا اساں بشر نوں اگے تیں تھیں رہن سدائیں
بھلا جے توں مرجائیں اینت رہسن مرسن ناہیں
کافر کہن جے مرے محمد بچیے رنج بلاؤں
اس آیت وچ جواب وہناں دا لیایا وحی خداؤں

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ زندہ نہیں رکھا آیا اگر تو مرجائے تو انکو ہم ہمیشہ رہنے دینگے ہم نے تجھ سے پہلے اے پیغمبر کسی کو زندہ نہیں رہنے دیا پھر اگر تو مرجائے تو کیا یہ نہیں مرینگے کافر کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوجائیں تو ہم بلاؤں سے نجات پائیں یہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اُسکا جواب دیا ہے +

(۳) تفسیر ابو سعود جلد ۶ صفحہ ۱۵۰-۱۵۱ - اَيْ فِي الدُّنْيَا لِكَوْنِهٖ مُخَالِفًا لِلْحِكْمَةِ التَّكْوِيْنِيَّةِ وَالتَّشْرِيْعِيَّةِ - یعنے ہم نے کسی بشر کو اس دنیا میں زندہ نہیں رکھا وجہ یہ ہے کہ یہ بات پیدایش اور شریعت کی حکمت کے مخالف ہے +

(۴) تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۸۸۲ - اَيْ قَضَى اللّٰهُ اَنْ لَّا يُخَلِّدَ فِي الدُّنْيَا بَشَرًا فَلَا

أَنْتَ وَلَا هُمْ إِلَّا عَرَضْتُهُ لِلْمَوْتِ فَإِذَا كَانَ الْأَصْلُ كَذَٰلِكَ فَإِنْ مِتَّ أَنْتَ أَيَبْقَى هَؤُلَاءِ

یعنے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نافذ کر دیا کہ دنیا میں کوئی بشر زندہ نہ رہے۔ بس تو بھی اور وہ بھی سب کے سب موت کے لقمہ بننے والے ہیں +

(۵) تفسیر الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۳۱۸

(۱) أَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ لَمَّا نُعِيَ جِبْرِيلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهُ قَالَ يَا رَبِّ فَمَنْ لِأُمَّتِي فَنَزَلَتْ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ +

یعنے ابن المنذر ابن جریج سے بیان کرتا ہے کہ اس نے ذکر کیا جس وقت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے موت کی خبر سنائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے رب میری امت کا کیا حال ہوگا اور کون نگراں ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ و برقرار نہیں رکھا

(۲) أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ فَجَاءَ فَدَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسَجًّى فَوَضَعَ فَاهُ عَلَى جَبِينِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَلَ يُقَبِّلُهُ وَيَبْكِي وَيَقُولُ بِأَبِي وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَطِبْتَ مَيِّتًا فَلَمَّا خَرَجَ مَرَّ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ مَا مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَمُوتُ حَتَّى يَقْتُلَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ وَحَتَّى يُخْزِيَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِينَ قَالَ وَكَانُوا قَدِ اسْتَبْشَرُوا بِمَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعُوا رُؤُوسَهُمْ فَقَالَ أَيُّهَا الرَّجُلُ

یعنے ابن ابی شیبہ عمر کے بیٹے حضرت عبداللہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پرواز کر گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ کے نواح میں گئے ہوئے تھے پھر جب آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان کو دیکھا کہ آرام میں لیٹے ہوئے ہیں بے اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین ماہ جبیں پر اپنا منہہ رکھا اور اسکو بوسہ دیتے اور زار زار روتے اور زبان مبارک سے کہتے تھے آپ پر میرا ماں باپ قربان ہو زندگی میں آپ خوبصورت تھے اور بعد وفات بھی خوبصورت ہیں جب وہاں سے باہر تشریف لائے تو انکا گذر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو کیا دیکھتے ہیں حضرت عمر پکار پکار کر کہتے

اِرْبَعْ عَلٰى نَفْسِكَ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ أَلَمْ تَسْمَعِ اللهَ
يَقُولُ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ وَ
قَالَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ
مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ قَالَ ثُمَّ أَتَى الْمِنْبَرَ
فَصَعِدَهُ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ
قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰهَكُمُ الَّذِي تَعْبُدُونَ
فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَإِنْ كَانَ إِلٰهُكُمُ الَّذِي
فِي السَّمَاءِ فَإِنَّ إِلٰهَكُمْ لَمْ يَمُتْ ثُمَّ تَلَا
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى
أَعْقَابِكُمْ حَتّٰى خَتَمَ الْآيَةَ ثُمَّ نَزَلَ وَقَدِ اسْتَبْشَرَ
الْمُسْلِمِينَ بِذَالِكَ وَاشْتَدَّ فَرَحُهُمْ وَأَخَذَ
الْمُنَافِقِينَ الْكَآبَةُ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ
عُمَرَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَكَأَنَّمَا عَلٰى
وُجُوهِنَا أَغْطِيَةٌ فَكُشِفَتْ

تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ابھی
فوت ہوئے اور نہ ہونگے جب تک اللہ تعالیٰ
منافقوں کو قتل اور رسوا اور ذلیل نہ کریگا کیونکہ
منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے
خوش ہوتے اور اپنی گردنیں مارے خوشی کے
بلند کرتے تھے اسپر حضرت ابوبکر صدیق نے کہا
اے عمر سنو تم اپنے آپ کو سنبھالو اور جان لو کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فوت ہوگئے
کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا
تو بھی مرجائیگا اور یہ لوگ بھی مرجائینگے اور نیز
اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے تجھ سے
پہلے کسی بشر کو زندہ نہیں رکھا اگر اے نبی تو
مرجائے تو کیا ہم تیرے دشمنوں کو چھوڑ دینگے
اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق منبر پر رونق افروز
ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے کے بعد
تمام حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے لوگو اگر
محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا خدا تھا جس کی تم
عبادت کرتے تھے تو جان لو کہ وہ فوت ہوگیا ہے اور اگر تمہارا خدا وہ خدا ہے جو آسمانوں میں
ہے تو وہ نہیں مرا۔ پھر اس کے بعد یہ آیت پڑھی جس کے معنے یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ایک رسول ہیں اور رسول ان سے پہلے بھی ہو چکے ہیں اور کل رسول یا تو اپنی موت
سے مرے یا قتل ہوئے اگر یہ بھی اپنی موت سے مرجائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم
اپنے دین سے مرتد ہو جاؤ گے اور اس طرح ساری آیت کو ختم کیا پھر منبر پر سے اُتر آئے
تمام حاضرین اس وعظ سے بڑے خوش ہوئے حتیٰ کہ ان کی خوشی کی کوئی حد ہی نہ تھی اور
منافقین کو ان کی تقریر دلپذیر سے رنج اور درد ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ مجھے

اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ہماری حالت ایسی ہو گئی تھی کہ گویا ہمارے چہروں پر پردے تھے پھر اُس تقریر سے ہمارے چہرہ بشاش اور کشادہ ہو گئے تھے +

(۳) اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَابْنُ مَرْدُوْیَہْ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّلَائِلِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ مَاتَ فَقَبَّلَہٗ وَقَالَ وَانَبِیَّاہُ وَاخَلِیْلَاہُ وَاصَفِیَّاہُ ثُمَّ تَلَا وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَلْاٰیَۃَ وَقَوْلَہٗ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ +

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی اپنی کتاب الدلائل میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق اُسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوچکے تھے آتے ہی بوسہ دیا اور کہا کہ اے پیارے نبی اے خلیل اے صفی پھر یہ آیت پڑھی جس کے معنے یہ ہیں ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ نہیں رکھا۔ آخیر آیت تک پڑھ کر پھر یہ آیت پڑھی تو بھی مر جائیگا اور یہ لوگ بھی مر جائینگے +

(۶) تفسیر تنویر المقیاس جلد ۳ صفحہ ۲۹ +

مَا خَلَقْنَا لِبَشَرٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ فِی الدُّنْیَا اَفَاِنْ مِّتَّ فِی الدُّنْیَا۔ یَا مُحَمَّدُ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ فِی الدُّنْیَا۔ نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ فِیْ قَوْلِھِمْ نَنْتَظِرُ مُحَمَّدًا عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی یَمُوْتَ +

ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو اس دُنیا میں زندہ نہیں رکھا اگر تو بھی اس دنیا میں مر جاوے تو کیا یہ لوگ چھوڑ دئے جاینگے۔ یہ آیت کفار کے اس قول پر نازل ہوئی کہ ہم محمد علیہ السلام کی موت کی انتظاری کریں +

(۷) تفسیر خازن جلد ا صفحہ ۳۴۳ حاصلُ الْکَلَامِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَیَّنَ اَنَّ مَوْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ قَتْلَہٗ لَا یُوْجِبُ ضُعْفًا فِیْ دِیْنِہٖ وَلَا الرُّجُوْعَ عَنْہُ بِدَلِیْلِ مَوْتِ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلَہٗ وَاَنَّ اَتْبَاعَھُمْ ثَبَتُوْا عَلٰی دِیْنِ اَنْبِیَائِھِمْ بَعْدَ مَوْتِھِمْ +

کوتاہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت یا قتل سے دین میں ضعف یا اُس سے مرتد ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس رسول سے پہلے کل انبیاء فوت ہو گئے اور اُن کے اتباع اپنے انبیاء کے دین پر اُن کی موت کے

بعد بھی ثابت قدم رہے +

(۸) تفسیر سواطع الہام صفحہ ۴۰۰ - وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مَا مِنْ قَبْلِكَ مُحَمَّدٍ اَلْخُلْدَ دَوَامُ الْعُمُرِ دَارُ الْاَعْمَالِ عُمْرٌ وَاسْرٌ مَدًّا - ہم نے تجھ سے پہلے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دار الاعمال میں کسی کو ہمیشہ نہیں رکھا اور نہ ہمیشہ کی عمر دی +

(۹) تفسیر غایت البرہان جلد ۲ صفحہ ۴۹ - اور نہ کی ہم نے کسی بشر کے لئے تجھ سے پہلے ہمیشگی یہانتک کہ مسیح بھی مرکر زندہ ہو کر چالیس روز حواریوں پر ظاہر ہو کر اُٹھائے گئے اور ادریس والیاس و خضر بھی موت کا مزہ چکھ کر زندگی دوسری بار پا چکے ..... اور طبیعہ سب کو لازم ہیں +

(۱۰) تفسیر جلالین صفحہ ۲۷۰ - اَیِ الْبَقَاءُ فِی الدُّنْیَا - دنیا میں کسی کو تجھ سے پہلے باقی نہیں رکھا

(۱۱) تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۵۸۷ - اَلدَّوَامُ وَالْبَقَاءُ فِی الدُّنْیَا - اس دنیا میں نہ کسی کو ہمیشہ کے لئے رکھا اور نہ کسی کو بقا ہے +

(۱۲) تفسیر حسینی صفحہ ۵۴۲ - وماندادیم مر آدمی را مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ از پیش تو پائندگی در دنیا یعنے ہم نے کسی آدمی کو تجھ سے پہلے دُنیا میں قائم نہیں رکھا +

(۱۳) تفسیر معالمات الاسرار جلد ۲ صفحہ ۴۲ و نہ گردانیدیم برائے بشرے از قبل تو ہمیشگی کہ خود مسیح مرد - یعنے ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ نہیں رکھا حتٰے کہ مسیح علیہ السلام بھی فوت ہوگئے

(۱۴) تبصرۃ المتذکر و تذکرۃ المتبصر جلد ۳ قلمی - اَیِ الْبَقَاءُ الدَّوَامُ الدُّنْیَا - یعنے دُنیا کے بقا کا دوام نہیں ہے +

(۱۵) تفسیر عباسی - وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ فِی الدُّنْیَا - ہم نے کسی کو دُنیا میں تجھ سے پہلے زندہ نہیں رکھا +

(۱۶) تفسیر روح البیان جلد ۲ صفحہ ۶۳۴

وَالْمَعْنٰی وَمَا جَعَلْنَا لِفَرْدٍ مِنْ اَفْرَادِ الْاِنْسَانِ مِنْ قَبْلِكَ یَا مُحَمَّدُ دَوَامَ الْبَقَاءِ فِی الدُّنْیَا اَیْ لَیْسَ مِنْ سُنَّتِنَا اَنْ نُخَلِّدَ اٰدَمِیًّا فِی الدُّنْیَا وَاِنْ کُنَّا قَادِرِیْنَ عَلٰی تَخْلِیْدِهٖ فَلَا اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ عُرْضَةٌ لِلْمَوْتِ وَاسْتَدَلَّ بِالْاٰیَةِ

ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے پہلے کسی فرد بشر کو دنیا میں ہمیشہ نہیں رکھا - یعنے یہ ہماری سنت میں داخل نہیں ہے کہ اس دنیا میں کسی کو ہمیشہ کے لئے رکھیں اگرچہ ہم ہمیشہ رکھنے پر قادر ہیں پس ایک بھی ایسا نہیں

مَنْ قَالَ بِاَنَّ الْخِضْرَ مَاتَ وَلَيْسَ بِحَيٍّ فِي الدُّنْيَا +	جو موت کا لقمہ نہ ہوا ہو۔ اور اسی آیت سے کسی نے یہ استدلال لیا ہے کہ خضر بھی مر چکا ہے اور

وہ زندہ نہیں ہے +

(۱۷) تفسیر جمل جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۔ اَیْ لِکَوْنِہٖ مُخَالِفًا لِلْحِکْمَۃِ التَّکْوِیْنِیَّۃِ وَالتَّشْرِیْعِیَّۃِ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت آفرینش اور شریعت کے خلاف ہے کہ کسی کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے +

(۱۸) تفسیر سراج المنیر جلد ۲ صفحہ ۴۸۱۔ اَیِ الْبَقَاءُ فِي الدُّنْيَا۔ دنیا میں کسی کو باقی نہیں رکھا

(۱۹) العنایۃ القاضی حاشیہ علی البیضاوی۔ جلد ۵ صفحہ ۲۵۴۔ اِوْ اَنَّہٗ یَلْزَمُ مِنْ عَدَمِ تَخْلِیْدِ اَحَدٍ مِنَ الْبَشَرِ اِنْکَارُ بَقَائِھِمْ۔ یعنے بشر کی عدم تخلید سے اُن کے بقار کا انکار لازم ہے +

(۲۰) تفسیر توضیح مجید جلد ۴ صفحہ ۱۶۶۔ اور نہیں گردانا ہمنے واسطے آدمیوں کے پہلے تیرے سے ہمیشہ رہنے کو بیچ زمین کے +

(۲۱) تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۰۔ يُحْتَمَلُ اَنَّہٗ لَمَّا ظَھَرَ اَنَّہٗ عَلَيْہِ السَّلَامُ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ جَازَ اَنْ يُّقَدَّرَ مُقَدَّرٌ اَنَّہٗ لَا يَمُوْتُ اِذْ لَوْ مَاتَ لَتَغَيَّرَ شَرْعُہٗ فَنَبَّہَ اللّٰہُ تَعَالٰى عَلٰى اَنَّ حَالَہٗ كَحَالِ غَيْرِہٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْھِمُ السَّلَامُ فِي الْمَوْتِ +	احتمال ہے کہ جب یہ امر ظاہر ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں تو جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی نسبت مقدر کر دے کہ وہ نہ مریں کیونکہ اگر یہ نبی مر جائے تو اس کی شریعت میں تغیر آجائیگا تو اسپر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اس رسول کا حال دوسرے رسولوں کی طرح

ہے۔ جیسے وہ مر گئے یہ بھی مر جائیں گے +

(۲۲) تفسیر ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۲۷۷ و ۲۷۸۔ زیر آیۃ مذکورہ بالا +

يَقُوْلُ تَعَالٰى وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ اَيْ مُحَمَّدُ الْخُلْدَ فِي الدُّنْيَا بَلْ كُلُّ مَنْ عَلَيْھَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْہُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَقَدِ اسْتَدَلَّ بِھٰذِہِ الْاٰيَۃِ الْكَرِيْمَۃِ مَنْ ذَھَبَ مِنَ الْعُلَمَاءِ اِلٰى اَنَّ	اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھ سے پہلے دنیا میں کسی کو زندہ نہیں رکھا بلکہ سب کے سب فانی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات رہیگی۔ اور علماء نے آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ خضر بھی

اَلْخِضر عَلَیْہِ السَّلَامُ مَاتَ وَلَیْسَ بِحَیٍّ اَلْاٰنَ لِاَنَّہٗ بَشَرٌ سَوَاءٌ کَانَ وَلِیًّا اَوْ نَبِیًّا اَوْ رَسُوْلًا +	مرگیا ہے کیونکہ اور لوگوں کی طرح وہ بھی ایک بشر تھا۔ خواہ وہ ولی ہو یا نبی ہو یا رسول ہو +

(۲۳) تفسیر جامع البیان صفحہ ۲۸۴- زیر آیۃ بالا-

نَزَلَتْ حِیْنَ قَالُوْا نَتَرَبَّصُ بِمُحَمَّدٍ رَیْبَ الْمَنُوْنِ اِسْتَدَلَّ بِہٖ بَعْضُھُمْ عَلٰی عَدَمِ بَقَاءِ الْخِضْرِ +	یہ اُس وقت نازل ہوئی کہ جب کفار نے کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تباہی کی امید کرتے ہیں اور اس آیت سے بعض نے استدلال

کیا ہے کہ خضر بھی زندہ نہیں۔ تو عیسےٰ کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں +

اِس آیت کی تفسیر جو مفسرین نے کی ہے اِس سے صاف ظاہر ہے کہ کل انبیا جس میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں فوت ہو چکے ہیں اور بعض نے صاف مسیح اور خضر اور الیاس اور ادریس کا نام بھی لیا ہے کہ سب فوت ہو چکے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت ماسبق کی طرح یہ آیت بھی مسیح کی موت کیلئے کافی دلیل ہے دیگر آیات کی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں لیکن ہم اس امر کو زیادہ واضح کرنے کے لئے چند دیگر آیات پر بھی تفاسیر کی آراء دکھاتے ہیں لیکن مفسرین کی سمجھ پر حیرت آتی ہے کہ باوجودیکہ سب کے سب یہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کل نبی اور رسول فوت ہو چکے ہیں تو پھر اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے موقع پر کیوں اسقدر پیچیدگی میں پڑے اور کیوں قرآن شریف کی آیات کو یکجائی طور پر مدنظر نہ رکھا اور کیوں آیت وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا کو نظر انداز کر دیا۔

جب اِس آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ سارے رسول فوت ہوگئے تو وہ کونسی وجہ اُن کے پاس ہے جس سے اُنہوں نے مسیح کو مستثنےٰ کر لیا +

لفظ خلود اور لغتِ عرب

علاوہ اس کے لغتِ عرب میں بھی خلود کے معنے جیساکہ علماء سمجھ رہے ہیں وہ نہیں ہیں دیکھو لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ زیر آیۃ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی اَیَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ کے نیچے یہ معنے لکھے ہیں اَیْ یَعْمَلُ عَمَلًا لَا یَظُنُّ مَعَ یَسَارِہٖ اَنَّہٗ یَمُوْتُ۔ یعنے انسان ایسا

عمل کرتا ہے کہ وہ گمان نہیں کرتا کہ میں مرجاؤنگا دیکھو نفی خلود کی موت سے تعبیر کی گئی ہے۔ پھر مسیح کی نسبت کیوں اور تعبیر کرلیجاتی ہے +

(ج) وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ

(۱) الف ابن جریر جلد ۱۷ صفحہ ۴۔ زیر آیۃ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ یوں لکھا ہے +

يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ وَمَا جَعَلْنَا لِرُسُلِ الَّذِي أَرْسَلْنَاهُمْ مِنْ قَبْلِكَ يَا مُحَمَّدُ إِلَى الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ قَبْلَ أُمَّتِكَ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُمْ أَجْسَادًا مِثْلَكَ يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ +

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے ہم نے اُن رسولوں کا جسم جن کو ہم نے اے محمد تجھ سے پہلے اُن گذشتہ امتوں کی طرف بھیجا جو تیری اُمت سے پہلے تھیں ایسا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں لیکن ہم نے اُن کے جسم تیری طرح بنائے ہیں جو کھانا کھاتے ہیں +

(ب) ابن جریر جلد ۱۷ صفحہ ۵ زیر آیۃ مذکورہ بالا یوں آیا ہے +

وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ وَقَالَ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا فَوَاحِدُ الْجَسَدِ وَجَعَلَهُ مُوَاحِدًا وَهُوَ مِنْ صِفَةِ الْجَمَاعَةِ وَإِنَّمَا جَازَ ذَلِكَ لِأَنَّ الْجَسَدَ بِمَعْنَى الْمَصْدَرِ كَمَا يُقَالُ فِي الْكَلَامِ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ خَلْقًا لَّا يَأْكُلُونَ وَقَوْلُهُ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ يَقُولُ وَلَا كَانُوا أَرْبَابًا لَا يَمُوتُونَ وَلَا يَفْنُونَ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا بَشَرًا أَجْسَادًا فَمَاتُوا +

اور ابو جعفر نے کہا کہ جسد یہاں واحد ہے اور بطور جمع کے ہے اور یہ اسواسطے جائز ہے کہ جسد مصدری معنے میں آیا ہے جیسے کہ علم کلام کا قاعدہ ہے اور ہم نے اُن کی خلقت ایسی نہیں بنائی کہ کھانے کی محتاج ہوئی اور ما کانوا خالدین کے معنے یہ ہیں۔ وہ ایسے لوگ نہیں تھے کہ مرتے نہوں اور نہ فنا ہوتے ہوں لیکن وہ تو بشر ہوتے تھے بشری جسم لئے ہوئے ہوتے اور مرجاتے تھے +

(۲) تفسیر محمدی مسمےٰ بہ موضح فرقان مصنفہ حافظ محمد ساکن لکھو کے مطبوعہ مطبع قادری لاہور صفحہ ۸۶ منزل چہارم زیر آیۃ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ

و نہ ساختیم پیغامبران را کالبدے کہ نخورند طعام را
و نبودند جاوید باشندگان
نے نہیں بنایا اساں اوہناں پیغمبراں لوں اوجُسہ
جو نا کھاون کھانا۔ نے نہیں آہے ہمیشہ رہنو والے
نے نہیں کیتا اساں نبیاں جُسہ جواہ کھان نہ کھانا
نے نہیں آہے جو نت رہن الا آخر خاک سمانا

ہم نے پیغمبروں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ کھانا نہ
کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں +
یعنے ہم نے نبیوں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ
کھانا کھانے کے محتاج نہ ہوں اور نہ ایسے
ہیں کہ وہ دائمی زندگی پاتے ہوں آخر ایک روز خاک کے
اندر مدفون ہونا ضروری ہے +

(۳) تفسیر النہر الماد من البحر جلد ۶ صفحہ ۲۹۹ زیر آیۃ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ
الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ یوں لکھا ہے +

وَلَمَّا أَثْبَتَ أَنَّهُمْ كَانُوا أَجْسَادًا يَأْكُلُونَ
الطَّعَامَ بَيَّنَ أَنَّهُمْ مَآلُهُمْ إِلَى الْفَنَاءِ
وَالنَّفَادِ وَنَفَى عَنْهُمُ الْخُلُودَ وَهُوَ الْبَقَاءُ
السَّرْمَدِيُّ أَوِ الْبَقَاءُ الْمُدَّةَ الْمُتَطَاوِلَةَ
أَيْ هٰؤُلَاءِ الرُّسُلُ بَشَرٌ أَجْسَادٌ يَطْعَمُونَ
وَيَمُوتُونَ كَغَيْرِهِمْ مِنَ الْبَشَرِ +

اور جب ثابت ہے کہ وہ جسم تھے جو کھانا کھاتے
تھے جس سے انکا انجام فنا اور زوال ہے اور اُس
زندگی کی نفی ہے جس سے مراد بقائے سرمدی
ہے نہ بقائے مدت دراز۔ یعنے یہ رسول جسم دار
بشر ہیں جو مثل دیگر رسل کے کھانے اور
مرجاتے ہیں +

(۴) تفسیر ابو سعود جلد ۶ صفحہ ۴۱۳ بَيَانٌ لِكَوْنِ
الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أُسْوَةً لِسَائِرِ
أَفْرَادِ الْجِنْسِ فِي أَحْكَامِ الطَّبِيعَةِ الْبَشَرِيَّةِ
أَثَرَ بَيَانِ كَوْنِهِمْ أُسْوَةً لَهُمْ فِي نَفْسِ
الْبَشَرِيَّةِ۔ أَوْ يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ صِفَةٌ
لَهُ۔ أَيْ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا مُسْتَغْنِيًا
عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بَلْ مُحْتَاجًا إِلَى ذٰلِكَ
لِتَحْصِيلِ بَدَلِ مَا يَتَحَلَّلُ فِيهِ وَمَا كَانُوا
خَالِدِينَ لِأَنَّ مَآلَ التَّحَلُّلِ هُوَ الْفَنَاءُ
لَا مُحَالَةَ +

یہ بیان اس بات میں ہے کہ تمام رسول علیہم
السلام کل افراد بنی نوع انسان کا نمونہ ہیں اور
جو اثر زمانہ اُن پر ہوتا ہے وہی کل بنی آدم پر
یعنے سب ایک ہی طرح متاثر ہوتے ہیں کیونکہ نفس
بشری انبیاء کا وہی ہے جو کل بنی آدم کا ہے
اور یاکلون الطعام اُس کی صفت واقع
ہے یعنے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے رسولوں کا
جسم کھانے اور پینے سے مستغنی نہیں بنایا بلکہ
وہ کھانے اور پینے کے محتاج ہیں کیونکہ اُس
سے ہی بدل ما یتحلل ہوتا ہے اور وہ ایسے

نہیں ہونے کہ ہمیشہ کے لئے قائم رہیں کیونکہ تخلل کا انجام بہر حال فنا ہے +

(۵) تفسیر الدر المنثور جلد ۴ صفحہ ۳۱۴ +

(۱) اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ یَقُوْلُ لَمْ نَجْعَلْهُمْ جَسَدًا لَیْسَ یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ اِنَّمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ +

ابن ابی حاتم ابن عباس سے آیت مذکرہ کی تفسیر کی نسبت یوں روایت کرتا ہے کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا جسم ایسا نہیں بنایا تھا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ اُن کا جسم ایسا بنایا تھا کہ کھانا کھانیکے محتاج تھے

(۲) اَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ قَتَادَةَ فِیْ قَوْلِهٖ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ قَالَ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَنْ یَّمُوْتُوْا۔

ابن منذر اور ابن ابی حاتم قتادہ سے بیان کرتے ہیں کہ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ کے معنے وہ یہ کرتے تھے کہ اُن کو موت سے چارہ نہیں وہ ضرور مرتے ہیں +

(۶) تفسیر تنویر المقباس جلد ۳ صفحہ ۲۵ +

اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یُرْسِلِ الرَّسُوْلَ اِلَّا مِنَ الْبَشَرِ وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا الْاَنْبِیَاءَ اَوْ یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ لَا یَشْرِبُوْنَ الشَّرَابَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ فِی الدُّنْیَا وَ لٰكِنْ كَانُوْا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَشْرِبُوْنَ الشَّرَابَ وَ یَمُوْتُوْنَ +

اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کوئی رسول بھیجا تو وہ آدمی ہی ہوتا تھا اور ہم نے نبیوں کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ نہ کھاتے ہوں اور نہ پیتے ہوں اور وہ زندہ رہتے ہوں بلکہ وہ کھانا کھاتے اور پانی پیتے اور مرتے تھے +

(۷) حاشیہ ابن تمجید علی البیضاوی جلد ۵۔ صفحہ ۲۰۵۔ قَوْلُهٗ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ فَاِنَّ التَّعَیُّشَ بِالطَّعَامِ مِنْ تَوَابِعِ التَّحْلِیْلِ الْمُؤَدِّیْ اِلَی الْفَنَاءِ +

یعنے طعام کے ساتھ زندگی بسر کرنا تحلیل کے تابع ہوتا ہے جو فنا کی طرف لے جاتی ہے +

(۸) تفسیر بحر الحقائق قلمی۔ یُشِیْرُ اِلٰی اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ وَ الْاَوْلِیَاءَ خُلِقُوْا مُحْتَاجِیْنَ

اس طرح اشارہ ہے انبیاء اور اولیاء کھانے کے محتاج بنائے گئے ہیں اور فرشتہ اور روح

اِلَى الطَّعَامِ بِخِلَافِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ وَذٰلِكَ لَا يَقْدَحُ فِي النُّبُوَّةِ وَالْوِلَايَةِ بَلْ هُوَ مِنْ لَوَازِمِ اَحْوَالِهِمْ وَتَوَابِعِ كَمَالِهِمْ +

کھانے کے محتاج نہیں پیدا کیے گئے۔ سو اُن کا کھانے کے لئے محتاج ہونا اُن کی نبوت اور ولایت کے منافی نہیں ہے بلکہ وہ تو اُن کے احوال کے لوازمات اور اُن کے کمال کی ضروریات میں سے ہے +

(۹) تفسیر سواطع الالہام صفحہ ۳۹۸۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمُ الرُّسُلَ جَسَدًا وَحْدَهٗ لِحَالِ الصَّاعِ اَوْ لِحَالِ اَصْلِهِ الْمُصْدِرُ لَا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ كَمَا وَهُوَ اَرَادَهُمْ اَكْلُ الطَّعَامِ لِمُحَمَّدٍ وَمَا كَانَ الرُّسُلُ خَالِدِيْنَ دَارَ الْاَعْمَالِ كَمَا هُوَ وَهْمُهُمْ +

ہم نے کسی رسول کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کھانا کھاتے تھے اور اس دنیا میں جیسا وہ گمان کرتے ہیں زندہ نہیں رہے +

(۱۰) تفسیر غایۃ البرہان جلد ۲ صفحہ ۴۷۔ اور نہ کیا ہم نے انبیاء کو جسد کہ نہ کھایا کریں اور ہمیشہ رہیں +

(۱۱) تفسیر جلالین صفحہ ۲۶۸۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ۔ اَیِ الرُّسُلَ۔ جَسَدًا بِمَعْنٰى اَجْسَادٍ لَا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ بَلْ يَاكُلُوْنَهٗ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ فِي الدُّنْيَا۔ ہم نے رسولوں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ کھاتے تھے اور دنیا میں زندہ نہیں رہتے تھے +

(۱۲) تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۵۸۵۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمُ الرُّسُلَ جَسَدًا وَلَمْ يَقُلْ اَجْسَادًا لِاَنَّهٗ اِسْمُ الْجِنْسِ لَا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ هٰذَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاكُلُ الطَّعَامَ۔ يَقُوْلُ لَمْ نَجْعَلِ الرُّسُلَ مَلٰٓئِكَةً بَلْ جَعَلْنَاهُمْ بَشَرًا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ فِي الدُّنْيَا +

ہم نے رسولوں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھائیں (یہاں پر اجساد کا لفظ اس واسطے نہیں لایا گیا کہ جسد اسم جنس ہے) یہ اُن کے اس قول کا رد ہے کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے رسولوں کو فرشتے تو نہیں بنایا بلکہ وہ آدمی ہیں جو کھانا کھاتے اور مر جاتے ہیں وہ باقی رہتے ہوں مرتے نہ ہوں۔ یہ اس بات

(۱۳) تفسیر مجمع البیان جلد ۴ صفحہ ۱۔ اَیْ

بَاقِیْنَ اَوْیَمُوْتُوْنَ۔ ھٰذَا رَدٌّ لِقَوْلِھِمْ مَالِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ وَمَعْنَاہُ وَمَا جَعَلْنَا الْاَنْبِیَاءَ قَبْلَکَ اَجْسَادًا اِلَّا یَاکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَلَا یَمُوْتُوْنَ حَتّٰی یَکُوْنَ اَکْلُکَ الطَّعَامَ وَشُرْبُکَ وَمَوْتُکَ فِیْ تَرْکِ الْاِیْمَانِ بِکَ فَاِنَّا لَمْ نُخْرِجْھُمْ عَنْ حَدِّ الْبَشَرِیَّۃِ بِالْوَحْیِ۔	کا رد ہے جو کہتے تھے یہ رسول کیسا ہے کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے نبیوں کا جو تجھ سے پہلے ہوئے ہیں ایسا جسم نہیں بنایا تھا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ مرتے ہوں یہاں تک کہ اگر تیرے کھانا کھانے اور تیرے پانی پینے اور تیرے فوت ہونے پر ایمان نہ لائیں تو بے ایمان ہو کر رہنگے

لہذا ہم نے نبیوں کو وحی سے مشرف کر کے بشری حد سے تو نکال نہیں دیا +

(۱۴) تفسیر حسینی قلمی صفحہ ۴۰۵۔ وما ساختیم پیغمبران را خداوجسدے کہ آن نخورند خوردنی ونبودند باقی در دنیا کہ نمیرند +	ہم نے پیغمبروں کو خدا تو نہیں بنایا امداد ایسا جسم بنایا ہے کہ کھانا نہ کھائیں اور دنیا میں رکر نہ مریں +
(۱۵) تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۲۶ نَفْیٌ لِمَا اعْتَقَدُوْا اَنَّ الرِّسَالَۃَ مِنْ خَوَاصِ الْمَلَکِ	ان کے اس اعتقاد کی نفی ہے کہ رسالت فرشتہ کے خواص میں سے ہے +
(۱۸) تفسیر معالمات الاسرار جلد ۲ صفحہ ۴۲۔ ونگردانیدیم انبیا را جسدے کہ نخورند طعام وباند تاآنکہ عیسےٰ ہم مرد +	یعنے ہم نے نبیوں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ کھانا تو نہ کھائیں اور ہمیشہ رہیں حتے کہ عیسی بھی فوت ہو گیا +

(۱۹) تفسیر در الاسرار صفحہ ۲۶۶۔ اَلْھَاءُ فِیْ وَمَا جَعَلْنَاھُمْ لِلرُّسُلِ کُلِّھِمْ۔ جَعَلْنَاھُمْ میں جو ضمیر ہے وہ کل رسولوں کی طرف ہے +

(۲۰) تفسیر کواشی جلد ۳ قلمی۔ اَلْمُرَادُ بِالْجَسَدِ ھُنَا الْجِنْسُ۔ قَالَ مُجَاھِدٌ مَا جَعَلْنَا الْاَنْبِیَاءَ جَسَدًا لَیْسَ فِیْھِمْ رُوْحٌ۔ وَالْمَعْنٰی مَا جَعَلْنَا الْاَنْبِیَاءَ قَبْلَہٗ اِلَّا اَجْسَامًا وَمَا جَعَلْنَاھُمْ لَا یَاکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوْا بَاقِیْنَ فِی الدُّنْیَا	جسد سے مراد یہاں جنس سے ہی یعنے ہر ایک جسد تفسیر مجاہد یہ ہے کہ ہم نے نبیوں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ ان میں روح نہ ہو اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے نبیوں کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ دنیا میں باقی رہے ہوں +

(۲۱) تفسیر عباسی جَسَدًا اجسد الانبیاء لا یاکلون الطعام ولا یشربون الشراب وما کانوا خالدین فی الدنیا ولکن کانوا یاکلون الطعام ویشربون الشراب ویموتون ٭

جسد سے مراد نبیوں کے جسم ہیں جو ایسے نہیں بنائے گئے کہ نہ تو کھانا کھاتے ہوں اور نہ پانی پیتے ہوں اور وہ دنیا میں زندہ نہیں رہتے تھے بلکہ کھانا کھاتے تھے اور مرجاتے تھے

(۲۲) تفسیر مدارک جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۔ وحّد الجسد لارادة الجنس لا یاکلون الطعام صفة الجسد یعنی وما جعلنا الانبیاء قبله ذوی جسد غیر طاعمین ٭

جسد صرف جنس کے ارادہ سے ہے کھانا نہ کھاتے تھے یہ جسم کی صفت واقع ہے معنے یہ ہیں ہم نے اس رسول سے پہلے نبیوں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ نہ کھانے والا جسم ہو ٭

(۲۳) تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۸۰۶۔ المعنی وما جعلنا الانبیاء قبله ذوی جسد غیر طاعمین ٭

اور معنے یہ ہیں کہ نبیوں کا جسم جو اس رسول سے پہلے گذرے ہیں ایسا نہیں بنایا تھا کہ کھاتے نہ تھے ٭

(۲۴) تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۔ وما جعلناهم ای الرسل جسدا لا یاکلون الطعام هذا رد لقولهم مال هذا الرسول یاکل الطعام والمعنی لم نجعلهم ملائکة بل جعلناهم بشرا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین ای فی الدنیا بل یموتون کغیرهم ٭

ہم نے کسی رسول کا ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتا ہو۔ یہ بات کفار کے اُس قول کا رد ہی کہ کیا ہوگیا کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے اور معنے یہ ہے کہ ہم نے اُن رسولوں کو فرشتہ نہیں بنایا بلکہ ہم نے اُن کو آدمی بنایا جو کھانا کھائیں اور مرجائیں۔ یعنے دنیا میں اور لوگوں کی طرح فوت ہوجائیں ٭

(۲۵) تفسیر روح البیان جلد ۲ صفحہ ۶۲۱ ای وما جعلناهم جسدا مستغنیا عن الاکل والشراب بل محتاجا الی ذلک لتحصیل بدل ما یتحلل منه۔ وما کانوا خالدین لان مآل التحلل هو الفناء

ہم نے اُن کا جسم کھانے اور پینے سے مستغنی نہیں بنایا بلکہ وہ کھانے اور پینے کے محتاج بنائے گئے ہیں تاکہ جو کچھ بدن سے تحلیل ہو اُس کا بدل اُن کو حاصل ہوتا رہے اور ما کانوا خالدین کے معنے یہ ہیں کہ وہ بتک نہیں

لَا مُحَالَةَ وَالْخُلُودُ تَبَرِّیُ الشَّیْءِ مِنْ اعْتِرَاضِ الْفَسَادِ وَبَقَاؤُہٗ عَلَی الْحَالَةِ الَّتِیْ ھُوَ عَلَیْھَا۔ وَالْمُرَادُ اِمَّا الْمُكْثُ الْمَدِیْدُ كَمَا ھُوَ شَانُ الْمَلٰئِكَةِ اَوِ الْاَبَدِیُّ وَھُمْ مُعْتَقِدُوْنَ اَنَّھُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ۔ وَالْمَعْنٰی جَعَلْنَاھُمْ اَجْسَادًا مُتَغَذِّیَةً صَائِرَةً اِلَی الْمَوْتِ بِالْاٰخِرِ عَلٰی حَسَبِ اٰجَالِھِمْ لَا مَلٰئِكَةً وَلَا اَجْسَادًا مُسْتَغْنِیًا عَنِ الْاَغْذِیَةِ مَصُوْنَةً عَنِ التَّحَلُّلِ كَالْمَلٰئِكَةِ قَالَ فِی التَّاوِیْلَاتِ النَّجْمِیَّةِ یُشِیْرُ اِلٰی اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ وَالْاَوْلِیَاءَ خُلِقُوْا مُحْتَاجِیْنَ اِلَی الطَّعَامِ بِخِلَافِ الْمَلٰئِكَةِ +

رہتے تھے وجہ یہ کہ کسی چیز کا تحلیل ہونا خود ہی فنا کی علامت ہے اور خلود کے معنے کسی چیز کا فساد کے اعتراض سے بری ہونا اور اسی حالت پر باقی رہنا جس پر وہ ابتدا سے ہے۔ لیکن مراد اس سے ایک زمانہ دراز تک ٹھہرنا جیسا کہ ملائکہ کی شان ہے یعنی یہ کہ وہ ابد تک رہینگے اور انکا اعتقاد ہے کہ وہ نہیں مرینگے۔ اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے غذا کے محتاج اُن کے جسم بنائے ہیں جو موت کی طرف کھچے ہوئے جارہے ہیں اور اپنی اپنی عمریں پوری کرتے ہیں نہ وہ فرشتے ہیں اور نہ فرشتوں کی طرح اُن کے جسم ہیں کہ کھانے سے مستغنی ہوں اور زوال سے محفوظ ہوں اور کتاب تاویلات النجمیہ میں لکھا ہے کہ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء برخلاف فرشتوں کے کھانے پینے کے محتاج پیدا کئے گئے ہیں +

(۲۶) تفسیر جمل جلد ۳ صفحہ ۱۲۷۔ وَالْمَعْنٰی جَعَلْنَاھُمْ اَجْسَادًا تَتَغَذّٰی وَتَصِیْرُ اِلَی الْمَوْتِ بِالْاٰخِرِ لَا اَجْسَادًا مُسْتَغْنِیَةً عَنِ الْاَغْذِیَةِ

یعنے ہم نے اُن کے جسم بنائے ہیں کہ جو کھانا کھائیں اور موت کا لقمہ ہوں ایسے جسم نہیں بنائے کہ کھانے پینے سے لاپرواہ ہوں +

(۲۷) حاشیہ شیخ احمد صادی المالکی علی جلالین جلد ۳ صفحہ ۶۷ +

رَدٌّ لِقَوْلِھِمْ مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَالْمَعْنٰی لَمْ نَجْعَلْھُمْ مَلٰئِكَةً بَلْ جَعَلْنَاھُمْ بَشَرًا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ +

یہ بات کفار کی اس بات کا رد ہے کہ اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے مطلب یہ کہ ہم نے رسولوں کو فرشتہ نہیں بنایا بلکہ ہم نے اُن کو آدمی بنایا کہ کھانا کھاتے ہیں۔ وَقَوْلُہٗ وَمَا كَانُوْا خَالِدِیْنَ۔ اَیْ مَاكِثِیْنَ عَلٰی سَبِیْلِ الْخُلُوْدِ فِی الدُّنْیَا بَلْ یَمُوْتُوْنَ كَغَیْرِھِمْ۔ یعنے دنیا میں خلود کے طور پر رہتے ہیں بلکہ مثل دیگر

بنی نوعِ انسان کے مرجاتے ہیں +

(۲۸) تفسیر سراج المنیر جلد ۲ صفحہ ۴۷۵-۴۷۴

اَیْ اَلَّذِیْنَ اَخْتَرْنَا بَعْثَتَھُمْ اِلَی النَّاسِ لِیَاْمُرُھُمْ بِاَوَامِرِنَا۔ جَسَدًا۔ اَیْ ذَوِیْ جَسَدٍ وَلَحْمٍ وَدَمٍ۔ لَا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ بَلْ جَعَلْنَا ھُمْ اَجْسَادًا یَاْکُلُوْنَ وَیَشْرَبُوْنَ وَلَیْسَ ذٰلِکَ بِمَانِعٍ مِنْ اِرْسَالِھِمْ وَمَا کَانُوْا خَالِدِیْنَ۔ اَیْ بِاَجْسَادِھِمْ بَلْ مَاتُوْا کَمَا مَاتَ النَّاسُ قَبْلَھُمْ وَبَعْدَھُمْ

وہ لوگ کہ جنکو ہم نے لوگوں کو حکم پہنچانے کے لئے چُنکر مقرر کیا ہو جَسَدًا کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جسم والے گوشت والے اور خون والے ہوتے ہیں لَا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ کا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے نہیں بنائے گئے بلکہ اُن کے جسم ایسے پیدا کئے گئے ہیں کہ کھانا کھاتے اور پانی پیتے تھے یہ امور اُن کی رسالت کے حارج نہیں ہوسکتے تھے۔ وَمَا کَانُوْا خَالِدِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جسموں سمیت زندہ نہیں رہتے تھے بلکہ وہ اُن لوگوں کی طرح جو اُن سے پہلے ہوئے یا پیچھے فوت ہوجاتے تھے +

(۲۹) تفسیر توضیح مجید۔ جلد ۴ صفحہ ۱۵۹۔ اور نہیں کیا ہم نے اُن کو صاحبانِ جسد ایسے کہ نہیں کھاتے ہیں وہ کھانے کو اور نہ تھے وہ پیغمبر بیچ اِس دُنیا کے ہمیشہ +

(۳۰) تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۷۲۔ زیر آیت بالا۔

اَیْ بَلْ کَانُوْا اَجْسَادًا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ کَمَا قَالَ تَعَالٰی۔ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ اَیْ قَدْ کَانُوْا بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ یَاْکُلُوْنَ وَیَشْرَبُوْنَ مِثْلَ النَّاسِ وَیَدْخُلُوْنَ الْاَسْوَاقَ لِلتَّکَسُّبِ وَالتِّجَارَۃِ وَلَیْسَ ذٰلِکَ بِضَارٍّ لَّھُمْ وَلَا نَاقِصٍ مِنْھُمْ شَیْئًا کَمَا تَوَھَّمَہُ الْمُشْرِکُوْنَ ... بَلْ کَانُوْا یُبْعَثُوْنَ ثُمَّ یَمُوْتُوْنَ +

بلکہ وہ ایسے جسم تھے کہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اُسی حالت میں کہ وہ کھانا کھائیں اور بازاروں میں چلیں پھریں یعنی وہ رسول بشروں میں سے بشر ہی ہوتے تھے جو دوسرے آدمیوں کی طرح کھاتے بھی تھے اور پیتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی کاروبار کرنے اور تجارت کے لئے جاتے تھے اور اِس سے اُن کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا تھا اور نہ کوئی نقص جیسے مشرکوں کا خیال ہے۔ بلکہ زندگی بسر کرکے فوت ہوجاتے تھے +

(۳) تفسیر مظہری جلد ۳ قلمی زیر آیۃ بالا -
وَمَا جَعَلْنَاهُمْ اَیْ اَوَّلِیْنَ مِنَ الرُّسُلِ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوْا خَالِدِیْنَ - فَاِنَّ التَّعَیُّشَ بِالطَّعَامِ مِنْ لَوَازِمِ التَّحْلِیْلِ الْمُؤَدِّیْ اِلَی الْفَنَاءِ +

پہلے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھائے اور پھر زندہ رہے کیونکہ کھانے کے ساتھ زندگی بسر کرنا تحلیل کے لوازمات سے ہے جو فنا کی طرف لیجاتے ہیں +

اِن تمام تفاسیر سے آیت متذکرہ بالا کی تفسیر بجز اس کے اور نہیں ثابت ہوتی کہ تمام انبیا کا جسم کھانے اور پینے کا محتاج بنایا گیا اور جس قدر عوارضات جسمانی ہونے چاہئیں اُن میں موجود تھے تو پھر قرآن شریف کی ایسی آیت کی موجودگی میں کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت مسیح بغیر کھانے اور پینے کے زندہ موجود ہیں- لہذا ایسا خیال کرنا گویا قرآن شریف کو جھٹلانا ہے -

(د) وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ

سورۃ الفرقان
پارہ ۱۸- رکوع ۲

(۱) تفسیر ابن جریر جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۱ زیر آیۃ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ یوں لکھا ہے +

وَجَوَابُ لَهُمْ عَنْهُ یَقُوْلُ لَهُمْ جَلَّ ثَنَاءُهٗ وَمَا اَنْکَرُوْا یَا مُحَمَّدُ هٰؤُلَاءِ الْقَائِلُوْنَ مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ مِنْ اَکْلِکَ الطَّعَامَ وَمَشْیِکَ فِی الْاَسْوَاقِ وَاَنْتَ لِلّٰهِ رَسُوْلٌ فَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّا مَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ کَالَّذِیْ تَاْکُلُ اَنْتَ وَتَمْشِیْ فَلَیْسَ لَهُمْ عَلَیْکَ بِمَا قَالُوْا مِنْ ذٰلِکَ حُجَّةٌ +

اللہ جلشانہ نے اُن کے اس قول کا جواب دیا ہے کہ اے محمد ان قائلوں نے جو یہ کہکر کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تیرے کھانا کھانے اور تیرے بازاروں میں چلنے سے انکار کیا ہے حالانکہ تو اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ یقیناً جانتے ہیں کہ جو رسول تجھ سے پہلے ہم نے بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے جس طرح تو کھانا کھاتا اور چلتا

ہے۔ پس ان کہنے والوں کے پاس تیری نسبت اس بارہ میں جو وہ کہتے ہیں کوئی دلیل نہیں ہے +

(۲) تفسیر ابوسعود جلد ۶ صفحہ ۴۶۳۔ مَا اَرْسَلْنَا اَحَدًا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اٰکِلِیْنَ وَمَاشِیْنَ۔ تجھ سے پہلے ایک بھی رسول ایسا نہیں تھا جو کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا نہ ہو +

(۳) تفسیر کشاف۔ جلد ۲ صفحہ ۹۷۰۔ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اَحَدًا مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اٰکِلِیْنَ وَمَاشِیْنَ معنے اوپر گذر چکے +

(۴) تفسیر در المنثور جلد ۵ صفحہ ۶۵ اَخْرَجَ عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ وَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ قَتَادَۃَ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ۔ یَقُوْلُ اِنَّ الرُّسُلَ قَبْلَ مُحَمَّدٍ کَانُوْا بِھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ۔ اِلٰی اٰخِرِہٖ

عبد بن حمید اور ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ اس آیت کی نسبت یوں کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر رسول پہلے گذرے ہیں وہ سب کے سب ایسے تھے کہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے +

(۵) تفسیر تنویر المقیاس جلد ۴ صفحہ ۵۳ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ یَا مُحَمَّدُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ کَمَا تَاْکُلُ۔ جَوَابًا لِقَوْلِھِمْ مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ۔ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ فِی الطُّرُقِ کَمَا تَمْشِیْ +

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھ سے پہلے کوئی بھی رسول ایسے نہیں بھیجے جو تمہاری طرح کھاتے پیتے نہ ہوں۔ یہ جواب اُن کی اس بات کا ہے کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا ہے اور وہ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے جیسے تو چلتا پھرتا ہے +

(۶) حاشیہ ابن تمجید علی البیضاوی تکملہ جلد ۵۔ صفحہ ۱۵۵ +

اِنَّ الْاَنْبِیَاءَ الْمُتَقَدِّمِیْنَ اَکَلُوْا وَمَشَوْا فِی الْاَسْوَاقِ مَعَ کَوْنِھِمْ نَبِیِّیْنَ +

تمام سابقہ نبی باوجود نبی ہونے کے کھانے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے

(۷) تفسیر بحر الحقائق قلمی۔ اِلَّا اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ

وہ اس طرح کھانا کھاتے تھے جیسے تم کھاتے

الطَّعَامَ كَمَا نَاكُلُ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ كَمَا نَمْشِىْ +	ہوا اور ایسا ہی بازاروں میں چلا کرتے تھے جیسے تم چلتے ہو +
(۸) تفسیر عرائس البیان جلد ۲ صفحہ ۹۲ - هٰذَا سُنَّةُ اللّٰهِ فِى الْخَلْقِ وَالْاَنْبِيَاءُ وَالْاَوْلِيَاءُ شَارَكُوْهُمْ فِى الْبَشَرِيَّةِ +	آفرینش کے متعلق یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اور نبی اور ولی سب کے سب بشریت میں مساوی ہیں +
(۹) تفسیر سواطع الالہام صفحہ ۳۴۴ - وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مُحَمَّدُ اَحَدًا مِنَ الْمَلَاءِ الْمُرْسَلِيْنَ اُلْكُمَّلِ لِاِعْلَامِ صَلَاحِ الْعَالَمِ وَهُدَاهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ مَكْسُوْرُ لِوُرُوْدِ اللَّامِ لَيَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَالْحَاصِلُ اِلَّا اَكَّالًا لِلطَّعَامِ وَمَشُوْنَ وَرَّادًا فِى الْاَسْوَاقِ مَرَاسِمَ الْعَوَامِ +	اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تجھ سے پہلے ہم نے گروہ رسولوں میں سے کسی کو اصلاح عالم اور عام لوگوں کی ہدایت کے لئے نہیں بھیجا مگر کہ وہ کھانا کھاتے تھے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں عوام کی طرح چلتے پھرتے تھے +

(۱۰) تفسیر غایۃ البرہان جلد ۲ صفحہ ۸۶ - اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر بدرستی کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور چلتے تھے بازاروں میں +

(۱۱) تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۶۳۱ - مَا اَنَا اِلَّا رَسُوْلٌ وَمَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَهُمْ كَانُوْا بَشَرًا يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ وَقِيْلَ مَعْنَاهُ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا قِيْلَ لَهُمْ مِثْلُ هٰذَا اَنَّهُمْ يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ -	میں تو ایک رسول ہوں اور میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں حالانکہ جسقدر رسول تھے وہ سب کے سب بشر تھے کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور اس کے معنے یہ بیان کئے جاتے ہیں ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جو اس رسول کی

طرح باتیں نہ کرتے ہوں یعنے یہ کہ وہ تو کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے +

(۱۲) تفسیر حسینی قلمی صفحہ ۶۰۶ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ - نفرستادیم پیش از تو کسے را مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ از پیغمبران اِلَّا اِنَّهُمْ - مگر پیغمبرانیکہ ایشان لَيَاكُلُوْنَ	اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی مرسل کو پیغمبر بناکر ایسا نہیں بھیجا کہ وہ کھانا نہ کھاتا ہو ضرور وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے

الطَّعَامَ ہر آئینہ بخوردند خوردنی وَیَمْشُونَ فِی الْاَسْوَاقِ و بروند در بازارہا بجہت کفایت مہمات خود +

پھرتے تھے جسکی وجہ سے وہ اپنی ضروریات بشری کو پورا کرتے تھے +

(۱۳) تفسیر غرائب القرآن جلد ۳ اَنَّہٗ لَا وَجْہَ لِقَوْلِہِمْ مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ لِاَنَّہٗ ھٰذِہٖ عَادَۃٌ مُسْتَمِرَّۃٌ مِنَ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ رُسُلِہٖ وَالْمَعْنٰی وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اَحَدًا مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اٰکِلِیْنَ وَمَاشِیْنَ +

اُن کے اس قول کی کوئی وجہ نہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا ہے کیونکہ یہ تمام رسولوں کی نسبت اللہ تعالی کی عادت استمراری ہے اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کوئی بھی ایسا رسول نہیں بھیجا کہ جو کھانا نہ کھاتا ہو اور چلتا پھرتا نہ ہو

(۱۴) تفسیر صافی جلد ۲ صفحہ ۷۰ جوابٌ لِقَوْلِہِمْ مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ +

اُن کے اس قول کا جواب ہے کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے +

(۱۵) تفسیر معالمات الاسرار جلد ۲ صفحہ ۷ و نہ فرستادیم از قبل تو رسولان مگر آناں بدرستی میخوردند طعام و مے رفتند در بازارہا +

اور ہم نے تجھ سے پہلے جن جن رسولوں کو بھیجا ہے وہ سب کے سب ضرور کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے +

(۱۶) تفسیر درالاسرار جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ شام +

وَحُکْمُکَ وَحُکْمُہُمْ وَاحِدٌ عَلٰی اَکْلِ الطَّعَامِ وَسَوَاہُ +

یعنے تیرے اور اُن کے کھانے وغیرہ امور میں یکساں حالت ہے +

(۱۷) تفسیر عباسی جوابًا لِقَوْلِہِمْ مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ کَمَا تَاْکُلُ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ فِی الطُّرُقِ کَمَا تَمْشِیْ +

یہ آیت جواب ہے اُس آیت کا کہ اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے۔ جیسے تو کھاتا ہے اور اُن کی طرح رستوں پر چلتا ہے +

(۱۸) تفسیر خازن جلد اصفحہ ۱۰۴ وَالْمَعْنٰی اَنَّ ھٰذِہٖ عَادَۃٌ مُسْتَمِرَّۃٌ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی رُسُلِہٖ فَلَا وَجْہَ لِھٰذَا الطَّعْنِ وَمَا اَنَا اِلَّا

اور معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالی کی تمام رسولوں کی نسبت یہی ہمیشہ کی عادت ہے اور طعن کی کوئی وجہ نہیں۔ میں بھی رسول کے سوا اور

رَسُوْلٌ وَمَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَهُمْ كَانُوْا بَشَرًا مِثْلِيْ يَاكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ +

کچھ نہیں ہوں اور میں کوئی پہلا ہی رسول نہیں ہوں کیونکہ پہلے سارے رسول بھی آدمی ہی تھے اور میری طرح کھانا کھانے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے +

(۱۹) تفسیر مدارک جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ - وَالْمَعْنٰی وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اَحَدًا مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اٰكِلِیْنَ وَمَاشِیْنَ +

اور معنے اس کے یہ ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جو کھاتا پیتا نہو بلکہ کھانے اور پینے والے رسول بھیجے +

(۲۰) حاشیہ شیخ احمد صادی علی جلالین - جلد ۳ صفحہ ۱۴۲ +

وَالْمَعْنٰی مَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ فِیْ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ اِلَّا فِیْ حَالَةِ اَكْلِهِمُ الطَّعَامَ وَمَشْیِهِمْ فِی الْاَسْوَاقِ - اَیْ فَهٰذِهٖ عَادَتُهُمْ وَدَاْبُهُمْ فَاِنْ هَجَوْكَ بِذٰلِكَ فَقَدْ هَجَوْا جَمِیْعَ الْاَنْبِیَاءِ فَلَا تَحْزَنْ +

اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے کوئی رسول بھی تجھ سے پہلے کسی اور حالت میں بجز اس کے کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے ہوں نہیں بھیجا - یعنے اُن کی عادت اور طریق یہی ہے - پس اگر یہ لوگ اس امر سے تیری ہجو کرتے ہیں تو کیا مضائقہ ہے اس میں کوئی رنج کی بات نہیں کیونکہ یہ تمام انبیاء کی بھی اسی طرح ہجو کرتے رہے ہیں +

(۲۱) تفسیر سراج منیر جلد ۲ صفحہ ۶۲۵ +

اَیْ اَشْرَفُ الْخَلْقِ اَحَدًا مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا وَحَالُهُمْ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ كَمَا تَاْكُلُ وَيَاْكُلُ غَیْرُكَ مِنَ الْاٰدَمِیِّیْنَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ كَمَا تَفْعَلُ فَهٰذِهٖ عَادَةٌ مُسْتَمِرَّةٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْ كُلِّ رُسُلِهٖ +

اشرف المخلوقات میں خواہ رسول ہی کیوں نہوں انکا حال یہ ہے کہ وہ کھانا ویسا ہی کھاتے ہیں جیسے تم کھاتے ہو اور دیگر عام آدمی کھاتے ہیں اور بازاروں میں اسی طرح چلتے ہیں جیسے تم چلتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہمیشہ سے کل رسولوں کے ساتھ ہے +

(۲۲) عنایۃ القاضی حاشیہ علی البیضاوی جلد ۶ صفحہ ۴۰۴ +

وَالْمَعْنٰی وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اَحَدًا مِنَ

اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کسی رسول

اَلۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّاۤ اٰکِلِیۡنَ وَ مَاشِیۡنَ + | کو نہیں بھیجا مگر اُس حالت میں کہ وہ کھاتے اور چلتے پھرتے تھے +

(۲۳) تفسیر توضیح مجید جلد ۴ صفحہ ۱۲۸ - اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تیرے کسی رسول سے مگر وہ ہر آئینہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے وہ بیچ بازاروں کے +

(۲۴) تفسیر ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳۰ - یَقُوۡلُ تَعَالٰی مُخۡبِرًا عَنۡ جَمِیۡعِ مَنۡ بَعَثَهٗ مِنَ الرُّسُلِ الۡمُتَقَدِّمِیۡنَ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا یَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ یَحۡتَاجُوۡنَ اِلَی التَّغَذِّیۡ بِهٖ وَ یَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ لِلتَّکَسُّبِ وَالتِّجَارَةِ وَلَیۡسَ ذٰلِكَ بِمُنَافٍ لِحَالِهِمۡ وَ مَنۡصِبِهِمۡ +

یعنے اللہ تعالیٰ تمام اُن لوگوں کی نسبت خبر دیتا ہے جنکو زمانہ سابق میں اپنے رسول کرکے بھیجتا رہا ہے کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور غذا کے محتاج تھے اور بازاروں میں کمانے اور تجارت کے لئے آتے جاتے تھے اور یہ امور اُن کے حال اور مرتبہ کے منافی نہیں تھے +

(۲۵) تفسیر فتح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۶۲

وَالۡمَعۡنٰی مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اَحَدًا مِنۡهُمۡ اِلَّا اٰکِلِیۡنَ وَ مَاشِیۡنَ فَاَنۡتَ مِثۡلُهُمۡ فِیۡ ذٰلِكَ قَالَ قَتَادَةُ یَقُوۡلُ اِنَّ الرُّسُلَ قَبۡلَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ کَانُوۡا بِهٰذِهِ الۡمَنۡزِلَةِ یَاۡکُلُوۡنَ وَ یَمۡشُوۡنَ +

ہم نے اُن میں سے کسیکو جن کو تجھ سے پہلے رسول کرکے بھیجا ہے ایسا نہیں بھیجا جو کھانا نہ کھاتے اور گشت نہ کرتے تھے اور ان باتوں میں تو بھی اُن کی طرح ہے - قتادہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جسقدر رسول ہوئے ہیں وہ اسی طرح کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے +

(۲۶) تفسیر کبیر - جلد ۶ صفحہ ۱۶۴ هٰذَا جَوَابٌ عَنۡ قَوۡلِهِمۡ مَا لِهٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ بَیَّنَ اللّٰهُ اَنَّ هٰذَا عَادَةٌ مُسۡتَمِرَّةٌ مِنَ اللّٰهِ فِیۡ کُلِّ رُسُلِهٖ فَلَا وَجۡهَ لِهٰذَا الطَّعۡنِ

یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ اس رسول میں کیا کوئی عجیب بات ہے حالانکہ یہ کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے - اللہ تعالیٰ نے اسکو صاف بیان فرمادیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی تمام رسولوں کی نسبت دائمی عادت ہے اس میں طعن کی کیا وجہ ہے +

(۲۷) تفسیر محمدی - مطبوعہ مطبع محمدی جلد ۴ - صفحہ ۳۲۳ +

و نفرستادیم پیش از تو پیغمبران مگر باین صفت کہ ایشان	اسانے نہیں بھیجیا اساں اگے نہیں تھیں کوئی رسول بالا
مے خوردند طعام و میرفتند در بازار ہائے +	مگر اوہ ٹردے وچ بازاراں ٹھیک تے کھاندے کھانا
یعنے ہم نے تجھ سے پہلے کوئی ربانی رسول نہیں بھیجا	جو بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھانا نہ کھاتے ہوں
(۲۸) تفسیر مظہری جلد ۴ قلمی - زیر آیۃ بالا -	ہم نے تجھ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا
وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا	مگر رسول کرکے جو کھانے بھی کھاتے تھے اور
رُسُلًا اٰكِلِيْنَ الطَّعَامَ وَالْمَاشِيْنَ فِي الْاَسْوَاقِ	بازاروں میں چلتے تھے +
(۲۹) تاج التفاسیر صفحہ ۶۶۴ - زیر آیۃ بالا -	یوں لکھا ہے +
وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ	ہم نے تجھ سے پہلے اے نبی آدم سے تیرے
مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى عَهْدِكَ مِنَ	زمانہ تک کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جو بشری
الرُّسُلِ اِلَّا اَنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ لِحَاجَةِ	حاجت کھانا کھانے کی نہ رکھتا ہو۔ اور اپنی
الْبَشَرِيَّةِ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ لِقَضَاءِ	حوائج اور لوگوں کی حوائج کے لئے بازاروں
حَوَائِجِهِمْ وَحَوَائِجِ النَّاسِ +	میں نہ جاتا ہو +

اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ مفسرین نے بیان کیا ہے اُس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں کسی قسم کی خصوصیت بہ نسبت دیگر انبیاء کے نہ تھی بلکہ وہ کھانے پینے اور ضروریات نفسانی کا ایسا ہی محتاج تھا جیسے اور سب تھے تو پھر کیونکر بر خلاف نص قرآنی کے مانا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر غذا وغیرہ کے زندہ موجود ہے۔ اِس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ اس میں تو صاف لکھا ہے کہ وہ ضروریات کا محتاج تھا مگر اُسکو خدا کی طرح غیر محتاج تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس کا نام تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔ اس آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ مر چکے ہیں +

(۵) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

(۱) تفسیر ابن جریر جلد اول صفحہ ۱۸۵ زیر آیۃ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

(۱) حَدَّثَنِي الْمُثَنّٰى بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ ثَنَا اٰدَمُ	ابن جریر کہتے ہیں کہ میرے پاس مثنیٰ بن ابراہیم
الْعَسْقَلَانِيُّ قَالَ ثَنَا اَبُوْ جَعْفَرٍ عَنِ الرَّبِيْعِ	نے اُس کے پاس آدم عسقلانی نے اُس کے

سورۃ بقرہ ع ۴

عَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ قَالَ ھُوَ قَوْلُہٗ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ۔	پاس ابوجعفر نے اُس کے پاس ربیع نے اُس کے پاس ابی العالیہ نے کہا کہ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ سے وہی مطلب ہے جو جَعَلَ لَکُمْ

الْاَرْضَ فِرَاشًا سے ہے یعنے ہم نے زمین کو تمہارے لئے آرامگاہ بنا یا ہے ۔

(۲) حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَھْبٍ قَالَ قَالَ ابْنُ زَیْدٍ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ قَالَ مَقَامُھُمْ فِیْھَا وَالْمُسْتَقَرُّ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ ھُوَ مَوْضِعُ الْاِسْتِقْرَارِ ۔	ابن جریر نے کہا کہ میرے پاس یونس نے حدیث بیان کی اُس کے پاس ابن وہب نے کہا کہ ابن زید نے بیان کیا کہ تمہارے لئے زمین میں جائے قرار ہے یعنے اُس میں اُن کا مقام ہے

اور مُسْتَقَرٌّ کلام عرب میں ٹھیرنے کی جگہ کو کہتے ہیں ۔ دیکھو ابن جریر جلد اول صفحہ ۱۸۵ ۔

(۲) تفسیر ابوسعود ۔ جلد ۴ ۔ صفحہ ۲۸۶ مُسْتَقَرٌّ اَیْ اِسْتِقْرَارٌ اَوْ مَوْضِعُ اِسْتِقْرَارٍ ۔ وَمَتَاعٌ اَیْ تَمَتُّعٌ وَاِنْتِفَاعٌ ۔ اِلٰی حِیْنٍ ھُوَ حِیْنُ اِنْقِضَائِ اٰجَالِکُمْ	یعنے تمہارے لئے زمین میں ایک مدت تک ٹھیرنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانا ہے مستقر کے معنے ٹھیرنے کی جگہ اور متاع کے معنے فائدہ اُٹھانا اور حین کے معنے موت کے ہیں ۔

(۳) تفسیر تنویر المقیاس جلد اول صفحہ ۱۹۰ ۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۔ اَیْ مَنْزِلٌ وَمَتَاعٌ اَیْ مَنْفَعَۃٌ وَمَعَاشٌ اِلٰی حِیْنٍ ۔ اِلٰی حِیْنِ الْمَوْتِ ۔ اور اسی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۸۶ پر ہے ۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۔ مَاوٰی وَمَنْزِلٌ وَمَتَاعٌ وَمَعَاشٌ اِلٰی حِیْنٍ حِیْنِ الْمَوْتِ ۔ یعنے تمہارے لئے موت تک زمین ہی تمہارا ماوی اور ملجا ہے اور اسی پر تمہاری وجہ معاش ہے ۔

(۴) تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۴۵ ۔ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَالَ مُجَاھِدٌ اَلْمُسْتَقَرُّ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ فِی الدُّنْیَا لِقَوْلِہٖ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ وَالْمُسْتَوْدَعُ عِنْدَ اللّٰہِ فِی الْاٰخِرَۃِ وَقَالَ	اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا اور تمہارے لئے اِس دُنیا میں رہنے کی جگہ اور دوسری دنیا میں مقام کی جگہ مقرر کی ہے ۔ مجاہد کہتے ہیں مستقر زمین پر اس دُنیا میں ہے بموجب قول اللہ تعالیٰ کے تمہارے لئے زمین میں ہی ٹھہرنا اور موت تک اُس سے فائدہ

اَلْحَسَنُ اَلْمُسْتَقَرُّ فِی الْقَبْرِ وَالْمُسْتَوْدَعُ فِی الدُّنْیَا +	اُٹھانا مقرر ہو چکا ہے اور حسن کہتے ہیں کہ مُستَقَرٌّ قبر میں ہے اور مُستَودَعٌ دنیا میں ہے +

(۵) تفسیر محمدی۔ زیر آیۃ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ +

شمارا ور زمین استقرار و بہرہ مندی باشد تا فنی حین یعنے تا مرگ	تم کو زمین میں رہنا اور ایک مدت معین یعنے موت تک فائدہ اُٹھانا ہو گا +
تُسیں اِک دوجھے دے دُشمن اُتر جاؤ رب فرمایا تساں وچ زمین کھانا فائدہ مدت تائیں آیا	چونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو یہاں سے چلے جاؤ اور زمین میں تمہارا ٹھکانا ایک مدت تک ہے

(۶) تفسیر مدارک جلد ۲ صفحہ ۴۵۔ (۱) مُسْتَقَرٌّ فَوْقَ الْاَرْضِ۔ مُسْتَوْدَعٌ تَحْتَهَا۔ زندگی میں زمین پر جائے قرار ہے اور موت کے بعد زمین کے نیچے بچھونا ہے +

(۲) تفسیر مدارک جلد ۲ صفحہ ۹۴-۹۵۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ اِسْتِقْرَارٌ اَوْ مَوْضَعُ اِسْتِقْرَارٍ وَّمَتَاعٌ اِنْتِفَاعُ الْعَیْشِ اِلٰی حِیْنٍ۔ اِلٰی اِنْقِضَاءِ اٰجَالِکُمْ۔ تمہارے لئے زمین پر جائے قرار ہے اور تمہاری عمر کے پُورے ہونے تک زمین پر ہی تمہاری وجہ معاش ہے +

(۷) حاشیہ قنوی۔ جلد ۳ صفحہ ۱۶۴-۱۶۵ اِنْ کَانَ الْخِطَابُ لِاٰدَمَ وَحَوَّا وَذُرِّیَّتِهِمَا فَالْعَدَاوَةُ بِبَغْیِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا مُسْتَقَرًّا اِسْمُ مَکَانٍ وَبِمَعْنٰی کَوْنِهٖ مَوْضِعَ اِسْتِقْرَارٍ وَمَتَاعٌ وَتَمَتُّعٌ اَیْ اَنَّهٗ مَصْدَرٌ قَوْلُهٗ تَقْتَضِیْ اٰجَالُکُمْ اَیِ الْمَوْتُ فَالْخِطَابُ لِکُلِّ الْاَفْرَادِیْ فَالْخِطَابُ الْمَجْمُوْعِیُّ وَلَعَلَّهُ اکْتَفٰی بِاَوَّلِ هُنَا لِلتَّنْبِیْهِ عَلٰی اَنْ تَمَتُّعَکُمْ وَاسْتِقْرَارُکُمْ فِیْهَا غَیْرُ دَائِمٍ بَلْ مُتَعَقِّبٌ لِلْفَنَاءِ +	اگرچہ خطاب آدم اور حوّا اور اُن کی ذریات کو ہے تو عداوت ایک دوسرے سے سرکشی کی ہے مُستَقَرٌّ مکان کا نام ہے یا موضع استقرار کو بھی کہتے ہیں اور وجہ معاش عمروں کے اختتام تک یعنے موت تک ہے پس خطاب ہر فرد یا کل مجموعہ بنی نوع سے ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ بات بطور تنبیہ کے ہے کہ تمہارا زمین سے فائدہ اُٹھانا اور رہنا سہنا ناپائیدار ہے بلکہ فنا اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے +
(۸) تفسیر سواطع الالہام صفحہ ۲۰۳۔ قَالَ اهْبِطُوْا قَالَ اللّٰهُ اهْبِطُوْا وَالْمُرَادُ اٰدَمُ	اللہ تعالیٰ آدم اور حوّا اور اُس کی اولاد کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تمہارا ٹھکانا

وَحَوَّا اَوْ سَادَةُ الْاَحْيَاءِ الْاَوْلَادِ وَلَكُمْ فِىْ سَطْحِ الْاَرْضِ الْحَاسِرِ مُسْتَقَرٌّ حُلُوْلٌ وَرُكُوْدٌ اَوْ مَحَلٌّ وَمَرْكَزٌ وَمَتَاعٌ وَمَصَالِحُ اِلٰى حِيْنٍ كَمَالِ اَعْمَارِكُمْ +	سطح زمین پر ہے۔ اور عمروں کے پورے ہونے تک اسی سے فائدہ اٹھانا ہوگا +
(۹) تفسیر جلالین صفحہ ۷۔ اَىْ اَنْتُمَا بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا بَعْضُكُمْ الذُّرِّيَّةِ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَوْضِعُ قَرَارٍ وَمَتَاعٌ اَىْ تَمَتَّعُوْنَ بِهٖ مِنْ نَبَاتِهَا اِلٰى حِيْنٍ وَقْتِ انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ +	آدم اور حوا اور ان کی اولاد کو خطاب ہے بعض ذریت بعض کے ساتھ عداوت وغیرہ کریگی۔ اور تمہارے لئے زمین پر ہی قیام ہوا اور موت تک تم اس کی سبزی وغیرہ سے فائدہ اوٹھاؤگے
اور صفحہ ۱۲۹ پر یہ لکھا ہے۔ اَىْ اٰدَمَ وَحَوَّاءَ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا بَعْضُكُمْ بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ تَمَتُّعٌ اِلٰى حِيْنٍ تَنْقَضِىْ فِيْهِ اٰجَالُكُمْ +	یعنے آدم اور حوا معہ اپنی اولاد۔ اور بعض ذریت بعض کے ساتھ بوجہ ایک دوسرے پر ظلم کرنے کے دشمن ہوگی اور تمہارے رہنے کا مکان اور عمر کے پورا کرنے کا سامان زمین پر ہی ہے +
(۱۰) جامع البیان صفحہ ۹۔ اِنْزِلُوْا اِلَى الْاَرْضِ جَمْعُ الضَّمِيْرِ لِاَنَّهُمَا اَصْلَا الْاِنْسِ فَكَاَنَّهُمَا الْجِنْسُ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَوْضِعُ قَرَارٍ وَمَتَاعٌ تَمَتُّعٌ اِلٰى حِيْنِ الْمَوْتِ	تم اس زمین خاص کی طرف جاؤ۔ ضمیر جمع اس لئے آئی ہے کہ آدم اور حوا کل نوع انسان کے اصل ہیں گویا وہ دونوں قائمقام جنس کے ہیں۔ اور یہ کہا گیا کہ تمہارے لئے زمین

ہی ٹھہرنے اور تا موت فائدہ اٹھانے کی جگہ ہے +

(۱۲) تفسیر مجمع البیان۔ جلد اول۔ اَنَّهٗ اَرَادَ اٰدَمَ وَحَوَّا وَذُرِّيَّتَهُمَا۔ اس میں آدم اور حوا اور ان کی اولاد سے مراد ہے +

وَقَوْلُهٗ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ اَىْ مَقَرٌّ وَمَقَامٌ وَثُبُوْتٌ بِاَنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اَىْ اِسْتِمْتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ	تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا اور مقام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زمین ہی تمہارے رہنے کے لئے اور تمہاری موت تک

اِلیٰ وَقْتِ الْمَوْتِ وَقِیْلَ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَقِیْلَ اِلیٰ فَنَاءِ الْاٰجَالِ۔ اَیْ کُلُّ امْرَءٍ مُسْتَقَرٌّ اِلیٰ فَنَاءِ اَجَلِہٖ وَقَالَ اَبُو السِّرَاجِ لَوْ قَالَ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ یُظَنُّ اَنَّہٗ غَیْرُ مُنْقَطِعٍ فَقَالَ اِلیٰ حِیْنٍ۔ اَیْ حِیْنِ اِنْقِطَاعِہٖ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی اَیْ بَیَانٌ وَّدَلَالَۃٌ۔ وَقِیْلَ اَنْبِیَاءٌ وَّرُسُلٌ وَعَلٰی ھٰذَا الْقَوْلِ الْاٰخِیْرِ یَکُوْنُ الْخِطَابُ فِیْ قَوْلِہٖ اھْبِطُوْا لِاٰدَمَ وَحَوَّا وَذُرِّیَّتِہِمَا ۔	وہ فائدے دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وقتوں کے فنا ہونے تک مراد ہے۔ یعنے ہر ایک آدمی اپنی عمر کے پورے ہونے تک اُسپر ٹھہر سکتا ہے اور ابوالسراج فرماتے ہیں کہ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ جو کہا گیا ہے تو اس لئے کہا گیا ہے کہ منقطع ہونے والی نہیں ہے اور اِلیٰ حِیْنٍ سے اُس کے منقطع ہونے کے وقت تک مراد ہے اور فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ

مِّنِّیْ ھُدًی میں جو ہُدیٰ آیا ہے اُس سے مراد بیان اور دلیل ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس سے مراد نبی اور رسول ہیں اور آخری بات پر اللہ تعالیٰ کے قول اِھْبِطُوْا میں خطاب حضرت آدم اور حوّا اور اُنکی اولاد سے ہے ۔

(۱۲) تفسیر درالاسرار صفحہ ۰۔ اَلْاَمْرُ لِاٰدَمَ وَحَوَّاءَ وَکُلِّ وُلْدِ حَوَّاءَ وَاٰدَمَ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ۔ اَمْوَالٌ وَّمَتَاعٌ۔ اِلیٰ حِیْنٍ مُرُوْرِ الْاَعْمَارِ وَوُرُوْدِ الْحِمَامِ اَوِ الْمَعَادِ ۔	یہاں اس آیت میں آدم اور حوّا اور اُن کی کل اولاد کو حکم ہے اور تمہارے لئے زمین قیامگاہ اور مال و متاع تا عمر یا دخول قبر یا آخرت تک ہے ۔
(۱۳) تفسیر وجیز۔ وگفتیم با آدم وحوا و ذریات ایشان را کہ در نسل ایشان مقدر بودند و شما راست در زمین استقرارے و بہرہ مندیست بچیز ہائے زمین تا وقت معین کہ وقت مرگ است در حق ہر ہر فرد و وقت قیامت است در حق تمام نوع ۔	ہم نے آدم اور حوّا اور اُن کی اولاد کو جو اُن کی نسل میں مقدر تھی کہا اور تمہارے لئے زمین پر ٹھہرنا اور زمینی چیزوں سے وقت مقرر یعنے موت تک ہر ہر جی کے لئے فائدہ اُٹھانا مقصود رکھا گیا ہے اور تمام نوع انسان کے لئے وقت قیامت مقرر ہے ۔

(۱۴) تفسیر فتح العزیز صفحہ ۱۶۲۔ وگفتیم با آدم وحوّا و ذریات ایشان را کہ در نسل ایشان مقدر بودند یعنے او پر گذر چکے ۔

(۱۵) تفسیر بحر مواج زیر آیت قُلْنَا اھْبِطُوْا۔ لکھا ہے این خطاب بصیغہ جمع است ومخاطب بدین آدم وحواست وبعضے خطاب مر آدم وحوا با ذریاتے کہ در پشت آدم بودہ اند دارند۔ یعنے یہ خطاب جمع کے صیغہ میں بیان ہوا ہے اور اس آیت میں آدم وحوا اور بعضے کہتے ہیں کہ آدم وحوا معہ اولاد کے جو اُن کی پشت میں تھی مخاطب ہیں +

(۱۶) تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۷۰۔ خِطَابٌ لِاٰدَمَ وَحَوَّاءَ وَذُرِّيَّتِهِمَا۔ آدم وحوا اور اُن کی اولاد سے خطاب ہے مُسْتَقَرٌّ قرار گاہ آرام جائے۔ مَتَاعٌ۔ اَیْ تَمَتُّعٌ اِنْتِفَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ هُوَ حِیْنُ انْقِضَائِ اٰجَالِکُمْ۔ زمین تمہاری قرار گاہ اور آرام کی جگہ ہے اور عمروں کے اختتام تک اُس سے استفادہ حاصل کرتا ہے +

(۱۷) (۱) تفسیر فتوحات الہیہ۔ جلد اول صفحہ ۴۶۔ اَیْ اِنَّمَا تَصِحُّ بِضَمِیْرِ الْجَمْعِ اَنَّ الْمُخَاطَبَ اٰدَمُ وَحَوَّاءُ۔ جب مخاطب آدم اور حوا ہیں تو ضمیر جمع کی کیوں صحیح سمجھی گئی ہے وَقَوْلُهٗ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا اَیْ مَعَ اشْتَمَلَتْهُمَا عَلَیْهِ جو کچھ تم دونوں کے ساتھ شامل ہے وَقَوْلُهٗ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا اَیِ الَّتِیْ فِی الْاَصْلَابِ نَكَانَتْ فِیْ ظَهْرِ اٰدَمَ ذریت سے مراد وہ ذریت ہے جو پشت میں ہو اور وہ آدم کی پیٹھ میں تھی +

(۲) ایضاً صفحہ ۱۳۶۔ قَوْلُهٗ مَكَانُ اسْتِقْرَارٍ وَهُوَ الْمَكَانُ الَّذِیْ یَعِیْشُ فِیْهِ الْاِنْسَانُ وَالْقَبْرُ الَّذِیْ یُدْفَنُ فِیْهِ	مکان استقرار سے مراد وہ مکان ہے جس پر انسان اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور قبر جس میں دفن ہوتا ہے +

(۱۸) حاشیہ شیخ احمد صادی جلد اول۔ صفحہ ۲۶ +

وَفِیْ اِهْبِطُوْا۔ اَیِ الْجَمْعُ بِاعْتِبَارِ مَا اشْتَمَلَا عَلَیْهِ مِنَ الذُّرِّيَّةِ +	جمع اس اعتبار سے آئی کہ اُنمیں اُنکی ذریت بھی شامل ہے۔ باقی عبارت وہی ہے جو فتوحات الہیہ کی ہے

(۱۹) تفسیر سراج المنیر جلد اول صفحہ ۴۸۔ خِطَابٌ لِاٰدَمَ وَحَوَّاءَ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا۔ وَجَمْعُ الضَّمِیْرِ لِاَنَّهُمَا اَصْلُ الْاِنْسِ فَكَاَنَّهُمَا الْاِنْسُ كُلُّهُمْ۔ خطاب آدم اور حوا کو ہے جیسے کہ اللہ تعالی کا قول ہے کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ اور جمع کی ضمیر اس لئے آئی ہے کہ آدم اور حوا کل انسان کی جڑ ہیں گویا کہ وہ کل انسان ہی ہیں۔ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔ اَیْ مَوْضِعُ قَرَارٍ وَمَتَاعٌ مَا تَمَتَّعُوْنَ بِهٖ مِنْ نَبَاتِهَا اِلٰی حِیْنٍ اَیْ وَقْتِ انْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ تمہارا

ٹھکانہ زمین ہے اور اُس سے تم ایک وقت تک یعنی اپنی عمروں کے اختتام تک فائدہ سبزی وغیرہ کا اُٹھا سکتے ہو +

(۲۰) تفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ ۱۹۷
وَالْحُكْمُ بِاعْتِبَارِ الذُّرِّيَّةِ وَالْمُسْتَقَرُّ بِمَعْنَى مَا اسْتَقَرَّ مَا سَكَنْتُمْ عَلَيْهِ وَتَصَرُّفُكُمْ فِيهِ وَالْمَتَاعُ الْمُرَادُ هُنَا إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ وَهُوَ الْقِيَامَةُ الصُّغْرَى وَقِيلَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْكُبْرَى +

یہاں حکم باعتبار اولاد کے ہے۔ اور مستقر وہ ہے جس پر قبضہ و تصرف تمہارا ہوا اور متاع سے مراد یہاں موت کے وقت تک جو چھوٹی قیامت ہے اور قیامت کبریٰ کے دن تک بھی مراد ہے +

(۲۱) تفسیر صافی صفحہ ۳۰۔ آدَمُ وَحَوَّا وَوُلْدُهُمَا عَدُوٌّ لِلْحَيَّةِ وَإِبْلِيسَ۔ آدم اور حوا اور اُن کی اولاد سانپ اور ابلیس کی دشمن ہیں +

(۲۲) تفسیر توضیح مجید جلد ۲ صفحہ ۱۴۴۔ واسطے تمہارے بیچ زمین کے قرار ہے اور فائدہ مند ہونا ہے تا وقت حیات +

(۲۳) تفسیر لوامع التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۔
نیز بعضے خطاب با آدم و حوا و بذریات ایشان است چہ والدین دلیل بر وزیت و اصل انس است و مؤید آن آیۂ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ الْآيَةَ +

بعض کے نزدیک خطاب آدم و حوا مع اُن کی ذریت کے ہے کیونکہ والدین اپنی اولاد کی دلیل بروزیت اور انسانی جنس کی اصل ہیں اور اسکی مؤید آیت بَعْضُكُمْ

ایضاً۔ صفحہ ۲۰۵۔ زیر آیۂ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ۔ مر شما و ذریت را در زمین بعد از ایجاد شما جائے قرار و آرامگاہ و جائے نشو و نما و تمتع و انتفاع تا دم موت و آجال شما یا تا قیام باشد چہ زمین اصل مادر و اشفق و اشرف است زیرا کہ از ہمیں بنی آدم بر آمدند و بر ہمیں قرار و اکرام و آرام دارند و تربیت می یابند و از ہمیں میخورند و بعد مردن ہمیں سپردہ میشوند اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ +

تمہاری پیدایش کے بعد تمہارے اور تمہاری اولاد کے رہنے زمین رہنے اور آرام کرنے اور بڑھنے پھولنے اور موت تک اور عمر کے ایام پورے کرنے تک یا قیامت تک فائدہ اُٹھانے کی جگہ ہے کیونکہ زمین اصلی ماں اور بڑی شفیق اور بزرگ ہے کیونکہ اس سے ہی بنی آدم پیدا ہوئے اور اس پر قرار اور آرام پکڑتے اور تربیت پاتے اور اسی سے کھاتے اور بعد مرگ اسی میں قیامت تک دفن ہوتے ہیں

(۲۴) تفسیر تاج التفاسیر صفحہ ۱۵۴ - زیر آیہ بالا - ای موضع استقرار و متاع یتمتعون فی الدنیا (الی حین) الی انقضائی اجالکم یعنے ٹھہرنے اور دنیا میں موت تک فائدہ اٹھانے کی جگہ ہے *

(۲۵) جامع البیان صفحہ ۱۳۳ - زیر آیہ بالا - ولکم فی الارض مستقر موضع قرار و متاع الی حین - وتمتع الی اجال معلومۃ اس آیت سے بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قانون جو نہایت پختہ اور غیر متزلزل ہے سب بنی آدم کے لئے یکساں بنایا ہے اور بتایا ہی کہ کل انسان اسی زمین پر بود و باش کر سکتے ہیں - یہی زمین اُن کے رہنے سہنے اور آرام کرنے اور اُس سے فائدہ اٹھا کر زندگی بسر کرنے اور تا قیامت اُس میں مرکر دفن ہونے کے لئے بنائی ہے - اِس سے ایک انسان بھی مستثنےٰ نہیں معلوم ہوتا - پھر حضرت عیسیٰ کیونکر برخلاف قانونِ قدرت زمین کو چھوڑ کر کسی اور جگہ رہ سکتے ہیں اور اگر مان لیا جائے کہ وہ آسمان پر چلے گئے تو یہ وعدہ خلافی ہے جو آدم اور اُس کی ذریت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا تھا حالانکہ یہ اُس کی شان کے خلاف ہے - کیونکہ وہ خود کلام اللہ میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادِ پس ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کسی صورت میں زمین سے باہر نہیں رہ سکتے - لہذا یہ خیال لوگوں کا سراسر غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر ہیں *

(ذ) قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ

سورۃ الاعراف رکوع ۲ پارہ ۸

یہ دوسری آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کسی صورت میں کسی اور جگہ نہ جا سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے - بلکہ اسی میں اُس کی موت مقدر ہے - یہی قانون قدرت کل بنی آدم کے لئے خدا تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے - پھر تعجب ہے کہ کس طرح اس قانون کو جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک آدم زاد کے لئے بنایا ہے توڑ کر مسیح علیہ السلام کو مستثنےٰ کیا جاتا ہے یہ مانا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے مگر جس قاعدہ اور قانون کو بطور وعدہ تجویز کرتا ہے اُسکو ہرگز نہیں توڑتا خدا کے لئے وعدہ خلافی کا الزام لگانا گویا اُس کے حق میں بڑے درجہ کی بیباکی اور گستاخی ہے - اب ہم ذیل میں مفسرین کی رائیں اس آیت کے متعلق دکھلاتے ہیں - جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے *

(۱) تفسیر تنویر المقباس جلد ۲ صفحہ ۸۰ - قَالَ فِیْهَا	زمین ہی پر تمہاری زندگی ہے اور زمین ہی پر

فی الارض تحیون تعیشون وفیها فی الارض تموتون ومنها من الارض تخرجون یوم القیامة

تمہاری مرگ ہے اور زمین ہی سے تم قیامت کے دن اُٹھو گے +

(۲) تفسیر مدارک جلد۲ صفحہ ۹۵ - قال فیها تحیون فی الارض وفیها تموتون ومنها تخرجون للثواب والعقاب تخرجون

زمین میں ہی تمہاری زندگی اور اُسی میں تمہارا مرنا اور اُسی سے تم ثواب یا عذاب کے لئے نکالے جاؤ گے +

(۳) تفسیر خازن جلد۲ صفحہ ۹۵ - قال اللہ عز وجل لادم و ذریته و ابلیس واولاده فیها تحیون یعنی فی الارض تعیشون ایام حیاتکم وفیها تموتون یعنی فی الارض تکون وفاتکم وموضع قبورکم ومنها تخرجون یعنی ومن الارض یخرجکم ربکم ویحشرکم للحساب یوم القیامة +

اللہ تعالیٰ عز وجل نے آدم اور اُس کی اولاد اور ابلیس اور اُس کی اولاد کو کہا کہ تم اپنی زندگی کے دن زمین پر بسر کرو گے اور زمین میں تمہاری وفات اور تمہاری قبر ہوگی اور زمین سے ہی تمہارا رب تم کو قیامت کے دن حساب کے لئے اُٹھا کھڑا کریگا +

(۴) تفسیر روح البیان جلد۱ صفحہ ۳۲۷ - قال فیها تحیون ای فی الارض تعیشون وفیها تموتون وتقبرون ومنها تخرجون للجزاء

کہا اسی زمین میں تمہاری زندگی ہے اور اسی میں تمہاری موت اور قبر ہے اور اسی سے جزا کے لئے تم نکالے جاؤ گے +

(۵) تفسیر سراج المنیر جلد۱ صفحہ ۴۹۴ - قال اللہ تعالیٰ فیها ای الارض تحیون ای تعیشون ایام حیاتکم وفیها تموتون ای وفیها وفاتکم وموضع قبورکم ومنها تخرجون ای یوم القیامة تخرجون للحشر والجزاء +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم زمین پر زندہ رہو گے یعنے زندگی بسر کرو گے اور دنیا کی حیاتی کے دن پورے کرو گے اور پھر تم اُسی میں مر کر قبر میں رکھے جاؤ گے اور پھر اُس سے قیامت کے دن جزا و سزا کے لئے اُٹھائے جاؤ گے +

(۶) تفسیر توضیح مجید - جلد۲ صفحہ ۱۴۴ - کہا خدا نے بیچ زمین کے جلائے جاؤ گے تم اور بیچ زمین کے مرو گے تم اور بیچ اُس زمین کے سے جلائے جاؤ گے تم +

(۷) تاج التفاسیر صفحہ ۱۵۴ - قال فیها ای فی الارض تحیون بمعاشکم و السعی لمعادکم

وَفِیھَا تَمُوْتُوْنَ ۔ تُدْفَنُوْنَ کہا کہ اس زمین میں تمہاری معاش اور عاقبت کیلئے تمہاری کوشش ہو اور اسی میں

(۸) جامع البیان صفحہ ۱۳۴ ۔ زیر آیۃ بالا ۔ فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْھَا تُخْرَجُوْنَ ۔ وَھٰذَا

حَالُ جَمِیْعِ الْاٰبَاءِ وَالْاَوْلَادِ ۔ یہ حال تمام آبا و اولاد کا ہو اور اسی زمین میں انکا جینا اور مرنا اور اسی سے نکلنا ہو

(۹) تفسیر محمدی زیر آیۃ فِیْھَا تَحْیَوْنَ وَفِیْھَا تَمُوْتُوْنَ وَفِیْھَا تُخْرَجُوْنَ یوں لکھا ہو

گفت خدا در زمین زندگانی خواہید کرد و در آنجا خواہید مرد و از آنجا بیرون آوردہ شوید +	خدا نے کہا کہ زمین پر تم زندگانی کرو گے اور اُسی جگہ مرو گے اور اُسی سے نکالے جاؤ گے +
رب کیہا زمین وچ جیوں مرن نے نکلن قبرستانوں فر نیکاں جنت ملسی اُسدن دوزخ جاہلاں نوں	رب نے فرمایا تمہارا جینا مرنا اور قبر سے نکالا جانا زمین سے ہوگا ۔ نیکوں کو جنت اور بدوں کو دوزخ ملیگا +

اس آیت کے بارہ میں ہم اسی قدر تفاسیر پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ آیت بدیہہ ہے اس میں کسی قسم کی کنجلک نہیں یہ صاف اللہ تعالیٰ کا مستمرہ قاعدہ اور دائمی قانونِ قدرت بتلاتی ہے کہ کل بنی آدم کی زندگی اور موت اسی زمین پر ہے زمین ماں ہے کوئی اس سے جدا نہیں رہ سکتا ۔ لہٰذا اُن لوگوں کا خیال بالکل فاسد خیال ہے کہ جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندگی بسر کرتے ہیں +

بعض مفسرین نے اس آیت اور اس سے ماسبق آیت میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ خطاب آدم اور حوّا اور سانپ اور ابلیس کو ہے مگر یہ بات اُن کی قلتِ تدبر کی وجہ سے ہے ورنہ اگر وہ مابعد کی آیت ۔ اَمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کو مدنظر رکھتے تو کبھی بھی غلطی نہ کھاتے ۔ اگر آدم اور اُس کی ذریت کو یہ خطاب نہیں تو پھر ہدایت اور رسول کس کے پاس آوینگے آیا کوئی شخص ثابت کرسکتا ہے کہ سانپوں کے پاس بھی کوئی کتاب یا رسول آتا ہے یا ابلیس کے پاس بھی کوئی رسول خدا جاتا ہے حالانکہ اُس نے اول ہی روز یہ اجازت مانگ لی ہے کہ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ تو پھر کیونکر یہ مان لیا جاوے کہ اس خطاب میں سانپ اور ابلیس شامل ہیں ۔ لہٰذا یہی ماننا پڑیگا کہ یہ کل خطاب آدم اور اُس کی اولاد کو ہو جن کے پاس متواتر حسب قولِ خداوندی ہدایت نامے اور رسول آئے اور جو لوگ اُن کے تابع ہوئے وہ وارثِ جنت ہوئے اور جو اُن سے روگرداں رہے وہ مستحقِ عذابِ دوزخ ہوئے + دیکھو سورہ اعراف ع ۲

چھٹی فصل

اِس باب میں کہ آیت بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے کیا معنے ہیں

گذشتہ فصلوں میں ہم بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام میں کوئی وصف ایسا زائد نہیں تھا جو نوعِ انسان یا کم از کم رسولوں اور نبیوں میں نہ پایا جاتا ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک رسول ہیں مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ اس کا شاہد ناطق ہے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ کھانے اور پینے کے ایسے ہی محتاج تھے جیسے دوسری مخلوقات خواہ وہ انبیا ہوں یا اولیا ہوں غوث ہوں یا قطب ہوں نجبا ہوں یا نقبا ہوں ابدال ہوں یا اوتاد ہوں سب کے سب لوگ عوارضاتِ جسمانی وضروریاتِ نفسانی کے ماتحت ہیں اور خود حضرت مسیح کے بارہ میں تو اللہ تعالیٰ نے کھول کھول بیان کیا ہے کہ وہ کل بنی آدم کی طرح تمام ضروریاتِ زندگی کا محتاج تھا چنانچہ وہ فرماتا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ یعنی وہ ایک راستباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور جس طرح کل آدم کے بچے اپنے ماؤں کے پیٹ میں رہکر اُسی رستے سے پیدا ہوتے ہیں جو قدرت نے مقرر کیا ہے اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی اپنی ماں کے پیٹ میں عاجز اور ناتوان جنین کی صورت میں ۹ ماہ رہکر پھر اُسی رستہ سے پیدا ہوا جس سے دیگر تمام انسان خواہ وہ نبی ہوں یا رسول بادشاہ ہوں یا گدا امیر ہوں یا فقیر پیدا ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنی ماں کی گود میں مدتِ معین تک رہکر اُسی طرح پرورش پاتے رہے جس طرح عام انسان پاتے ہیں۔ اور کھانے پینے میں وہ ویسے ہی محتاج تھے۔ جیسے اُن کی ماں جس کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ۔ یعنے وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے جس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ ہگتے اور موتتے بھی تھے۔ غرض وہ ہر طرح انسانی احتیاج کے مقید و پابند تھے اور گذشتہ فصلوں میں روزِ روشن کی طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں تو پھر کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ وہ مرے نہیں۔ بلکہ آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ چلے گئے ہیں

حالانکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیّن اوصاف الفاظ میں اُن کے مرجانے کی تصدیق کرتے ہیں +

ہاں یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دو تین آیاتِ قرآنی سے اُن کو دھوکا ضرور لگا ہے اور وہ دھوکہ محض قلتِ تدبر و عدمِ توجہ کی وجہ سے ہے۔ ہم یہاں پر اُنہی آیات کو اوّل تفصیل وار بیان کرتے ہیں پھر اُسی ترتیب سے کھول کر بتائینگے کہ کس قدر اُن لوگوں نے مغالطہ کھایا ہے اور کس قدر وہ اصل حقیقت سے دور نکل گئے ہیں +

وہ آیات جن سے مغالطہ لگا ہے

سب سے پہلی وہ آیت جس سے اُن کو مغالطہ لگا ہے وہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ہے اور اس مغالطہ کی بھاری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے تھوڑا سا پہلے آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ہے۔ جس سے اُنہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کو کفار یہود نے نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب پر لٹکایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ تو پایا گیا کہ وہ آسمان پر زندہ چلے گئے۔ ہماری رائے میں یہ خیال قرآنِ شریف سے کامل آگاہی نہ ہونے اور نیز قوتِ متفکرہ سے کام نہ لینے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی غور کرتے اور سوچتے کہ کیا انسان کی موت صرف قتل اور صلیب سے ہوا کرتی ہے اور اور کوئی ذریعہ دنیا میں انسان کی موت کا نہیں۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ انسان ہزاروں بیماریوں سے گھروں کی چھتوں پر سے گرنے۔ پانی میں غرق ہونے آگ میں جل جانے مکانوں کے نیچے دب جانے۔ زہر کھانے۔ سانپ کے کاٹنے۔ درندوں کے دانتوں سے کچلے جانے خودکشی کرنے بھوک۔ پیاس سے غرض ہزارہا طریق ہیں جن سے انسان مرتا ہے۔ تو پھر کیونکر بلا سوچے سمجھے تسلیم کر لیا گیا کہ جب مسیح قتل یا صلیب کی موت سے نہیں مرا تو ضرور آسمان پر ہی زندہ چلا گیا ہے۔ ہاں اگر سُنّت اللہ یوں ہی ہوتی۔ یا ہمیں بعض آدمیوں کی نسبت تجربہ ہوتا کہ آگے بھی فلاں فلاں بزرگ آسمان پر چلے گئے تھے تو پھر تسلیم کر لینے کے لئے کافی گنجایش ہوتی مگر یہاں تو کوئی بھی صورت نہیں تھی۔ پھر تعجب کہ کیونکر اُن کی عقل نے مان لیا۔ اور اگر عقل سے کام لینا مقصود نہیں تھا۔ تو نقل ہی پر چلتے اور تلاش کرتے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یا اُس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے کہیں فرمایا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نہیں مرینگے اور وہ مدت العمر آسمان پر اس جسمِ خاکی کے ساتھ بود و باش کرینگے لیکن جہانتک ہم نے

قرآن اور احادیث کو پڑھا اور تاریخ دُنیا کی ورق گردانی کی اور کتاب فطرت کا مطالعہ کیا ہمیں تو کہیں بھی بجز وفات کے اور کچھ ثبوت نہیں ملا۔ اگر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ہی نے آپ کو اُن کے زندہ ہونے کی طرف راہنمائی کی تھی تو ساتھ ہی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ کو بھی تو مدنظر رکھ لیا ہوتا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے اس آیہ میں وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں تجھے مار کر اپنی طرف اُٹھالونگا۔ تو پھر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کو ایفائے وعدہ نہ سمجھنا کیسی نادانی ہے۔ جب پہلی آیت میں وعدہ تھا کہ میں تجھے طبعی موت سے مارونگا اور تیری روح کو عزت کے ساتھ اُٹھالونگا اور دوسری آیت میں ظاہر کر دیا کہ ہم نے حضرت مسیح سے جو وعدہ کیا تھا اُس کا ہم نے ایفا بھی کر دیا کہ کفارِ نابکار کے ہاتھوں سے قتل نہیں ہونے دیا بلکہ ہم نے ہی اپنے ہاتھ سے مارا اور اپنے پاس یعنی قرب کے مقام پر بلا لیا +

مسیح سے اُس کے بچانیکا وعدہ کب ہوا

ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کب اور کیوں حضرت مسیح سے ایسا وعدہ کیا تھا اور مسیح علیہ السلام کو کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو اُن سے وعدہ کرنا پڑا حالانکہ تمام قرآن شریف میں اور کسی نبی کی نسبت ایسا وعدہ ثابت نہیں۔ سو واضح ہو کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تو حسب دستور قدیم وہ لوگ اُن کے دشمن جانی بن گئے اور اُنہوں نے یہ الزام لگائے کہ وہ توریت کی آیات کو تغیر و تبدل کرتا اور اُن کے معنوں میں تحریف کرتا ہے۔ اِسی وجہ سے وہ اُس کے دشمن جان ہو گئے۔ لیکن چونکہ اُس وقت کی سلطنت رومی سلطنت تھی۔ جسکو مذہب یہود سے کچھ تعلق نہ تھا مگر قانون مروجہ گورنمنٹ کی سخت پابند تھی اس لئے وہ علانیہ یا خفیہ قتل کی کوئی تجویز نہیں کر سکتے تھے۔ گو علماء یہود نے قتل کے فتوے تو ضرور دیدئے تھے۔ لیکن جب کوئی بس نہ چلا تو بالآخر سوچ سمجھ کر یہ بات پیدا کر لی کہ یوں ظاہر کیا جائے کہ یہ شخص گورنمنٹ کا دشمن ہے اور خود بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بادشاہ کے پاس اس مضمون کی زور اور مخبریں کرنے لگے اور واقعی یہ بات اُنہوں نے اپنے مدعا کے پورا کرنے کے لئے خوب سوچی کیونکہ بغاوت کی سزا بجز موت اور کچھ نہیں ہوتی۔ غرض اس فریب اور دھوکہ بازی کی شہادتیں

بہم پہنچا کر اور اُس کو ملزم ٹھہرا کر حکام وقت کے ہاں ماخوذ کرا دیا تاکہ یہ صلیب پر مارا جائے۔ صلیبی سزا سب سزاؤں سے سخت تھی کیونکہ بغاوت اور راہزنی سے بڑھکر اور کوئی جرم نہ تھا۔ اس لئے سزا بھی سخت ترین ہونی لازمی تھی اور ادھر اُن کے ہاں توریت میں لکھا تھا کہ جو صلیب پر مارا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے اور جو جھوٹا ہوتا ہے وہ قتل کیا جاتا ہے اور جب اُن کو صلیبی موت مل جائیگی تو بموجب شریعتِ موسوی ہم بری الذمہ ہو جائینگے اور یہ شخص معمولی مومن بھی ثابت نہ ہوگا چہ جائیکہ ایک نبی ہو۔ جب ان لوگوں نے ایسے منصوبے اور سازشیں کر کے اُن کو ماخوذ کرا دیا اور مسیح کو ظنِ غالب ہو گیا کہ بغاوت کے جرم میں یہ سب لوگ میرے برخلاف شہادت دینگے اور ان لوگوں میں بڑے بڑے کاہن اور راہب بھی ہونگے جن کی گواہی سچی اور باوثوق سمجھی جائیگی۔ اور میں مجرم قرار پاکر دار پر کھینچا جاؤنگا۔ جس سے میں بموجب ارشادِ توریت شریف ملعون قرار پاؤنگا۔ تو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اضطراری حالت کی دُعائیں شروع کیں حتیٰ کہ ساری رات دعا مانگتے کاٹی اور ذرہ بھی نہ سوئے اور دوسرے دن حاکم نے حکم بھی دیدیا اور جب وہ صلیب پر کھینچے گئے۔ تو اِیْلِی اِیْلِی لِمَا سَبَقْتَنِی پکارنے لگے یعنی ای میرے خدا ای میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اور بڑے عجز سے دعائیں مانگیں جس پر بموجب آیت فرمانیہ وَمَن یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو تسلی کے لئے یہ آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وحی کی کہ اے عیسے تم فکر نہ کرو یہ دشمن کامیاب نہ ہونگے میں تجھے بچا لونگا اور وقت مقررہ پر تجھے طبعی موت سے مارونگا۔ اور اپنے قرب میں تجھے جگہ دونگا۔ اور یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ تجھے ایسی لعنتی موت سے ہلاک ہونے دیا جائے جو مغضوب علیہم کی موت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کے اظہار اور حضرت عیسے علیہ السلام کی تسلی کے لئے یہود کے قول کو اپنے کلام پاک میں نقل فرمایا ہے ؛

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؛ **ترجمہ** یعنے ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح عیسی بن مریم کو جو اللہ کا رسول کہلاتا تھا قتل کر دیا حالانکہ نہ انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ صلیبی موت سے مارا لیکن وہ اُن کے لئے شبیہہ کیا گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو قرآن شریف میں اس قول کے نقل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کیا قتل کی موت کوئی بُری موت ہوتی ہے۔ حالانکہ

فخر المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قتل کی موت کی خواہش کرتے رہے اور بہت سے
نبی قتل بھی ہوئے تھے۔ اگر موت قتل فی الحقیقت کوئی بری چیز تھی تو کیوں دوسرے انبیاء
کو اس سے نہ بچایا گیا اور کیوں ان کو آسمان پر نہ اٹھایا گیا اور پھر ان بزرگان دین کا کیا
حال ہوگا جو قتل کئے گئے۔ کیا حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت امام حسین
و دیگر آئمۂ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم قتل نہیں ہوئے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ قتل کی موت
تو ایک بڑی نعمت ہے جس کی خواہش بڑے بڑے مقدس لوگ کرتے گئے تو پھر مسیح کی موت
قتل میں کیا عیب ہی ہرگز کوئی عیب نہیں تھا۔ پھر کیوں اسکے انکار قتل پر زور دیا گیا ہاں
اس میں ایک راز ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت میں لکھا تھا کہ جو صلیب پر مارا جائے۔ وہ ملعون
ہوتا ہے۔ غرض یہ ایک تنازعہ تھا جو مابین نصاریٰ و یہود مدت سے چلا آتا تھا یہود کہتے تھے کہ
جس شخص کو ہم نے صلیب پر مار دیا وہ توموجب منشا توریت شریف ملعون ہے اور لعنت کا
مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے بیزار اور وہ خدا تعالیٰ سے بیزار خدا اس کا دشمن اور وہ
خدا کا دشمن ہو جائے۔ اور ایسا ناپاک اور نجس ہو جائے کہ جس کی وجہ سے وہ ابدالآباد تک
دوزخ میں رہے۔ تو ایسی حالت میں یسوع ایک منٹ کے لئے ایک معمولی بھلا مانس آدمی بھی
قرار نہیں پا سکتا چہ جائیکہ وہ نبی یا رسول ہو۔ ادھر نصاریٰ کہتے تھے کہ اس میں تو شک
نہیں کہ وہ صلیب پہ مارا گیا اور شریعت کے رو سے وہ ملعون بھی ہوا۔ مگر وہ لعنت جو اس نے
اٹھائی اس نے ہمارے گناہوں کے لئے اٹھائی تھی اور ہماری ہی خاطر صلیب پر جان
دیدی۔ لیکن ان نادانوں کو اتنا معلوم نہ ہوا کہ لعنت کا مفہوم کیا لعنت ہے آیا ایسا مقدس
نبی اس کے مفہوم کے اندر آسکتا بھی ہے کہ نہیں اگر حقیقی طور سے وہ لعنت کے اندر آگیا
تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عیسائیوں کو نجات نصیب ہو۔ کیونکہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے بیزار اور
اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے پھر کونسا وقت مسیح علیہ السلام کو میسر آیا کہ وہ پھر اللہ تعالیٰ
کا فرمانبردار اور راستباز ہو گیا ہو۔ اس کو تو اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی ہوگی۔ چہ جائیکہ
اوروں کے لئے قربان ہوتا کیونکہ شریعت کا حکم تو کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا جو لعنت
کے حاصل کرنے کا مرتکب ہوگا خواہ وہ کیسا ہی بزرگ اور پاکباز ہی کیوں نہ ہو وہ تو لعنت کی
سزا پوری بھگتیگا۔ کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔ دوم اگر مسیح پر حقیقی لعنت کا اصلی مفہوم وارد

نہیں ہو سکتا تو پھر کفارہ ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ کفارہ کا دارومدار حقیقی لعنت پر ہے جو حقیقی لعنت ہی مسیح پر چسپاں نہیں تو پھر کفارہ کیسا غرض یہود و نصاریٰ میں اس قسم کا تنازعہ ہو رہا تھا اور ایک معصوم اور راستباز انسان کی اس قدر توہین کی جاتی تھی تو اپنے پیارے رسول کی بریت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی شہادت دلاکر وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کا ارشاد فرمایا یعنی نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا۔ لیکن کَالْمَصْلُوْبِ اور کَالْمَقْتُوْلِ ضرور ہوا۔

قتل کے لفظ کے ساتھ صلیب کے لفظ کو کیوں ظاہر کیا گیا

یہاں پر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے لفظ لانے کی کیا ضرورت پڑی خواہ کسی صورت میں انسان مارا جائے قتل کا ہی لفظ کافی ہو سکتا تھا کیوں قتل کے بعد لفظ صلیب کو بالتخصیص بیان کیا اور جب صَلَبُوْهُ آگیا تھا۔ تو پھر قَتَلُوْهُ کے تذکرہ کی کیا حاجت تھی کیونکہ صلیبی موت بھی تو ایک قتل کی موت ہے سو واضح ہو کہ اس میں ایک بڑا راز مخفی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برخلاف عادت کے حضرت مسیح کی موت کی نسبت خصوصاً ذکر کیا ہے ورنہ کسی نبی کے قتل یا موت کی نسبت اس طرح ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی عادت میں داخل نہیں۔ اور نہ محض قتل کسی نبی کی ہتک کا باعث ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ توریت میں لکھا تھا۔ کہ جو صلیب پر مارا جائے۔ وہ لعنتی ہوتا ہے یعنی اُس کی موت لعنت کی موت ہوتی ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ لعنت کی موت مرنے سے انسان خدا کے قرب سے ہمیشہ کے لئے بے نصیب ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ مسیح علیہ السلام بظاہر صلیب پر چڑھائے گئے مگر یہودی اس اصل حقیقت سے ناواقف رہے کہ خدا تعالیٰ نے کیونکر اُن کی نجات اور مخلصی کی سبیل نکالی تھی اور کیونکر صلیب پر سے بچا لئے گئے تھے۔ اس کی مفصل کیفیت ہم الگ باب میں بیان کرینگے یہاں پر صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فی الحقیقت صلیب پر نہیں مرے ہاں کالمصلوب ہوئے۔ جسکی وجہ سے یہودیوں اور نصاریٰ کو ظن ہو گیا تھا۔ کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عیسائی بھی جو توریت کی شریعت

کے جو ئے کے نیچے ہیں مسیح کی لعنتی موت سے انکار نہ کر سکے بلکہ تسلیم کر کے یہ توجیہ نکال لی کہ وہ
لعنت اُن کی اپنی ذات کے لئے نہیں تھی بلکہ ہمارے گناہوں کے عوض میں صلیب پر چڑھ کر
دیگر لعنتی ہوئے کیونکہ اُن کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے وہ کسی بنی نوعِ انسان کو
دوزخ سے نجات نہیں دے سکتا تھا۔ اور چونکہ آدم اور حوا نے خدا کی نافرمانی کی تھی
اس لئے اُن کی اولاد نے وراثتاً اُس گناہ میں خاص حصہ لیا ہے اِس لئے کوئی بھی انسان
ایسا نہیں جو گناہوں سے پاک ہو لہٰذا تمام انسان مستحقِ دوزخ تھے۔ اِس لئے خدا نے
ایک تجویز نکالی کہ جس سے عدل بھی قایم رہے اور کام بھی ہو جائے اور وہ یہ کہ اپنے بیٹے مسیح کو
دنیا میں بھیجا اور پھر اسکو صلیب پر کھینچا اور وہ لعنت کا بوجھ اُٹھا کر تین روز دوزخ میں رہا
اور اِس طرح خدا نے مسیح کے معتقدین کو ہمیشہ کے لئے نجات دیدی۔ اور اب وہ تمام گناہوں
سے پاک وصاف ہو گئے اور کوئی گناہ اثر نہیں سکتا۔ لیکن بقول حُبُّ الشَّیِٔ یُعْمِیْ یہ نادان
اتنا بھی خیال نہ کر سکے کہ اگر خدا تعالیٰ عادل ہے تو ساتھ ہی رحیم بھی ہے۔ اگر وہ کسی صورت
میں عدل کئے بغیر رُک نہیں سکتا تھا تو اُسی طرح وہ رحم کرنے سے بھی رُک نہیں سکتا تھا۔ اگر
ہم تسلیم بھی کر لیں کہ اُس نے بوجہ عدل مسیح کو سب گنہگاروں کے لئے قربان کر دیا تو ساتھ ہی
یہ بھی ماننا پڑا۔ کہ وہ صفتِ رحم سے بالکل عاری تھا۔ کیونکہ ایک بے قصور اور ناکردہ گناہ کو بیٹھے
بٹھائے پکڑ کر پھانسی پر دیدیا خواہ وہ اُسکا بیٹا ہی سہی اور اگر کہیں کہ بیٹے نے بخوشی خود مخلوق
پر رحم کر کے یہ بلا اپنے اوپر لی تو پھر یہ ماننا پڑیگا۔ بیٹے میں گو رحم تھا مگر عدل کی صفت سے محروم
تھا پس باپ رحیم نہ ہوا اور بیٹا عادل نہ ہوا۔ دونوں باپ اور بیٹا عیب دار ہی ثابت ہوئے
پھر نصاریٰ کے اپنے ہی مسلمات کے رو سے وہ خدا ہونے کے مستحق نہیں رہ سکتے
کیونکہ جب وہ خود ہی نقصوں سے پاک وصاف نہ ہوئے تو دوسروں پہ کیا جرم قایم کر سکتے
ہیں۔ سو یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسی پاک نبی کی ایسی ناپاک اور لعنتی موت سے بریت
کے لئے قتل صلیبی کا انکار کر دیا اور لفظ وَمَا قَتَلُوْہُ کو اس واسطے استعمال کیا کہ اُسی توریت
میں لکھا تھا کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاویگا۔ اور جب صلیب کا واقعہ پیش آیا۔ تو بظاہر اُن لوگوں
کی نظروں میں وہ مقتول ہو گیا تھا اور اسی بنا پر یہودی اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ کہتے
تھے اور بار بار اعتراض کرتے تھے کہ جب مسیح قتل ہو گیا تو وہ کیونکر سچا نبی ہو سکتا ہے اور یہی وجہ

ہے کہ اب تک وہ مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تسلیم کرنے سے بے نصیب اور بے بہرہ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک بندے کی سچائی ظاہر کرنے اور اس کو اس ناپاک الزام سے بری کرنے کے لئے وَمَا قَتَلُوْهُ کا بھی ذکر فرما دیا ورنہ وَمَا قَتَلُوْهُ کے اظہار کی کچھ ضرورت نہ تھی +

بیانِ مندکرہ بالا سے صاف واضح ہو گیا کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام سے جو وعدہ صلیب کے وقت اس کی اضطراری دعاؤں پر آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں کیا تھا پورا کیا۔ اور پھر کسی اور وقت میں طبعی موت سے مار کر اپنے پاس بلا لیا جیسے اپنے کل مقبولوں اور مومنوں کو ان پیارے الفاظ اِرْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کے ذریعہ سے بلایا کرتا ہے یعنے راضی خوشی اپنے رب کے پاس چلے آؤ +

مابین یہود و نصاریٰ رفع جسمانی کا کوئی جھگڑا نہیں تھا

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہود اور نصاریٰ میں رفع جسمانی کا کوئی جھگڑا نہیں تھا اور نہ یہود کا یہ اعتقاد تھا کہ جس کا رفع جسمانی نہ ہو وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور ملعون ہوتا ہے اور خدا کی طرف نہیں جاتا۔ بلکہ شیطان کی طرف جاتا ہے۔ خود یہود قائل ہیں کہ حضرت موسےٰ کا رفع جسمانی نہیں ہوا حالانکہ وہ حضرت موسیٰ کو تمام اسرائیلی نبیوں سے افضل اور صاحب الشریعت سمجھتے ہیں۔ ابتک یہود زندہ موجود ہیں کراچی اور بمبئی اور کلکتہ وغیرہ بنادر میں بنی اسرائیل اور یہودی لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں اُن سے دریافت کرو کہ اُنہوں نے حضرت مسیح کی مصلوبیت سے کیا نتیجہ نکالا ہوا ہے۔ ہم نے جہانتک دریافت کیا ہے وہ اس بات کے قایل ہیں کہ یسوع خدا کی طرف نہیں گیا بلکہ شیطان کی طرف گیا ہے اور آسمان پر جانے یا نہ جانے کا کوئی ذکر تک اُن میں نہیں کیونکہ رفع جسمانی کا تو کوئی تنازعہ ہی نہیں اور نہ کوئی ثابت کرسکتا ہے جب حقیقتِ حال یہ ہے تو پھر خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کہہ دینا بے فائدہ نہیں ہے چونکہ یہود مسیح کو ملعون کہتے یعنی عدمِ رفعِ روحانی کے قائل تھے اور شیطان کا ہمنشین مانتے تھے اسواسطے اللہ تعالیٰ

نے سرے سے صلیب کی نفی کر کے بجائے لعنت کو اٹھا کر ساتھ ہی اُن کی عزت اور مرتبت کا بھی اظہار کر دیا۔ جو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ سے ہویدا ہے +

شعبہ اوّل

فصل چھٹی

قرآن شریف اور لفظ رفع

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ قرآنِ شریف یا حدیثِ شریف میں کسی اور کی نسبت لفظ رفع نہیں آیا صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے آیا ہے۔ تو ایسا خیال محض ناواقفی کی وجہ سے ہوگا۔ ورنہ کلام اللہ اور احادیث نبویہ میں بہت لوگوں کی نسبت بلکہ کل مومنوں کے لئے لفظ رفع بکثرت آیا ہے +

چونکہ یہ لفظ رفع ہمیشہ ترقی درجات کے لئے آتا ہے۔ گو لغتِ عرب میں اس کے کچھ ہی معنی ہوں۔ لیکن کلام اللہ اور احادیث نبی اللہ میں مومنوں کے لئے جہاں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ وہاں بجز ترقیِ مدارج اور علوِ مرتبت اور قرب الی اللہ کے اور کوئی معنے ثابت نہیں ہوتے۔ چنانچہ ہم ذیل میں اول قرآنِ شریف سے بعد ازاں احادیث اور پھر لغتِ عرب سے دکھائینگے۔ کہ اس کے کیا معنی ہیں +

(۱) نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ۔ یعنی ہم جن لوگوں کو مدارج دینا چاہتے ہیں۔ توان کے لئے مدارج بلند کرتے ہیں۔ دیکھو سورہ یوسف رکوع ۹۔ اس آیت میں لفظ رفع کے ساتھ لفظ درجات کھلے کھلے طور پر آیا ہے۔ اِس لئے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے +

(۲) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے درجہ بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو آسمانی کتاب کا علم دیا گیا۔ دیکھو سورہ مجادلہ رکوع ۲ پارہ ۲۸۔ اس آیت میں بھی لفظ رفع کے ساتھ لفظ درجات آیا ہے اور صاف پایا جاتا ہے۔ کہ ایمان لانے اور آسمانی کتاب پر عمل کرنے سے انسان کے مدارجِ روحانی میں ترقی ہوتی ہے +

(۳) اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ	اللہ ہی کی طرف طیب کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل ہی انسان کو بلند کرتا ہے دیکھو سورہ فاطر

رکوع ۲ پارہ ۲۲۔ اس آیت میں لفظ رفع کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ یعنے درجات وغیرہ نہیں آیا لیکن پھر بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ رفع روحانی ہی مراد ہے ورنہ ماننا پڑیگا کہ ہر صالح آدمی کا رفع مَعَ الْجَسَدِ الْعَنْصَرِیِّ ہوتا ہے۔ پھر مسیح کی کیا تخصیص ہے۔ پس جو لوگ قائل ہیں کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اُٹھالیا۔ تو آیت متذکرہ ظاہر کرتی ہے کہ ہر نیک عمل کرنے والے کا رفع ہوتا ہے۔ تو پھر بلاشک کروڑوں مسلمان آسمان پر زندہ اس جسم کے ساتھ موجود ہونگے۔ لیکن مشاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر صالح آدمی خواہ وہ ولی ہو یا غوث ابدال ہو یا قطب۔ رسول ہو یا نبی زمین میں دفن کیا جاتا ہے حتّٰی کہ ختم المرسلین خاتم النبیین۔ فخر الاوّلین والآخرین بھی باوجود علوّ شان زمین ہی میں دبائے گئے تو پھر کیونکر مان لیا جائے کہ لفظ رفع کی وجہ سے حضرت عیسیٰ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اُڑ گئے۔ اِس آیت میں لفظ صَعُود بھی آیا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے۔ کہ کلمات آسمان پر جاتے ہیں اور اُن کی وجہ سے انسان کے مدارج روحانی کو ترقی ملتی ہے۔ نہ یہ کہ اُس کا جسم آسمان پر جاتا ہے +

بلعم باعور اور اُس کا رفع

(۴) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ	یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر ہماری مشیت ہوتی۔ تو اُن نشانات کی وجہ سے جو بلعم باعور

نے دیکھے تھے۔ ترقی مدارج عطا کرتے۔ لیکن وہ تو پستی کی طرف جھکتا گیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گیا۔ پارہ ۹۔ سورۃ الاعراف رکوع ۲۲۔ اس آیت سے بخوبی روشن ہے کہ بلعم کو اللہ تعالیٰ نے روحانی رفع دینا چاہا تھا۔ مگر وہ پست اور نفسانی خواہشوں کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ اور آسمان کی طرف نہ جاسکا بلکہ زمین کی طرف جھکتا گیا +

اس کی تائید تفسیر الدر اللقیط من البحر المحیط لامام تاج الدین ابی محمد احمد عبدالقادر برحاشیہ

تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۴۲۳ پر ابی محمد احمد عبد القادر حنفی نے زیر آیۃ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لکھا ہے +

(۵) اَیْ وَلَوْ اَرَدْنَا اَنْ نُشَرِّفَهٗ وَنَرْفَعَ قَدْرَهٗ بِمَا اٰتَیْنٰهُ مِنَ الْاٰیَاتِ لَفَعَلْنَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ - اَیْ تَرَامٰی اِلٰی شَهَوَاتِ الدُّنْیَا وَرَغِبَ فِیْهَا

اگر ہم ارادہ کرتے تو اُس کو شرف دیتے اور اُس کی قدر و مرتبہ بلند کرتے بوجہ اُن آیات و نشانات کے جو ہم نے اسکو عطا کئے تھے ہم ضرور ایسا کرتے و لیکن شہوات دنیاوی میں وہ پھنس گیا اور انہیں میں منجذب ہو گیا +

اس آیت میں اس امر کے خیال کرنے کی کافی دلیل تھی - کہ یہاں رفع کے معنے رفع جسمانی مراد ہے کیونکہ لفظ اِلَى الْاَرْضِ اس کی پوری تائید کرتا تھا - لیکن کسی مفسر یا عالم کا یہ ایمان نہیں کہ بلعم کو اللہ تعالیٰ نے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر لیجانا چاہا تھا - بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ روحانی ترقیوں سے مراد تھی - جن سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور مدارج میں ترقی ہوتی ہے - تو پھر جہاں نہ تو آسمان کا لفظ آیا اور نہ کوئی دوسرا قرینہ موجود تھا - وہاں کیونکر رفع جسمانی تسلیم کر لیا گیا +

(۶) وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا ۝

یعنی توریت شریف میں ادریس علیہ السلام کو یاد کرو کہ وہ ایک سچا نبی تھا - اور ہم نے اسکو بلند مکان میں جگہ دی تھی - دیکھو سورۃ مریم رکوع ۴ - یہاں بھی لفظ رفع کے معنے ترقی درجات ہے جس کی تصدیق تفسیر النہر الماد من البحر لابی حیان بر حاشیہ بحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۲۰۰ زیر آیۃ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا یوں لکھا ہے +

وَالْمَكَانُ الْعَلِیُّ شَرَفُ النُّبُوَّةِ وَالزُّلْفٰی عِنْدَ اللّٰهِ وَقَالَ جَمَاعَةٌ وَهُوَ رَفْعُ النُّبُوَّةِ وَالتَّشْرِیْفُ وَالْمَنْزِلَةُ فِی السَّمَاءِ كَسَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ

اور بلند مکان شرف نبوت اور قرب الی اللہ سے مراد ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ نبوت کا رفع ہے اور انکو آسمان پر بزرگی اور منزلت اسی طرح حاصل ہے جس طرح کل انبیا کو حاصل ہے

اور شرح اکمال اکمال المعلم صفحہ ۳۰۸ میں یوں لکھا ہے +

وَقَالَ جَمَاعَةٌ الْمُرَادُ بِالتَّرَفُّعِ رَفْعُ الْمَنْزِلَةِ وَهُوَ فِی السَّمَاءِ كَغَیْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ

یعنے ایک جماعت یہ کہتی ہے رفع سے مراد رفع منزلت و مرتبت ہے اور وہ رفع آسمانی ہے جو

اور انبیار کو بھی حاصل ہے

اور جب ثابت ہوگیا کہ نبی کو رفع ہونا اور اعلیٰ منصب و درجہ آسمان پر ملتا ہے تو پھر مسیح کے رفع سے اُن کی حیات کیوں نکالی جاتی ہے اب آیۂ متذکرہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ادریس کو بھی رفع ہوا اگر رفع سے مراد ترقی درجات کا رفع نہیں تو لامحالہ ماننا پڑیگا کہ حضرت ادریس بھی کسی زمانہ میں زمین پر نازل ہونگے اور یہ امر بالاتفاق مسلم ہے کہ حضرت ادریس کے دوبارہ آنے کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ بلکہ اکثر مفسرین اور علمار محققین نے صاف صاف لکھا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سید ذوالفقار احمد صاحب اپنی کتاب طے الفراسخ الی منازل البرازخ میں لکھتے ہیں کہ ملک الموت نے کہا کہ مینے تیری حاجت جان لی تو ادریس کے باب میں مجھ سے کلام کریگا۔ حالانکہ اُس کا نام محو ہو چکا۔ اور اس کی اجل سے کچھ باقی نہیں رہا۔ مگر نصف طرفۃ العین میں ادریس علیہ السلام کا انتقال فرشتے کے دونوں بازوؤں کے درمیان ہوا۔ دیکھو کتاب مذکور +

(۷) فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ | یعنی اُن گھروں میں جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔ کہ بلند کئے جائیں۔ کیا اس سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ مکان یا گھر آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ پارہ ۱۸ سورۃ النور رکوع ۵ +

(۸) فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ قرآن شریف۔ سورۃ العبس | یعنے عزت والے اور بلند پائے اور پاک صحیفوں میں موجود ہے۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ صحیفے پہلے کہیں زمین پر تھے پھر آسمان پر اُٹھا لئے گئے +

(۹) خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ط سورۃ الواقعہ۔ یعنی اُتارتی اور چڑھاتی ہے۔ کیا قیامت انسان کو آسمان پر مع جسد عنصری چڑھا دیتی ہے +

(۱۰) وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ۔ پارہ ۲۷۔ سورۃ الواقعہ رکوع ۱۔ عزت والے فرش کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ پہلے کہیں گڑھوں میں پڑے ہوئے تھے پھر اُن کو آسمان پر اُٹھا کر لے گئے +

ہم قرآن شریف کی اسی قدر مثالوں پر کفایت کرتے اور اب ہم احادیث سے رفع کی مثالیں پیش کر کے ناظرین کو دکھلاتے ہیں۔ کہ نبیوں کا تو ذکر ہی چھوڑ دیا جائے کل صالحین کو اللہ تعالیٰ نے رفع کیا ہے +

شعبہ دوم

فصل ششم

احادیث اور لفظ رفع

(۱) اِنَّ مِنْ وَّرَائِکُمْ اَیَّامًا یَنْزِلُ فِیْھَا الْجَھْلُ وَیُرْفَعُ فِیْھَا الْعِلْمُ وَیَکْثُرُ فِیْھَا الْھَرَجُ۔ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْھَرَجُ قَالَ الْقَتْلُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ +

تمہارے بعد ایسے دن آنیوالے ہیں۔ کہ اُن میں جہالت نازل ہوگی۔ اور علم اُٹھایا جائیگا اور ہرج کثرت سے ہوگا۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرج کیا ہے۔ فرمایا کہ قتل اسکو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۹ +

اس حدیث میں رفع علم آیا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا علم کوئی جسمانی چیز ہے جسکا رفع ہو جائیگا۔ بلکہ ایک روحانی کیفیت ہے۔ جس کا رفع ہونا ذکر کیا گیا ہے کیا کوئی یہ گمان کرسکتا ہے۔ کہ کتابیں سب کی سب آسمان پر چلی جائینگی۔ اور کوئی کتاب زمین پر باقی نہ رہیگی۔ کوئی آدمی ایسا خیال نہیں کرسکتا۔ تو پھر کیونکر رفع کے معنے حضرت مسیح کی نسبت رفع جسمانی لیتے ہیں +

(۲) اَلْاَزْدُ اَسَدُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ یُرِیْدُ النَّاسُ اَنْ یَّضَعُوْھُمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یَّرْفَعَھُمْ وَلَیَاْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَقُوْلُ الرَّجُلُ یَا لَیْتَ اَبِیْ کَانَ اَزْدِیًّا وَیَا لَیْتَ اُمِّیْ کَانَتْ اَزْدِیَّۃً رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَنَسٍ +

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ازد زمین پر اللہ تعالیٰ کا شیر ہے جس کو لوگ ذلیل کرنا چاہینگے۔ مگر اللہ تعالیٰ اُس کو ذلیل نہیں ہونے دیگا۔ بلکہ اُس کو رفع دیگا۔ اور لوگوں پر ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ آدمی کہیگا۔ کاش میرا باپ ازد اور میری ماں ازدیہ ہوتی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۰۶ +

یہاں پر بھی لفظ رفع کے روحانی معنے کے سوا اور کوئی معنے نہیں ورنہ ہر ازد کا اللہ تعالیٰ رفع کرتا ہے تو کیا یہی سمجھ لیا جائے کہ کل ازد آسمان پر اس جسم عنصری کے ساتھ موجود ہیں +

(۳) یَا اَیُّھَا النَّاسُ خُذُوْا مِنَ الْعِلْمِ قَبْلَ اَنْ یُّقْبَضَ الْعِلْمُ وَقَبْلَ اَنْ یُّرْفَعَ الْعِلْمُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یُرْفَعُ الْعِلْمُ وَھٰذَا الْقُرْاٰنُ بَیْنَ اَظْھُرِنَا فَقَالَ اَیْ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ وَھٰذِہٖ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی بَیْنَ اَظْھُرِھِمُ الْمَصَاحِفُ لَمْ یُصْبِحُوْا یَتَعَلَّقُوْنَ بِالْحَرْفِ مِمَّا جَاءَتْ بِہٖ اَنْبِیَاءُ ھُمْ اَلَا وَاِنَّ ذَھَابَ الْعِلْمِ اَنْ یَّذْھَبَ حَمَلَتُہٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارمِیُّ وَالطِّبْرَانِیُّ وَاَبُوالشَّیْخِ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ وَابْنُ مَرْدُوْیَۃَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ +

احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور دارمی اور طبرانی نے اپنی اپنی کتابوں میں اور ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں اور ابن مردویہ نے اپنی کتاب میں ابوامامہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو علم حاصل کرو پیشتر اس کے کہ وہ اُٹھایا جائے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علم کیونکر چلا جائیگا حالانکہ یہ قرآن شریف ہمارے پاس موجود ہے۔ کہا کہ تیری ماں تجھ کو بیٹھے دیکھتا نہیں کہ یہود اور نصاریٰ کے پاس آسمانی کتابیں موجود تھیں۔ مگر اُن کو انبیا کی پیش کردہ کتاب کے ایک حرف سے بھی تعلق نہیں رہا لہذا یاد رکھو کہ علم کے چلے جانے سے مُراد یہ ہے کہ اس کی پیروی چھوٹ جائیگی ۔ یہ بات تین دفعہ دہرائی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۰۸۔ اس حدیث نے رفع علم کے معنے قبض العلم یا ذہب العلم کے خود کر دیئے ہیں اور دوسرے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع کے معنے کو حل کرکے دکھلا دیا کہ رفع علم سے مراد یہ ہے۔ کہ لوگ نبیوں کی تعلیموں کو پس پشت ڈالیں گے ۔ حالانکہ اُن کی کتابیں دنیا میں موجود رہینگی پس رفع کے معنے روحانی رفع ہوا۔ اور علم کوئی خود جسم نہیں رکھتا جس سے سمجھا جائے کہ وہ آسمان پر پرواز کرتا ہوا چلا گیا +

(۴) پھر ابن عساکر میں حدیث ذیل آئی ہے +

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْعَبَّاسِ یَعُوْدُہٗ فَدَخَلَ عَلَیْہِ وَالْعَبَّاسُ عَلٰی سَرِیْرٍ لَّہٗ فَاَخَذَ بِیَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَقْعَدَہٗ فِیْ مَکَانِہٖ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

ابن عباس روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عباس کی عیادت کے لئے گئے اور جب اُن کے پاس پہنچے تو کیا دیکھا کہ حضرت عباس اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں حضرت عباس نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَكَ اللّٰهُ یَا عَمِّ | تو اُن کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھا لیا پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے چچا خدا آپ کو رفع دے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۶۵

اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کے واسطے رفع روحانی کی دعا کی ہے نہ کہ یہ سمجھا جائے کہ رفع جسمانی کی دعا کی تھی۔ اگر رفع روحانی نہ تسلیم کریں۔ بلکہ رفع جسمانی مان لیں تو پھر خدا نخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا فضول ثابت ہوگی کیونکہ حضرت عباس تو اپنی زندگی کے دن زمین پر بسر کرکے فوت ہوئے اور پھر اسی زمین میں دفن کئے گئے۔ لہذا ضروری ماننا پڑیگا۔ کہ ہر مومن اور صالح آدمی کے لئے رسول بھی رفع کی دعا کرتے ہیں +

(۵) ابوسعید السمان اور امام رافعی حضرت انس سے روایت ذیل بیان کرتے ہیں +

اَنَّ مَلَكًا مُوَكَّلًا بِالْقُرْاٰنِ فَمَنْ قَرَاَ مِنْهُ شَیْئًا لَمْ یُقَوِّمْهُ قَوَّمَهُ الْمَلَكُ وَرَفَعَهُ + | قرآن پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو شخص قرآن شریف میں سے کچھ پڑھتا ہے۔ وہ اس کے منہہ سے نکلنے نہیں پاتا کہ فرشتہ اسکو اُٹھاکر

لیجاتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد اول صفحہ ۱۳۳ +

اب دیکھنا چاہیئے کہ صرف قرآن شریف کے الفاظ جو انسان کی زبان سے نکلتے ہیں اُٹھائے جاتے ہیں حالانکہ اُن کا کوئی جسم نہیں ہوتا +

(۶) امام مسلم اور ابن ماجہ حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَرْفَعُ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ | اللہ تعالیٰ اس قرآن شریف کی برکت سے کئی قوموں کو ضرور بلند کریگا۔ اور اُن کے بالمقابل دوسروں کو ذلیل کریگا۔ دیکھو کنز العمال

جلد اول صفحہ ۱۲۹۔ اب اس حدیث میں کیا رفع کے معنے یہی لئے جائیں کہ اُن کو آسمان پر اُٹھا لیگا۔ اور جو لوگ اس امر کے قائل ہیں تو اُن کو ثبوت دینا چاہیئے کہ کوئی قوم اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلی گئی ہے +

(۷) اَلتَّوَاضُعُ لَا یَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا یَرْفَعْكُمُ اللّٰهُ وَالْعَفْوُ لَا یَزِیْدُ | ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب الغضب میں بروایت محمد بن عمیر العبدی یہ حدیث لکھی ہے

الْعَبْدَ اِلَّا عِزًّا فَاعْفُوْا يُعِزَّكُمُ اللّٰهُ وَالصَّدَقَةُ لَا تَزِيْدُ الْمَالَ اِلَّا كَثْرَةً فَتَصَدَّقُوْا يَرْحَمْكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ - رَوَاهُ اِبْنُ اَبِي الدُّنْيَا فِي الْغَضَبِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَيْرِ الْعَبْدِيِّ

کہ تواضع آدمی کے لئے ابزادیٔ رفعت کا موجب ہوتی ہے اسی واسطے تم لوگ تواضع کیا کرو تاکہ خدا تم کو بلند کرے۔ اور عفو میں انسان کی عزّت میں ترقی ہوتی ہے۔ اسواسطے تم عفو کی عادت ڈالو۔ تاکہ خدا تم کو عزّت دے۔ اور صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔ اسواسطے صدقہ دیا کرو۔ خدا تعالیٰ عزوجل تم پر رحم کریگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۔ اس حدیث سے بھی پایا جاتا ہے تواضع سے بلندی یعنے رفع ملتا ہے۔ کیا اس سے یہی سمجھ لیا جائے کہ جسد عنصری کے ساتھ انسان آسمان پر چلا جاتا ہے پھر تو ہزاروں تواضع اور عفو کرنیوالے اور صدقہ دینیوالے آسمان پر موجود ہونگے +

(۸) اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ رَوَاهُ الْخَرَائِطِيُّ فِي مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ +

خرائطی اپنی کتاب مکارم الاخلاق میں ابن عباس سے روایت کرتا ہے۔ جب بندہ تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو ساتویں آسمان پر اُٹھا کر لیجاتا ہے اب اس میں کیسی صراحت ہے ایک تو لفظ رفع اور پھر صلہ بھی الیٰ واقعہ ہے اور پھر ساتواں آسمان بھی ہے۔ اور دوسری طرف حضرت مسیح کے ساتھ آسمان کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ یہاں صرف متواضع آدمی کو اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان پر لیجاتا ہے دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۔ مسیح علیہ السلام تو صرف دوسرے ہی آسمان پر بیان کئے جاتے ہیں۔ اب بتانا چاہیئے کہ حضرت مسیح کی کیا تخصیص رہی۔ ایک متواضع آدمی ساتویں آسمان پر اس جسم کے ساتھ جاتا ہے کیونکہ روح کا یہاں ذکر نہیں جیسا کہ مسیح کے قصہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کروڑوں انسان صرف تواضع کی وجہ سے ساتویں آسمان پر زندہ تسلیم کرنے پڑینگے۔ ورنہ جو رفع ان لوگوں کے لئے مانو گے۔ وہی مسیح علیہ السلام کی نسبت ماننا پڑیگا +

(۹) حلیہ ابونعیم میں حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت آئی ہے +

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ

جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اُس کو بلند کرتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵ +

(۱۰) ابن مندہ اور ابونعیم اوس بن خولی سے حدیث بیان کرتے ہیں +

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ ابْنُ مَنْدَهْ وَاَبُوْنُعَيْم عَنْ اَوْسِ بْنِ خَوْلِی +

کہ جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اُس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو ذلیل کرتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶

(۱۱) ابن النجار حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث بیان کرتا ہے +

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنِ اقْتَصَدَ اَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ اَحَبَّهُ اللّٰهُ۔ رَوَاهُ ابْنُ النَّجَّارِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ

کہ جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے۔ اللہ اُس کو اُٹھا لیتا ہے اور جو میانہ روی کرتا ہے اللہ اُس کو غنی کرتا ہے اور جو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اُس کو اللہ دوست رکھتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶ +

(۱۲) ابونعیم حضرت ابن عمر سے حدیث ذیل بیان کرتے ہیں +

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ ضَعِيْفٌ وَفِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِیْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْنُعَيْم عَنْ عُمَرَ +

جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اُسکا رفع کرتا ہے۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت ضعیف ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اُس کو ذلیل کر دیتا ہے اور وہ لوگوں کی نظروں میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنی ذات میں وہ بڑا ہوتا ہے۔ اور اُس کی یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ لوگ اُس کو ایسی حالت میں کتے اور خنزیر سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶ +

(۱۳) ابوالشیخ اپنی کتاب العظمۃ میں بروایت حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ تَخَشُّعًا لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَطَاوَلَ تَعَظُّمًا وَضَعَهُ اللّٰهُ وَالنَّاسُ تَحْتَ كَنَفِ اللّٰهِ يَعْمَلُوْنَ اَعْمَالَهُمْ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ فَضِيْحَةَ عَبْدٍ اَخْرَجَهٗ مِنْ تَحْتِ كَنَفِهٖ فَبَدَتْ ذُنُوْبُهٗ رَوَاهُ

جو شخص اللہ کے لئے اللہ کے خوف سے تواضع کرتا ہے اُس کو اللہ رفع دیتا ہے اور جو بڑائی کی وجہ سے زیادتی کرتا ہے اللہ اُس کو زمین پر بٹھا دیتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے نیچے ہوتے ہیں وہ نیک عمل کرتے

ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی فضیحت کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اُس کو اپنی پناہ کے نیچے سے نکال دیتا ہی۔ پھر اُس سے گناہ ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶ +

(۱۴) امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں اور ابو یعلی اپنی مسند میں اور شاشی اپنی کتاب میں اور طبرانی اپنی کتاب المعجم الاوسط میں اور حافظ سعید بن منصور اپنی سنن میں بہ روایت حضرت عمر حدیث ذیل بیان کرتے ہیں +

يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ تَوَاضَعَ لِي هٰكَذَا رَفَعْتُهُ هٰكَذَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُو يَعْلٰى وَالشَّاشِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْحَافِظُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عُمَرَ +	کہ جو شخص اللہ عزّ وجلّ کی اس طرح تواضع کرتا ہی اللہ بھی کہتا ہے کہ میں بھی اُس کی اُسی طرح بلندی مراتب کرتا ہوں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶ +

(۱۵) ابو نصر دیلمی اپنی کتاب مسند الفردوس میں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔

اَلتَّوَاضُعُ لَا يَزِيدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوا يَرْفَعْكُمُ اللّٰهُ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ عَنْ اَنَسٍ +	کہ بندہ کی رفعت اور بلندی درجات تواضع ہی سے ہوتی ہے۔ لہذا تم لوگ تواضع کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں رفع کرے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶

(۱۶) ابو نعیم اپنی کتاب میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ لَانَ لِي وَتَوَاضَعَ لِي وَلَمْ يَتَكَبَّرْ فِي اَرْضٍ رَفَعْتُهُ حَتّٰى اَجْعَلَهُ فِي عِلِّيِّيْنَ رَوَاهُ اَبُو نُعَيْمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے حق کی خاطر نرمی کرتا اور میرے لئے متواضع ہوتا اور زمین میں تکبر نہیں کرتا تو میں اُس کو یہاں تک رفع دیتا ہوں کہ علیین میں پہنچا دیتا ہوں۔

دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶ +

(۱۷) مَا مِنْ آدَمِيٍّ اِلَّا وَفِي رَأْسِهِ حَكَمَةٌ بِيَدِ مَلَكٍ فَاِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَهُ بِهَا وَقَالَ ارْتَفِعْ رَفَعَكَ اللّٰهُ وَاِذَا ارْتَفَعَ رَأْسُهُ جَذَبَهُ اِلَى الْاَرْضِ وَقَالَ اخْفِضْ خَفَضَكَ اللّٰهُ رَوَاهُ اَبُو نُعَيْمٍ وَالدَّيْلَمِيُّ	ابو نعیم اور ابو نصر دیلمی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جس کے سر میں ڈوری نہ ہو اور وہ ڈوری فرشتہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جس وقت وہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کے ذریعہ اٹھا لیتا ہے اور

عَنْ اَنَسٍ + | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کہ بلندی طلب کرتا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رفع دے۔ اور جب انسان تکبر کرتا ہے تو اُس کو زمین کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور کہتا ہے نیچے چلا جا اللہ تجھہ کو ذلیل کرے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶

(۱۸) مَا مِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَفِیْ رَأْسِہٖ حِکْمَۃٌ بِیَدِ مَلَکٍ فَاِذَا تَوَاضَعَ رُفِعَ بِھَا وَقَالَ ارْتَفِعْ رَفَعَکَ اللّٰہُ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ جَذَبَہٗ اِلَی الْاَرْضِ وَقَالَ اخْفِضْ خَفَضَکَ اللّٰہُ رَوَاہُ ابْنُ صَصْرِیٍّ فِیْ اَمَالِیْہِ عَنْ اَنَسٍ +

ابن صصری اپنی کتاب امالی میں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی بھی بندہ نہیں جس کے سر میں ڈورنہ ہو اور وہ فرشتہ کے ہاتھہ میں ہوتی ہے۔ جس وقت تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو اُٹھا لیتا ہے اور کہتا ہے بلندی طلب کر خدا تجھہ کو رفع دے۔ اور جب تکبّر کرتا ہے تو اُس کو زمین کی طرف کھینچ لیتا ہے اور کہتا ہے نیچے جا خدا تجھہ کو ذلیل اور خوار کرے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶ +

(۱۹) مَا مِنْ آدَمِیٍّ اِلَّا وَفِیْ رَأْسِہٖ سِلْسِلَتَانِ سِلْسِلَۃٌ فِی السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ وَسِلْسِلَۃٌ فِی الْاَرْضِ السَّابِعَۃِ فَاِذَا تَوَاضَعَ رَفَعَہُ اللّٰہُ بِالسِّلْسِلَۃِ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ وَاِذَا تَجَبَّرَ وَضَعَہُ اللّٰہُ بِالسِّلْسِلَۃِ اِلَی الْاَرْضِ السَّابِعَۃِ رَوَاہُ الْخَرَائِطِیُّ فِیْ مَسَاوِی الْاَخْلَاقِ وَالْحَسَنُ ابْنُ سُفْیَانَ وَابْنُ لَالٍ وَالدَّیْلَمِیُّ عَنْ اَنَسٍ

شیخ ابوبکر محمد خرائطی اپنی کتاب کے باب مساوی الاخلاق میں اور حسن بن سفین اور ابن لال اور ابو نصر دیلمی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی بھی آدمی نہیں کہ جس کے سر میں دو سلسلے نہ ہوں ایک سلسلہ تو ساتویں آسمان پر ہوتا ہے اور ایک سلسلہ ساتویں زمین پر۔ جس وقت کوئی شخص تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو اُسی سلسلہ کیساتھہ ساتویں آسمان پر اُٹھا لیتا ہے اور جب جبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو دوسرے سلسلہ کے ساتھہ ساتویں زمین پر دے مارتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶

(۲۰) بخاری میں ہے رَفَعَ اِلَی السَّمَاءِ رِفْعَۃٌ ضِدُّ وَضْعَۃٍ وَمِنْہُ الدُّعَاءُ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْنِیْ وَلَا تَضَعْنِیْ وَاللّٰہُ یَرْفَعُ مَنْ یَّشَاءُ وَیَخْفِضُ +

آسمان کیطرف جانیسے اور بلندئ مراتب ہی رفع وضع کی ضد ہی اور اسی لئے یہ دعا کرتا ہی کہ ای اللہ مجھے بلند کر اور مجھے ذلیل نہ کر۔ اللہ جسکو چاہتا ہی ذلیل کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے بلند کرتا ہی۔ دیکھو صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۲

(۱۲) علاوہ ان احادیث کے ہم روز مرہ پانچ وقت کی نماز میں بین السجدتین یہ دعا مانگا کرتے ہیں

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ	یعنے اے اللہ مجھ پر رحم کر اور تمام مشکلات میں میری رہنمائی فرما اور روحانی اور جسمانی رزق سے

مشرف فرما اور مجھے ذلت اور خذلان اور لعنت کی موت سے ہلاک نہ کیجیو بلکہ رفع دیجیو جو پاک اور مقدس بندوں کے لئے مخصوص ہے اور مجھے زمینی نہ بنا ئیو بلکہ آسمانی بنائیو۔ اور جس قدر قصور اور خطائیں مجھ سے سرزد ہوں اُن کی تلافی کی توفیق عطا کیجیو۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی عمدہ دعا سکھلائی ہے اور ہر ایک کو رفع کی خواہش دلائی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر مومن کو رفع کرتا ہے۔ تو پھر مسیح کی کیا خصوصیت ہے۔ دیکھو کشف الغمہ

سینکڑوں حدیثیں کتب احادیث میں ہیں جن میں لفظ رفع آیا ہے لیکن ہم بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان تمام احادیث سے جو بہت سے محدثین کے ذریعہ سے بیان کی گئی ہیں روز روشن کی طرح واضح ہے کہ متواضع آدمی کو اللہ رفع دیا کرتا ہے۔ اگر رفع کے معنے زندہ آسمان پر لیجانا مقصود ہے تو پھر لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر موجود ہونگے۔ کیونکہ ان تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر آدمی کو جو صفت تواضع سے متصف ہو آسمان پر لیجانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے پہلے دوسرے آسمان پر نہیں بلکہ ساتویں آسمان پر لیجانے کا وعدہ کیا گیا ہے اور حضرت مسیح کا تو دوسرے آسمان پر جانا ذکر کیا جاتا ہے افسوس کہ مخالف علما رنے اپنے علم سے کام نہیں لیا۔ اور صرف لفظ پرستی اور بے بنیاد افسانوں پر شیدا ہو گئے۔ اور وسیع معلومات بڑھانے اور کتب احادیث کے مطالعہ کرنے سے گریز کرتے۔ اور چند رسمی غیر معتبر کتابیں پڑھکر فضیلت کی پگڑی باندھکر منبروں کے اوپر چڑھ بیٹھتے ہیں۔ اور بغیر وسیع معلومات کے فتویٰ لکھمارتے ہیں اگر اُن کو معلوم ہوتا۔ کہ لفظ رفع کلام عرب میں خاصکر اللہ تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاورہ میں کن کن معنوں میں آتا ہے۔ تو پھر اس قدر جرأت نہ کرتے اور کسی مامور من اللہ و مُحَدَّث اللہ سے جو نبی کہلانے کا حقدار ہے اس طرح بے ادبی اور گستاخی سے پیش نہ آتے کیونکہ مسیح موعود کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کہا ہے۔

جلد ۱ صفحہ ۱۵۸

شعبہ سوم

فصل چھٹی

لفظ رفع و لغتِ عرب

اے نادانو! اگر تمہیں کلام آلٰہی اور کتب احادیث میں پوری معلومات نہیں تھیں اور تم ان پاک کتابوں کے مطالعہ سے بے نصیب تھے تو تم کم از کم لغتِ عرب ہی کھولکر دیکھ لیتے کہ لفظ رفع کے کیا معنی ہیں۔ لہذا میں چند کتب لغت سے اس کے معانی ظاہر کرتا ہوں دیکھو اور غور کرو +

(۱) لسان العرب جلد ۹ صفحہ ۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰ پر لفظ رفع کے یہ معنے لکھے ہیں +

اَلرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ — یعنے رفع وضع کی ضد ہے +

وَفِی اَسْمَاءِ اللّٰہِ اَلرَّافِعُ ھُوَالَّذِی یَرْفَعُ الْمُؤْمِنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقْرِیْبِ + — یعنے الرافع اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور وہ مومن کو سعادت اور اپنے اولیاء کو تقرب کے ساتھ بلند کرتا ہے +

قَالَ الزَّجَاجُ اَلْمَعْنٰی اِنَّھَا تَخْفِضُ اَھْلَ الْمَعَاصِی وَتَرْفَعُ اَھْلَ الطَّاعَۃِ — زجاج جو ایک مشہور لغوی ہے کہتا ہے کہ وضع کے معنے یہ ہیں کہ گنہگاروں کو پست اور ذلیل کیا جاتا ہے اور رفع کے معنے یہ کہ فرمانبرداروں کو رفع ہوتا ہے +

وَالرَّفْعُ تَقْرِیْبُکَ الشَّیْءَ بِالشَّیْءِ وَفِی التَّنْزِیْلِ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ اَیْ مُقَرَّبَۃٍ لَھُمْ وَمِنْ ذٰلِکَ رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ وَیُقَالُ نِسَاءٌ مَرْفُوْعَاتٌ اَیْ مُکَرَّمَاتٌ + — اور رفع ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مقرب کرنا اور قرآن کریم میں جو فرش مرفوعہ آیا ہے وہاں مرفوعہ سے مراد مقربہ کے ہیں اور اسی ذیل میں ہے رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ یعنے میں نے اسکو بادشاہ کا مقرب کر دیا۔ اور نساء مرفوعات سے مراد باعزت مستورات ہیں +

(۲) تاج العروس جلد ۵ صفحہ ۳۵۷

رَفْعٌ ضِدُّ وَضْعٍ وَمِنْهُ حَدِیْثُ الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْنِیْ وَلَا تَضَعْنِیْ +

یعنی رفع ضد وضع ہے اور یہی معنی دعا والی حدیث میں ہیں کہ اے اللہ مجھے بلند کر اور مجھے ذلیل نہ کر۔ پھر صفحہ ۳۵۸ پر لکھا ہے +

رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ رُفْعَانًا +

یعنے اسکو سلطان کا مقرب بنا دیا +

رَفَعَہٗ اِلَی الْحَاکِمِ رَفْعًا۔ اَیْ قَرَّبَہٗ وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی رَافِعَۃٌ۔ قَالَ الزَّجَّاجُ تَرْفَعُ اَھْلَ الطَّاعَۃِ +

میں نے اُس کو حاکم کا مقرب کر دیا یعنے بموجب قول خداوندی رفع کرنے والا زجاج کہتا ہے کہ اہل طاعت مقرب کئے جاتے ہیں +

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ قَالَ زَجَّاجٌ۔ قَالَ الْحَسَنُ تَاْوِیْلُھَا اَنْ تُعَظَّمَ وَمِنْہُ فُرُشٌ مَّرْفُوْعَۃٌ۔ اَیْ شَرِیْفَۃٌ وَکَذَا فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ

یعنے جن گھروں کے بلند کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اذن دیا ہے۔ زجاج اس آیت کے متعلق کہتا ہے کہ حسن نے کہا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ عظمت والے بنا دئے جائیں +

اور یہی معنے فرش مرفوعہ کے ہیں یعنے مشرف فرش اور ایسا ہی صحف مکرمۃ مرفوعۃ میں مرفوعۃ کے معنے معظم و مشرف ہیں +

(۳) صراح جلد ۲۔ رفع۔ نزدیک گردانیدن کسے را بکسے صِلَتُہٗ بِاِلٰی یعنے جب صلہ الیٰ رفع کے بعد واقع ہو تو ایک شے کے نزدیک کر دینے کے معنے ہوتے ہیں وَمِنْ ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ۔ اور اسی ذیل میں ہے میں نے اسکو سلطان کا مقرب کر دیا +

(۴) قاموس۔ رَجُلٌ رَفِیْعٌ رَجُلٌ شَرِیْفٌ وَالرَّافِعُ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی ھُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقَرُّبِ +

یعنے بلند پایہ کا آدمی شریف آدمی۔ اور الرافع اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے یعنے خدا وہ ذات ہے۔ جو مومنوں کو سعادت اور اولیاء کو تقرب سے بلند کرتا ہے +

(۵) اقرب الموارد جلد اصفحہ ۴۱۸۔ رَفَعَہٗ اِلَی السُّلْطَانِ قَرَّبَہٗ

یعنے اُس نے سلطان کا مقرب کر دیا +

(۶) منتہی الارب جلد ۲ صفحہ ۱۷۰ - رَفَعْتُهُ اِلَى السُّلْطَانِ رُفْعَانًا اَیْ قَرَّبْتُهُ	یعنے میںنے اُسکو سلطان کا مقرب کر دیا۔ اَلرَّافِعُ قریب گردانندہ۔ رافع کے معنے قریب کرنیوالا +
(۷) اساس البلاغت میں لکھا ہے رَفَعَ فَارْتَفَعَ وَرَفَعَهُ وَرَافَعَ فَهُوَ رَفِیْعٌ وَفِیْهِ رِفْعَةٌ	یعنی جب رفع کہا جائے۔ تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ رفع جس میں رفعت ہو یعنی بلندی درجات
(۸) صحاح جوھری۔ جلد ا صفحہ ۵۹۴ اَلرَّفْعُ تَقْرِیْبُكَ الشَّیْءَ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ قَالُوْا مُقَرَّبَةٌ لَهُمْ وَمِنْ ذٰلِكَ رَفَعْتُهُ اِلَى السُّلْطَانِ	یعنے رفع کے معنے تجھ کو کسی چیز سے قریب کرنا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فرش شاندار ہونگے اور اس بنا پر رَفَعْتُهُ اِلَى السُّلْطَانِ کے معنے میںنے اُسکو بادشاہ کا مقرب کر دیا +

ان تمام لغت کی کتابوں سے ظاہر ہے کہ رفع میں بلندی مراتب مراد ہوتی ہے اور خاصکر جب لفظ رفع کے بعد الیٰ کا صلہ آئے تو بجز تقرب کے اور کوئی معنے نہیں آتے جیسے نظائر بالا سے ظاہر ہے۔ جب تمام موقعوں پر قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ آیا ہے یعنی رفع کے بعد صلہ الیٰ ہی استعمال کیا گیا ہے تو پھر یہاں لغت کے معانی سے باہر قدم رکھنا اور اپنے من گھڑت معنے لینا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔ لغت نے تو قاعدہ باندھ دیا۔ کہ جب رفع الیٰ کے صلہ کے ساتھ آئے وہاں تقرب ہی کے معنے ہونگے۔ ایسی حالت میں علماء کی عقل اور فہم پر افسوس آتا کہ کیونکر وہ یہاں سے آسمان کے معنے لیتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ دوسرے یا چوتھے آسمان پر بیٹھا ہے جیسے کہ مسیح علیہ السلام کا بعض روایات کے رو سے دوسرے آسمان پر اور بعض روایات کے رو سے چوتھے آسمان پر مسکن گزیں ہونا مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ تو جسم اور صاحب مکان ہی نہیں تو پھر علماء کا ایسا خیال کرنا بجز نادانی اور کیا ہوسکتا ہے ورنہ آیات مذکورہ کے بجز تقرب الی اللہ اور کوئی معنی ثابت نہیں ہوتے +

مسیح کے آسمان پر ماننے سے بہت سے اعتراض ہوتے ہیں جنکا حل مشکل ہے

اگر ہم بفرض محال مان بھی لیں کہ مسیح آسمان پر چلا گیا تو اُس پر جسقدر اعتراضات

وارد ہوتے ہیں اُن کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا +

(۱) اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ کے خلاف ہے کیونکہ جب یہ دنیا ہی آخرت کے لئے بمنزلہ مزرعہ قرار دی گئی ہے۔ تو مسیح علیہ السلام کا کس قدر نقصان ہے۔ کہ وہ بیکار اور معطل چھوڑ دئے گئے ہیں اور قیامت میں بمقابلہ دیگر انبیاء وہ کیا رتبہ پا سکتے ہیں +

(۲) انبیاء کا کام صرف تبلیغ احکام ہوتا ہے اور جب وہ تکمیل تبلیغ کر چکتے ہیں۔ تو زمین سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ لیکن مسیح نے اپنے وقت میں تکمیل تبلیغ نہیں کی اور ابتک اس خدمت کے سرانجام دینے سے پہلو تہی کر رہے ہیں تو کیونکر عدم تعمیلِ تبلیغ کے الزام سے بچ سکتے ہیں +

(۳) اگر اُن یہودیوں کے خوف سے بچ کر چلے گئے ہیں جو اُن کے خون کے پیاسے تھے لیکن ابتو ۱۹۰۰ برس سے زائد ہو گئے اور اُن یہودیوں کا نام و نشان نہیں رہا اور جو اُن کی ذریت سے باقی ہیں وہ ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ کے مصداق ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ نہیں آتے +

(۴) اس آسمان پر جانے کے عقیدے نے دُنیا میں کس قدر فتور ڈالا ہے کہ کروڑہا مخلوقاتِ خدا شرک میں داخل ہو گئی اور اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا مان بیٹھی یہ بالکل خدا کی منشا کے خلاف ہے +

(۵) مسیح علیہ السلام کا کہنا وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ بھی غلط ثابت ہوا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارکًا کے معنے نفّاعًا کے کئے ہیں اور مسیح کا آسمان پر نفع پہنچانا مفقود رہا +

جس کی تصدیق ذیل کی روایات سے ہوتی ہے +

(۱) ابن جریر طبری نے بھی زیر آیۃ وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ کی نسبت فرمایا +

وَجَعَلَنِیْ نَفَّاعًا۔ وَقَالَ آخَرُوْنَ مَعْنٰی ذٰلِکَ مُعَلِّمُ الْخَیْرِ	اور مجھے بڑا نفع پہنچانے والا بنایا اور دیگر بزرگان کہتے ہیں کہ مبارکًا کے معنے نیکیوں کا تعلیم کرنیوالا + دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۱۶ صفحہ ۴۱

(۲) ایسا ہی تفسیر بحر محیط میں زیر آیۃ وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا لکھا ہے +

وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا قَالَ مُجَاهِدٌ نَفَّاعًا وَقَالَ سُفْیَانُ مُعَلِّمُ خَیْرٍ +	مجاہد نے مبارکاً کے معنے نفاعاً یعنے بڑا نفع پہنچانے والا اور سفیان نے اس کے معنے

معلم خیر یعنے نیکیوں کا سکھلانے والا کئے ہیں۔ دیکھو بحر محیط جلد ۶ صفحہ ۱۸۷ +

(۶) جیسا اُن کے آسمان پر جانے میں نقصان ہے ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھکر دوبارہ آنے میں نقصان ہے۔ کیونکہ اب وہ اُن زبانوں سے واقف نہیں۔ جو اس وقت دنیا میں رائج ہیں اور جب وہ گئے تھے تو اُن کی زبان مادری عبرانی تھی اور اب عبرانی مُردہ زبانوں میں داخل ہے۔ کیونکہ روئے زمین پر یہ زبان اب نہیں بولی جاتی۔ لہذا اُن کا آنا اور نہ آنا برابر ہے +

(۷) جب تک کوئی آدمی اپنی قوم میں رہکر اُن کے عادات اُن کے اخلاق اور اُن کے جمیع حالات سے آگاہ نہ ہو تب تک وہ اُن کی کسی قسم کی اصلاح نہیں کرسکتا۔ اب مسیح کو ۱۹۰۰ برس سے زائد ہوگئے دُنیا نے اس عرصہ میں اس قدر پلٹا کھایا ہے کہ گویا کایا ہی پلٹ ہوگئی ہے تو کیونکر اُن سے اس خدمت کا سرانجام ہوسکتا ہے +

(۸) جب وہ بقول علماء زمان فرشتہ خصلت ہوگئے اور شہوات نفسانیہ سے بالکل پاک و صاف ہوگئے اور وہ کھانے پینے کے محتاج نہیں رہے تو اب دوبارہ آنے میں اُن کو کس قدر مشکلات ہونگی کیونکہ یہاں کی آب و ہوا کا خاصہ ہے کہ جب تک کھایا پیا نہ جائے انسان زندہ نہیں رہ سکتا تو پھر مسیح کس طرح زندہ رہینگے اور اگر کھانے کو کھانے بھی مل گئے تو بھی اُن کو مشکل پیش آئیگی کیونکہ جب وہ ۱۹ اسو برس سے بالکل کھانے پینے کے عادی نہیں رہے تو اُنکے قوائے خاصکر معدہ تو بالکل بیکار ہوگیا ہوگا وہ کیونکر ہضم اشیاء کرسکینگے۔ ہر حالت میں اُن کو مصیبت ہی مصیبت ہی شاید اُن کے لئے آسمان سے کھانے پک کر آیا کرینگے۔ تو کوئی صورت زندگی نکل آئے۔ مگر وہ کھانے بھی یہاں کی آب و ہوا کے مناسب حال کیونکر ہوسکتے ہیں وہاں کی آب و ہوا اور یہاں کی آب و ہوا اور۔ غرض ہر طرح فساد ہی فساد ہے +

(۹) جس انسان کی بزدلی اظہر من الشمس ہو جائے وہ کبھی بھی دنیا میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ جب مسیح اپنے زمانہ تبلیغ میں ایسے بزدل ثابت ہوئے کہ زمین پر نہیں

بلکہ دوسرے یا چوتھے آسمان پر جا براجے اور اب تک ادھر رخ بھی نہیں کر سکتے تو اب آئندہ اُن سے کیا توقع ہو سکتی ہے +

(۱۰) آسمان پر جانے سے اُن کو کیا عزت ملی۔ نبوت بھی ہاتھ سے گئی کیونکہ اب بقول بعض علماء زمان اُمتی بنکر آئیگا۔ اور وجہ اس قصور کی نامعلوم۔ ورنہ اتنی بڑی نعمت سے جو الوہیت سے دوسرے درجہ پر ہے۔ کیوں محروم کیا جاتا +

(۱۱) اگر کوئی یہ کہے کہ مسیح جب اُمتی ہو کر آئینگے تو اُن کی عزت میں کوئی فرق نہیں آسکتا کیونکہ امت محمدیہ کے افراد کا مرتبہ نبیوں سے کم نہیں سو اُسکا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے اور بے بنیاد بات ہے کیونکہ نبوت کے درجہ سے کوئی اور درجہ ممکن ہی نہیں جو بڑھکر ہو۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ نبوت سے بڑھکر کوئی درجہ نہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے +

اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ خَیْرُ الْاَوَّلِیْنَ خَیْرُ الْاٰخِرِیْنَ وَخَیْرُ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَخَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ رَوَاہُ الْحَاکِمُ فِی الْکُنٰی وَابْنُ عَدِیٍّ وَالْخَطِیْبُ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ +	حاکم نے کنی میں اور ابن عدی اور خطیب نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر اور عمر سوائے نبیوں اور رسولوں کے تمام اولین اور آخرین اور اہل سماوات اور اہل ارض سے بہتر ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۱

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اُمتی کا درجہ نبوت سے بڑھکر ہوتا تو حضرت ابوبکر و عمر کو رسولوں اور نبیوں سے کم کیوں بتایا گیا +

دوسری روایت میں ہے +

اَبُوْ بَکْرٍ وَعُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ عَلِیٍّ وَغَیْرِہٖ وَغَیْرِہٖ	احمد بن حنبل و ترمذی و ابن ماجہ و دیگر کثیر التعداد محدثین علی رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر و عمر نبیوں اور رسولوں کے سوا کل اولین و آخرین میں جو ادھیڑ لوگ جنت

میں ہیں اُن کے سردار ہونگے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۲ و ۱۰

اب ان روایات سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ نبیوں اور رسولوں کا درجہ بڑھکر ہے جب حضرت عیسیٰ نبوت کے درجہ سے محروم کئے گئے تو ابوبکر اور عمر کے درجہ سے تو بہر حال گر گئے اور اور خدا جانے اور کتنے لوگوں سے کم ہونگے +

ایک تیسری روایت اس امر کی اور بھی وضاحت کرتی ہے +

خَیْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِیِّهَا اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرٍ عَنْ عَلِیٍّ	ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے بعد اس

امت میں ابوبکر اور عمر سے بڑھکر کوئی نہیں +

یا تو حضرت عیسیٰ ایک اولوالعزم نبی یا اب امت محمدیہ کے افراد سے بھی گرا دیا گیا یہ اُسکی کیسی بے عزتی ہے اور پھر بلا قصور نبوت چھین لی گئی حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں فرمایا ہے

خِیَارُ وُلْدِ آدَمَ خَمْسَةٌ نُوْحٌ وَّ اِبْرَاهِیْمُ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ مُحَمَّدٌ وَّ خَیْرُهُمْ مُحَمَّدٌ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ	ابن عساکر حضرت ابوہریرہ سے بیان کرتے ہیں کہ آدم کی اولاد میں سے سب سے بڑھکر پانچ اولاد ہیں ایک نوح دوسرے ابراہیم تیسرے

موسیٰ چوتھے عیسیٰ پانچویں محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین اور سب سے بہتر محمد ہی +

اب اس روایت سے صاف ظاہر ہوگیا نبوت سے خالی کرنا اُن کی سخت توہین اور حدیث اخرالذکر کے رو سے خلاف بیانی ہے

(۱۲) جب کوئی خدا کی طرف سے نبی ہوکر آتا ہے تو خدا کا خوف لوگوں کے دلوں میں مستولی ہوتا ہے کیونکہ خدا کے نبی کے ساتھ مقابلہ کرنا خطرناک امر ہوتا ہے لیکن مسیح سے اپنے زمانہ نبوت میں بھی لوگ نہیں ڈرے بلکہ بقول علماء زمان اُن کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے اور اسی واسطے اُن کو دوسرے یا چوتھے آسمان پر بھاگنا پڑا اور تبلیغ کے کام کو پس پشت ڈال گئے اور اب زائد از ۱۹۰۰ سال ہو گئے اِدھر آنیکا رخ بھی نہیں کرتے تو اب جبکہ وہ معمولی امتی بنکر آئیگا۔ تو اب اُس کی کون مانیگا +

(۱۳) اگر آسمان پر جانا کوئی فضیلت کی بات تھی تو کیوں سب نبیوں نے خواہش نہیں کی کیونکہ جس طرح حضرت عیسیٰ کو لوگوں نے ستایا اسی طرح تمام انبیاء کے ساتھ حال ہوا بلکہ

حضرت مسیح سے بھی زیادہ بری طرح ستائے گئے +

(۱۴) اگر درجہ امت محمدیہ مرتبہ نبوت سے افضل تھا تو پھر کل انبیاء سابقین کا کیا قصور ہے کہ ان کو امت محمدیہ میں داخل کرنے کے لئے دوبارہ نہیں بلایا گیا۔ مسیح کو کیوں خصوصیت دیجاتی ہے فَتَدَبَّرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار +

(۱۵) کیا امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح بجز حضرت مسیح علیہ السلام کے نہیں ہو سکتی تھی۔ میرے خیال میں ایسا خیال کرنا خود فخر بنی آدم خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہے کہ آپ کی قوت قدسیہ اتنی بھی نہ تھی کہ اسکی امت کی اصلاح کے لئے انکی امت میں سے کوئی قابل قدر انسان نہیں تھا اور اسی واسطے بنی اسرائیل کے خاندان سے ایک نبی کو اصلاح امت محمدیہ کیلئے ۱۹ سو برس کے بعد طلب کیا جانا ضروری سمجھا گیا حالانکہ قوت قدسیہ انکی اپنے زمانہ دعوت میں قریباً فیل ہو چکی تھی پھر ایسا نبی ہمیں کیا افاضہ کر سکتا ہے +

مسیح ناصری علیہ السلام امتی بنکر نہیں آ سکتے

(۱) یہ بات بھی غلط ہے کہ مسیح ناصری علیہ السلام امتی بنکر آئینگے کسی حدیث سے ثابت نہیں بلکہ برخلاف اس کے میرے بیان کی تائید ذیل کے قول سے ہوتی ہے جو یواقیت والجواہر میں ہے +

وَقَالَ الشَّیْخُ کَمَالُ الدِّیْنِ بْنِ اَبِیْ شَرِیْف فِیْ حَاشِیَۃِ الَّذِیْ یَتَّجِہُ اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا یُعَدُّ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَنَّہٗ غَیْرُ دَاخِلٍ فِیْ دَعْوَتِہٖ فَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّۃِ الدَّعْوَۃِ وَلَا مِنْ اُمَّۃِ الْمِلَّۃِ

شیخ کمال الدین بن ابی شریف کے ایک حاشیہ سے جو انہوں نے لکھا ہے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امت محمدیہ میں شمار نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں شامل نہیں ہوئے اور نہ وہ اس امت کی ملت میں داخل ہیں۔ دیکھو یواقیت والجواہر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۶۵۔ اب اس بزرگ کی کلام سے واضح ہے کہ مسیح اس امت میں کسی طرح بھی شمار نہیں ہو سکتے پھر علماء کس منہ سے کہتے ہیں کہ امتی ہو کر آئیگا +

(۲) عقائد الاسلام میں لکھا ہے +

کوئی نبی اپنی نبوت سے معزول نہیں ہوا کیونکہ اللہ علیم و حکیم کو ہر چیز کا ابتدا اور انجام معلوم ہی پس وہ کسی ایسے شخص نالیاقت کو یہہ مرتبہ کیوں دیگا کہ وہ آخر کسی امر نا ملایم کا مرتکب ہو کر اس مرتبہ عالیہ سے معزول کیا جاوے۔ دیکھو عقائد الاسلام مصنفہ ابو محمد عبد الحق دہلوی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی +

(۳) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں +

اور معزول ہونا نبی کا نبوت سے محال ہے پھر خاتم النبیین کس طرح ہوتے۔ یعنے اگر مسیح علیہ السلام کی نسبت یہہ تسلیم کرلیں کہ وہ نبوت سے معزول ہو کر امتی بنکر آئیگا تو یہہ امر تو محال اور ناممکن ہے اور اگر وہ بحیثیت نبی آئیگا تو یہہ بھی محال ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہیں ٹھہر سکتے۔ پس ان تمام حالات سے واضح ہو گیا کہ حضرت مسیح کی نسبت جن نااہل علماء کا خیال ہے کہ وہ نبوت سے معزول ہو کر محض امتی بنکر آئیگا سراسر غلط ہے +

شعبہ چہارم لفظ رفع اور تفاسیر

رفع کے لفظ پر مفسرین نے بھی اتفاق نہیں کیا۔ اگر ان کے پاس حضرت مسیح کے زندہ آسمان پر جانے کی کوئی حجۃ اور یقینی دلیل ہوتی تو پھر وہ اور معنے کیوں کرتے چنانچہ ہم ذیل میں چند مفسرین کی آراء بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ پر دکھاتے ہیں +

(۱) تفسیر بحر الحقائق میں شیخ نجم الدین رازی آیت مذکورہ بالا کے معنے اَنْعَمَ عَلَيْهِ بِاِفَاضَةِ مِمَّا لَدَيْهِ یعنے اپنے پاس سے اللہ تعالیٰ نے اس پر فیض روحانی کا انعام کیا۔ اور زیر آیت رَافِعُكَ اِلَيَّ کے لکھا ہے جَذَبَاتِ الْعِنَايَةِ یعنے جذبات عنایت کی طرف لیجاوینگے +

(۲) تفسیر جامع البیان کے صفحہ ۵۲ پر زیر آیۃ رَافِعُكَ اِلَيَّ سید معین صاحب لکھتے ہیں رَافِعُكَ اِلٰى مَحَلِّ كَرَامَتِيْ یعنے میں اپنے بزرگی کے مقام پر تجھے اٹھا نیوالا ہوں

(۳) تفسیر کشاف جلد اصفحہ ۲۰۶۔ زیر آیۃ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ صاحب کشاف لکھتے ہیں وَرَافِعُكَ اِلٰى سَمَائِيْ وَمَقَرِّ مَلَائِكَتِيْ یعنے اپنے سما اور اپنے فرشتوں کی مقام

پر تجھے لیجانے والا ہوں۔ اور یہ بعد طبعی موت کے ہوگا +

(۴) تفسیر مدارک میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ یعنے طبعی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے قرب میں فرشتوں کے مقام پر اُٹھانے کا وعدہ ہے +

(۵) تفسیر مجمع البیان میں ابوجعفر محمد بن حسن طوسی زیر آیتہ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ لکھتے ہیں مَعْنَاہُ رَافِعُكَ اِلٰی كَرَامَتِیْ كَمَا قَالَ حِكَایَةً عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ط یعنے میں تجھے اپنے عزت اور بزرگی کے مقام پر اُٹھاؤنگا جیسے حکایتاً حضرت ابراہیمؑ کہتے ہیں میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہ میری رہنمائی کریگا

(۶) سید احمد خان صاحب اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں بہ صفحہ ۴۷ زیر آیتہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ یوں لکھتے ہیں رفع کا لفظ یہاں آیا ہے جس سے حضرت عیسےٰ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے۔ نہ یہ کہ اُن کے جسم کو اُٹھایا گیا +

(۷) تفسیر روح البیان جلد ا صفحہ ۳۱ا میں شیخ اسمٰعیل زیر آیت وَرَافِعُكَ اِلَیَّ لکھتے ہیں وَرَافِعُكَ الْاٰنَ اِلٰی مَحَلِّ كَرَامَتِیْ وَمَقَرِّ مَلَائِكَتِیْ وَجَعَلَ ذٰلِكَ رَفْعًا اِلَیْهِ لِلتَّعْظِیْمِ یعنے میں اب تجھے بعد موت اپنی عزت کے مقام اور قرارگاہِ فرشتگان اُٹھاؤنگا اور اپنی طرف بولنا تعظیم اور عظمت کے لئے ہے +

(۸) شیخ احمد صادی مالکی جلالین کے حاشیہ میں زیر آیتہ رَافِعُكَ اِلَیَّ کہتے ہیں اَیْ اِلٰی كَرَامَتِیْ وَاَهْلِ قُرْبِیْ یعنے اپنے اہل قرب اور بزرگی کے مقام پر تجھ کو اُٹھانے والا ہوں +

اور پھر وہی بزرگ زیر آیتہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ لکھتے ہیں۔ اَیْ مَحَلَّ رِضَاهُ وَانْفِرَادِ حُكْمِهٖ یعنے اپنے رضا اور حکم کے منفرد مقام پر اُٹھالیا +

(۹) تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ زیر آیتہ بالا یوں لکھا ہے +

قَالَ اَبُوْبَكْرِ الْوَاسِطِیُّ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ مَنْ لَّمْ یَصِرْ فَانِیًا عَمَّا سِوَی اللّٰهِ لَا یَكُوْنُ لَهٗ وُصُوْلٌ اِلٰی مَقَامِ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ

ابوبکر واسطی کہتے ہیں کہ اسواسطے رَافِعُكَ اِلَیَّ کہا کہ جب تک انسان ماسوی اللہ سے فانی نہ ہوجائے تو اُس کو معرفت اللہ کے مقام تک پہنچنے کی توفیق نہیں مل سکتی +

(۱۰) بحر تفسیر کبیر صفحہ ۹۰ ۶ میں ہے +

وَرَافِعُكَ اِلَیَّ - اَیْ وَرَافِعُ عَمَلِكَ اِلَیَّ وَھُوَ كَقَوْلِهٖ - اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْمُرَادُ مِنْ ھٰذِهِ الْاٰیَةِ اَنَّهٗ تَعَالٰی بَشَّرَهٗ بِقَبُوْلِ طَاعَتِهٖ وَاَعْمَالِهٖ وَعَرَّفَهٗ اَنَّ مَا یَصِلُ اِلَیْهِ مِنَ الْمَتَاعِبِ وَالْمَشَاقِ فِیْ تَمْشِیَةِ دِیْنِهٖ وَاِظْهَارِ شَرِیْعَتِهٖ مِنَ الْاَعْدَاءِ فَهُوَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَهٗ وَلَا یَهْدِمُ ثَوَابًا +

میں تیرے عملوں کو اُٹھا لونگا جیسے اللہ تعالےٰ کے قول سے ثابت ہے اللہ ہی کیطرف پاک کلمات بلند ہوتے ہیں۔ اور اس آیہ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ کو اُس کی عبادت اور اعمال کی قبولیت اور اس امر کی اطلاع دی کہ جو کچھ دین کے پہنچانے اور شریعت کے اظہار میں اُس کو تکلیفیں اور مشقتیں دشمنانِ دین کی طرف سے پہنچی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا اجر ضائع نہیں کریگا اور نہ ثواب کو کالعدم کریگا +

(۱۱) تفسیر کبیر صفحہ ۶۹ - وَاعْلَمْ اَنَّ ھٰذِهِ الْاٰیَةَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رَفْعَهٗ فِیْ قَوْلِهٖ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ هُوَ الرَّفْعَةُ بِالدَّرَجَةِ وَالْمَنْقَبَةِ لَا بِالْمَكَانِ وَالْجِهَةِ +

اور معلوم رہے کہ یہہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیلےٰ علیہ السلام کا رفع جو رَافِعُكَ اِلَیَّ میں ہے اُس سے مراد رفع درجات اور منقبت ہے۔ مکان اور جہت کا رفع مراد نہیں ہے +

(۱۲) تفسیر ابو سعود میں صفحہ ۶۹ زیر آیہ بالا لکھا ہے

رَافِعُكَ اِلٰی مَحَلِّ كَرَامَتِیْ وَمَقَرِّ مَلٰٓئِكَتِیْ

یعنے میں تجھے عزت کے مقام اور فرشتوں کے جائے قرار پر لیجاؤنگا +

(۱۳) تفسیر لطائف القرآن قلمی میں یوں لکھا ہے +

بَلْ رَفْعُ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِتِّصَالُ رُوْحِهٖ عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ عَنِ الْعَالَمِ السِّفْلِیِّ بِالْعَالَمِ الْعُلْوِیِّ وَكَوْنُهٗ فِی السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ مَصْدَرَ فَیَضَانِ رُوْحِهٖ رُوْحَانِیَّةُ فَلَكِ الشَّمْسِ

بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سے مراد عالم سفلی سے عالم علوی کی طرف اُس کے روح کا مفارقت کرکے جانا ہے۔ اور اُس کا چوتھے آسمان پر ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کی روح کے فیضان کا مقام

الَّذِی هُوَ بِمَثَابَۃِ قَلْبِ الْعَالَمِ وَمَرْجِعُہٗ اِلَیْہِ وَتِلْکَ الرُّوْحَانِیَّۃُ نُوْرٌ یُحَرِّکُ ذٰلِکَ الْفَلَکَ بِمَعْشُوْقِیَّتِہٖ وَاِشْرَاقِ اَشِعَّتِہٖ عَلٰی نَفْسِہِ الْمُبَاشِرَۃِ لِتَحْرِیْکِہٖ وَلَمَّا کَانَ مَرْجِعُہٗ اِلٰی مَقَرِّہِ الْاَصْلِیِّ وَلَمْ یَصِلْ اِلَی الْکَمَالِ الْحَقِیْقِیِّ وَجَبَ نُزُوْلُہٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مُتَعَلِّقَۃً بِبَدَنٍ اٰخَرَ ۔

فلک الشمس کی روحانیت ہے جو عالم کے قلب کی بازگشت اور مرجع ہے اور وہ روحانیت ایک نور ہے جو اپنی معشوقیت سے اُس فلک کو تحریک دیتا ہے اور اُس کی شعاعوں کی چمک اُس کے نفس مباشر پر اُس کی تحریک کے لئے ہے اور جبکہ اُس کا مرجع اپنی اصلی جائے قرار کی طرف ہے اور وہ کمال حقیقی تک نہیں پہنچا۔ اِس لئے آخری زمانہ میں اُسکا نزول دوسرے بدن کے ساتھ ہونا واجب ہے۔

(۱۴) ایسا ہی تفسیر ابن عربی میں لکھا ہے۔ جو دوسرے مقام پر درج ہو چکا ہے۔

(۱۵) مولوی ثناءاللہ امرتسری بھی مسیح علیہ السلام کے بجسدہ العنصری آسمان پر جانیکا قائل نہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ محفوظ جگہ جا پہنچے اس سے بھی خدا کا محدود المکان ہونا کیونکر لازم آیا۔ دیکھو ترک اسلام مطبوعہ مطبع اہل حدیث امرتسر ۱۹۰۳ء۔

چونکہ رفع پر پہلے بہت بحث ہو چکی ہے لہذا ہم زیادہ تفاسیر کے حوالے مُوجب طوالت سمجھتے ہیں۔ اور ہم اسی پر اکتفا کرکے اتنا کہنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ باوجود اسقدر اختلافات کے جو تفاسیر قرآن شریف میں ہیں ہم اِن تمام امور کو نظر انداز کرکے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی نسبت تمام اقوام کا یہی عقیدہ ہے کہ اُس کا نہ کوئی مکان ہے اور نہ اُس کے لئے کوئی جہت ہے۔ تو پھر معمولی سمجھ کا انسان بھی ذرہ سا فکر کرنے سے سمجھ سکتا ہے کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں کیوں آسمان جو ایک مکان ہے اور نیز بلندی جو ایک جہت ہے خدا تعالیٰ کے لئے تجویز کئے جاتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اِلَی السَّمَآءِ نہیں کہا اِلَیَّ کہا تو خدا تعالیٰ کو آسمان پر بیٹھا ہوا تسلیم کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ اے علماء وقت ذرہ خدا کا خوف کرو اور برائے خدا تھوڑی دیر کے لئے عقل کو تھام کر سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت مسیح کی نسبت رَافِعُکَ اِلَیَّ کہا ہے یعنے اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور رَافِعُکَ اِلَی

السَّمَاءِ نہیں کہا۔ اب اس امر کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر اور بالخصوص
دوسرے آسمان پر نشستگاہ رکھتا ہے کیونکہ اکثر مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت مسیح
علیہ السلام دوسرے آسمان پر ہیں اور معراج کی حدیث بھی ایسا ہی تصدیق کرتی ہے
لہذا ضروری ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ بھی دوسرے آسمان پر رہتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ
عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ تو مکان اور جہت سے پاک ہے۔ یہ آپ لوگوں کا عقیدہ ہے
جو سراسر غلط اور دور از قیاس ہے اور جو محض قلتِ تدبر کی وجہ سے گھڑ لیا گیا ہے۔ ورنہ
یہ پیارے الفاظ تو صریح قرب الی اللہ کی خوشبو دے رہے ہیں کیونکہ یہہ الفاظ لعنت
کی نفی کر رہے ہیں۔ اے عزیزو سوچو اور غور کرو۔ یہ تو ایک محاورہ ہے جو تکریم اور تعظیم
کے موقع پر بولا جاتا ہے کیا تم اسی قسم کے محاورات قرآن شریف اور احادیث اور کلام
فُصحاءِ عرب میں نہیں دیکھتے۔ چنانچہ قرآن شریف شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے فرمایا تھا اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ یعنے میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں تو
کیا اِس سے یہہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیم عین اُسی جگہ پر جہاں اللہ رہتا ہے چلے گئے
تھے۔ کیا تم کوئی مکان جانتے ہو جہاں اللہ تعالیٰ رہتا ہے اور جہاں حضرت ابراہیم چلا گئے حالانکہ
حضرت ابراہیم عراق سے شام تک گئے تھے تو کیا اس سے یہی سمجھ لوگے کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت
شام میں مقیم تھا فَتَدَبَّرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔ ایسا ہی کلامِ عرب میں آتا ہے وَقَدْ
یَقُوْلُ السُّلْطَانُ اِرْفَعُوْا هٰذَا الْاَمْرَ اِلَی الْقَاضِیْ یعنے بادشاہ کہا کرتا ہے کہ اس
امر کو قاضی کے ہاں پیش کرو۔ کیا اس رفع سے یہی سمجھ لوگے کہ قاضی کسی آسمان پر تھا
وہاں اُس کے پاس اس امر کو اُٹھا کر لیجاؤ کیا تم نہیں دیکھتے۔ حاجیوں کی نسبت بولا
مشہور ہے اَلْحُجَّاجُ زُوَّارُ اللّٰہِ یعنے حاجی لوگ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے
ہیں۔ اِس سے تم یہی سمجھا کرتے ہو کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھ لیا ہی
جو اُن کو دی گئی ہیں اور جیسے دوست دوسرے دوست سے بوقت ملاقات بغل گیر
ہوتے ہیں ایسا ہی حاجی بھی اللہ تعالیٰ سے بغل گیر ہوتے ہیں؟ اسی طرح یہ مثل عام مشہور ہے
اَلْمُجَاوِرُوْنَ جِیْرَانُ اللّٰہِ یعنے مجاور اللہ تعالیٰ کے ہمسایہ ہیں۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ
تعالیٰ کسی مکان میں رہتا ہی اور اُس کے پڑوس میں اور لوگ رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ

تعالیٰ کے ہمسایہ کہلاتے ہیں۔ حاشا وکلّا۔ ایسا ہرگز نہیں اور نہ تم ایسا مانتے ہو تو پھر یہاں رَافِعُكَ اِلَیَّ اور بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں کیوں عقل سے کام نہیں لیتے مانا کہ تمہیں حضرت مسیح سے خاص اُنس ہے۔ مگر ذرہ خدا کے لئے تدبر تو کرو۔ ایسی محبت سے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب۔ خود اللہ تعالیٰ کی توہین۔ خاتم النبیین کی اہانت۔ خود حضرت مسیح کی بے حرمتی ہوئی جاتی ہے۔ اِس عقیدہ میں تم میں اور عیسائیوں میں کیا فرق ہے۔ اے عزیزو یہ عقیدہ تمہارا تو میرے خیال میں ایک بڑا تبر ہے جو اسلام کے درخت کی جڑ کاٹنا چاہتا ہے اس سے باز آؤ تا تم نجاتِ اُخروی پاؤ۔ ورنہ اس گندے عقیدے کی موجودگی میں جو تم خدا کے حضور ساتھ لیجاؤ گے تم کو بجز دستِ تاسف ملنے اور دانت پیسنے کے اور کچھ حاصل نہوگا

فصل ساتویں

دربارہ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر مان لیا جائے کہ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے معنے قرب الی اللہ کے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں گئے اور نہ جا سکتے تھے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج کو جسم عنصری کے ساتھ آسمانوں پر جانا جو مشہور ہے اُس کے کیا معنے ہوئے۔ کون شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج سے انکار کر سکتا ہے جبکہ بالاجماع یہ امر مسلم ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ وسلامہ کو خدا تعالیٰ نے بذریعہ براق زمین و آسمان اور دوزخ اور بہشت کی سیر کرائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات فرمائی جب یہ امر واقعہ ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا نہ مانا جائے۔

ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا اگر خدا تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں فرما دیتا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا اور وہی آخری زمانہ میں آسمانوں سے اُتریگا تو کون ایسا مومن ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے

اس فرمان سے پہلوتہی کرے۔ میرے نزدیک تو ایسا شخص مومن نہیں بلکہ کافر اور مردود ہے جب خدا تعالیٰ کے کلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے حضرت مسیح کا آسمان پر جانا ثابت نہیں تو پھر ہم کیونکر بلا تحقیق عیسائیوں کی تقلید کر کے انکا آسمان پر ہونا مان لیں +

اگر اس امر سے استدلال لیتے ہیں کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے تھے تو یہ امر اُن کے لئے حجت نہیں ہوسکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر اس جسم عنصری کے ساتھ جانا ثابت نہیں اگر ثابت ہوتا تو پھر اس میں اختلاف کیوں ہوتا قرنِ اولیٰ ہی سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے لیکن پیشتر اس کے کہ میں معراج آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بحث کروں سب سے پہلے میں لفظِ معراج پر گفتگو کرتا ہوں کہ اسکے کیا معنے ہیں سو واضح ہو کہ معراج لفظ عروج سے نکلا ہے جسکے معنے ترقی مدارج و ترقی درجات کے ہیں اور معراج اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کے معنے مقام عروج کے ہیں۔ یہ ترقی درجات ہر مومن نیکوکار کو حاصل ہوتی ہے چنانچہ (۱) عارف ربانی سید عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں +

قَالَ الشَّیْخُ اِبْنُ الْعَرَبِیِّ فَلَمَّا اَطْلَعَنِیَ اللّٰہُ عَلٰی مَقَامَاتِ الْاَنْبِیَاءِ عَلِمْتُ اَنَّ لِلْاَوْلِیَاءِ مِعْرَاجَیْنِ اَحَدُھُمَا یَکُوْنُ فِیْہِ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَنْبِیَاءِ مَا عَدَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لٰکِنْ مِنْ حَیْثُ ھُمْ اَوْلِیَاءُ اَوْ مُلْھَمُوْنَ فَلَا تَشْرِیْعَ فِیْہِ۔ وَالْمِعْرَاجُ الثَّانِیْ یَکُوْنُوْنَ فِیْہِ عَلٰی اَقْدَامِ الْاَنْبِیَاءِ اَصْحَابِ التَّشْرِیْعِ فَیَاْخُذُوْنَ مَعَانِیْ شَرْعِھِمْ بِالتَّعْرِیْفِ مِنَ اللّٰہِ وَلٰکِنْ مِنْ مِشْکَاتِ نُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ فَلَا یَخْلُصُ لَھُمُ الْاَخْذُ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی

شیخ ابن عربی نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے نبیوں کے مقامات پر مطلع فرمایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اولیاء کے لئے دو معراج ہوتے ہیں۔ ایک معراج تو ایسا ہوتا ہے جو انبیاء کے قلوب پر ہوتا ہے جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا لیکن یہ معراج اُن کو اولیا یا ملہم کی حیثیت میں ہوتا ہے جس میں کوئی شریعت نہیں ہوتی اور دوسرا معراج ایسا ہوتا ہے جو صاحب شریعت انبیاء کے قدم پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے اور جس میں وہ شریعت کے مطالب اللہ تعالیٰ سے بذریعہ

وَلَا عَنِ الرُّوحِ الْقُدُسِ وَمَا عَدَا ذٰلِكَ فَاِنَّهٗ يَخْلُصُ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمِنَ الرُّوحِ الْقُدُسِ مِنْ طَرِيْقِ الْاِلْهَامِ

معرفت حاصل کرتے ہیں لیکن وہ بھی نور انبیا کے مشکوٰۃ سے حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور روح القدس سے براہ راست وہ معرفت اخذ نہیں کرتے بلکہ بطریق الہام اللہ تعالیٰ اور روح القدس سے کرتے ہیں +

دیکھو لواقیت والجواہر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ جلد ۲ صفحہ ۷۹ +

(۲) اور امام الواصلین و مقدام الکاملین حضرت خواجہ محمد ناصر محمدی المتخلص بعندلیب فرماتے ہیں +

وآنکہ بعضے سالکان مغلوب الحال در وقت عروج باطن خود را فوق عرش یافتہ اند سرش آن است کہ بمو تہا و انموذجات ہمہ مراتب کونی والٰہی را در خلقت ظاہر و باطن بنی آدم مودع کردہ اند پس چوں سالک را سیر انفسی بہ تفصیل تمام حاصل میگردد تماشائے ہمہ عالم آفاق و مرتبۂ الٰہیات در خود مے بیند و خویشتن را فوق افلاک و کرسی و عرش مے یابد۔ لیکن بہ حقیقت آن عروج باطن بر امثال و انموذجات آن اشیاء است نہ آنکہ بر خود آن چیزہائے علیا ست +

اور وہ جو بعض مغلوب الحال سالکان نے بوقت اپنے عروج باطن اپنے آپ کو عرش کے اوپر دیکھا ہے اسکا یہ راز ہے کہ تمام مراتب کونی والٰہی کے نمونے اور امثال کو بنی آدم کے ظاہری و باطنی پیدائش میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ پس جب سالک کو سیر انفسی بہ تفصیل تام حاصل ہو جاتی ہے تو تمام عالم آفاق اور مراتب الٰہیات کا تماشہ دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو آسمانوں اور کرسی اور عرش کے اوپر پاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ عروج باطن اُن اشیا کے نمونے اور امثال پر ہے نہ یہ کہ وہ خود اُن چیزوں کے اوپر ہے۔ دیکھو نالۂ عندلیب جلد ۲ صفحہ ۷۵ مطبوعہ مطبع بھوپال +

(۳) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری فرماتے ہیں +

گہ چو احمد در شب معراج وصل
از حرم تا صوب اقصےٰ میروم
از زمیں تا سدرہ و ز سدرہ بعرش

کبھی احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح وصل کی شب معراج میں حرم سے اقصےٰ کی طرف جاتا ہوں زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور سدرۃ المنتہیٰ

بر بُراق برق آسا میروم	سے عرش تک براق پر سوار ہو کر بجلی کی طرح
از فلک بگذشت و ز انس و ملک	جاتا ہوں آسمانوں اور انسانوں اور ملائک
از دنے سوئے تدلّیٰ میروم	سے گذر کر دنیٰ سے تدلّیٰ تک جاتا ہوں
قاب و قوسین ست واو ادنے حجاب	قاب و قوسین ایک ادنیٰ حجاب اُن کا ہے
بے حجب تا حق تعالیٰ میروم	اور میں تو بلا حجاب حق تعالیٰ تک جاتا ہوں +

دیکھو دیوانِ حضرت خواجہ معین الدین چشتی مطبوعہ مطبع نولکشور صفحہ ۶۲ +

پھر خواجہ صاحب موصوف دوسری جگہ فرماتے ہیں +

چوں قصدِ بارگہِ کبریا کند دلِ من	جب میرا دل بارگاہ کبریا کا قصد کرتا ہے
فرازِ عرش بود کمترینہ منزلِ من	تو میرا ادنے سے ادنیٰ مقام عرش کے اوپر ہوتا ہی

دیکھو دیوان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری صفحہ ۶۵ +

۴۔ اسرار الاولیا مطبوعہ مطبع نولکشور صفحہ ۱۹ شمس العارفین کا قول لکھا ہے +

معراج الفقر اللیلۃ الفاقۃ۔ یعنے معراج درویشاں شب فاقہ است	فقیروں کا معراج بھوک کی رات ہے +

۵۔ حضرت شیخ اسمٰعیل بن محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں +

ہرگاہ کہ ترا آرزوئے این مقام باشد	جب تجھے اس مقام کی خواہش ہو تو نماز میں
بنماز اندر آئی کہ اگر ترا یک بار اینجا	لگ جاؤ کہ اگر تجھ کو ایک دفعہ اُس جگہ ہم لائے
آوردیم تا این مقام بدیدی ہرگاہ	ہیں جسکو تو نے دیکھا ہے اور جب تو نماز میں
بنماز اندر آئی ما حجب برداریم تا بدین مقام رسی	کھڑا ہو گا ہم پردے اُٹھا دینگے تا کہ تو اُس مقام
	پر پہنچ جائے دیکھو شرح تعرف جلد ثانی صفحہ ۲۹۲

۶۔ اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ جس میں لکھا ہی +

صلوٰۃ المؤمن۔ معراج المؤمن	مومن کی نماز مومن کا معراج ہے +

اِن تمام حوالہ جات سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہر اولیا کو معراج ہوتا ہے۔ اور معراج روحانی ہوتا ہے یعنے جوں جوں انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت اور عشق میں ترقی کرتا جاتا ہے اسکے مدارج میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ وہ ترقی کے اعلیٰ معراج پر پہنچ جاتا ہے۔

جب ایک معمولی ولی اس قدر ترقی کرسکتا ہے کہ عرشِ عظیم تک اُس کی رسائی ہوجاتی ہے تو افضل الرسل وخاتم المرسلین ومحبوبِ رب العالمین کی رسائی میں کس کو کلام ہوسکتا ہے اُن کو خدا تعالیٰ کی جناب سے وہ وہ مدارج ومنازل عالیہ عطا کئے گئے ہیں کہ کسی اور بنی نوعِ انسان کو نہیں دئے گئے۔ مگر اس بات پر زور دینا کہ وہ جسم کثیف کے ساتھ آسمانوں تک گئے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا فضیلت ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ آں ذاتِ بابرکات کو معراج ہوا بلکہ سینکڑوں معراج ہوئے اور اُن کے معراجوں سے کون انکار کرسکتا ہے جب انسانی کمالات کے تمام مدارج طے کرچکے ہیں تو اگر اُن کو ہر آن معراج ہوگیا تو کونسی بڑی بات ہے +

اے عزیزو۔ اگر اس جسم کثیف کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر جانا یقینی ہوتا تو پھر اس بارہ میں اختلاف کیوں ہوتا۔ اور تعجب کہ قرنِ اولیٰ ہی میں اختلاف ہوگیا تھا

اختلاف دربارہ معراج

ہم ذیل میں اول دکھلاتے ہیں کہ معراج کے متعلق کس قدر اختلاف واقع ہوا ہے +

اول اختلاف دربارہ اس امر کے کہ معراج بیداری میں ہوا یا خواب میں +

بعض کا قول ہے کہ معراج خواب میں ہوا ہے یعنے روحانی معراج تھا +

(۱) رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ وَمُعَاوِیَۃَ اَنَّہٗ کَانَ مَنَامًا +	حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ فرماتے تھے کہ معراج خواب میں ہوا تھا

جس کی تائید حسن بصری کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ عَنِ الْحَسَنِ کَانَ فِی الْمَنَامِ رُؤْیَا رَاٰھَا۔ بعضے کہتے ہیں کہ معراج سے مراد صرف درجات مراتب ہیں +

(۲) حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ ایک رویا تھی جو خواب میں دیکھی تھی +

چنانچہ روایت ذیل سے ثابت ہے:۔

وَقَالَ اَبُوالْقَاسِمِ سُلَیْمَانُ الْاَنْصَارِیّ لَمَّا وَصَلَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الدَّرَجَاتِ الْعَالِیَۃِ وَالْمَرَاتِبِ الرَّفِیْعَۃِ	اور ابوالقاسم سلیمان انصاری نے فرمایا ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم درجاتِ عالیہ و مراتب رفیعہ کے معراج تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے

فِی الْمَعَارِجِ اَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ یَا مُحَمَّدُ بِمَ اُشَرِّفُکَ +	اُن کی طرف وحی کی کہ اے محمد کس چیز سے میں تجھے شرف دوں +

(۳) بعض کہتے ہیں کہ معراج جسمانی ہوا چنانچہ ذیل کی روایت سے ظاہر ہے +

وَالظَّاھِرُ اَنَّ قَوْلَہٗ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ھُوَ الْمَسْجِدُ الْمُحِیْطُ بِالْکَعْبَۃِ بِعَیْنِہٖ وَھُوَ قَوْلُ اَنَسٍ +	اور ظاہر یہ ہے کہ یہہ جو قول ہے کہ وہ مسجد حرام سے گئے یہ وہ مسجد ہی جو عین کعبہ کے محیط ہی اور وہ انس کا قول ہی + دیکھو بحر المحیط جلد ۶ صفحہ

دوم۔ اختلاف اس امر میں کہ معراج کس مقام سے ہوا

۱۔ معراج حجر سے ہوا

وَقِیْلَ مِنَ الْحِجْرِ	اور کہتے ہیں کہ حجر سے معراج ہوا۔ دیکھو کتاب مذکور

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ زمزم اور مقام سے ہوا +

وَقِیْلَ مِنْ بَیْنِ زَمْزَمَ وَالْمَقَامِ	کہتے ہیں کہ زمزم اور مقام ابراہیم کے مابین معراج ہوا

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ شعب ابوطالب سے ہوا

وَقِیْلَ مِنْ شِعْبِ اَبِیْ طَالِبٍ	کہتے ہیں کہ شعب ابی طالب سے معراج ہوا

۴۔ بعض کہتے ہیں ام ہانی کے گھر سے ہوا

وَقِیْلَ مِنْ بَیْتِ اُمِّ ھَانِیْ	کہتے ہیں کہ ام ہانی کے گھر سے ہوا +

۵۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کی چھت سے معراج میں گئے +

وَقِیْلَ مِنْ سَقْفِ بَیْتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ	اور کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اپنے گھر کی چھت سے معراج میں گئے + دیکھو کتاب مذکور

سوم۔ معراج کے دفعہ ہوا

۱۔ بعض کہتے ہیں کہ دو دفعہ ہوا ایک حالت نوم میں اور ایک حالت یقظہ میں +

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج پانچ دفعہ ہوا

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج بارہ دفعہ ہوا۔ چنانچہ صاحب غایت البرہان لکھتے ہیں۔ پھر واضح ہو کہ معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ مشہور ہیں۔ اُن میں سے ایک بعد پیدائش ہوا جو ابر آپ کو لے گیا۔ اور دوسرا وہ جبکہ آپ اطفال میں حسب روایت مسلم جنگل میں کھیل رہے تھے

اُس وقت شق صدر ہوا۔ اور تیسرے قبل از فرضیتِ نماز کے جبکہ ملائک کو آپ کی خبر نہ تھی یعنے زمانہ نزولِ وحیِ جلی سے پہلے رویا میں نبوت تھی معراج خواب میں ہوا اور اس معراج میں خاص اُس عالم سے شبِ معراج کی سیر ہے کہ دم کی دم میں سارے عالم کے حالات کے نمونے اپنے میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاہدہ فرمائے اور وہ سیر قیامت کے حالات کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ بقول صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بستر پر سے مفقود نہ ہوئے رویا میں بطورِ شہادت کے مشاہدہ کرلیا جو مثل ہماری رویت بصری کے متیقن ہے اور جو امور دنیا کی نسبت فرمائے تھے وہ ہم نے دیکھ لئے اور باقی تو معراج دوسرے ہیں۔ دیکھو مقدمہ غایت البرہان صفحہ ۳۳ و ۳۴ +

۶۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج بیعت عقبہ سے پہلے ہوا۔ چنانچہ لکھا ہے +

وَالْمُتَحَقَّقُ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ بَعْدَ شَقِّ الصَّحِيْفَةِ وَقَبْلَ بَيْعَةِ الْعَقَبَةِ	اور متحقق بات یہ ہے کہ معراج صحیفہ کے شق ہونیکے بعد اور بیعتِ عقبہ سے پہلے ہوا +

۷۔ بعض کہتے ہیں کہ وحی آنے سے پہلے معراج ہوا۔ جسکی تصدیق ذیل سے ہوتی ہے +

وَوَقَعَ شَرِيْكُ بْنُ اَبِىْ نَمِرٍ فِى الصَّحِيْحِ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ قَبْلَ اَنْ يُّوْحٰى اِلَيْهِ	اور شریک بن ابی نمر نے صحیح میں لکھا ہے کہ معراج وحی کے شروع ہونے سے پہلے ہوا

۸۔ بعض کہتے ہیں کہ بعثت سے ۱۸ ماہ پہلے معراج ہوا جس کی تصدیق روایت ذیل سے ہوتی ہے

وَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْقَاسِمِ الرَّعِيْنِىُّ فِىْ تَارِيْخِهٖ اُسْرِىَ بِهٖ مِنْ مَكَّةَ اِلٰى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَعَرَجَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ قَبْلَ مَبْعَثِهٖ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ شَهْرًا	اور ابو بکر محمد بن علی بن قاسم رعینی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے بیت المقدس کی طرف گئے اور وہاں سے آسمان پر ۱۸ ماہ بعثت سے پہلے معراج میں گئے +

۹۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ام ہانی کے گھر سے معراج میں گئے۔ جسکی تائید روایت ذیل سے ہوتی ہے +

وَيُرْوٰى اَنَّهٗ كَانَ نَائِمًا فِىْ بَيْتِ اُمِّ هَانِىْ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ فَاُسْرِىَ بِهٖ وَرَجَعَ	اور روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر میں بعد نماز عشا سوئے

مِنْ لَيْلَتِهٖ وَقَصَّ الْقِصَّةَ عَلٰى اُمِّ هَانِیْ ۔ | ہوئے تھے تو معراج ہوا اور اُسی رات کو مراجعت

فرمائی اور ام ہانی سے سارا قصہ بیان فرمایا۔ دیکھو بحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۵ ۔

چہارم۔ اُس رات کی نسبت اختلاف ہے ۔

(۱) بعض کہتے ہیں کہ وہی رات جو اُم ہانی کے ہاں بسر کی شب معراج ہے چنانچہ لکھا ہے

وَهٰذَا عَلٰى قَوْلِ مَنْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ هِيَ لَيْلَةُ الْمِعْرَاجِ وَهُوَ قَوْلُ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ وَجَمَاعَةٍ | اور یہ اُسی بات کی تائید ہے جس نے کہا کہ یہی رات یعنی ام ہانی کے ہاں رہنے کی رات شب معراج ہے یہ قول ابن مسعود اور ایک جماعت کا ہے ۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ شب معراج اور ہے اور شب اسرا اور ہے۔ جس کی تصدیق روایت ذیل سے ہوتی ہے ۔

وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰى اَنَّ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ هِيَ غَيْرُ لَيْلَةِ الْاِسْرَاءِ | اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج اور ہے اور شب اسرا اور ہے۔ دیکھو بحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۵

اِن تمام حوالجات سے بخوبی ہویدا ہے کہ کس قدر اختلاف ہے۔ صرف نفس معراج میں نہیں بلکہ وقت معراج و زمانۂ معراج و حالت معراج میں اسقدر اختلاف ہے کہ انسان کی عقل حیران رہجاتی ہے۔ اگر معراج جسم کثیف کے ساتھ وقوع میں آتا تو یہہ واقعہ اس قدر شہرت پاتا کہ ایک ایک فرد کی زبان سے بطور ورد نکلتا اور ذرہ بھی اختلاف نہ ہوتا۔ اور تعجب کہ جناب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اس سے کیونکر بے خبر رہتیں کیونکہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چاہتی زوجہ مبارکہ تھیں یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ اُس وقت جبکہ معراج ہوا آپ ابھی زوجیت میں نہیں آئی تھیں اور وہ اُس وقت چھوٹی تھیں یا پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں تو بھی وہ کیونکر بے خبر رہ سکتی تھیں۔ جبکہ وہ اس قدر زیرک اور دانا تھیں اور بکثرت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو نوک زبان تھیں ایسے شہرت یافتہ امر سے جو عجائبات دُنیا تھا کیونکر بیخبر رہتیں۔ کم از کم اپنے بزرگوں اور والدین سے ہی نہ سن پاتیں اور جبکہ آنحضرت کی چاہتی بیوی تھیں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے نادر عجوبہ کو کیوں ذکر نہ فرمایا ہوگا اگر اس جسم کثیف کے ساتھ معراج ہوتا تو ضرور ضرور اُن کو کسی نہ کسی طرح سے پتہ لگ جاتا اور وہ ضرور اس کو بیان فرماتیں مگر اگر اُنہوں نے کسی معراج کا وثوق کے

ساتھ ذکر فرمایا تو صرف یہ کہ وہ معراج بحالتِ نوم تھا +

ہماری اپنی رائے تو یہ ہے کہ وہ ایک کشفِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ جو بحالتِ یقیظہ ہوا تھا۔ اور اس حالت میں بھی ایک قسم کی ربودگی طاری ہو جاتی ہے مگر ایسی نہیں جیسے کہ نوم میں ہوا کرتی ہے جس میں جسمِ انسان بالکل بیکار ہوتا ہے مگر ایسی بیداری بھی نہیں جیسے انسان کو بحالت کاروبار دنیا ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ایسی حالت ہوتی ہے جو مابین نوم و یقظہ ہوتی ہے۔ کیونکہ حالتِ کشف میں انسان حواس خمسہ سے معطل نہیں ہوتا۔ لوگوں کی آوازیں بھی ان کانوں سے سنتا اور ان کو ظاہری آنکھوں سے دیکھتا بھی ہے مگر پھر بھی اُس پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ علاوہ ان حواس کے اُس کو اور حواس عطا ہوتے ہیں جن سے وہ ایک اور عالم کو مشاہدہ کرتا ہے راقم الحروف خود اس امر میں صاحبِ تجربہ ہے۔ اس لئے علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ یہ معراج بھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا +

ایک سالک فرماتے ہیں کہ ملا میگوید محمد بفلک بر شدہ و من میگویم فلک با احمد در شد۔ یعنی ملا کہتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے مگر میں کہتا ہوں کہ فلک احمد کے اندر گھس گیا دیکھو نالہ عندلیب جلد ۲ صفحہ ۷۰۹ +

اِس سے بھی ہم انکار نہیں کرتے کہ کوئی معراج حالتِ نوم میں بھی ہوا ہو بلکہ میرا ایمان ہے کہ بہت دفعہ معراج ہوا حالتِ نوم میں بھی اور حالت یقظہ میں بھی اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عالمِ رویا اور عالمِ کشف میں انسان کی روح بلا جسم نہیں ہوتی بلکہ ہر حالت میں اُس کو ایک لطیف جسم ملتا ہے اور جن کے باہم ملنے سے وہ عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کون ہے جو اس سے انکار کر سکتا ہے ہر مسلمان بلکہ اکثر کفار بھی کوئی نہ کوئی خواب ضرور دیکھتے ہیں اور بسا اوقات کفار کی خوابیں بھی صحیح ہو جاتی ہیں اور مومنوں کی خوابیں تو اکثر سچی ہوتی ہیں اور جو مومن متقی ہوتے ہیں اُن کی خوابیں عموماً سب صحیح یا زیادہ تر حصہ صحیح اور سچی ہوتی ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ رویا میں اُس کا جسم ساتھ نہیں ہوتا ضرور ہوتا ہے جو ظاہری جسم کے بالکل عین ہوتا ہے اور اُس جسم کے ساتھ رویا میں وہ اُسی طرح کے فعل کرتا جس طرح وہ عالمِ بیداری میں کرتا ہے حالانکہ یہ بات یقینی ہے کہ حالتِ نوم میں

انسان کا جسم بیکار ہوتا ہے۔ پس جب خواب میں ایک جسم دیکھتا ہے تو پھر اُس کو معراج کے سمجھنے میں کیوں وقت معلوم ہوتی ہے۔ تذکرۃ الاولیاء کو دیکھو اور بہت سے بزرگان کے حال پر غور کرو تو آپ کو واضح ہو جائیگا کہ اولیاء اللہ میں سے اکثر ایسے گذرے ہیں جن کی نسبت لوگوں نے گواہی دی ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر دیکھے گئے یہ جھوٹے قصے نہیں بالکل صحیح ہیں کیونکہ اولیاء اللہ کو ایک ایسا جسم لطیف ملتا ہے کہ وہ جہاں چاہیں اسی لطیف جسم کے ساتھ جا سکتے ہیں اور اُن کا جسم کثیف اپنے ہی مقام پر ہوتا ہے یہ واقعات ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں +

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصےٰ تک پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور پھر وہاں سے جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا سیر کرائی یہہ سب کچھہ جسم کے ساتھہ بیداری میں تھا لیکن یہہ ایک مقام ہے جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے اور نیز دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح اور معانی نے تمثیلی جسم اختیار کیا +	وَاُسْرِیَ بِهٖ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ثُمَّ اِلٰی سِدْرَۃِ الْمُنْتَهٰی وَاِلٰی مَا شَاءَ اللّٰهُ وَكُلُّ ذٰلِكَ بِجَسَدِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْيَقْظَةِ وَلٰكِنْ ذٰلِكَ فِیْ مَوْطِنٍ هُوَ بَرْزَخٌ بَيْنَ الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ الْاَحْكَامِهِمَا فَظَهَرَ عَلَی الْجَسَدِ اَحْكَامُ الرُّوْحِ وَتَمَثَّلَ الرُّوْحُ وَالْمَعَانِی الرُّوْحِيَّةِ اَجْسَادًا وَلِذٰلِكَ بَانَ لِكُلِّ وَاقِعَةٍ مِنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ تَعْبِيْرٌ +

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اِس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسی حالت تھی جو مابین نوم و الیقظہ ہوا کرتی ہے اور وہ ایک مقام ہے جو عالم مثال اور عالم شہادت میں بطور ایک برزخ ہے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا +

اگر کسی کو پھر بھی اس معراج کشفی کا انکار ہو تو پھر امورات ذیل جن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کل نظارے کشفی تھے۔ قابل غور ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں +

صدر شق و پُری ایمان ایک حقیقت ہے جس سے انوار ملکیہ کا غلبہ ہوتا اور شعلہ طبیعت بجھہ جاتا اور جو کچھہ کہ خطیرۂ قدس سے طبیعت	(۱) شَقُّ الصَّدْرِ۔ اَمَّا شَقُّ الصَّدْرِ وَمَلْؤُهٗ اِيْمَانًا فَحَقِيْقَتُهٗ لِغَلَبَةِ اَنْوَارِ الْمَلَكِيَّةِ وَاِطْفَاءِ لَهَبِ الطَّبِيْعَةِ وَخُضُوْعِهَا لِمَا يَفِيْضُ

عَلَيْهَا مِنْ حَظِيْرَةِ الْقُدُسِ +

کو فیضان پہنچتا ہے وہ اس کا مطیع ہو جاتا ہے

(۲) وَاَمَّا رُكُوْبُهٗ عَلَى الْبُرَاقِ فَحَقِيْقَتُهٗ اِسْتِوَاءُ نَفْسِهِ النُّطْقِيَّةِ عَلَى النَّسَمَةِ الَّتِىْ هِىَ الْكَمَالُ الْحَيْوَانِىُّ فَاسْتَوٰى رَاكِبًا عَلَى الْبُرَاقِ كَمَا غَلَبَتْ اَحْكَامُ نَفْسِهِ النُّطْقِيَّةِ عَلَى الْبَهِيْمِيَّةِ وَتَسَلَّطَتْ عَلَيْهَا

براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ اُس نشان پر جو کمال حیوانی ہے غالب ہو جائے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر ٹھیک اُسی طرح پر سیدھا ہو کر بیٹھے جس طرح کہ آنحضرت کے نفس انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب اور متسلط ہیں + دیکھو حجۃ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۱۹

(۳) وَاَمَّا اِسْرَائُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى فَلِاَنَّهٗ مَحَلُّ ظُهُوْرِ شَعَائِرِ اللّٰهِ وَمُتَعَلَّقُ هِمَمِ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰى وَمَطْمَحُ اَنْظَارِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَكَاَنَّهٗ كُوَّةٌ اِلَى الْمَلَكُوْتِ

اور مسجد اقصے تک سیر اس لیے ہی کہ وہ شعائر اللہ کے ظہور کا محل ہے جس سے ملا اعلیٰ کی ہمتوں کا تعلق ہے اور جو انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کا نظرگاہ ہے گویا وہ ملکوت کا ایک قبہ ہے ......

(۴) وَاَمَّا لِقَاءُهٗ مَعَ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَمُفَاخَرَتُهٗ مَعَهُمْ فَحَقِيْقَتُهَا اجْتِمَاعُهُمْ مِنْ حَيْثُ ارْتِبَاطُهُمْ بِحَظِيْرَةِ الْقُدُسِ وَظُهُوْرِ الْقُدُسِ وَظُهُوْرُ مَا اخْتُصَّ بِهٖ مِنْ بَيْنِهِمْ مِنْ وُجُوْهِ الْكَمَالِ

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انبیا علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کرنے اور مفاخرت کا اظہار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ اُس دلی لگاؤ کا ظہور مراد تھا۔ جو اُن کو آپس میں ہی جس کی وجہ سے وہ حظیرۃ القدس میں جمع ہوئے اور دوسرا یہ راز ہی کہ جو کمالات انبیاء میں مجموعی طور سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کمال حاصل ہے وہ اُن سب کے مقابل میں خاص خصوصیت رکھتا ہے +

(۵) وَاَمَّا رُقِيُّهٗ اِلَى السَّمٰوَاتِ سَمَاءً بَعْدَ سَمَاءٍ فَحَقِيْقَتُهُ الْاِنْسِلَاخُ اِلٰى مُسْتَوَى الرَّحْمٰنِ مَنْزِلَةً بَعْدَ مَنْزِلَةٍ وَمَعْرِفَةُ حَالِ الْمَلَائِكَةِ الْمُوَكَّلَةِ بِهَا وَمَنْ لَحِقَ بِهِمْ مِنْ اَفَاضِلِ الْبَشَرِ وَالتَّدْبِيْرِ الَّذِىْ اَوْحَاهُ اللّٰهُ فِيْهَا وَالْاِخْتِصَامِ الَّذِىْ يَحْصُلُ فِىْ مَلَاءِهَا

آسمانوں پر درجہ بدرجہ چڑھنے کی یہ حقیقت ہے کہ رفتہ رفتہ مستوی رحمٰن کی طرف ترقی کرتا چلا جائے اور تعلقات طبیعہ سے رہائی پاتا چلا جائے اور نیز اُن فرشتوں سے معرفت ہو جائے جو وہاں پر اور امت محمدیہ کے فضلاء کے پاس رہنے پر مامور ہیں اور نیز اُس تدبیر سے واقفیت

ہو جائے جس کے بارہ میں بذریعہ وحی مطلع کیا جاتا ہے اور اُن امور کی واقفیت ہو جائے جن کے لئے ملائکہ باہم سبقت لیجایا کرتے ہیں + دیکھو حجۃ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰

اِن وجوہات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک کشف تھا۔ اور یہی عقیدہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے اور وہ ہرگز جسم کثیف کیساتھ معراج کے قائل نہیں +

قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی معراج جسمانی کے قائل ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

واضح ہو کہ عروجِ جسدی کا انکار آجکل کے فلسفہ خشک کی بنیاد پر فضول ہے کیونکہ جس قدر قادر مطلق نے اجرامِ سماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو خلا میں تھام رکھا ہے وہ جسم انسانی کے صغیر جرم کو خلا میں لیجانے کی بھی قدرت رکھتا ہے آجکل اوکسیجن کی طاقت سے ہوائی جہاز اور جہازوں کے اندر آدمی اُڑے ہیں اس لئے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کو سواری بُراق (جو برق سے مشتق اور الکٹریسٹی کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ ہے) ملکوت السمٰوات کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ دیکھو کتاب رحمۃ اللعالمین جلد اول صفحہ ۶۱ +

مگر قاضی صاحب نے اپنی اس رائے کی تائید میں کوئی معقول وجہ موجہ نہیں دی صرف یہ کہدینا کہ آجکل آکسیجن کے ذریعہ ہوائی جہاز خلاءِ آسمان میں اُڑتے پھرتے ہیں اور اُن میں آدمی بھی ہوتے ہیں اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بُراق کے ذریعہ سے جو برق سے مشتق ہے ملکوت السمٰوات کی سیر کرائی ہو تو کیا تعجب ہے۔ اول تو قاضی صاحب بھی اُن خشک فلسفیوں کو کوستے ہیں مگر پھر خود ہی اُن فلسفیوں کی تقلید پر اُتر آئے کہ براق جو برق سے مشتق ہے اِس لئے خدا تعالیٰ نے کسی خفیہ الکٹریسٹی کے ذریعہ ملکوت کی سیر کرادی ہو تو کچھ مستبعد نہیں ہے مگر قاضی صاحب کو ایک بات بھول گئی ہوائی جہاز میں انسان اتنی بلندی پر نہیں جاسکتے کہ جہاں ہوا بہت رقیق ہے ورنہ اُسی وقت اُس کے لنگز پھٹ جائیں اور جان بحق تسلیم ہو جائیں۔ کیونکہ جو قوانین اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں اُن کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔ اگر قاضی صاحب کو ہماری بات کا انکار ہو تو مہربانی کر کے کسی ہوائی جہاز میں صرف ۱۰ میل کی بلندی پر چڑھ کر دکھلا دیں اور بے شک جسقدر ممکن ہو خود بھی دعا کرتے اور جس قدر مقدس لوگ اُس کی نظر میں ہوں اُن سے بھی دعا کراوے کہ بارِ خدایا ہمیں ۱۰ میل تک فضاءِ آسمان میں بذریعہ ہوائی جہاز لیجا۔ ہمیں کوئی ذاتی خواہش نہیں

بلکہ تیرے ایک پیارے رسول کی صداقت کے لئے کہ وہ ضرور یہودیوں کے خوف سے بھاگ کر آسمانوں میں گئے ہیں اور وہیں مقیم ہیں تاکہ اُن کے آسمان پر جانے سے انکار کرنے والوں پر حجت پوری ہو جائے۔ قاضی صاحب کو ہماری درخواست قبول کرنی چاہیئے ہوائی جہاز تو پیدا ہو ہی گئے ہیں۔ اگر مسیح علیہ السلام تک رسائی نہ ہو تو کم از کم ۱۰ میل تک تو جا کر واپس سلامت آجائیں ہم ضرور تسلیم کر لینگے کہ مسیح بھی آسمانوں پر گیا ہو گا۔ور

پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں۔ بندے کو اتصالِ مکانی و قربِ جسمانی خدا تعالیٰ سے ممکن نہیں اور قرب جو بیان کیا جاتا ہے وہ درجہ اور منزلت اور رضامندی اور خوشنودی ہے اس سے زیادہ نہیں چنانچہ یہہ مذہب اہل سنت کا ہے۔ دیکھو تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۹۲+

ایسا ہی مولوی عبدالمجید خان صاحب کتاب ہدیہ مہدمجیدیہ میں بجنسہ لکھتے ہیں کہ بندے کو اتصالِ مکانی و قربِ جسمانی خدا تعالیٰ سے ممکن نہیں۔ اور اخبارِ صحیحہ میں جو عترت طاہرہ سے بروایاتِ شیعہ بیان کی گئی ہیں ثابت ہے کہ اُنہوں نے نفی مکان اور اتصال کی کی ہے لیکن اکثر فرقے امامیہ کے قربِ مکانی اور ظاہری کے قائل ہیں اور معراج کو ایسا خیال کرتے ہیں جیسے کسی کی کسی سے ملاقاتِ جسمانی ہوتی ہے۔ دیکھو ہدیہ مہدمجیدیہ۔ باب پنجم۔ عقیدہ اکیسواں صفحہ ۲۹۲+

مضمون بالا سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور مولوی عبدالمجید صاحب کے نزدیک بلکہ کل اہل سنت والجماعت کے نزدیک اِس جسم کے ساتھ خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنا ناممکن ہے۔ پھر بتاؤ کہ شاہ صاحب اور دیگر علماء اہلِ سنت کا عقیدہ متعلقِ معراج بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایک کشف تھا۔ اور معراج سے مراد قرب الی اللہ و مدارج و مناصب ہیں اور کچھ نہیں+

اور صوفیائے کرام تو اس بات کے قایل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بلا عروج حاصل تھا۔ چنانچہ تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء مطبوعہ مطبع نولکشور مورخہ مارچ ۱۸۸۳ء مؤلفہ مولوی ابوالحسن حسن صاحب کاکوری میں لکھا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ شرف (معراج) بدون ارضا اور عروج فلکی کے حضرت نبی کریم کو حاصل ہے

قطعہ

ہر کو ز حقیقتش باور شد | او پہن ترازسپہر نہا درشد
ملا گوید کہ رفت احمد بفلک | سرمد گوید کہ فلک باحمد درشد

دیکھو تفریح الاذکیا فی احوال الانبیا صفحہ ۱۰۰ +

مولوی نجم الغنی خانصاحب رامپوری اپنی کتاب تذکرۃ السلوک میں فرماتے ہیں:۔
یہ یاد رکھو کہ عالم مثال میں عرش و کرسی اور آسمان موجود ہیں۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج روحانی انہی معارج پر ہوا تھا اور وہ معراج آپ کا اُس بدن مثالی کے ساتھ تھا جو عالم مثال میں شخص کے لئے ہے اور اُس وقت آپ غیب کی حالت میں تھے جو برزخ ہے نوم اور صحو کے درمیان۔ ایک حدیث معراج میں جو واقع ہے کُنْتُ بَیْنَ النَّائِمِ وَالْیَقْظَانَ۔ یعنے میں سونے والے اور جاگنے والے کے درمیان میں تھا وہ اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے دیکھو تذکرۃ السلوک مولفہ حکیم مولوی نجم الغنی خانصاحب رامپوری شاگرد و خلیفہ مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری مطبوعہ مطبع العلوم ۱۳۱۰ھ صفحہ ۱۲۱

ان بزرگان کے کلام سے صاف ثابت ہے کہ یہ لوگ معراج جسمانی کے قائل نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو مسیح کے رفع جسمانی کی دلیل ٹھہرانا کیونکر ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر اُن سے کچھ ثابت ہے تو یہی ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدارج و منازل قرب میں عروج حاصل تھا ایسا ہی حضرت مسیح کو حاصل ہوا نہ یہ کہ اس جسم کثیف کے ساتھ آسمان پر جا بیٹھے۔ بس معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح کے رفع جسمانی کی دلیل ٹھہرانا کسی طرح درست نہ ہوا۔ لہذا لاجرم ماننا پڑا کہ مسیح علیہ السلام کو رفع روحانی حاصل ہوا نہ کہ جسمانی +

مجدد الف ثانی اپنی کتاب مبدا و معاد میں لکھتے ہیں۔ در اوائل حال می بینم کہ در مکانے طواف میکنم و جمعے دیگر نیز با من دراں طواف شریک اند اما کُندی۔ سیر آن جماعت بحدیست کہ تا من یک دَور طواف را بانجام مے رسانم آن جماعت

اوائل حال میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور ایک اور جماعت بھی میرے ساتھ طواف میں شامل ہے مگر اُن کا طواف آہستگی سے ہو رہا ہے اور اُس جماعت کی سیر اس حد تک ہے کہ جتنی دیر میں

در سہ قدم مسافت را قطع مے نمایند در آن اثنا معلوم میگردد کہ این مکان فوق العرش است و این جماعتِ طواف کنندگان ملائک کرام اند +

میں طواف کا ایک چکر پورا کرتا ہوں وہ جماعت اُسکی مسافت کو تین قدم میں طے کر لیتی ہے۔ اُسی اثنا میں معلوم ہوا کہ وہ مکان جسکا طواف کیا جا رہا ہے عرش سے بھی اوپر ہے اور یہ جماعت جو طواف کر رہی ہے خدا تعالیٰ کے بزرگ فرشتے ہیں +

اب بتاؤ کہ حضرت مسیح کا تو آپ لوگ صرف دوسرے آسمان پر یا غایت چوتھے آسمان پر جانا مانتے ہیں اب حضرت مجدد صاحب عرش کے اوپر ایک مکان کے طواف کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا مجدد صاحب بھی عرش کے اوپر اس جسم کثیف کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ فَتَدَبَّرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔ دیکھو مبدا و معاد مصنفہ امامِ ربانی مجددِ الف ثانی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ ہجری +

پھر شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ میں عرش پر چڑھا تاکہ اُس کا طواف کروں۔ چنانچہ ہزار مرتبہ طواف کیا اور عرش کے اُس پار ایک قوم کو میں نے دیکھا جو طمینان کے ساتھ وہاں موجود تھی اُن کو میرے اتنے طواف کرنے سے تعجب ہوا۔ اور میں اُن کے طواف سے متعجب نہ ہوا۔ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور سردی طواف میں کیسی ہے۔ بولے کہ ہم ملائک ہیں اور ہم اجسامِ نُورانی ہیں اور یہ سردی ہماری سرشت ہے جس کو ہم نہیں چھوڑ سکتے پھر اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے اور طواف میں یہ سرعت تیری کیسی ہے۔ خرقانی کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ میں اِنسان ہوں اور مجھ میں نُور اور آتش جمع ہیں۔ یہ سرعت اُسی آتش اور نورِ عشق کی وجہ سے ہے۔ دیکھو تذکرۃ السلوک مؤلفہ حکیم مولوی نجم الغنی خانصاحب رامپوری مطبوعہ مطبع العلوم مرادآباد صفحہ ۸۹ +

تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے۔ جب حضرت بایزید بسطامی کو فقر میں عروج حاصل ہوا۔ تو عرش پر پہنچے اور عرشیوں سے سوال کیا کہ خدا کہاں ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ واہ صاحب ہم تو سُنا کرتے ہیں کہ خدا زمین پر ہے۔ تعجب ہے کہ آپ یہاں آئے۔ دیکھو تذکرہ غوثیہ مطبوعہ مطبع جوہر ہند دہلی ۱۳۰۱ھ +

وہ لوگ کہاں ہیں کہ معراجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح کے رفعِ جسمانی کی دلیل

پکڑتے ہیں۔ یہاں تو کل اولیاء اللہ آسمانوں کا تو ذکر ہی چھوڑو عرش تک بلکہ عرش سے بھی
پرے تک جاتے ہیں۔ جب تم مسیح کے رفع جسمانی کے قائل ہو تو کیا ان بزرگوں کے رفع
جسمانی کے قائل کیوں نہیں ہوتے۔ صرف مسیح کی انتظار کیوں کرتے ہو۔ لاکھوں اولیاء
اللہ عرش پر ہیں اُن کی بھی انتظار کرو کہ وہ بھی ایک دن زمین پر آجائینگے ورنہ اگر اُن کے
عرش پر جانے کو مدارج و منازل کی ترقیات قبول کرتے ہو تو پھر مسیح علیہ السلام کو اُن
مدارج سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہو۔ خدا سے خوف کرو +

حدیثِ معراج کے کیا معنے ہیں

جب ثابت ہو گیا کہ معراج سے مراد علوِ مرتبت و مدارجِ روحانی ہیں تو پھر یہ اعتراض
ہو سکتا ہے کہ یہ تو تسلیم کر لیا گیا کہ معراج سے مراد مدارج و مراتب ہیں تو پھر حدیثِ معراج
میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس میں جانے اور آسمانوں پر درجہ بدرجہ
چڑھنے اور ہر آسمان پر مختلف انبیاء سے ملاقات کرنے کے کیا معنے ہیں۔ سو اول ہم ذیل
میں حدیثِ معراج درج کرتے ہیں بعد ازاں اُن کے ہر لفظ کے معنے حقیقی ظاہر کئے جائینگے

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ
اَبُوْ ذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنِّيْ سَقْفُ بَيْتِيْ
وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ
ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ
مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَّاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهٗ
فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ اَطْبَقَهٗ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ
فَعَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا جِئْتُ اِلَى
السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ
اِفْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ
قَالَ هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ

ابن شہاب سے روایت ہے کہ اُس کے پاس
انس نے روایت کی کہ ابو ذر حدیث بیان
کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میرے گھر کی چھت میرے لئے
کھولی گئی جبکہ میں مکہ میں تھا اور جبرئیل نازل
ہوا اور اُس نے آکر میرا سینہ چاک کیا پھر
اُس کو آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر جبرئیل ایک
سونے کی لگن حکمت اور ایمان سے بھری
ہوئی لایا اور اُس کو میرے سینہ میں ڈالا پھر
اُس کو ڈھانک دیا یعنے بند کر دیا۔ پھر میرا
ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف مجھے لے چڑھا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أُرْسِلَ إِلَيْهِ
قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا
إِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهِ أَسْوِدَةٌ
وَعَلٰى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ إِذَا نَظَرَ قِبَلَ
يَمِيْنِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى
فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ
قُلْتُ لِجِبْرِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اٰدَمُ
وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ
شِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيْهِ فَأَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ
أَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهِ
أَهْلُ النَّارِ فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِيْنِهِ ضَحِكَ
وَإِذَا قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى حَتّٰى عَرَجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ
الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا افْتَحْ فَقَالَ لَهُ
خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُ قَالَ أَنَسٌ
فَذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ فِي السَّمٰوٰتِ اٰدَمَ
وَإِدْرِيْسَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى وَإِبْرَاهِيْمَ
وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ أَنَّهُ
ذَكَرَ أَنَّهُ وَجَدَ اٰدَمَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا
وَإِبْرَاهِيْمَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ قَالَ
ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ
ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ
كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى
أَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْأَقْلَامِ وَقَالَ ابْنُ

جب میں نیچے کے آسمان تک پہنچا تو جبرئیل نے
آسمان کے خازن کو کہا کہ دروازہ کھولو۔ اُس
نے پوچھا کہ کون ہے تو جبرئیل نے کہا کہ میں
جبرئیل ہوں۔ داروغہ نے پھر پوچھا کہ کیا تمہارے
ساتھ کوئی آدمی ہے۔ جبرئیل نے جواب دیا
کہ ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
اُس نے پھر پوچھا کہ کیا کوئی اُس کی طرف بھیجا
گیا تھا جبرئیل نے کہا کہ ہاں۔ جب اُس نے
دروازہ کھول دیا تو ہم آسمانِ دنیا کے اوپر چلے
گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے
جس کے دائیں بھی کچھ لوگ ہیں اور اُس کے
بائیں بھی کچھ آدمی ہیں۔ جس وقت اُس نے
دائیں طرف دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ ہنستے
ہیں اور جب بائیں طرف اُس نے نظر کی تو دیکھا
کہ روتے ہیں۔ پھر آواز آئی کہ نبی صالح ابن
صالح کو مرحبا میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں
اُس نے کہا کہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ شخص
جو اُس کے دائیں اور بائیں ہیں یہ اُس کی
اولاد کی روحیں ہیں۔ جو دائیں جانب کے
لوگ ہیں وہ بہشتی ہیں اور یہ ارواحیں جو اُن
کے بائیں جانب ہیں یہ سب دوزخی ہیں جب
دائیں طرف دیکھا تو اُن کو ہنستے پایا اور جب
بائیں طرف دیکھا تو اُن کو روتے پایا پھر مجھے
دوسرے آسمان پر عروج دیا گیا جبرائیل نے

حزم وانس قال النبي صلى الله عليه وسلم
ففرض الله على امتي خمسين صلوة
فرجعت بذالك حتى مررت على موسى
فقال ما فرض الله لك على امتك قلت
فرض خمسين صلوة قال فارجع الى
ربك فان امتك لا تطيق فراجعني
فوضع شطرها فرجعت الى موسى فقلت
وضع شطرها فقال راجع ربك فان
امتك لا تطيق ذلك فرجعت فراجعت
فوضع شطرها فرجعت اليه فقال
ارجع الى ربك فان امتك لا تطيق ذلك
فراجعته فقال خمس وهي خمسون
لا يبدل القول لدي فرجعت الى موسى
فقال راجع ربك فقلت استحييت
من ربي ثم انطلق بي حتى انتهى بي الى
سدرة المنتهى وغشيها الوان لا ادري
ماهي ثم ادخلت الجنة فاذا فيها جنابذ
اللؤلؤ واذا ترابها المسك متفق
عليه +

اس کے داروغہ کو کہا کہ اسے کھول دو۔ خازن
نے اس سے اسی طرح کہا جس طرح پہلے خازن
نے کہا تھا۔ انس کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے پھر بیان کیا کہ میں نے آسمانوں
میں آدم اور ادریس اور موسیٰ اور عیسیٰ اور
ابراہیم کو دیکھا اور ان کے منازل کی کیفیت
بجز اس کے اور کچھ نہیں فرمائی کہ میں نے
آدم کو آسمانِ دنیا پر اور ابراہیم کو چھٹے آسمان
پر پایا۔ ابن شہاب نے بیان کیا ہے کہ مجھے
ابن حزم نے کہا کہ ابن عباس اور ابا حبہ انصاری
کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ مجھے اور بھی عروج دیا گیا یہانتک کہ
میں ایک ہموار مکان پر چڑھ گیا اور وہاں میں
قلموں کے لکھنے کی آواز سنتا تھا۔ ابن حزم اور
انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس
نمازیں فرض کردی تھیں تو میں ان کو لیکر واپس
ہوا اور جب میں موسیٰ کے پاس سے گذرا تو
اس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری امت پر
کیا فرض کیا میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ اپنے
رب کے حضور لوٹ کر جائیے کیونکہ تیری امت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی میں بموجب
کہنے حضرت موسےٰ کے واپس گیا اور عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ کم کردیا پھر میں موسیٰ
کی طرف لوٹا اور بیان کیا کہ ایک حصہ معاف ہوا۔ پھر موسیٰ نے کہا اپنے رب کے پاس واپس
جاؤ کیونکہ تیری امت اتنی کی بھی طاقت نہیں رکھتی پس میں خدا کے حضور گیا اس نے ایک حصہ

اور کم کر دیا۔ پھر موسیٰ کے پاس آیا۔ پھر موسیٰ نے کہا کہ اپنے رب کے حضور واپس جاؤ کیونکہ تیری اُمت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر بحضور خداوند تعالیٰ حاضر ہوا اور عرض معروض کی تو اُس نے فرمایا اچھا جاؤ پانچ نمازیں قایم کی گئیں جو پچاس کے برابر ہیں۔ پس میری بات نہیں بدل سکتی یہ سُنکر میں موسیٰ کے پاس آیا اور حال بیان کیا تو اُس نے پھر کہا کہ اپنے رب کی طرف لوٹو۔ اس پر میں نے کہا کہ اب تو مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔ پھر مجھے آگے لے گئے یہانتک کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا جسکو بوقلموں رنگوں سے ڈھانکا ہوا تھا اور میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا جہاں کیا دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اُن کی مٹی کستوری کی ہے۔ اس حدیث کے اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ المصابیح مترجم جلد چہارم مطبوعہ مطبع القرآن والسنہ امرتسر +

اس حدیث کے سوا اور بھی بہت سی احادیث معراج کے بارے میں آئی ہیں۔ جن میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے محدثین و متکلمین نے یہ قرار دیا ہے کہ معراج ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ کئی دفعہ ہوا ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے صحیح ہونے پر دو اماموں کا جو نقادِ فنِ حدیث ہیں اتفاق ہے۔ اور اس حدیث میں بہت سے الفاظ ہیں جن سے لوگوں کو دھوکا لگا ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گئے۔ مگر ہم ذیل میں ہر لفظ کے متعلق مفصل لکھتے ہیں کہ لغتِ مکاشفات میں اُن کے کیا معنے ہیں کیونکہ جس علم کا ذکر ہو اُس کی لغت اُسی علم میں تلاش کرنی چاہیئے یہ نہیں ہوگا کہ ذکر تو ہو سائنس کا اور اُس کے معنے علمِ ادب کی لغت سے الفاظ کے معنے تلاش کئے جائیں ہر علم کی الگ لغت ہوتی ہے یہ حدیث جو زیر بحث ہے علم مکاشفات سے تعلق رکھتی ہے اسلئے ہم اُسی علم کی لغت سے تلاش کرتے ہیں اور پھر ظاہر کرینگے کہ کیونکر یہ معنے صحیح ہیں اور جو لوگوں نے سمجھا کہاں تک درا نحقیقت معنے ہیں واضح ہو کہ اس حدیث میں اول الفاظ فُرِجَ عَنِّی سَقْفُ بَیْتِی وَاَنَا بِمَکَّۃَ ہیں لغتِ مکاشفات میں فرج کے معنے لکھے ہیں اَلتَّوَجُّہُ لِلسَّفَرِ وَعَقْدُ الشِّرْکَۃِ وَکَشْفُ الْاَسْرَارِ وَالْاِطِّلَاعُ عَلَی الْمَعَادِنِ۔ یعنے سفر کے لئے متوجہ ہونا اور شراکت میں عہد و پیمان کرنا اور بھیدوں کا ظاہر ہونا اور کانوں پر آگاہی پانا۔ اب بتاؤ یہ ساری باتیں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو پیش آئیں کہ نہیں۔ کوئی ہے جو انکار کر سکتا ہے۔ دیکھو تعطیر الانام فی تعبیر المنام مؤلفہ امام عبد الغنی النابلسی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ +

اور لفظ اَنَا مَکَّۃ کے معنے لکھے ہیں مَنْ رَاٰی مَکَّۃَ مَنْزِلًا نَالَ عِزًّا مِنَ السُّلْطَانِ وَمَلْجَاءَ النَّاسِ اِلَیْہِ لِعِلْمِہٖ یُعَلِّمُھُمْ یعنے جو شخص مکہ کو اپنی منزل دیکھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے ہاں سے عزت پائے گا اور لوگ اس کے ہاں پناہ لینگے تاکہ وہ اس سے علم حاصل کریں۔ دیکھو تعطیر الانام جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ +

اب اس کے بعد ہی منزل جبرئیل ہے جسکے معنے لغت مکاشفات میں یوں ہیں

مَنْ رَاٰی جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاِنَّہٗ یُسَافِرُ فِیْ طَلَبِ عِلْمٍ وَرُؤْیَتُہٗ تَدُلُّ عَلَی التَّعَبُّدِ اَوِ الْعِلْمِ وَعَلٰی تَعْلِیْمِ الْاَسْرَارِ لِاَرْبَابِھَا وَرُبَّمَا دَلَّتْ رُؤْیَتُہٗ عَلَی التَّنَقُّلِ وَالْحَرَکَاتِ وَالْجِھَادِ وَالنَّصْرِ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَتَدُلُّ رُؤْیَتُہٗ عَلَی الْاِطِّلَاعِ عَلَی الْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ وَغَیْرِھَا +

یعنے جو شخص جبرائیل کو دیکھے تو وہ علم کی تلاش میں سفر کریگا۔ اور جبرائیل کا دیکھنا تعبد یا علم یا انکے اہل لوگوں کو اسرار کا سکھلانا مراد ہے اور گاہے جبرائیل کی رویت نقل مکان و حرکات اور جہاد اور دشمنوں پر نصرت حاصل کرنا اور علوم شرعیہ وغیرہ پر اطلاع پانا مراد ہے دیکھو تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۹۳ +

پھر الفاظ فَفَرَجَ صَدْرِیْ۔ وَقَالَ ابْنُ سِیْرِیْنَ مَنْ رَاٰی اَنَّ صَدْرَہٗ مُنْشَرِحٌ فَاِنَّہٗ یَدُلُّ عَلٰی زِیَادَۃِ دِیْنِہٖ وَتَقْوَاہُ

فرج صدر کے معنے میں ابن سیرین کہتا ہے کہ جو شخص دیکھے کہ اس کا سینہ کھل گیا یہ اس بات پر دال ہے کہ اس کا دین اور تقوی زیادہ ہو گیا۔ دیکھو کتاب منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام جلد ۲ +

وَمَنْ رَاٰی اَنَّہٗ صَعِدَ اِلَی السَّمَاءِ فَاِنَّہٗ یَنَالُ رِفْعَۃً

یعنے جو شخص دیکھے کہ وہ آسمان پر گیا ہے تو وہ بلندی حاصل کریگا +

فَلَمَّا جِئْتُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا اس کے متعلق یوں لکھا ہے +

فَاِنْ رَاٰی اَنَّہٗ فِی السَّمَاءِ الدُّنْیَا وَکَانَ لِلْوِزَارَۃِ اَھْلًا +

اگر دیکھے کہ وہ آسمان دنیا میں ہے تو وہ وزارت کا اہل ہے یعنے وزیر بنیگا۔ دیکھو تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۲۶۲ +

قَالَ هٰذَا آدَمُ آدم کے متعلق لکھا ہے
مَنْ رَاَی آدَمَ عَلٰی هَیْئَتِهٖ نَالَ وِلَایَةً
اِنْ کَانَ لَهَا اَهْلاً

یعنے جو شخص آدم علیہ السلام کو اپنی ہیئت پر
دیکھے تو وہ ولایت کا درجہ پائیگا اگر وہ اسکا اہل
ہوگا۔ دیکھو تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۱۱ +

حَتّٰی عُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ الثَّانِیَةِ۔ آسمان دوم کی نسبت لکھا ہے:۔

وَاِنْ رَاَی اَنَّهٗ فِی السَّمَآءِ الثَّانِیَةِ فَاِنَّهٗ
یَنَالُ اَدَبًا یَتَعَلَّمُ النَّاسُ مِنْهُ وَ فِطْنَةً
وَکِتَابَةً وَ رِیَاسَةً

یعنے اگر کوئی دیکھے کہ وہ دوسرے آسمان پر ہے
تو وہ ادب حاصل کریگا جسے لوگ سیکھینگے اور دانائی
اور کتابت اور ریاست اسکو حاصل ہوگی +

اِنْ رَاَی اَنَّهٗ فِی السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَاِنَّهٗ
یَنَالُ نِعْمَةً وَجَوَارِیَ وَحُلِیًّا وَحَلَاوَةً وَ
فَرَحًا وَسُرُوْرًا وَیَسْتَغْنِیْ وَیَتَنَعَّمُ

یعنے جو دیکھے کہ وہ تیسرے آسمان پر ہے تو وہ
نعمت اور لونڈیاں اور لباس اور حلال مال
اور خوشی اور راحت پائیگا اور صاحب غنا و
نعمت ہوگا۔ دیکھو تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۲۶۲ +

وَمَنْ رَاَی اَنَّهٗ فِی السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ نَالَ
مُلْکًا وَسَلْطَنَةً وَهَیْبَةً

یعنے جو شخص دیکھے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے تو
اس کو ملک اور سلطنت اور ہیبت ملیگی۔ دیکھو
تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۲۶۲ +

وَاِنْ رَاَی اَنَّهٗ فِی السَّمَآءِ الْخَامِسَةِ
نَالَ وِلَایَةَ الشُّرْطَةِ اَوْ قِتَالًا اَوْ تَلَصُّصًا
اَوْ دَعَارَةً

اور اگر کوئی دیکھ کر کہ وہ پانچویں آسمان پر ہے
تو اُس کو کوتوال کا عہدہ عطا ہوگا۔ دیکھو
تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۲۶۲ +

وَاِنْ رَاَی اَنَّهٗ فِی السَّمَآءِ السَّادِسَةِ
فَاِنَّهٗ یُرْزَقُ فِقْهًا اَوْ قَضَاءً وَزُهْدًا
وَعِبَادَةً وَیَکُوْنُ حَازِمًا فِی الْاُمُوْرِ
مُدَبِّرًا وَخَازِنُ الْمَلِکِ +

اور اگر دیکھے کہ وہ چھٹے آسمان پر ہے تو اسکو
فقہ کا علم اور قضا اور زہد و عبادت مرحمت
ہوگی اور امورات میں بڑا دانا اور مدبر ہوگا اور
بادشاہ کا خازن یعنے داروغہ ہوگا۔ دیکھو
تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۲۶۲ +

وَمَنْ رَاَی اَنَّهٗ فِی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ
فَاِنَّهٗ یَنَالُ عِقَارًا اَوْ اَرْضِیْنَ وَ وُکَلَاءَ

اور جو شخص دیکھے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے
تو وہ اور ملک اور وکیل اور کاشتکاران حاصل

وَفَلَاحِينَ فِي عَيْشٍ طَوِيلٍ +	کریگا اور لمبی عمر پائیگا جو راحت کی زندگی ہوگی۔ دیکھو تعطیر الانام جلد اول صفحہ ۲۶۲ +
فَإِنْ رَأَى أَنَّهُ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَإِنَّهُ يَنَالُ رِفْعَةً عَظِيمَةً وَلٰكِنَّهُ يَهْلِكُ	اور اگر دیکھے کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے تو وہ عظیم الشان مدارج علو حاصل کریگا لیکن فوت ہوجائیگا +

آسمانوں کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کے اسماء مبارک آئے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی حالت میں دیکھا ہے آدم کے متعلق پہلے بھی لکھا گیا ہے اب ہم دیگر انبیاء کے متعلق بیان کرتے ہیں +

وَقَالَ جَعْفَرُ الصَّادِقُ مَنْ رَأَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنْ كَانَ أَهْلًا لَهُ يُصِيبُ السِّيَادَةَ وَالْوِلَايَةَ الْعَظِيمَةَ +	اور جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص آدم علیہ السلام کو دیکھے اگر وہ اسکا اہل ہے تو وہ سرداری اور بڑی ولایت پائیگا

یعنی وہ بڑا سردار اور عظیم الشان والی ہوگا۔ دیکھو کتاب الاشارات فی علم العبارات ابن شاہین الظاہری رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم صفحہ ۱۸ +

وَمَنْ رَأَى إِدْرِيسَ بِحُسْنِ أَمْرِهِ وَتَكُونُ عَاقِبَتُهُ مَحْمُودَةً وَقِيلَ مَنْ رَأَى إِدْرِيسَ يَدُلُّ عَلَى اجْتِهَادٍ فِي الْعِبَادَةِ وَإِنْ يَكُونَ عِلْمًا بَصِيرًا +	اور جو شخص ادریس علیہ السلام کو اپنے عمدہ کام میں دیکھے تو اس کی عاقبت محمود ہوتی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو ادریس کو دیکھے تو انکا دیکھنا اس بات پر دال ہے کہ دیکھنے والے

کو اجتہاد فی العبادت کا درجہ عطا ہوگا اگر اسکو علم بصیر ہو۔ دیکھو کتاب الاشارات فی علم العبارات جلد دوم صفحہ ۱۸ +

وَمَنْ رَأَى مُوسٰى يَهْلِكُ فِي تِلْكَ الدِّيَارِ سُلْطَانٌ ظَالِمٌ +	اور جو شخص موسیٰ علیہ السلام کو دیکھے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس ملک کا ظالم بادشاہ ہلاک

ہوجائیگا۔ دیکھو کتاب الاشارات جلد ۲۔ صفحہ ۱۹ +

وَمَنْ رَأَى يَحْيٰى فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلَى حَيَاةٍ وَدَوْلَةٍ وَبُشْرَى وَخَيْرٍ +	اور جو شخص کہ یحییٰ علیہ السلام کو دیکھے تو دیکھنے والا زندگی اور دولت اور بشارت اور نیکی حاصل

کریگا۔ دیکھو کتاب الاشارات جلد ۲ صفحہ ۱۹+

وَمَنْ رَاٰی عِیْسٰی فَاِنَّہٗ یُحْیِیْ اَشْغَالَہُ الْمَیِّتَۃَ وَیَقْوٰی عَلَی الطَّاعَاتِ وَیُجْعَلُ لَہُ التَّوْفِیْقُ لِفِعْلِ الْخَیْرَاتِ وَقِیْلَ مَنْ رَاٰی عِیْسٰی یُرْزَقُ الْعِبَادَۃَ وَالزُّھْدَ وَالتَّقْوٰی وَرُبَّمَا کَثُرَتْ سِفَارُہٗ وَیَنْجُوْمِمَّا یَخَافُ	اور جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے تو وہ شخص اپنے مُردہ کاروبار کو تازہ کریگا اور طاعت پر قوی ہو جائیگا اور اُس کو نیک کاموں کی توفیق ملیگی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے تو اُس کو عبادت اور زہد اور تقویٰ مرحمت ہوگا اور بعض اوقات اُسکو کثرت سفر پیش آئینگے

اور جس چیز سے اُسکو خوف ہو اُس سے نجات پا جائیگا۔ دیکھو کتاب الاشارات جلد ۲ صفحہ ۱۹

وَمَنْ رَاٰی اِبْرَاھِیْمَ فَاِنَّہٗ یَحُجُّ وَیُرْزَقُ مُحَبَّۃَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَیَذْھَبُ ھَمُّہٗ وَغَمُّہٗ وَیُصِیْبُ خَیْرًا وَدُنْیَا وَاسِعَۃً	اور جو ابراہیم علیہ السلام کو دیکھے تو وہ حج کریگا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اُس کو حاصل ہوگی اور اُس کے تمام ہم و غم دُور ہو جائینگے اور

اُس کو نیکی نصیب ہوگی اور وسیع دنیا ملیگی۔ دیکھو کتاب الاشارات جلد ۲ صفحہ ۱۸+

اور بعض احادیث میں بیت المقدس میں جانا بھی لکھا ہے۔ اِس لئے دکھاتے ہیں کہ بیت المقدس میں اپنے آپ کو دیکھنے سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

مَنْ رَاٰی اَنَّہٗ فِی الْبَیْتِ الْمُقَدَّسِ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ صَاحِبُ دِیَانَۃٍ وَاَمَانَۃٍ	جو دیکھے کہ وہ بیت المقدس میں ہے تو وہ صاحب دیانت و امانت ہوگا۔ دیکھو کتاب الاشارات جلد ۲ صفحہ ۱۴+

بُراق بھی بعض احادیث میں آیا ہے۔ اُس کی نسبت یوں لکھا ہے+

بُرَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰہُ فِی الْمَنَامِ بَلَغَ رُتْبَۃً عَالِیَۃً وَسَافَرَ فِیْ عِزٍّ	بُراق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دیکھے تو وہ بلند مرتبے پر پہنچیگا اور عزت کے ساتھ سفر کریگا

اس حدیث میں طست کا بھی لفظ آیا ہے سو اُس کی نسبت یوں لکھا ہے:۔

اَلطَّسْتُ عِزٌّ وَرِفْعَۃٌ وَرِزْقٌ وَمَالٌ	طست کے معنے عزت اور بلندی مرتبہ و رزق و مال ہے+

قلب کے نکالنے کا بھی بعض احادیث میں ذکر ہے اِس لئے اُس کے بارہ میں یُوں
آیا ہے مَنْ رَاٰی اَنَّ قَلْبَہٗ خُرِجَ مِنْ بَطْنِہٖ حَسُنَ دِیْنُہٗ۔ | جو دیکھے کہ اُس کا دل اُس کے بطن سے نکالا گیا تو اُس سے مراد یہ ہوگی کہ اُسکا دین عمدہ ہوگیا

غرضیکہ اِن تمام امور سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مدارج روحانی پر اطلاع بذریعہ کشف دی گئی اور اُن کو پیش از وقت تمام حالات جو اُن کی زندگی کے ساتھ وابستہ تھے اور جو اُن کو لازماً پیش آنے والے تھے سب ان آنکھوں سے دکھلا دیئے گئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس خاکی جسم کے ساتھ اُن کو آسمانوں پر چڑھانے کی کوشش کی جائے۔

ساتویں فصل

اسباب میں کہ آیت اِنِّی مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ میں رَافِعُكَ مُقَدَّم ہے اور مُتَوَفِّیْكَ مؤخر ہے

یا کیا صورت ہے

بعض مفسرین اور بعض علماءِ زمان جب اُن کو لفظ توفی کے معنوں میں بجز موت اور کچھ ثابت نہیں ہوتا تو پھر مجبور ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ اصل میں رَافِعُكَ اوّل ہے اور مُتَوَفِّیْكَ مابعد ہے۔ لیکن ایسی جرأت کرنے سے اُن کو یہ خوف نہ ہوا کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں تحریف ہے۔ یہود یوں پر جب خدا کی مار پڑی تو انہی وجوہات سے۔ کیونکہ وہ بھی توریت شریف کی آیات کو اسی طرح اپنی نفسانی خواہشوں کے تابع کرنے لگ گئے تھے یہ نہ سمجھا کہ اُس عزیز و حکیم کی عبارت کسی حکمت عظمیٰ پر مبنی ہوگی۔ اُس میں ہم اپنی طرف سے کیوں ایسی بات داخل کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی شانِ عالیشان میں کسی قسم کا نقص ثابت ہو۔ کیا وہ علیم و خبیر خدا اس تقدیم و تاخیر کی نسبت نہیں جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں اِن الفاظ پر

فتور پڑیگا اگر اُس کے علم میں فی الحقیقت یہی مقصود تھا کہ لفظ سَابِقَتُكَ پہلے ہے تو کیوں اُس نے مُتَوَفِّيكَ کو پیچھے نہ رکھا۔ کیا اِس کو ایسے کرنے میں کوئی تکلیف تھی یا کسرِ شان تھا۔ اے نادانو جس پاک ذات نے یہ الفاظ نازل فرمائے تھے کیا اِس لئے نازل فرمائے تھے کہ اُن سے فساد برپا ہو اور کیا یہ مان لیں کہ اُس نے خود فساد ڈالنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ ہرگز نہیں اُس نے جو کچھ کیا وہ سب ٹھیک ہے جس ترتیب پر اُتارا وہ حرفاً حرفاً درست اور بانظام ہے اور اس میں کسی طرح کی تقدیم و تاخیر یا تبدیل و تغیر نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا کیا جائے تو اُس کی پُرحکمت ترتیب میں بڑا فتور لازم آئیگا۔ اور ہر انسان جو چاہیگا اپنی مرضی سے ایسی محکم ترکیب کو توڑ کر الگ الگ کر دیگا اور جس طرح چاہیگا اپنے طبع زاد منصوبوں کے مطابق قرآن شریف کی آیات کو ڈھال لیگا۔ اے عقل کے دشمنوں اگر اس ترتیبِ خداوندی میں ایک بال کے برابر بھی فرق آگیا تو پھر حفاظتِ قرآن شریف کہاں رہی اور پھر وہ دشمنانِ دین کے دست برد سے کیونکر مامون و مصئون رہ سکتا ہے۔ کیا تم بلاغت کی کتابوں میں واؤ ترتیبی نہیں پڑھتے بالفرض اگر علم بلاغت میں واؤ ترتیبی نہ بھی ہوتی تو بھی حرج نہیں تھا خود نفسِ مضمون اور مشاہدات اِس کے مشاہد ہیں۔ اس ترتیبِ قرآنی میں کونسا نقص واقع ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو جب کہ اُنہیں یقین کامل ہوگیا کہ اب یہ دشمن یعنے یہودی مجھے قتل کئے بغیر نہیں رہ سکتے تو خدا تعالیٰ کی درگاہ میں گریہ و زاری کی اور دعائیں مانگنے لگے اور اسی غم و فکر میں کئی دن رات برابر دعا مانگتے کاٹے اور آخری رات کو تو ایک منٹ بھی نہ سوئے اور آستانۂ خدا پر نہایت عجز و تذلل سے دعا مانگتے رہے اور شاگردوں کو بھی دعا کی تاکید کی اور پھر دوسرے روز اُن کے قتل کے لئے صلیب بھی تیار ہوگئی اور صلیب پر چڑھائے بھی گئے جہاں پر وہ اِيْلِي اِيْلِي لِمَا سَبَقْتَنِي پکارتے رہے ان حالات کی موجودگی میں وہ ارحم الراحمین خدا اپنے ایسے مقبول بندے اور پیارے نبی کی آواز کو سنکر کیونکر خاموش رہ سکتا تھا۔ کیا اُن کی اضطراری دعائیں بالکل بے اثر چلی جاتیں اور اللہ تعالیٰ کے رحم کو جوش میں لانے کے لئے کچھ بھی کارگر نہ ہوسکتی تھیں کیا خدا تعالیٰ اپنا وہ وعدہ جو اُس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کیا تھا کہ میں تجکو ان دشمنانِ دین کے ہاتھوں سے نہیں مرنے دونگا فراموش

کر چکا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اُس نے اُن کی گریہ وزاری کو سُنا۔ اور اُن کی دُعاؤں کو قبول کیا۔ اور اُن کی اطمینان کے لئے کیسے پیارے اور تسلّی بخش الفاظ اور کیسی دلکش اور دلآویز انداز سے فرمایا +

یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

اے عیسیٰ تم غم اور فکر نہ کرو اس تھوڑی سی تکلیف کے بعد میں تمہیں ظالموں کے ہاتھ سے بچا لونگا بلکہ میں ہی تجھے طبعی موت سے مارونگا اور تجھے لعنت کی موت سے جو خدا تعالیٰ کے حضور سے دوری و مہجوری کا باعث ہوتی ہے بچا کر تجھے عزت اور قرب کے مقام پر پہنچاؤنگا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تیری تطہیر کراؤنگا اور کُفّار کو روز روشن کی طرح ایسا دکھلاؤنگا کہ وہ کتنی بڑی غلطی میں ہیں۔ اور میں تجھے لعنت کے اتہام سے بری کرونگا۔ اور تیرے اللہ یا ابن اللہ یا ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ کہنے والوں کو ان جسمانی آنکھوں سے دکھا دونگا۔ کہ وہ جس کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے ایک عاجز ناتوان انسان تھا اور وہ انسانوں کی سی موت کا مزہ چکھ کر کشمیر جنت نظیر میں مدفون ہو کر سری نگر کے محلہ خانیار میں ایک قبر کے اندر خواب استراحت کرتا ہے اور تیرے تابعین کو تیرے منکروں پر تا قیامت غالب رکھونگا۔ ان آیات میں کیسی بے نظیر ترتیب ہے شروع سے لیکر قیامت تک کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اور روزمرہ کا مشاہدہ بھی شہادت دیتا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام پر جو اتہامات لگائے جاتے تھے۔ اُن کی کیسی بیخ کنی ہوئی ہے۔ اور کس طرح اُن کی موت کی کیفیت اظہر من الشمس ہو کر اُن کی صفائی کی گئی ہے دوسرا ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کے تابعین دُنیا میں دو قسم کے ہیں ایک بالواسطہ اور دوسرے بلاواسطہ سو روزمرہ مشاہدہ میں آرہا ہے کہ دونو گروہ مسیح کے منکروں پر جو وہ کبھی بالواسطہ اور بلاواسطہ ہیں ہر طرح غالب ہیں۔ اور منکرین خواہ وہ بالواسطہ ہیں یا بلاواسطہ

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ

کے مصداق ہیں پھر کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ ترتیب ٹھیک نہیں +

بعض نادان یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت میں واؤ ترتیبی نہیں بلکہ جمع کی واؤ ہے۔ اگر

بالفرض یہ بھی مان لیں تو بھی حضرت مسیح کی موت ہی ثابت ہوتی ہے۔ فرض کرو اگر رَافِعُكَ پہلے کر لیا جاوے اور مُتَوَفِّيكَ بعد تو بھی آسمان پر مرنا ثابت ہوا۔ کیونکہ تطہیر بھی ہو چکی اور تابعین بھی ابتک دشمنانِ مسیح پر غالب ہیں۔ اس میں ہمارا کچھ ہرج نہیں اگر زمین پر نہیں مرا تو آسمان پر تو مرا بہرحال مر ہی گیا۔ اور مُتَوَفِّيكَ کو اگر دوسری جگہ نہیں تیسری یا چوتھی جگہ لگائیں تو پھر قیامت کے بعد اس کا مرنا تسلیم کیا جاوے گا۔ پھر بہرحال انکا دوبارہ دنیا میں آنا ثابت نہ ہوا۔ اس میں ہمارا کیا ہرج ہے کیونکہ قیامت کو تو ہم سب ان کو جا کر ملیں گے۔ جب وہ قیامت سے پہلے ہمارے پاس نہ آئے تو اُن کا مرنا اور جینا برابر ہوا۔ اس صورت میں بھی اُن کی اسامی خالی ہی رہی اور گویا وہ تو وفات شدوں کی طرح موتے ہی میں داخل ہو گئے +

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عطف میں جبتک جہت جامع نہ ہو تو وہ عطف لغو اور بیہودہ سمجھا جاتا ہے۔ دیکھو مطول علے التلخیص امام تفتازانی مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۲۴۷ +

فَاِذَا اَتَتْ جُمْلَةٌ بَعْدَ جُمْلَةٍ فَالْاُوْلٰی اِمَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَھَا مَحَلٌّ مِنَ الْاِعْرَابِ اَوْلَا وَعَلَی الْاَوَّلِ اِنْ قُصِدَ تَشْرِیْكُ الثَّانِیَةِ لَھَا فِیْ حُکْمِهٖ عُطِفَ عَلَیْھَا کَالْمُفْرَدِ فَشَرْطُ کَوْنِهٖ مَقْبُوْلًا بِالْوَاوِ وَنَحْوِهٖ اَنْ یَّکُوْنَ بَیْنَهُمَا جِهَةٌ جَامِعَةٌ نَحْوُ زَیْدٌ یَکْتُبُ وَیَشْعُرُ اَوْ یُعْطِیْ وَیَمْنَعُ +

جب ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ آئے تو اوّل کے لئے یا تو اعراب کا محل ہوگا یا نہ ہوگا اور پہلی صورت میں عطف اُس وقت جائز ہوگا جبکہ دوسرے کو پہلے کیساتھ شریک کرنا مقصود ہو اور اُس میں جو عطف ہوگا وہ مفرد ہوگا اور وہ جب ہی قبول ہوگا کہ عطف واو یا اُس کی مثل کوئی اور عطف ہو اور اُن کے درمیان جہت جامع ہو جیسے کہتے ہیں زید لکھتا ہے اور جانتا بھی ہے یا دیتا ہے اور روکتا ہے +

پس ضرور ہوا کہ اگر واو ترتیب نہ بھی تسلیم کریں تو بھی واو جمع میں جہت جامع کا ہونا ضروری ہے ورنہ خدا تعالیٰ حکیم و علیم کے اِس حکمت بھرے فصیح و بلیغ کلام میں نقص واقع ہوتا ہے اور پھر اُس کا وہ دعویٰ جو آیت وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ میں ہے غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف نے کوئی

خاص مثل نہیں بیان کی تمام باتوں میں جو ہو چکیں یا جو موجود ہیں اور یا آئندہ ہو سکتی ہیں اُن کو دعویٰ کمالیت ہے پھر اگر جہت جامعہ کا نقص رہا۔ تو بھی قرآن کامل معجزہ نہ ہوا۔ لہٰذا اِن آیات میں

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ اِس آیت میں

جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا اور اپنے پاس مقرب جگہ دینے والا اور کافروں کے الزامات سے تجھے پاک کرنے والا اور تیرے تابعین کو کافروں پر قیامت تک غالب کرنے والا ہوں

جس قدر واؤ عطف آئی ہیں اِن سب میں جہت جامعہ کا ہونا لازمی ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ اِن آیات میں واؤ تین دفعہ آئی ہے اور اُسنے چار الگ الگ مضامین کو ملایا ہے۔ اب یہاں پہ امر ثابت کرنا ضروری ہے کہ اِن جملوں میں جہتِ جامعہ کیا ہے سو واضح ہو کہ اوّل لفظ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ہے اس میں اِنَّ کا حرف ہے جو تردد کے مقام پر مستعمل ہوتا ہے۔ اور اللہ نے یا ئے کو لگا کر اُس فعل کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے جس سے رفع تردد مقصود ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح کو کونسا تردد تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلّی اور طمانیت کے لئے ایک وعدہ دیا جب ہم اُس زمانہ کے یہودیوں پر نگاہ کرتے ہیں اور اناجیل مروجہ کو نظرِ غور سے دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں نے مسیح علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا جیسے کہ انجیل متی باب ۲۶- آیت ۶۵ و ۶۶ سے ظاہر ہوتا ہے اور بالضرور وہ لوگ اُن کے قتل کے فکر میں لگے ہوئے اور اس ذریعہ کی تلاش میں تھے کہ جس طرح ہو سکے اُس کو مارا جائے۔ بظاہر تو اس کو مار نہیں سکتے تھے کیونکہ غیر قوم یعنے رومیوں کی سلطنت تھی اور قانون کی سخت پابندی بھی تھی۔ اس واسطے درپردہ اُن کے مار ڈالنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ چنانچہ متی باب ۲۶ آیت ۵۹ میں لکھا ہے تب سردار کاہن اور بزرگ اور ساری مجلس یسوع پر جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگی تا کہ اُسے مار ڈالیں اور آخر بغاوتِ سلطنت کا الزام لگا کر صلیب کی موت کا مجرم ٹھہرایا۔ جب قوم یہود اس بات پر کامیاب ہوتی نظر آئی تو فطرتاً حضرت مسیح علیہ السلام کو چار فکر دامنگیر ہوئے ایک تو یہ کہ اگر یہود نے مجھے مار ڈالا تو میں بموجب توریت استثناء

باب ۱۳ آیت ۵ - واستثناء باب ۱۸ - آیت ۲۰ - ویرمیاہ باب ۱۴ - آیت ۱۵ - وزکریا باب ۱۳
آیت ۷ - کے جھوٹا نبی شمار ہوگا - اِس لئے وہ صلیب کی رات سے پہلے نہایت تذلل
کے ساتھ دعا میں مصروف ہوئے چنانچہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۳۶ سے ۳۹ میں ہے
اُور کچھ آگے بڑھ کے مُنہ کے بل گرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ
اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ جو ہر شخص کی دعا خواہ
وہ کسی مذہب کا ہو جب عین اضطرار کی حالت میں کی جائے تو کبھی رد نہیں کرتا بلکہ
بموجب آیت قرآنی وَمَن يُّجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ صاف واضح ہے کہ وہ اضطراری
دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کی اضطراری دُعا جو
خالص دین کے لئے تھی کیونکر رد فرما سکتا تھا - لہذا اُس ارحم الراحمین خدا نے بجوش رحمت
کریمانہ حضرت مسیح کی اس بیکسیانہ اور مظلومانہ حالت کی دعا کو قبول فرما کر اُن کی تسلی اور
طمانیت کے لئے یہ وعدہ فرمایا يٰعِيسٰى اِنِّي مُتَوَفِّيكَ اے عیسٰی تم غم نہ کرو میں ہی
تمہیں وفات دونگا تو طبعی موت سے مریگا اور میں اُن بے ایمانوں کی مجوزہ موت سے
نجات دونگا - یعنی تو لعنتی موت سے نہیں مریگا +

دوسرا جملہ رَافِعُكَ اِلَيَّ ہے - اِس کے لانے کی اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت پیش آئی
کہ حضرت مسیح کو دوسرا تردد یہ دامنگیر ہوا تھا کہ معاندین نے اُن کو صلیبی موت سے مارنا
چاہا تھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بموجب حکم توریت صلیب پر مرنے والا خدا کا مقرب
اور دوست نہیں ہوا کرتا بلکہ ملعون ہوتا ہے چنانچہ توریت کتاب استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳
میں ہے وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہوتا ہے" لہذا حضرت مسیح علیہ السلام
کو سخت فکر لگا کہ اگر صلیب پر میں مارا گیا تو مجھے ملعون قرار دیا جائیگا جس کا مفہوم بجز اس
کے اور کچھ نہیں کہ خدا کی رحمت سے ہمیشہ کے لئے محروم کیا گیا اور گویا خدا مجھ سے بیزار اور
میں خدا سے بیزار سمجھا جاؤنگا - لہذا عین صلیب پر چلا چلا کر کہتا رہا اِيْلِي اِيْلِي لِمَا
سَبَقْتَنِي اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۶
جب اللہ تعالیٰ ادنے سے ادنے مومن حتّٰی کہ کافر کی عاجزانہ دعا بھی رد نہیں کرتا بلکہ
قبول فرما کر غموم و ہموم سے نجات دیتا ہے تو اپنے مقرب اپنے مہتم بالشان نبی کو ایسی اضطرار

دُعا کو جو نہایت دردِ دل سے مانگی گئی اور مایوسی کی حد تک پہنچ گئی تھی کبھوں قبول نہ فرماتا وہ ضرور ضرور قبول فرماتا ہے چنانچہ قرآن کریم سے اس کی تصدیق ہوتی ہے +

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَا يْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ + یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہوجاتے ہیں اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ اُن کے ساتھ جو وعدے ہوئے تھے وہ جھوٹے نکلے اور وہ جھٹلائے گئے جب اس طرح کی اضطراری نوبت پہنچ جاتی ہے تو خدا فرماتا ہے اُس وقت ہماری نصرت اور مدد آیا کرتی ہے اور جبکو ہم چاہتے ہیں ہیں اُن کو غموم اور ہموم سے نجات دیتے ہیں دیکھو سیپارہ ۱۳ ارکوع ۶

اِس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا اور اسی واسطے محبت بھرے الفاظ سے اپنے جان نثار غلام کو وحی کی کہ اے عیسیٰ تم فکر مت کرو۔ میں خود محافظ دین ہوں یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ میرے پیارے اور میرے بھیجے ہوئے ایسی موت سے مارے جائیں۔ جس کا نتیجہ لعنت اور خدا سے دُوری ہو۔ یاد رکھو کہ تم میری درگاہ میں مقرب اور محبوب ہو اور فرمایا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ میں تجھے بچالونگا اور اس لعنتی موت کی بجائے جو تیرے لئے تجویز کی گئی ہے ایسی موت عطا کرونگا کہ جس کا نتیجہ قرب الی اللہ ہوتا ہے اور تیرے دشمن اپنے مجوزہ منصوبہ میں ہرگز کامیاب نہیں ہونگے۔ بلکہ خائب خاسر ہونگے اور تو دیکھ کر خوش و خرم ہوگا +

تیسرا جملہ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے یہ اس واسطے فرمایا کہ مسیح علیہ السلام کو تیسرا تردد یہ دامنگیر ہوا تھا کہ پہلے ہی مجھے ولادت کے بارہ میں یہ لوگ مشکوک ٹھیراتے ہیں یعنے جسمانی طور سے پلید قرار دیتے ہیں اور اگر اب صلیبی موت واقع ہوگئی تو بموجب توریت شریف روحانی طور سے بھی ملعون قرار دیا جاؤنگا۔ ایسی حالت میں میرا تمام مشن اکارت جائیگا۔ اور میری ساری محنت رائیگاں جائیگی۔ اور کوئی شخص بھی میرے بعد ایماندار نہیں رہیگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اے عیسیٰ تم اس امر کا بھی فکر اور تردد مت کرو۔ کیونکہ میں اپنے مرسلوں کی ایسی توہین اور ایسی بے عزتی کو گوارا نہیں کرسکتا۔ تم یاد رکھو کہ میں کفار کی ان تمام باتوں کا اثر ہی اُٹھا دونگا اور نبی آخرالزمان کے ذریعہ تیری ایسی تطہیر کرونگا کہ جس کی نظیر

زمانہ سابقہ میں نہیں پائی جائیگی اور بالآخر آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں اُن تمام اتہامات اور بہتانات کا قلع قمع کرونگا جو تیری ذات کی نسبت اور تیرے صلیب پر مرنے کی نسبت دنیا میں قائم ہونگے۔ اور پھر تو ایسا پاک وصاف ہو جائیگا کہ لوگ تجھ کو اصلی ہیئت میں دیکھنے لگینگے۔ لہذا فرمایا وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنے کفار کی طرف سے تیرا دامن بالکل پاک کر دیا جائیگا۔ اور تیرا سچا اور راستباز اور خدا کا پیارا ہونا دنیا پر روزِ روشن کی طرح کھل جائیگا +

چوتھا جملہ ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِس کی ضرورت اِس واسطے پڑی کہ حضرت مسیح کو جو تھا تردد جو اُن کی جان کو گھلا دیئے الانجانا یہ تھا کہ اگر میں صلیب پر اس طرح مارا گیا تو پھر میرے تابعدار جو ابھی بالکل کچے اور بیخبر ہیں اور نہ انہوں نے میری صحبت سے کما ینبغی استفادہ حاصل کیا ہے اور نہ وہ دین کی راہ میں پورے باخبر و تجربہ کار ہیں لہذا میری موت کے ساتھ ہی میری تبلیغ کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور پھر صرف اسکا اثر میری ذات تک ہی محدود نہیں رہیگا بلکہ جہان کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی سچا نبی تسلیم نہیں کریگا کیونکہ اُن کے پہلے میرا مُسَلَّم ہونا ضروری ہے جیسے میرے آنے سے پہلے ایلیا کا آنا ضروری تھا۔ لہذا لوگ قیامت تک ہدایت سے محروم رہینگے۔ اس جانکاہ اور دلگداز غم نے مسیح کو کھا لیا تھا اور اسی واسطے وہ مایوسانہ الفاظ منہہ پر لائے تھے اور قریب تھا کہ اسی غم سے اُس کی جان نکل جائے کہ رحمِ الٰہی نے جوش مارا اور اُس ارحم الراحمین ذات نے اپنے مقدس رسول کے اطمینان کے لئے یہ بشارت دی جو آیت مذکورہ بالا میں ہے کہ اے عیسٰے تو اس بات کا کچھ اندیشہ نہ کر کہ تیری جماعت کمزور ہے میں تیری اس کمزور جماعت کو ایسا بڑھاؤنگا۔ اور اتنی قدرت اور طاقت دونگا کہ وہ ان بے ایمان یہودیوں پر کامل طور سے مسلط ہو جائیگی۔ اور وہ قیامت تک کیا دین کے رو سے اور کیا دُنیا کے رو سے اُن پر غالب رہیگی +

اب ہم ذیل میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس ترتیب خداوندی کے بدلنے اور آگے پیچھے کرنے میں کیا فساد لازم آتا ہے یعنے آیات +

مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ وَمُطَهِّرُكَ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا کی تقدیم و تاخیر میں کیا فساد لازم آتا ہے

اب اگر مُتَوَفِّی کے معنے مُمِیت کے نہ لیں بلکہ کوئی اور معنے لیں تو پھر توفّی اور رفع میں جہت جامعہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ رفع کے ساتھ جب اِلیٰ کا صلہ آتا ہے تو وہاں تقرب الی اللہ مراد ہوتی ہے اور روحانی درجات کے معنے لئے جاتے ہیں اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے تو پھر اگر توفی کے معنے موت کے نہ لئے جائیں تو کسی صورت میں مابین ہر دو الفاظ مذکورہ جہتِ جامعہ قائم نہیں رہ سکتی اِس واسطے خدائے حکیم وعلیم کی کلام میں نقص وارد ہوتا ہے جو تمام نقصوں سے مبرا و منزہ ہے لہٰذا بجز اس امر کے تسلیم کرنیکے چارہ نہیں کہ مسیح پر موت وارد ہوگی اور پھر اُس کا رفعِ روحانی ہوگا۔ اور دوسرا نزد اُس کو اپنی موت اور اپنے عدمِ رفعِ روح کا تھا۔ جیسے ہم توریت شریف و اناجیل کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ پھر اگر خدا تعالیٰ اس کے منشا کے خلاف کچھ اور جواب دیتا تو پھر وہ خدا کا کلام نہ سمجھا جاتا بلکہ ایک مجنون کا کلام متصور ہوتا۔ کیونکہ مسیح تو تڑپ تڑپ کر اور دل کی گدازش سے موتِ معجزہ سے نجات کی دُعا مانگے اور خدا اُسکو یہ جواب دے کہ بس تجھے سُلا دونگا یا بھر لونگا یا اُٹھا لونگا۔ یا شہوات نفسانی سے تجھے محروم کر دونگا۔ اور پھر تجھے آسمان پر لیجاؤنگا۔ یہ کیسے غیر موزوں الفاظ ہیں انمیں لفظی مناسبت قائم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ سونے کو اُٹھانے کے ساتھ یا بھرنے کو اُٹھانے کے ساتھ یا شہوات نفسانی کے الگ کرنے کو رفع کے ساتھ یا اُٹھانے کو اُٹھانے کے ساتھ کیا نسبت ہے کوئی جہت جامع ثابت نہیں ہوتی اس سے اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام میں حرف آتا ہے اور اس کا بےمثل اور بےنظیر ہونا خاک میں مل جاتا ہے نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ◆

لہٰذا توفّی کے معنے بجز موت اور رفع کے معنے بجز روحانی رفع یعنے تَقَرُّب اِلَی اللّٰهِ

کے اور نہیں ہیں اور انہی معنوں میں تناسب بھی ہے اور جہت جامعہ بھی نہایت عمدہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ موت کے بعد روح ہی کا رفع ہوا کرتا ہے +

اگر توفّی کے معنے طبعی موت اور رافع کے معنی رافعِ روحانی نہ لیا جائے تو مُطَهِّرُكَ کا لانا بھی فضول ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر آسمان پر مثل دیگر انبیا نہ جائیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظہور نہیں فرماسکتے کیونکہ خود مسیح علیہ السلام نے انجیل میں فرمایا ہے" لیکن میں تجھے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آویگا۔ پس اگر میں جاؤں تو میں اُسے تم پاس بھیجونگا اور وہ آنکر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائیگا۔ گناہ سے اس لئے کہ وے مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے" دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۶۔ آیات ۷ لغایت ۱۰۔ اور اُس کی تصدیق اللہ تعالیٰ اپنی کلام پاک میں یوں فرماتا ہے +

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط	جبکہ مریم کے بیٹے عیسے علیہ السلام نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں اور جو تمہارے پاس توریت ہے میں اُس کا مصدق ہوں

اور میں ایک رسول کے آنے کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ یا جس کا نشان یہ ہے کہ وہ بڑا حکومت کرنے والا اور آخری فیصلہ کرنے والا ہوگا۔ دیکھو سورۃ الصف رکوع ۱

اب اِن آیاتِ بیّنات سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد ایک رسول کے آنے کی خبر دی ہے اور لفظ بعد یہاں زمانہ کے لئے آیا ہے یعنے میرے زمانہ تبلیغ کے بعد اُن کا زمانہ تبلیغ ہوگا۔ اور انجیل کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ عیسےٰ کہتے ہیں کہ میں پھر نہیں آؤنگا کیونکہ مذکورہ بالا آیات میں اپنے حواریوں کو مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ پھر تم مجھ کو نہیں دیکھو گے۔ لہٰذا بجز موت اور کچھ متصور نہیں ہوسکتا اور اگر موتِ مسیح علیہ السلام نہ مانی جائے تو پھر تطہیر کیونکہ ہوسکتی ہے جب تک کہ دوسرا رسول

دنیا میں ظہور فساد نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت اللہ ہے کہ جب سابقہ نبی کو اٹھا لیتا ہے اور بعد میں جو اتہامات اُس کی ذات پر یا اُس کی تعلیم پر لوگوں نے لگائے ہوتے ہیں تو مابعد کے نبی کے ذریعہ اُس کی برأت کراتا ہے اور حق بات کو دنیا پر ظاہر کرتا ہے غرض اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے مسیح سے بھی وعدہ کیا تھا کہ میں تیری تطہیر کرونگا تو پھر اور کون سی صورت تھی کہ جس سے اُن کی تطہیر ہوتی بجز اس کے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئیں۔ اور مسیح علیہ السلام پر جو ناپاک اور بُرے اور گندے الزام لگائے گئے وہ سب آنکر اُٹھائیں۔ اس کی تصدیق خود مسیح علیہ السلام بھی فرماتے ہیں "کہ جب وہ روح حق آویگی تو وہ تمہیں ساری سچّائی کی راہ بتاویگی اس لیئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن جو کچھ وہ سنیگی سو کہیگی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگی وہ میری بزرگی کریگی"۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۶ آیات ۱۳ و ۱۴۔ جس سے عیاں ہے کہ حضرت نبی آخر الزمان ہی اُن کی بزرگی یعنے تطہیر کرینگے پس صاف ظاہر ہے کہ لفظ رَافِعُكَ وَمُطَهِّرُكَ میں جہت جامع تقرب الی اللہ تھی اگر رفع کے روحانی معنی نہ لئے جائیں تو پھر ان دونوں الفاظ میں کوئی مناسبت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تطہیر تو روح ہی کو ہے۔ جسم کی تطہیر کی ضرورت ہی کیا تھی خود مسیح غسل کر کے بدن پاک کرسکتے تھے اگر رَافِعُكَ میں جسمانی رفع لیا جائے اور مُطَهِّرُكَ میں روحانی تو ان میں ایک بیہودہ اور لغو تعلق ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا کلام ایسے لغویات سے پاک ہے۔ لہٰذا ضروری ماننا پڑتا ہے کہ مسیح فوت ہو کر مثل دیگر انبیا کے رفع کئے گئے اور اُن کی تطہیر اُن کی وفات کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کی +

پھر چوتھی آیت یعنے وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ہے۔ اگر اول الذکر آیات کے روحانی معنے نہ لیئے جائیں تو اس آیت کا تعلق پہلی تین آیات سے کچھ بھی نہ ہوگا اور کوئی جہتِ جامعہ قایم نہ ہوگی اور جب تک مسیح کی موت اور رفع روحانی و تطہیر روحانی نہ مانی جائے تو کوئی صورت صحیح بن ہی نہیں سکتی کیونکہ اس آخری آیت میں قیامت تک کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام واقعی زندہ ہوتے تو کیوں اُنکے تابعین کا نام لیا گیا اور خود مسیح کا نام کیوں نہ لیا گیا۔ جبکہ اُس نے دوبارہ دنیا میں آنا تھا تو اُسکو بشارت دینی چاہیئے تھی کہ اے عیسیٰ میں تجھے دوبارہ دنیا میں بھیجونگا

اور تو جاکر اُن اپنے دشمنوں کو رسوا اور ہلاک کریگا اور سارے اہل کتاب تجھ پر ایمان لائینگے اور قیامت تک تیرا ہی دور دورہ رہے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کہا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرچکے اور اسی واسطے اس آیت کا لانا ازبس ضروری تھا۔ کیونکہ مسیح کو جیسے اپنی موت کا تردد اور اپنے عدمِ رفع روحانی کا تردد اور اپنے ناپاک الزامات کا تردد تھا۔ ویسا ہی اُس کو اپنے حواریوں کی کمزوری اور مشن کی ناکامی کا اندیشہ تھا جب اور سب باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے بطور تسلی حضرت مسیح علیہ السلام کو دیدیا تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جو تھے تردد کے دور کرنے کے لئے اُس کا جواب بھی تسلی بخش ہوتا اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو قیامت تک تکذیب رسل کا اندیشہ تھا۔ اِس لئے اِس حکیم وعلیم مالک نے قیامت تک کی خوشخبری سُناکر اپنے پیارے غمزدہ رسول کے ہم وغم کو دور فرمادیا کہ تیری وفات کے بعد تیرے تابعین کو تاقیامت تیرے دشمنوں پر غالب رکھونگا اور یہی کمزور جماعت ایک طاقتور قوم بن جائیگی جسکا مقابلہ کوئی نہیں کرسکیگا +

بحث دربارہ بَلْ ابطالیہ وَاِضرابیہ

بعض کم عقل مولوی یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا کے بعد آیا ہے۔ اور بل کا حرف جب نفی یا نہی کے بعد آجائے خواہ نفی لفظی ہو خواہ معنوی تو وہ ابطال کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی بل نفی قتل کے بعد آیا ہے لہٰذا اُسی قتل کا ابطال کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے سو واضح ہو کہ ایسا خیال قلتِ تدبر کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حرف بَلْ اِبْطَالِ مَاقَبْل کے لئے آتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہودیوں کا کیا زعم تھا جس کا ابطال اللہ تعالیٰ کرنا چاہتا ہے۔ سو واضح ہو کہ یہودیوں کا زعم یہ تھا کہ مسیح مصلوب ومقتول ہوکر ملعون ہوگیا۔ اور حسب منشاء توریت ملعونیت کے لئے عدم رفع لازم تھا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن کے اُس زعم کے ابطال کی ضرورت پیش آئی اور فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ اور یاد رہے کہ بل اضرابیہ اور ابطالیہ کا ماقبل اور مابعد باہم متضاد ہوتے ہیں قتل بالصلیب اور رفع جسمی کوئی متضاد نہیں برخلاف

اس کے مصلوبیت جس کا مفہوم لعنت ہے اور رفعِ روحانی جس کا مفہوم قرب الی اللہ ہے باہم متضاد ہیں چنانچہ قرآن کریم کی آیات ذیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ اس آیت میں بل کے ماقبل وَلَدًا ہو اور مابعد عِبَاد۔ اور ظاہر ہے کہ ولدیت اور عبودیت باہم منافی ہیں ایسا ہی اَمْ يَقُولُونَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ میں بل کے ماقبل جِنَّةٌ اور مابعد اتیان بالحق ہے جو باہم متضاد ہیں پس ظاہر ہے کہ آیت زیرِ بحث میں کلمہ بل کے تقاضا کے بموجب مقتولیت بالصلیب کو یہودیوں کے اعتقاد کے رو سے ملعونیت لازم ہے جس کے متضاد مرفوعیتِ روحانی ہے لیکن مرفوعیتِ جسمانی اور ملعونیت جو قتل بالصلیب کا لازمہ ہے۔ باہم متضاد نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کفار اور مشرکین کے مکان مسلمانوں کے مکان سے بلند ہوتے ہیں یا بہت سے کفار قد وقامت میں بعض مسلمانوں سے بلند ہوتے ہیں یا بلند مکانات پر چلے جاتے ہیں جیسے پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا بیلون یا ہوائی جہاز میں بیٹھکر کئی کئی میلوں تک اوپر چلے جاتے ہیں۔ جس سے وہ مرفوع الجسم تو ہوتے ہیں لیکن مرفوع الدرجات نہیں ہوتے بلکہ عند اللہ ملعون ہوتے ہیں۔ اور ہم پیشتر ازیں بخوبی ظاہر کر چکے ہیں کہ یہودیوں اور نصاریٰ کے مابین مسیح کی رفع جسمانی کا کوئی تکرار اور جھگڑا نہیں تھا۔ بلکہ وہ عدم رفع روحانی کے قائل تھے۔ اور اب بھی اُسی کے قائل ہیں تو ایسی حالت میں بخلاف منشاء الٰہی و برخلاف واقعات اپنی نادانی اور حماقت سے رفع جسمانی کا جھگڑا پیش کرنا بجز رسوائی و ذلت اور کیا مقصود ہو سکتا ہے۔

جب قرآن کریم میں اور مقامات پر آیات مقدم و موخر ہیں تو یہاں کیوں نہیں ہو سکتیں

ہاں یہاں یہ اعتراض ضرور ہو سکتا ہے کہ جب قرآن کریم کے دیگر مقامات پر بعض آیات میں مقدم و موخر ثابت ہے تو آیاتِ زیرِ بحث میں کیوں مقدم و موخر نہ مانا جائے۔

سو واضح ہو کہ آیاتِ زیرِ بحث میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ ان کے مقدم و موخر کرنے میں سخت فتور اور فساد لازم آتا ہے رہا دیگر مقامات کا مقدم و موخر سو اس کی نسبت عرض ہے

کہ ظاہر اور باطن کے جاننے والے تمام صفاتِ حمیدہ سے موصوف اور تمام نقصانات سے منزّہ ذات نے قرآن کو اتارا ہے۔ اگر اُس نے اپنے کلام پاک میں بعض واقعات کو مقدم و مؤخر رکھا ہے۔ تو ضرور اُن میں کوئی بڑی حکمت ہوگی۔ کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس نیچر یعنے فطرت اللہ میں بھی ایک انتظام اور ترتیب دیکھتے ہیں اور اس کا فعل بدنظمی پر محمول نہیں دیکھا جاتا تو پھر قول خداوندی میں کیونکر بے ترتیبی ہوسکتی ہے۔ ہاں اگر ایسا ہو تو اللہ تعالےٰ کے کلام میں اور مجنون کی بڑمیں کیا فرق رہ جاتا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ اگر عمیق در عمیق اسرار و نکات کی تہ تک تمہاری عقل رسائی نہیں کرسکتی تھی تو بھی اتنا تو خیال کر لیتے کہ گو قرآن شریف میں آیات کی بے ترتیبی ہی سہی لیکن جن واقعات کو خود اللہ تعالیٰ نے مقدم و موخر کردیا ہے اُن میں انسان بے بنیان کا کیا مقدور ہے کہ اپنی رائے کو دخل دے اور خدا کی ترتیب کو جو سِلکِ دُرر کی طرح با نظام ہے بگاڑ کر تقدیم و تاخیر روا رکھے۔ جہاں خدا تعالےٰ نے خود واقعات کو اپنی حکمتِ کاملہ سے مقدم و موخر دکھلا دیا ہے۔ تو پھر کون ہے کہ اپنی طرف سے دیگر آیات میں تقدیم و تاخیر کرے۔ ایسا کرنا بجز تحریف اور کیا ہے۔ اگر ان نادانوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ تو پھر کبھی بھی خود دخل نہ دیتے۔ اب ہم چند مواقعات بطور نظیر پیش کرتے ہیں کہ وہاں پر تقدیم و تاخیر میں کیا کیا حکمت رکھی ہے +

سو واضح ہو کہ قرآن شریف کے بعض واقعات جو آیات قرآنی میں مقدم و موخر معلوم ہوتے ہیں۔ علماءِ متقدمین نے اُن کو چند قسم پر بیان کیا ہے۔ ہم اُن کو نمبروار معہ مثال بیان کرتے ہیں +

(۱) تبرک کے لئے۔ جیسے آیت ذیل میں ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ دیکھو قرآن شریف سورۃ آل عمران رکوع ۲ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا نام مقدم آیا ہے۔ جو بطور تبرک کے ہے +

(ب) وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ الْاٰيَةَ اس میں تقدیم اسم اللہ ہے جو بطور تبرک کے ہے دیکھو قرآن شریف سورہ انفال رکوع ۵ +

(۲) تعظیم کے لئے جیسے (الف) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ سورۃ النساء رکوع ۹ +

(ب) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ سورہ احزاب رکوع ۷ (ج) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ۔ سورہ توبہ رکوع ۸ ان آیات میں فقط اللہ کی تقدیم محض اللہ کی عظمت کے لئے ہے +

(۳) شرف کی وجہ سے تقدیم ہوتی ہے (الف) اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ میں ذکور کو مونث پر مقدم کیا گیا ہے۔ دیکھو سورۃ الاحزاب رکوع ۵ (ب) وَالْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی میں حر کو عبد پر ترجیح دی گئی ہے سورۃ البقر رکوع ۲۲ (ج) یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ میں زندہ کو مردہ پر مقدم رکھا گیا ہے آل عمران رکوع ۳ (د) وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا میں خیل کو بغال اور حمیر پر مقدم رکھا گیا۔ دیکھو سورۃ النحل رکوع ا (ہ) وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ میں سمع کو ابصار سے پہلے بیان کیا گیا اور یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان میں سمیع بصیر آتا ہے یہ کہیں نہیں آیا کہ بصیر سمیع۔ جس سے معلوم ہوا کہ سمع کو بصر پر شرف حاصل ہے دیکھو سورۃ البقر رکوع ا (ز) وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ۔ سورہ احزاب رکوع ا صاف ظاہر ہے کہ یہاں اس آیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نوح سے مقدم رکھا گیا حالانکہ نوح علیہ السلام حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوئے ہیں لیکن چونکہ رسول اللہؐ کو تمام انبیاء پر شرف تھا اس لئے اُن کو نوح سے مقدم رکھا۔ نہ زمانہ کے لحاظ سے بلکہ مرتبہ کے لحاظ سے (ح) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ میں مہاجرین کو انصار سے پہلے رکھا گیا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ مہاجرین کو انصار پر شرف ہے کیونکہ اُنہوں نے دین کے لئے وطن مال۔ رشتہ داروں وغیرہ سب کو چھوڑا۔ دیکھو سورۃ التوبہ رکوع ۱۳

(۴) فاصلہ کی رعایت کے لئے بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے آیت ذیل میں ہے (الف) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاصلہ کی غرض سے ہارون کو پہلے رکھا گیا ہے۔ سورہ طٰہٰ رکوع ۳ (ب) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا میں قمر کو صرف فاصلہ کی وجہ سے شمس پر مقدم کیا گیا۔ سورۃ نوح رکوع ا (ج) یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی میں سرّ کو اخفیٰ سے فاصلہ کے لئے مقدم رکھا ہے ورنہ ظاہر ہے اخفیٰ کا علم سِر سے افضل ہوتا ہے (ب) سورہ طٰہٰ رکوع ا +

(۵) سیاق کلام کی وجہ سے بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے (۱) وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ سورۃ الانبیاء رکوع ۶ یہاں مریم کو مقدم رکھا اس واسطے کہ اول ذکر ہی حضرت مریم کا تھا چنانچہ آیۃ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا سے آیۃ شروع تھی ورنہ اُس کو ابن پر فضیلت نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ابن کو مریم پر مقدم رکھا ہے جیسے آیت وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ میں ابن پہلے ہے سورۃ المومنون رکوع ۳ (۲) آیت وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ اس میں حکم کو علم پر مقدم اسواسطے رکھا ہے کہ سیاق کلام میں تھا اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ یعنے حکم ہی کا ذکر تھا۔ سورۃ الانبیاء رکوع ۵ +

(۶) مناسبت لفظی کی وجہ سے بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے (۱) آیۃ اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ میں ہے سورۃ الحدید رکوع ۱ (۲) وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ۔ سورۃ الحجر ۱ (۳) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ۔ سورۃ المدثر رکوع ۲ (۳) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ سورۃ الواقعہ رکوع ۲

(۷) ترغیب اور تاکید کے لئے بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے (۱) آیت مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ۔ وصیت کو دین پر مقدم رکھا گیا حالانکہ دین شرعاً مقدم ہے سورۃ النساء رکوع ۲

(۸) ایجاد یا خلق کے لحاظ سے بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے آیات ذیل میں ہے (۱) وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا میں لیل مقدم ہے کیونکہ رات دن سے پہلے بنائی گئی ہے سورۃ الفرقان رکوع ۶ (۲) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ میں ابراہیم مقدم ہے اسمٰعیل سے اور اسی طرح اسمٰعیل اسحاق سے سورۃ البقر رکوع ۱۶۔ (۳) وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى میں موسیٰ عیسیٰ سے مقدم ہے۔ سورۃ البقر رکوع ۱۶۔ (۴) مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ میں ملائکہ آدمیوں پر مقدم ہیں کیونکہ فرشتے اول پیدا کئے گئے ہیں۔ دیکھو سورۃ الحج رکوع ۱۰ +

(۹) باعتبار انزال کے بھی تقدیم ہوتی ہے (۱) صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى میں صحیفہ ابراہیم پہلے ہے کیونکہ وہ پہلے نازل ہوا۔ سورۃ الاعلیٰ رکوع ۲ (۲) وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ۔ میں توریت انجیل پر مقدم ہے سورۃ آل عمران رکوع ۱ +

(۱۰) باعتبار وجوب کے بھی تقدیم آتی ہے جیسے (۱) فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ میں وُجُوْهَكُمْ کو اَيْدِيَكُمْ پر بوجہ واجب ہونے کے مقدم رکھا گیا ہے۔ سورۂ المائدہ رکوع ۲۔ (۲) اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اول صفا ہی سے ہوکر مروہ میں جانا پڑتا ہے۔ سورۂ البقر رکوع ۱۹+

(۱۱) باعتبار ذات کے بھی تقدیم ہوتی ہے۔ (۱) مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ سورۂ النسار رکوع (۲) مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ سورۂ المجادلہ رکوع ۲ ان میں تقدیم بوجہ ذات کے ہے +

(۱۲) باعتبار سبب کے بھی تقدیم ہوتی ہے (۱) وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ میں عزیز اول ہے بعدازاں حکیم۔ کیونکہ حکم بوجہ عزت کے ہے۔ سورۂ الحشر رکوع ۱ (۲) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ میں علیم اس واسطے مقدم ہے کہ حکم علیم ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سورۂ الممتحنہ رکوع ۲ (۳) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں نَعْبُدُ اس واسطے اول آیا ہے کہ عبادت ہی استعانت کا سبب ہوتی ہے سورہ فاتحہ (۴) يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ میں تَوَّابِيْنَ اس واسطے مقدم آیا ہے کہ توبہ ہی سبب طہارت ہوتی ہے سورۂ البقر رکوع ۲۸ (۵) عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۔ اَفَّاكٍ اس واسطے مقدم ہے کہ افک ہی اثم کا باعث ہوتا ہے۔ سورۂ الشعرار رکوع ۱۱ +

(۱۳) باعتبار کثرت کے تقدیم ہوتی ہے (۱) فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ میں کافر اس واسطے مقدم ہے کہ وہ کافر مومنوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔ سورۂ التغابن رکوع ۱ +

(۱۴) باعتبار ترقی کے تقدیم ہوتی ہے جیسے آیت اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا میں اَرْجُلٌ اَيْدٍ سے اس واسطے مقدم ہے کہ ادنٰے سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے سورۂ الاعراف رکوع ۲۴ +

(۱۵) اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف پھیرنے کے اعتبار سے بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے وَلَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ سورۃ البقر رکوع ۳۳ (۲) لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً میں ہے سورہ کہف رکوع ۶ +

(۱۶) باعتبار اظہار نعمت کے بھی تقدیم روا رکھی جاتی ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں ہے + سورۃ فاتحہ

ان تمام حالات بالا سے ظاہر ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تقدیم و تاخیر فرمائی ہے وہاں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت رکھی ہے۔ اور پھر تو خود اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے علم قدیم سے ان میں تقدیم و تاخیر کو روا رکھا ہے لیکن اب کون عالم یا ملا یا صوفی ہے کہ اس حکیم مطلق کی نظم کو اپنی محدود عقل سے تغیر و تبدیل دے سکے اسکی افصح و ابلغ کلام میں ایسی بیجا مداخلت کرنا یہودیوں کی تحریف سے کم نہیں +

بعض عقل کے اندھے آیت وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کو استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں کہ سجدہ اول ہے حالانکہ رکوع پہلے ہوا کرتا ہے اگر ان معترضین کو علم ہوتا کہ شریعت موسوی میں جو نماز مقرر ہے اس میں سجدہ نہیں ہوتا تو کبھی بھی اعتراض نہ کرتے۔ ان کے ہاں سجدہ الگ عبادت ہے جسکو ان کی نماز سے تعلق ہی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو دو باتوں کا حکم دیا ہے کہ تم سجدہ بھی کرو۔ اور نمازیوں کے ساتھ نماز بھی پڑھ لیا کرو۔ جیسے کوئی کہے کہ میاں نماز اور نوافل پڑھ لیا کرو جس سے مراد ہے کہ نماز فریضہ بھی ادا کیا کرو اور نوافل کی نماز بھی حالانکہ نوافل خود نماز ہے مگر کون نہیں جانتا کہ نماز فریضہ اور ہے اور نماز نوافل اور یہی بات آیۃ متذکرہ بالا میں ہے فَتَدَبَّرُوْا یَا اُولِی الْاَلْبَابِ +

آٹھویں فصل

اس باب میں کہ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ کے کیا معنی ہیں

آیت بالا کی نسبت جہاں تک تفسیروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ علماء پر اس آیت کی اصل حقیقت منکشف نہیں ہوئی۔ اور اسی واسطے انہوں نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جتنا ان بزرگوں نے اس کو صاف کرنا چاہا ہے ویسا ہی اختلاف بڑھتا چلا گیا ہے۔ اوّل ہم ذیل میں ان کے معانی کا خلاصہ اپنی زبان میں بیان کر دیتے ہیں اور پھر ہم دکھلائینگے کہ اس کے حقیقی معنے کیا ہیں +

واضح ہو کہ جس قدر علمائے نے اِس آیت پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش کی ہے۔اور اپنی قلم کے گھوڑے کو اس کے معانی کے میدان میں دوڑایا ہے۔اُن کی انتہائی دوڑ کی حد یہاں تک پہنچی ہے جو ذیل میں دکھلائی جاتی ہے اور جس سے آگے وہ کچھ نہیں دکھلاسکے

(۱) ایک گروہ یہ معنے کرتا ہے کہ ہر ایک اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے +

(۲) ایک دوسرا گروہ ہے جو یہ معنے کرتا ہے کہ ہر اہلِ کتاب مسیح کی موت سے پہلے ایمان لاکر مرتا ہے +

(۳) تیسرا گروہ یوں کہتا ہے۔کہ جب حضرت مسیح آخری زمانہ میں نازل ہونگے۔اور اُس وقت جس قدر اہلِ کتاب روئے زمین پر ہونگے۔وہ سب مسیح کی وفات سے پہلے ایمان لائینگے +

(۴) بعض یہ معنے کرتے ہیں کہ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے

(۵) بعض یہ معنے کرتے ہیں کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے +

(۶) اور بعض وہ لوگ ہیں جو یہ معنے بھی کرتے ہیں کہ جب کسی انسان کو اچانک درندہ پھاڑ کر کھا جاتا ہے۔یا چھت پر سے گر کر مر جاتا ہے۔یا آگ میں جل کر مر جاتا ہے۔تو اُس کی روح نہیں نکلتی جب تک وہ مسیح پر ایمان نہیں لاتا +

یہ چھ قسم کے معانی علماء متقدمین و متاخرین نے کئے ہیں اور یہی معانی میری نظر سے گذرے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علما و مفسرین کو یقینی معنے معلوم ہوتے۔تو وہ کیونکر اس قدر چکر کھاتے اور کیوں دُور از قیاس آراء ظاہر کرتے جب ہم غور سے ان معانی پر نظر کرتے ہیں تو سیاقِ کلام اور نیز مشاہدہ کے خلاف پاتے ہیں۔چنانچہ جو لوگ کہ کہتے ہیں کہ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان لاتا ہے۔یہ مشاہدہ کے رو سے سراسر غلط ہے۔کیونکہ کوئی یہودی اپنی موت سے پہلے یا موت کے وقت مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتے ہوئے نہیں سُنا گیا میں نے خود یہودیوں سے بمقام کراچی دریافت کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔پھر ہم تفسیر کبیر میں صفحہ ۵۰۴ دیکھتے ہیں کہ علامہ فخر الدین

رازی فرماتے ہیں۔ اِنَّا نَرَی اَکْثَرَ الْیَھُوْدِ یَمُوْتُوْنَ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِعِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یعنے
ہم اکثر یہودیوں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن وہ مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے۔
پھر آگے چلکر وہ حجاج کا قول نقل کرتے ہیں جس میں لکھا ہے رُوِیَ عَنْ شَھْرِ بْنِ حَوْشَبٍ
قَالَ قَالَ الْحَجَّاجُ اِنِّیْ مَا قَرَأْتُھَا اِلَّا وَفِیْ نَفْسِیْ مِنْھَا شَیْئٌ یَعْنِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ فَاِنِّیْ
اَضْرِبُ عُنُقَ الْیَھُوْدِیِّ وَلَا اَسْمَعُ مِنْہُ ذٰلِکَ۔ یعنے شہر بن حوشب سے روایت بیان
کرتے ہیں کہ حجاج نے کہا تھا کہ جب کبھی میں اس آیت کو پڑھتا تو ہمیشہ میرے دل میں ایک
خلجان سا رہتا۔ کیونکہ جب میں یہودی کی گردن مارتا ہوں تو میں اُس سے کوئی اس کی تصدیق
نہیں پاتا۔ علاوہ ان کے مجھے آجتک ایسا کوئی مولوی یا کوئی اور آدمی نہیں ملا جس نے
چشم دید گواہی دی ہو کہ اُس نے کسی یہودی کو عیسےٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے دیکھا یا سُنا
ہے۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دُنیا میں ایک بھی آدمی نہیں جو اس امر کی تصدیق
کرے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ روزمرہ کا مشاہدہ تفسیر بالا کی سخت تکذیب کرتا ہے۔ ایسی
حالت میں یہ معنے کیونکر قبول ہوسکتے ہیں ورنہ قرآن شریف کی تکذیب لازم آئیگی۔
رہے دوسرے معنے کہ ہر اہل کتاب مسیح علیہ السلام کی موت سے پہلے مسیح پر ایمان لاتا ہے
سو اس کی نسبت واضح ہو کہ یہ معنے بھی سراسر لغو اور بیہودہ ہیں۔ کیونکہ جو لوگ اس بات کے
قائل ہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام تاحال زندہ ہیں۔ تو اُن کو ثابت کرنا چاہیئے کہ آج سے لیکر ۱۹سو
برس اوپر تک یعنے اُس تاریخ تک کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے
کل یہودی اپنی موت سے پہلے اُن پر ایمان لاتے رہے ہوں۔ اور ایک یہودی بھی اُن
پر ایمان لانے سے باہر نہیں رہا ہو کوئی اس امر کا ثبوت ہرگز نہیں دیسکتا۔ تو پھر ایسے
معنے کرنا سوائے قرآن کریم کے جھٹلانے کے اور کیا متصور ہوسکتا ہے۔ رہے یہ معنی
کہ ہر اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر مرتا ہے اول تو یہ بات بھی تصدیق طلب ہے اور اگر
مان بھی لیں تو اس میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں وہ اگر ایمان لائے اور ضرور لائے ہونگے
تو ایسا ایمان بھی اُن کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ جب وہ وقت کے نبی پر ایمان نہیں
لاتے رہے اور یہ معنے بھی سیاق کلام کے خلاف ہیں۔ ایسا ہی یہ معنی کہ ہر اہل کتاب
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے۔ ثبوت طلب ہیں۔ یہ معنی بھی ایسے

ہی دور از قیاس ہیں۔ جیسے پہلے نمبر میں دکھلائے گئے ہیں۔ کیونکہ کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کہ ہر یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت سے پہلے ایمان لا کر مرتا ہے۔ رہے یہ معنے کہ نزول کے بعد جس قدر اہلِ کتاب ہونگے۔ وہ سب کے سب مسیح پر ایمان لائینگے سو وہ بوجوہات ذیل درست نہیں +

(اوّل) آیت وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے خلاف ہے۔ یعنے تیرے تابعین کو کفار پر قیامت کے دن تک غالب رکھونگا۔ آلِ عمران رکوع ۶۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام اہلِ یہود ایک مذہب پر نہیں رہ سکتے +

(دوم) آیت فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے خلاف ہے۔ یعنے ہم نے عیسائیوں اور یہودیوں میں قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ سورۃ المائدہ رکوع ۳۔ بدستور وہی مضمون ہی جو آیت اوّل میں ہے۔ چنانچہ اس آیت کے متعلق تفسیر ابن جریر میں یوں لکھا ہے دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۷۰ +

یعنے تعالیٰ ذکرہٗ بقولہٖ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ بَيْنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى +	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہودیوں اور نصاریٰ کے درمیان عداوت اور بغض تا قیامت ڈال دیا ہے +
حَدَّثَنِي الْمُثَنّٰى قَالَ ثَنَا اَبُوْ حُذَيْفَةَ قَالَ ثَنَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى	مثنیٰ نے میرے پاس روایت کی کہ حذیفہ نے اُن کے پاس اور شبل نے اُن کے پاس اور اُن کے پاس ابن ابی نجیح نے اور اُنکے پاس مجاہد نے کہ آیۃ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ میں یہود اور نصاریٰ مراد ہیں +

(سوم) آیت وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ہم نے ان میں قیامت تک دشمنی اور کینہ قائم کر دیا ہے۔ سورۃ المائدہ رکوع ۹ +

(چہارم) آیت وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ کے خلاف ہے دیکھو سورۃ المائدہ رکوع ۷ +

اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو تم سب کو ایک ہی امت بناتا و لیکن خدا تعالیٰ نے ایک امت

اسواسطے نہیں بنائی تاکہ تمہارا امتحان لے کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اُس میں کہاں تک عملدرآمد اور اطاعت کرتے ہیں۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا ہی نہیں کہ کبھی بھی لوگ ایک مذہب پر ہوجائیں پھر کیونکر تسلیم کرلیا جائے کہ آیت زیر بحث کے یہ معنے ہیں کہ مسیح کے نزول کے وقت جس قدر اہل کتاب ہونگے وہ سب کے سب ایمان لائینگے۔ اگر ایسا مان لیں تو قرآن کریم کی اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے +

اب ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں تاقیامت عداوت رہیگی سب کے سب کیونکر ایمان لاسکتے ہیں۔ اگر وہ لوگ سب کے سب ایمان لائیں تو یہ آیات غلط ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا وہ معنے جو علماء کرتے ہیں غلط ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بطلان کو جگہ نہیں ہوسکتی۔ بہرحال علماء کی غلطی ہے۔ کہ وہ دوراز قیاس معنے کرتے ہیں +

جس قدر ان آیات کی تاویلیں کی گئی ہیں۔ اصلی معنوں پر واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے کی گئی ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں عقل اور فطرت اللہ کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے خیالات عام جہلا میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ملک کے عام جہلا میں ہندوؤں اور عام کفار کی نسبت یہ خیال ہے کہ جب کوئی ہندو مرنے لگتا ہے تو فرشتے اُس کو آنکر دُکھ دیتے اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں اور جب تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ زبان پر نہیں لاتا تو فرشتے برابر اُس کو مارتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو پھر اُس کی روح پرواز کرتی ہے۔ لیکن آجتک کوئی مسلمان مجھے ایسا نہیں ملا جس نے کسی ہندو کو مرتے ہوئے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے دیکھا ہو۔ خود ہندو ہمارے ہمسایہ میں رہتے ہیں۔ اور کئی ایک ہندوؤں کو میں نے بچشم خود مرتے ہوئے بھی دیکھا ہے لیکن ~~مجھے~~ کبھی بھی ایک ہندو ایسا ثابت نہیں ہوا۔ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اظہار اپنی زبان سے کیا ہو۔ یا یہ کہ مرتے ہوئے کسی مسلمان کو اپنے پاس طلب کیا ہو۔ یا کسی ہندو نے اپنے کسی بزرگ کو کلمہ پڑھتے ہوئے سُنکر آئندہ مسلمانوں کے پاس جاکر ایمان کا اقرار کیا ہو کہ چونکہ ہمارے فلاں بزرگ نے مرتے ہوئے اس پاک کلمہ کو جو مسلمان پڑھا کرتے ہیں۔ پڑھا تھا جس کی وجہ سے نزع کے کرب اور قلق سے اُسکو نجات مل گئی تھی۔ یا یہ کہ اُس نے وصیت کی ہو کہ مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے مجھ پر ایسے

ایسے دکھ وارد ہوئے ہیں۔ تم اسلام پر ایمان لائیو۔ ورنہ تم بھی سخت عذاب میں گرفتار ہوگے لیکن ہم نے کبھی بھی ایسا کوئی مشاہدہ نہیں کیا۔ یہ سب باتیں لغو اور بیہودہ ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں +

اب ہم متذکرہ بالا بیان کی تائید میں چند تفاسیر کے حوالہ ذیل میں دینے ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ سمجھیں کہ ایسے معنے ہماری کسی کتاب میں نہیں ہیں یہ تم نے خود کر لیے ہیں۔ اور پھر خود ناظرین اُن اختلافات کو دیکھ کر نتیجہ صحیحہ پر پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر علماء کو اس آیت کے کسی ایک معنے پر وثوق ہوتا تو پھر کیوں اسقدر اختلاف کرتے۔ دیکھو تفاسیر ذیل +

(۱) تفسیر ابن جریر طبری جلد ۶ صفحہ ۱۲ زیر آیۃ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ یوں لکھا ہے +

قَالَ حَدَّثَنِي الْمُثَنّٰى قَالَ ثَنَا اِسْحٰقُ قَالَ ثَنَا يَعْلٰى عَنْ جُوَيْبِرٍ فِي قَوْلِهٖ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ قَالَ فِي قِرَاءَةِ اُبَيٍّ قَبْلَ مَوْتِهِمْ وَقَالَ آخَرُوْنَ يَعْنِيْ ذٰلِكَ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِ الْكِتَابِيِّ +

ابن جریر کہتا ہے کہ میرے ہاں مثنٰے نے اُن کے پاس اسحٰق نے اُن کے پاس یعلٰی نے جویبر سے روایت کی ہے کہ لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کے متعلق اُس نے بیان کیا کہ ابی کی قراۃ میں قَبْلَ مَوْتِهِمْ ہے اور دوسرے کہتے ہیں کہ کوئی بھی اہل کتاب نہیں جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے ایمان نہ لاوے +

(۲) تفسیر کشاف جلد اول صفحہ ۳۳۵۔ زیر آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ یوں لکھا ہے +

(۱) وَيَدُلُّ عَلَيْهِ قِرَاءَةُ اُبَيٍّ اِلَّا لَيُؤْمِنُنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ بِضَمِّ النُّوْنِ عَلٰى مَعْنٰى وَاِنْ مِّنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا لَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ اور معنے یہ ہیں کہ اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے اُس (یعنے مسیح) پر ایمان نہ لائیگا +

(۲) پھر صفحہ ۳۳۶ پر ہے وَقِيْلَ الضَّمِيْرُ فِيْ بِهٖ يَرْجِعُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ضمیر بہ اللہ تعالٰی کی طرف راجع ہے +

(۳) وَقِيْلَ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ یعنے یہ بھی کہتے ہیں کہ ضمیر محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے +

(۳) تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے +

(۱) وَرُوِیَ عَنْ عِکْرَمَۃَ اَنَّ الْھَاءَ فِیْ قَوْلِہٖ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ کِنَایَۃٌ عَنْ مُحَمَّدٍ صَلْعَمْ یَقُوْلُ لَایَمُوْتُ کِتَابِیٌّ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِمُحَمَّدٍ صَلْعَمْ یعنے عکرمہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ میں ضمیر ہا سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔ بدیں قول کہ اہل کتاب جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے نہیں مرتا +

(۳) وَقِیْلَ رَاجِعَۃٌ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِاللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ قَبْلَ مَوْتِہٖ عِنْدَ الْمُعَایَنَۃِ حِیْنَ لَا یَنْفَعُہٗ اِیْمَانُہٗ یعنے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ضمیر مذکور اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے۔ بدیں معنے کہ کوئی بھی اہل کتاب نہیں مگر وہ اللہ عزوجل پر اپنی موت سے پہلے خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ایمان لائیگا۔ لیکن اُس وقت اُس کا ایمان اُس کو کچھ مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ فرعون نے بھی اظہار ایمان کیا تھا اُسکو کیا فائدہ ہوا +

(۴) تفسیر روح المعانی جلد اول صفحہ ۲۱۳ - زیر آیت مذکورہ بالا یوں لکھا ہے۔ قِیْلَ الضَّمِیْرُ الْاَوَّلُ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَیْضًا اَنَّہٗ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یعنے پہلی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے +

(۵) تفسیر ابو سعود جلد ۳ صفحہ ۱۴۹ میں یوں لکھا ہے +

(وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ) اَیْ مِنَ الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی (اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ) جُمْلَۃٌ قَسَمِیَّۃٌ وَقَعَتْ صِفَۃً مَوْصُوْفٍ مَحْذُوْفٍ اِلَیْہِ یَرْجِعُ الضَّمِیْرُ الثَّانِیْ وَالْاَوَّلُ لِعِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اَیْ وَمَا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اَحَدٌ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِعِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ قَبْلَ اَنْ تَزْھَقَ رُوْحُہٗ بِاَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ اِنَّہٗ قُرِئَ	یہود اور نصاریٰ اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان لائینگے۔ یہاں ضمیر دوسری یعنے قبل موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف ہے۔ اور پہلی ضمیر یعنے بہ کی ضمیر عیسےٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب اہل کتاب کی روح نکلتی ہے تو اس سے پہلے وہ ایمان لاتا ہے۔ اور قبل موتہم بھی قراءت آئی ہے اور ابن عباس بھی اسی طرح جمع کی ضمیر بیان کرتے

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ بِضَمِّ النُّوْنِ لِاَنَّ اَحَدًا فِیْ مَعْنَی الْجَمْعِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّہٗ فَسَّرَہٗ کَذٰلِکَ وَعَنْ شَھْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ لِیَ الْحَجَّاجُ اٰیَۃٌ مَا قَرَأْتُھَا اِلَّا تَخَالَجَ فِیْ نَفْسِیْ شَیْءٌ مِنْھَا یَعْنِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَقَالَ اِنِّیْ اُوْتِیْ بِالْاَسِیْرِ مِنَ الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی فَاَضْرِبُ عُنُقَہٗ فَلَا اَسْمَعُ مِنْہُ ذٰلِکَ فَقُلْتُ اِنَّ الْیَھُوْدَ اِذَا حَضَرَہُ الْمَوْتُ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ دُبُرَہٗ وَوَجْھَہٗ وَقَالُوْا یَا عَدُوَّ اللّٰہِ اَتَاکَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ نَبِیًّا فَکَذَّبْتَ بِہٖ فَیَقُوْلُ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ عَبْدٌ نَبِیٌّ وَتَقُوْلُ لِلنَّصْرَانِیِّ اَتَاکَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ نَبِیًّا فَزَعَمْتَ اَنَّہُ اللّٰہُ اَوِ ابْنُ اللّٰہِ فَیُؤْمِنُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ حَیْثُ لَا یَنْفَعُہٗ اِیْمَانُہٗ - وَقِیْلَ کِلَا الضَّمِیْرَیْنِ لِعِیْسٰی وَالْمَعْنٰی وَمَا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ الْمَوْجُوْدِیْنَ عِنْدَ نُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اَحَدٌ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ +

ہیں۔ اور شہر بن حوشب سے روایت ہے کہ مجھے حجاج نے کہا کہ جب میں نے اس آیت کو پڑھا تو مجھے ہمیشہ اس کے بارہ میں خلجان رہا۔ کیونکہ جب میرے پاس یہود اور نصاریٰ کے قیدی لائے جاتے ہیں۔ اور میں اُن کی گردن مارتا ہوں۔ تو میں اُن سے ایسا کہتے ہوئے نہیں سنتا۔ تو میں نے کہا کہ جب یہودی کو موت حاضر ہوتی ہے۔ تو فرشتے اُس کی پیٹھ اور منہ پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کے دشمن تیرے پاس عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آیا۔ اور تو نے اُس کی تکذیب کی۔ تو اُس وقت وہ کہتا ہے۔ کہ میں ایمان لایا۔ کہ وہ بندہ اور نبی ہے۔ اور نصرانی کو کہتا ہو کہ تیرے پاس عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آیا۔ لیکن تو نے گمان کیا کہ وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا ہے۔ اس پر وہ کہتا ہے کہ میں ایمان لایا کہ وہ اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ مگر اُس وقت اُس کا ایمان کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔ اور معنے یہ ہیں۔ جس قدر اہل کتاب اُس کے نزول کے وقت موجود ہونگے تو وہ سب اُس کے مرنے سے پہلے ایمان لائینگے +

یہ عبارت ہے جو ابو سعود میں لکھی ہے اس کے قریب قریب تفسیر کبیر اور دیگر اکثر تفاسیر میں ہے۔ لہٰذا ہم اسی پر اکتفا کر کے دیگر تفاسیر کا حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس تمام بیان سے صاف ظاہر ہے کہ مفسرین ضمیروں کو تحقیق سے نہیں کہہ سکتے کہ کدھر راجع ہیں۔ جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ ہر ایک اہل کتاب کو مسیح پر ایمان لانا ضروری ہے۔ تو جو یہود ۱۹ اسو برس

سے برابر مرتے چلے آئے ہیں۔ وہ کیونکر ایمان لائینگے۔ کیونکہ آیت میں کوئی تحدید نہیں کہ فلاں زمانہ کے لوگ ایمان دار ہونگے۔ اس آیت میں گذشتہ اور حال اور آئندہ زمانہ کے اہل کتاب شامل ہیں۔ پھر وہ کونسی وجہ قوی ہے۔ جس سے سمجھا جائے کہ صرف ایک ہی زمانہ کے لوگ ایمان لائینگے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے ان علماء نے بلا تحقیق اس آیت میں قدم رکھا ہے اور جیسے اندھا کسی چیز کو تلاش کرتا ہے۔ تو وہ جا بجا ٹٹولتا پھرتا ہے ایسا ہی انکا حال ہے +

لام تاکید اور نون ثقیلہ کی بحث متعلق آیۃ لیؤمنن بہ قبل موتہ

آیت متذکرہ بالا میں بعض علماء نے صرف آئندہ کے زمانہ تک اس کے معنے محدود کئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ علم نحو وغیرہ میں آیا ہے کہ جہاں نون ثقیلہ آئے وہاں قطعی طور سے ہمیشہ فعل مستقبل کے معنے آتے ہیں چونکہ لیؤمنن میں لام تاکید و نون ثقیلہ آئے ہیں۔ اس لئے اس کے یہی معنے ہوئے کہ آخری زمانہ میں لوگ ضرور مسیح پر ایمان لائینگے لیکن جب قرآن شریف پر غور کرتے ہیں تو ان کے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی بلکہ برخلاف اس کے تینوں زمانے یعنے ماضی اور حال اور مستقبل کے لئے بھی وہ آتے ہیں۔ چنانچہ ہم بطور نمونہ چند آیات پیش کرتے ہیں۔ جن سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ آیات بیان کی جائیں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ علم نحو وغیرہ کے رو سے اس پر کچھ بحث کی جائے۔ سو واضح ہو کہ نحویوں وغیرہ نے یہ قرار دیا ہے کہ جس صیغہ کے ساتھ لام تاکید آئے۔ وہاں فعل مضارع حال کے معنے دیتا ہے۔ اور نون ثقیلہ صرف استقبال کے لئے آتا ہے۔ لیکن جہاں لام تاکید اور نون ثقیلہ دونوں آئیں تو وہاں یہ لازمی نہیں کہ فعل مستقبل کے معنے دے۔ چنانچہ حضرت مولینا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی الحق جلد ۱ نمبر ۸ کے صفحہ ۱۲۳ میں فرماتے ہیں کہ قسم کے جواب کے واسطے صرف استقبال کا ہونا کچھ واجب اور لازم نہیں ہے بلکہ جواب قسم کبھی ماضی ہوتا ہے کبھی حال کبھی استقبال کبھی استمرار اور دوام تجددی۔ اور اگر قسم کا جواب صیغہ مستقبل موکد بلام تاکید و نون تاکید ہو تو علم نحو وغیرہ میں دوام تجددی یا حال یا استقبال دونوں ہونے میں کوئی امتناع نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ استمراری طور سے ماضی کے معنے بھی ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ

کی طرح مراد لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم ذیل میں نمبروار چند آیات بطور نظیر پیش کرتے ہیں +

الف ۔ اول مثال فعل حال فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پارہ ۲ رکوع ۱ جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ ہم تیرا منہہ اُس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں ۔ جو تیرا پسندیدہ ہے ۔ لہذا مسجد حرام کی طرف رُخ کرلے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بمجرد نازل ہونے آیت ہذا کے عین نماز میں منہہ پھیرلیا گیا ۔ اور کوئی توقف درمیان میں نہیں ہونے پایا +

مثال دوم ۔ وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ پارہ ۱۶ ۔ رکوع ۱۴ ۔ یعنے اپنے معبود کی طرف دیکھ جسپر تو مُعتکف تھا کہ اب اس کو جلاتے ہیں ۔ اس جگہ بھی استقبال مراد نہیں کیونکہ استقبال اور حال میں کسی قدر زمانہ کا بعد ہونا ضروری ہے مثلاً اگر ایک آدمی کسی کو کہے کہ میں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں ۔ اس سے یہہ نہیں ثابت ہوتا کہ اس کا وعدہ زمانہ مستقبل کے لئے ہے بلکہ حال ہی کے زمانہ میں وعدہ اور ایفائے وعدہ

ب ۔ مثال اول ماضی حال و استقبال ۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کیا کرتے ہیں ۔ ہم اُن کو اپنی راہ دکھلا دیتے ہیں ۔ دیکھو پارہ ۲۱ رکوع ۱۳ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اس جگہ مجرد استقبال مراد لیا جاوے تو اس سے معنے فاسد ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ کہنا پڑیگا کہ یہ وعدہ صرف آئندہ کے لئے ہے ۔ اور زمانہ گذشتہ اور زمانہ حال میں جو مجاہدہ کرتے رہے ہیں ۔ وہ خدا تعالیٰ کی راہوں سے بے نصیب ہیں ۔ لہذا ضرور ماننا پڑیگا کہ اس میں تینوں زمانوں کا ذکر ہے +

مثال دوم ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ یعنے خدا تعالیٰ مقرر کر چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہمیشہ غالب ہوتے رہا کرینگے ۔ یہ آیت بھی آیت سابق کی طرح ازمنہ ثلاثہ پر مشتمل ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہمیشہ غالب ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہینگے + سورۃ

مثال سوم ۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ یعنے جو شخص عمل صالح بجالایا کرتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو مگر مومن ہو ہم اُس کو پاک زندگی کے ساتھ زندہ رکھا کرتے ہیں ۔ اور اُس کے عمل سے بہتر جزا دیا کرتے ہیں ۔ دیکھو قرآن شریف پارہ ۱۴ سورۃ النحل رکوع ۱۳ ۔ اس آیت میں بھی تینوں زمانہ پائے جاتے ہیں ۔ ورنہ لازم آئیگا کہ زمانہ گذشتہ اور زمانہ حال میں جو عمل

صالح بجالاتے تھے۔اُن کو اللہ تعالیٰ اجر سے ہمیشہ محروم کرتا رہا۔اور صرف زمانہ آئندہ میں جو لوگ عمل کرینگے۔اُن کو اجر بلا کریگا +

مثال چہارم۔ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ یعنے وہ جو خدا تعالیٰ کی مدد کیا کرتا ہے۔خدا تعالیٰ اُس کی مدد کیا کرتا ہے۔قرآن شریف پارہ ۱۷ رکوع ۱۳۔اس میں بھی آیات ماسبق کی طرح لام تاکید اور نون تاکید آئے ہیں۔کیا اس میں بھی زمانہ آئندہ ہی کے معنے لئے جائینگے۔اور زمانہ گذشتہ اور زمانہ حال کو شامل نہیں کرینگے۔کیا کوئی مسلمان مان سکتا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والے صرف زمانہ مستقبل میں پیدا ہونگے۔زمانہ ماضی اور حال میں کوئی ناصر لدین اللہ نہیں ہے۔ایسی حالت میں تو تمام انبیاء اور بالخصوص حضرت خاتم النبیین (صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ اجمعین) کی تمام دینی کوشش اکارت سمجھی جائے گی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ لہذا لازمی طور سے ماننا پڑتا ہے کہ اس آیت میں بھی تینوں زمانہ مشتمل ہیں +

پانچویں مثال۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝ یعنے جو لوگ ایمان لاتے اور عمل صالح کرتے ہیں۔ہم اُن کو صالحین میں داخل کر دیا کرتے ہیں۔ دیکھو قرآن شریف پارہ ۲۰ رکوع ۱۳۔اس آیت میں بھی تینوں زمانے ہیں۔ورنہ بڑے بڑے مفاسد لازم آئینگے +

ج۔امثلہ فعل حال واستقبال +

(۱) وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ یعنے ہم تم کو کچھ تو خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں اور ثمرات میں نقصان وارد کرنے سے آزماتے ہیں یا آزماوینگے۔اس میں دونوں زمانہ پائے جاتے ہیں۔بلکہ تینوں زمانہ بھی آسکتے ہیں۔کیونکہ ہر زمانہ کے مومنوں کی اس قسم کے واقعات سے آزمایش ہوتی رہی ہے +

مثال دوم۔ لَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ط یعنے تو اُن کو اس امر پر نہایت ہی حریص پاتا ہے کہ لمبی زندگی ہو۔اس میں بھی دونوں زمانہ حال واستقبال شامل ہیں۔کیونکہ یہ لازم نہیں آتا کہ اب تو تو اِن کو حیاتی کے لئے احرص پائے۔اور آئندہ نہیں پائیگا +

ہم اسی قدر امثلہ پر اکتفا کر کے عرض کرتے ہیں کہ آیات بالا سے بخوبی ہویدا ہے کہ یہ امر لازمی نہیں ہے کہ جہاں لام تاکید اور نون ثقیلہ آئے۔بجز استقبال اور کوئی معنے متصور نہیں

ہونگے۔ کیونکہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ لام تاکید اور نون ثقیلہ تینوں زمانوں کے لئے بھی آتے ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ کوئی شخص اس آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ پر اس وجہ سے زور دے کہ اس میں لام تاکید اور نون ثقیلہ آئے ہیں۔ اس واسطے اس کا وقوعہ زمانہ آئندہ کے لئے ہے۔ اور اسی بنا پر کہیں کہ ضرور حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر آئندہ زمانہ میں لوگ ایمان لائینگے۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ صرف استقبال کے لئے نہیں۔ بلکہ زمانہ ماضی وحال کے لئے بھی لام تاکید اور نون ثقیلہ آتے ہیں۔ لہذا ایسی بات پر جو محتمل بہ چند زمانہ ہو یک طرفہ رائے قایم کرلینا تحکم اور خلافِ دانشمندی ہے +

اور بالفرض اگر ہم اس آیت میں یہ بھی مان لیں کہ ضرور یہاں پر فعل مستقبل کے معنے لگتے ہیں تو بھی کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اس آیت کے معنے اس صورت میں بھی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہر اہل کتاب مسیح پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائیگا۔ اور ضمیر ثانی اسواسطے اہل کتاب کی طرف راجع ہے کہ اس آیت میں قرآن شریف کی ایک دوسری قرأت آئی ہے۔ یعنے قَبۡلَ مَوۡتِهِمۡ اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ بہت سی تفاسیر میں یہ عبارت آئی ہو مَا مِنَ الۡيَهُوۡدِ وَالنَّصَارٰى اَحَدٌ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِاَنَّ عِيۡسٰى عَبۡدُ اللّٰهِ وَرَسُوۡلُهٗ قَبۡلَ اَنۡ يَّمُوۡتَ وَيُؤَيِّدُ ذٰلِكَ اِنۡ قُرِئَ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهِمۡ۔ یعنے یہود اور نصاریٰ میں سے ایسا کوئی نہیں جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ پر ایمان لائے اور قَبۡلَ مَوۡتِهِمۡ کی قرأت انہیں معنوں کی موید ہے۔ الغرض بیانِ مذکورہ بالا کی تائید میں حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ اور علی بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم متفق ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ بالا میں ضمیر اول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ اور ضمیر ثانی اہل کتاب کی طرف۔ اور قرآن شریف کی قرأت قَبۡلَ مَوۡتِهِمۡ بھی اسی کی مصدق ہے۔ اور بہت سے مفسرین ومحدثین نے بھی اس کی تصدیق کی ہو۔ تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ضمیر ثانی مسیح ہی پر تھوپی جائے۔ انصاف کو کام میں لانا چاہیے +

اگر بفرض محال ان امور متذکرہ بالا کو نظر انداز کر کے وہی معانی لے لئے جائیں جو بعض علماء کرنا چاہتے ہیں تو بھی مسیح کی حیات تو کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتی جیسے کہ ہم اوپر ظاہر کر آئے

ہیں۔ بلکہ بوجوہات چند در چند ثابت کر چکے ہیں کہ وہ سب تاویلیں اُن علماء کی فاسد اور دور از قیاس ہیں +

اصلی اور حقیقی معنے آیۃ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ کیا ہیں

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ جب تفاسیر کی متعدد توجیہات کو مردود ٹھہرایا جاتا ہے۔ تو پھر اس کے اصلی اور حقیقی معنے کیا ہو سکتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ اس کے اصلی معنے تب کھل سکتے ہیں جب آیت متذکرہ بالا کے ساتھ اس کے ماقبل کی آیات کو ملا لیا جائے تاکہ سیاق کلام سے مفہوم کلی بوضاحت تام منکشف ہو جائے۔ لہذا ہم اول اُن آیات کو جہاں سے اس آیت کا تعلق ثابت ہوتا ہے لکھتے ہیں۔ وہو ہٰذا +

وَقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ۚ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا ۝ قرآن شریف پارہ ۶ ۔ سورۃ النساء رکوع ۲۲ +

اس آیت کے تین معنے ہمارے نزدیک ہو سکتے ہیں۔ اور ان تینوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات طبعی ثابت ہوتی ہے۔ نہ کوئی موت۔ اول معنے آیت مذکورہ بالا اور یہود کی اس بات کو دیکھو کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسے مسیح کو قتل کر ڈالا جو اللہ کا رسول کہلاتا تھا حالانکہ نہ اُنھوں نے اُسکو قتل کیا اور نہ صلیبی موت سے مارا لیکن یہ بات اُن کے دلوں میں شبہ کے طور پر ہی یقینی نہیں اور جو لوگ اس بات میں اختلاف کرتے ہیں یعنے کہتے ہیں کہ شاید ہی مصلوب ہو گیا ہو وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے پاس کوئی یقینی بات نہیں صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور وہ خوب یقین رکھتے ہیں کہ مسیح قتل نہیں ہوا بلکہ اپنی موت سے مرا۔ اور اللہ تعالیٰ نے راستباز بندوں کی طرح اُس کو اُٹھا لیا۔ کیونکہ

خدا تعالیٰ عزیز ہے۔ وہ اُن لوگوں کو جو اُس کی طرف سے ہوتے ہیں ذلیل نہیں کیا کرتا۔ اور اُس کا فعل حکمت پر مبنی ہے۔ کیونکہ وہ حکیم ہے۔ ایک معنے تو یہ ہیں +

اِن معنوں کی تائید انجیل سے

اور اِن معنوں کی تائید انجیل سے یوں ہوتی ہے کہ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا کہ تیسرے روز مُردوں سے جی اُٹھونگا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۰۔ ورس ۱۹۔ جس پر یہود کو گمان ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسکے حواریوں نے سازش کر کے کوئی ایسی کارروائی کی ہو کہ موت سے اُسکو بچا لیا ہو اور پھر وہ یہہ کہدیں کہ دیکھو وہ تیسرے روز بطور معجزہ کھڑا ہو گیا چنانچہ جب اُن کو وہ قبر میں نہ ملا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ ضرور منصوبہ کیا گیا ہے تو اُس وقت رشوت دینے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انجیل متی باب ۲۸۔ آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے "تب اُنہوں نے بزرگوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر صلاح کی۔ اور اُن پہرے والوں کو بہت روپے دیئے اور کہا کہ تم کہو کہ رات کو جب ہم سوتے تھے۔ اُس کے شاگرد آ کے اُسے چُرا لے گئے" اس تمام واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کے دلوں میں مسیح کے مفقود ہو جانے سے کیا کیا خیال پیدا ہوئے ہونگے۔ اور ضرور یہی خیال پیدا ہوا کہ مسیح زندہ کہیں چلا گیا۔ اور تیسرے روز پھر وہ ظاہر ہو جائیگا اور کہیگا کہ اب دوبارہ زندہ ہو گیا ہوں۔ اور اس طرح وہ اس کو اپنا معجزہ قرار دیکر لوگوں کو قائل کریگا۔ پس اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں میں شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ اور آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کا لفظ یہودیوں کی زبان سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول اللہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ فی الواقع رسول اللہ سمجھتے تو مخالفت ہی کیوں کرتے۔ یہ بات عیسائیوں کے بالمقابل اِن کو چڑھانے اور اِن کو منہہ بنانے کے لئے کہا کرتے تھے کہ وہ اُن کا رسول اللہ تھا جس کو ہم نے سولی پر دیدیا وہ تو توریت کے رو سے لعنتی ہوا ہاں وہ ضرور رسول اللہ ہے لہذا وہ بطور تمسخر ایسا کہا کرتے تھے

دوسرے معنے آیت مذکورہ۔ دوسرے معنے یہ ہیں اور یہودیوں کی بات پر غور کرو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یقیناً مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا جو اللہ کا رسول کہلاتا تھا۔ حال یہ ہے کہ نہ اُنہوں نے اُسکو قتل کیا اور نہ اُسکو صلیب پر مارا مگر یہ بات ضرور ہے کہ وہ کالمقتول اور

دوسرے معنے آیت مذکورہ

کا لمصلوب ہوا۔ اور جو لوگ قتل مسیح علیہ السلام پر اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اس بارہ میں شک میں ہیں۔ اُن کو اس قتل کا یقینی علم نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ یقیناً یقیناً یہودیوں نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے طبعی موت سے مار کر اپنی طرف اُٹھا لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح کے قتل پر ایمان نہ رکھتا ہوگا۔ اور قیامت کے روز مسیح ان پر گواہ ہوگا۔ اس طرح معنے کرنے سے یہ مقصود ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا قول نقل کیا ہے اور وہ قول اُن کا اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ہے۔ وہ یقیناً مسیح کی قتل کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے قتل اور صلیبی موت کی نفی کرتا ہے اب آگے قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل و صلیب کی نفی تو کی۔ لیکن واقعہ کی نفی نہیں کی۔ بلکہ کہا کہ اُنکو دھوکہ لگا ہے۔ کیونکہ کچھ بات قریب قریب ایسی ہوئی ہے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ اضمار کا استعمال کرتا ہے۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ ضمیروں کا مرجع خواہ ضمیر ظاہر ہو یا مستتر عبارت میں ہونا ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ میں جو ضمیر بلفظ فِیْہِ میں آئی ہے وہ کس کیطرف راجع ہے اور اُس کا مرجع کون ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ قتل کے لفظ سے شروع کیا گیا ہے۔ اور قتل ہی کی نفی کی گئی ہے۔ آگے ضمیر مذکورہ کا مرجع بجز واقعہ قتل کے اور کہاں جا سکتا ہے۔ اسی طرح لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ میں بھی ضمیر غائب اُسی طرف جاتی ہے۔ اور پھر مَا لَهُمْ بِهٖ میں جو ضمیر ہے وہ بھی اسی قتل کی طرف راجع ہے۔ اتنے اضمار بولکر اللہ تعالیٰ پھر اسی لفظ یعنے قتل کو دُہراتا ہے۔ کیونکہ بُعد اور دوری واقع ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِیْنًا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ قتل کے معاملہ کو برابر ذکر کرتا چلا آتا ہے پھر بعد کی آیت میں ضمیروں کو بطور سابق استعمال کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ جس میں دو ضمیریں آئی ہیں۔ ایک بِهٖ اور دوسری قَبْلَ مَوْتِهٖ میں یہ تو ظاہر ہے کہ پیچھے برابر قتل کے واقعہ کا ذکر ہوتا چلا آتا ہے۔ تو یہاں ضمیر اوّل بھی واقعہ قتل کی طرف ہے۔ یعنے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہم نے برملا شہادت دیدی کہ نہ تو اہل کتاب نے اس کو قتل کیا۔ اور نہ صلیبی موت سے مارا۔ مگر پھر بھی یہ شوریدہ النفس ایسے لوگ ہیں کہ وہ اسی بات پر ایمان رکھتے چلے جائینگے کہ مسیح مقتول ہوا اور

یہ بات صرف موت سے پہلے پہلے تک ہے۔ جب مر جائینگے تو پھر پتہ لگیگا کہ اصل واقع کیا تھا۔ کیونکہ یہ تو تمام مذاہب میں مسلم امر ہے کہ بعد مرنے کے اِن کو اپنی گذشتہ عمر کے اعمال کا نتیجہ ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ نیک اعمال کا نیک نتیجہ اور بد اعمال کا بد۔ اِن معنوں میں کوئی وقت اور تکلیف نہیں صاف اور سیدھے معنے ہیں۔ اِن معنوں میں ہم نے اپنی طرف سے نہ کوئی تاویل کی ہے اور نہ ہم نے کوئی کمی بیشی کی ہے۔ جو ترتیب قرآنی ہے اُسی کے مطابق صاف صاف معنے کر دیئے ہیں بتاؤ ان معنوں پر کیا جرح ہو سکتی ہے۔ البتہ اس میں وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ قابلِ تشریح ہے۔ اور چونکہ یہ قرآن شریف سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اِس لئے اس کی شہادت سابقہ کتب سے لینی ضروری ہے لہذا ہم الگ فصل میں اس کے متعلق مستقل اور مبسوط بیان کرینگے۔ جس سے معلوم ہو جائیگا کہ اصل واقعہ کیا ہے +

تیسرے معنے آیت مذکورہ بالا۔ تیسرے معنے یہ ہیں اور اہلِ کتاب کی یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ہم نے عیسیٰ مسیح ابن مریم کو جو مدعیِ رسالت تھا قتل کر ڈالا۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ نہ تو اُنہوں نے اُس کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ شبیہ بالمقتول والمصلوب ہوا۔ اور اختلاف کرنے والے لوگوں کو کچھ شک پیدا ہو گیا کہ شاید نہ مرا ہو لیکن یہ بات بھی صرف ظن کی وجہ سے ہے۔ وہ یقینی علم سے نہیں کہتے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہرگز اُن کے ہاتھ سے مقتول نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو لعنت کی موت سے بچا کر تقرب الی اللہ بخشا۔ کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔ اور ضرور ایک وقت آتا ہے کہ ہر اہلِ کتاب خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی خواہ مجوسی ہو یا مسلمان سب کے سب خدا کے اس فیصلہ پر ایمان لائینگے۔ کہ مسیح علیہ السلام نہ قتل ہوا اور نہ مصلوب ہوا۔ بلکہ وہ طبعی موت سے مر کر خدا تعالےٰ کے دیگر انبیا کے ساتھ جا ملا اور عزت کے مقام پر پہنچ گیا۔ یہ کب ہوگا جب آخری زمانہ میں مسیح علیہ السلام بروزی طور سے محمدی مسیح کی صورت میں نزول فرما کر اُسی کے منشا کے مطابق اُس کے قایم مقام ہو کر کارروائی کرے گا اور پھر اُسی بروزی مسیح کی وفات سے پہلے اہلِ کتاب مان لیں گے۔ کہ واقعی مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں مرے تھے +

الفاظ آیات کے رو سے تین ہی معنے ہو سکتے تھے۔ جو ہم نے کر دئے۔ کیونکہ الفاظ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ تین ہی صورتیں

تیسرے معنے آیت مذکورہ بالا

پیش کرتے ہیں۔ ایک تو واقعۂ قتل۔ دوسرے مسیح ابن مریم کا نام۔ تیسرے نفس صلیب و قتل سوا ان تمام ضمیروں کا مرجع انہی کی طرف ہو سکتا تھا۔ انہی کے رو سے معنے کئے گئے اور سب معانی کا مآل ایک ہی ثابت ہوتا ہے کسی صورت میں ایک دوسرے کے مخالف نہیں پڑتے اور طرفہ یہ کہ نہ الفاظِ قرآن اور نہ سیاق و سباقِ کلام اللہ کے خلاف ہیں۔ اور نہ فطرت اللہ اور مشاہدہ کے خلاف۔ پھر کیونکر ان کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اس کے سوا جس قدر معانی کئے جاتے ہیں وہ سب نصِ قرآنی کے خلاف ہیں مشاہدہ اُن کو جھٹلاتا ہی۔ قانونِ قدرت اُن کی تائید نہیں کرتا +

نویں فصل

اس باب میں کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کا نقلی و عقلی ثبوت کیا ہی

یہ امر قابلِ غور ہے کہ کسی امر کا دعوی کر دینا اور اُس کا کوئی کُھلا کُھلا ثبوت اور بیّن دلیل پیش نہ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے تو انسان جو مدِ مقابل ہو کیونکر تسلی پا سکتا ہے۔ اور کیونکر وہ حق کو قبول کر سکتا ہے۔ جب تک اس قسم کے واقعات اُس کے سامنے نہ رکھ دئے جائیں جن سے اُس کو کوئی چون و چرا کی گنجایش نہ رہے۔ سو واضح ہو کہ آیت مذکورہ بالا میں قتل اور صلیب کی نفی کی گئی ہے۔ اور جہانتک ہم غور کرتے ہیں قتل محض کوئی بُری بات نہیں۔ اور نہ اس سے نبی کی شان میں کچھ فرق آسکتا ہے۔ کیا وہ احادیث نہیں پڑھتے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے کہ میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں جب خود فخرِ رسل سرتاج اولین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کی خواہش کرتے ہوئے دُنیا سے رحلت فرما گئے تو پھر کیونکر ہم سمجھ لیں کہ حضرت مسیح کے لئے قتل کے الفاظ بولنے ہتک میں داخل ہیں کیا قرآن میں وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ نہیں پڑھتے

کیا یحییٰ حضرت مسیح کے زمانہ میں قتل نہیں کیا گیا۔ اگر قتل کوئی عیب کی بات ہے تو کیوں حضرت یحییٰ کو آسمان پر زندہ نہ اُٹھا لیا گیا۔ کیا مسیح کے لئے خدا تعالیٰ کو غیرت آئی۔ اور حضرت یحییٰ کے لئے نہ آئی فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

اب ہم آیت زیر بحث پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نفی قتل و صلیب کے بعد وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کا جملہ آیا ہے۔ جس نے مخالفین کو ایک وہم اور تردد میں ضرور ڈال دیا ہے۔ کیونکہ حرف لکن استدراک کے لئے آتا ہے۔ جو ماسبق مضمون کی تصدیق کرتا ہے یعنے یہ سچ نہیں ہے کہ وہ قتل ہوا اور صلیب پر مرا لیکن اُن کی مثل کوئی واقعہ ہوا جس میں ایک طرح نفی بھی ہے اور ساتھ ہی اثبات بھی ہے۔ سو اس گتھی کے کھولنے کے لئے اس امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب یعنے یہود اور نصاریٰ میں پیش آیا۔ اور چونکہ مدت سے یہودیوں اور عیسائیوں میں باہم اس بات کا تنازعہ چلا آتا تھا جس کی حقیقت یہ ہے کہ یہودی محض شرارت اور ضد سے کہتے تھے کہ ہم نے مسیح کو جو رسالت کا مدعی تھا صلیب پر چڑھا کر قتل کر ڈالا اور وہ اس قتل صلیب سے ایک بھاری فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ اور وہ کیا کہ بموجب توریت کتاب استثناء باب ۲۱۔ ورس ۲۳۔ وہ ملعون ہے وہ نبی تو نبی ایک معمولی مومن بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو لوگ مسیح پر ایمان لا چکے تھے۔ اُن کو یہ بات شاق گذرتی تھی۔ اُن کو مدتوں تک یہ مصیبت برداشت کرنی پڑی۔ اور وہ خود تو اس امر کا کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ جب واقعہ صلیب پیش آیا اُس وقت تمام معتقد بن حتی کہ حواری بھی مسیح علیہ السلام سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ اور سب کو اپنی اپنی جان کی فکر پڑ گئی تھی۔ چنانچہ یہوداہ اسکریوطی نے ذلیل سی رقم یعنے تیس روپیہ رشوت لیکر مسیح علیہ السلام کو پکڑوا دیا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶۔ آیت ۱۴ لغایت ۱۶ میں ہے۔ "تب اُن بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوطی تھا سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ میں اُسے تمہیں پکڑوا دوں تو مجھے کیا دو گے۔ تب اُنھوں نے اُسے تیس روپے کا اقرار کیا اور وہ اُس وقت سے اُس کے پکڑوانیکے لئے قابو ڈھونڈھتا تھا۔" پھر آیت ۴۷ لغایت ۵۰ میں ہے "وہ یہ کہہ رہا تھا کہ دیکھو یہوداہ جو اُن بارھوں میں سے ایک تھا۔ آیا اور اُس کے ساتھ ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آ پہنچی اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ کہہ کے پتا دیا تھا کہ جسے میں چوموں وہی ہے۔ اُسے

پکڑ لینا۔ اُس نے وہیں یسوع پاس آکر کہا اے ربی سلام اور چوم لیا۔ یسوع نے اُسے کہا اے میاں تو کاہے کو آیا۔ تب اُنہوں نے پاس آکر یسوع پر ہاتھ ڈالے اور اُسے پکڑ لیا۔" اور دوسرے حواری کا حال سُنئے وہ اُس سے بھی بدتر ثابت ہوا اور اُس نے اپنی جان کے خوف سے مسیح سے اپنی بے تعلقی ظاہر کر کے لعنت بھی اُس پر کر دی۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶ آیات ۶۹ لغایت ۷۵۔ جس میں لکھا ہے "جب پطرس باہر دالان میں بیٹھا تھا ایک لونڈی نے اُس کے پاس آکے کہا تو بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ پر اُس نے سب کے سامنے انکار کر کے کہا میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے۔ پھر جب وہ اُسار کی طرف باہر چلا ایک دوسرے نے اُسے دیکھکر اُن سے جو وہاں تھے کہا کہ یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ تب اُس نے قسم کھا کر پھر انکار کیا کہ میں اُس شخص کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے جو وہاں کھڑے تھے پطرس کے پاس آکے کہا بے شک تو بھی اُن میں سے ہے کہ تیری بولی تجھے ظاہر کرتی ہے۔ تب اُس نے لعنت بھیجکر اور قسم کھا کر کہا میں اس شخص کو نہیں جانتا۔" ایسا ہی باقی معتقدین کا حال تھا سب نے کنارہ کیا۔ اور کسی نے اپنے رسول کا ساتھ نہ دیا۔ جب یہ حالت تھی تو ان بیچاروں کو اصل حقیقت کیونکر معلوم ہو سکتی تھی۔ لہذا جو کچھ یہود نے مشہور کر دیا اُس کو اُنہوں نے بھی اپنی سادگی سے تسلیم کر لیا اور یہودیوں کے اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہ وہ بموجب شریعت موسوی کاذب وملعون ہے یہ تجویز نکالی کہ مسیح نے ہمارے گناہوں کا بوجھ اپنے ذمہ لے لیا۔ اور اپنی جان بہادروں کی طرح دیدی تاکہ خدا کی عدالت پوری ہو۔ حالانکہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ وہ رو رو کر دعائیں مانگتے رہے کہ کسی طرح یہ پیالہ ٹل جائے اور صلیب پر آخری وقت میں ایلی ایلی لما سبقتنی چلا چلا کر کہتے رہے اگر وہ خوشی سے اُن عیسائیوں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے اور اُن کے عوض اپنی جان عزیز کو قربان کرنے آئے تھے تو پھر رونا اور دعائیں مانگنا کیسا۔ یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ حضرت مسیح فی الحقیقت صلیب پر نہیں مرے۔ بلکہ بچکر گلیل میں پہنچے۔ اور پھر وہاں سے دیگر بلاد میں گئے جسکا ذکر بعد میں آئیگا

مسیح علیہ السلام کا عدالت میں پیش ہونا

اناجیل مروجہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو جب یہوداہ اسقریوطی نے پکڑوا دیا

اور باقی سب معتقدین اپنی اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ اور کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ یہودی اُس کو پکڑ کر پلاطوس کے پاس لے گئے۔ پلاطوس نے مسیح علیہ السلام سے کچھ سوال و جواب کے طور پر پوچھا اور اسکو اطمینان ہو گیا کہ یہ شخص بالکل بے قصور ہے۔ چنانچہ اُس نے خود یہودیوں کے پاس اس خیال کا اظہار بھی کر دیا۔ جیسے انجیل یوحنا باب ۱۹ ورس ۸ ۳ میں ہے "اور پلاطوس نے اُسے کہا کہ حق کیا ہے؟ یہ کہہ کے پھر یہودیوں کے پاس باہر گیا اور اُنہیں کہا میں اُس کا کچھ قصور نہیں پاتا" اور انجیل متی باب ۲۷۔ ورس ۱۸ میں ہے "کیونکہ وہ (یعنے پلاطوس) سمجھ گیا کہ اُنہوں نے (یعنے یہود نے) اسے (یسوع کو) ڈاہ (زبردستی) سے حوالہ کیا ہے"۔ اور انجیل لوقا باب ۲۳۔ ورس ۴ میں ہے "تب پلاطوس نے سردار کاہنوں اور لوگوں سے کہا کہ میں اس شخص کا کچھ قصور نہیں پاتا"۔ اس سے بڑھکر انجیل لوقا باب ۲۳۔ آیت ۱۳ لغایت ۱۶ میں یوں آیا ہے "اور پلاطوس نے سردار کاہنوں اور سرداروں اور لوگوں کو پاس بلا کے اُن سے کہا کہ تم اس شخص کو میرے پاس یہ کہتے لائے کہ یہ لوگوں کو بہکاتا ہے۔ دیکھئے تمہارے آگے تحقیق کرنے پر اُن قصوروں میں سے جن کو تم اُس پر ٹھہراتے ہو میں نے اس شخص میں کچھ نہ پایا۔ اور نہ ہیرودیس نے کیونکہ میں نے تمہیں اُس کے پاس بھیجا اور دیکھو اُس کا کوئی ایسا کام نہ ٹھہرا جو قتل کے لائق ہے اس لئے اُس کو تنبیہہ کر کے چھوڑ دونگا"۔ اس پر یہودی سخت بگڑے اور گورنر کو بھی دھمکیاں دیں۔ ان حوالجات سے عیاں ہے کہ پلاطوس کو مسیح کی بے قصوری کا کامل یقین بھی ہو چکا تھا۔ مگر وہ رومی گورنر تھا اور ملک تمام یہود کا تھا۔ عام [illegible] کا مخالف خلاف ورزی کرنا اصول ملکی کے خلاف تھا۔ اس سے غالب ہے کہ اُس نے در پردہ کیا کارروائی اُس کے بچانے کی کی ہوگی۔ اور اس ظن کے لئے بہت سی وجوہات ایسی ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ ضرور مسیح کا حامی ہو گیا تھا ہم نمبروار وجوہ کو پیش کر کے راز نہانی کا افشا کرتے ہیں۔

وجوہات و قرائن اس امر کے ثبوت میں کہ پلاطوس مسیح کا طرفدار تھا

وجہ اوّل۔ پلاطوس کا خود مسیح کے بے قصور ہونے کا اقرار کرنا جسکا ہم ابھی ظاہر کر

ہیں اور غالباً یہی وجہ موجب ہے کہ اُس نے یہودیوں کے آگے رائے پیش کی کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں یسوع کو چھوڑ دوں۔ چنانچہ انجیل متی باب ۲۷- آیت ۱۵- لغایت ۱۸ میں لکھا ہے حاکم کا دستور تھا کہ ہر عید کو لوگوں کی خاطر ایک بندھوا جسے وے چاہتے چھوڑ دیتا تھا۔ اُس وقت ایک برآباس نامی ایک مشہور بندھوا تھا۔ سو جب وے اکٹھے ہوئے پلاطوس نے اُن سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے چھوڑ دوں۔ برآباس یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ اُنہوں نے اُسے زبردستی حوالہ کیا"۔ اس سے زیادہ صاف انجیل مرقس باب ۱۵- ورس ۹ و ۱۰ میں ہے" پلاطوس نے اُنہیں جواب دیا اور کہا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے یہودیوں کے بادشاہ کو چھوڑ دوں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سردار کاہنوں نے حسد سے اُس کو حوالہ کیا تھا"+

وجہ دوم- دوسرا پلاطوس کی جورو کو خواب آنا جسکا مضمون حسب ذیل ہے:" اور جب وہ دیعنے پلاطوس مسند پر بیٹھا- اُس کی جورو نے اُسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب بہت تصدیع پائی"۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ ورس ۱۹+

وجہ سوم- اس کو بحیثیت حاکم اپنی بات کی پچ بھی تھی جیسے انجیل متی باب ۲۷ ورس ۲۳ میں ہے" حاکم نے کہا کہ اس نے کیا بدی کی ہے کہ میں اسکو صلیب دوں"۔ اور انجیل مرقس باب ۱۵ ورس ۱۳ و ۱۴ میں لکھا ہے" وے پھر چلائے کہ اُسے صلیب دے۔ پلاطس نے پھر اُن سے کہا کیوں اُس نے کیا برائی کی ہے"۔ اور انجیل یوحنا باب ۱۹ ورس ۵ و ۶ میں ہے" اور پلاطوس نے اُن سے کہا دیکھو اس شخص کو سو جب سردار کاہن اور پیادوں نے اُسے دیکھا تو چلا کے کہا کہ صلیب دے صلیب دے- پلاطوس نے اُنہیں کہا کہ تمہیں اسے لو اور صلیب دو کیونکہ میں اس میں کچھ قصور نہیں پاتا"۔ اور انجیل لوقا باب ۲۳ ورس ۲۰ لغایت ۲۲ میں ہے" پلاطوس نے بدیں خیال کہ یسوع کو چھوڑ دے- پھر اُنہیں سمجھایا۔ پر اُنہوں نے چلا کے کہا کہ اُس کو صلیب دے صلیب دے- تیسری بار اُس نے اُن سے کہا کیوں اُس نے کیا بدی کی ہے- میں نے اُس میں قتل کے لائق کوئی قصور نہ پایا- اس لئے میں اُسے تنبیہہ کر کے چھوڑ دونگا"+

وجہ چہارم۔ یہود کا گستاخی سے پیش آنا اور دھمکی دینا۔ چنانچہ یوحنا باب ۱۹ درس ۱۲ میں ہے اُس وقت پلاطوس نے چاہا کہ اُسے چھوڑ دے۔ پھر یہودیوں نے چلا کے کہا کہ اگر تو اس مرد کو چھوڑ دیتا ہے تو تو قیصر کا خیرخواہ نہیں +

وجہ پنجم۔ یہ کہ از روئے اعتقادِ مذہبی کے پلاطوس دل میں ڈر گیا تھا چنانچہ متی باب ۲۷۔ آیت ۲۴ میں ہے "جب پلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا۔ بلکہ اور بھی ہلڑ ہوتا ہے تو پانی لیکے بھیڑ کے آگے اپنے ہاتھ دھوئے۔ اور کہا میں اس راستباز کے خون سے پاک ہوں تم جانو" +

اور پانی سے ہاتھ دھونا ایک قسم کی قسم بھی ہے۔ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حاکم نے جتلا دیا کہ میں ہرگز اس کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ نہیں کرونگا۔ یعنے یہ کہ مسیح مارا جائے چنانچہ توریت کتاب استثنا باب ۲۱ درس ۶ و ۷ سے اس رسم قسم کی قسم کا ثبوت ملتا ہے جس میں لکھا ہے "اپنے ہاتھ دھوئیں اور جواب دیکے کہیں کہ ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں کیا۔ نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا" +

وجہ ششم۔ یہ کہ مسیح کی راستبازی نے حاکم کے دل میں رُعب ڈال دیا تھا چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۹۔ آیت ۱۰ و ۱۱ میں ہے۔ "تب پلاطوس نے اُسے کہا کہ تو مجھ سے نہیں بولتا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے اختیار ہے چاہوں تو تجھے صلیب دوں۔ اور چاہوں تو تجھے چھوڑ دوں۔ یسوع نے جواب دیا کہ اگر یہ تجھے اُوپر سے دیا نہ جاتا تو مجھ پر تیرا کچھ اختیار نہ ہوتا (یعنے جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے) +

وجہ ہفتم۔ یوسف آرمتیا کے ساتھ جو مسیح کا ایک بڑا معتقد آدمی تھا اور بوجہ دولتمند ہونے کے بڑا معتبر بھی تھا پلاطوس کی دوستی تھی۔ اور یوسف مسیح کے بچاؤ کے لئے سخت کوشاں تھا +

وجہ ہشتم۔ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ یوسف آرمتیا نے ایک بھاری رقم بطور رشوت حاکم وقت کو دی ہو کیونکہ وہ مانا ہوا دولتمند تھا

وجہ نہم۔ بعد ازاں یوسف آرمیتا کا اس معاملہ میں گرفتار ہو جانا اس امر کی پوری تائید کرتا ہے کہ بادشاہ وقت کو یقین ہو گیا تھا کہ یوسف آرمیتا نے حاکم وقت سے کچھ سازباز کر لی تھی +

یہ وجوہات ہیں جن سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ حاکم وقت مسیح کا حامی اور مددگار ہو گیا تھا۔
اور چونکہ یہودیوں کا جوش دریائی موج کی طرح اُمنڈا ہوا تھا۔ اِس لئے حاکم وقت نے
مصلحت وقت کو ملحوظ رکھ کر تمام جوش کے فرو کرنے کے لئے برملا مقابلہ کرنا نہ چاہا۔ بلکہ درپردہ
اُن سے خوب تدبیریں مسیح کے بچاؤ کی کریں جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ قرآن شریف
میں بھی کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ یعنے اِن یہودیوں
نے تو مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کے باریک تدبیریں کیں مگر خدا تعالیٰ نے بھی اُس کے
بچانے کے لئے خوب باریک در باریک تدبیریں کیں یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو دنیا
میں آ کر ایسی کارروائی نہیں کیا کرتا بلکہ اُس کی عادت میں داخل ہے کہ جس کام کو وہ کرنا
چاہتا ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو منتخب کر لیتا ہے۔ اور اُس کے ذریعہ سے
اُس کام کا سرانجام کراتا ہے۔ چنانچہ اُس وقت اُس نے حاکم وقت کے دل میں مسیح کی
ہمدردی ڈال دی۔ اور پھر اُس کی بیوی کو بھی فرشتہ کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا۔ کہ خبردار
اُس کو کوئی دکھ نہ پہنچے ورنہ تم پر تباہی آئیگی۔ اور اُدھر یوسف آرمیتا کو جو ایک بڑا دولتمند آدمی تھا
مسیح کے بچانیکے لئے آمادہ کر دیا+

تدابیر جو پلاطوس نے مسیح کے بچاؤ کیلئے اختیار کیں

منجملہ اُن تدابیر کے ایک تدبیر یہ ہے کہ اُس نے صلیب کے لئے وہ دن قرار دیا جو یہودیوں
کی عید فسح کا روز تھا۔ کیونکہ اُن کو اُس روز بہت کچھ رسوماتِ مذہبی ادا کرنی ہوتی تھیں
اور اُن کو سخت مصروفیت رہتی تھی۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۹ ورس ۱۳ و ۱۴ میں لکھا
ہے پلاطوس یہ باتیں سنکر یسوع کو باہر لایا۔ اور اُس مقام میں جو چبوترہ اور عبرانی میں گبّاتا
کہلاتا ہے مسند پر بیٹھا۔ اور فسح کی تیاری کا دن تھا۔ ایسا ہی انجیل متی باب ۲۷ سے
تصدیق ہوتی ہے+

دوسری تدبیر یہ تھی کہ وہ جمعہ کا روز تھا اور شام سے سبت شروع ہوتی تھی۔ جیسے
کہ آجکل جمعرات سرِ شام شروع ہوتی ہے۔ جس میں وہ کوئی اس قسم کا کام موجب شریعت
موسوی نہیں کر سکتے تھے دیکھو انجیل مرقس باب ۱۵ ورس ۴۲ جس میں مندرج ہے۔

اور جبکہ شام ہوئی۔ اِس لئے کہ تیاری کا دن تھا جو سبت سے پہلے ہوتا ہے" +

تیسری تدبیر جو حاکم نے کی یہ تھی کہ اُس روز مسیح کے ساتھ دو اور چوروں کے مصلوب کرنے کا حکم دیا تاکہ کارکنانِ صلیب کو اُس طرف بہت سا وقت صرف کرنا پڑے۔ اور مسیح کو بہت دیر صلیب پر نہ رہنا پڑے +

چوتھی تدبیر حاکم نے یہ کی کہ بظاہر مسیح کو لاٹھی ماری تاکہ یہودیوں کو گمان پیدا نہ ہو کہ وہ اُس کی طرفداری میں ہے۔ اور اس ترکیب سے اُن کو غافل کر دیا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۲۶۔ اور یسوع کو کوڑے مار کر حوالہ کیا کہ صلیب پر کھینچا جائے +

پانچویں تدبیر جو حاکمِ وقت کی طرف سے وقوع میں آئی تھی کہ جو افسر یعنے صوبہ دار مقرر کیا وہ در پردہ مسیح کا معتقد تھا۔ جیسے کہ اُس کی کارروائی سے ثابت ہوتا ہے۔ یا حاکم کی طرف سے۔ اُسکو ایسی ہی ہدایت تھی۔ جسکو ہم بعد میں دکھائینگے +

چھٹی تدبیر یہ تھی کہ اُس نے مسیح کی ہڈیاں نہیں تڑوائیں۔ حالانکہ چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۹۔ ورس ۳۲ و ۳۳ میں ہے۔ تب سپاہیوں نے آکے پہلے اور دوسرے کی ٹانگیں جو اُس کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں۔ لیکن جب اُنہوں نے یسوع کی طرف آکے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اُس کی ٹانگیں نہ توڑیں +

ساتویں تدبیر یہ تھی کہ جب مسیح کے مرنے کی رپورٹ ہوئی تو حاکم نے خود یا کسی معتبر آدمی کے ذریعہ موقع پر جاکر تحقیقات نہیں کی کہ آیا فی الحقیقت مر گیا ہے کہ نہیں۔ حالانکہ اُس کو رپورٹ پہنچنے پر بڑا تعجب بھی ہوا کہ اتنی جلدی فوت ہو گیا۔ دیکھو انجیل مرقس باب ۱۵۔ آیت ۴۴۔ جس میں لکھا ہے اور پلاطوس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا +

آٹھویں تدبیر یہ تھی کہ ایک دولتمند شخص یوسف نامی آرمتیا کا رہنے والا جو مسیح پر ایمان لا چکا تھا اور پلاطوس کا دوست تھا اور جو پہلے ہی سے آیا ہوا تھا اُس کو لاش حوالے کر دی گئی۔ چنانچہ انجیل متی باب ۲۷ ورس ۵۷ و ۵۸ میں لکھا ہے۔ جب شام ہوئی تو یوسف نامی آرمتیا کا ایک دولتمند جو یسوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ اُس نے پلاطوس کے پاس جا کے یسوع کی لاش مانگی۔ تب پلاطوس نے حکم دیا کہ لاش اُسے دیدیں اور انجیل یوحنا باب ۱۹ ورس ۳۸ میں اس سے بھی اور وضاحت ہے۔ جس سے حاکم کی سازش بخوبی معلوم ہوتی ہے

جہاں لکھا ہے ”اور بعد اس کے یوسف آرمیتا نے جو یسوع کا شاگرد تھا یہودیوں کے ڈر سے پوشیدہ جاکر پلاطوس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش اُسے دلائی جائے۔ اور پلاطوس نے اجازت دیدی“ کیا تعجب ہے کہ یوسف نے کچھ رشوت بھی دیدی ہو۔ کیونکہ وہ بڑا دولتمند آدمی تھا +

نویں تدبیر یہ کہ جہاں قبر تجویز کی گئی۔ وہاں باغ تھا۔ جہاں کوئی شخص بھی مسیح کے نکل جانے کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۹۔ ورس ۴۱ میں ہے۔ اور وہاں جس جگہ کہ صلیب دیئے گئے تھے۔ ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی۔ جس میں کبھی کوئی نہیں دھرا گیا تھا

دسویں تدبیر یہ کہ مسیح کی کوئی تجہیز و تکفین نہیں کی گئی۔ بلکہ سرسری طور سے ایک باریک کپڑا لپیٹا گیا دیکھو انجیل متی باب ۲۷۔ ورس ۵۹۔ جس میں لکھا ہے۔ یوسف نے لاش لیکر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور انجیل لوقا باب ۲۳۔ ورس ۵۳ میں ہے۔ اور اس کو اُتار کے کتان میں لپیٹا۔ اور ایسا ہی مرقس باب ۱۵ ورس ۴۶ میں ہے +

گیارھویں تدبیر یہ کہ قبر پر پتھر رکھا گیا۔ اور اس کو حسب معمول مضبوط طور سے بند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ انجیل متی باب ۲۷ ورس ۶۰ میں ہے اور اپنی نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی ہوئی تھی۔ رکھی۔ اور ایک بھاری پتھر قبر کے منہ پر ڈھلکا کے چلا گیا۔ ایسا ہی انجیل مرقس باب ۱۵۔ ورس ۴۶ میں ہے +

بارھویں تدبیر یہ تھی کہ قبر پر کوئی اچھی نگرانی نہیں کی گئی۔ چنانچہ انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۴ میں ہے۔ جب اُنہوں نے نگاہ کی تو اس پتھر کو ڈھلکا یا ہوا پایا۔ ایسا ہی انجیل لوقا باب ۲۴۔ ورس ۲۔ اور متی باب ۲۸۔ ورس ۲۔ اور یوحنا باب ۲۰ ورس ۱ میں مضمون واحد ہے +

تیرھویں تدبیر یہ تھی کہ جب یہودیوں کو اس امر کی خبر ہوئی۔ اور اُنھوں نے شور مچایا کہ کوئی شاگرد اس کو نکال کرلے گیا تو اس امر میں کوئی تحقیقات نہ کی گئی۔ اور نہ کوئی آدمی تلاش کرنے کے لئے متعین کئے گئے +

چودھویں تدبیر یہ کہ خدا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کے بچانے کے لئے ایک ایسی تقریب کردی کہ عظیم الشان طوفان باد برپا کردیا جس سے تاریکی ہوگئی۔ ایک طرف یہ اندھیرا اور دوسری طرف باغ کے درختوں کی گنجانی جس سے دھواں دھار اور گھٹا ٹوپ اندھیرا

چھا گیا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۴۵ جس میں لکھا ہے۔ تب چھٹویں گھنٹے سے لیکے نویں گھنٹے تک ساری سرزمین پر اندھیرا چھا گیا۔ اور انجیل مرقس باب ۱۵ ورس ۳۳ میں ہے۔ اور جب چھٹا گھنٹا ہوا اُس ساری سرزمین پر اندھیرا چھا گیا۔ اور نویں گھنٹہ تک رہا۔ اور انجیل لوقا باب ۲۳ آیت ۴۴ میں ہے اور چھٹویں گھنٹے کے قریب تھا کہ ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹے تک رہا۔ اور سورج تاریک ہو گیا اور ہیکل کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا +

پندرھویں تدبیر یہ جو خود اللہ تعالیٰ نے مسیح کے بچاؤ کے لئے کی کہ اُس کے صلیب پر کھینچے جانے کے بعد سخت زلزلہ برپا کیا جس سے پہرہ والوں کے دل ہل گئے۔ اور وہ نہایت ہی خوف زدہ ہوئے دیکھو انجیل متی باب ۲۷۔ آیت ۵۱ جس میں صاف لکھا ہے۔ کہ دیکھو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا۔ اور زمین کانپی اور پتھر سرک گئے اور قبریں کھل گئیں +

سولھویں تدبیر یہ ہے کہ صوبیدار اور دیگر پہرہ دار سب کے سب واقعاتِ بالا کو دیکھکر خوف زدہ ہو گئے اور اُن کو مارے خوف کے اپنی فکر پڑ گئی۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷۔ آیت ۵۴۔ جہاں لکھا ہے۔ جب صوبیدار اور جو اُس کے ساتھ والوں نے جو یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور سارا ماجرا دیکھا تو نہایت ڈر گئے +

الحمدللہ کہ جو تدابیر ہم نے اپنے ذہن سے نکالی تھیں کہ پلاطوس نے یوں اختیار کی ہونگی ان سب کی تصدیق کروسی فکشن کتاب سے بخوبی ہوتی ہے۔ جو ایک فریمین کا خط ہے جس میں مسیح کے متعلق چشم دید حالات لکھے ہیں اور جو حال ہی میں امریکہ سے چھپکر آئی ہے +

یہ وہ واقعات ہیں جن کو ایک عقلمند مدِ نظر رکھکر اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کس طرح اس جانکاہ مصیبت سے بچ گئے۔ یہ تدابیر کوئی سرسری اور معمولی تدابیر نہیں۔ بلکہ باور کرنے کے لئے قوی اور یقینی دلائل ہیں کہ مسیح صلیبی موت سے بچا لیا گیا حاکم کی تدابیر الگ۔ خدا کی تدابیر الگ اور پھر اخیر کو صوبیدار اور پہرے والوں کا خوفناک واقعات کو دیکھکر ایمان لانا۔ اور اسی بنا پر مسیح کی وفات کی رپورٹ کرنا۔ اور لاش کو بلا تحقیق و بلا معائنہ کسی ڈاکٹر مرید کے سپرد کر دینا یہ ایسے راز ہیں جن پر معمولی سمجھ کا انسان بھی غور کرنے سے اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ یہ ضرور اُس کے بچاؤ کے لئے عمدہ تدبیریں تھیں +

دسویں فصل

اس باب میں کہ واقعی مسیح علیہ السلام صلیب کی موت سے بچ گئے تھے

اب ہم اس فصل میں دکھاتے ہیں کہ اس کے واقعی بچ جانے کے کیا ثبوت ہیں +

اوّل - وہ مرا ہی نہیں تھا - بلکہ غشی آگئی تھی - جس کی تصدیق انجیل یوحنا باب ۱۹ ویں ۳۴ سے ہوتی ہے - جس میں لکھا ہے " پھر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہو اور پانی نکلا " اب دیکھنا ہے کہ کبھی مُردوں سے بھی خون اور پانی نکلتا ہے - حالانکہ اُن کے کہنے کے بموجب اُس کو مرے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی - کیونکہ اول دو چوروں کی ٹانگیں یکے بعد دیگرے توڑی گئیں - اور کس قدر وقت خرچ ہوا - اور پھر جب مسیح کو دیکھا تو بظاہر مرا ہوا دکھائی دیا - اُس وقت بھالا اُس کی پسلی میں مارا گیا - تو خون اور پانی نکلا - جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اُس پر غشی طاری تھی - مرے ہوئے نہیں تھے +

اور یہ بات دُور از قیاس بھی نہیں ہے - بلکہ قرین قیاس ہے - کیونکہ میخوں کا ہاتھ پاؤں میں لگنا اور ایک دو گھنٹہ تک صلیب پر لٹکا رہنا موت کا باعث نہیں ہو سکتا - ہم تاریخوں سے ثابت کرتے ہیں کہ بہت لوگ صلیب پر چڑھائے ہوئے مرے نہیں - بلکہ بچ گئے - چنانچہ ہیروڈس ایک رومی مورخ لکھتا ہے کہ ایک شخص سندوکیسی نامی بادشاہ دارا کے حکم سے صلیب پر چڑھایا گیا - اور پھر کسی وجہ سے اُس کے بے قصور ثابت ہونے یا گناہ معاف کرنے کی وجہ سے دوبارہ اُسی کے حکم سے صلیب پر سے اُتارا گیا - اور وہ زندہ تھا - اُسی وقت رہا کر دیا گیا +

یوس بیس مورخ اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے - کہ ایک دفعہ طیطوس بادشاہ کے حکم سے بہت سے قیدی صلیب پر چڑھائے گئے - اُن میں سے تین آدمی اُس کے ملاقاتی تھے اُس نے بادشاہ سے اُن کی سفارش کی - اور وہ صلیب پر سے اُتارے گئے - وہ زندہ تھے - پھر

اُن کا ایک عرصہ تک علاج معالجہ کیا گیا۔ مگر بالآخر چند روز کے بعد دو آدمی مر گئے۔ اور ایک زندہ رہا اور وہ رہا کر دیا گیا +

بروئے حالات بالا پھر مسیح کی نسبت کیونکر گمان ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اتنی جلدی مر گیا۔ حالانکہ اُن کا زیادہ سے زیادہ تین گھنٹہ تک صلیب پر رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض انجیل کے رو سے صرف ایک یا دو گھنٹہ تک اور یہی وجہ ہے کہ پلاطوس جب اُس کو مسیح کے مرنے کی رپورٹ پہنچی۔ تو متعجب ہوا۔ دیکھو انجیل مرقس باب ۱۵۔ ورس ۴۴ جس میں لکھا ہے "اور پلاطوس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا" +

(۲) انجیل متی باب ۱۶۔ آیت ۲۸ میں ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اُن میں سے جو یہاں کھڑے ہیں۔ بعضے ہیں کہ جب تک ابنِ آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے نہ دیکھ لیں موت کا مزہ نہ چکھینگے" +

(۳) انجیل مرقس باب ۹۔ آیت ۱ میں ہے "اُس نے اُنہیں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ اُن میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک خدا کی بادشاہت قدرت سے آتی نہ دیکھ لیں موت کا مزہ نہ چکھینگے" +

(۴) انجیل لوقا باب ۹ ورس ۲۷ میں ہے "پھر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بعضے اُن میں سے یہاں کھڑے ہیں۔ جو نہ مرینگے۔ جب تک خدا کی بادشاہت نہ دیکھیں" +

اِن آیات میں خدا کی بادشاہت سے مراد اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے۔ یعنے میری نسبت اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ میں دُکھ اُٹھاؤں جیسے انجیل متی باب ۱۶۔ آیت ۲۱ سے ظاہر ہے جس میں لکھا ہے "اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں کو خبر دینے لگا۔ کہ ضرور ہے کہ میں یروشلم کو جاؤں۔ اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے بہت دُکھ اُٹھاؤں۔ اور مارا جاؤں۔ اور تیسرے دن جی اُٹھوں" +

آیات مندرجہ بالا میں حضرت یسوع مسیح اپنے شاگردوں کو بتاتے ہیں کہ تم کو یقین رہے کہ یہ دُکھ مجھ کو ضرور اُٹھانا پڑیگا۔ لیکن خدا تعالیٰ مجھے اپنے ہی زورِ حکومت اور قدرت سے بچا لیگا زمینی سلطنت بھی میرے لیے صلیب کا حکم دیدیگی اور یہودی بھی اپنی پوری اور مجموعی طاقت سے میرے قتل کروانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھینگے اور جہاں تک انسانی دخل ممکن ہو سکتا ہے

میرے مار ڈالنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائیگا لیکن تم کو بطور پیشگوئی اطلاع کرتا ہوں کہ تم یہ نشانِ قدرتِ الٰہی ضرور دیکھو گے۔ اور تم اُس وقت تک زندہ رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جو مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا وہ سب پورا ہوا۔ اگر اس سے مرجانے کے بعد آنا مراد ہے تو یہ بات تو سراسر غلط ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ مسیح ابتک نہیں آیا اور یروشلم بھی تباہ وبرباد ہو چکا۔ اور کوئی حواری بھی زندہ نہیں رہا۔ اس سے تو ایک نبی کی خلاف بیانی ماننی پڑیگی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ خدا کا سچا نبی اور خدا کا مرسل ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا پس انجیل کے پڑھنے والے خوب جانتے ہیں کہ مسیح تمام حواریوں کو بعد وقوعہ صلیب ملتا رہا اور اُن کی دعوتیں کھاتا رہا۔ لہٰذا اس سے مراد صرف یہی ہے کہ میں ضرور دُکھ اُٹھانے کے بعد زندہ ہی تم سے ملونگا۔ اور تم سب موجود ہو گے ۔

۵۔ انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲ میں جو یہ عبارت ہے اور قبریں کھل گئیں۔ اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی جو آرام میں تھیں اُٹھیں اور اُس کے اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر اور مقدس شہر میں جاکر بہتوں کو نظر آئیں۔ یہ ایک کشف ہے جو اس وقت سے بعض بزرگوں کو ہوا ورنہ اس کا ثبوت کرنا عیسائیوں پر سخت مشکل ہے کہ فی الحقیقت مُردے قبروں سے نکل آئے تھے کیونکہ کوئی یہودی اس امر کی شہادت نہیں دیتا اور نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے بزرگوں سے جو قبروں سے نکل کر اُن کے پاس آئے تھے پوچھکر ایمان لائے ہوں۔ اور نہ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ ان حالات کو دیکھ کر اُن کے دل نرم ہوئے ہوں اور کہ وہ انجیل کی پیروی کرنے لگے ہوں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کشف تھا جو بعض لوگوں کو ہوا۔ اور چونکہ کشفی زبان کے لئے علمِ ادب کی لغت کام نہیں دے سکتی۔ بلکہ اُس کے لئے ایک اور لغت ہے جو تاویل الاحادیث کے نام سے موسوم ہے۔ جس کی حقیقت مقدس لوگ کھول سکتے ہیں جو اُس زبان سے واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہم جب اُس کی تعبیر اُس فن کی لغت سے دیکھتے ہیں جو خاص کشوف و رؤیا کے لئے ہیں تو اس کا مقصد حسب ذیل معلوم ہوتا ہے۔

مَنْ رَأٰی اَنَّ الْمَوْتٰی وَثَبُوْا مِنْ قُبُوْرِهِمْ وَرَجَعُوْا اِلٰی دُوْرِهِمْ فَاِنَّهٗ يُطْلَقُ مَنْ فِی السِّجْنِ

یعنے جو شخص دیکھے کہ مُردے قبروں سے باہر نکل آئے ہیں اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ کوئی قیدی قیدخانہ سے نجات پائیگا دیکھو کتاب تعطیر الانام مصنفہ قطب الزمان

شیخ عبدالغنی صاحب نابلسی صفحہ ۲۰۹ - پس اس کشف سے جو انجیل مذکورہ بالا میں ہے صاف ظاہر ہے کہ مسیح یہودیوں کے ہاتھ سے نجات پائیگا۔ اور صلیب پر مارا نہیں جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا +

دوم - دوسرا راتوں رات قبر سے نکل جانا اور لاش کا قبر کے اندر نہ رہنا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ وہ مرا نہیں تھا۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴ - آیت ۱ - لغایت ۳ جس میں لکھا ہے "اور وے ایتوار کے دن بڑے تڑکے اُن خوشبوؤں کو جو طیار کی تھیں لیکے قبر پر آئیں۔ اور اُن کے ساتھ کئی اور بھی تھیں۔ اور اُنھوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکایا ہوا پایا۔ اور اندر جاکے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی۔ ایسا ہی باقی سب انجیلوں سے تصدیق ہوتی ہے +

سوم - تیسرا خود انجیل لوقا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرا ہی نہیں تھا۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۵ جس میں صریح لکھا ہے "جب وے ڈرتی اور سر زمین پر جھکاتی تھیں۔ اُنھوں نے اُن سے کہا تم کیوں زندہ کو مُردوں میں ڈھونڈتی ہو وہ یہاں نہیں۔ بلکہ اُٹھا ہے" اِس آیت سے صاف صاف معلوم ہوگیا کہ اُس پر مردہ کا اطلاق ہی نہیں کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ وہ زندہ ہے۔ مُردوں میں سے اس کو کیوں تلاش کیا جاتا ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ وہ یہاں سے چلا گیا ہے +

چہارم - چوتھا خود مسیح کا قول تھا کہ میری حالت یونس نبی کی طرح ہوگی جس طرح وہ تین روز زندہ مچھلی کے پیٹ کے اندر رہا ایسا ہی میں بھی تین روز تک سخت مصیبت میں گرفتار رہونگا جس کی تصدیق انجیل متی باب ۱۲ - آیت ۳۸ - لغایت ۴۰ سے ہوتی ہے جس میں لکھا ہے "تب بعضے فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں کہا کہ اے اُستاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھا چاہتے ہیں۔ اُس نے اُنہیں جواب دیا اور کہا کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان اُنہیں دکھایا نہ جائیگا۔ کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسا ہی ابنِ آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں گئے تھے۔ اور زندہ ہی باہر آئے۔ پھر کیونکر یہ مانا جاتا ہے کہ مسیح تین روز مر کر قبر میں رہے اور پھر زندہ ہوگئے۔ اور مزید برآں مسیح نے اپنی نبوت اور صداقت کا ایک ہی نشان ٹھیرایا تھا۔ اور وہ یہ کہ وہ بھی تین روز

کی مصیبت جھیل کر پھر بچ جائیگا۔ اگر اُس نے فی الحقیقت مرنا تھا تو وہ نشان ہی کیا ہوا۔ بلکہ یہ مسیح کے لئے عذاب ہوا۔ اور اس سے تو اُس کی نبوت کی تکذیب ثابت ہوتی ہے۔ جب نبی ہی نہ رہا تو نشان کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ نبی تو اپنی صداقت میں نشان دکھلانے کا وعدہ کرے اور نشان دکھاتے دکھاتے خود ہی مرجائے۔ کچھ تو اس میں نہیں آسکتا۔ پس اصل بات یہ ہے کہ وہ زندہ ہی صلیب سے اُتارا گیا۔ اور زندہ ہی قبر میں رکھا گیا۔ اور زندہ ہی نکالا گیا +

پنجم۔ انجیل متی باب ۲۳۔ آیت ۳۵-۳۶ میں حضرت مسیح فرماتے ہیں "تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آوے۔ ہابل راستباز کے خون سے برخیاہ کے بیٹے ذکریاہ کے خون تک جسے تم نے ہیکل اور قربانگاہ کے درمیان قتل کیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آویگا" +

اِن آیات سے واضح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صاف تحدید کر دی ہے کہ یہودیوں نے جس قدر نبیوں کے خون کئے اُن کا سلسلہ ذکریاہ نبی تک ختم ہونا ہے۔ اور اس کے بعد یہودی کسی نبی کے قتل کی طاقت و قدرت نہیں پا سکینگے۔ اس سے صفائی کے ساتھ نکلا کہ مسیح صلیب پر ہرگز قتل نہیں ہوگا اور نہ ہوا +

ششم۔ چھٹا ثبوت اُس کے زندہ رہنے کا یہ ہے کہ خدا کے فرشتہ نے خبر دی کہ وہ جلیل کی طرف جاتا ہے۔ وہاں جاکر ملو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۸۔ ورس ۷۔ جس میں لکھا ہے "اور جلد جاکے اُس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور دیکھو وہ تمہارے آگے جلیل کو جاتا ہے۔ وہاں تم اُسے دیکھو گے"۔ اس آیت سے صریح ثابت ہوا کہ وہ آسمان پر نہیں گیا۔ بلکہ وہ اپنے اس جسم کے ساتھ جلیل کو جاتا ہے۔ تاکہ دشمن پھر پکڑ نہ لیں۔ اور انجیل مرقس باب ۱۶۔ ورس ۷۔ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے +

ہفتم۔ ساتواں ثبوت اس کی زندگی کا یہ ہے کہ وہ مریم مگدلینی اور دوسری عورتوں کو اسی پتہ پر جو فرشتہ نے بتایا تھا۔ مسیح مل گیا۔ چنانچہ دیکھو انجیل متی باب ۲۸۔ آیت ۹۔ جہاں لکھا ہے۔ جب وے اُس کے شاگردوں کو خبر دینے جاتی تھیں۔ دیکھو یسوعؑ انہیں ملا اور کہا سلامؑ +

ہشتم۔ آٹھویں وجہ اُس کی حیات کی یہ ہے۔ کہ بر سرِ موقع قبر دو شخصوں نے اُس کو قبر سے نکلتے ہوئے اور جلیل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴ ورس ۴ جس میں لکھا ہے "اور ایسا ہی ہوا۔ کہ جب وہ حیران تھیں دیکھو دو شخص چمکتی پوشاک پہنے ہوئے اُن کے پاس کھڑے تھے۔ جب وے ڈرتی اور اپنے سر زمین پر جھکاتی تھیں۔ اُنہوں نے اُن سے کہا تم کیوں زندہ کو مُردوں میں ڈھونڈتی ہو۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ بلکہ اُٹھا ہے"+

نہم۔ نواں یہ کہ خود مسیح نے اس جسمِ عنصری کے ساتھ مریم مگدلینی وغیرہ سے کلام کی اور کلام بھی انسانی زبان جیسے انجیل متی باب ۲۸۔ ورس ۱۰ میں ہے "تب یسوع نے اُنہیں کہا مت ڈرو۔ پر جا کے میرے بھائیوں سے کہو کہ جلیل کو جاویں وہاں مجھے دیکھینگے"۔ اور انجیل مرقس باب ۱۶ ورس ۹۔ اور انجیل یوحنا باب ۲۱ ورس ۱۶ سے بھی اِس بیان بالا کی تصدیق ہوتی ہے+

دہم۔ دسواں۔ یہ کہ پہرہ والوں نے بھی گواہی دی کہ مسیح قبر سے چلا گیا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۸۔ ورس ۱۱ جس میں لکھا ہے "جب وے چلی جاتی تھیں۔ دیکھو پہرے والوں میں سے کتنوں نے شہر میں آکر سب کچھ جو ہوا تھا سردار کاہنوں سے بیان کیا"+

یازدہم۔ گیارھواں یہ کہ مریم مگدلینی نے حواریوں کے پاس ذکر کیا کہ مسیح زندہ ہے مگر اُنہیں چنانچہ انجیل مرقس باب ۱۶۔ ورس ۱۱ میں لکھا ہے "وے یہ سُنکے کہ وہ جیتا ہے۔ اور اُسے دکھائی دیا یقین نہ لائے"+

دوازدہم۔ بارھواں یہ کہ انجیل لوقا سے ظاہر ہے کہ اُسی روز جب مسیح قبر سے نکل کر جلیل کی طرف بھاگا۔ تو دو راہگیروں سے اُس کی ملاقات ہوئی۔ چنانچہ انجیل لوقا باب ۲۴ ورس ۱۳ و ۱۴ میں ہے "اور دیکھو اُسی دن اُن میں سے دو آدمی اُس بستی کی طرف جس کا نام اماوس ہے اور جو یروشلم سے پونے چار کوس کے فاصلہ پر ہے جاتے تھے اور اُن سب باتوں کی بابت جو واقع ہوئی تھیں آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ جب وے بات چیت اور پوچھ پاچھ کر رہے تھے۔ یسوع آپ ہی نزدیک آ کے اُن کے ساتھ ہو لیا+

سیزدہم۔ تیرھواں۔ یہ کہ اُس دن اتوار کے روز شام کے وقت اپنے سارے شاگردوں سے ملا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۲۰۔ ورس ۱۹۔ جس میں لکھا ہے "پھر اُسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا شام کے وقت جب اُس جگہ کے دروازہ جہاں سب شاگرد جمع ہوئے تھے یہودیوں

کے ڈر سے بند تھے۔ یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہوا۔ اور اُنہیں کہا تم پر سلام"+

چہار دہم۔ چودھواں۔ یہ کہ قلبوس نامی نے عورتوں کی زبانی معلوم کیا کہ مسیح زندہ ہے چنانچہ انجیل لوقا باب ۲۴۔ ورس ۲۲ و ۲۳ میں یوں لکھا ہے۔ "اور ہم میں سے کئی عورتوں نے بھی ہم کو گھبرا رکھا ہے کہ تڑکے اُس کی قبر پر گئیں۔ اور اُس کی لاش کو نہ پاکر آئیں۔ اور بولیں کہ ہم نے فرشتوں کی رویت دیکھی۔ جنہوں نے کہا کہ وہ زندہ ہے"+

پانزدہم۔ پندرھواں۔ یہ کہ یسوع نے روٹی کھائی۔ اگر وہ مع الجسد عنصری نہیں تھا۔ بلکہ صرف روح تھی تو روٹی کھانا کیا معنے۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴۔ ورس ۳۰ جس میں لکھا ہے "اور ایسا ہوا کہ جب وہ اُن کے ساتھ کھانے بیٹھا تھا۔ روٹی لیکر اُسے متبرک کیا"

شانزدہم۔ سولھواں۔ یہ کہ مسیح نے خود اپنے سارے حواریوں کے ساتھ اقرار کیا کہ میں روح نہیں بلکہ میں تمہارا اُستاد ہوں۔ اور اپنے زخم اور جسم دکھا کر کہا دیکھو کبھی روح میں ہڈی اور جسم بھی ہوتا ہے۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴۔ ورس ۳۶ لغایت ۴۰۔ جن میں لکھا ہے "اور وے یہ باتیں کہہ رہے تھے کہ یسوع آپ اُن کے بیچ میں کھڑا ہوا۔ اور اُن سے کہا تمہیں سلام۔ پھر اُنہوں نے گھبرا کے اور ڈر کے خیال کیا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ مگر اُس نے اُن سے کہا کہ تم کیوں گھبراہٹ میں ہو۔ اور کاہیکو تمہارے دلوں میں اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں کو دیکھو کہ میں ہی ہوں اور مجھے چھوؤ اور دیکھو۔ کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسے مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہکے اُنہیں اپنے ہاتھ پاؤں دکھلائے"۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حواریوں کو بوجہ واقعۂ صلیب مسیح علیہ السلام کی موت کا ظن غالب تھا اور اسی واسطے جب مسیح اُن کے سامنے آیا تو گمان کر لیا کہ یہ مسیح نہیں کوئی روح ہے مگر مسیح علیہ السلام نے اُن کو یقین دلا دیا کہ وہ ہر گز صلیب پر نہیں مرے تھے۔ ہاں صلیب پر چڑھائے گئے اور زخم کھائے۔ جو اُس نے شاگردوں کو دکھلائے اور وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کی پوری تصدیق ہوگئی۔ کیونکہ وہ شبیہ بالمقتول و مصلوب ہوئے تھے

ہفدہم۔ سترھواں۔ یہ کہ اُن کے اور شکوک رفع کرنے کے لئے خود مسیح نے کھانے کی چیز اُن سے طلب کی اور اُنہوں نے مچھلی بھون کر دی۔ جو مسیح نے اُن کے سامنے کھائی۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴۔ ورس ۴۱ لغایت ۴۳۔ جن میں لکھا ہے "اور جب

دے مارے خوشی کے اعتبار نہیں کرتے تھے۔ اور متعجب تھے۔ اُس نے اُن سے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ تب اُنہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتا اُس کو دیا۔ اُس نے لیکے اُن کے سامنے کھایا۔" اور انجیل یوحنا باب ۲۱۔ ورس ۱۳ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے +

ہژدہم۔ اٹھارھواں۔ یہ کہ تھوما جو ایک حواری تھا وہ دوسرے حواریوں کی شہادت پر کہ مسیح زندہ ہے یقین نہیں لاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جب تک میں آنکھوں سے کیلوں کے نشان دیکھ نہ لوں کبھی بھی تسلیم نہیں کرونگا۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب ۲۰۔ ورس ۲۶ لغایت ۲۷ میں لکھا ہے۔ "آٹھ روز کے بعد جب اُس کے شاگرد پھر مکان کے اندر تھے۔ اور تھوما اُن کے ساتھ تھا تو دروازہ بند ہوتے ہوئے یسوع آیا۔ اور بیچ میں کھڑا ہو کے بولا تم پر سلام پھر اُس نے تھوما کو کہا کہ اپنی اُنگلی پاس لا اور میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ پاس لا۔ اور اُسے میرے پہلو میں ڈال اور بے ایمان مت ہو۔" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے تھوما کو اس بات پر کہ وہ مسیح کو مقتول بالصلیب سمجھتا تھا کہا کہ دیکھ میں تو نہیں مرا پھر تو کیوں بے ایمان ہوتا ہے اور مجھے مقتول بالصلیب کیوں مانتا ہے +

نوزدہم۔ اُنیسواں۔ یہ کہ پھر اُس کے بعد یسوع کو اُس کے شاگردوں نے دریائے تبریاس کے کنارے پر دیکھا جبکہ وہ مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ دیکھو۔ انجیل یوحنا باب ۲۱۔ ورس ۴ و ۵ جن میں لکھا ہے۔ "اور جب صبح ہوئی تو یسوع کنارے پر کھڑا تھا۔ لیکن شاگردوں نے نہ مانا کہ وہ یسوع ہے۔ تب یسوع نے اُنہیں کہا کہ اے لڑکو تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے" +

بستم۔ بیسواں۔ یہ کہ توریت میں پیشگوئی کی گئی تھی کہ یسوع صلیب پر نہیں مریگا۔ جس کی تصدیق یسعیاہ باب ۵۳ ۔ سے یوں ہوتی ہے۔ "اور اُس کی بقائے عمر کی جو بات ہے۔ سو کون سفر کر کے جائیگا۔ کیونکہ وہ قبائل کی سرزمین (یعنے ارض مقدسہ) سے علیحدہ کیا گیا ہے۔" اس آیت سے دو باتیں نکلتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ صلیب سے بچ جائیگا اور دوم یہ کہ وہ باقیماندہ عمر اُس ملک میں بسر نہیں کریگا بلکہ ایک دور دراز ملک میں جہاں سفر کئے بغیر اُس کا ملنا مشکل ہوگا +

بست و یکم۔ اکیسواں۔ یہ کہ مسیح صاحبِ اولاد ہوگا جس کی تصدیق توریت سے یوں ہوتی ہے جبکہ تو گناہ کے بدلے میں اُس کی جان کو دیگا تو وہ بچ جائیگا اور صاحب اولاد ہوگا۔ اُس کی

عمر لمبی کیجائیگی۔ وہ اپنی جان کی بنا سخت تکلیف دیکھیگا۔ دیکھو کتاب یسعیا باب ۵۳ درس ۱۰۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی لغزش کی وجہ سے مسیح پر ایک دکھ آئیگا۔ بمطابق آیت مَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ مگر وہ بفضلِ خدا اُس مصیبت سے بچ جائیگا اور اس کی عمر دراز ہو جائیگی بشارت دوم یسعیا باب ۵۱ درس ۱۵ اب جھکا ہوا بندہوا ۔۔۔ آزاد کیا جائیگا۔ وہ غار میں نہ مریگا اور اسکی روٹی کم نہ ہوگی۔ چنانچہ احادیث ذیل سے ظاہر ہے کہ اس واقعہ صلیب کے بعد ۸۷ برس اور زندہ رہا۔ اور صاحب اولاد بھی ہوا۔ چنانچہ افغانستان میں ابتک عیسیٰ خیل قوم موجود ہے۔

صلیب سے بچ جانیکا ثبوت احادیث سے

علاوہ ثبوتِ انجیل احادیث سے بھی ثابت ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے چنانچہ احادیث ذیل سے واضح ہے +

(۱) مَا تَوَفَّی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِیًّا قَطُّ حَیْثُ یَقْبِضُ رُوْحَہٗ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ رُوْحُہٗ رَوَاہُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ مُرْسَلًا

ابن سعد نے ابی ملیکہ سے مرسلاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی نبی کو وفات دی تو وہ اس جگہ دفن کیا گیا جہاں اُس کی روح قبض کی گئی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ +

(۲) مَا قَبَضَ اللّٰہُ تَعَالٰی نَبِیًّا اِلَّا فِیْ مَوْضِعِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یُّدْفَنَ فِیْہِ رَوَاہُ التِّرْمَذِیُّ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ

ترمذی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو قبض نہیں کیا مگر اُسی جگہ میں جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶۔ صفحہ ۱۱۹ +

(۳) لَمْ یُقْبَرْ نَبِیًّا اِلَّا حَیْثُ یَمُوْتُ رَوَاہُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ

احمد بن حنبل حضرت ابوبکر سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ کسی نبی کی قبر بجز اُس جگہ کے جہاں وہ فوت ہوا اور کہیں نہیں بنائی گئی۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ +

ان تمام احادیث سے واضح ہے کہ ہر نبی کی قبر اُسی جگہ بنائی جاتی ہے جہاں وہ فوت ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مسیح اگر صلیب پر مر گئے تھے۔ تو اُن کی قبر اسی صلیب کی جگہ بنائی جاتی لیکن انجیل و تواریخ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ اُسی جگہ اُن کی قبر نہیں بنائی گئی۔ بلکہ ایک اور جگہ پر پہلے ہی سے قبر موجود تھی قبر نہیں بلکہ ایک کھوہ پہاڑی میں تھی جو یوسف آرمیتا کے باغ کے اندر ایک چٹان

سے بھی جیسا کہ کتاب کروسی فکشن سے ظاہر ہے دیکھو کتاب مذکور جہاں وہ صرف چند گھنٹہ رکھے گئے تھے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہیں تھے بلکہ زندہ اُتارے گئے اور زندہ ہی قبر میں رکھے گئے جہاں وہ بعد دوسرے ممالک میں چلے گئے +

علامہ ابوالعباس احمد بن یوسف دمشقی اپنی تاریخ اخبار الدول میں لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی والدہ کی تجہیز و تکفین خود کی تھی۔ چنانچہ وہ عبارت حسب ذیل ہے +

وَ ذَکَرَ اَبُو اللَّیْثِ السَّمَرْقَنْدِیُّ فِی تَنْبِیْہِ الْغَافِلِیْنَ اَنَّ مَرْیَمَ مَاتَتْ قَبْلَ اَنْ یُرْفَعَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ اَنَّ عِیْسٰی تَوَلّٰی دَفْنَہَا بِنَفْسِہٖ یعنی ابواللیث سمرقندی نے تنبیہ الغافلین نام کتاب میں ذکر کیا ہے کہ مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے پہلے فوت ہوئیں۔ اور خود عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو دفن کیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس امر پر یہود و نصاریٰ و اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مریم مدت تک زندہ رہیں۔ یعنے کامل سات سال تک۔ اور جب خود مسیح علیہ السلام نے اُن کی تجہیز و تکفین کی تو بوقتِ صلیب نہ صلیب پر مرے اور نہ آسمان پر گئے۔ دیکھو تاریخ مذکور جلد اول صفحہ ۱۶۰ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم واقعہ صلیب کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ممالک مشرقیہ میں آئیں۔ کیونکہ اُن کی قبر بھی ارض مقدسہ میں نہیں بلکہ اس خیال سے بعض فرقہ عیسایان کہتے ہیں کہ مریم بھی آسمان پر زندہ چلی گئیں۔ سچ ہے کہ جو شخص اُن کی نظروں سے غائب ہوا تو انہوں نے سب سے آسان یہ بات نکال لی کہ جب قبر کا وجود نہیں تو پھر تو آسمان پر ہی چلی گئی ہونگی۔ مگر ان نادانوں کو معلوم نہیں تھا کہ ایسی بات کب تک مخفی رہ سکتی ہے۔ حضرت مریم کی قبر اب تک کاشغر میں موجود ہے جسکو شک ہو جاکر دیکھ لے +

اس شک کی تردید کے وجوہات کہ لاشِ مصلوب کسی دوسرے شخص کی تھی

اگر یہاں پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ وہ قبر جو یوسف آرمیتا نے بظاہر مسیح کی لاش سمجھکر تجویز کی تھی۔ وہ اصل میں مسیح کی لاش نہ تھی۔ بلکہ ایک دوسرے شخص کی لاش تھی۔ جو مسیح کی صورت

میں بدل گیا تھا بوجوہات ذیل درست نہیں +

(۱) اگر وہ مسیح نہیں تھا۔ بلکہ کوئی دوسرا شخص تھا تو پھر ایک امیر یوسف آرمیتا جو ایک دور دراز مقام سے آیا تھا۔ اور ایک بڑا مالدار آدمی تھا۔ کیوں اتنی تکلیف گوارا کرتا +

(۲) پھر مریم مگدلینی وغیرہ عورات جو مسیح کی وفات کی خبر سنکر اُن کی لاش دیکھنے کے لیے آئی تھیں کیوں روتی تھیں +

(۳) اگر وہ مسیح نہیں تھا تو کیوں اپنے شاگردوں کو سچوں کے زخم دکھلائے +

(۴) اگر وہ مسیح نہیں تھا بلکہ دوسرا شخص تھا تو کیوں حاضرین کے سامنے صلیب پر چڑھنے والے شخص نے اصل حقیقت کا انکشاف نہ کیا۔ کیونکہ اگر وہ مسیح کا خیرخواہ اور حواری بھی تھا تو اس کو اب کیا غم تھا۔ جبکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ مسیح تو آسمان پر اُس کی آنکھوں کے سامنے اُڑ گیا۔ اور اگر وہ دشمن تھا۔ تو بھی اپنی بریت کے لیے فطرتاً چیختا اور چلاتا اور دوہائی دیتا کہ میں یسوع نہیں ہوں دیکھو وہ تو چھت پھاڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ میں تو فلاں شخص ہوں۔ مگر اُس نے ہرگز اس بات کا اظہار تک نہیں کیا +

(۵) سب سے بڑھ کر یہ بات قابل غور ہے کہ جب وہ صلیب پر کھینچا گیا تو کیوں یہودیوں نے کہا کہ اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ تو تو ہمارے سامنے اُتر کر آجا اور اس طرح ہم کو معجزہ دکھلا۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ یہودیوں کو دھوکا لگا وہ دوسرا شخص تھا۔ مسیح نہیں تھا۔ تو پھر اُس وقت اُس شخص کو کیا عذر تھا کہ نہ کہا کہ بھائیو میں تو مسیح نہیں ہوں کیونکہ مسیح تو اپنا معجزہ دکھلا کر آسمان پر چلا گیا۔ اور تم ایک ایسے شخص کو جو بالکل بے قصور ہے صلیب دے رہے ہو +

کتب انگریزی وغیرہ سے اس امر کا ثبوت کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ زندہ بچ گیا

ہم یہاں پر انگریزی وغیرہ کتابوں سے ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر ہرگز نہیں مرے تھے بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُن کو بچا لیا تھا۔ چنانچہ کتبِ ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے +

(۱) کتاب سوپر نیچرل ریلیجن کے صفحہ ۵۲۲ میں۔ جو انگریزی میں ہے یوں لکھا ہے :۔
پہلی تفسیر جو بعض لایق محققین نے کی ہے وہ یہ ہے کہ یسوع دراصل صلیب پر نہیں مرا بلکہ صلیب سے زندہ اُتار اگیا اور اسکو اپنے دوستوں کے حوالہ کیا گیا۔ اور وہ آخر بچ نکلا۔ اسی عقیدہ کی تائید میں یہ دلائل ہیں کہ اناجیل کے بیان کے مطابق یسوع تین یا چھ گھنٹہ رہکر فوت ہوگیا تھا۔ لیکن صلیب پر ایسی جلدی کی موت کبھی پہلے واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ صرف اُن کے ہاتھوں پر میخیں گاڑی گئیں تھیں اور پاؤں پر میخیں نہیں لگائی گئی تھیں۔ پس ظاہرا موت جو واقع ہوئی وہ ایک سخت بیہوشی تھی۔ جو کہ چھ گھنٹہ کے جسمانی اور دماغی صدموں کے بعد اُس کے جسم پر پڑی کیونکہ گذشتہ شب بھی متواتر تکلیف اور تھکاوٹ میں گذری تھی۔ جب اُسے کافی صحت پھر حاصل ہوگئی تو اپنے حواریوں کو پھر یقین دلانے کیواسطے کئی دفعہ ملا۔ لیکن یہودیوں کے سبب نہایت احتیاط کی جاتی تھی حواریوں نے اُس وقت یہ سمجھا کہ یہ مرکر زندہ ہوا ہے اور چونکہ موت کیسی بیہوشی تک پہنچکر وہ پھر بحال ہوا۔ اسواسطے ممکن ہے کہ اُس نے آپ بھی دراصل یہی سمجھا ہو کہ میں مرکر پھر زندہ ہوا ہوں اب جب اُستاد نے دیکھا کہ اس موت نے میرے کام کی تکمیل کردی ہے تو وہ پھر کسی ناقابل حصول اور نامعلوم تنہائی کی جگہ میں چلا گیا۔ اور مفقود الخبر ہو گیا۔ دیکھو کتاب مذکور +

(۲) اُسی کتاب میں ایک اور شخص گفرور کا بیان ہے۔ جو حسب ذیل ہے :۔
گفروریس نے سینٹ وڈ کے اس مسئلہ کی نہایت قابلیت کے ساتھ تائید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہود کے حکام کے درمیان یسوع کے مرید تھے۔ جو اُس کو علانیہ مخالفت سے تو بچا نہیں سکتے تھے تاہم اُن کو امید تھی کہ ہم اس کو مرنے سے بچا لینگے۔ یوسف ایک دولتمند آدمی تھا اور اُسے مسیح کے بچانے کے وسائل بھی مل گئے تھے۔ نئی قبر بھی اس مقام صلیب کے قریب ہی اُس نے طیار کرائی تھی۔ اور مسیح کے جسم کو بھی پلاطوس سے مانگ لیا تھا +

(۳) کتاب ماڈرن ووٹ اینڈ کرسچن بلیف کے صفحہ ۴۵۵ - و ۴۵۷ پر انگریزی میں یوں لکھا ہے۔ جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔
شلیرمیخر اور نیز قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ اُس پر ایک ظاہرا موت کی سی حالت ہوگئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مدت تک اپنے حواریوں کے ساتھ پھرتا

رہا۔ اور پھر دوسری یعنے اصلی موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہوگیا دیکھو کتاب نمبر

(۴) ڈی ایف سٹراس صاحب کی نیو لائف آف جیزز جلد ا صفحہ ۴۱۰ میں یوں لکھا ہے۔

جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے +

اگرچہ صلیب کے وقت ہاتھ اور پاؤں دونوں پر میخیں ماری جائیں تو پھر بھی بہت تھوڑا

خون انسان کے بدن سے نکلتا ہے۔ اسواسطے صلیب پر لوگ رفتہ رفتہ اعضاء پر زور پڑنے

کے سبب تشنج میں گرفتار ہو کر یا بھوک سے تنگ آکر مرجاتے ہیں۔ پس اگر فرض بھی کر لیا جائے

کہ قریب ۶ گھنٹہ صلیب پر رہنے کے بعد یسوع جب اُتارا گیا تو وہ مرا ہوا تھا۔ تب بھی نہایت ہی اغلب

بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک موت کی سی بیہوشی تھی۔ اور جب شفا دینے والی مرہمیں اور نہایت

ہی خوشبودار دوائیں اُس پر ملکر اُسے غار کی ٹھنڈی جگہ میں رکھا گیا تو اُس کی بیہوشی دُور ہوئی

(۵) اکر دشنی فکشن نام کتاب میں جو ۱۹۰۷ء میں امریکہ کے شہر شکاگو میں منجانب انڈ وامریکن بک

کمپنی طبع ہوئی ہے اور جو دوسرا ایڈیشن ہے اور وہ اصل میں ایک چٹھی ہے جو مسیح علیہ السلام کے

ایک دوست نے ایسینی نے ایک اسیر یہ قوم کے ایک دوست کے نام جو اس وقت سکندریہ میں رہتا تھا۔ مسیح

علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے چشم دید حالات یوں لکھے ہیں +

کہ تم نے بہت سی افواہیں مسیح علیہ السلام کی نسبت سُنی ہونگی مگر چونکہ اُن لوگوں کو اصل حالات

سے محض بے خبری ہے اس لئے میں آپ کو صحیح صحیح حالات لکھتا ہوں۔ کیونکہ کل حالات میرے

سامنے واقع ہوئے اور جو کچھ میں لکھ رہا ہوں یہ سب میرا چشم دید ہے دیکھو صفحہ ۲۹ پھر صفحہ

۵۰ پر لکھا ہے کہ جب اُن عذابوں اور دُکھوں کا نقشہ میرے سامنے آتا ہے تو میرے دل کا زخم

از سر نو تازہ ہو جاتا ہے اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو کا دریا اُمڈ آتا ہے اور اسوقت

بھی میرا یہی حال ہے۔ مسیح خدا کا فرستادہ اور ہم سب کا محبوب تھا اور مسیح پر تعلیم الٰہی اور

کائنات اور اُس کے عناصر کا علم بذریعہ وحی نازل ہوتا تھا +

میرے بھائیو جو کچھ کہ یروشلم میں آج سے سات سال پیشتر واقع ہوا میں نے اپنی آنکھوں

سے دیکھا مگر میں نے اُس کو ابتک اسواسطے مخفی رکھا کہ یہودی سخت مخالفت پر تلے ہوئے تھے

پھر صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر لکھا ہے کہ گو ہماری جماعت اس قابل تھی کہ ہم ہر طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو برملا اُنکے دشمنوں سے بچا لیتے اور اُن کو کوئی تکلیف اُٹھانے نہ دیتے اگر جلدی سے کارروائی وقوع میں آتی

ذٹ نوٹ لہ یہ کتاب دفتر بدر اگیجنسی سے قیمت ہے نی نسخہ مل سکتی ہے +

اور اگر ہماری کمیٹی کے قواعد ہمیں نہ روکتے۔ مگر پھر بھی ہم نے مخفی طور سے اُس کو بچا لیا۔ ہمیں کوئی شک نہیں کہ مسیح نے اپنی دینی خدمات اور تبلیغ کو نہایت صدق اور استقلال سے بجا لا کر اپنی جانِ عزیز کو خطرے میں ڈال دیا تھا اور شہادت کا پیالہ پینے کے لئے ایک دم کے لئے بھی دریغ نہیں کیا تھا اور اس کارروائی سے اُس نے ثابت کر دیا تھا کہ اُس کو خدا کی عظمت خدا کے جلال کے ظاہر کرنے کے لئے اپنی جان قربان کر دینا ہرگز دریغ نہیں تھا +

پھر صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے کہ وہ جلو جس میں مسیح علیہ السلام اور دو چور بھی شامل تھے اُس دروازہ میں سے گذرا جو اُس وادی کی جانب ہے جو یروشلم سے گلگت کے مابین واقع ہے جہاں صلیب لگائی گئی تھی +

جب مسیح علیہ السلام صلیب کی تکلیف اور زخموں کے درد سے جو کوڑوں کی ضرب سے تھا اور جن سے خون بہ رہا تھا آدھ موا ہو رہا تھا اور عورتیں اُس دردناک منظر کو دیکھکر زور سے ڈاہیں مار کر روتی تھیں +

جب جلو اُس خشک پہاڑ میں جسکو گلیون کہتے ہیں اور جہاں سبزی اور درختوں کا نام و نشان نہیں جسکو موت کی گھاٹ کہہ سکتے ہیں پہنچے تو ضعف کے مارے حضرت مسیح علیہ السلام زمین پر گر پڑے دیکھو صفحہ مذکورہ بالا +

اِس دوران میں رومی سپاہی صلیب کے تیار کرنے میں مصروف ہوئے اور اُس کی حالتِ زار پر اُنہوں نے رحم کھا کر ایک شربت تیار کیا تا کہ صلیب پر چڑھانے سے بیشتر وہ بیہوش ہو جاویں یہ شربت ترش شراب اور چوب کرم کی آمیزش سے تیار ہوا تھا جس کو وہ توسکہ کہتے ہیں مگر مسیح علیہ السلام نے بدیں خیال پینے سے انکار کر دیا کہ میں خدا کے حضور شرابی بنکر نہیں جانا چاہتا +

پھر صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے مسیح کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور وہ لباس پہنایا گیا جو صلیب کے وقت پہنایا جاتا ہے۔ اور مسیح کی صلیب دو چوروں کے درمیان کھڑی کی گئی +

صفحہ ۶۰ پر لکھا ہے کہ مسیح کو اُٹھا کر اول اُس چھوٹی سی ٹیک پر جو سہارے کے لئے لگائی جاتی ہے بٹھایا پھر اُس کے بازوؤں کو مضبوط رسی سے اس زور سے باندھا کہ دورانِ خون رُک گیا اور تنفس میں تنگی ہو گئی۔ اسی طرح اُنہوں نے اُن کے پاؤں کو بھی زور سے باندھ دیا۔ بعد ازاں اُن کے ہاتھوں میں حسب معمول میخیں گاڑ دیں لیکن اُن کے پاؤں میں میخیں نہیں لگائیں

تھیں اور دھوپ میں جو اُس روز نہایت ہی سخت تھی بھوکا پیاسا لٹکا دیا گیا اور سپاہی اُن کے کپڑے اُٹھا کر لے گئے +

صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے۔ جب سہ پہر کو سورج ٹھنڈا ہو گیا تو لوگوں کے گروہ کے گروہ شہر سے آنے گئے اور اُن میں کئی ایک یہودی علما بھی تھے جو اپنے گنہگار قیدی کو اس طرح لٹکا ہوا دیکھ کر خوب گھور گھور کر اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے۔ اور اُس کی تکلیف اور درد پر اُس سے ٹھٹھے اور تمسخر کرتے تھے۔ مگر مسیح علیہ السلام اُن کے اس تمسخر اور دل آزاری پر زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ خاموش آسمان کی طرف دیکھتے رہے اور صبر کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ جو عورتیں گلیل سے آئی ہوئی تھیں وہ کچھ فاصلہ پر کھڑی اس جان گداز منظر پر پیچ و تاب کھاتی اور اُن کی اس بیوقت موت پر سخت تاسف کرتی تھیں +

ناگہاں سواروں کی ایک جماعت آئی جن میں ایک سوار سردار کاہن کائیفس نامی تھا جو معہ اپنے نوکروں کے وہاں آنکر خدا کے مصلوب فرزند پر نفرین اور تمسخر کرنے لگا اور غمزدوں کی دردناک آوازیں بند ہو گئیں۔ اور مصلوب چوروں میں سے ایک چور بھی اُن کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر تمسخر کرنے لگا کیونکہ اول اُس کو امید تھی کہ مسیح اپنے معجزہ سے اُنکو بھی بچا لیگا لیکن ازاں رومی سپاہیوں نے ایک تختی صلیب پر لگا دی جس پر لکھا ہوا تھا یہودیوں کا بادشاہ۔ پھر صفحہ ۶۲ پر لکھا ہے۔ حضرت مسیح نے رونے چلانے والی عورتوں میں سے جو گلیل سے آئی تھیں اپنی ماں کو پہچان لیا جو یوحنا (حضرت یحیی) کے پاس کھڑی تھیں اور بڑی درد اور دُکھ کی حالت میں چلا کر بائیسویں زبور پڑھکر دعا مانگتی تھیں کہ اے خدا مجھے ان مصائب سے نجات بخش +

صفحہ ۶۳ پر لکھا ہے جوں ہی شام قریب ہوئی زمین شدید زلزلہ سے ہلنے لگی اور رومی سنتری اس قدر مرعوب اور مخوف ہوا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو پکارنے لگا اور اُس کو اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ مسیح دیوتاؤں کا پیارا تھا۔ بہت سے لوگ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ کر یروشلم کو چلے گئے۔ پھر صفحہ ۶۴ پر ہے سنتری ایک شریف اور رحمدل آدمی تھا اُس نے یوحنا کو اجازت دی کہ مسیح کی والدہ کو صلیب کے پاس لائیں +

حضرت مسیح پیاس کے مارے ماندہ ہو گئے تھے اُن کے لب خشک ہو گئے تھے اور بازو

سخت درد کرتے تھے۔ ایک سپاہی نے سپنج سرکہ میں بھگو کر اُن کے مُنہ تک پہنچایا اور اس طرح اُن کی پیاس کو بُجھایا۔ حضرت عیسٰے نے یوحنا کو تاکید فرمائی کہ میری والدہ ماجدہ کی نگرانی اور خبرگیری کرتے رہیں۔ اُسوقت اندھیرا ہو رہا تھا اور بحر مردار سے سرخ رنگ کا کُہر اُٹھتا ہوا دکھلائی دیتا تھا اور تمام آس پاس کے پہاڑ زلزلہ سے ہل رہے تھے حضرت مسیح کا سر اُنکی چھاتی پر جُھک کر لگ گیا تھا +

صفحہ ۶۵ پر ہے اگرچہ ہمارے تمام بھائی ایک راز کی وجہ سے اس امر کو افشا نہیں کر سکتے مگر سب کو معلوم ہے کہ جو جو خارق عادات وقوعات بموقع صلیب ظہور میں آئے وہ کیسے ہمارے ازدیاد ایمان کا باعث ہوئے +

پھر صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے کہ اگرچہ ہماری جماعت بوجہ اپنے قواعد و ضوابط کے علانیہ پولیٹکل امورات میں دخل نہیں دے سکتی تھی مگر پھر بھی دو ہمارے بھائی بہت با اثر اور تجربہ کار آدمی تھے جنہوں نے پلاطوس (حاکم وقت) اور یہودی کونسل پر اپنا اثر پیدا کر لیا تھا اور امید تھی کہ مسیح پر یہ سانحہ جانکاہ نہ ہونے پائیگا مگر اُن کی ساری کوشش رائیگاں گئی جبکہ مسیح علیہ السلام نے فرما دیا کہ مجھے خدا کی راہ میں اُس کے دین کے لئے موت قبول ہے۔ تا کہ نوشتہ پورا ہو +

ایک شخص یوسف آرمیتیا کا رہنے والا ایک بڑا دولتمند اور ممبر کونسل تھا اور وہ لوگوں میں بڑی عزت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور وہ بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ وہ علانیہ تو نہیں در پردہ ہماری جماعت سے تعلق رکھتا تھا اُس کا ایک دوست نکوڈیمس نامی ایک بڑا عالم آدمی تھا جسکو ہمارے سلسلہ سے اعلیٰ درجہ کا تعلق تھا اور بڑا بیوٹ کے رازوں سے واقف تھا +

صفحہ ۶۷ پر لکھا ہے۔ جب عام طور سے مشہور ہو گیا کہ مسیح مر گیا۔ یوسف اور نکوڈیمس دونوں صلیب کے موقع پر آئے اور مسیح کی لاش کو خوب غور سے ملاحظہ کیا۔ نکوڈیمس نے یوسف کو الگ لیجا کر کہا کہ جس قدر مجھے علوم قانونِ قدرت سے آگاہی ہے اُن کے رو سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسیح مرا نہیں ہے اور ہم اُس کو بچا سکتے ہیں مگر یہ ایک راز ہے جو کسی پر افشا نہ ہونے پائے +

صفحہ ۶۸ پر ہے نکوڈیمس۔ یوسف کو کہکر چلا گیا کہ میں پلاطوس کے پاس جاتا ہوں اور مجھے کہا

کہ آپ خبردار ہوکر یہاں رہیں اور خیال رکھیں کہ ہڈیاں کوئی توڑنے نہ پاوے +
چونکہ رات کو کوئی لاش صلیب پر نہیں رہ سکتی تھی کیونکہ دوسری صبح کو سبت تھا اِس لئے یہودی کونسل نے پلاطوس سے حکم حاصل کیا تھا کہ سپاہیوں کو ہدایت کی جاوے کہ وہ مصلوبوں کی ہڈیاں توڑدیں پھر اُن کو دفن کردیں +
غرض یوسف اور نکوڈیمس اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور یوسف سیدھا پلاطوس کے پاس گیا۔ کیونکہ وہ اکثر لاشوں کو اُن کے دوستوں کے پاس فروخت کردیتا تھا تاکہ متوفی کے دوست ہی اُس کو دفن کردیں۔ میں نے سنتری کو کہا کہ مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی جائیں کیونکہ یہ معمولی انسان نہیں اور چونکہ وہ رحمدل بھی تھا اس واسطے اُس نے سپاہیوں کو کہا کہ اس شخص کی ہڈیاں نہ توڑیں کیونکہ یہ مرچکا ہے اور دوسرے دونوں چوروں کی ہڈیاں میرے سامنے توڑی گئیں +
ایک سپاہی نے مسیح کی پسلی میں بھالا چبھو دیا جس سے خون اور پانی نکلا جس پر یوحنا (یحییٰ) جن کا خیال غالب تھا کہ مسیح مرچکا ہے دیکھکر متعجب ہوا اور خود مجھے بھی مسیح کے زندہ ہونے کی امید بندھ گئی۔ کیونکہ مُردہ کے جسم سے سوائے چند قطرات غلیظ خون کے کچھ نہیں نکلتا مگر اس کے جسم سے تو خون اور پانی نکلا +
اتنے میں یوسف اور نکوڈیمس حکم لیکر آ گئے کیونکہ پلاطوس نے بلا معاوضہ لاش یوسف کے سپرد کردی تھی کیونکہ پلاطوس یوسف کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ نکوڈیمس تو زخم سے پانی اور خون بہتے دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ حالت اچھی ہے۔ اور آہستہ سے کہا کہ دوستو خوش ہو مسیح مرا نہیں زندہ ہے اور میں اب اُس کے لئے تدبیر کرتا ہوں وہ صرف کمزوری کی وجہ سے بیہوش ہے +
راقم خط لکھتا ہے کہ میں اُس وقت جبکہ یوسف پلاطوس کے پاس گیا ہوا تھا اپنی بستی میں جو قریب تھی دوڑ گیا اور وہ بُوٹیاں جو ایسے حالات میں کام آسکتی ہیں لایا۔ دیکھو صفحہ ۴۳ جب مسیح کو بڑی احتیاط سے صلیب پر سے اُتارا گیا تو نکوڈیمس نے خوشبوئیں اور ادویہ نیچے بچھادیں جن سے خوب گرمی پیدا ہوئی اور وہ اچھی ادویات طاقت پیدا کرنے میں بینظیر تھیں۔ دیکھو صفحہ ۴۷۔ پھر مسیح کے جسم کو ایک قبر میں جو چٹان کے اندر بنی ہوئی تھی اور وہ

قبر یوسف آرمیتا کے باغ کے اندر تھی اُس کہف میں نفوی ادویات بچھائی گئیں اور مسیح کے جسم کو گھاس کے اوپر لٹا دیا گیا تھا۔ اور اوپر ایک بھاری پتھر رکھ دیا گیا تھا +

جب یہ کارروائی ہو چکی تو یوحنا بتھانیہ کی طرف مسیح کی والدہ کو تسلی دینے کے لئے روانہ ہو گیا۔ گو سبت کا دن تھا مگر کائفس سردار کاہن نے پھر بھی خفیہ جاسوس وہاں بھیج دئے تھے تاکہ جا کر معلوم کریں کہ کون کون مسیح کے دوست ہیں۔ دیکھو صفحہ ۷۵ +

کائفس کی بڑی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یوسف اور گلیلی لوگوں کو پھنسائے اور اس واسطے اُس نے بڑے بڑے الزام لگائے کہ اُن کو قید خانہ میں بھیجا جائے۔ حتیٰ کہ سردار کاہن نے پلاطوس کو بھی مضطر کیا۔ دیکھو صفحہ ۷۶ +

نکوڈیمس نے مجھے اور جماعت کے بوڑھوں اور داناؤں کو جمع کیا کہ کوئی ایسی تجاویز سوچی جائیں جس سے مسیح جلدی تندرست ہو جائے اور ایک محافظ قبر پر بھیجا گیا اور یوسف اور نکوڈیمس اپنی کارروائی کی تکمیل کے لئے شہر کو گئے دیکھو صفحہ مذکور +

آدھی رات کے بعد اور صبح کے قریب زمین بوجہ زلزلہ پھر کانپنے لگی اور ہوا بھی نہایت تیز ہو گئی۔ چٹانیں ہلنے اور چٹخارے لینے لگیں۔ واقعی وہ رات نہایت ہی خوفناک رات تھی جانور زلزلہ سے خوف زدہ ہو کر چاروں طرف چیختے چلاتے دوڑتے پھرتے تھے۔ اور سردار کاہن کے فرستادہ سخت خوف زدہ ہو گئے تھے دیکھو صفحہ مذکور +

اُسی رات کو ہماری جماعت نے ایک آدمی کو مخفی رستے سے سفید لباس پہنا کر قبر کی طرف بھیجا جو پہاڑوں میں سے ہو کر گذرتا تھا اور اُس راستہ سے سوائے ہماری جماعت کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ جب بزدل ملازمان نے سردار کاہن کے ایک آدمی کو سفید لباس میں پہاڑ پر سے قبر کے پاس جاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ کوئی فرشتہ آسمان سے اترا ہے وہ ڈر کر بھاگ گئے۔ جب اسیریہ کا آدمی جو ہماری طرف سے بھیجا گیا تھا۔ پتھر رکھا ہوا تھا تو ناگہاں ایک دفعہ پھر زلزلہ کا دھکا آیا منٹیں گھنٹے مسیح کو قبر کے اندر رکھے ہوئے گذر چکے تھے۔ اُس آدمی کو کھوہ کے اندر ہلکی سی آواز سُنائی دی تو اُس کھوہ میں اُتر گیا اور دیکھکر بڑا ہی خوش ہوا کیونکہ مسیح کے لب ہلتے تھے اور وہ سانس لے رہا تھا۔ وہ اُس کی مدد کے لئے قریب ہوا اور اُس کی چھاتی سے آواز سُنی اور مسیح کا چہرہ ایک زندہ انسان کا سا دکھلائی دیتا تھا کہ ناگہاں مسیح

نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے پاس ایک نومرید کو موجود پایا دیکھو صفحہ ۷۹ +

ہم بیس آدمی کونسل سے فارغ ہوکر اُس کھوہ کی طرف گئے وہاں جاکر دیکھا کہ ہمارا آدمی مسیح کے سرکو اپنی چھاتی کے ساتھ لگائے بیٹھا ہے۔ جب مسیح کی نظر ہماری جماعت پر پڑی تو اُس کی آنکھیں مارے خوشی کے چمکنے لگیں۔ یوسف سے نہ رہا گیا۔ بڑھکر اُن سے بغلگیر ہوا اور جو کچھ اُنپر گذرا تھا سارا حال اُن کو کہہ سنایا۔ مسیح سارے واقعات کو سنکر سخت متعجب ہوا اور خدا تعالیٰ کی حمد کرکے یوسف کی چھاتی پر سر رکھکر رویا۔ تب نکوڈمیس نے جو ایک لائق اور تجربہ کار طبیب تھا اپنے دوست کو کہا کہ کچھ نوش جان فرمائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے کچھ کھجوریں اور کچھ روٹی شہد کے ساتھ کھائی۔ پھر مسیح کو وہاں سے نکال کر ایک مکان میں جو ہماری جماعت کا تھا لے گئے۔ پھر وہاں سے ایک آدمی پہلے آدمی کی مدد کے لئے قبر پر بھیجا گیا تاکہ دوائی اور ہر قسم کے نشانات کو وہاں سے معدوم کردیں۔ دیکھو صفحہ ۸۲ +

پھر سب دوستوں نے مسیح کو مشورہ دیا کہ جہانتک ممکن ہو چھپے رہیں تاکہ بدن میں قوت بھی آجائے۔ پھر مسیح نے باغبان کیسی پوشاک پہنی اور اپنے بعض عزیز دوستوں سے ملا۔ تاکہ اُن کو یقین ہوجائے کہ میں مرا نہیں بلکہ زندہ ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھ کو بچا لیا ہے۔ قبر پر جو عورتیں آئیں تو اُن کو ہمارے آدمیوں نے کہدیا کہ وہ یہاں نہیں وہ یہاں سے گلیل کو چلا گیا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام اُنکو باغبان کے لباس میں ملا چونکہ اُس کو اپنے دوستوں کے ملنے اور اپنے مشن کے سرانجام دینے کا از حد شوق تھا اس لئے ہماری جماعت کے لوگوں کی نصیحت پر بھی کہ وہ مخفی رہیں صبر پیرا نہ ہوسکا۔ اور مریم مگدلینی سے جس کے ساتھ اُسکو بہت محبت تھی اور جس سے مسیح کو خواہش نکاح بھی ہوگئی تھی دھیمی آواز سے کہا کہ میرا بدن ضعیف اور تحلیل ہوگیا ہے۔ اب میں زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب میں جلدی اپنے باپ کے پاس آسمان پر جانیوالا ہوں۔ دیکھو صفحہ ۸۶ +

چونکہ بہت سے معجزات اُن ایام میں ظاہر ہوئے تھے اس لئے سردار کاہن نے بدیں اندیشہ کہ مبادا وہ کہدیں کہ مسیح زندہ ہوگیا پہرہ داران کو روپے دئے کہ وہ رپورٹ کریں کہ اُس کے دوست اُس کی لاش چرا کرلے گئے ہیں +

اس اثنا میں مسیح کے زخم اچھے ہوگئے تھے اور بدن میں طاقت آگئی تھی تو وہ کہنے لگے

کہ میں اب کب تک کمین گاہ میں مخفی رہونگا۔ اُستاد کا فرض ہے کہ وہ لڑکوں کے اندر رہے اور بیٹا ماں کی گود میں۔ یوسف نے کہا کہ اب ہماری جماعت ہی آپ ہی کے ماں باپ ہیں اور یہ ہر وقت آپ کی حفاظت کرینگے ۔

مسیح نے کہا کہ میں موت سے نہیں ڈرتا اور میرے دشمنوں کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ خدا نے مجھے اپنے فضل سے بچا لیا ہے۔ آخر کو مشورہ ہوا کہ مسیح کہیں دور محفوظ جگہ پر جو مخفی ہو بود و باش رکھیں گو نکوڈیمس نہیں چاہتا تھا کہ وہ ایسی ضعف کی حالت میں سفر کریں۔ مگر مسیح نے جواب دیا کہ جو ہوتا ہے سو ہونے دو۔ دیکھو صفحہ ۹۲ ۔

آخر مسیح وہاں سے بوقت شب اکیلا سفر پر روانہ ہوا اور اُسکو ایک کپڑا دیا گیا تا کہ وہ منہہ لپیٹ کر شہر کے باہر چلا جائے مبادا کوئی پہچان لے کہ یہ مسیح ہے۔ رستے میں دو آدمی ملے جن سے کچھ گفتگو ہوئی پیچھے کچھ حواری بھی اُس سے جا کر ملے۔ رستہ میں کسی جگہ کھانا کھایا پھر اُس نے حواریوں کو نصیحت کی کہ تم تبلیغ کے کام کو سرگرمی سے سرانجام دیتے رہنا آخر اُن کو برکت کی دعا دی۔ اور یہ بھی کہا کہ تم میری نسبت کہ میں کہاں جاتا ہوں ہرگز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ دیکھو صفحہ ۹۷۔ آخر کئی منزل یروشلم سے باہر نکل گئے اور زیتون کے پہاڑ پر پہنچے۔ وہاں سے پھر مسیح علیہ السلام کو اشتیاق ہوا کہ ایک دفعہ پھر اپنے حواریوں سے ملے اور ٹامس حواری کو جو مسیح کے زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتا تھا یقین دلاوے کہ میں زندہ ہوں چنانچہ آٹھویں روز مسیح یروشلم میں پھر وارد ہوا اور ٹامس کو زخم دکھلائے اور یقین دلایا پھر تمام حواریوں کو وصیت کی کہ تم سب متفق ہو کر ایمان پر ثابت قدم رہو۔ شام کے وقت حواریوں سے جدا ہوا اور یوحنا اُن کے ہمراہ ہوا۔ جب بیتھانیہ میں پہنچا تو اپنے گھر میں جا کر اپنی والدہ اور دوستوں سے ملا۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ خدا نے ایک دفعہ پھر باہم ہم کو ملا دیا۔ پھر اُنہوں نے باہم مل کر کچھ کھانا کھایا۔ شام کے وقت مسیح نے کہا کہ اب میں گلیل کو جاتا ہوں تا کہ حواریوں کو کار تبلیغ میں تاکید کروں۔ مگر کائیفس سردار کاہن نے بڑا شور برپا کر دیا تھا اور یہ اُس نے مشہور کر دیا تھا کہ مسیح کی لاش کو اُس کے حواری لے گئے ہیں۔ مگر بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے تھے جو کہتے تھے کہ مسیح خدا کی قدرت سے زندہ رہا ہے اور اس طرح باہم لوگوں میں اختلاف ہو گیا ۔

اس اثنا میں نکوڈیمس ہماری جماعت میں خبر لایا کہ یوسف آریمتیا گرفتار ہو گیا ہے اور یہ

بھی افواہ اُڑی کہ مسیح بھی اُس شام کے بعد دکھلائی نہیں دیا شاید وہ بھی ماخوذ ہو گیا ہے
اس پر ہماری جماعت نے کونسل کر کے فیصلہ کیا کہ جہانتک ہو یوسف اور مسیح کو بچایا جائے چنانچہ
کچھ آدمی تو ہتھابنہ کو مسیح کی خبر لانے کے لیے روانہ کئے گئے جو سفید لباس پہنکر نکلے اور شام
کے وقت وہاں پہنچے تو بڑی احتیاط سے سراغ لگا کر لاذر کے مکان پر مسیح سے ملے اور
یوسف کے گرفتار ہونے کی اطلاع دی۔ اس پر مسیح نے خدا کے حضور یوسف کی رہائی
کے لئے دعا کی اور یروشلم میں حواریوں کو اطلاع دی کہ تم بھی خطرہ سے محفوظ نہیں ہوشیار رہو
اور اُن کو کہلا بھیجا کہ تم مجھے یردن ندی کے کنارے پر ملو۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچے اور چونکہ
مسیح نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کیا ہم ناصرہ
میں مسیح کی تلاش کے لئے جاویں یا کیپرنام گاؤں میں۔ لیکن پطرس نے کہا کہ بہتر ہے کہ ہم کچھ
کھانا تیار کریں اور بیکار نہ رہیں تا وقتیکہ ہمارا مالک ہمیں کسی بڑے کام کے لئے آکر نہ لگا دیں
چونکہ پطرس ایک تجربہ کار ماہی گیر تھا۔ چند دیگر ہمراہیوں کو ساتھ لیکر سمندر پر شام کے وقت گیا۔ مسیح
آہستہ آہستہ سفر کرتا تھا اور رستے میں اسیرین دوستوں کے ہاں فروکش ہوتا آتا تھا آخر کو
یروشلم کے دوستوں کی معرفت خبر ملی کہ یوسف آرمیتار ہا ہو گیا ہے اور مسیح نے ایک تنہا اور مخفی جگہ
پر اپنے حواریوں سے ملاقات کرنے کی تجویز کی +

آخر چلتے چلتے مسیح سمندر کے کنارے پہنچا جہاں پطرس نے ایک جھونپڑی اپنے آرام کے
لئے بنا رکھی تھی۔ اور جہاں پر وہ مچھلیاں پکڑ کر تجارت کیا کرتا تھا۔ وہاں پطرس معہ یوحنا کے
موجود تھا اور جب وہ مچھلیاں پکڑ رہے تھے تو وہاں مسیح نے اُن کے ساتھ مل کر مچھلیوں
وغیرہ کی ضیافت کھائی۔ پھر مسیح نے دوسرے حواریوں کو کوہِ کارمل پر طلب فرمایا اور دوسری
شام کو مسیح اپنے سفر کا تہیّہ کر لیا اور کوہ کارمل میں پہنچکر خوب آرام لیا اور وہاں حواری اور بہت
سے مومن لوگ آنکر جمع ہوئے۔ مسیح کے دل میں ہمیشہ جوش اُٹھتا تھا کہ لوگوں میں جاکر تبلیغ
کرے کہ تنہائی میں دن بسر کرنا مناسب نہیں جسقدر لوگ وہاں جمع تھے اُن کو بہت کچھ سکھلایا
کہ کس طرح تم کو دُنیا میں رہنا چاہئے اور کیونکر تبلیغ کرنی چاہئے +

پھر اُس نے ہماری جماعت اور حواریوں کو وصیت کی کہ تم سب خدا کے دین کی اشاعت
کرو اور گورنمنٹ کی مخالفت نہ کرو اور اپنا کام خوش اسلوبی سے کئے جاؤ۔ چونکہ میرا یہاں

ٹھیرنا خالی از خطرہ و فساد نہیں اِس لئے میں کسی تنہائی کی جگہ جاؤنگا اور چونکہ یہ بات عام مشہور ہو چکی تھی کہ مسیح دنیاوی سلطنت قائم کرنا چاہتا ہے اِس لئے یروشلم میں بہت لوگ جمع ہو گئے تھے مگر مسیح نے اُن کو کہا کہ میں زمینی بادشاہت نہیں بلکہ آسمانی بادشاہت قائم کرنے کے لئے آیا ہوں +

اُس کی گرفتاری کے لئے بہت سے جاسوس تلاش میں پھرتے تھے مگر ہم اسیرین لوگوں کی طفیل سے وہ ہمیشہ گرفتاری سے محفوظ رہا۔ آخر کو اپنے کل حواریوں کو جمع کیا اور شہر میں سے اُس دروازہ سے گذرا جو وادی یوز آسعت کو جاتی ہے۔ جب کدرون میں پہنچا تو اُنھوں نے وہاں تھوڑا قیام کیا اور یروشلم کو یاد کرکے رویا۔ وہاں سے وہ آگے چلا گیا اور کچھ حواری اُس کے ہمراہ تھے۔ پھر وہ مونٹ آف ... پر چڑھا جہاں سے کل فلسطین کا نظارہ بخوبی ہو سکتا تھا +

بعض خاص حواریوں کا خیال تھا کہ وہ بیت عنیاہ کو لیجائیگا۔ مگر ہماری جماعت کے آدمی جن کے ساتھ جانیکی نسبت پہلے سے طے ہو لیا تھا پہاڑ کے دامن میں موجود تھے +

تب اُس نے اپنے حواریوں کو تاکید کی کہ تم ایمان پر پکے رہنا جس وقت یہ آخری کلام کر رہا تھا تو مارے غم کے اُس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ جب جدا ہونے لگا تو اپنے دونوں کے واسطے دعا کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور اُنہیں برکت دی اُس وقت تمام پہاڑ کے گرد اگر دُھند تھی اور وہ سورج کی کرنوں سے رنگین ہو رہی تھی۔ اُس وقت اسیرین برادرہُڈ کے سرداروں نے کہلا بھیجا کہ ہم آپکی انتظار میں ٹھرے ہیں تو مسیح کو تیار دیکھکر حواری دو زانو ہوئے اور مسیح کھڑا ہو گیا اور جلدی جلدی اُس گھرے ہوئے کہر میں سے ہوتا ہوا چلا گیا۔ جب حواری وہاں سے اُٹھے تو ہماری جماعت کے دو آدمی اُن کے سامنے موجود تھے جنہوں نے کہا کہ یہاں تم سب ٹھیرو مسیح تو یہاں سے روانہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ حواری پہاڑ سے نیچے اُترے اور اپنا رستہ لیکر چل دیئے +

لیکن شہر میں یہ افواہ عام طور سے مشہور ہو گئی کہ مسیح بادلوں میں بیٹھ کر آسمان پر چلا گیا۔ جان کو اصل حال معلوم تھا کیونکہ وہ وہاں موجود تھا۔ مگر اُس نے نہ کسی کو بتایا اور نہ وہ تحریر میں لایا اس سفر میں یوسف آرمیتیا اور نکوڈیمس بھی مسیح کے ساتھ تھے۔ جب بحر مردار کے قریب پہنچے

تو مسیح نے اپنے بڑے بڑے طول طویل ارادے ظاہر کئے۔ اس واسطے وہ دونو اصحاب اُن سے رخصت لیکر واپس چلے آئے اور اقرار کر آئے کہ یروشلم میں جو معاملات ہونگے اُن سے آپ کو آگاہ کیا جاویگا آخر وُڈیڈسی کے پاس مسیح کا انتقال ہوگیا اور وہاں ہی اُن کو دفن کیا گیا ظاہر ہو کہ یہ آخری فقرہ مسیح کی وُڈیڈسی کے پاس فوت ہونے کا کسی مصلحت کے لئے لکھا گیا ہے اور غالباً وہ روایت جو تاریخ طبری میں مسیح کی وفات کے متعلق آئی ہے وہ اسی قبر کے متعلق ہے کیونکہ ظنِ غالب ہے کہ روز بروز مسیح کی زندگی کی وجہ سے مُلک میں سخت فتور برپا ہو رہا تھا کائیفس سردار کاہن عوام سے اور عوام یہودی بادشاہ کے ہاں مخبریاں کر رہے تھے کہ مسیح ایک جدید سلطنت قایم کرنا چاہتا ہے اور اسی بنا پر یوسف آرمیتا کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا اور تمام معتقدین مسیح علیہ السلام معرضِ خطر میں تھے نکوڈیمس اور یوسف جیسے عقلمندوں نے اُس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب کہ مسیح یروشلم سے باہر بحر مردار کے متصل قیام پذیر تھا باہم مشورہ کرکے یہ مشہور کر دیا کہ مسیح تو مر گیا اور اُس کی ایک فرضی قبر بنا کر اور اُس پر کتبہ لکھ کر لگا دیا تاکہ ملک میں امن قایم ہو جائے اور بدظنی دور ہو جائے اور چونکہ مسیح علیہ السلام جو شب و روز تبلیغ کے لئے پریشان ہو رہے تھے اور وہ مخفی رہنا ہرگز پسند نہیں کر سکتے تھے باوجودیکہ تمام معتقدین اور قریبین لوگوں کی جماعت نے جنہوں نے اُن کے بچانے میں بڑا حصہ لیا تھا بار بار تاکید بھی کی تھی کہ باقیماندہ زندگی تنہائی میں خاموشی سے بسر کریں اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح تو ممالک شرقیہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے تشریف لے گئے اور معتقدین نے اپنے بچاؤ کے لئے ایک فرضی قبر بنا کر اُس پر کتبہ بھی لگا دیا۔

چنانچہ ابن جریر طبری نے بھی تاریخ طبری میں حسب ذیل روایت بیان کی ہے +

حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ قَالَ ثَنَا سَلَمَةُ عَنْ ابْنِ اِسْحَاقَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ ابْنِ سُلَيْمٍ الْاَنْصَارِيِّ ثُمَّ الزُّرَقِيِّ قَالَ كَانَ عَلٰى اِمْرَاَةٍ مِنَّا نَذْرٌ لَتَظْهَرَنَّ عَلٰى رَأْسِ الْجَمَّاءِ جَبَلٌ بِالْعَقِيْقِ مِنْ نَاحِيَةِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَظَهَرَتْ	ابن جریر لکھتا ہے کہ ابن حمید نے ہمارے پاس بیان کیا اُن کے پاس سلمہ نے اُن کے پاس ابن اسحاق نے اُن کے پاس عمر بن عبداللہ بن عروہ بن زبیر نے اُن کے پاس ابن سلیم انصاری ثم الزرقی نے بیان کیا کہ ہماری کنبہ کی ایک عورت نے منت مانی ہوئی تھی کہ پہاڑ کی چوٹی

معهما حتى اذا استوينا على رأس الجبل
اذا قبر عظيم عليه حجران عظيمان حجر
عند رأسه وحجر عند رجليه - فيهما
كتاب بالمسند لا ادري ما هو فاحتملت
الحجرين معي حتى اذا كنت ببعض الجبل
منهبطا ثقلا على فالقيت احدهما وهبطت
بالآخر فعرضته على اهل السريانية
هل يعرفون كتابه فلم يعرفوه وعرضته
على من يكتب بالزبور من اهل اليمن
ومن يكتب بالمسند فلم يعرفوه
قال فلما لم اجد احدا من يعرفه
القيته تحت تابوت لنا فمكث سنين
ثم دخل علينا ناس من اهل ماه
من الفارس يبتغون الخرز فقلت لهم
هل لكم من كتاب فقالوا نعم فاخرجت
اليهم الحجر فاذا هم يقرءونه فاذا هو
بكتابهم هذا قبر رسول الله عيسى بن
مريم عم الى اهل هذه البلاد فاذا هم
كانوا اهلها في ذلك الزمان مات عندهم
فدفنوه على رأس الجبل +

پر جسے جمّا کہتے تھے اور وہ عقیق میں ہے جو نواح
مدینہ میں ہے اُس نے کہا کہ میں بھی اُس کے
ساتھ گیا یہاں تک کہ ہم چوٹی پر چڑھ گئے۔ تو
کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک بڑی قبر ہے جس پر
دو بڑے بڑے پتھر تھے ایک پتھر سر کی طرف
اور ایک پاؤں کی طرف اور اُن دونوں پتھروں
پر کچھ لکھا ہوا تھا جسکو میں نہیں جانتا تھا کہ
وہ کیا لکھا ہوا ہے۔ میں نے دونوں پتھروں
کو اُٹھا لیا۔ جب میں پہاڑ پر سے اُتر رہا تھا
تو اُس کا بوجھ میرے لئے دوبھر ہو گیا اُن میں
سے ایک پتھر کو میں نے پھینک دیا اور دوسرا
لیکر نیچے اُتر آیا اور میں نے سریانی لوگوں کے آگے
پیش کیا کہ کیا تم اُس کی تحریر کو جانتے ہو مگر وہ
اُس کو پہچان نہ سکے پھر میں نے زبور لکھنے
والوں کو دکھلایا جو یمنی تھے اور خوب لکھ سکتے
تھے مگر وہ بھی نہ پڑھ سکے جب میں نے دیکھا کہ
کوئی اُس کو پڑھ نہیں سکتا تو میں نے اُس کو
ایک تابوت کے نیچے رکھدیا۔ اور وہ کئی سال
وہاں پڑا رہا پھر کچھ لوگ فارس سے آئے جو
اہل ماہ کہلاتے تھے تو میں نے اُن کو کہا کیا
لکھنا پڑھنا جانتے ہو اُنہوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں۔ میں نے پتھر نکالکر اُن کے آگے رکھا
تو اُنہوں نے لکھا ہوا پڑھا کہ اس پر یہ لکھا ہوا ہے یہ عیسیٰ بن مریم رسول اللہ علیہ السلام کی
قبر ہے اور اُس زمانہ کے لوگوں نے اُس کو پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دیا جب وہ مرگیا تھا۔ دیکھو
تاریخ الرسل الملوک ابن جریر طبری صفحہ ۳۸ و ۳۹ +

گو یہ قبر فرضی ہے اور بلاشک فرضی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غلط نہیں ہوسکتی جنہوں نے فرمایا ہے کہ مسیح علیہ السلام ۱۲۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ مسیح علیہ السلام جب صلیب سے بچکر اُترے تو ضرور کسی دُور دراز ملک میں تشریف لے گئے جہاں وہ جاکر اپنی طبعی موت سے مرے۔ جو تحقیقات سے ثابت ہے کہ وہ کوہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں شہر سری نگر دار الخلافہ کشمیر میں فوت ہوئے اور اب تک اُس کا مزار شریف محلہ خان یار میں موجود ہے۔ اور سب سے بڑھکر ابن جریر طبری نے جو دوسری صدی کے بزرگ مسلمان مورخ ہیں وہ اپنی تاریخ میں جو بڑے پایہ کی تاریخ ہے اس روایت کو درج کرتے ہیں اور اُس کے برخلاف ذرہ بھی کلام نہیں کرتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی رائے میں مسیح علیہ السلام ضرور فوت ہوچکے تھے ورنہ وہ ضرور تردید کرتے اور کہتے کہ مسیح تو آسمان پر زندہ ہیں یہ غلط ہے اور جھوٹ ہے۔ مگر اُنہوں نے ایسا نہیں کہا۔ رہا یہ امر کہ یہ وہی واقعی قبر ہے یا کوئی اور قبر ہے اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ طبعی موت سے مرے خواہ کہیں مرے

ان تمام واقعات سے ثابت ہو کہ مسیح صلیب پر تو چڑھایا گیا لیکن وہ وہاں مرا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالی نے اُس کے بچاؤ کے بہت سے سامان مہیا کر دئے تھے۔ جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اور پھر وہ اس وقوعہ کے بعد زندہ رہے۔ اور اپنے شاگردوں سے ملتے اور اُن کے ساتھ کھانا کھاتے رہے۔ یہ تو وہ شہادتیں ہیں جو خود عیسائیوں کی مقدس اور معتمد علیہ کتابوں سے دی گئی ہیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

گیارھویں فصل

اس باب میں کہ وَلٰکِن شُبِّہَ لَھُم کا مصداق کون ہے آیا مسیح علیہ السلام یا کوئی اور

واضح ہو کہ اکثر تفاسیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص یہودا نامی حضرت مسیح کو پکڑوانیکے لئے یہودیوں

کو ہمراہ لیکر اُس مکان میں جس میں حضرت مسیح علیہ السلام چھپے ہوئے تھے گیا۔ اور خود جب اندر داخل ہوا تو مسیح علیہ السلام تو چھت کے راستہ سے جو اُن کے لئے پھٹ گئی تھی۔ باہر نکل کر آسمان پر اڑ گئے اور یہودا کی صورت بگڑ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت بن گئی۔ جب لوگ پکڑنے کے لئے داخل ہوئے تو اسکو مسیح سمجھ کر پکڑ لیا۔ اور جا کر صلیب دیدی۔ یہ قصہ ہے جو اکثر تفاسیر میں پایا جاتا ہے۔ اور اکثر اسی روایت کی بنا پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور ہر گز عقل کو کام میں نہیں لایا جاتا لیکن اس قصہ کی کوئی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ جہانتک تحقیقات کی گئی کہیں بھی ثبوت نہیں ملا کہ اس قصہ کی بنیاد کیا ہے۔ نہ تو کسی حدیث صحیحہ سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ اور نہ کسی صحابی یا تابعین کی مستند روایت سے یہ ایک بالکل لغو اور بیہودہ قصہ ہے۔ جس کی تصدیق نہ عقل سلیم کر سکتی ہے۔ اور نہ نقلِ قدیم۔ یہود اور نصاریٰ جو باہم ایک دوسرے سے ایسے مخالف ہیں کہ جن کی دشمنی اور کینہ وری کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ دونوں اس بات پر یکزبان متفق ہیں۔ کہ مسیح ناصری ہی پکڑا گیا اور اسی کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور اسی کو زخم لگے اور وہی مجروح اپنے حواریوں سے ملتا رہا۔ اور تبلیغ کی سخت تاکیدیں کرتا رہا اب ان دو باہم مخالف قوموں کے تواتر کو کون توڑ سکتا ہے۔ اور تواریخی ثبوت کا کون انکار کر سکتا ہے اگر تواترِ قومی کا انکار کریں تو پھر تو دنیا بھر کے کل علوم سے امن اُٹھ جاتا ہے اور اُن سب سے دست برداری کرنی پڑیگی۔ اور پھر مسلمانوں کو سخت مشکل پیش آئیگی کیونکہ اگر قومی تواتر کوئی چیز نہیں تو پھر اسلام کی ایک بات بھی قابل اعتماد نہیں رہ سکتی۔ یہی قومی تواتر ہی تو ہے جس سے قرآن شریف اور احادیث اور اقوال آئمہ مجتہدین مانے اور واجب العمل قرار دیئے جاتے ہیں۔ اگر اس قومی تواتر کو نہ مانا جائے تو پھر ایک چیز بھی ہمارے ہاتھ میں اس قابل نہیں جسکو محفوظ اور مصؤن تسلیم کر سکیں۔ لہذا قومی تواتر ایک ایسا امر ہے جس کے ماننے میں کسی کو چارہ نہیں۔ اور ہم پچھلی فصلوں میں بخوبی ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی پکڑے گئے اور وہی مصلوب ہوئے۔ مگر صلیب کی پوری شرائط اُن پر نافذ نہیں ہوئیں۔ کیونکہ وہ تین روز تک ہی صلیب پر لٹکے نہیں رہے بلکہ تین گھنٹہ سے زیادہ ثبوت نہیں ملتا کہ وہ اُس پر رہے ہوں۔ اور نہ اُن کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ اور نہ اُن کی ٹانگوں پر میخیں لگائی گئیں۔ چونکہ اکثر مسلمان خاصکر بعض مولوی بھی نہیں جانتے کہ صلیب کیا چیز ہوتی ہے لہذا ہم

ضروری سمجھتے ہیں کہ بتادیں کہ صلیب کی کیا صورت ہوتی ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ تین لکڑیوں سے بنتی ہے۔ ایک لکڑی تو آدم قد ہوتی ہے۔ اور دوسری لکڑی ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر ہوتی ہے اور تیسری ایک چھوٹی ٹھٹی ہوتی ہے جو سہارے کے لئے مقعد کے مقام پر لگا دی جاتی ہے دوسری لکڑی چھاتی کے متوازی اس پہلی لکڑی پر چسپاں کی جاتی ہے اور اس لکڑی پر دونوں ہاتھ بذریعہ میخ آہنی گاڑ دیئے جاتے اور اول الذکر لکڑی پر انسان کا قامت لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور پاؤں میں میخیں لگا کر انسان کو اس پر چسپاں کر دیا جاتا اور درمیان میں سہارے کے لئے ایک ٹیک ہوتی ہے تاکہ صلیب پر آسانی سے ٹھہر سکے۔ اور اس طرح مصلوب تین روز تک بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔ اس کے بعد ہڈیاں توڑی جاتیں اور پھر اتار کر دفن کر دیا جاتا تھا۔ صلیب کی شکل یوں ہوتی ہے ✝

اس کارروائی سے صاف عیاں ہے کہ مسیح کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ نہیں کیا گیا صلیب پر لٹکائے بھی گئے۔ اور میخیں صرف ہاتھوں کو لگائی گئیں۔ پاؤں کو نہیں۔ اور ایک دو گھنٹے سے زیادہ وہاں نہیں رکھا گیا۔ اور نہ ہی ہڈیں توڑی گئیں جیسا کہ ہم مفصل فصل گذشتہ میں دکھا آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کالمصلوب ہوا مگر اصلی معنوں میں مصلوب نہیں ہوا۔ اور قرآن شریف سے بھی ایسا ظاہر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یعنے صلیبی قتل واقعہ نہیں ہوئی۔ ہاں وہ مشابہ بالمصلوب ہوا۔ بعض مفسر اپنی قلت تدبر سے جملہ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے نکالتے ہیں کہ ایک اور آدمی مسیح علیہ السلام کی شبیہ بن گیا تھا۔ حالانکہ یہ امر بالبداہت غلط ہے۔ کیونکہ شُبِّهَ لَهُمْ میں مفعول مالم یسم فاعلہ کی ضمیر واحد غائب مستتر ہے۔ جو مسیح کی طرف راجع ہے۔ جو آیت اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ میں ہے۔ لیکن نحو کے کسی قاعدہ میں ایسا ثابت نہیں ہوتا کہ جس انسان کا نہ فاعل نہ مفعول اور نہ کسی اور صورت میں عبارت میں مذکور ہو اس کا ضمیر خود بخود پیدا ہو جائے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر اس طرح تو تمام قرآن شریف غیر محفوظ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص مجاز ہوگا کہ جس طرح چاہے اپنی طرف سے ضمیر ذہن میں رکھ کر اصل مقصد قرآن شریف سے منحرف کر دے۔ پس یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ شُبِّهَ کے معنے کیا بنتے ہیں سو ہمارے نزدیک شُبِّهَ کے معنے یوں

حل ہو سکتے ہیں کہ سوال کیا جاوے کہ کون شبیہ کیا گیا۔ تو اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہی شبیہ کیا گیا۔ جس کا ذکر اوپر آیت میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوپر کی آیت میں مسیح کا ذکر ہوتا چلا آتا ہے۔ دیکھو آیت وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ پس ظاہر ہے کہ مسیح اور اس کی قتل کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ یہود کے جواب میں کہتا ہے کہ انہوں نے اسکو قتل نہیں کیا۔ اور نہ صلیب پر مارا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ شبیہ بالمصلوب ہوا۔ تم دیکھتے ہو جملہ متذکرہ بالا میں لفظ عیسیٰ مسیح موجود ہے۔ اور وہ اسم ذات ہے۔ اور پھر قتل اور صلیب کا بھی لفظ ہے جو بالکل قریب ہے۔ لھذا شبیہ ہونے والا مسیح ہے نہ کوئی اور شخص جسکا اس آیت میں کسی طرح پر بھی ذکر نہیں۔ اور دوسری بات کہ وہ کس چیز سے شبیہ ہوا۔ سو واضح ہے کہ وہ قتل اور صلیب سے شبیہ ہوا یعنے مقتول اور مصلوب تو اپنے حقیقی معنوں میں نہیں ہوا۔ ہاں کالمقتول اور کالمصلوب ضرور ہوا۔ لکن کا حرف استدراک کے لئے آتا ہے جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو وہم یا تردد کلام سابق میں ناظرین کو پیدا ہو جائے تو وہ اسکے دفعیہ کے لئے آتا ہے چنانچہ قاموس میں لکھا ہے۔ لَكِنْ سَاكِنَةُ النُّونِ فِيْ حَرْفُ اِبْتِدَاءِ الْمُجَرَّدِ اِفَادَةُ الْاِسْتِدْرَاكِ وَلَيْسَتْ عَاطِفَةٌ یعنے حرف لکن جس کا نون ساکن ہوتا ہے۔ وہ ایک حرف ہے جو استدراک کا فائدہ دینے کے لئے ہی آتا ہے ⁂

جب ہم کلام سابق میں غور کرتے ہیں۔ تو بجز اس کے اور کوئی وہم اور تردد ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح ضرور صلیب پر قتل کئے گئے۔ اور دونوں یہود اور نصاریٰ کا اسی پر اتفاق ہے لہذا اس وہم کے دفعیہ کے لئے وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کا جملہ نازل ہوا جس سے ایک وہم اور پیدا ہوا کہ جب قتل اور صلیب واقعہ نہیں ہوئی تو پھر کیا ہوا اس پر وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں جو لکن آیا ہے اس نے اس وہم کا یوں دفعیہ کر دیا کہ وہ شبیہ یا مثال قتل بالصلیب ہوا تھا پھر کوئی وجہ نہیں کہ اصل مقصد سے پھیر کر کوئی اور معنے لئے جائیں۔ جب حرف لکن نے اس تردد کو جو صلیب پر مرنے سے ہو سکتا تھا دور کر دیا تو پھر خدا کی منشاء کے برخلاف اپنی طرف سے خیالی معنے گھڑ لینا تقویٰ کے خلاف ہے ⁂

حقیقۃ الصلیب

معلوم ہوتا ہے کہ بعض مفسرین نے وَمَا صَلَبُوْہُ کے مفہوم میں غلطی کھائی ہے۔اُنہوں نے صلیب کے معنے صرف یہ سمجھ لئے کہ صلیب پر لٹکایا جانا ہی مراد ہوتی ہے +

حالانکہ صلیبی سزا سخت ترین سزا تھی یعنے یقیناً دُکھ کی موت تھی

جس کی تصدیق ٹرائل آف دی جیزز نام کتاب سے بخوبی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ صلیب کی سزا تمام سزاؤں سے نہایت ہی سخت سمجھی جاتی تھی کیونکہ مجرم کو بہت دیر تک تکالیف اور مصائب جھیلنے پڑتے تھے اور یہہ نہایت ہی ہتک اور بدنامی کی سزا ہوتی تھی۔ دیکھو کتاب دی ٹرائل آف جیزز صفحہ ۳۲۰ انگریزی +

اگر قرآنِ شریف کے دیگر مقامات پر ہی غور کرتے تو اُن کو اس کے معنے حل ہو جاتے اور کبھی بھی ایسی غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔اب ہم قرآن شریف سے چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔جس سے واضح ہو جائیگا کہ صلیب پر چڑھا کر میخ لگانا۔اور پھر ہڈی توڑ کر یا پیٹ چاک کرنا ان سے مراد ہوتی ہے فرعون کہتا ہے لَاُصَلِّبَنَّکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔دیکھو قرآن شریف پارہ ۹۔سورۃ الاعراف رکوع ۱۴ یعنے میں تم سب کو صلیب دونگا۔اور یہی وجہ ہے کہ فرعون کو ذِی الْاَوْتَادِ کہا گیا ہے۔کیونکہ وہ چار میخ کیا کرتا تھا۔دیکھو تفسیر ابو سعود جلد ۸ صفحہ ۴۵۹۔و تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۷۱۲ و تفسیر در المنثور جلد ۲ صفحہ ۳۴۸ جن میں لکھا ہے کہ فرعون اوتاد یعنے میخوں کے ذریعہ عذاب دیا کرتا تھا +

دوسری جگہ ہے اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِہٖ سورہ یوسف رکوع ۵ یعنے دوسرا صلیب پر مارا جائیگا اور پرندے اُس کے سر میں سے کھائینگے۔پھانسی والا تو اتنی دیر تک نہیں رکھا جاتا تھا کیونکہ مصلوب بہت دنوں تک یعنے جب تک مر نہ جائے صلیب پر لٹکا رہتا تھا۔اور وہ بڑے دکھوں کے بعد بھوک پیاس سے مرجاتا۔جس کی وجہ سے پرندے اُس کی کھوپری کو کھاتے۔کیا مسیح کے ساتھ ایسا وقوعہ ہوا؟ پھر قرآن شریف کے اور موقعہ پر یہ آیت ہے لَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا

وَ اَبْقٰی یعنے تم کو کھجور کے تنہ پر صلیبی موت سے ماروں گا! اور تم جانوں گے کہ کونسا عذاب سخت تر اور دیر پا ہے۔ اگر صرف پھانسی دینا مراد ہوتی ہے۔ تو اشد و ابقی کیونکر صادق آتا ہے۔ دیکھو قرآن کریم سورہ طٰہٰ رکوع ۳ +

پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اللہ اور رسول کے مخالفوں کی نسبت کہتا ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا یعنے جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اُن کا حال یہ ہوگا کہ یا تو وہ قتل کئے جائینگے۔ یا صلیب پر مارے جائینگے۔ دیکھو قرآن شریف سورۂ المائدہ رکوع ۵ +

اور اس آیت کی توضیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یوں کی ہے +

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ ثَنِیْ اَبِیْ قَالَ ثَنِیْ عَمِّیْ قَالَ ثَنِیْ اَبِیْ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ قَالَ اِذَا حَارَبَ فَقَتَلَ فَعَلَیْہِ الْقَتْلُ اِذَا ظُھِرَ عَلَیْہِ قَبْلَ تَوْبَتِہٖ وَ اِذَا حَارَبَ وَ اَخَذَ الْمَالَ وَ قَتَلَ فَعَلَیْہِ الصَّلْبُ اِنْ ظُھِرَ عَلَیْہِ قَبْلَ تَوْبَتِہٖ وَ اِذَا حَارَبَ وَ اَخَذَ وَلَمْ یَقْتُلْ فَعَلَیْہِ قَطْعُ الْیَدِ وَ الرِّجْلِ مِنْ خِلَافٍ اِنْ ظُھِرَ عَلَیْہِ قَبْلَ تَوْبَتِہٖ۔ وَ اِذَا حَارَبَ وَ اَخَافَ السَّبِیْلَ فَاِنَّمَا عَلَیْہِ النَّفْیُ +

ہمارے پاس محمد بن سعد نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس اُن کے چچا نے اُنکے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس ابن عباس نے آیۃ اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ کی نسبت فرمایا کہ جس نے لڑائی اور قتل کیا تو اُس پر قتل واجب ہے جبکہ توبہ سے پہلے یہ امر ظاہر ہو جاوے۔ اور جب کسی نے لڑائی کی اور مال بھی لوٹ لیا اور قتل کا بھی مرتکب ہوا تو اُس کو صلیب دی جائے بشرطیکہ توبہ سے پہلے یہ امر ظاہر ہو جاوے اور اگر لڑائی کی اور مال بھی لے لیا اور قتل نہیں کیا تو اُس کا ہاتھ اور پاؤں بالمقابل کاٹے جائیں بشرطیکہ توبہ سے پہلے ظاہر ہو جاوے اور اگر لڑائی کرے اور شہر میں خوف پیدا کرے تو اُس کو جلاوطن کیا جاوے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۲۲ +

(۲) اور پھر قتادہ نے صلیب کی تشریح و حقیقت یوں فرمائی ہے +

حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ ثَنَا یَزِیْدُ قَالَ ثَنَا سَعِیْدٌ عَنْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ قَوْلِهٖ اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِلٰی قَوْلِهٖ اَوْ یُنْفَوْا فِی الْاَرْضِ حُدُوْدٌ اَرْبَعَةٌ اَنْزَلَهُ اللّٰهُ فَاَمَّا مَنْ اَصَابَ الدَّمَ وَالْمَالَ جَمِیْعًا صُلِبَ وَاَمَّا مَنْ اَصَابَ الدَّمَ وَکَفَّ عَنِ الْمَالِ قُتِلَ وَمَنْ اَصَابَ الْمَالَ وَکَفَّ عَنِ الدَّمِ قُطِعَ وَمَنْ لَّمْ یُصِبْ شَیْئًا مِنْ هٰذَا نُفِیَ

بشر نے ہمارے پاس اُن کے پاس یزید نے اُن کے پاس سعید نے اُن کے پاس قتادہ نے بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَ اِلٰی قَوْلِهٖ اَوْ یُنْفَوْا فِی الْاَرْضِ کے بارے میں چار حدیں ہیں جو اللہ نے نازل فرمائیں ایک تو یہ کہ جس نے خون گرایا اور مال لوٹ لیا اُن کو صلیب دی جاوے اور جس نے خون گرایا مگر مال نہیں لیا اُس کو قتل کیا جاوے اور جس نے مال لیا اور خون نہیں گرایا تو اُس کے ہاتھ پاؤں قطع کئے جاویں اور جس نے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کی تو اُس کے لئے جلاوطنی چاہیے + دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۲۳ +

(۳) حضرت حسن بصری صلیب کے معنے یوں کرتے ہیں :-

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ قَالَ ثَنَا حَفْصُ ابْنُ غِیَاثٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الْحَسَنِ اِنَّمَا یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ اِلٰی اٰخِرِهٖ وَعِنْدَنَا تَاوِیْلُ مَنْ اَوْجَبَ عَلَی الْمُحَارِبِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ عَلٰی قَدْرِ اسْتِحْقَاقِهٖ وَجَعَلَ الْحُکْمَ عَلَی الْمُحَارِبِیْنَ مُخْتَلِفًا بِاخْتِلَافِ اَفْعَالِهِمْ فَاَوْجَبَ عَلٰی مُخِیْفِ السَّبِیْلِ مِنْهُمْ اِذَا قُدِرَ عَلَیْهِ قَبْلَ التَّوْبَةِ وَقَبْلَ اَخْذِ مَالٍ وَالْقَتْلِ النَّفْیِ مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا قُدِرَ عَلَیْهِ بَعْدَ اَخْذِ الْمَالِ وَقَتْلِ النَّفْسِ الْمُحَرَّمِ قَتْلُهَا الصُّلْبَ

ابن جریر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہناد نے اُن کے پاس حفص بن غیاث نے۔ اُن کے پاس عاصم نے حسن بصری سے روایت کی کہ اِنَّمَا یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ اِلٰی اٰخِرِهٖ کے متعلق فرمایا کہ ہمارے نزدیک اسکی حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو ہم چاہیے کہ محارب یعنی لڑائی کرنیوالے پر حسب استحقاق جرم عذاب قائم کیا جاوے یعنے جس طرح اُس کے افعال میں اختلاف ہے اُسی طرح سزا بھی مختلف ہونی چاہیے پس جو شخص کہ رستہ مارتا ہے اور لوگوں کو ہراسان کرتا ہے اُسکو توبہ سے پہلے اگر اُس نے مال نہ لیا ہو اور نہ قتل کیا ہو جلاوطنی چاہیے اور اگر مال لیا اور کسی جان کو قتل بھی کیا جس کا قتل کرنا ناواجب تھا تو اُسکو توبہ سے پہلے قتل صلیب کی سزا دیجاوے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۲۴ +

سب سے بڑھکر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے صلبب کے معنے کیسے عمدہ اور واضح طور سے کھلتے ہیں۔ وہ حدیث وہ ہے جو انس بن مالک سے روایت کی گئی ہے +

(۴) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ سَهْلٍ قَالَ ثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ كَتَبَ إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَسْأَلُهُ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنَسٌ يُخْبِرُهُ أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي أُولٰئِكَ النَّفَرِ الْعُرَنِيِّينَ وَهُمْ مِنْ بَجِيلَةَ قَالَ أَنَسٌ فَارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ وَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَسَاقُوا الْإِبِلَ وَأَخَافُوا السَّبِيلَ وَأَصَابُوا الْفَرْجَ الْحَرَامَ قَالَ أَنَسٌ فَسَأَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْقَضَاءِ فِيمَنْ حَارَبَ فَقَالَ مَنْ سَرَقَ وَأَخَافَ السَّبِيلَ فَاقْطَعْ يَدَهُ بِسَرِقَتِهِ وَرِجْلَهُ بِإِخَافَتِهِ وَمَنْ قَتَلَ فَاقْتُلْهُ وَمَنْ قَتَلَ فَأَخَافَ السَّبِيلَ وَاسْتَحَلَّ الْفَرْجَ الْحَرَامَ فَاصْلُبْهُ إِلَى آخِرِهِ +

ابن جریر بیان کرتا ہے کہ میرے پاس علی بن سہل نے اُس کے پاس ولید بن مسلم نے اُن کے پاس ابن لہیعہ نے اُن کے پاس یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا کہ عبد الملک بن مروان نے انس بن مالک کو ایک خط لکھا اور اس آیت مندکرہ بالا کی نسبت پوچھ بھیجا کہ اسکا کیا مطلب ہے۔ اس پر انس بن مالک نے اُن کو لکھا کہ یہ آیت بجیلہ کے دو کس عرنیوں کے بارہ میں نازل ہوئی کیونکہ وہ مرتد ہوگئے تھے اور ایک چرواہے کو قتل کر دیا تھا اور اونٹوں کو ہانک کر چلے گئے تھے اور راہزنی بھی کی اور زناکے کب بھی ہے۔ انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے اُس کے متعلق کہ جو لڑائی کرے فیصلہ پوچھا تو جبرئیل نے کہا کہ جو چوری کرے اور راہزنی کرے اُس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹو۔ اور جو قتل کرے اُس کو قتل ہی کرو اور جو قتل کرے اور راہزنی اور زنا کرے اُس کو صلبب دو۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۲۵ +

(۵) صلیب کے معنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں دیکھو حدیث ذیل :-

أَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ

امام نسائی نے روایت بیان کی ہے کہ اُن کے پاس عباس بن محمد الدوری نے اُن کے پاس ابو عامر عقدی نے اُن کے پاس ابراہیم بن

عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلٰثِ خِصَالٍ زَانٍ مُحْصَنٍ يُرْجَمُ اَوْ رَجُلٌ قَتَلَ رَجُلًا مُتَعَمِّدًا فَيُقْتَلُ اَوْ رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ يُحَارِبُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُوْلَهٗ فَيُقْتَلُ اَوْ يُصْلَبُ اَوْ يُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ +

طہمان نے اُن کے پاس عبد العزیز بن رفیع نے اُن کے پاس عبید بن عمیر نے اُن کے پاس عائشہ صدیقہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی کا خون بہانا حلال نہیں مگر تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے - ایک تو زانی جو کسی بیاہی عورت سے زنا کرے - اُسکو رجم یعنے سنگسار کیا جائے اور ایک وہ شخص جو کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے اُسکو قتل کیا جائے - اور ایک وہ شخص جو اسلام سے مرتد ہو جائے اور اَور خدا اور رسول سے جنگ کرے اُس کو قتل کیا جائے یا صلیب کی موت مارا جائے یا ملک بدر کیا جائے دیکھو نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ +

کنز وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص راہزنی اور قتل دونوں جرموں کا مرتکب ہو - تو اسکو تین روز تک زندہ صلیب پر لٹکا کر اُسکا پیٹ نیزہ سے چاک کیا جاوے تاکہ مرجاوے - اور یہاں ظاہر ہے کہ مسیح کو قتل بھی نہیں کیا گیا - اور نہ صلیب پر حسب رواج چند روز تک بھوکا رکھا گیا تاکہ بھوک پیاس کی شدت سے مرجائے - اور نہ ہڈی توڑی گئی کہ جس سے صلیب کی جو اصل منشا اور غرض تھی پوری ہوتی

لغت عرب اور لفظ صلیب

احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کے اقوال سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ صلیبی موت تمام دیگر سزاؤں سے سخت ترین سزا تھی جسکا لازمہ سخت ذلت اور دکھ کی موت تھی - اب ہم ذیل میں لغت عرب سے صلیب کے معنے دکھاتے ہیں

اَلصَّلْبُ - اَلْقِتْلَةُ الْمَعْرُوْفَةُ - صلب کے معنے قتل معروف ہے دیکھو لسان العرب وتاج العروس وغیرہ پھر کیونکر صلیب کے معنے لکڑی پر چڑھانے کے کرتے ہیں حالانکہ لغت عرب واحادیث و آثار صحابہ واقوال تابعین و عملدرآمد قوم یہود سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اُس قتل سے مراد لیتے ہیں جس میں سخت تکالیف ہوتی ہیں اور کہیں بھی ثابت نہیں کہ صرف لٹکا دینے کو صلیب

کہتے ہیں +

اور پھر جب تواریخ سے اور تواتر قومی و لغت عرب سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ یہود اور عیسائی صلیبی موت کو لعنتی موت کہتے ہیں اور اس کا مفہوم بجز لعنت اور کچھ نہیں سمجھتے چنانچہ یہودی شریعت میں بموجب توریت کتاب احبار باب ۲۴- ورس ۱۴ و کتاب استثنا باب ۱۳ ورس ۶- لغایت ۹ ملحد و مرتد و کافر کی سزا قتل اور سنگسار ہوتی ہے۔ اس لئے علماء یہود نے جو مسیح کو ملحد اور کافر سمجھتے تھے مستقل ارادہ کر لیا تھا کہ اسے قتل کیا جائے چنانچہ اسکی تصدیق انجیل یوحنا باب ۲۶ ورس ۶۵ سے ہوتی ہے لیکن چونکہ اُس وقت سلطنت رومیوں کی تھی اور وہ یہودی شریعت سے مرتد ہونے کے جرم میں کسی کو سنگسار نہیں کر سکتے تھے اس لئے یہودیوں نے مسیح پر بادشاہِ وقت سے باغی ہونے کی تہمت لگائی۔ اور پلاطوس سے کہا کہ وہ اپنے تئیں یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے۔ اور قیصر کے خراج دینے سے لوگوں کو منع کرتا ہے اور یہ اِس لئے تجویز کی کہ جرمِ بغاوت کی سزا صلیب پر چڑھا کر مار ڈالنا تھی۔ اِس لئے یہودیوں نے پلاطوس حاکمِ وقت کو درخواست کی کہ وہ اُسے صلیب پر چڑھائے اِس بات کو خوب مدِ نظر رکھا جائے کہ صلیب پر چڑھانے سے انسان مر نہیں سکتا۔ بلکہ ہاتھ پاؤں کے چھیدوں اور بہت دنوں تک صلیب پر رہنے اور بھوک پیاس اور دھوپ کے صدمہ سے انسان مصلوب مر جاتا یا بالآخر ہڈی توڑ کے جاں بلب ہو جاتا اس کی تصدیق طیطوس کی شہادت سے جو کتاب سطبری کان کے صفحہ ۱۱۱ میں مندرج ہے اور ازخبیر کی شہادت سے جو تفسیر انجیل متی مطبوعہ گوسبگارٹن کے صفحہ ۶۳ میں ہے۔ اور ارفسطربیان کی کتاب کے صفحہ ۲۹۰ سے جو حضرت مسیح کے حالات میں لکھی گئی ہے۔ اور یوسی بیس کی تاریخ کلیسیا کے صفحہ ۲۹۱ سے بخوبی ہوتی ہے۔ ہم ابھی دکھا چکے ہیں۔ کہ وہ لکڑی پر لٹکا کر ہاتھوں میں میخیں لگاتے اور کئی روز تک بھوکا پیاسا چھوڑتے اور اگر اس طرح مر جاتا تو فبہا ورنہ وہ ہڈی توڑ کر مار ڈالتے۔ چنانچہ تم نے پچھلی فصل میں دیکھ لیا ہے کہ دو چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ مگر مسیح کو خدا تعالیٰ نے اِن باتوں سے بچا لیا۔ وَمَا صَلَبُوْہُ سے صلیب پر چڑھانے کی نفی نہیں۔ ایسا سمجھنا قلتِ تدبر و عدمِ واقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ ہرگز کوئی اہلِ علم جس کو قومی رواج قومی رسومات کی خبر ہو وہ ہرگز ایسا زبان پر نہیں لا سکتا صلیب کی

نفی تب ہی ہو سکتی ہے۔ جب صلیبی کارروائی اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ عمل میں آئی ہو۔ جب مسیح صلیب کے مکمل مفہوم و منشار کے نیچے نہیں آئے۔ تو پھر کیونکر سمجھا سکتا کہ وہ صلیب دیئے گئے۔ اور خود قرآن شریف اس کی تصدیق کرتا ہے چنانچہ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ میں قتل اور صلیبی موت کی نفی فرماتا ہے۔ اور پھر آخر میں جا کر فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا یعنے کسی صورت کی قتل واقع نہیں ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس جگہ صرف وَمَا قَتَلُوْہُ بولنا اور وَمَا صَلَبُوْہُ کا ذکر نہ کرنا اس امر پر دال ہے۔ کہ صلیب پر تو چڑھائے گئے مگر صلیبی قتل واقع نہیں ہوئی بلکہ ہم بخوبی دکھلا چکے ہیں کہ قتل سے سخت تر قتل صلیب کی سزا ہے کیونکہ علاوہ دیگر تکالیف کے قتل بھی ضرور واقع ہوتا ہے ورنہ صلیب کا مفہوم ہی غلط ہوتا ہے جو لوگ صلیب کے معنے صرف لکڑی پر چڑھنا لیتے ہیں وہ صلیب کے معنوں سے محض ناواقف ہیں۔ اور پھر واضح کرنے کے لئے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرما دیا تاکہ ناظرین کو تسلی ہو جائے کہ وہ لعنتی موت سے نہیں مرا۔ بلکہ اس موت سے مرا جس سے مومن اور اللہ کے پیارے مرنے کے بعد قرب کے مقام پر پہنچتے ہیں جیسے قرآن شریف کی اس آیت سے واضح ہے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي یعنے اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف آجا۔ اور تو اس سے اور وہ تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں داخل ہو کر بہشتی زندگی بسر کر۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا حکم ہے۔ اب مسیح بھی ایک اعلیٰ درجہ کا مومن ہے کیا وہ اس آیت سے باہر رہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اولوالعزم پیغمبر ہے۔ وہ تو بدرجہ اولیٰ اسکا مصداق ہو سکتا ہے۔ اور تم پیچھے لغتِ عرب سے معلوم کر چکے ہو کہ جہاں لفظ رفع آتا ہے اور اس کے ساتھ الیٰ کا صلہ ہوتا ہے تو معنے قرب کے ہوتے ہیں۔ بس صاف ظاہر ہے کہ صلیب پر چڑھانے کی نفی نہیں۔ بلکہ صلیب کے مفہوم کی نفی ہے پھر کس منہ سے علما کہدیتے ہیں کہ وَمَا صَلَبُوْہُ کے معنے صرف لکڑی پر لٹکانا ہے جسکی نہ لغتِ عرب اور نہ اس قوم کا رواج تائید کرتا ہے۔ جس کے اندر صلیب کا دستور تھا +

بارھویں فصل

اِس بارہ میں کہ کیا مسیح کے سوا کسی اور شخص کا مشابہ بالمسیح ہونا ثابت ہے

اور یہ جو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک اور شخص مسیح کی صورت میں مشابہ ہوگیا تھا۔ وہی صلیب دیا گیا۔ تو یہ بات بدلایل ذیل غلط اور دور از قیاس ہے +

۱۔ اول اس کی نسبت اختلاف کثیر ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اگر یقینی بات ہوتی تو کیوں اس قدر اختلاف ہوتا۔ چنانچہ تفسیر بحر محیط کی جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ پر لکھا ہے +

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيمَنْ أُلْقِيَ عَلَيْهِ الشِّبْهُ اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَقِيلَ الْيَهُودِيُّ الَّذِي دَلَّ عَلَيْهِ وَقِيلَ خَلِيفَةُ قَيْصَرَ الَّذِي كَانَ مَحْبُوسًا عِنْدَهُ۔ وَقِيلَ وَاحِدٌ مِنَ الْيَهُودِ وَقِيلَ رَجُلٌ دَخَلَ لِيَقْتُلَهُ وَقِيلَ نَقِيبٌ وَكَّلَتْهُ الْيَهُودُ وَقِيلَ أُلْقِيَ الشِّبْهُ عَلَى كُلِّ الْحَوَارِيِّينَ وَقِيلَ أُلْقِيَ الشِّبْهُ عَلَى الْوَجْهِ دُونَ الْبَدَنِ +

اور القاء شبہ کی نسبت بہت ہی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں وہ یہودی تھا جو اسکے پکڑوانے کے لئے لے گیا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ قیصر کا خلیفہ تھا جو اُس کے پاس قید تھا بعض کہتے ہیں کوئی ایک یہودی تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص تھا جو اُس کے قتل کے لئے اندر گیا تھا اور ایک شخص نقیب تھا جسکو یہودیوں نے مقرر کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ تمام حواریوں پر القاء شبہ ڈالا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ تمام بدن پر نہیں بلکہ صرف منہہ پر شبیہ ڈالی گئی تھی +

(۲) قومی تواتر اس کے مخالف ہے۔ یعنے یہود اور نصاریٰ کی دو زبردست قومیں اسبات پر متفق ہیں کہ خود مسیح بن مریم ہی کو صلیب پر لٹکایا گیا تا کہ سخت ترین سزا یعنے دردناک موت کا مزہ چکھے

(۳) مرہم عیسیٰ اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اگر مسیح کو زخم نہیں آئے تھے تو پھر اس مرہم کا وجود کہاں سے آگیا۔ حالانکہ طب کی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں۔ حتی کہ یہودیوں۔ مجوسیوں۔

انگریزوں۔ یونانیوں اور عربوں اور فارسیوں اور ہندیوں کی کتابوں میں بھی اسکا تذکرہ ہے +

(۴) وہ شخص جو صلیب پر لٹکایا گیا۔ مدت تک زندہ پھرتا رہا۔ جیسے ہم پچھلی فصل میں دکھا چکے ہیں +

(۵) اگر وہ مسیح نہیں تھا تو پھر وہ اپنے حواریوں کو انجیل کی تبلیغ کی کیوں تاکید کرتا رہا۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۸۔ ورس ۱۹ جس میں لکھا ہے "اس لئے تم جاکر سب قوموں کو شاگرد کرو" اور انجیل مرقس باب ۱۶ ورس ۱۵ میں ہے "اور اس نے انہیں کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو" اور انجیل یوحنا باب ۲۱ ورس ۱۵ میں ہے "اور جب وے کھانا کھا چکے تو یسوع نے شمعون پطرس کو کہا اے شمعون یونس کے بیٹے کیا تو مجھے ان سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ اس نے اسے کہا کہ میرے برّے چرا" یعنے میری امت کو تبلیغ احکام الٰہی کر جسکی پوری تصدیق کتاب کروسی فکشن سے ہوتی ہے کہ خود مسیح ہی پر ساری مصیبت آئی اور وہی حواریوں کو منادی کی وصیت بڑے دردمند دل سے کرتا رہا۔ چنانچہ پچھلی فصل میں لکھا گیا ہے۔ اگر وہ مسیح نہیں تھا تو اس قدر تاکید کیوں کرتا تھا +

(۶) اگر وہ مسیح نہیں تھا تو پھر کس طرح کہتا تھا کہ ضرور ہے کہ سب کچھ موسیٰ کی توریت اور نبیوں کے نوشتوں اور زبوروں میں جو میری بابت لکھا ہے وہ پورا ہو۔ دیکھو انجیل لوقا باب ۲۴۔ ورس ۴۴۔ اور اس پیشگوئی کی تصدیق انجیل متی باب ۱۶ ورس ۲۱۔ اور باب ۱۷ ورس ۲۳ اور باب ۲۰ ورس ۱۸ اور انجیل مرقس باب ۸ ورس ۳۱۔ اور انجیل لوقا باب ۹۔ ورس ۲۲۔ اور باب ۱۸ ورس ۳۱ سے ہوتی ہے۔ جن میں لکھا ہے کہ ابن آدم بہت سا دکھ اٹھاوے اور وہ بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے رد کیا جاوے۔ اور مارا جاوے۔ اور تین روز کے بعد جی اٹھے +

شبہ کہ اناجیل میں مارا جائے یا قتل کیا جائے لکھا ہے

اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ انجیلوں میں مارا جائے یا قتل کیا جائے لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی جی اٹھنا بھی مذکور ہے۔ اسلئے وہ مارا گیا اور قتل کیا گیا سو واضح ہو کہ اصل بات یہ ہے کہ جس

انسان پر اقدام قتل کا ارادہ مصمم کیا جائے تو اسکی نسبت بھی کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی طرف سے توقتل کر دیا تھا۔ یہ عام محاورہ ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ عام بول چال میں ہے کہ کوئی سخت بیماری میں مبتلا ہو کر قریب المرگ ہو جائے۔ اور اسکی زندگی سے لوگوں کو مایوسی ہو جائے اور وہ بالآخر بفضلِ خدا اچھا بھی ہو جائے تو سوال کے جواب پر وہ یہی کہیگا کہ مر کر پھر زندہ ہوا ہوں ایسا ہی مسیح نے کہا اور یہ بات صحیح بھی ہے کیونکہ یہودیوں نے تو اپنی دانست میں اس کے مارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ وہ تو مار ہی چکے تھے۔ اگر خدا کا پوشیدہ ہاتھ مسیح کے بچاؤ کے لئے کام نہ کرتا۔ تو وہ ضرور ہی مر چکا تھا۔ اور تم اس کے بچاؤ کی صورتیں پچھلی فصل میں بخوبی پڑھ چکے ہو۔ یہاں پر اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں +

اسلامی کتابوں سے ثبوت کہ مصلوب مسیح کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا

اگر کوئی اس بات پر اعتراض کرے کہ اناجیل تو محرّف ہیں۔ ان کی تحریر کا کیا اعتبار ہے تو ہم اسلامی تحریریں پیش کرتے ہیں سنو اور خوب غور سے سنو +

(۱) تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ زیر آیۃ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ لکھا ہے +

اَمَّا اَنْ یُلْقِیَ شِبْہُہٗ عَلَی الشَّخْصِ فَلَمْ یَصِحَّ ذٰلِکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لیکن یہ بات کہ اُس کی شبیہہ دوسرے شخص پر ڈالی گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے

اسی جگہ پر مفسر مذکور کہتا ہے +

وَلِھٰذَا قَالَ بَعْضُھُمْ اِنْ جَازَ اَنْ یُقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُلْقِیْ شِبْہَ اِنْسَانٍ عَلٰے اِنْسَانٍ اٰخَرَ فَھٰذَا یَفْتَحُ بَابَ السَّفْسَطَۃِ +

اور اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ اگر یہ کہنا جائز ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان کی شکل دوسرے انسان کی شکل پر بدل دیتا ہے تو سفسطہ کا دروازہ کھل جائیگا۔

دیکھو تفسیر بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ +

(۲) تفسیر جمل جلد اول صفحہ ۴۳۲ میں لکھا ہے قَالَ اَبُوْحَیَّانَ لَمْ نَعْلَمْ کَیْفِیَّۃَ الْقَتْلِ وَلَا مَنْ اُلْقِیَ عَلَیْہِ الشِّبْہُ وَلَمْ یَصِحَّ بِذٰلِکَ مِنْ حَدِیْثٍ یعنے ابوحیان نے کہا کہ نہ تو ہمیں

قتل کی کیفیت معلوم ہے اور نہ اِس بات کا علم ہے کہ کوئی شخص مسیح کی صورت بن گیا تھا یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں +

(۳) امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کے متعلق لکھتے ہیں +

هٰذَا مَعْنٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اِنَّمَا عَنَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ اُولٰٓئِكَ الْفُسَّاقَ الَّذِیْنَ دَبَّرُوْا هٰذَا الْبَاطِلَ وَتَوَلَّوْهُ عَلَیْهِ هُمْ شَبَّهُوْا عَلٰی مَنْ قَلَّدَهُمْ فَاَخْبَرُوْهُمْ اَنَّهُمْ صَلَبُوْهُ وَقَتَلُوْهُ وَهُمْ كَاذِبُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ عَالِمُوْنَ اَنَّهُمْ كَذَبَةٌ وَلَوْ اَمْكَنَ اَنْ یُّشَبَّهَ ذٰلِكَ عَلٰی ذِیْ حَاسَّةٍ سَلِیْمَةٍ لَبَطَلَتِ النُّبُوَّاتُ كُلُّهَا اِذْ لَعَلَّهَا شُبِّهَتْ عَلَی الْحَوَاسِّ السَّلِیْمَةِ وَلَوْ اَمْكَنَ ذٰلِكَ لَبَطَلَتِ الْحَقَائِقُ كُلُّهَا +

خدا تعالیٰ کے قول وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کے معنے یہ ہیں کہ وہ فاسق لوگ جنہوں نے یہ جھوٹ بنا لیا اور وہ اُس پر جم بیٹھے اور جنہوں نے اپنے مقلدوں کو شبہ میں ڈالا اور اُن کو خبر دی کہ انہوں نے اُس کو صلیب دی اور مار ڈالا جھوٹے ہیں اور اُن کو علم بھی ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اگر ممکن ہوتا کہ صاحب حس سلیم کسی کی شبیہہ بن سکتا ہے تو پھر کل نبوتیں باطل ہو جائیں جبکہ حواس سلیمہ ہی بدل گئے۔ اور اگر یہ امر ممکن ہوتا تو کل حقائق ہی باطل ہو جاتے +
دیکھو کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل لامام ابی محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری جلد اوّل صفحہ ۵۹ +

(۴) ۱قول۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر کے جلد ۲ صفحہ ۶۹۲ میں لکھتے ہیں :-

اِنَّ النَّصَارٰی عَلٰی كَثْرَتِهِمْ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا وَشِدَّةِ مَحَبَّتِهِمْ لِلْمَسِیْحِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَغُلُوِّهِمْ فِیْ اَمْرِهٖ اَخْبَرُوْا اَنَّهُمْ شَاهَدُوْهُ مَقْتُوْلًا مَصْلُوْبًا فَلَوْ اَنْكَرْنَا ذٰلِكَ كَانَ طَعْنًا فِیْمَا ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ وَالطَّعْنُ فِی التَّوَاتُرِ یُوْجِبُ الطَّعْنَ فِیْ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنُبُوَّةِ عِیْسٰی بَلْ وُجُوْدِهِمَا وَوُجُوْدِ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ

نصاریٰ اِس کثرت سے ہیں کہ وہ تمام مشرق اور مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اُن کو مسیح سے اشد درجہ محبت اور غلو ہے۔ وہ خبر دیتے ہیں کہ انہوں نے اُس کو مقتول و مصلوب دیکھا۔ اور اگر ہم اس کا انکار کریں تو تواتر کا انکار ہے جو پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور تواتر میں طعن کرنے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں

عَلَيۡهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ	طعن لازم آتا ہے بلکہ ان دونوں مرسلوں اور

کل انبیاء علیہم السلام کے وجود باجود پر طعن واجب آتا ہے +

دوم۔ پھر امام موصوف اُسی صفحہ پر فرماتے ہیں +

اَنَّهٗ ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ اَنَّ الْمَصْلُوْبَ بَقِيَ حَيًّا زَمَانًا طَوِيْلًا فَلَوْ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ عِيْسٰى بَلْ كَانَ غَيْرُهٗ لَاَظْهَرَ الْجَزَعَ وَلَقَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِعِيْسٰى بَلْ اِنَّمَا اَنَا غَيْرُهٗ۔	یعنے تحقیق یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ مصلوب ایک دراز زمانہ تک زندہ رہا۔ اگر وہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں تھے۔ بلکہ کوئی اور تھا تو ضرور وہ جزع فزع کرتا۔ اور کہتا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں بلکہ فلاں شخص ہوں +

سوم پھر اس کتاب کے صفحہ ۶۹۱ میں لکھتے ہیں +

لَوْ جَوَّزْنَا اِلْقَاءَ شِبْهِ اِنْسَانٍ عَلٰى اِنْسَانٍ اٰخَرَ لَزِمَ السَّفْسَطَةُ فَاِنِّيْ اِذَا رَاَيْتُ وَلَدِيْ ثُمَّ رَاَيْتُ ثَانِيًا فَحِيْنَئِذٍ اَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ هٰذَا الَّذِيْ رَاَيْتُهٗ ثَانِيًا لَيْسَ بِوَلَدِيْ بَلْ هُوَ اِنْسَانٌ اُلْقِيَ شِبْهُهٗ عَلَيْهِ وَحِيْنَئِذٍ يَرْتَفِعُ الْاَمَانُ عَنِ الْمَحْسُوْسَاتِ وَاَيْضًا فَالصَّحَابَةُ الَّذِيْ رَاَوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُهُمْ وَيَنْهَاهُمْ وَجَبَ اَنْ لَا يَعْرِفُوْا اَنَّهٗ مُحَمَّدٌ لِاحْتِمَالِ اَنَّهٗ اُلْقِيَ	اگر ہم ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ تبدیلی صورت کا جواز اختیار کرلیں تو پھر سفسطہ لازم آتا ہے کیونکہ اگر میں ایک دفعہ اپنے بیٹے کو دیکھوں۔ اور پھر دوسری دفعہ بھی دیکھوں۔ اور اس وقت میں اس بات کے یقین کرنے کو گوارا کرلوں کہ جسکو میں نے دوسری دفعہ دیکھا ہے وہ میرا بیٹا نہیں بلکہ کوئی اور انسان ہے جو میرے بیٹے سے متشکل ہو گیا ہے۔ اگر میں ایسا کروں تو پھر

شِبْهُهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ وَذٰلِكَ يُفْضِيْ اِلَى سُقُوْطِ الشَّرَائِعِ محسوسات سے امان اٹھ جائیگا۔ ایسا ہی اگر صحابہ جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ انکو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔ یہ سمجھ لیتے اور کہتے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ کوئی اور شخص ہے جو ان کی شکل سے متشکل ہو گیا ہے۔ تو اس طرح تمام شریعتیں مفقود ہو جاتیں +

چہارم۔ وہی امام آگے فرماتے ہیں +

اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَانَ قَدْ اَمَرَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاَنْ يَكُوْنَ مَعَهٗ فِيْ اَكْثَرِ الْاَحْوَالِ	اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ اکثر حالات

هٰكَذَا قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ثُمَّ اِنَّ طَرَفَ جَنَاحٍ وَّاحِدٍ مِّنْ اَجْنِحَةِ جِبْرَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَكْتَفِي الْعَالَمَ مِنَ الْبَشَرِ فَكَيْفَ لَمْ يَكْفِ فِيْ مَنْعِ اُولٰئِكَ الْيَهُوْدِ عَنْهُ

ہیں ساتھ رہے۔ اور مفسرین نے اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت جبرئیل کا ایک بازو تمام عالم کے لئے مکتفی ہو سکتا ہے۔ تو پھر کس طرح مسیح علیہ السلام یہودیوں کے دست برد سے نہ بچا

پنجم۔ وہ فرماتے ہیں

اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا كَانَ قَادِرًا عَلٰى اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى وَاِبْرَاءِ الْاَكْمَهِ وَالْاَبْرَصِ فَكَيْفَ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اِمَاتَةِ اُولٰئِكَ الْيَهُوْدِ الَّذِيْنَ قَصَدُوْهُ بِالسُّوْءِ وَعَلٰى اِسْقَامِهِمْ وَاِلْقَاءِ الزَّمَانَةِ وَالْفَلَجِ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يَصِيْرُوْا عَاجِزِيْنَ عَنِ التَّعَرُّضِ لَهٗ

جب عیسٰے علیہ السلام مردوں کے زندہ کرنے اور اندھوں اور مبروصوں کے اچھے کرنے پر قادر تھے تو کیوں اُن یہودیوں کے مارنے پر قادر نہ ہوئے جنہوں نے اُس سے بدی کرنے کا قصد کر لیا تھا۔ اور کیوں اُن پر بیماریاں اور فالج نہ گرا دیا۔ تاکہ وہ عاجز ہو کر اُس سے درگذر کرتے

شَشُم۔ اَنَّهٗ تَعَالٰى كَانَ قَادِرًا عَلٰى تَخْلِيْصِهٖ مِنْ اُولٰئِكَ الْاَعْدَاءِ بِاَنْ يَّرْفَعَهٗ اِلَى السَّمَاءِ فَمَا الْفَائِدَةُ فِيْ اِلْقَاءِ شِبْهِهٖ عَلٰى غَيْرِهٖ وَهَلْ فِيْهِ اِلَّا اِلْقَاءُ مِسْكِيْنٍ فِي الْقَتْلِ مِنْ غَيْرِ فَائِدَةٍ اِلَيْهِ

اللہ تعالیٰ اُن دشمنوں سے بچانے کے لئے اس بات پر قادر تھا کہ اس کو آسمان پر اٹھا لیتا لیکن ایک دوسرے شخص کو اُس کی صورت میں متشکل کر کے قتل کرانا اس کو کیا فائدہ دیتا تھا +

هَفْتُم۔ اَنَّهٗ اِذَا اَلْقٰى شِبْهَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ ثُمَّ اَنَّهٗ رُفِعَ بَعْدَ ذٰلِكَ اِلَى السَّمَاءِ فَالْقَوْمُ اعْتَقَدُوْا فِيْهِ اَنَّهٗ هُوَ عِيْسٰى مَعَ اَنَّهٗ مَا كَانَ عِيْسٰى فَهٰذَا كَانَ اِلْقَاءً لَّهُمْ فِي الْجَهْلِ وَالتَّلْبِيْسِ وَهٰذَا لَا يَلِيْقُ بِحِكْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى +

جب ایک غیر آدمی کو مسیح کی صورت میں متشکل کیا گیا۔ اور پھر مسیح اُس کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔ تو اُس قوم نے یہ اعتقاد کر لیا کہ وہی شخص عیسٰے ہے حالانکہ وہ عیسیٰ نہیں تھا۔ اور اس القاء کے حقیقی علم سے وہ جاہل اور بے خبر رہے۔ ایسی بات اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت کے منافی ہے

مصلوب یقیناً مسیح علیہ السلام تھے

(۱) جب اتنا بڑا معاملہ ہوا تو ضرور چاہئے تھا کہ اُس شخص کا نام تمام تواریخوں میں درج ہوتا کہ یہ کیسا عجیب معاملہ ہوا کہ ایک شخص کی صورت بالکل مسیح کی صورت ہوگئی تھی۔ مگر دنیا بھر کی تاریخیں ساکت ہیں +

(۲) ابتک کسی مولوی نے نہیں بتایا کہ وہ شخص فلاں خاندان اور فلاں عمر اور فلاں شہر کا رہنے والا تھا +

(۳) اگر وہ مسیح کے حواریوں میں سے تھا۔ تو اُس کے رشتہ دار تو ضرور حاکمِ وقت کے پاس جاکر فریاد کرتے کہ اسکو کیوں بے قصور سولی پر دیا جاتا ہے یہ مسیح نہیں بلکہ اور شخص ہے

(۴) اگر وہ مسیح نہیں تھا تو حضرت مریم صلیب کے نیچے کیوں آنکر روتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے اِنَّ مَرْیَمَ جَلَسَتْ تَحْتَ ذٰلِكَ الْمَصْلُوْبِ وَبَكَتْ یعنے حضرت مریم اُس مصلوب کے نیچے بیٹھکر روتی رہی دیکھو کروسی فکشن مندکرہ بالا +

(۵) اگر وہ حواری ایسا فدائی تھا کہ اپنی خوشی سے سُولی قبول کرتا تھا۔ اور شاید لاوارث بھی ہوگا۔ لیکن جب حکام نے اُس مکان کی چھت کو پھٹا ہوا دیکھا ہوگا تو کیا انکو یہ گمان ہوا کہ مسیح تو آسمان پر چلا گیا ہے اور یہ کوئی اور شخص ہے +

(۶) بقول بعض مفسرین اگر پکڑوانے والا مشابہ بالمسیح ہوگیا تھا۔ تو اُن لوگوں کو یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ یہ شخص تو بطور خیر خواہی ہمارا حامی تھا۔ ہم اس کو کیوں سولی دیتے ہیں یہ تو ہمارے ساتھ ہی مکان میں داخل ہوا تھا یہ تو فلاں شخص ہے +

(۷) کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جب اسقدر حواری موجود تھے۔ حتّٰی کہ گلیل سے آئی ہوئی بہت سی عورتیں بھی وہ جانگاہ واقعہ دیکھ رہی تھیں تو کسی نے بھی اس امر کو کہ اگر فی الاصل کوئی اور شخص مشابہ بالمسیح ہوگیا تھا۔ بیان نہیں کیا اور سب نے سکوت کر لیا +

(۸) جب حضرت مریم روتی تھیں۔ تو کسی حواری نے بھی اُن کو تسلی نہ دی۔ کہ آپ کا بیٹا تو آسمان پر چلا گیا ہے۔ یہ تو فلاں شخص ہے۔ آپ کیوں روتی ہیں +

(۹) خود عیسائیوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ وہ شخص جو صلیب پر دیا گیا تھا وہ مسیح علیہ السلام

ہی تھا۔ چنانچہ دی ٹرائل آف جیزز میں لکھا ہی کہ صلیب سے پہلے جب مسیح ایسی حالت میں جبکہ اُس کی پیشانی خون اور خاک سے آلودہ تھی ایک عورت ویرونہ نام کے دروازہ کے پاس سے گذرا تو اُس سے رہا نہ گیا اور وہ دوڑ کر اُن کے پاس گئی اور اپنے دامن سے اُس کی پیشانی کو صاف کیا۔ مسیح نے اپنی والدہ کو بھی فوری نگاہ سے دیکھا مگر دوسری عورتوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میرے واسطے کیوں روتی ہو اپنے واسطے روؤ کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے کہ وہ کہینگی کہ مبارک وہ ہیں جو ویرانوں میں ہیں اور مبارک وہ رحم ہے جو نہیں جنتا اور مبارک ہیں وہ چھاتیاں جو دودھ نہیں دیتیں۔ پہاڑوں کو کہینگی کہ ہم پر ٹوٹ پڑو اور ہمیں ڈھانپ لو۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۷+

(۱۰) اگر وہ مسیح نہیں تھا تو کیوں یہودی تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو کیوں اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ تُو تو کہتا تھا کہ میں تین دن میں ہیکل بنا سکتا ہوں تو اپنی جان ہی کو بچالے اور نیچے اُتر آ۔ دیکھو کتاب دی ٹرائل آف جیزز صفحہ ۳۱۷+

(۱۱) اگر وہ مسیح نہیں تھا تو ایسی پاک کلام کسی دوسرے کے مُنہ سے کیونکر نکل سکتی تھی۔ سب سے پہلے جو مسیح کی زبان سے الفاظ نکلے یہ تھے۔ اے باپ ان لوگوں کی مغفرت فرما جو مجھے تمسخر کر رہے ہیں وہ مجھے نہیں جانتے کہ میں کون ہوں دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۸+

(۱۲) اگر وہ مسیح نہ تھا تو وہ یہ دردناک دعا کیوں کرتا۔ میں لوگوں میں نفرت اور عار کی جگہ ہوں میری خبر لے تو ہی میری پُشت پناہ ہی میری مدد کیلئے دوڑ" دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۹+

غرض اگر مصلوب کو مسیح تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور توریت اور انجیل جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ خدا پر ظلم اور بزدلی کا الزام عاید ہوتا ہے معاذ اللہ من ذلک اور پھر عقل کے رو سے بڑے بڑے اعتراض واقع ہوتے ہیں۔ لہذا ضروری ماننا پڑتا ہے کہ مصلوب خود مسیح علیہ السلام ہی تھے۔ جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت سے بچا لیا تھا۔ جس کی اصل حقیقت کا انکشاف کروسی فکشن سے ہوتا ہے +

تیرھویں فصل

اِس باب میں کہ تکلّمُ النّاسَ فِی المَھدِ وکھلاً کے کیا معنی ہیں

اکثر علماءِ زمان اور بعض مفسرین اِس بات کے قایل ہیں کہ آیت مذکورہ بالا سے مسیح کا زندہ ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ جب وہ آسمان پر اُٹھائے گئے تھے اُسوقت اُن کی عمر صرف ۳۳ برس کی تھی۔ اور زمانۂ کہولت اُن پر صادر نہیں ہوا تھا۔ اور زمانۂ کہولت اُن کی رائے میں ۴۰ برس کے بعد ہوتا ہے۔ لہذا وہ بالیقین مانتے ہیں کہ وہ کہولت کی حالت میں آنکر گفتگو کرینگے۔ اور یہ بھی اُن کا ایک معجزہ ہوگا۔ کیونکہ جیسے بچپن میں اُنہوں نے گفتگو کی تھی ایسا ہی بعد نزول کہولت میں گفتگو کرینگے۔ ورنہ کہولت کا ذکر کرنا کوئی جدت نہیں اور نہ کوئی عجیب بات ہے۔ لہذا وہ زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر ہیں اور وہی تشریف لائیں گے یہ اُن کا دعویٰ مع دلائل ہے۔ لیکن اگر اُن کو وسعت علم ہوتی یا علم اللغت میں کچھ مہارت رکھتے تو اُن کو اس قدر تکلیف گوارا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور ایسی لایعنی بات منہہ پر نہ لاتے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسیح کی ہر بات کو خارق عادت ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں اور جبتک انسانی عقل و فکر سے بڑھکر کوئی بات نہ ہو۔ تو اُن کی فطرت گوارا ہی نہیں کر سکتی۔ یہ اُن کی سراسر کم عقلی ہے۔ لہذا ہم اِن لوگوں کی بصیرت کے لئے پوری تحقیقات سے اس کے اصلی اور حقیقی معنے دکھلاتے ہیں۔

لفظ کہل اور لغتِ عرب

(۱) تاج العروس جو لغتِ عرب میں ایک بہت بڑی اور مشہور کتاب لغت ہے۔ اُسکی جلد ۸ صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے۔ اَلْکَھْلُ مِنَ الرِّجَالِ مَنْ وَخَطَہُ الشَّیْبُ اَیْ خَالَطَہٗ وَرَاَیْتُ لَہٗ بَجَالَۃً اَوْ مَنْ جَاوَزَ الثَّلٰثِیْنَ آدمیوں میں سے وہ شخص کھل کھلائیگا۔ جس کو بڑھاپا دامنگیر ہو جائے یا جو تیس سال سے تجاوز ہو جائے۔ وَقَالَ ابْنُ الْاَثِیْرِ اَلْکَھْلُ مِنَ

الرِّجَالِ مَنْ زَادَ ثَلَاثِیْنَ سَنَۃً اِلَی الْاَرْبَعِیْنَ - ابن اثیر کہتا ہے - کہل اُس وقت کہلاتا ہے - جب تیس سے گذر کر چالیس تک نوبت پہنچے - وَقِیْلَ ھُوَ مِنْ ثَلَاثٍ وَّثَلٰثِیْنَ اِلٰی تَمَامِ الْخَمْسِیْنَ - اور یہ بھی کہا جاتا ہے - کہ کہل ۳۳ - برس کا ہوتا ہے - اور اُس کا خاتمہ پچاس تک ہوتا ہے - وَفِی الْمُحْکَمِ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِیْنَ اِلٰی اِحْدٰی وَّخَمْسِیْنَ - اور محکم میں ہے ۳۴ سال سے ۵۱ سال تک +

(۲) صحاح جوہری جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ - اَلْکَھْلُ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِیْ جَاوَزَ الثَّلٰثِیْنَ یعنے کہل آدمیوں میں سے وہ ہے جو تیس سال سے متجاوز ہو - وَقَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیُّ یُقَالُ لِلْغُلَامِ مُرَاھِقٌ ثُمَّ مُحْتَلِمٌ ثُمَّ یُقَالُ تَخَرَّجَ وَجْھُہٗ ثُمَّ اتَّصَلَتْ لِحْیَتُہٗ ثُمَّ مُجْتَمِعٌ ثُمَّ کَھْلٌ وَّھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِیْنَ یعنے ابن اعرابی کہتا ہے کہ غلام کو مراہق اور اُس کے بعد وہ محتلم کہلاتا ہے - پھر اُس کا مُنہہ بھرتا ہے - پھر اُس کی ڈاڑھی نکلتی ہے - پھر اُس کے بعد اُس کو مجتمع کہتے ہیں - اس کے بعد وہ کہل کی حالت پر پہنچتا ہے - اس وقت وہ ۳۳ برس کا ہوتا ہے - گو اس میں بہت کچھ لکھا ہے مگر اسی پر اکتفا کر کے تفاسیر سے بھی دکھاتے ہیں کہ صرف لغت والوں ہی نے اس کے معنے نہیں کئے - بلکہ دیگر علمار کبار نے بھی کہولت ۳۳ سال تک قرار دی ہے +

تفاسیر و کہل

(۱) تفسیر ابن جریر جلد اوّل صفحہ ۱۷۰ پر یوں لکھا ہے +

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ قَالَ ثَنَا الْحُسَیْنُ قَالَ ثَنِیْ حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ کَلَّمَھُمْ صَغِیْرًا وَّکَبِیْرًا وَّکَھْلًا وَقَالَ ابْنُ جُرَیْجٍ وَقَالَ مُجَاھِدٌ اَلْکَھْلُ الْحَلِیْمُ +	ابن جریر کہتے ہیں کہ قاسم نے ہمارے پاس اُس کے پاس حسین نے اُس کے پاس حجاج نے اُس کے پاس ابن جریج نے کہا کہ مسیح نے اُن لوگوں سے کلام کیا بچپن میں بھی بڑے ہو کر

بھی اور ادھیڑ پن میں بھی اور کہا کہ ابن جریج اور مجاہد نے کہل کے معنے حلیم بتائے ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ جب انسان کو خوب جوانی حاصل ہوتی ہے +

(۲) تفسیر تنویر المقباس جلد اول صفحہ ۴۷ میں زیر آیت وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا

لکھا ہے۔ کَھلاً۔ بَعْدَ ثَلاثِیْنَ سَنَۃٍ بِالنُّبُوَّۃِ یعنے تیس سال کی عمر کے بعد جب وہ نبی ہوئے تھے۔ تو اُس وقت وہ کہل تھے

(۳) حاشیہ للقنوی علی البیضاوی جلد۳ صفحہ ۷۵ زیر آیت یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلاً۔ اَوَّلُ سِنِّ الْکُھُوْلَۃِ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً اَوْ اِثْنَانِ وَثَلٰثُوْنَ اَوْ ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ یعنے کہولت کا پہلا سال تیسواں سال یا بتیسواں یا تینتیسواں سال کہلاتا ہے +

(۴) تفسیر غایۃ البرہان جلد اول زیر آیت بالا لکھا ہے۔ تو کلام کرنے لگا مہدِ مادر میں قوم مجوس سے اور حالتِ کہولت میں جو تیس سال سے ما بعد سِن کی حالت کو کہتے ہیں کہ جب تیس سال کے ہوئے۔ اور اس کی تائید میں ہے۔ وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ +

(۵) تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین صفحہ ۱۰۸۔ زیر آیت بالا لکھا ہے کَھلاً۔ اَیْ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ یعنے ۳۳ سال +

(۶) تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۱۵۹۔ زیر آیت بالا قِیْلَ وَکَھلاً نَبِیًّا بَشَّرَھَا نُبُوَّۃَ عِیْسٰے عَلَیْہِ السَّلَامُ وَکَلَامُہٗ فِی الْمَھْدِ مُعْجِزَۃٌ۔ وَفِی الْکُھُوْلَۃِ دَعْوَۃٌ وَقَالَ مُجَاھِدٌ وَکَھلاً اَیْ حَلِیْمًا کہتے ہیں کہلا کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی خوشخبری دی۔ اور اُن کی کلام مہد میں بطور معجزہ تھی۔ اور کہولت میں دعوتِ بنی اسرائیل۔ اور مجاہد کہتا ہے کہ کہل کے معنے بالغ کے ہیں +

(۷) تفسیر جامع البیان صفحہ ۹ میں زیر آیت وَکَھلاً بِالنُّبُوَّۃِ یعنے کہولت میں بات کرنا نبوت کے زمانہ سے مراد ہے +

(۸) تفسیر غرائب القرآن جلد ا صفحہ ۳۲۲ زیر آیت یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھلاً وَالْکَھْلُ فِی اللُّغَۃِ الَّذِیْ اجْتَمَعَ قُوَّتُہٗ وَکَمُلَ شَبَابُہٗ۔ رُوِیَ اَنَّ عُمْرَہٗ بَلَغَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِیْنَ وَلَارَیْبَ اَنَّ اَکْمَلَ اَحْوَالِ الْاِنْسَانِ مَا بَیْنَ الثَّلٰثِیْنَ وَالْاَرْبَعِیْنَ فَیَکُوْنُ عِیْسٰے قَدْ بَلَغَ سِنَّ الْکُھُوْلَۃِ وَقِیْلَ الْمُرَادُ اَنَّہٗ یُکَلِّمُ النَّاسَ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً فِی الْمَھْدِ لِاِظْھَارِ طَھَارَۃِ اُمِّہٖ ثُمَّ عِنْدَ الْکُھُوْلَۃِ یَتَکَلَّمُ بِالْوَحْیِ وَبِالنُّبُوَّۃِ۔ یعنے کہل لغت میں اُس شخص پر بولا جاتا ہے۔ جس کی قوت مجتمع اور جس کی جوانی کمال کو

پہنچ جائے۔ روایت کی گئی ہے۔ کہ حضرت مسیح کی عمر ۳۳ برس کو پہنچ گئی تھی۔ اور کچھ شک نہیں کہ انسان کی کمالیت تیس اور چالیس کے درمیان ہوتی ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام ضرور سن کہولت کو پہنچ گئے ہوں۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اُنہوں نے ایک دفعہ مہد میں ماں کی بریت کے لئے کلام کی تھی۔ اور پھر وحی اور نبوت کے ساتھ زمانہ کہولت میں تبلیغ احکام کی تھی +

(۹) تفسیر الوجیز صفحہ ۵۳۶ زیر آیت بالا مرویست کہ چوں حضرت عیسے علیہ السلام بعمر سی سال رسید مامور شد برسالت بہ بنی اسرائیل سہ سال دعوت خلق مے فرمود باوحی رسید بایشاں بعمر سی سالہ و دعوت نمود سہ سال وچند ماہ۔ وزمانہ کہولت از سی سال تا چہل سال است +

روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر کے ہوئے تو وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اور تین سال تک خلق خدا کو دعوت کرتے رہے۔ یا یہ کہ تیس سال کی عمر میں اُن کو خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ اور تین سال اور کچھ مہینے لوگوں کو دعوت کرتے رہے۔ اور زمانہ کہولت ۳۰ سے ۴۰ تک ہے +

(۱۰) تفسیر عباسی زیر آیت یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا بَعْدَ ثَلَاثِیْنَ سَنَةٍ بِالنُّبُوَّةِ یعنے کہولت تیس سال کے بعد یعنے زمانہ نبوت میں تھی +

(۱۱) تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۶۰۷ زیر آیت بالا یُکَلِّمُ کَھْلًا بِالْوَحْیِ وَالنُّبُوَّةِ اور وحی اور نبوت کے ساتھ جب دعوت کرتا تھا۔ اس حالت کو کہولت کہتے ہیں وَالْکَھْلُ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِیْ جَاوَزَ الثَّلَاثِیْنَ یعنے آدمیوں میں سے وہ شخص کہل کہلاتا ہے جو تیس سال سے متجاوز ہو +

(۱۲) حاشیہ شیخ احمد صادی مالکی علی جلالین۔ جلد ا۔ جلد ۱۵۶۔ کَھْلًا۔ اَیْ بَیْنَ الثَّلَاثِیْنَ وَالْاَرْبَعِیْنَ یعنے کہل اُس کو کہتے ہیں جب وہ تیس اور چالیس کے مابین ہو +

(۱۳) تفسیر سراج المنیر جلد اول صفحہ ۲۱۰ زیر آیت فَاَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ عَلٰی رَاْسِ ثَلَاثِیْنَ سَنَةٍ وَکَانَتْ نُبُوَّتُہٗ ثَلٰثَ سِنِیْنَ یعنے کہل کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے مسیح کی طرف وحی کی اور اُس وقت تیس سال کے تھے۔ اور اُن کی نبوت کا زمانہ تین سال تھا

(۱۴) تفسیر بحر مواج جلد ۱ صفحہ ۳۵۲ و ۳۵۴ زیر آیت بالا۔ بعد سی سالگی عیسیٰ را وحی تبلیغ شرائع شدہ و معنے آیت این است۔ سخن خواہد گفت در زمان طفولیت و سخن گوید باہر دمان در ہنگام کہولت یعنے در حالت کہل شود و در تبلیغ شریعت سخن گوید۔

تیس سال کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت کے قایم کرنے کے لیئے وحی آئی۔ اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ زمانہ بچپن میں وہ گفتگو کریگا اور کہولت کی حالت میں وہ تبلیغ شریعت کے لیئے لوگوں سے کلام کریگا۔

(۱۵) تفسیر اکسیر اعظم جلد ۲ صفحہ ۱۴۶۔ زیر آیت بالا مہد میں باتیں کرنا حضرت عیسیٰ کا معجزہ تھا۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ کا کام اُسوقت بھی ہدایت حق تھا۔ اور ہمیشہ کے لیئے اُن کا کلام ہدایت رہا۔ پس بچپن سے بڑھاپے تک باتیں کرتا رہا معنے یہ ہیں کہ ہم نے تجھ کو ایسا ہادی بنایا کہ بچپن سے بڑھاپے تک تو نے ایک سی ہدایت کی۔ پھر آگے چل کر صاحب تفسیر لکھتے ہیں بعض مفسرین نے لفظ (وکہلا) میں تشبیہہ کے معنے سمجھے ہیں۔ اور اُس کو معنے کالکہل کہتے ہیں۔ یعنے باتیں کرنا مہد میں۔ اور باتیں کرنے میں تو مثل بوڑھوں کے تھا۔ یعنے بچپن میں تو بچوں کی سی باتیں نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ایسی حکمت اور دانائی کی باتیں کرتا تھا جیسے بوڑھے کرتے ہیں۔

ہم اسی قدر تفاسیر پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ لغت عرب و تفاسیر سے صاف صاف عیاں ہے کہ کہولت ۳۰ سال سے شروع ہوتی ہے بلکہ جب انسان بالغ ہو جائے اُس وقت اس کو کہل کہہ سکتے ہیں۔ تو مسیح جب نبی ہوئے تو وہ تیس سال کے ہی تھے۔ اکثر مفسرین اس پر متفق ہیں کہ جب مسیح علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تھے۔ اُس وقت اُن کو نبوت عطا ہوئی تھی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ یہ کہیں کہ چونکہ وہ کہل نہیں ہوئے تھے۔ اسواسطے اُنکا دوبارہ آنا ضروری ہے

اس امر کی وجوہات کہ مسیح کا دوبارہ آنا قریبًا ناممکن ہے

اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر چلے گئے تو بھی اُنکا دوبارہ آنا بدلائل ذیل قایم نہیں رہ سکتا

(اول) جب اُن کا فوت ہونا قرآن سے اور احادیث سے اور دیگر ذرائع سے ثابت ہوگیا۔ تو پھر آنا کیسا۔

(دوم) اگر بالفرض مان لیں کہ وہ نہیں مرتے۔ اور بغیر کہولت آسمان پر اُٹھائے گئے

تو پھر زمانہ کے اثر سے وہ اُس عمر کو پہنچ چکے ہونگے جو ارذل العمر سے بھی بدتر ہوگی۔ پھر کہولت کا زمانہ کہاں +

(سوم) اگر زمانہ کا اثر اُن پر نہیں ہوا تو جب وہ تینتیس سال ہیں جو بزعم علماء ابھی زمانہ کہولت اُن پر نہیں آیا تھا۔ بلکہ زمانہ کہولت چالیس سال سے شروع ہوتا ہے۔ تو پھر وہ ۳۳ ہی سال کے ہوئے اور جب وہ آسمان سے نازل ہونگے تو اُس وقت بھی کہل نہ ہوئے۔ کیونکہ اب تک وہ ۳۳ سال کی عمر کے ہیں تو کیا وہ سات سال تک یعنے چالیس سال یعنے زمانہ کہولت تک پہنچنے کے لئے شیعوں کے مہدی کی طرح کسی غار میں جاکر چھپ رہینگے یا گونگے ہوکر بیٹھ رہینگے۔ تاکہ زمانہ کہولت آجائے۔ کیونکہ بموجب شہادت قرآنی وہ آدمیوں سے کلام نہیں کر سکتے۔ جب تک وہ کہل نہ ہولیں۔ پس اُن کا آسمان سے آنا ہی لاحاصل ہوا +

(چہارم) تمام احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ نازل ہوتے ہی تبلیغ شروع کریں گے اور جب وہ کہل نہیں تو کیونکر تبلیغ کر سکتے ہیں۔ لہذا ماننا پڑیگا۔ کہ یا تو تمام احادیث غلط ہیں یا خود اُن علماء کا خیال فاسد ہے +

(پنجم) قرآن سے ثابت ہو کہ مسیح علیہ السلام دو وقت لوگوں سے کلام کرینگے۔ ایک مہد میں اور دوسرے کہولت میں۔ اور علماء کی رائے میں مسیح علیہ السلام عمر کہولت تک نہیں پہنچے تو ضرور اُنہوں نے زمانہ نبوت میں لوگوں سے کوئی گفتگو نہیں کی ہوگی۔ ورنہ قرآن شریف کی شہادت غلط ٹھیرے گی +

(ششم) تاریخ اور اناجیل مروجہ اور خود قرآن شریف سے ثابت ہے۔ کہ اُنہوں نے لوگوں سے کلام کی۔ تو ساتھ ہی ماننا پڑیگا۔ کہ کہولت کا وہی زمانہ تھا +

(ہفتم) جب یہ ثابت ہوگیا کہ زمانہ کہولت زمانہ نبوت تھا۔ تو پھر اُن علماء کا خیال غلط اور فضول ثابت ہوا۔ جو اب تک قائل ہیں کہ کہل نہیں ہوئے تھے پس یہی صحیح ہو کہ مسیح مرچکا اور انکا زمانہ کہولت بھی گذر چکا۔ اب انتظار کرنا بیفائدہ ہے +

(ہشتم) سب سے بڑھکر جب لغت عرب سے ثابت ہو کہ ۳۰ سال سے کہولت شروع ہوتی ہو اور یہ بھی ثابت ہو۔ کہ جب مسیح علیہ السلام مامور ہوئے تھے۔ تو اُس وقت وہ ۳۰ ہی سال کے تھے۔ تو پھر کہولت ہی کے زمانہ میں اُنہوں نے کلام کی۔ پھر کیوں لا یعنی حیلے تراشے جاتے ہیں +

با وجود ان تمام وجوہات کے اگر پھر بھی کوئی عالم اپنی بات پر جما رہے تو بجز کور مغزی اور حماقت کے اور کچھ منصور نہیں ہوگا +

چودھویں فصل

اس باب میں کہ آیت اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے کیا مراد ہے

بعض علماء و بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ مسیح کے حق میں ہے۔ اور وہ اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ مسیح قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہے۔ بنا بریں وہ مانتے ہیں کہ اُن کا نزول قیامت کے قریب ہوگا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بالکل قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ اول تو علم کے معنے نشان کے نہیں۔ اور قرآن شریف میں لفظ علم آیا ہے جسکا فا کلمہ کسرہ سے ہے اور اُس کے معنے جاننے کے ہیں نہ نشان کے۔ اور ضمیر اِنَّهٗ کی جب مسیح کی طرف پھیری جاوے۔ تو مسیح قیامت کا علم قرار پاتا ہے۔ اور آیت وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ظاہر کرتی ہے کہ قیامت کا علم خدا کے ہاں ہے تو پھر مسیح خدا کے پاس ہوگئے اور خدا کے پاس وہی ہوتا ہے جو دنیا سے بالکل قطع تعلق کرکے اس بشری لوازمات سے پاک ہوتا ہے جس کا نام موت ہے۔ اور خدا کے پاس صرف مسیح ہی نہیں بلکہ تمام انبیا اور اولیا اور صالحین اور کل مومنین بھی ہیں دیکھو آیت اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ پس اس آیت سے علماء مسیح کی حیات مع الجسم عنصری کا کیونکر استدلال لے سکتے ہیں +

پھر ہم جب سورہ زخرف میں نظر عمیق سے دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع سورۃ سے قرآن شریف کا منجانب اللہ ہونا ذکر فرمایا ہے۔ اور پھر درمیان میں اور اور نظائر او قصص بیان کرکے اضمار کو استعمال کیا ہے۔ اور پھر قرآن شریف کا ذکر از سر نو کر دیا ہے پس جب اور جگہ ضمیریں قرآن کریم کی طرف پھیری جاتی ہیں تو یہاں اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں قرآن مجید کی طرف کیوں نہ پھیری جائے +

ہمارے پاس اس امر کا ثبوت کہ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے۔ بوجوہات ذیل ہے:۔
سورہ زخرف کے شروع میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے حٰمٓ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّا جَعَلْنٰہُ
قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ پھر آگے چل کر فرماتا ہے۔ وَاِنَّہٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ
حَکِیْمٌ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قرآن شریف کا ذکر شروع کرکے اُسکی صداقت
اور اُس کے منجانب اللہ ہونے کے لئے بہت سے انبیا اور اُنکی کتابوں کے جھٹلانے والوں
کی نظیریں پیش کرتا ہے اور کبھی قرآن شریف کو بارش سے نسبت دیکر لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔
کہ جیسے جسمانی بارش سے بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اب یہ روحانی بارش یعنے
قرآن شریف بھی اپنا اثر دُنیا پر ظاہر کرنے کے لئے اُترا ہے۔ یہ بھی فائدہ دئے بغیر نہیں رہیگا
اب اس امر کی طرف غور کرنا چاہیئے۔ کہ اول قرآن شریف کا صریح لفظ بول کر دوسری آیت میں
ضمیر اِنَّہٗ کی جو آیت وَاِنَّہٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا میں ہے استعمال کی ہے پھر آگے دلائل
ونظائر پیش کئے ہیں۔ پھر آیت اَمْ اٰتَیْنٰھُمْ کِتٰبًا مِّنْ قَبْلِہٖ پیش کرکے کفار کو ملزم ٹھہرایا ہے
پھر عام منذرین کا ذکر کرکے ان کے انجام اور اُن کے مخالفوں کے انجام کی طرف توجہ دلائی
ہے۔ اور پھر حضرت ابراہیم کا بالخصوص ذکر فرمایا ہے۔ پھر لیکچر دیتے دیتے اصل بات کی طرف رجوع
ہوکر فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ
جس سے صاف صاف نکلتا ہے کہ جس طرح ابتدا ہی سے بنا مضمون قرآن شریف پر اُٹھائی ہے
آیت متذکرہ تک اسی سلسلہ کو نبھاتا چلا آیا ہے۔ اور جیسے کوئی فصیح بلیغ لکچرار مضمون کو شروع
کرکے اپنی بلاغت تامہ ومعلومات وسیعہ کی بنا پر بہت دور دور تک چلا جاتا۔ اور پھر اپنے اصلی مقصد
کی طرف آجاتا ہے۔ اِسی طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ جاری رکھا ہے۔ جیسے کہ
نفس سورۃ ظاہر کرتی ہے۔ اسکے بعد پھر چلتے چلتے فرماتا ہے وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ
نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ پھر دہمان ہیں اور وعظ شروع کرکے چلتے چلتے فرماتا ہے۔
فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ پھر فرماتا ہے وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ
وَلِقَوْمِکَ یعنے قرآن کریم تجھ کو اور تیری قوم کو عظیم الشان انسان بنانے والا ہے۔ پھر اور
رسولوں کا ذکر کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کرلیا۔ اور پھر جناب موسیٰ علیہ السلام کی
کامیابی اور اُن کے دشمن فرعون کی ناکامی کا ذکر کرکے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کو چھوڑ دیا

ہے۔ اور پھر وَجَعَلْنٰہُ مَثَلًا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کہکر اُن کے ذکر کو بند کر دیا ہے چلتے چلتے پھر شروع کیا ہے۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ۔ اور یہاں پر فاصلہ دیکر فرماتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر قرآن شریف کی طرف ہے۔ مسیح کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ اُس کے ذکر اور اس آیت کے درمیان فاصلہ ہے۔ اور کوئی تعلق نہیں۔ اور پیچھے ہم دکھاتے آئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ شریف میں یہ روش اختیار کی ہے کہ قرآن کی صداقت اور اُسکی عظمت ثابت کرنے کے لئے قرآن ہی کے لفظ سے شروع کیا ہے۔ اور پھر دیگر انبیا اور اُن کی قوموں کے نتائج کو پیش کر کے قرآن حمید کے منوانے کی کوشش کی ہے اور پھر صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ایک ایسا قرینہ ہے جس سے ضمیر اِنَّهٗ کی قرآن کی طرف راجع ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میں صراط مستقیم بیان کیا ہے۔ اور اس آیت زیر بحث میں بھی لفظ صراط مستقیم آیا ہے جس سے بخوبی یہ امر ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ جب پہلی آیت میں یہ لفظ قرآن شریف کی طرف ہے تو یہاں بھی اسکا تعلق قرآن شریف ہی سے ہوگا پھر مسیح علیہ السلام سے اسکا کیا تعلق ہو سکتا ہے ؎

دوسرے معنے اس کے یہ ہو سکتے ہیں کہ ضمیر اِنَّهٗ کی حضرت عیسٰے ہی کی طرف پھیری جائے تو موجب قرأت ثانی بجائے زیر کے زبر سے پڑھا جاوے یعنے عَلَم جسکے معنے نشان کے ہوتے ہیں اس صورت میں بھی اُس سے مسیح کی حیات ثابت نہیں ہوتی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہود کے بارہ قبیلے تھے۔ ایک کا نام صدوقی تھا۔ وہ حشر کا قایل نہیں تھا۔ دیکھو انجیل مرقس باب ۱۲ درس ۱۸۔ جب مسیح علیہ السلام آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ملزم کرنے کے لئے بطور حجت پیش کیا کہ اے کمبختو تم تو قیامت کے منکر ہو۔ حالانکہ تم میں ایک قیامت کا نشان موجود ہے۔ وہ کیا وہ یہی عیسیٰ علیہ السلام جو برخلاف عام سنت اللہ کے خارق عادت طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے منوانے کی ایک دلیل قوم یہود کو پیش کی ہے کہ جب ہم نے بلا باپ مسیح کو تم میں پیدا کیا ہے۔ تو پھر کیا ہم حشر اجساد نہیں کر سکتے۔ ورنہ یہ خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو کہا تھا کہ وہ قیامت کے نزدیک پھر آئیگا۔ اس لئے یہ قیامت کا نشان ہے کیسی فضول اور لغو دلیل ہو سکتی ہے۔ جب وہ لوگ اُسوقت موجود ہی

نہیں ہونگے۔ تو ان کو مسیح کا قیامت کے قریب ظاہر ہونا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ تو ایک ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک شخص ایک شخص سے لڑ پڑے۔ اور وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اس سے روبراہ نہ ہوسکے تو پھر یہ دھمکی دے کہ اچھا دوسو برس کے بعد میرا ایک پرپوتا ہوگا وہ تمہاری خوب ہی خبر لیگا۔ اِس بات کو سُنکر کیا اس کا حریف ہنسی نہیں اُڑائیگا۔ ضرور اُڑائیگا۔ بلکہ اُسکو پاگل اور مخبوط الحواس سمجھیگا۔ ایسا ہی خدائے تعالیٰ کی اس بات پر اگر اس کے وہی معنی سمجھے جائیں جیسے علماء زمان و بعض مفسرین کرتے ہیں۔ تو ضرور اُس زمانہ کے یہود ہنسی اُڑاتے ہونگے کیونکہ ظاہر کہ وہ یہود کیونکر اتنی مدت تک زندہ رہ سکتے تھے وہ تو مرکر خاک ہو چکے ہونگے جب مسیح دوبارہ ظاہر ہوگا تو اُن کی ذات کو اُس سے کیا فائدہ وہ تو ویسے کے ویسے منکر کر مر گئے بس اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں کو قیامت کے قایل کرانے کے لئے مسیح کی پیدایش خارق عادت کو پیش کیا گیا تھا اور کوئی غرض نہ تھی

تیسرے معنے اس کے یہ ہیں کہ حضرت مسیح کو دقیق در دقیق علم دیکر یہودیوں کے پاس بھیجا اور اُنہوں نے بڑے بڑے عمدہ پیرائے میں قیامت کے ثبوت دیئے اور اسی واسطے وہ گویا علمِ قیامت ہو گئے یعنے انکو قیامت کا بہت بڑا علم دیا گیا تھا تاکہ یہودیوں پر اتمام حجت کریں +

علماء کا اتفاق نہیں کہ اِنَّهٗ کی ضمیر صرف مسیح علیہ السلام کی نسبت ہے

جب خود مفسرین کا اتفاق نہیں کہ مسیح علیہ السلام کی طرف اِنَّهٗ کی ضمیر راجع ہے تو پھر اس زمانہ کے علماء کس برتے پر زور دیتے ہیں کہ ضمیر مسیح کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں دکھاتے ہیں۔ کہ وہ خود شک میں ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اس کا ٹھیک مطلب کیا ہے +

(۱) حاشیہ قنوی علی البیضاوی تکملہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۵۔ زیر آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔

کیونکہ اُس کی پیدایش یا اُس کا نزول قیامت کی اشراط سے ہے اور یہ ظاہر ہے۔ کہ مفسرین کو یقین نہیں ہے کہ آیا اُس کی پیدایش ہی قیامت	قَوْلُهٗ لِاَنَّ حَدُوْثَهٗ اَوْ نُزُوْلَهٗ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ حَدُوْثُهٗ اَیْ خَلْقُهٗ عَلٰی وَجْهٍ بَدِیْعٍ وَھُوَ الظَّاھِرُ +

کا نشان ہے۔ یا اُس کا نزول۔ اور میں پیشتر ازیں ظاہر کر چکا ہوں کہ نزول ان لوگوں کے لئے جو اُس کے دشمن تھے کیونکر مفید ہوسکتا تھا خود دلیل ہی جب سخت کمزور ہے تو وہ اس

سے کیونکر فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ البتہ صدوقیوں کے لیے جو قیامت کے منکر تھے۔ اس کی پیدائش کا واقعہ مفید ہو سکتا تھا۔ گو ہمارے نزدیک یہ بات بھی کمزور ہے کیونکہ وہ تو اُسکی پیدائش کی نسبت بھی حرف رکھتے تھے +

(۲) تفسیر معالم التنزیل صفحہ ۸۰۱۔ یعنے حسن اور ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ اَنَّهٗ کی ضمیر

وَقَالَ الْحَسَنُ وَجَمَاعَةٌ۔ وَاِنَّهٗ یَعْنِیْ وَاِنَّ الْقُرْاٰنَ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یُعَلِّمُکُمْ قِیَامَهَا وَیُخْبِرُکُمْ بِاَحْوَالِهَا وَاَهْوَالِهَا +	قرآن شریف کی طرف راجع ہے یعنے قرآن شریف قیامت کا علم ہے۔ کیونکہ وہ تم کو اس کے آنے اور اس کے حالات اور خطرات کی نسبت جو واقعہ

ہونے والے ہیں۔ پوری خبر دیتا ہے۔ یہ دلیل واقعی قوی ہے +

(۳) تفسیر جامع البیان صفحہ ۴۲۲ زیر آیت بالا۔ وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ لِلْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِیْهِ لَدَلَالَتَهٗ عَلَیْهَا۔ یعنے وہ کہتے ہیں کہ ضمیر قرآن شریف کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ اس میں قیامت کے دلائل ہیں +

(۴) تفسیر غرائب القرآن جلد ۳ زیر آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ قِیْلَ الضَّمِیْرُ فِیْ وَاِنَّهٗ لِلْقُرْاٰنِ لِعِلْمٍ مِّنْهُ وَفِیْهِ ثُبُوْتُ السَّاعَةِ کہتے ہیں کہ ضمیر وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں قرآن کریم کے لئے ہے جس میں قیامت کا علم اور ثبوت ہے +

(۵) تفسیر بیضاوی جلد ۵ صفحہ ۴۹۴۔ یعنے عیسیٰ علیہ السلام علم ساعۃ ہیں۔ کیونکہ انکا پیدا

(۱) (وَاِنَّهٗ) وَاِنَّ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ (لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ) لِاَنَّ حَدُوْثَهٗ اَوْ نُزُوْلَهٗ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ +	ہونا یا نازل ہونا قیامت کے اشراط سے ہے +
(۲) وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ لِلْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِیْهِ الْاِعْلَامَ بِالسَّاعَةِ وَالدَّلَالَةَ عَلَیْهَا +	اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ضمیر قرآن شریف کے لئے ہے۔ کیونکہ اس میں قیامت کے نشانات

اور اُس کے واقعہ ہونے کے دلائل ہیں +

(۶) عنایت القاضی حاشیہ علی البیضاوی جلد ۷ صفحہ ۴۹۴۔ حدوثہ کے معنے اُس کا پیدا

وَقَوْلُهٗ لِاَنَّ حَدُوْثَهٗ اَیْ خَلْقَهٗ اَوْ ظُهُوْرَهٗ اِرْسَالَهٗ وَاَشْرَاطُ السَّاعَةِ بِمَعْنَی الْعَلَامَةِ	ہونا یا اُس کا رسول ہو کر آنا۔ اور اشراط الساعۃ کے معنے علامات قیامت ہیں تاکہ وہ قیامت کا علم ہو

فَیَکُوْنَ عِلْمُ السَّاعَةِ مَجَازاً عَمَّا تُعْلَمُ بِهٖ وَالتَّعْبِیْرُ بِهٖ کَاِطْلَاقِ الذِّکْرِ عَلَیْهِ وَعَلَی الْقُرْاٰنِ الْمَعْلُوْمِ بِهٖ قُرْبُهَا +

ہو یعنے مجازاً اس سے قیامت کی واقفیت ہو اور تعبیر اس کی یہ ہے کہ گویا قیامت کے ذکر کا اطلاق اس پر اور قرآن شریف پر ہو کہ اُس سے قیامت کے قریب ہونے کا علم حاصل ہوتا ہے

(۷) تفسیر روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۲۰۶۔ زیر آیت بالا یعنے عیسیٰ علیہ السلام قیامت کا علم

اَیْ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ الْعِلْمُ السَّاعَةِ۔ اَیْ اِنَّهٗ بِنُزُوْلِهٖ شَرْطٌ مِنْ اَشْرَاطِهَا اَوْ بِحُدُوْثِهٖ بِغَیْرِ اَبٍ وَعَنِ الْحَسَنِ وَقَتَادَةَ وَابْنِ جُبَیْرٍ اَنَّ ضَمِیْرَ اِنَّهٗ لِلْقُرْاٰنِ لِمَا اَنَّ فِیْهِ الْاِعْلَامَ بِالسَّاعَةِ +

ہے۔ یعنے اُن کا نازل ہونا قیامت کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے۔ یا اُس کا پیدا ہونا بغیر باپ کے قیامت کی علامت ہے۔ اور حسن اور قتادہ اور ابن جبیر کے نزدیک اِنَّهٗ کی ضمیر قرآن شریف کی طرف ہے کیونکہ اس میں قیامت کے نشانات ہیں +

(۸) تفسیر مجمع البیان جلد ۲ زیر آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ۔ حسن سے روایت ہے کہ

قِیْلَ اَنَّ الْهَاءَ فِیْ قَوْلِهٖ وَاِنَّهٗ یَعُوْدُ اِلَی الْقُرْاٰنِ وَمَعْنَاهُ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَدَلَالَةٌ عَلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ وَالْبَعْثِ یُعْلَمُ بِهٖ ذٰلِكَ عَنِ الْحَسَنِ وَقِیْلَ مَعْنَاهُ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَدَلِیْلٌ لِلسَّاعَةِ لِاَنَّهٗ اٰخِرُ الْکُتُبِ اُنْزِلَ عَلٰی اٰخِرِ الْاَنْبِیَاءِ عَنْ اَبِیْ مُسْلِم

اللہ تعالیٰ کی آیت اِنَّهٗ میں جو ہائے ہے وہ قرآن شریف کی طرف پھرتی ہے اور معنے یہ ہیں کہ قرآن شریف قیامت کے قیام اور بعثت کی دلیل ہے۔ کیونکہ قرآن ہی سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے اور ابو مسلم کہتے ہیں کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ قرآن شریف قیامت کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ آخری کتاب ہے۔ جو نبی آخرالزمان پر نازل ہوئی ہے +

ان تمام تفاسیر وغیرہ سے واضح ہے۔ کہ اِنَّهٗ کی ضمیر زیادہ تر قرآن شریف کی طرف پھیری گئی ہے۔ اور حسن اور قتادہ اور ابو مسلم جیسے بزرگ اسی بات کے قایل ہیں۔ اور یہ بات قرآن شریف کے سیاق و سباق سے بھی ثابت ہے۔ اور یہی بات زیادہ تر قابل وثوق ہے جیسے ہم پیشتر ازیں ظاہر کر چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض نے اپنے خیال سے مسیح کے نزول کو بھی قیامت کی شرط قرار دیا ہے۔ لیکن جب بوجوہات کثیر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ مسیح فوت ہو چکا ہے اور اُن کا آسمان پر جانا بجسدہ العنصری کسی حدیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ تو نزول

کیسے ہوسکتا ہے۔ اور ہم نزول کی بحث عنقریب شروع کرکے دکھائینگے۔ کہ لوگوں نے جس طرح نزول مانا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے واقعی اس کے یہی معنے ہوسکتے ہیں کہ انّہٗ کی ضمیر قرآن شریف کی طرف ہے۔ یا اگر مسیح کی طرف ہو۔ تو اسکی تین ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ فوت ہوگئے ہیں وعِندَہٗ عِلمُ السَّاعَۃِ سے ہویدا ہے۔ جو خدا کے پاس چلا جائے۔ وہ مرے بغیر نہیں جاسکتا۔ دوسرے یہ کہ چونکہ مسیح علیہ السلام نے قیامت اور حشر کی وجوہات کثیر بیان کی ہیں۔ اور مختلف مثالوں اور پیراؤں میں اُس کی تفصیل وتشریح کی ہے۔ اِس لئے اِس کو عِلمُ السَّاعَۃِ کہا گیا۔ تیسرے یہ معنے کہ صدوقی فرقہ چونکہ حشر ونشر کا قائل نہیں تھا۔ اُس کے قایل کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کی گئی ہو۔ کہ مسیح خود حشر اجساد کی ایک مثال تم میں موجود ہے۔ جبکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ یہ آخری بات بھی تفاسیر کے مفسروں اور آجکل کے علماء کے مذاق کے موافق ہے۔ ورنہ میرے نزدیک یہ دلیل بھی ضعیف سی ہے۔

چوتھی دلیل ہم بیان کرتے ہیں۔ جو بہت قوی اور صحیح بھی ہے۔ اور اُس سے تسلّی بھی پوری ہوسکتی ہے کہ اَلسَّاعَۃِ سے مراد صرف قیامت کبریٰ ہی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ کسی امر عظیم الشان کے وقوعہ کو بھی السَّاعَۃُ کہتے ہیں۔ جیسے قرآن کی آیاتِ ذیل اس پر شاہد ہیں (اوّل) اِقتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانشَقَّ القَمَرُ۔ یعنے وہ عظیم الشان گھڑی آگئی۔ جس میں انشقاقِ قمر کا وعدہ تھا۔ سو وہ وعدہ پورا ہوگیا اور اُسی کے موافق چاند پھٹ گیا۔ سورۃ القمر رکوع ۱ دوسری آیت میں ہے اَم یَقُولُونَ نَحنُ جَمِیعٌ مُّنتَصِرٌ سَیُھزَمُ الجَمعُ وَیُوَلُّونَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَۃُ مَوعِدُھُم۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بڑی قوی جماعت ہے۔ سو کوئی دن آتا ہے کہ یہ گروہ شکست کھائیگا۔ اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیگا۔ بلکہ ایک وقت عظیم الشان آتا ہے جبکہ وہ ہلاک ہونگے۔ سورۃ القمر رکوع ۳۔ یہاں ساعت سے مراد جنگِ بدر ہے۔

ایسے ہی قرآن کے بہت سے مقامات پر ساعت سے مراد کوئی عظیم الشان واقعہ ہوتا ہے لہذا آیت وَاِنَّہٗ لَعِلمٌ لِّلسَّاعَۃِ سے یہ مراد ہے کہ قرآن کریم میں اُس ساعت کا علم ہے جو کسی قوم کے زوال اور تباہی اور دوسری قوم کے عروج اور ترقی کے لئے مفید ہے اب بنی اسرائیل کے گھرانے کا خاتمہ ہے۔ گویا ان پر اب قیامت آگئی ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام اُن کے قدیم نوشتوں کے مطابق خاتم خاندانِ بنی اسرائیل تھے اور اب بنی اسمٰعیل کے

گھرانے کے لیے نئی دنیا پیدا ہونے والی ہے۔ گویا اب حشر اجساد از سر نو ہونا ہے۔ اور اول الذکر خاندان یعنے بنی اسرائیل کے لیے مقولہ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ صادق آتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر موت کے بعد ایک زندگی بھی ملتی ہے۔ اِس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی ایک قیامت ہوں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں وہ قیامت

ہوں کہ میرے قدموں پر لوگ اُٹھائے جائینگے پس جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاندان	أَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِي ۔

بنی اسرائیل کے خاتمہ کی قیامت کا نشان تھے ایسا ہی فخر بنی آدم حضرت محمد رسول اللہ ایک نئی اور جدید حیات دلانے والی قیامت کے نشان تھے۔ اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ جو فی الحقیقت واقعہ بھی ہو چکی۔ پس کوئی اور معنے لینا سراسر غلطی ہے ۔

اور اگر بفرض محال اس آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کے یوں معنے کریں جیسے عوام علماء کا عقیدہ ہے کہ وہ یعنے عیسیٰ علیہ السلام علم ساعت ہیں تو اس سورۃ میں تھوڑا آگے چل کر لکھا ہے کہ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنے علم ساعت خدا تعالیٰ کے پاس ہے تو گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بزعم علماء خدا تعالیٰ کے پاس ہوئے۔ اب دیکھنا یہ باقی رہا کہ وہ واپس بھی آئیگا کہ نہیں سو تمام قرآن کریم کو کھولو اور ورق اُلٹا ڈالو تمہیں کہیں بھی ثابت نہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پاس سے واپس آ جائینگے بلکہ اگر ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ سب مومن نیکوکار خدا کے حضور میں جائینگے کیا تم نہیں پڑھتے اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اے نفس اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ کر آ جا لیکن یہاں تو خدا تعالیٰ نے فیصلہ ہی کر دیا ہے اور فیصلہ بھی غضب کا فیصلہ ہے۔ اس آیت کے ساتھ ہی فرما دیا وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ مسیح علیہ السلام تو تمہارے پاس نہیں آنے لگا خواہ تم ساری عمر ناک رگڑتے مر جاؤ۔ بلکہ تم ہی کو اُس کے پاس جانا ہے۔ اس سے بھی صاف فیصلہ ہو گیا کہ خدا کے پاس جو جاتا ہے وہ مر کر جاتا ہے زندہ کوئی نہیں جاتا ورنہ جب تم سب کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ تم ہی لوٹ کر اُس کے حضور جاؤ گے تو ذرہ کوئی زندہ جا کر دکھا تو دے ہرگز کوئی دکھا نہیں سکتا کیونکہ خدا کے پاس بجز شربت موت چکھنے کے کوئی نہیں جا سکتا۔ پس اگر مان بھی لیا جائے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے پاس ہیں تو یقیناً یہ بھی مان لو کہ وہ مر گئے ہیں۔ زندہ

نہیں گئے۔ اور معراج کی حدیث اس کی تصدیق بھی کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیگر تمام انبیا کے ساتھ دیکھا جو سب مر چکے ہیں +

پندرھویں فصل

اِس بارہ میں کہ مسیح کا آسمان پر جانا ناممکن ہی

جہاں تک اِس مسئلہ میں ہم غور اور فکر کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ علما کا یہ خیال کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ چلے گئے۔ سراسر دور از قیاس ہی۔ اور یہی سمجھا جاتا ہی۔ کہ ان لوگوں نے محض اپنی سادگی اور قلتِ تدبر کی وجہ سے ایسا مان لیا ہے۔ ورنہ اگر وہ معمولی عقل سے بھی کام لیتے۔ تو کبھی ان کو اس قدر دقت نہ اُٹھانی پڑتی۔ اور نہ خلافِ عقل اور خلافِ فطرتُ اللہ بات کو اپنے دل میں جگہ دیتے۔ ہم نے کتبِ سابقہ یعنے توریت اور اناجیل کو بھی نظرِ تدبر سے پڑھا۔ اور قرآن شریف کو بھی نہایت غور سے دیکھا۔ اور احادیث رسول اللہ کا بھی بکثرت مطالعہ کیا۔ مگر ہمیں کہیں بھی پتہ نہ چلا کہ کوئی بشر زندہ بجسم عنصری آسمان پر چلا گیا ہو۔ اور ہم بوجوہات ذیل آسمان پر جانا غلط بلکہ ناممکن سمجھتے ہیں +

(۱) قرآن شریف سے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عادت میں یہ بات داخل ہو کہ وہ کسی آدمی کو آسمان پر اس جسم عنصری کے ساتھ لیجاتا ہو +

(۲) خود مسیح کی نسبت کوئی آیت قرآن شریف میں صراحتاً یا کنایتاً ایسی نہیں ملتی جس سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا بجسدالعنصری جانا ثابت ہوتا ہے +

(۳) کھلی کھلی آیات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور انبیا کی طرح اپنا زمانہ نبوت پورا کر کے دارفانی کو الوداع کہہ گئے +

(۴) خود قرآن شریف سے آسمان پر جانا انسان کے لئے ناممکن قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت ذیل اس کی شاہدِ ناطق ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین و فخر المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ

(۱) اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ | جیسے نبی آسمان پر جانے سے یہ اقرار کریں

حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا پارہ ۱۵ ع ۱۰	کہ میں تو ایک بشر ہوں یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات خاص سے ہے۔ میں تو آسمان پر

نہیں جا سکتا۔ حالانکہ ایک عظیم الشان گروہ صرف اسی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھا کہ ہمارے سامنے آپ آسمان پر تشریف لیجائیں۔ اور وہاں سے ایک کتاب لیکر آجائیں تو ہم سب کے سب مسلمان ہو جائینگے۔ اور یہ بات کس سے پوشیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم اور دیگر اقوام کے مسلمان کرنے کے لئے کیسے حریص تھے۔ بلکہ وہ اس فکر میں شب و روز گھلتے جاتے تھے کہ کہیں یہ لوگ حق پر آجائیں۔ چنانچہ اُن کے اس غم و حزن کی شہادت خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے + دیکھو آیت لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ پارہ ۱۹ سورۃ الشعرا۔ رکوع اوّل۔ جب افضل الرسل آسمان پر جانے سے اپنی عاجزی اور ناتوانی کا اقرار کرتے ہیں تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام بمقابلہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا حقیقت رکھتے ہیں جب معجزہ طلب کرنے پر حضرت فخر المرسلین آسمان پر جانے سے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ کہیں۔ تو بلا کسی معجزہ طلب کرنے کے مسیح کیونکر آسمان پر جا سکتے ہیں +

اگر کوئی یہ کہے کہ آیت وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار نے آسمان پر جانے کو ممکن الوقوع مانا ہے اس لئے لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ کی شرط لگا دی ہے۔ لیکن ایسا اعتراض کرنا معترض کا لغو ہو جاتا ہے جبکہ اُن کے دوسرے مطالبات جو اس مطالبہ کے ساتھ ہیں وہ سب کے سب ممکن الوقوع ہیں۔ چنانچہ اُن کے مطالبات حسب ذیل ہیں +

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا ۝ اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا ۝ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی	اور اُن کفار نے کہا کہ ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائینگے جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین میں سے چشمہ بہا نہ نکالے۔ یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا نہ ہو جائے اور اُس کے بیچوں بیچ نہریں جاری نہ ہو جائیں یا جیسا تیرا گمان ہے آسمان کا ٹکڑا ہی ہمارے

فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ٭	پر نہ گرائے یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لائے یا تیرا گھر ہی سونے کا نہ ہو جائے۔ یا

آسمان پر چلا نہ جائے اور تیرے آسمان پر چلے جانے کو نہیں مانینگے جب تک کہ آسمان پر سے ایک کتاب نہ لائے جسکو ہم پڑھیں ٭

اب ظاہر ہے کہ باقی جس قدر مطالبات ہیں وہ سب ممکن الوقوع ہیں مثلاً چشمہ کا ہونا کیا چاہ زمزم اسی میں بطور چشمہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ یا باغ کھجور و انگور کا ہونا کیا ناممکن تھا۔ کیا نہر کا ناممکن تھا۔ کیا نہر زبیدہ جاری نہیں ہوئی ہے یا آسمان کا ٹکڑا گرنا کچھ ناممکن تھا۔ ہزار ہا پتھر بڑے بڑے آسمان سے گرتے ہیں۔ یا خدا کا آنا یا فرشتوں کا آنا ناممکن تھا۔ جبکہ جبرائیل وحیہ کلبی کی صورت میں بہت سے صحابہ کو بھی دکھلائی دیتا تھا اور کئی ایک غزوات میں فرشتوں کا لشکر دیکھا گیا اور کیا سونے کا گھر بنانا مشکل تھا۔ کیا سنہری مسجدیں دنیا میں موجود نہیں۔ پھر کس طرح معترض کہہ سکتا ہے کہ آسمان پر جانا تو کفار ممکن الوقوع مانتے تھے۔ تو کیا کتاب کا لانا ناممکن تھا۔ ہرگز نہیں

(دوم) یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٭	آسمان سے زمین تک کل باتوں کا انتظام اللہ ہی کرتا ہے پھر اتنے وقت میں اُسکی طرف عروج کرتا ہے جتنا کہ تم اپنی گنتی کے

مطابق ایک ہزار سال گنتے ہو۔ دیکھو سورۂ سجدہ رکوع اوّل ٭

اس آیت سے ثابت ہے کہ آسمان تک جانے میں ایک ہزار سال صرف ہوتا ہے تو کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسے علیہ السلام اتنی دور کی مسافت میں جا سکتے ہیں۔ اور یہ تو ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح قریباً ۶۰۰ برس قبل ہوئے ہیں۔ اس حساب سے بھی مسیح نے بزمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی نصف سفر کے قریب طے کیا ہوگا اور ابھی رستہ میں ہونگے مگر معراج کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آسمان پر معہ یحییٰ علیہ السلام کے دیکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مر گئے ورنہ اس جسم کے ساتھ جانا بجز ہزار سال کا سفر پورا کرنے کے آسمان پر پہنچنا ناممکن ہے ٭

دوم۔احادیث سے ثبوت کہ مسیح آسمان پر نہیں جاسکتے تھے

احادیث سے بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسٰے تو ہوا پر نہیں جاسکتے تھے۔چہ جائیکہ وہ آسمان پر چلیں جائیں۔وہ احادیث حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اِنَّ عِیْسٰے ابْنَ مَرْیَمَ کَانَ یَمْشِیْ عَلَی الْمَاءِ وَلَوْ زَادَ یَقِیْنًا یَمْشِیْ فِی الْھَوَاءِ رَوَاہُ الْحَکِیْمُ عَنْ زَافِرِ ابْنِ سُلَیْمٍ ٭

امام حکیم زافر ابن سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عیسٰی مریم کا بیٹا پانی پر چل سکتا تھا۔اور اگر وہ یقین میں زیادہ ترقی کرتا تو ہوا میں بھی چل سکتا۔دیکھو کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۹۰ دوسری حدیث

(۲) لَوْ اَنَّ اَخِیْ عِیْسٰے کَانَ اَحْسَنُ یَقِیْنًا مِمَّا کَانَ یَمْشِیْ فِی الْھَوَاءِ وَصَلّٰی عَلَی الْمَاءِ رَوَاہُ الدَّیْلَمِیُّ عَنْ مَعَاذٍ ٭

یعنے دیلمی اپنی کتاب میں بروایت معاذ بن جبل یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بھائی عیسٰے کو اس سے زیادہ یقین ہوتا جس قدر اُن کو حاصل تھا تو ہوا پر چلتے۔اور پانی پر نماز پڑھتے دیکھو کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۹۰ ٭

ان ہر دو حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں ہوا پر اُڑنے کی طاقت نہیں تھی۔اور جب ہوا پر نہیں جاسکتے تھے تو پھر آسمان پر کیونکر جاسکتے تھے۔کیونکہ زمین سے آسمان تک تمام ہوا ہی ہوا ہے۔اور کچھ نہیں ہوا کے اوپر ایک طبقہ ایسا ہے جہاں پر ایتھر ہے جو ایک نہایت رقیق سیالی مادہ ہوتا ہے۔اور وہ بھی ایک قسم کی ہوا کے مشابہ ہے۔جب ہوا پر اُڑنا ثابت نہیں تو آسمان پر جانا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے

سوم۔بزرگانِ دین سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان آسمان پر نہیں جاسکتا

بزرگان دین کی کلام سے بھی ظاہر ہے۔کہ وہ بھی بلاموت آسمان پر جانا تسلیم نہیں کرتے۔چنانچہ امام الحافظ ابن قیم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۳۰۱ و ۳۰۲ میں لکھتے ہیں کہ کوئی انسان خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو جسم کثیف و خاکی کے ساتھ بجز مرگ آسمان پر نہیں جاسکتا دیکھو کتاب مذکور ٭

کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے بالکل بے بنیاد بات ہے اسکا کوئی ثبوت نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں +

وَاَمَّا مَا یُذْکَرُ عَنِ الْمَسِیْحِ اَنَّہٗ رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ وَلَہٗ ثَلَاثَۃٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَنَۃً فَھٰذَا لَا یُعْرَفُ لَہٗ اَثَرٌ مُّتَّصِلٌ یَجِبُ الْمَصِیْرُ اِلَیْہِ

اور یہ جو مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آسمان کی طرف رفع کئے گئے جبکہ وہ ۳۳ برس کی عمر کے تھے اسکا کوئی وجود کسی متصل حدیث میں نہیں ملتا جس سے آسمان کیطرف جانا تسلیم کیا جائے دیکھو زاد المعاد امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ +

چہارم - قانونِ قدرت بھی آسمان پر جانیکا قطعی مانع ہے

جب ہم قانون قدرت میں غور کرتے ہیں - تو بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ انسان ضعیف البنیان آسمان پر جا سکے - کیونکہ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک دو میل تک اوپر جانے سے دم گھٹنے لگتا ہے - جیسے کہ غبارہ بازوں کی شہادت سے ظاہر ہے - بلکہ جو لوگ کسی اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے ہیں - تو وہاں بھی انسان کا دم گھٹنے لگتا ہے - چہ جائیکہ کوئی آسمان پر جا سکتا ہو - کیونکہ زمین پر ہوا ثقیل ہے - اور جوں جوں اوپر جائیں ہوا ہلکی ہوتی جاتی ہے اور وہ انسانی مزاج کے ہرگز مناسب حال نہیں رہتی بلکہ انسان کی حالت ایک پھوکنی کیسی ہو جاتی ہے - اور اخیر کو اُس کے تمام احشا وغیرہ پھول کر پھٹنے لگتے ہیں - اور تین میل تک اوپر جانا انسان کے لئے بجز موت کچھ حاصل نہیں - اگر اس امر کو تسلیم بھی کرلیں کہ مسیح آسمان پر چلے گئے - تو بھی پھر ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے ہیں کیونکہ اُن کا جسم آسمانی آب و ہوا کے مناسب حال پیدا نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ آیت وَجَعَلْنَاھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ سے واضح ہے +

پنجم - خدا تعالیٰ کی شان پر حرف آتا ہے

اگر مسیح کو صرف یہودیوں کے خوف سے آسمان پر لیجانا تسلیم کرلیں - تو اس میں اللہ تعالیٰ کی شان پر حرف آتا ہے کہ کیا وہ بغیر آسمان پر لیجانے کے اُن کی جان کو نہیں بچا سکتا تھا - جبکہ تمام دیگر انبیا و اولیا و عباد اللہ کو سخت سے سخت مصیبت کیوقت بھی اسی زمین پر ہی بچاتا رہا ہے +

ششم آسمان پر جانا سنت اللہ کے خلاف ہے

آسمان پر جانا سنت اللہ کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے کہ

کبھی کسی کو اس جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر لے گیا ہو۔ اور اس بارہ میں گذشتہ فصل میں ہم بخوبی بیان کر چکے ہیں +

ہفتم۔ مسیح کا آسمان پر چلا جانا تسلیم کرنا اہانت رسول اللہ صلعم ہے

کیونکہ جب کفار نے ان کو قتل کرنا چاہا۔ تو ان کی خدا نے کوئی حمایت نہ کی۔ اور آسمان پر نہ اٹھا لیا بلکہ ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا اور وہ مارے مارے پہاڑوں کی غاروں میں چھپتے پھرے۔ حالانکہ وَارْفَعْنِیْ کی دعا بھی ہر نماز میں مانگتے رہے مگر خدا نے انکی ۲۳ سال کی مدت کی دعا جو ہر دن میں سینکڑوں دفعہ پڑھی جاتی تھی قبول نہ فرمائی اور حضرت مسیح نے تو ایک منٹ میں بھی آسمان پر جانے کی دعا نہیں مانگی اس کو بلا طلب بلا لیا اور جو ساری عمر خواہش کرتے رہے انکو ہرگز نہ اٹھایا یہ ذلت نہیں تو اور کیا ہے +

اے مسلمانوں افضل الرسل فخر بنی آدم کی ایسی ذلت گوارا کرنا اور مسیح کو وہ عزت دینا کہ قریب قریب خدا بنا دینا۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ +

سولھویں فصل

مسیح کی وفات پر دیگر اشخاص کی شہادت

ہم گذشتہ فصلوں میں بوضاحت بیان کر چکے ہیں۔ کہ نقل و عقل سے بخوبی ثابت ہو کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اب ہم یکجائی طور سے دیگر اشخاص کی شہادتیں پیش کرتے ہیں جنہوں نے مسیح علیہ السلام کی وفات کی نسبت اپنی آرائے یا اقوال ظاہر کئے۔ یا بیقین ظاہر کیا ہے +

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بوجوہات ذیل:۔

(الف) انہوں نے صحیح بخاری میں مُتَوَفِّيكَ کے معنے مُمِيتُكَ لکھے ہیں۔ جیسے ہم فصل سوم میں بیان کر چکے ہیں اور اسکے خلاف کچھ نہیں کہا +

(ب) فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے وہی معنے ظاہر کئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی ذات پر لگائے ہیں اور اُسکے خلاف اور کچھ بیان نہیں کیا +

(ج) حلیے الگ الگ بیان کئے ہیں۔ یعنے حضرت مسیح ناصری کا حلیہ الگ اور حضرت مسیح موعود کا حلیہ الگ۔ جیسے کہ ذیل کی احادیث سے ظاہر ہے +

(اول) وہ حدیث جو انبیا کے ذیل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حلیہ کے متعلق ہے۔ یعنے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ ثَنَا إِسْرَائِيلُ أَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ عِيسَى وَمُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ فَأَمَّا عِيسَى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ وَأَمَّا مُوسَى فَآدَمُ جَسِيمٌ سَبْطٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ

محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی۔ اُس نے اسرائیل سے اُس نے عثمان بن مغیرہ سے اُس نے مجاہد سے۔ اُس نے ابن عمر کو کہتے ہوئے سُنا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے عیسٰی اور موسٰی اور ابراہیم کو دیکھا عیسٰی تو سرخ رنگ گھونگر والے بال اور فراخ چھاتی لئے ہوئے تھا اور موسٰی گندمی رنگ بھاری جسم والا۔ گویا کہ زط کے قبیلے میں سے ہے۔ دیکھو بخاری جلد ۱ مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۴۸۱ +

(دوم) وہ حدیث جو مسیح الدجال کے ساتھ بیان کی ہے۔ یعنے امام بخاری نے روایت

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ بْنَ سَعْدٍ ثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعِيسَى أَحْمَرُ وَلٰكِنْ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ عَيْنِهِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوا هٰذَا الدَّجَّالُ وَأَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ قَالَ

بیان کی ہے کہ سالم نے اپنے باپ سے سُنا ہے کہ اللہ کی قسم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں کہا کہ عیسٰے سرخ رنگ ہے۔ لیکن فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا۔ اور میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں اُس وقت ایک گندم گون آدمی پر نظر پڑی جس کے بال کندھوں تک لٹکے ہوئے تھے اور دو آدمیوں کے درمیان چلتا تھا۔ اُس کے سر سے پانی ٹپکتا تھا۔ یا اُس کے سر سے پانی کے قطرات گرتے تھے۔ یعنے پوچھا یہ کون ہے تو جواب ملا کہ ابن مریم ہے۔ پھر میں آگے چلا

الزُّهْرِيُّ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ هَلَكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

گیا۔ تو پھر میری نظر ایک سرخ رنگ بھاری جسم والے پر پڑی۔ جس کے بال گھونگروالے ہیں۔ اس کی دائیں آنکھ کانی ہے۔ گویا انگور کا دانہ نکلا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون ہے تو جواب ملا کہ یہ دجال ہے اور اس کی شکل ابن قطن سے بہت ملتی جلتی تھی الیٰ آخرہ۔ دیکھو بخاری جلد ا صفحہ ۴۸۹

علاوہ ان کے اور بھی حدیثیں مختلف طرق سے بخاری میں آئی ہیں۔ لیکن ہم نے بوجہ خوف طوالت دو ہی پر اکتفا کیا ہے۔ اور ان سب احادیث سے ظاہر ہے کہ جب انبیاء سابقین کی ذیل میں مسیح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو اُن کا حلیہ یوں ذکر کیا ہے۔ کہ وہ سرخ رنگ گھونگروالے بال اور فراخ صدر ہیں۔ اور جب کبھی مسیح کو دجال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تو اُس کا حلیہ الگ ظاہر کیا ہے۔ یعنے وہ گندم گون ہے۔ بال سیدھے لٹکے ہوئے اور میانہ قد ہیں جس سے صاف عیاں ہے کہ بخاری کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں دو الگ شخصوں سے مراد ہے۔ جو ایک ہی نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔ اور ایک نام کا آنا کوئی مستبعد امر بھی نہیں۔ ہزار ہا نام ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ تو جب دو عظیم الشان آدمیوں کے نام باہم مل جائیں تو کونسی آفت آجاتی ہے۔

(د) نزول کے متعلق صرف وہ حدیث لکھی ہے جس سے مسیح موعود کا اسی امت میں سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جس قدر رطب و یابس احادیث دیگر کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی امام بخاری نے اپنی صحیح میں درج نہیں کی۔ جس سے اُن کی توجہ کا رجحان اسی طرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسیح نبی ناصری کی وفات پر پختہ اعتقاد رکھتے تھے چنانچہ وہ حدیث یہ ہے۔ یعنے ابن بکیر نے لیث سے اُس نے یونس سے اُس نے ابن

حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ ثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔

شہاب سے اُس نے نافع ابو قتادہ انصاری کے غلام سے سنا کہ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہونگے۔ تو تمہارا کیا ہی حال ہوگا۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ کون ہے سنو کہ وہ تم ہی میں سے ایک امام ہے دیکھو بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۰ مطبوعہ

(۲) شہادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کَمَا جَاءَ فِی الْاَحَادِیْثِ۔ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اَبُوْبَکْرٍ فِیْ نَاحِیَۃِ الْمَدِیْنَۃِ فَجَاءَ فَلَمَّا خَرَجَ مَرَّ بِعُمَرَ وَھُوَ یَقُوْلُ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یَمُوْتُ حَتّٰی یَقْتُلَ اللّٰہُ الْمُنَافِقِیْنَ فَقَالَ اَیُّھَا الرَّجُلُ اِرْبَعْ عَلٰی نَفْسِکَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ اَلَمْ تَسْمَعْ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ ۝ وَقَالَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ ۝ ثُمَّ تَلَاءَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کی نواح میں کہیں گئے ہوئے تھے جب وہ آئے تو حال سے واقف ہوئے۔ پھر جب وہ باہر نکلے تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے جو کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور جب تک منافقوں کو اللہ تعالیٰ قتل نہیں کریگا تب تک وہ فوت نہیں ہونگے یہ سُنکر ابوبکر صدیق نے فرمایا اے فلانے خاموش ہوکر سنو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو ضرور فوت ہوگئے ہیں کیا تم نے نہیں سُنا کہ اللہ نے فرمایا ہے تو بھی مرنے والا ہے اور یہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ اور کیا اللہ نے نہیں فرمایا ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ نہیں رکھا اور اگر تو مر گیا تو کیا یہ لوگ زندہ رہجا ئینگے۔ بعد ازاں ابوبکر صدیق نے یہ آیت پڑھی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہیں ہے مگر ایک رسول۔ اُس سے پہلے جتنے رسول تھے سب مر گئے۔ کیا یہ نبی بھی اگر مر جائے یا قتل کیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر واپس ہو جاؤ گے اور دین کو چھوڑ دوگے۔ دیکھو تفسیر درالمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ و ۱۱۹ +

(۳) کسی صحابی کا حضرت ابوبکر کی مخالفت نہ کرنا اور سب کا اُن کے ساتھ اتفاق ہو جانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مذہب ہے کہ سب انبیاء جس میں مسیح بھی شامل ہیں فوت ہو چکے ہیں۔ ورنہ حضرت عمر جیسے غیور اور غلیظ القلب کیونکر خاموش رہ سکتے تھے اگر مسیح علیہ السلام اُن کے نزدیک زندہ ہوتا اور اگر وہ زندہ مانتے تھے تو پھر اُس وقت اُنہوں نے کیوں نہ کہا۔ کہ جب مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر ہیں تو ہمارا رسول کیوں زندہ نہیں۔ لیکن اُنہوں نے حضرت ابوبکر کے استدلال کو تسلیم کرلیا اور گردن

جھکادی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ کل صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسیح مرچکا ہے۔ اور آجتک کہیں بھی ثابت نہیں کہ کسی صحابی نے اُس وفت یا بعد میں اسکو جھٹلایا ہو اور یہ کہا ہو۔ کہ حضرت ابوبکر کا یہ استدلال غلط تھا کیونکہ ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مسیح کا زندہ بجسم العنصری آسمان پر جانا سُنا ہے +

(۴) (الف) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کہ وہ کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مجمع البحار جلد ا صفحہ ۲۸۶ میں امام محمد طاہر گجراتی لکھتے ہیں۔ یعنے اکثر کا خیال ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ لیکن مالک کہتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے ہیں

وَالْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ	دیکھو مجمع البحار جلد اول مطبوعہ مطبع نولکشور

(ب) اور جواہر الحسان فی تفسیر القرآن لشیخ عبدالرحمٰن ثعالبی مطبوعہ مطبع الجزائر کے جلد اوّل صفحہ ۲۰۷ میں حضرت امام مالک کے قول کی نسبت زیر آیہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ لکھا ہے +

وَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ ھِیَ وَفَاۃُ مَوْتٍ وَنَحْوُہٗ لِمَالِکٍ فِی الْعُتْبِیَّۃِ	اور ابن عباس نے کہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام حقیقی موت سے وفات پا گئے ہیں اور ایسا ہی

امام مالک رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب عتبیہ نام میں فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں

(ج) اور اکمال اکمال المعلم میں جو شرح مسلم ابی عبداللہ محمد بن خلفۃ الوشتانی المالکی کی ہے اور مطبوعہ مطبع السعادہ مصر ہے اور جسکو سلطان عبدالحفیظ سلطان مغرب نے اپنے مصارفِ خاص سے طبع کرایا ہے۔ امام مالک علیہ الرحمۃ کے قول کی یوں تصدیق کی ہے۔ دیکھو شرح مذکور صفحہ ۲۶۵

وَفِی الْعُتْبِیَّۃِ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ +	عتبیہ نام کتاب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں

(د) اور مکمل اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں امام ابی عبداللہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی نے امام مالک کے قول کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۶۵ بر حاشیہ کتاب مذکورۃ الصدر

وَفِی الْعُتْبِیَّۃِ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ +	اور عتبیہ میں امام مالک نے لکھا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں +

ان حوالہ جات سے جو مالکی مذہب کے آئمہ کی مشہور و مستند کتب میں سے ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام مالک نے اپنی کتاب عتبیہ میں شائع کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ناصری وفات پاچکے

ہیں اور کسی آئمہ مجتہدین نے امام مالک کے قول کی تردید نہیں کی +

(۵) امام ابوحنیفہ کی شہادت کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اس کا ثبوت یوں ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہمعصر ہیں۔ صرف دس برس عمر میں فرق ہے۔ حضرت امام اعظم ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت امام مالک ۹۰ھ ہجری میں اور جہاں تک دیکھا جاتا ہے۔ اکثر مسائل میں ان ہر دو بزرگان کا بڑا اختلاف ہے حتٰی کہ حرام و حلال تک نوبت پہنچی ہوئی ہے۔ مگر اس مسئلہ میں امام مالک برملا مسیح کی موت کے قائل ہیں۔ اور حضرت ابوحنیفہ وغیرہ خاموش ہیں۔ اور یہ بات تمام اہل اسلام میں مسلم ہے۔ کہ جس امر پر کوئی پیشوا مجتہد سکوت اختیار کرے تو اُسکے نزدیک وہ امر مسلم ہوتا ہے۔ ورنہ مہمات دین میں سکوت کرنا معصیت میں داخل ہے پس ظاہر ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو تقویٰ میں سب سے بڑھے ہوئے تھے سکوت کرنا اس بات پر مہر لگاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف امام مالک کے قول وفاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اکتفا کر کے خاموش نہیں ہوئے بلکہ وہ اُس خطبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یقیناً وفات حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے قائل تھے جو اُنہوں نے بروز وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں برخلاف جوش حضرت عمر و دیگر صحابہ پڑھا تھا اور جس خطبہ کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مسند امام اعظم میں درج فرمایا ہے۔ چنانچہ مسند مذکور میں خطبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حسب ذیل ہے۔ دیکھو مسند امام اعظم صفحہ ۸۸ +

رَوَی اَبُوحَنِیْفَۃَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ رَاٰی مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِفَّۃً فَاسْتَاْذَنَہٗ اِلٰی اِمْرَاَتِہٖ اِبْنَۃِ خَارِجَۃَ وَکَانَتْ فِیْ عَوَالِیْ الْاَنْصَارِ وَکَانَ ذٰلِكَ رَاحَۃُ الْمَوْتِ وَھُوَ لَا یَشْعُرُ فَاَذِنَ لَہٗ ثُمَّ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْکَ

امام ابوحنیفہ نے یزید بن عبد الرحمٰن سے روایت کی اُنہوں نے انس بن مالک سے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے کچھ افاقہ کی صورت ظاہر ہوئی تو آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اپنی زوجہ کی طرف جو خارجہ کی بیٹی ہے جانا چاہتا ہوں اور وہ انصار کے محلوں میں رہتی تھی۔ مگر وہ آرام بیماری سے آرام نہیں تھا بلکہ وہ

اللیلۃ فاصبح فجعل یری الناس بیتۃ ا
مسون فامر ابوبکر غلاما ما یستمع
ثم یخبرہ فقال اسمعھم یقولون مات
محمد صلعم فیشتد ابوبکر وھو یقول
واقطع ظھراہ فما بلغ ابوبکر المسجد
حتی ظنوا انہ لا یبلغ وارجف المنافقون
فقالوا لو کان محمد نبیا لم یمت فقال عمر
لا اسمع رجلا یقول مات محمد الا
ضربتہ بالسیف فکفوا لذلک فلما جاء
ابوبکر والنبی صلی اللہ علیہ وسلم
مسجی کشف الثوب ثم جعل یلثمہ ویقول
ما کان اللہ لیذیقک الموت مرتین انک
اکرم علی اللہ من ذلک ثم خرج ابوبکر
فقال من کان یعبد محمدا فان محمدا
قد مات ومن کان یعبد رب محمد
فان رب محمد لا یموت وما محمد الا
رسول قد خلت من قبلہ الرسل
افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم
ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ
شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین ۰ قال عمر
واللہ کانہ لم نقرا قبلہا قط فقال
الناس مثل مقالۃ ابی بکر من کلامہ وقرأتہ
قال ومات لیلۃ الاثنین ومکث
لیلۃ ویومئذ ولیلۃ الثلثاء ودفن

موت کا آرام تھا اور ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو
اس کی پہچان نہ تھی۔ حضرت ابوبکر کو اجازت
دی گئی۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی
شب کو وفات پا گئے۔ جب صبح ہوئی تو لوگوں
کو کچھ متوحش خبریں اڑاتے سنا۔ اس پر ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ جا کر خبر لا
کہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے
سنا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں
اس بات کے سننے سے ابوبکر دوڑ کر چلنے لگے اور
زبان مبارک سے فرماتے تھے ہائے افسوس
میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور اسی شدت غم میں ابوبکر
رضی اللہ تعالی عنہ مسجد تک نہ پہنچے کہ لوگوں نے
گمان کیا کہ وہ نہیں پہنچ سکیں گے۔ اور منافق
بد خبریں اڑاتے اور یہ بکواس کرنے لگ گئے تھے کہ
اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہوتا تو نہ مرتا۔ اس وقت
عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے جس شخص کو میں کہتے سنونگا
کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو میں تلوار سے
اس کی گردن اڑا دونگا تو لوگ اس کے اظہار سے
رک گئے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو کیا دیکھا
کہ وہ کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں۔ کپڑے کو اٹھایا
اور پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے تھے
اور فرماتے تھے کہ اللہ تجھے دو دفعہ موت کا ذائقہ
نہیں چکھائیگا کیونکہ اللہ کے نزدیک تیرا شان اس
سے بالاتر ہے۔ پھر ابوبکر وہاں سے باہر تشریف لائے

يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَكَانَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَاَوْسُ بْنُ خَوْلِيٍّ يَصُبَّانِ الْمَاءَ وَعَلِيٌّ وَالْفَضْلُ يَغْسِلَانِهٖ ۔	اور فرمایا کہ جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا اُس کو معلوم رہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے اور جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم

کے رب کی عبادت کرتا تھا سو اُس کا رب نہیں مریگا یعنے وہ زندہ ہے اور زندہ رہیگا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ نہیں ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم مگر ایک رسول اور اُس سے پہلے تمام رسول مر چکے اگر یہ رسول بھی اپنی موت سے مرجائے یا کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو کیا تم اپنے آبائی مذہب پر عود کر جاؤ گے اور جو مرتد ہو جاویگا تو اُس سے اللہ کے دین کو کوئی ضرر نہیں اور قدر دانوں کو اللہ جزائے خیر دیگا۔ یہ سنکر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم بخدا ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے کبھی پڑھی نہیں گئی اور اور لوگوں نے بھی حضرت ابوبکر کی تقریر کی تائید کر کے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ انس بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیر کے روز فوت ہوئے اور ایک

(۶) امام محمدؒ کی شہادت مسیح کی وفات پر۔ جس کا ذکر یوں ہے۔ کہ یہ بزرگ امام حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ ان کے مجتہدات سے ظاہر ہے۔ کہ بعض مسائل میں اُنھوں نے اپنے ہر دو استادوں سے اختلاف کیا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں وہ بھی سکوت کرتے ہیں۔ لہذا یہ مسئلہ بھی اُنکے نزدیک مسلم ہے۔ جب وہ دونوں وفات کے قائل ہیں تو ان کا ثبوت کافی ثبوت ہے کہ یہ بھی وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں ورنہ ضرور مخالفت کرتے ۔

(۷) امام ابو یوسف کا بھی حسب بیان بالا امام محمد کی طرح سکوت ہے۔ یہ دونوں شاگرد صاحبین کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کا فتوی بعض مسائل میں برخلاف حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے لیکن اس مسئلہ میں وہ بھی ساکت ہیں ۔

(۸) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی مثل امام مالک ابو حنیفہ وغیرہ آئمہ کے قائل وفات ہیں کیونکہ یہ امام محمدؒ و امام مالک کے شاگرد ہیں۔ اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ۔ امام محمدؒ۔ امام ابو یوسف کے مجتہدات کے برخلاف بہت سے مسائل لکھے ہیں۔ اور بڑا ہی اختلاف کیا ہے لیکن اس مسئلہ میں انھوں نے امام مالکؒ و امام ابو حنیفہ کی مخالفت نہیں کی جس سے انکا اتفاق ثابت ہوتا ہے۔

(۹) امام احمد بن حنبل جو ان سب کے بعد ہوئے ہیں۔ اور جو امام شافعی کے شاگرد بھی ہیں۔

روز ان اور دو رات بلا دفن رکھے گئے اور منگل کے روز دفن ہوئے اور اُسامہ بن زید اور اوس بن خولی پانی ڈالتے تھے اور علی اور فضل آنحضرت کو غسل دیتے تھے۔ جیسا کہ حسب روایت حدیث مشہور ہے۔

اُنہوں نے سب متذکرہ بالا اماموں کے اجتہادات میں بڑا ہی اختلاف کیا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں وہ بھی سکوت کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی اس مسئلہ میں امام مالک سے متفق ہیں بلکہ یہ امام ضرور وفات کے قائل ہیں کیونکہ اُنہوں نے بھی وہ خطبہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روز مسجد نبوی میں پڑھا تھا حضرت ابوحنیفہ کی طرح اپنی کتاب میں درج کیا ہے نہ صرف ایک بار بلکہ کئی بار مختلف طرق سے درج کیا ہے اور کوئی اعتراض نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یقیناً وفاتِ مسیح علیہ السلام کے قائل تھے اور ظاہر ہے کہ ایک محدث مجتہد کبھی خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ حدیث حسب ذیل ہے جس میں تمام انبیاء کی وفات کا ذکر ہے ؀

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ حَدَّثَنَا بَهْزٌ قَالَ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ عِمْرَانَ الْجَوْنِیْ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ بَابَنُوْسَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَصَاحِبٌ لِیْ اِلٰی عَائِشَةَ فَاسْتَاْذَنَّا عَلَیْهَا فَاَلْقَتْ لَنَا وِسَادَةً وَجَذَبَتْ اِلَیْهَا الْحِجَابَ فَقَالَ صَاحِبِیْ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا تَقُوْلِیْنَ فِی الْعِرَاكِ قَالَتْ اَمَّا الْعِرَاكُ وَضَرَبَتْ مَنْكِبَ صَاحِبِیْ فَقَالَتْ لِمَ اٰذَیْتَ اَخَاكَ ثُمَّ قَالَتْ مَا الْعِرَاكُ اَلْمَحِیْضُ قُوْلُوْا مَا قَالَ اللّٰهُ الْمَحِیْضُ ثُمَّ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَوَشَّحُنِیْ وَیَنَالُ مِنْ رَاْسِیْ وَبَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ ثَوْبٌ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ بِبَابِیْ مِمَّا یُلْقِی الْكَلِمَةَ یَنْفَعُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا فَمَرَّ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمْ یَقُلْ شَیْئًا ثُمَّ مَرَّ اَیْضًا فَلَمْ یَقُلْ شَیْئًا مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس عبداللہ نے اُس کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس بہز نے اُن کے پاس حماد بن سلمہ نے اُن کے پاس ابوعمران الجونی نے اُن کے پاس یزید بن بابنوس نے بیان کیا کہ میں اور ایک میرا صاحب حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی اُنہوں نے ہمارے لئے ایک تکیہ بچھایا اور اپنے لئے پردہ کر لیا پھر میرے ساتھی نے کہا اے ام المومنین آپ عراک کے بارہ میں کیا فرماتی ہیں تو فرمایا عراک اور ایک ہاتھ میرے ساتھی کے کندھے پر مارا اور کہا کہ تم نے اپنے بھائی کو کیوں دُکھ دیا پھر فرمایا کہ عراک محیض ہے وہی کہو جو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے یعنے المحیض پھر بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ لیٹ رہتے تھے اور میرے سر کے ساتھ لگا سر لگتا تھا اور میرے اور اُن کے درمیان کپڑا ہوتا

قُلْتُ يَا جَارِيَةُ ضَعِي لِي وِسَادَةً عَلَى الْبَابِ
أَعْصِبُ رَأْسِي فَمَرَّ بِي فَقَالَ يَا عَائِشَةُ
مَا شَأْنُكِ اشْتَكَى رَأْسِي أَنَا وَارَأْسَاهُ فَذَهَبَ
فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى جِيءَ بِهِ مَحْمُولًا
فِي كِسَاءٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَبَعَثَ إِلَى النِّسَاءِ فَقَالَ
إِنِّي قَدِ اشْتَكَيْتُ وَإِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ
أَدُورَ بَيْنَكُنَّ فَأْذَنَّ لِي فَلْأَكُنْ عِنْدَ عَائِشَةَ
أَوْ صَفِيَّةَ وَلَمْ أُمَرِّضْ أَحَدًا قَبْلَهُ فَبَيْنَمَا
رَأْسُهُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى مَنْكِبِي أَوْ قَالَ رَأْسُهُ
نَحْوَ رَأْسِي فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُرِيدُ مِنْ رَأْسِي
حَاجَةً فَخَرَجَتْ مِنْ فِيهِ نُطْفَةٌ بَارِدَةٌ
فَوَقَعَتْ عَلَى ثُغْرَةِ نَحْرِي فَاقْشَعَرَّ لَهَا
جِلْدِي فَظَنَنْتُ أَنَّهُ غُشِيَ عَلَيْهِ فَسَجَّيْتُهُ
ثَوْبًا فَجَاءَ عُمَرُ وَالْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَاسْتَأْذَنَا
فَأَذِنْتُ لَهُمَا وَجَذَبْتُ إِلَيَّ الْحِجَابَ فَنَظَرَ
عُمَرُ إِلَيْهِ فَقَالَ وَاغَشْيَاهْ مَا أَشَدَّ غَشْيَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَا
فَلَمَّا دَنَوَا مِنَ الْبَابِ قَالَ الْمُغِيرَةُ يَا عُمَرُ
مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ كَذَبْتَ بَلْ أَنْتَ رَجُلٌ تَحُوسُكَ فِتْنَةٌ
إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُوتُ
حَتَّى يُفْنِيَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُنَافِقِينَ ثُمَّ جَاءَ
أَبُو بَكْرٍ فَرَفَعْتُ الْحِجَابَ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ
إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ

تھا اور میں حائضہ ہوتی پھر فرمایا کہ جب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم میرے دروازہ پر گذر فرماتے
تو کوئی ایسی بات کہتے جس سے اللہ تعالیٰ نفع
دیتا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ دروازہ پر
سے گذرے اور زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہ
فرمایا پھر گذرے اور کچھ نہ فرمایا غرض دو دفعہ یا تین
دفعہ ایسا ہوا میں نے لونڈی کو کہا کہ تم تکیہ میرے
لئے دروازہ پر رکھو اور میں نے سر جھکایا۔ تو آپ
تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ تمہارا کیا حال
ہے میرے سر میں شکایت ہے ہیں گھر بھول گیا
ہوں پھر تشریف لے گئے اور بہت دیر نہ گذری
کہ ان کو کپڑے میں اٹھا کر لائے اور میرے ہاں
فروکش ہوئے اور دوسری ازواج مطہرات کو کہلا بھیجا
اور فرمایا کہ آج مجھے شکایت ہے اور مجھ میں پھرنے
کی طاقت نہیں پس تم مجھے اجازت دو تاکہ میں عائشہ
کے پاس ٹھہروں یا صفیہ کے پاس۔ اور اس سے
پہلے کسی کے پاس جانے سے آپنے ناغہ نہیں کیا اور جب
ان کا سر مبارک اس روز میرے کندھے پر تھا یا یہ
کہا کہ ان کا سر ان کے سر کی طرف تھا میں نے خیال
کیا کہ آپ کو میرے سر سے کچھ حاجت ہے پھر آپ
کے منہ سے ٹھنڈا کھنگار نکلا وہ میرے سینہ پر گرا۔
پھر میں نے گمان کیا کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی ہے
میں نے ان پر کپڑا ڈال دیا پھر حضرت عمر اور مغیرہ
بن شعبہ آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَاهُ مِنْ قِبَلِ رَاسِهٖ فَحَدَرَ فَاهُ وَقَبَّلَ جَبْهَتَهٗ ثُمَّ قَالَ وَانَبِيَّاهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ حَدَرَ فَاهُ وَقَبَّلَ جَبْهَتَهٗ وَقَالَ وَاخَلِيْلَاهُ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ وَعُمَرُ يَخْطُبُ النَّاسَ وَيَتَكَلَّمُ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُوْتُ حَتّٰى يُفْنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُنَافِقِيْنَ فَتَكَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ حَتّٰى فَرَغَ مِنَ الْاٰيَةِ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ حَتّٰى فَرَغَ مِنَ الْاٰيَةِ فَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ۔ فَقَالَ عُمَرُ وَاِنَّهَا لَفِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا شَعَرْتُ اَنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ ثُمَّ قَالَ عُمَرُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا اَبُوْبَكْرٍ وَهُوَ ذُوْ شَيْبَةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَبَايِعُوْهُ فَبَايَعُوْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ +

اجازت دیدی اور میں نے پردہ لے لیا۔ عمر نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا ہائے افسوس غشی آگئی ہے۔ اور انہوں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غشی میں نہیں دیکھا تھا پھر وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور جب دروازہ کے قریب گئے تو مغیرہ نے کہا کہ اے عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے۔ حضرت عمر نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے بلکہ تو تو ایسا آدمی ہے جو فساد ڈالنا چاہتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب تک منافقوں کا استیصال اور بیخکنی نہ کر لینگے تب تک نہیں مرینگے۔ پھر حضرت ابوبکر تشریف لائے تو میں نے حجاب اٹھا دیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو گئے پھر سر کے سامنے سے آئے اور آپ کا منہہ اور ماتھے پر بوسہ دیا اور کہا آہ نبی پھر سر اٹھایا پھر منہہ اور پیشانی پر بوسہ دیا پھر بولے آہ اللہ کے برگزیدے پھر اپنا سر اٹھایا پھر منہہ اور پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا آہ خلیل۔ رسول اللہ تو فوت ہو گئے پھر نکل کر مسجد کو گئے اس وقت حضرت عمر لوگوں سے مخاطب تھا اور باتیں کرتا اور کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک منافقوں کا قلع قمع نہیں کر لینگے نہیں فوت ہونگے۔ پھر ابوبکر بولے اول اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی پھر کہا اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے تو بھی مرنے والا اور وہ بھی مرنے والے ہیں اس آیۃ سے فارغ ہونیکے بعد فرمایا نہیں ہے محمد مگر ایک رسول اس سے پہلے سب رسول مر چکے اگر یہ رسول بھی اپنی موت یا

بذریعہ قتل مرجائے توکیا تم اپنی ایڑیوں پر واپس لوٹ جاؤ گے اس کے بعد فرمایا جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا اللہ تو زندہ ہے اور وہ نہیں مریگا اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا سو محمدؐ تو مرگیا۔ یہ سنکر عمرؓ نے کہا کیا یہ آیات قرآن کریم میں ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ آیات کتاب اللہ میں ہیں۔ پھر کہا اے لوگو ابوبکرؓ کی بیعت کرو اور انہوں نے بیعت کرلی۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ و ۲۲۰ +

(۱۰) حافظ ابن قیم رئیس المحدثین اپنی کتاب زاد المعاد کے صفحہ ۱۹ مطبوعہ مطبع نظامی میں لکھتے ہیں +

(الف) وَاَمَّا مَا یُذْکَرُ عَنِ الْمَسِیْحِ اَنَّہٗ رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ وَلَہٗ ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَنَۃً فَھٰذَا لَا یُعْرَفُ لَہٗ اَثَرٌ مُتَّصِلٌ یَجِبُ الْمَصِیْرُ اِلَیْہِ۔ یعنے مسیح کی نسبت جو یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر تینتیس برس کی عمر میں اُٹھائے گئے۔ اس باب میں کوئی نشان متصل پایا نہیں جاتا۔ کہ مسیح آسمان کی طرف چلا گیا ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن قیم اس بات کے قایل ہیں کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر نہیں گئے۔ اور نہ اس کا ثبوت کہیں ملتا ہے۔ پس وہ زمین پر ہی رہے اور فوت ہوئے +

(۲) (ب) دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر تھے تو کشف میں دیکھا کہ خلاف عادت لوٹا ہوں۔ یہانتک کہ اُن کا شکم بھی شق کیا گیا۔ اور وہ زندہ ہی رہے اور کوئی درد بھی محسوس نہیں ہوا۔ اُنکی روح پاک فی الحقیقت معراج میں گئی۔ اور موت وارد نہیں ہوئی تھی۔ اور اُن کے سوائے کسی شخص کی روح آسمان پر موت سے پہلے نہیں جاسکتی اور تمام انبیاء کی روحیں بھی آسمان پر بعد موت و مفارقتِ بدن رہتی ہیں۔ دیکھو زاد المعاد

لٰکِنْ لَمَّا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَقَامِہٖ خَرْقُ الْعَوَائِدِ حَتّٰے شُقَّ بَطْنُہٗ وَھُوَ حَیٌّ لَا یَتَاَ لَّمُ بِذٰلِکَ عُرِجَ بِذَاتِ رُوْحِہِ الْمُقَدَّسَۃِ حَقِیْقَۃً مِنْ غَیْرِ اِمَاتَتِہٖ وَمَنْ سِوَاہُ لَا یَنَالُ بِذَاتِ رُوْحِہِ الصُّعُوْدَ اِلَی السَّمَآءِ اِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمُفَارَقَۃِ فَالْاَنْبِیَاءُ اِنَّمَا اسْتَقَرَّتْ اَرْوَاحُھُمْ ھُنَاکَ بَعْدَ مُفَارَقَتِہِ الْاَبْدَانِ

جلد اول صفحہ ۳۰۱ و ۳۰۲۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ حضرت عیسیٰ کی روح بھی بعد موت آسمان پر گئی +

(۱۱) شہادتِ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ابن عباسؓ کے قول مُمِیْتُکَ کو تحریر فرما کر اپنی

رائے رقم فرمائی ہے دیکھو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۵۹۳

(۱۲) امام ابن رشد وفات مسیح علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں +

قَالَ وَیُحْتَمَلُ اَنَّہٗ مَاتَ حَقِیْقَۃً وَیُحْیَا فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ

اور احتمال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حقیقی موت سے مر گئے ہیں اور شاید آخری زمانہ میں زندہ کئے جائیں گے +

دیکھو اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم و مکمل اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم صفحہ ۲۶۵ +

(۱۳) (۱) شہادت ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جو حاشیہ جلالین معہ کمالین صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں ہے وَتَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ - یعنے ابن حزم نے ظاہر آیت پر تمسک پکڑا ہے یعنے مسیح کی موت پر پس صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابن حزم صاحب بھی مسیح کی موت کے قائل ہیں بلکہ یقین رکھتے ہیں +

(۲) ایسا ہی اکمال اکمال المعلم و مکمل اکمال الاکمال کے صفحہ ۲۶۵ میں قول ابن حزم درج ہے کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں +

(۳) خود امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل میں جلد اول بصفحہ ۸۹ یوں لکھا ہے +

فَاِنَّ خَبَرَ الْاِسْرَاءِ الَّذِیْ ذَکَرَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِی الْقُرْاٰنِ وَھُوَ مَنْقُوْلٌ نَقْلَ التَّوَاتُرِ وَاَحَدُ اَعْلَامِ النُّبُوَّۃِ ذَکَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَأَی الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ فِیْ سَمَاءٍ سَمَاءٍ فَھَلْ رَاٰی اِلَّا اَرْوَاحَھُمُ الَّتِیْ ھِیَ اَنْفُسُھُمْ وَمَنْ کَذَّبَ بِھٰذَا اَوْ بَعْضِہٖ فَقَدِ انْسَلَخَ عَنِ الْاِسْلَامِ بِلَا شَکٍّ +

تحقیق معراج کی خبر جس کا ذکر اسراء کی صورت میں قرآن کریم میں کیا ہے وہ تواتر کے طور پر منقول ہے جو نبوۃ کا ایک بڑا نشان ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو مختلف آسمانوں میں دیکھا اور وہ دیکھنا کیا تھا یہی کہ ان کے ارواح جو وہی انکے انفس تھے اور جو اسکو جھٹلائیگا یا اسکے بعض حصہ کو جھٹلائیگا تو بلا شک وہ اسلام سے دور جا پڑیگا یعنے خارج ہو جائیگا +

(۴) پھر کتاب الفصل کے جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ پر یوں فرمایا ہے +

وَقَدْ صَحَّ الْاِجْمَاعُ وَالنَّصُّ عَلٰى اَنَّ اَرْوَاحَ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ فِي الْجَنَّةِ وَكَذٰلِكَ اَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَاَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ رَاٰهُمْ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ فِي السَّمٰوٰتِ سَمَاءً سَمَاءً آدَمَ فِي سَمَاءِ الدُّنْيَا وَعِيْسٰى وَيَحْيٰى فِي الثَّانِيَةِ وَيُوْسُفَ فِي الثَّالِثَةِ وَاِدْرِيْسَ فِي الرَّابِعَةِ وَهَارُوْنَ فِي الْخَامِسَةِ وَمُوْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ فِي السَّادِسَةِ وَالسَّابِعَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى جَمِيْعِهِمْ فَصَحَّ ضَرُوْرَةً اَنَّ السَّمٰوٰاتِ هِيَ الْجَنَّاتُ ۔

اور اجماع اور نصِ قرآنی سے یقیناً ثابت ہے کہ ارواحِ انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین جنت میں ہیں اور ایسا ہی شہداء کی ارواح بھی جنت میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ انہوں نے ان کو شب معراج میں آسمانوں پر درجہ بدرجہ دیکھا آدم کو آسمان دنیا میں اور عیسیٰ اور یحییٰ کو دوسرے آسمان پر اور یوسف کو تیسرے اور ادریس کو چوتھے پر اور ہارون کو پانچویں پر اور موسیٰ اور ابراہیم کو چھٹے اور ساتویں پر دیکھا۔ خدا کی رحمت ان سب انبیاء پر ہو اور ثابت ہوا کہ ضرورۃً آسمان جنات ہیں۔ پس بخوبی روشن ہو گیا کہ حضرت امام ابن حزم وفاتِ مسیح کے قایل تھے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ارواح انبیاء سے ہوئی تھی۔

(۱۴) شہادتِ عبد الحق محدث دہلوی۔ یہ بزرگ اپنی کتاب مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِي اَيَّامِ السَّنَةِ کے صفحہ ۴۹ میں لکھتے ہیں۔ وَعَاشَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ سَنَةً وَمِائَةً یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲۵ برس تک زندہ رہے دیکھو کتاب مذکور ۔

(۱۵) شہادت محمد بن جعفر بن زبیر۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ میں ابن جریر نے روایت ذیل بیان کی ہے:۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُسْلِمَةُ ابْنُ الْفَضْلِ قَالَ ثَنِيْ مُحَمَّدُ ابْنُ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَلْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَقَدْ مَاتَ عِيْسٰى وَصُلِبَ فِيْ قَوْلِهِمْ

ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن حمید ان کے پاس مسلمہ بن الفضل نے ان کے پاس محمد بن اسحٰق نے ان کے پاس محمد بن جعفر بن زبیر نے بیان کیا کہ خدا تعالیٰ وہ ایک ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور جس پر کبھی موت نہیں ہے لیکن عیسیٰ تو مر گیا اور بقول ان کے صلیب پر مرا۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۱۔ زیر آیۃ اَلْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ۔

(۱۶) شہادت ابن جریر طبری چنانچہ۔ وہ اپنی کتاب تاریخ الرسل والملوک مطبوعہ ہالنڈ کے صفحہ ۷۳۸

۳۹۰، پر لکھتے ہیں +

حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُسْلِمَةُ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ ابْنِ سَلِيْمٍ الْاَنْصَارِيِّ ثُمَّ الزُّرَقِيِّ قَالَ كَانَ عَلٰى امْرَأَةٍ مِنَّا نَذْرٌ لَتَظْهَرَنَّ عَلٰى رَأْسِ الْجَمَّاءِ جَبَلٌ بِالْعَقِيْقِ مِنْ نَاحِيَةِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَظَهَرْتُ مَعَهَا حَتّٰى اِذَا اسْتَوَيْنَا عَلٰى رَأْسِ الْجَبَلِ اِذَا قَبْرٌ عَظِيْمٌ عَلَيْهِ حَجَرَانِ عَظِيْمَانِ حَجَرٌ عِنْدَ رَأْسِهِ وَحَجَرٌ عِنْدَ رِجْلَيْهِ فِيْهِمَا كِتَابٌ بِالْمُسْنَدِ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ فَاحْتَمَلْتُ الْحَجَرَيْنِ مَعِيْ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ بِبَعْضِ الْجَبَلِ مُنْهَبِطًا ثَقُلَا عَلَيَّ فَاَلْقَيْتُ اَحَدَهُمَا وَهَبَطْتُ بِالْاٰخَرِ فَعَرَضْتُهُ عَلٰى اَهْلِ السُّرْيَانِيَّةِ هَلْ يَعْرِفُوْنَ كِتَابَهُ فَلَمْ يَعْرِفُوْهُ وَعَرَضْتُهُ عَلٰى مَنْ يَكْتُبُ بِالزَّبُوْرِ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ وَمَنْ يَكْتُبُ بِالْمُسْنَدِ فَلَمْ يَعْرِفُوْهُ قَالَ فَلَمَّا لَمْ اَجِدْ اَحَدًا مَنْ يَعْرِفُهُ اَلْقَيْتُهُ تَحْتَ تَابُوْتٍ لَنَا فَمَكَثَ سِنِيْنَ ثُمَّ دَخَلَ عَلَيْنَا نَاسٌ مِنْ اَهْلِ مَاهٍ مِنَ الْفُرْسِ يَبْتَغُوْنَ الْخَرَزَ فَقُلْتُ لَهُمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ كِتَابٍ فَقَالُوْا نَعَمْ فَاَخْرَجْتُ اِلَيْهِمُ الْحَجَرَ فَاِذَا هُمْ يَقْرَءُوْنَهُ فَاِذَا هُوَ بِكِتَابِهِمْ هٰذَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَمْ مِنْ اَهْلِ هٰذِهِ الْبِلَادِ فَاِذَا هُمْ

ہمارے پاس ابن حمید نے اُن کے پاس سلمہ نے ابن اسحاق سے اُن کے پاس عمر بن عبداللہ بن عروہ بن زبیر نے اُن کے پاس ابن سلیم انصاری زرقی نے بیان کیا کہ ہم میں سے ایک عورت نے منت مانی تھی کہ راس الجماء پر جو مدینہ کے نواحی میں ایک پہاڑ عقیق میں ہے جاکر زندہ داکریگی - راوی کہتا ہے کہ میں بھی اُس عورت کے ساتھ گیا۔ جب ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے تو کیا دیکھا کہ ایک بڑی قبر ہے جس پر دو بھاری پتھر پڑے ہیں ایک پتھر تو سرہانے ہے اور ایک پتھر اُس کی پائنتی کی طرف ہے جن پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کیا لکھا ہوا ہے میں نے دونوں پتھروں کو اپنے ہمراہ اُٹھا لیا جب میں بعض حصہ پہاڑ پر سے نیچے اُترنے لگا تو بوجہ سنگینی کی وجہ سے ایک پتھر کو میں نے پھینکدیا اور دوسرے کو لیکر نیچے اُترا اور پھر میں نے سریانی لوگوں کے آگے اُسکو پیش کیا کہ کیا وہ اُس کو پڑھ سکتے ہیں مگر وہ اُس کی تحریر کو نہ سمجھ سکے - پھر میں نے زبور کے زبان والوں کے آگے اُس کو پیش کیا جو یمین میں رہتے تھے اور جو لکھنا جانتے تھے مگر وہ بھی اس کی تحریر کو نہ پہچان سکے - تو جب مجھے کوئی شخص بھی اُس کے پہچاننے والا نہ ملا تو میں نے اُس کو ایک صندوق کے نیچے رکھ دیا اور کئی سال تک وہ وہاں پڑا رہا پھر کچھ مدت کے

كَانُوْا اَهْلَهَا فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ مَاتَ عِنْدَهُمْ فَدَفَنُوْهُ عَلٰى رَأْسِ الْجَبَلِ +

بعد فارسیوں میں سے اہل ماہ ہمارے ہاں آئے جو موتی خریدنے آئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ تمہارے ہاں بھی کوئی لکھائی ہوتی ہو اُنہوں نے کہا ہاں ہوتی ہے۔ تو میں نے وہ پتھر نکالا اُن کے آگے پیش کیا تو اُس کو دیکھ کر پڑھنے لگے اور اُس پر لکھا ہوا تھا رسول اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی یہ قبر ہے جو اُن بلاد کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور جب وہ لوگ اُس زمانہ میں اُس کے پیرو ہو گئے تو اُن میں رہتا رہا اور اُن کے ہاں فوت ہو گیا اور اُس کی وفات پر اُنہوں نے اسکو پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دیا۔ اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گیا۔ خواہ وہ کہیں مرا

(۱۷) شہادت نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالوی کہ سارے انبیاء جو حضرت سے پہلے تھے مر چکے ہیں۔ دیکھو ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ +

(۱۸) شہادت حافظ محمد لکھوکے والے۔ تفسیر محمدی جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ لکھتے ہیں۔ یعنے جو پیغمبر گذرے زندہ رہیا نہ کوئی

وتفسیر محمدی منزل اول صفحہ ۲۴۷ پر وفاتِ حضرت عیسےٰ بزبان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت بحث علماء نجران جو یہودے نال مشابہ بیٹا ہوندا شک نہ کوئی + کبھی زندہ رب ہمیشہ مرسی ہوت عیسیٰ

دیکھو اس شعر میں حافظ محمد صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود نجران کے ساتھ مباحثہ کے وقت فرمایا اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہوتا تو بلا شک اپنے باپ کے مشابہ ہوتا اور وہ ہمیشہ اپنے باپ کی طرح زندہ رہتا اور نہ مرتا مگر عیسیٰ علیہ السلام تو مر گئے پھر باپ سے کیونکر مشابہ ہو سکتا ہے +

(۱۹) شہادت جبائی جو اہل تشیعہ میں ایک مشہور علامہ گذرے ہیں چنانچہ وہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے متعلق کہتے ہیں۔ یعنے اس آیت میں یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی۔ اور

وَفِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ اَمَاتَ عِيْسٰى وَتَوَفَّاهُ ثُمَّ رَفَعَهٗ اِلَيْهِ +

روح کو اپنی طرف بلا لیا۔ دیکھو تفسیر مجمع البیان جلد اول زیر آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ +

(۲۰) شہادت محی الدین ابن عربی کہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح فوت ہو گئے اور ان کا نزول بروزی طور سے ہو گا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کا رفع ہوا۔ جبکہ عالم سفلی سے مفارقت

رَفْعُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِتِّصَالُ رُوْحِهٖ

کر کے عالم علوی کی طرف چلا گیا۔ اور ان کا جو

عِنْدَ الْمَغَارِ نَقْلٌ عَنِ الْعَالَمِ السُّفْلِيِّ بِالْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ وَكَوْنِهٖ فِيْ سَمَاءِ الرَّابِعَةِ اِشَارَۃً اِلٰی اَنَّ مَصْدَرَ فَیْضَانِ رُوْحِهٖ رُوْحَانِیَّةُ فَلَكِ الشَّمْسِ الَّذِیْ هُوَ مُشَابِهٌ قَلْبَ الْعَالَمِ وَمَرْجَعُهٗ اِلَیْهِ وَتِلْكَ الرُّوْحَانِیَّةُ نُوْرٌ یُحَرِّكُ ذٰلِكَ الْفَلَكَ بِمَعْشُوْقِیَّتِهٖ وَاَشْرَاقُ اَشِعَّتِهٖ عَلٰی نَفْسِهٖ اَیَّمَا شَرْقًا لِتَحْرِیْكِهٖ وَلَمَّا کَانَ مَرْجِعُهٗ اِلٰی مَقَرِّهِ الْاَصْلِیِّ وَلَمْ یَصِلْ اِلَی الْکَمَالِ الْحَقِیْقِیِّ وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ +	آسمان پر ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کے روح کے فیضان کا جائے صدور فلک الشمس کی روحانیت ہے جو جہان کے قلب کے مشابہ ہے اور اس کا مرجع بھی اُسی کی طرف ہے اور وہ روحانیت ایک نور ہے۔ جو اِس فلک کو اپنے عشق سے منور کرتا ہے۔ اور اُس کے نفس پر شعاعوں کا چمکنا اُسی کی تحریک سے ہے۔ اور جب اس کا مرجع اسکی اصلی جائے قرار کی طرف ہی اور اپنے کمالِ حقیقی کو نہیں پہنچ سکتا تو اس لیے وہ آخری زمانہ میں دوسرے بدن کے ساتھ تعلق

پیدا کر کے نزول کریگا دیکھو تفسیر مذکور جلد ا صفحہ ۲۶۲ +

(۲۱) شہادت صاحب اقتباس الانوار بصفحہ ۵۲ جس میں لکھا ہے۔ اکثر صوفیا کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروزی طور سے نزول ہوگا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ خود وفات پا چکے ہیں

(۲۲) شہادت نواب صدیق حسن خان بحوالہ طبرانی وحاکم جنہوں نے اس حدیث کو بیان کر کے کوئی جرح نہیں کی۔ اور حدیث یوں ہے۔ کہ ہر نبی اپنے ماسبق نبی سے نصف عمر پاتا رہا ہے۔ لیس حضرت عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔ دیکھو حجج الکرامۃ صفحہ ۴۲۸ +

(۲۳) شہادت حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف بداتا گنج بخش صاحب لاہوری۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کشف المحجوب صفحہ ۱۵۹ مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور میں لکھتے ہیں۔

پیغمبر گفت اندر شب معراج آدم صفی و یوسف صدیق و موسیٰ کلیم اللہ و ہارون حلیم و عیسےٰ روح اللہ و ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیٰ نبینا و علیہم اندر آسمانہا دیدم۔ لامحالہ آن ارواح ایشاں بود و اگر روح عرضی بودے بخود قائم نبودے	اور کشف المحجوب مترجم کے صفحہ ۱۸۱ میں یوں لکھا ہے۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا میں نے معراج کی رات میں آدم صفی کو اور یوسف صدیق کو اور موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون حلیم اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ کو آسمانوں میں دیکھا۔

ضرور وہ اُن کی ارواح تھیں اور اگر روح عرض ہوتی تو اپنے آپ قائم نہ رہتی +

(۲۴) شہادت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ اپنی کتاب طبقات جلد ثانی بصفحہ ۴۴ لکھتے ہیں

وَكَانَ يَقُوْلُ اِنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ رُفِعَ كَمَا رُفِعَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسَيَنْزِلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ ؕ

وہ کہتے تھے کہ علی بن ابی طالب بھی اُسی طرح اُٹھائے گئے جس طرح عیسیٰ علیہ السلام اُٹھائے گئے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اِس دنیا سے وفات پاکر اُٹھائے گئے ہیں اِسی طرح حضرت عیسیٰ بھی لعنت کی موت سے بچکر طبعی موت کے بعد آسمان پر گئے ؕ

(۲۵) شہادت صاحب لطائف القرآن جو قلمی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ مُتَعَلِّقَةً بِبَدَنٍ آخَرَ یعنی آخری زمانہ میں اُن کی روح دوسرے بدن کے ساتھ نزول کریگی ؕ

(۲۶) شہادت علامہ قسطلانی جنہوں نے مواہب لدنیہ جلد اوّل کے صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ لِفَاطِمَةَ اِنَّ جِبْرَائِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَرَّةً وَاَنَّهٗ عَارَضَنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ اِلَّا عَاشَ نِصْفَ الَّذِيْ قَبْلَهٗ وَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ وَلَا اَرَانِيْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰى رَأْسِ السِّتِّيْنَ اِنْتَهٰى مُلَخَّصًا وَرَوٰى اَبُوْ يَعْلٰى عَنْ فَاطِمَةَ مَرْفُوْعًا اَنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ مَكَثَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَهٰذَا مَا يُؤَيِّدُ ذَالِكَ وَالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْهِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى فِيْ حَقِّ عِيْسٰى وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا لِاَنَّ مَعْنَاهُ جَعَلَنِيْ مُبَارَكًا نَفَّاعًا لِلْخَيْرِ ؕ

یعنے عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مرض میں جس میں وہ بالآخر فوت ہوئے۔ فاطمہ کو فرمایا کہ جبرائیل ہر سال قرآن شریف کا ایک دفعہ میرے ساتھ مقابلہ کرتا تھا۔ اور اس سال دو دفعہ کیا ہے۔ اور جبرائیل نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ جس قدر پہلے نبی ہوئے ہیں۔ ہر ایک اپنے ماقبل سے نصف عمر پاتا رہا ہے اور یہ بھی مجھے خبر دی کہ عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس برس زندہ رہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ساٹھ سال کے سر پر میں بھی جانے والا ہوں اور ابو یعلیٰ نے فاطمہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ کہ عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیل میں چالیس سال رہے۔ اور یہ بات اس بات کی تائید ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے قول سے جو حضرت عیسے کے حق میں ہے مطابق ہے وہ قول کیا ہے۔ وَجَعَلَنِيْ

مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ جس کے معنے یہ ہیں کہ جہاں کہیں میں ہونگا لوگوں کو نفع پہنچایا کرونگا +

(۲۷) شہادت زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اَمَّا عِیْسٰے رُفِعَ وَھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّثَلٰثِیْنَ ھُوَ قَوْلُ النَّصَارٰی وَ اَمَّا حَدِیْثُ النَّبِیِّ عَاشَ عِیْسٰے عِشْرِیْنَ وَ مِائَۃِ سَنَۃٍ یہ عیسائیوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ عیسے ۳۳ برس کی عمر میں آسمان پر اُٹھایا گیا بلکہ حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں ہے کہ عیسے علیہ السلام ۱۲۰ برس زندہ رہے۔ دیکھو زرقانی جلد ۵ صفحہ ۴۲۱ +

(۲۸) شہادت مستدرک بر حاشیہ جلالین مع کمالین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۵۰ جس میں لکھا ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عِیْسٰے عَاشَ مِائَۃً وَ عِشْرِیْنَ سَنَۃً کَذَا فِی الْاِصَابَۃِ۔ یعنے ابن عمر سے روایت ہے۔ کہ عیسیٰ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے +

(۲۹) شہادت حضرت عائشہ صدیقہ جنہوں نے گواہی دی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فرمایا کہ حضرت عیسے کی ایک سو بیس برس عمر تھی۔ جیسے نمبر ۲۴ سے واضح ہے

(۳۰) شہادت امام شعرانی جنہوں نے حدیث لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی حَیَّیْنِ اِلٰی اٰخِرِہٖ بیان کی ہے

(۳۱) شہادت ابن کثیر جنہوں نے حدیث مذکور کو اپنی تفسیر میں لکھا ہے +

(۳۲) شہادت شیخ احمد صاوی مالکی جنہوں نے کہا ہے اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْئِ وَافِیًا اَیْ کَامِلًا وَّ الْمَوْتُ نَوْعٌ مِّنْہُ توفی کے معنے کسی چیز کا کامل طور سے لے لینا اور موت بھی اُسکی ایک نوع ہے +

(۳۳) صاحب تفسیر توضیح مجید جنہوں نے شہادت دی ہے کہ تَوَفِّیْ کے معنے موت کے ہیں

(۳۴) شہادت خواجہ محمد پارسا جنہوں نے حدیث لَوْ کَانَ عِیْسٰے وَمُوْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ کی تصدیق اپنی کتاب میں کی ہے +

(۳۵) شہادت سید علی حایری متعلق حدیث بالا +

(۳۶) شہادت ابو نعیم جنہوں نے کہا ہے کہ ہر نبی کی عمر اپنے ما قبل نبی سے نصف ہے +

(۳۷) شہادت حضرت فاطمہ جنہوں نے مسیح کی حیات ۱۲۰ سالہ بیان کی ہے۔ دیکھو طبرانی +

(۳۸) شہادت طبرانی جنہوں نے متذکرہ بالا حدیث سے حضرت فاطمہ الزہرا کی تصدیق کی ہے +

(۳۹) شہادت خاقانی جنہوں نے تمام انبیا کی موت کا ذکر کرتے فرمایا +

کجا شد عیسیِٰ مریم کہ مردہ زندہ مے کردے ۔۔۔ سلیمان خود کجا رفتہ کجا تختِ سلیمانی

چو ختم الانبیا ہم رفت گو آخر کہ میماند ۔۔۔ بجز ذاتِ مقدس قا درِ قیوم صمدانی

(۴۰) شہادت علامہ زرقانی مالکی جنہوں نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ برس ہوئی۔ دیکھو جلد ا صفحہ ۴۲ ۔ شرح مواہب لدنیہ

(۴۱) شہادت میبذی ۔ میبذی در شرح دیوان آوردہ کہ روح عیسیٰ علیہ السلام در مہدی موعود علیہ السلام بروز کند و نزول عیسیٰ ازیں بروز است ۔ دیکھو غایت المقصود صفحہ ۲۱

(۴۲) شہادت علامہ احمد مقری مغربی مالکی ۔ چنانچہ علامہ مذکور اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

فِیْ قَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ یُوْشِكُ اَنْ یَنْزِلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ اِنَّمَا كَانَ الْاِمَامُ مِنَّا لِئَلَّا یَتَدَنَّسَ بِغُبَارِ الشُّبْهَةِ وَجْهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر کہ یقیناً ابن مریم تم میں نزول کریگا ۔ اور وہ تم ہی میں سے ایک امام ہوگا ۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ امام ہم میں سے ہوگا ۔ کہ مبادا لانبی بعدی کے چہرہ پر کسی قسم کے شبہ کا غبار نہ پڑے ۔ اور خوب روشن ہو جائے کہ میرے بعد کسی نبی نے نہیں آنا ۔ دیکھو تفسیر نفح الطیب جلد ۳ صفحہ ۱۵۷ +

(۴۳) علامہ ابو العباس احمد بن یوسف بن احمد دمشقی کی شہادت چنانچہ وہ اپنی تاریخ مسمیٰ باخبار الدول میں لکھتے ہیں :-

تَوَفَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عِیْسٰی ثَلٰثَ سَاعَاتٍ ثُمَّ رَفَعَهٗ اِلَی السَّمَاءِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ الْاٰیَةُ

یعنے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو تین ساعت مار دیا اور پھر اس کو آسمان پر اٹھا لیا حسب قول خداوندی کہ اے عیسےٰ میں تجھے مارونگا اور پھر اٹھالونگا ۔ دیکھو اخبار الدول بحاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد اول صفحہ ۱۵۹ +

(۴۴) شہادت فقیہ ابو اللیث سمرقندی ۔ دیکھو بستان ابو اللیث صفحہ ۲۰۸ جس میں حضرت مسیح کی عمر ۳۳ برس لکھی ہے +

(۴۵) شہادت صاحب پکی روٹی کلاں جو پنجابی میں ہے ۔ حضرت عیسیٰ کی عمر ۱۲۰ برس کی لکھی ہے اس بزرگ کا نام برخوردار ہے +

(۴۶) شہادت سید مظہر حسن سہارنپوری کہ رسول اللہ صلعم نے معراج میں ارواح انبیاء سے ملاقات کی ۔ دیکھو تہذیب المتین جلد ا صفحہ ۳۴ +

(۴۷) شہادت علمی ۔ جسکا شعر ہے آدم کہاں حوا کہاں مریم کہاں عیسیٰ کہاں ہارون اور موسیٰ

[illegible] +

(۴۸) شہادت عبدالرزاق کاشغی جو کہتے ہیں کہ مسیح کا بروزی نزول ہوگا +

(۴۹) شہادت صاحب لطائف القرآن - جو بروز کے قایل ہیں +

(۵۰) شہادت مولوی غلام حیدر جنہوں نے اشعار میں جو ابتدا میں چھپ چکے ہیں اپنا عقیدہ لکھا ہے اور اُن کے اشعار مجموعہ خطب میں داخل ہو کر عام قبولیت پا چکے ہیں +

آدم کہاں حوا کہاں مریم کہاں عیسیٰ کہاں + ہارون کہاں موسیٰ کہاں اس بات کا ہی سکو غم

(۵۱) شہادت مولوی فیروزالدین صاحب ڈسکوی جنہوں نے اپنے مجموعہ خطب میں اپنا اعتقاد یوں ظاہر کیا ہے - یوسف کہاں موسیٰ کہاں ایوب اور یحییٰ کہاں + مریم کہاں عیسیٰ کہاں آخر فنا آخر فنا +

(۵۲) شہادت مولوی جان محمد جنہوں نے اپنے مجموعہ خطب میں یوں اپنا عقیدہ دکھلایا ہے

سنوں یار و جو ہن اگلے سدہائے	سنو یار و جس طرح تمام گذشتہ لوگ دنیا سے چل بسے
نہ مڑکے پھیر ساڈی ول آئے	اور وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئے - اسی طرح
توں میں ساڈا ہوسی اکدن چلانا	ایک دن آئیگا کہ ہم بھی یہاں سے چلینگے اور پھر واپس نہیں آئینگے
کرو او وہ چیز جس نے ساتھ جانا	اب وقت ہے کہ ایسے عمل کرو جو قیامت کے روز کام آئیں

(۵۳) شہادت مولوی غلام رسول قلعیاں والا - جنہوں نے یوں اپنا عقیدہ ظاہر فرمایا کہاں وہ ماہِ کنعانی کہاں تختِ سلیمانی + گئے سب چھوڑ یہ فانی اگر نادان و دانا ہے

پھر دوسری جگہ مولوی غلام رسول صاحب نے صاف الفاظ میں مسیح کی وفات کا اقرار یوں کیا ہے آدم سے تا احمد نبی سب نے یہ دنیا چھوڑ دی + گذرے جہاں سے سب چلے ہیوں نقانو ابصر

پھر دوسری جگہ اور بھی واضح کرتے ہیں +

جب پاک احمد مصطفےٰ فانی جہاں سے چل دیئے + پھر کون ہی جو بچ رہا سب ایک دن مرجائیں گے

(۵۴) شہادت مولوی فقیر اللہ صاحب اہل حدیث جنہوں نے اپنا عقیدہ وفاتِ مسیح کے متعلق یوں بیان کیا ہے +

تا یاد کن از رفتگاں ہزارہا نا ماندہ یک نشاں + نے پیر ماند و نے جواں اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ

از اولیاء و انبیاء و از اصفیاء و اتقیاء + رفتند زیں دارالفنا اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ

(۵۵) شہادت آنریبل سید احمد خان صاحب کے سی - ایس - آئی - جنہوں نے اپنے لکچر ل

اور تفسیر میں برملا لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں +

(۵۶) شہادت مولوی قاضی غلام محی الدین امام مسجد بٹالہ جنہوں نے رسالہ العزیز بٹالہ مورخہ ماہ دسمبر ۱۹۱۱ء جلد ۵ نمبر ۶ میں بصفحہ ۸ بذیل عمر ہائے انبیاء لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ برس کی تھی +

(۵۷) خطبات الحنفیہ صفحہ ۱۹۲ خطبہ بستم سطر ۸ پر لکھا ہے ؎

آدم سے اب تک جس قدر پیدا ہوئے دخت و پسر ۔ جب کر چکے عمریں بسر ہو کر فنا جاتے رہے

ان کے سوا ہزاروں لوگ ہیں جو وفات کے قائل ہیں اور یہ تو تمہارے روزمرہ کے خطبوں میں درج ہے جو تم ہر جمعہ کے روز سنا کرتے ہو اور کتاب پکی روٹی جو پنجابی میں ایک مسائل فقیہ کی کتاب ہے اور پنجاب میں عام رواج پذیر ہے اور ہر پڑھی خواندہ عورت ایک بھی ایسی نہیں جس نے پکی روٹی نہ پڑھی ہو اور وہ اس کی ورد زبان نہ ہو۔ یہ پکی روٹی بڑی کے نام سے مشہور ہے اور حافظ برخوردار چٹی والے کی تصنیف ہے اس میں بھی حضرت عیسیٰ کی عمر ۱۲۰ سال درج ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تمام نبیوں کی عمریں بتائی گئی ہیں۔ اب محض ضد کی وجہ سے خطبے بھی جمعوں میں نہیں سنائے جاتے تاکہ عام اعتراض نہ کریں کہ ادھر تو ہم کو یوں سناتے اور ادھر مرزا صاحب کے مقابل میں حضرت عیسیٰ کی حیات پیش کرتے ہو۔ تمہارا کیا اعتبار رہا۔ اے علماء وقت خدا سے ڈرو اور سیدھے ہو جائے۔ آخر خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔ اسی دنیا میں رسوا ہو جاؤ گے اب وہ وقت نہیں رہا کہ لوگ تمہارے کہے پر چلیں گے اب تو ضرور مسئلہ وفات ماننی پڑیگی کون انکار کرسکتا ہے۔ تم ہی دست تاسف ملتے رہجاؤ گے +

(۵۸) مولوی انشاء اللہ خان صاحب اڈیٹر اخبار وطن اپنی تفسیر القرآن میں زیر آیہ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ لکھتے ہیں۔ آٹھویں یہ کہ توفی سے حقیقت موت مراد ہے۔ یہ مسلک ہی ابن عباس کا۔ چنانچہ ان کا قول ہے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنے ہیں اِنِّیْ مُمِیْتُکَ یعنے میں تجھے موت دونگا اور اٹھاؤنگا۔ ابن عباس کے اس مسلک سے تو یہ ظاہر ہے کہ وہ رفع بعد از موت کے قائل ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بعد موت صرف رفع روحانی کے قائل ہیں یا جسمانی کے بھی۔ تاہم اغلب یہی ہے کہ آپ ضرور رفع روحانی ہی کے قائل ہونگے

ورنہ صرف اِنِّیْ مُمِیْتُکَ کہنے پر اکتفا نہ کرتے اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے تو یہ وہی پہلا مسلک ہوگیا جسکو علامہ رازی نے نقل کرکے حسن کہا ہے اور زمخشری نے اختیار کیا ہے۔ اسی مسلک کو صاحب المنار نے بہترین قرار دیا ہے اور یہی تحقیق علامہ شیخ محمد عبدہ کی ہے۔ دیکھو تفسیر القرآن جلد ۱ نمبر ۱۲ بابت ماہ جون ۱۹۰۹ء مطبوعہ مطبع حمیدیہ +

(۵۹) علامہ سید رشید رضا ایڈیٹر اخبار المنار بھی مسیح کی وفات کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ المنار میں لکھتے ہیں کہ تَوَفِّیْ کے لغوی معنے ہیں پورا پورا لینا۔ چونکہ موت کے وقت بھی عمر پوری ہوچکتی ہے اِس لئے تَوَفِّیْ کا لفظ اماتت (موت سے مارنے) کے لئے بھی آنے لگا حَیْثُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ بنا برین متبادر فی الذہن معنے آیت کے یہی ہیں کہ میں تجھے موت دونگا اور بعد موت اپنے پاس بلند رتبہ جیساکہ ادریس علیہ السلام کے حق میں ہے وَرَفَعْنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔ یعنے وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں اللہ تعالیٰ نے وہی امر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے جو ابرار کو عالم غیب بعث کے قبل و بعد حاصل ہوتا ہے جیسے کہ شہدا اور اتقیا کے حق میں ہے۔ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ اور اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ۔ اسی طرح تطہیر سے مراد ہے۔ منکروں کے شر سے بچانا اور اُن تہمتوں سے پاک و صاف کرنا جو یہود آپ پر لگاتے تھے۔ آیت کے یہی معنے ہیں جو خارجی اقوال و روایات سے خالی الذہن کے دل میں آیت کو پڑھ کر پیدا ہوتے ہیں اور نصوص قرآنی سے ان کی تائید و توفیق بھی ہوتی ہے لیکن عموماً مفسرین نے آیت کو اُن روایات پر منطبق کرنے کے لئے جن سے عیسیٰ علیہ السلام کا بجسم اُٹھایا جانا پایا جاتا ہے آیت کے ایسے معنے بیان کئے ہیں اور کرنے کی کوشش کی ہے جو ظاہر آیت سے گویا کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ دیکھو تفسیر القرآن مولوی انشاء اللہ جلد ۱ نمبر ۱۲ بابت ماہ جون ۱۹۰۹ء

(۶۰) علامہ شیخ محمد عبدہ امام و قاضی مصر مرحوم جو ایک بڑے جلیل القدر علامہ زمان تھے۔ وہ بھی مسیح کی وفات کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ رشید رضا ایڈیٹر المنار لکھتے ہیں وَھٰکَذَا قَالَ اُسْتَاذُنَا الْاِمَامُ الشَّیْخُ مُحَمَّدُ عَبْدُہٗ۔ اور ایسا ہی ہمارے اُستاد امام شیخ محمد عبدہ نے مسیح کی وفات کی نسبت کہا ہے۔ دیکھو تفسیر القرآن مذکور۔

(۶۱) مولوی ظفر علی صاحب بی۔ اے ایڈیٹر اخبار زمیندار بھی مسیح علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں مسیحیت کا حشر بھی کچھ کم حسرت انگیز نہیں ہوا جناب مسیح علیہ السلام نے اپنے وصال کے بعد اخلاق اور روحانیت کا جو ترکہ بنی اسرائیل کے ہاں چھوڑا تو اُس کا جب جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ترکہ سے صرف وہی لوگ متمتع ہو سکتے تھے جو حجروں اور خانقاہوں میں راہبانہ زندگی بسر کرنے پر قانع ہوں۔ دیکھو پنجاب ریویو مرتبہ مولوی ظفر علی خانصاحب بی۔ اے علیگ جلد اول ۱؎ مورخہ اگست سنہ ۱۹۰۹ء مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور صفحہ ۳۷+

پھر دوسری جگہ اُسی ریویو کے صفحہ ۳۸ پر کھلے الفاظ پر لکھتے ہیں+

اور وہ پاک مذہب جس کی سچائیوں کی تلقین میں حضور مسیح علیہ السلام نے جام شہادت نوش کیا شرک و حبس کا ایک ناپاک مجموعہ رہگیا+

(۶۲) مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی شہادت بر وفات مسیح علیہ السلام چنانچہ لکھا ہے اب دیکھئے آسمان پر جانے سے پہلے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام ارواح کل انبیاء کی بیت المقدس میں ملی تھیں اور نماز حضرت کے پیچھے پڑھی تھی۔ اب یہ ارواح انبیاء آسمانوں پر ملیں۔ یہ کس قدر حرکت ہوئی ہر آسمان اس قدر موٹا ہے جس قدر پانسو برس کا رستہ ہووے اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کا رستہ ہے پس اس تحقیق کے موافق ایک ذرہ عرصہ میں آدم علیہ السلام کی روح ایک ہزار برس کا رستہ اور عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا رستہ علیٰ ہذا القیاس ابراہیم کی روح سات ہزار برس کا رستہ طے کر گئی۔ دیکھو الانوار الساطعہ مصنفہ مولوی محمد عبد السمیع رامپوری جو البراہین القاطعہ کے ساتھ شامل ہے جسکو مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹوی نے بحکم حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف راس الفقہاء والمحدثین تاج العلماء الکاملین جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مطبوعہ مطبع بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ صفحہ ۲۰۱+

(۶۳) مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹوی مدرس مدرسہ دینیہ سہارنپور کی شہادت بر وفات مسیح۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اقول۔ ان روایات معراج سے ارواح کا بیت المقدس میں جمع ہونا اور آسمانوں پر جانا باذنہ تعالیٰ ثابت ہے۔ دیکھو البراہین القاطعہ مولفہ خلیل احمد صاحب

(۶۴) صاحب التاویل الحکم فی منشا بفصوص الحکم بصفحہ ۱۹۳ کتاب مذکور لکھتے ہیں +

وفات آنجناب نیز و در قبر ماندن و استخوان ناشکستہ شدن آنجناب ہم نوشتہ شدہ است و مسیح علیہ السلام حسب مجموعہ توریت چنانکہ تصدیقش از آیۃ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ و آیۃ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ و روایت ابن عباس و طلحہ بن علی و حسب آیۃ مَا جَعَلْنَا لِرَجُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ وفات یافت +

اُس جناب کی وفات کا اور اُن کے قبر میں رہنے اور اُن کی ہڈیوں کے نوڑنے کا ذکر پہلے لکھا جا چکا ہے مسیح علیہ السلام بموجب مجموعہ توریت جس کی تصدیق آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ اور روایت ابن عباس و طلحہ بن علی اور آیت وَمَا جَعَلْنَا لِرَجُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ سے ہوتی ہے وفات پا چکے ہیں

(۶۵) فتاوی سراجیہ باب مسائل متفرقہ میں لکھا ہے +

اِمَامَةُ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ لِاَرْوَاحِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ كَانَتْ فِی النَّافِلَةِ

شب معراج کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارواح انبیا علیہم السلام کی امامت کرنا نوافل میں تھی۔ دیکھو انوار ساطعہ مصنفہ مولوی عبدالسمیع رامپوری صفحہ ۲۰۰ +

(۶۶) مولوی عبدالسمیع رامپوری بھی وفات مسیح کے قایل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ان روایات فقہ و حدیث سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات سے سمٹ کر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور نماز یہاں آکر پڑھی۔ دیکھو انوار الساطعہ مصنفہ مولوی عبدالسمیع رامپوری صفحہ ۲۰۰ +

(۶۷) مولوی غلام حسین صاحب اڈیٹر اخبار المنیر کی شہادت وفات مسیح پر۔ چنانچہ وہ اپنے اخبار المنیر مورخہ یکم نومبر ۱۹۱۲ء میں بصفحہ ۳ زیر سرخی ریاستہائے بلقان کی موجودہ شورش کی نسبت اظہار رائے کرتے ہوئے مسلمان بھائیوں کو حضرت ابوبکر صدیق کا خطبہ جو بر وفات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا تھا نقل کر کے غیرت دلاتا ہے اور لکھتا ہے۔ پھر قرآن کی آیت سنائی جس کے ذریعہ خدائے بزرگ و اعلیٰ نے اپنے محبوب کو بتایا تھا کہ تجھ سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں اور تو بھی فوت ہوگا +

(۶۸) ایسا ہی مولوی شجاع اللہ نے نمبر ۳ اخبار ملت میں کہ بعینہ نقل کر کے لکھا ہے

اور وفات کل انبیا کی تصدیق کی ہو۔ دیکھو اخبار الحق ۶ر دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸ ۔
و ۶۹۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی وفات کے قایل ہیں۔ چنانچہ مولوی کبیر الدین احمدی لکھنوی کو وفات

ستر ھویں فصل

اس بارہ میں کہ جو مرجاتا ہو وہ دنیا میں پھر نہیں آسکتا

بعض علماء اپنی نادانی اور بیوقوفی سے کہدیا کرتے ہیں۔ کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ تو کیا خدا کو قدرت نہیں ہے۔ کہ انکو دوبارہ زندہ کرکے دنیا میں بھیج دے۔ اگر ان لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے دنیا میں بھیجنا اللہ تعالیٰ کی عادت میں داخل نہیں تو ایسے کلمات منہ پر نہ لاتے۔ یہ ہم مانتے ہیں بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرتوں اور طاقتوں پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اُسکے نزدیک کوئی چیز انہونی اور غیر ممکن نہیں ہے انسان بے بنیاد اپنی کمزور اور محدود عقل سے جس چیز کو ناممکن یقین کرتا ہے وہ خدا کے ہاں سب ممکنات میں داخل ہیں۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ اگر ساری دنیا کو ہلاک بھی کردے۔ یا ساری دنیا کو سوئی کے ناکہ سے نکال دے تو اُس کے ہاں کوئی مشکل بات نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہے کہ جو عہد وہ ایک دفعہ کرلیتا ہے۔ اُس کی خلاف ورزی کرنا اُس کی عادت میں نہیں ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ہ اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے وَلَوۡلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ فِیۡمَا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ اور اگر تیا ست کا وعدہ پہلے سے نہ ہوا ہوتا تو اُسی وقت ان کا اُس بارہ میں جن میں اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ ہی کردیا جاتا۔ دیکھو سورہ یونس رکوع ۲۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا موت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا کیا قانون ہے۔ سو واضح ہو۔ کہ جہاں تک قرآن شریف میں غور کیجاتی ہے۔ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرے ہوئے لوگوں کو دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا کرتا۔ چنانچہ آیات ذیل ہمارے اِس بیان کی مصدق ہیں ۔

اول ثبوت از آیات قرآن کہ مردے دنیا میں واپس نہیں آتے

(۱) وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۰ پارہ ۱۷ رکوع ۷ یعنے جس قریہ کے لوگوں کو ہم ہلاک کر دیتے ہیں پھر اُن کا لوٹنا ہم نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ موتے کے متعلق ہو کر مقسم ہے۔ جس سے ہویدا ہے کہ وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کیا کرتا۔ پھر کیسے مان لیں کہ مسیح زندہ ہو کر دوبارہ آسکتا ہے +

(۲) اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۰ پارہ ۲۳ رکوع اول۔ کیا اُن لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن سے پہلے کے بہت سے زمانے کے لوگوں کو مار ڈالا ہے۔ اور پھر وہ دنیا میں ان لوگوں کے پاس واپس نہیں آئے +

(۳) فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ ۰ پارہ ۲۳ رکوع ۲۔ یہ لوگ جن کو ہم ہلاک کرتے ہیں وصیت کی توفیق بھی نہیں پا سکتے۔ اور نہ مرنے کے بعد اپنے اہل کے پاس واپس آسکتے ہیں +

(۴) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۰ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۰ پارہ ۱۸ رکوع ۶۔ یہانتک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آگئی تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس کر دو تاکہ میں اس دنیا میں جسکو میں چھوڑ آیا ہوں اب جا کر نیک عمل کروں۔ یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا یہ تو کہنے کی باتیں ہیں۔ اب تو ان لوگوں کو برزخ میں ہی رہنا ہوگا۔ جہاں سے وہ قیامت تک کہیں نہیں جاسکتے +

(۵) ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ۰ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ ۰ پارہ ۱۸ رکوع ۱۔ پھر تم اس کے بعد مر جاؤ گے۔ پھر تم قیامت کے دن کو زندہ کیے جاؤ گے خدا نے قانون بتا دیا کہ جو ایک دفعہ مر جاتے ہیں تو وہ پھر قیامت کو زندہ ہوتے ہیں +

(۶) وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَا اَتَعِدَانِنِیْ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۰ پارہ ۲۶ - رکوع ۲ - وہ شخص جس نے اپنے والدین کو کہا کہ تمہارے پر اُف ہے کہ تم مجھے کہتے ہو کہ میں دوبارہ زندہ کیا جاؤنگا - حالانکہ مجھ سے پہلے بہت قرن گذر چکے - اس آیت میں اس وجہ سے قیامت کا انکار کیا گیا ہے کہ دنیا میں مردہ زندہ نہیں ہوتے - اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے متعلق جواب دیکر مُردوں کے زندہ کرنے کے بارہ میں سکوت فرمایا +

(۷) وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۰ پارہ ۱۶ - رکوع ۵ میرے پیدا ہونے اور مرنے اور میرے جی اُٹھنے کے دن پر سلام ہے - اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح نے اپنی اُنہیں تین حالتوں کا بیان کیا ہے - جو کل نوعِ انسان کیلئے مقرر ہیں - اسمیں اُنہیں آسمان پر جانے اور وہاں سے نزول فرمانے اور پھر دنیا میں رہنے اور اپنی نبوت سے محروم ہونیکا کوئی ذکر نہیں فرمایا بلکہ جیسی تین حالتیں مسیح کی بیان ہوئی ہیں یہی تین ہی حالتیں حضرت یحییٰ کی نسبت بیان کی گئی ہیں چنانچہ حضرت یحییٰ کی نسبت قرآن شریف میں یوں آیا ہے وَسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۰ فرق ہے تو صرف صیغوں کا ہے یہاں غائب کے صیغے ہیں اور وہاں متکلم کے صیغے ہیں - لیکن الفاظ برابر ہیں - پس کوئی خصوصیت مسیح نے نہیں فرمائی جس سے سمجھا جائے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر آسکیگا - اور یہی تین حالتیں کل بنی آدم کے لئے ہیں مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں +

(۸) بموجب آیتہ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۰ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۰ جب مر کر دوسرے عالم میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں مل گئے - اور جنت میں داخل ہو گئے تو کیونکر باہر آسکتے ہیں پارہ ۳۰ رکوع ا سورۃ الفجر +

(۹) جو شخص جنت میں چلا گیا اللہ تعالیٰ اُس کی نسبت فرماتا ہے لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ وَّمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ یعنے جو جنت میں داخل ہوتے ہیں اُن کو نہ وہاں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور نہ وہ اُس سے نکالے جاتے ہیں اور احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کو معہ جملہ انبیاء بہشت میں دیکھا - پھر لوگوں کا یہ خیال کہ مسیح علیہ السلام اگر مر چکے ہیں تو دوبارہ آسکتے ہیں سراسر غلط ٹھیرا - دیکھو سورۃ الحجر - رکوع ۴ +

(۱۰) اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ پارہ ۱۳ رکوع ۸ اللہ تعالیٰ

کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا جب تک وہ اپنی حالت کو تغیر نہ دے۔ اب مسیح نے جنت میں کونسا قصور کیا ہے کہ اُس کو دوبارہ دار الابتلا میں لایا جاتا ہے +

(۱۱) مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ۔ پارہ ۲۵۔ رکوع ۵۔ جو دُکھ تم کو پہنچتا ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کرتوتوں سے پہنچتا ہے۔ پس دنیا میں حضرت مسیح کو نبوت سے معطل قرار دیکر دنیا میں دوبارہ لانا کس گناہ کے باعث ہے جس کی سزا میں وہ دوبارہ اس دار الابتلا میں موت کی تلخی آکر چکھینگے +

(۱۲) مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ پارہ ۵ رکوع ۱۸ یعنے اگر تم خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرو۔ اور اُس پر اور اُس کے رسولوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور فرشتوں اور حشر و نشر پر ایمان لاؤ۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو تمہارے عذاب دینے سے کیا فائدہ ہے اس آیت سے صریح مترشح ہوتا ہے کہ شاکرین و ایمان لانیوالوں پر اللہ عذاب نہیں لایا کرتا۔ اب یہ اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر اور نبی تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے بڑے شکرگذار تھے اور خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق بصیرت سے ایمان رکھتے تھے۔ تو ایسی حالت میں دُنیا کے ابتلا اور نزع کی خطرناک گھڑی کے دُکھ اُٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ اُن کو کیوں دوبارہ بھیجنے لگا +

(۱۳) فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى۔ پارہ ۲۴ رکوع ۲۔ یعنے جس پر موت کا حکم صادر ہوتا ہے۔ اُس کی روح کو روک رکھا جاتا ہے۔ اور جس پر موت کا حکم صادر نہیں ہوتا اُس کی روح کو واپس کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی موتی دنیا میں نہیں آسکتے۔ پھر مسیح جو حقیقی موت سے مرچکا ہے۔ وہ کیونکر آسکتا ہے۔

(۱۴) وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ٥ یعنے دوزخی لوگ درخواست کرینگے کہ ایک دفعہ پھر ہم دنیا میں جائیں۔ تاکہ ہم اپنے باطل معبودوں سے ایسے بیزار ہو جائیں جیسے وہ ہم سے بیزار ہیں لیکن وہ اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتتے رہینگے۔ اور اُن کو دوزخ سے نہیں نکالا جائیگا۔ پارہ ۲ رکوع ۴ +

(۱۵) وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ یعنے جو لوگ کہ دوزخ میں جاچکے ہیں وہ اب دوزخ

سے نہیں نکل سکیں گے پارہ ۱۴ رکوع ۴ +

(۱۶) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۵ پارہ ۶ رکوع ۱۰۔ وہ ارادہ کرینگے کہ آگ سے نکلیں لیکن وہ اُس سے نہیں نکلیں گے بلکہ وہ ایک دائمی عذاب میں رہینگے +

(۱۷) اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ۔ پارہ ۱۱۔ رکوع ۹ یہ لوگ تو جنتی ہیں۔ اور وہ جنت میں ہمیشہ رہینگے اِس سے صاف ظاہر ہے کہ جو ایک دفعہ بہشت میں داخل ہو گیا وہ پھر نہیں نکالا جاتا +

(۱۸) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ سورۃ الکہف رکوع ۱۲۔ جو لوگ ایمان لائے اور پھر نیک عمل کرتے رہے اُنکو فردوس بریں بطور ضیافت کے ملتا ہے۔ جن میں وہ ہمیشہ رہینگے اور وہاں سے نکلنا نہیں چاہینگے۔ اِس آیت سے بھی ظاہر ہے۔ کہ جو جنت میں داخل ہو گیا وہ اُس سے ہرگز نکلنا پسند نہیں کرتا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مسیح علیہ السلام کو برخلاف نص قرآنی دوبارہ لانے کی تجویز کی جائے +

(دوم) ثبوت از احادیث کہ مُردے دُنیا میں نہیں آتے

اب ہم وہ احادیث لکھتے ہیں جن سے منع رجوع الی الدنیا ثابت ہے +

(۱) امام احمد بن حنبل اور عبد بن حمید اور ابو یعلی اور شاشی اور طبرانی اپنی اپنی کتابوں میں جو اُن کے نام سے موسوم ہیں۔ اور حافظ سعید بن منصور سنن سعید بن منصور میں حدیث ذیل جابر بن عبد اللہ سے بیان کرتے ہیں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۸۱

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جابر کیا تجھ کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا۔ اور اُسکو کہا کہ اے عبد اللہ جو خواہش تمہیں محبوب ترین	یَا جَابِرُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَحْیَا اَبَاكَ فَقَالَ لَهٗ تَمَنَّ عَلَی اللّٰهِ مَا اَحْبَبْتَ فَقَالَ رُدَّ اِلَی الدُّنْیَا فَاُقْتَلَ مَرَّةً اُخْرٰی فَقَالَ اِنِّیْ قَضَیْتُ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ +

ہو اُسکو میرے سامنے پیش کر۔ تو اُس نے کہا کہ اے مولا مجھے دنیا کی طرف واپس کر تاکہ میں پھر

ایک دفعہ قتل کیا جاؤں تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو میرا قطعی حکم ہو چکا ہے کہ موتے دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجے جاتے +

(۲) ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی اپنے معجم طبرانی میں یہ حدیث لائے ہیں جس کے راوی جابر ہی ہیں دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ +

یَا جَابِرُ اَلَا اُبَشِّرُكَ بِبِشَارَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَحْيَا اَبَاكَ وَعَمَّكَ فَعَرَضَ عَلَيْهِمَا وَسَأَلُوا رَبَّهُمَا اَنْ يَرُدَّهُمَا اِلَى الدُّنْيَا فَقَالَ اِنِّي قَضَيْتُ فِي الْكِتَابِ اَنَّهُمْ اِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ ٥

یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر کیا میں تمہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے ایک بشارت نہ سناؤں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ اور تیرے چچا کو زندہ کرکے کہا کہ تم مجھ سے کچھ مانگو انہوں نے اپنے رب سے یہ مانگا۔ کہ ہم کو دنیا میں واپس بھیجدے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں قرآن شریف میں قطعی حکم صادر کر چکا ہوں کہ مردے پھر نہیں لوٹائے جائینگے +

(۳) حاکم اپنی کتاب مستدرک میں حضرت جابر سے یہ حدیث یوں بیان کرتے ہیں کنز العمال

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَحْيَا اَبَاكَ وَكَلَّمَهُ فَقَالَ لَهُ تَمَنَّ فَقَالَ اَتَمَنّٰى اَنْ تَرُدَّ رُوْحِي وَتُنْشِئَ خَلْقِي كَمَا كَانَ وَتَرْجِعَنِي اِلٰى نَبِيِّكَ فَاُقَاتِلَ فِي سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى فَقَالَ اِنِّي قَضَيْتُ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ٥

جلد ۲ صفحہ ۲۸۱۔ رسول اللہ نے جابر سے کہا کہ اے جابر اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کرکے اُس سے کلام کی۔ اور کہا کہ کوئی خواہش ظاہر کر اُس نے کہا میں یہ خواہش کرتا ہوں کہ میری روح کو واپس کر اور مجھے ویسا بنا دے جیسے میں پہلے تھا۔ اور مجھے اپنے نبی کے پاس واپس کردے تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ جہاد کروں۔ تو اسپر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ تو عہد ہو چکا ہے کہ مردے دوبارہ نہیں جاسکتے +

(۴) ابونعیم اصبہانی اپنی کتاب حلیہ ابونعیم میں حضرت عائشہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جابر سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کرکے اپنے سامنے بٹھا کر کہا کہ اے میرے بندے

یَا جَابِرُ اَبْشِرْ بِفَضْلٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَحْيَا اَبَاكَ فَاَقْعَدَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ تَمَنَّ عَلَيَّ عَبْدِي

تو جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دونگا۔ اُس نے کہا اے میرے رب میں نے تیری عبادت کا

مَاشِئْتَ اُعْطِكَهٗ قَالَ یَارَبِّ مَاعَبَدْتُکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ اَتَمَنّٰی عَلَیْکَ اَنْ تَرُدَّنِیْ اِلَی الدُّنْیَا فَاُقَاتِلَ مَعَ نَبِیِّکَ فَاُقْتَلَ فِیْکَ مَرَّۃً قَالَ اِنَّهٗ قَدْ سَلَفَ مِنِّیْ اِنَّکَ اِلَیْهَا لَا تَرْجِعُ ۔

حق جیسے چاہیئے تھا ادا نہیں کیا۔ اِس لیئے میں تیرے حضور میں یہ خواہش کرتا ہوں کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجدے تاکہ میں تیرے نبی کے ساتھ ہوکر جہاد کروں۔ اور تیرے ہی لئے ایک دفعہ پھر مارا جاؤں۔ اس پر اللہ نے کہا یہ بات تو نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ مجھ سے پہلے فیصلہ ہو چکا ہے کہ تو دنیا واپس نہیں جا سکتا دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۲ ۔

(۵) شرح مواہب لدنیہ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے ۔

رَوَی اَبُوْبَکْرِ بْنُ مَرْدُوْیَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا جَابِرُ اَلَا اُخْبِرُکَ مَا کَلَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحَدًا قَطُّ اِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَاَنَّهٗ کَلَّمَ اَبَاکَ فَقَالَ سَلْنِیْ اُعْطِکَ قَالَ اَسْئَلُکَ اَنْ تَرُدَّنِیْ اِلَی الدُّنْیَا فَاُقْتَلَ فِیْکَ ثَانِیَۃً فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّهٗ سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ اِلَی الدُّنْیَا قَالَ یَا رَبِّ مَا بَلِّغْ مَنْ وَّرَائِیْ ۔

ابوبکر بن مردویہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جابر کیا تجھے ایک خبر سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی سے بغیر حجاب کے ہرگز گفتگو نہیں کی لیکن تیرے باپ سے اللہ تعالیٰ نے بالمواجہ کلام کیا ہے اور کہا ہے مانگ میں تجھے دونگا جو کچھ تو مانگیگا تیرے باپ نے عرض کیا کہ میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دنیا میں واپس بھیجدے تاکہ میں دوبارہ جہاد کرکے تیری ہی خاطر شہید ہو جاؤں اس پر اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے ہی سے عہد کر چکا ہوں کہ جو مر جاتے ہیں اُن کو دوبارہ واپس دُنیا میں نہیں بھیجا جائیگا تو تیرے باپ نے کہا کہ اے میرے رب یہ خبر تو میرے پیچھے کسی کو نہیں پہنچی۔ دیکھو شرح مواہب لدنیہ علامہ زرقانی

(۶) امام محمد علی ترمذی اپنی کتاب صحیح ترمذی میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔ دیکھو کتاب سنن ترمذی

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا جَابِرُ مَالِیْ اَرَاکَ مُنْکَسِرًا قُلْتُ اُسْتُشْهِدَ اَبِیْ وَتَرَکَ عِیَالًا وَدَیْنًا قَالَ اَفَلَا اُبَشِّرُکَ بِمَا لَقِیَ اللّٰہُ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا کہ اے جابر کیا وجہ ہے کہ میں تجھ کو منکسر دیکھتا ہوں میں نے کہا کہ میرا باپ شہید ہو گیا اور کنبہ اور قرض چھوڑ گیا

بِهٖ اَبَاكَ قُلْتُ اِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ اَحَدًا قَطُّ اِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَاَحْیٰ اَبَاكَ تَكَلَّمَ كِفَاحًا قَالَ یَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِكَ قَالَ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلُ فِیْكَ ثَانِیَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّهٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ٭

ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں تجھے ایک خوشخبری نہ سناؤں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ سے سلوک کیا۔ میں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ مجھے سنائیے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی سے بغیر حجاب کے گفتگو نہیں کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کر کے آمنے سامنے کلام کیا اور فرمایا کہ اے میرے بندے تو کوئی خواہش میرے آگے بیان کر میں پوری کرونگا۔ اس نے کہا کہ مجھے دنیا کی زندگی عطا کر تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں جاکر شہید ہوں۔ رب تبارک وتعالےٰ نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کیونکہ میں پہلے حکم دے چکا ہوں۔ کہ مرے ہوئے واپس نہیں کئے جاتے اس حدیث کو مشکوٰۃ میں بھی درج کیا گیا ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ صفحہ وترمذی صفحہ

(۷) بخاری مصری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ یُحِبُّ اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَهٗ عَلَی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا الشَّهِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلَ عَشَرَ مَرَّاتٍ لِّمَا یَرٰی مِنَ الْكَرَامَةِ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ کہ کوئی آدمی ایسا نہیں کہ جو جنت میں داخل ہو جائے۔ پھر وہ اس بات کو پسند کرے کہ دنیا میں واپس لوٹایا جاوے کیونکہ زمین جنت سے بڑھکر کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جسکو وہ ترجیح دیتا ہو مگر شہید ایک انسان ہے جو دنیا میں واپس جانے کی خواہش کرتا ہے تاکہ وہ دس مرتبہ خدا کے رستہ میں قتل کیا جائے۔ اور یہ اسواسطے کہ وہ شہادت کی بزرگی کو بچشم خود دیکھ چکا ہے ٭

(۸) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر دُر المنثور میں حدیث بیان کرتے ہیں ٭

وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ فِیْ قَوْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ قَالَ لَمَّا دَخَلُوا الْجَنَّةَ وَرَاَوْا مَا فِیْهَا مِنَ الْكَرَامَةِ الشُّهَدَاءِ

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے آیت وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ کی نسبت روایت بیان کی ہے کہ اس نے کہا کہ جس وقت شہید جنت میں داخل ہوئے اور جو اکرام وعزت انکو حاصل

قَالُوا یَا لَیْتَ اِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ فِی الدُّنْیَا یَعْلَمُوْنَ مَا صِرْنَا فِیْہِ مِنَ الْکَرَامَۃِ فَاِذَا شَہِدُوا الْقِتَالَ بَاشَرُوْھَا بِاَنْفُسِہِمْ حَتّٰی یُسْتَشْہَدُوْا فَیُصِیْبُوْنَ مَا اَصَبْنَا مِنَ الْخَیْرِ اِلٰی اٰخِرِہٖ +

ہوئی تو دیکھ کر کہنے لگے ہائے افسوس ہمارے بھائی بھی جو دنیا میں ہیں اس کو جانتے کہ ہمیں کس قدر عزت اور درجہ ملا ہے اور جب لڑائی میں جاتے تو خوشی خوشی اپنی جانوں کو لڑاتے یہاں تک کہ شہید ہو جاتے۔ اور جو چیز ہم کو عطا ہوئی ہے اُن کو بھی نصیب ہوتی۔ دیکھو در المنثور جلد ۲ صفحہ ۹۶ و ۹۷ +

(۹) الدر المنثور جلد ۲ صفحہ ۹۷۔ احمد اور مسلم اور نسائی اور حاکم نے حضرت انس سے روایت

اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَالنَّسَائِیُّ وَالْحَاکِمُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَہٗ یَا ابْنَ اٰدَمَ کَیْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَکَ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ خَیْرَ مَنْزِلٍ فَیَقُوْلُ سَلْ وَتَمَنَّ فَیَقُوْلُ مَا اَسْاَلُکَ وَاَتَمَنّٰی اَسْاَلُکَ اَنْ تَرُدَّنِیْ اِلَی الدُّنْیَا فَاُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِکَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا رَاٰی مِنْ فَضْلِ الشَّہَادَۃِ قَالَ وَیُؤْتٰی بِالرَّجُلِ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ یَا ابْنَ اٰدَمَ کَیْفَ وَجَدْتَ مَنْزِلَکَ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ شَرَّ مَنْزِلٍ فَیَقُوْلُ فَتَفْتَدِیْ مِنْہُ بِطِلَاعِ الْاَرْضِ ذَھَبًا فَیَقُوْلُ نَعَمْ فَیَقُوْلُ کَذَبْتَ قَدْ سَاَلْتُکَ دُوْنَ ذٰلِکَ فَلَمْ تَفْعَلْ +

بیان کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی اہل جنت میں سے اللہ تعالے کے سامنے لایا جائیگا۔ اُس سے اللہ کہیگا کہ اے آدم زاد تو نے اپنے مقام کو کیسا پایا۔ وہ شخص کہیگا اے رب میں نے اپنے مقام کو بہت اچھا پایا۔ پھر اللہ کہیگا کہ کچھ مانگ اور خواہش ظاہر کر وہ آدمی کہیگا میں بجز اسکے اور کوئی خواہش نہیں رکھتا اور نہ کچھ اور مانگتا ہوں۔ کہ تو مجھ کو دنیا میں واپس کرے تاکہ میں تیری راہ میں دس دفعہ مارا جاؤں۔ یہ خواہش اس واسطے ہے کہ شہادت کی فضیلت کو بچشم خود ملاحظہ کر لیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ایک دوزخی حاضر کیا جائیگا اور اللہ اُس سے کہیگا اے بنی آدم کہو تو نے اپنی جگہ کو کیسا پایا۔ وہ کہیگا اے میرے رب نہایت بُری جگہ ہے پھر اللہ کہیگا کیا اس کے عوض زمین کے برابر سونا فدیہ دیگا۔ اُس نے کہا ہاں اللہ تعالیٰ کہیگا تو جھوٹ کہتا ہے۔ میں نے اُس سے بھی کم نہیں کہا تھا اور تو نے نہ کیا +

(۱۰) در المنثور جلد ۲ صفحہ ۹۸ میں احمد اور نسائی نے عبادہ بن صامت سے روایت بیان

وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ تَمُوْتُ وَلَهَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْکُمْ اِلَّا الْقَتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اَنْ یَّرْجِعَ فَیُقْتَلَ مَرَّةً اُخْرٰی ۔

کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ صفحہ دنیا پر ہیں جب وہ مرجاتے ہیں اور خدا کے ہاں اُن کو اچھی جگہ ملتی ہے۔ تو وہ ہمارے پاس واپس آنا پسند نہیں کرتے۔ مگر شہید جو اللہ کے راستہ میں مارا جائے وہ واپس آنے کو اس واسطے دوست رکھتا ہے کہ وہ ایک دفعہ پھر شہید ہو جائے ۔

(۱۱) احمد اور عبد بن حمید اور بخاری اور مسلم اور ترمذی اور بیہقی شعب میں انس سے روایت

وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَعَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ وَالْبُخَارِیُّ وَالْمُسْلِمُ وَالتِّرْمَذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الشُّعَبِ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَحَدٌ یَسُرُّہٗ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَہٗ عَشَرَۃُ اَمْثَالِهَا اِلَّا الشَّهِیْدَ فَاِنَّہٗ لَوْ رُدَّ اِلَی الدُّنْیَا عَشَرَ مَرَّاتٍ فَاسْتُشْهِدَ لِمَا یَرٰی مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ ۔

کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی جنتی ایسا نہیں کہ جو دنیا میں واپس آنے کو پسند کرتا ہو۔ حالانکہ اُس کو اس قسم کے دس جنت مل سکتے ہیں مگر شہید پسند کرتا ہے کہ اگر دس مرتبہ دنیا میں واپس جاؤں تو وہاں جاکر شہید ہی ہوں۔ کیونکہ اُس نے شہادت کی فضیلت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے دیکھو در المنثور صفحہ ۹۸ ۔

(۱۲) احمد اور نسائی نے ابن ابی عمیرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ عَنِ ابْنِ اَبِیْ عُمَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ یَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْکُمْ وَاَنَّ لَهَا الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا غَیْرُ الشَّهِیْدِ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ

نے کہا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کی روح قبض کی گئی ہو اس بات کو پسند کرے کہ وہ تمہارے پاس لوٹ کر آوے۔ حالانکہ دنیا اور مافیہا سب اُس کے لئے ہو مگر شہید پسند کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں مارے جانے کو زیادہ پسند کرتا ہوں

اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لِیْ اَھْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ +

بجائے اس کے دنیا میں مکان والے و خیمے والے میرے غلام ہوں دیکھو در المنثور جلد ۲ صفحہ ۹۹ +

(۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ +

جان ہے میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل ہونے پھر زندہ ہونے پھر قتل ہونے پھر زندہ ہونے پھر قتل ہونے پھر زندہ ہونے پھر قتل ہونے کو دوست رکھتا ہوں دیکھو بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۹ +

اِن تمام احادیث سے واضح ہے کہ مرتے دنیا میں نہیں بھیجے جاتے بلکہ جو جنت میں داخل ہو کر راحت کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ کب اس دار الابتلا میں آنا پسند کرتے ہیں۔ اور جو دوزخ میں ہیں وہ اس واسطے نہیں بھیجے جا سکتے کہ اُنکے لئے یہ دنیا جنت ہے جو مجرم ہو گیا وہ کب جا نکاہ عذاب سے نجات پا سکتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ کسی سے کرے اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ آپ نے احادیث متعددہ میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلا تحدید عبد اللہ سے جو جابر کے باپ ہیں بڑے رحم اور فضل سے کہا کہ تو جو کچھ چاہتا ہے مانگ میں تمہیں دونگا۔ اور جب اُس نے مانگا تو فرمایا کہ یہ منظور نہیں ہو سکتا۔ آپ خیال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا تھا کہ سوائے اِس بات کے اور جو تو مانگیگا تجھے دونگا۔ اس نے کوئی حد مقرر نہیں کی تھی۔ پھر اُس کے دینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کیا کرتا۔ کیا یہاں تخلف وعدہ نہیں ہوا ظاہر بین انسان کہہ سکتا ہے کہ اللہ نے عبد اللہ سے تخلفِ وعدہ کیا۔ لیکن جب انسان غور کرے تو اُسکو ایک سیکنڈ کے لئے بھی تخلفِ وعدہ کا گمان پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے سابقہ وعدہ کو یاد دلاتا ہے۔ کہ میں پہلے ہی عہد کر چکا ہوں کہ مرے ہوئے لوگوں کو دنیا میں کبھی نہیں بھیجا جائیگا اور عبد اللہ بھی اِس قانون کے اندر تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرما دیا ہے۔ حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ؏ پھر کیونکر اللہ تعالیٰ اُن کی درخواست کو منظور کر سکتا تھا۔ یہ سوال ہی قابل پذیرائی نہیں تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ اللہ ایسی اشد محبت اور رحمت کی حالت میں بھی کسی کو دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتا تو مسیح کی

نسبت خدا کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اُسکو دوبارہ بھیجے ؛

یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف میں جن احیاء موتٰے کا ذکر ہے اُس کے معنے حقیقی احیاء نہیں ہے۔ ورنہ یہ سب آیات اور احادیث غلط ٹھہرینگی۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہاں احیاء موتٰے کے کچھ اور معنے ہوں۔ یا تو مجازی معنے لئے جاسکیں جیسے کہ ذیل کی آیت میں پائے جاتے ہیں ؛

اَوَمَن کَانَ مَیتاً فَاَحْیَینٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوراً یَّمْشِی بِهٖ فِی النَّاسِ سورہ الانعام رکوع ۱۵ کیا ایک شخص جس کو ہم نے کفر کی موت سے نجات دیکر اسلام کی حیات بخشی اور ہم نے اُسکو اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے ایک نور بخشا ہے جسکو ساتھ لیکر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے ؛

دیکھو اس آیت میں مجازی معنے موت اور حیات کے لئے گئے ہیں کیونکہ کفر کی حالت کو اللہ تعالیٰ موت سے تعبیر کرتا ہے اور حالتِ اسلام کو حیات سے۔ اور کہتا ہے کہ کفر کی حالت میں انسان گویا مرا ہوا ہوتا ہے اور جب اسلام میں آتا ہے تو اُسکو ایک زندگی ملتی ہے اور ایک نور ملتا ہے جسکی وجہ سے ایک ممتاز زندگی پاتا ہے۔ دیکھو قرآن کریم سورۃ الانعام رکوع ۱۵۔ یا اس قسم کی حیات تسلیم کیجائیگی۔ جو انبیاء کے سلسلہ میں ہوتی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے یَاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیکُمْ پارہ ۹۔ رکوع ۷۔ یعنے اے لوگو اللہ اور رسول کی تابعداری میں جب رسول تم کو بلا دے تو دوڑ کر جاؤ تاکہ تمہیں زندگی عطا کرے۔ اِس آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردہ دلوں کو مردہ کہتا ہے۔ اور جب اُن کو ایمان حاصل ہوجاتا ہے تو پھر اُنکو زندہ کے لقب سے یاد کرتا ہے اور دوسری جگہ کفار کو مُردہ کہا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی یعنے یہ قرآن شریف تو مُردوں کو سُنا نہیں سکتا یعنے یہ کفار مُردہ ہیں یہ اس قرآن شریف کو سُنکر مستفید نہیں ہوسکتے۔ پس اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ثابت ہے کہ انبیاء جن مُردوں کو زندہ کرتے تھے وہ کافر ہوتے تھے۔ اور اُن کا زندہ ہونا اُن کا ایمان لانا تھا۔ اور یہ جو مسیح کے بارہ میں ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتا تھا۔ وہ مُردے اِسی قسم کے تھے جس قسم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ کرتے تھے۔ اور قرآن و حدیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح کا احیاء اموات کَاَحْیَاءِ اللہ تھا۔ مسیح جب ایک نبی تھا خدا نہیں تھا تو

جہاں تک نبوت کا مُردے سے تعلق ہے اُسی قدر حیات سے تعلق ہونا چاہیئے نہ یہ کہ خدا کیسی زندگی عطا کرنے والا سمجھا جائے۔ اس میں تو شرک لازم آتا ہے۔ اور خدا کہتا ہے کہ میں ہی خالق کل شئی ہوں۔ پھر کیونکر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو برخلاف دیگر انبیاء حتّٰی کہ خاتم النبیین وافضل المرسلین کے برخلاف ہی اپنی خدائی سے کچھ دیدیا تھا۔ اور سب نبیوں کو اُس سے محروم رکھا۔ یہ خیال علماء کا سراسر باطل ہے۔ حقیقی موتیٰ کو کوئی حقیقی زندگی بجز اللہ تعالیٰ کے عطا نہیں کر سکتا +

اقوالِ علماء دین سے بھی رجعت موتیٰ ثابت نہیں

(۱) ہدیہ مہدیہ میں لکھا ہے +

عقیدۂ ششم۔ مُردوں کو قیامت سے پہلے دنیا کا لوٹنا رجوع ہونا نہیں ہے لیکن کل امامیہ اور بعض فریق اور بھی روافض سے بعض مُردوں کے لوٹنے کے قایل ہیں اور کہتے ہیں پیغمبر اور وصی اور امام حسن حسین اور اُن کے دشمن یعنے خلفائے ثلثہ اور معاویہ اور یزید اور مروان اور ا ور آئمہ اور آئمہ کے قاتل بعد ظہور مہدی کے سب زندہ ہونگے اور حادثۂ دجال سے پہلے ان سب تقصیر واروں کو سزا واقع ہوگی اور قصاص لینگے پھر مرجائینگے اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونگے۔ یہ عقیدہ صریح مخالف کتاب کے ہے کہ بہت سی آیتوں میں لوٹنے کو باطل کہا ہے۔ دیکھو ہدیہ مہدیہ یہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ مولوی عبد المجید خان مطبوعہ مطبع مصطفائی باب پنجم صفحہ ۲۹۲ +

(۲) جواب السائلین میں لکھا ہے۔ **سوال**۔ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ آدمی دنیا میں مر کر پھر زندہ ہوتا ہے یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ **جواب**۔ جھوٹ ہے۔ مرا ہوا قیامت تک نہ اُٹھیگا اور نہ زندہ ہوگا جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے" اٹھارھویں سیپارہ سورہ مومنون کے آخر رکوع میں حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ دیکھو کتاب جواب السائلین مؤلفہ لال محمد مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۸۸۴ء صفحہ ۵۱ +

(۳) تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ عقیدۂ رجعت

کتاب اللہ کے مخالف ہے۔ قرآن کریم نے رجعت کو آیاتِ کثیرہ سے باطل ٹھہرایا ہے شیعہ کو یہ بات
کہنے کی بھی جگہ نہیں کہ عمل صالح کے لیے تو رجعت محال ہے مگر قصاص اور اجرائے حد
و تعذیر کے لئے محال نہیں کیونکہ آیت مطلق ہے نہ اس طرح مردہ زندہ ہو کر آسکتا ہے نہ اُس
طرح۔ دیکھو تحفہ اثنا عشریہ باب ہشتم عقیدہ ہشتم +

(۴) امام ربانی مجدد الف ثانی بھی احیاء موتیٰ حقیقی کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں

بدانکہ گفتہ اند اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ احیاء و اماتت
از لوازم مقام شیخ ست مراد از احیا احیائے
روحی ست نہ جسمی و ہمچنیں مراد از اماتت
روحی ست نہ جسمی و مراد از حیات و موت فنا
و بقا است کہ بمقام ولایت و کمال میرساند
و شیخ مقید باذن اللہ سبحانہ متکفل این
ہر دو امر ست۔ پس شیخ را ازیں احیا و اماتت
چارہ نباشد معنے یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ۔ یُبْقِیْ وَیُفْنِیْ
احیا و اماتت جسمی را منصب شیخے نازے نیست

معلوم رہے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ زندہ
بھی کرتا ہے اور مار بھی ڈالتا ہے اس لئے مارنا
اور جلانا شیخ کے مقام کے لوازمات سے ہے
احیاء سے مراد احیائے روحی ہے یعنے روح کو
زندہ کرتا ہے نہ جسم کو اور حیات اور موت سے
مراد فنا و بقا سے ہے جو ولایت اور کمال کے
مقام پر پہنچا دیتا ہے اور شیخ اللہ تعالیٰ کے اذن
کے ماتحت اِن ہر دو باتوں کا ذمہ وار ہے۔ پس
شیخ کو اس قسم کے احیاء و اماتت سے چارہ نہیں
یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ کے معنے باقی رکھنا اور فنا کرنا ہے۔ جسمی احیا و اماتت کیلئے شیخ کو کوئی منصب
حاصل نہیں ہے۔ دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۹۲ +

(۵) ابو محمد عبد الحق دہلوی لکھتے ہیں۔ وَمِنْ وَّرَآئِہِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○
یعنے قیامت تک مُردوں میں ایک حجاب رکھا ہوا ہے کہ اُس کے سبب پھر کے نہیں
آتے وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَہْلَکْنٰہَآ اَنَّہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ یعنے جس قریہ کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے
اُس پر پھر آنا حرام ہے اس امر میں احادیث بھی بکثرت وارد ہیں اور اہل اسلام میں سے
کوئی فرقہ اس کا قائل بھی نہیں ہے۔ دیکھو عقائد الاسلام مصنفہ مولوی ابو محمد عبد الحق دہلوی
مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۱۷۹ +

اٹھارھویں فصل

اِس بارہ میں کہ کہیں بھی ثبوت نہیں کہ مُردہ دوبارہ کبھی عالمِ برزخ سے دار الفنا میں آئے ہوں

جب ہم قرآن شریف پر نظرِ عمیق سے دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر اہم امور جو انسانی ضروریات کے لئے اشد ضروری تھے سب کے سب اپنی کلام پاک میں مفصل و مشرح بیان کر دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کے مرنے کے وقت کی وصیت اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کے متروکہ کی تقسیم کی پوری ہدایت کر دی ہے کہ اس طرح تقسیم ہوا کرے اور نیز یہ بتا دیا کہ اُس کی جورو کب تک اُس کے مرنے کے بعد عدت میں رہے الغرض موتیٰ کے متعلق جس قدر تمدنی زندگی کے لئے اِنسان کو حاجت تھی اور جن میں بصورت نہ ہونے ایسی ہدایات کے فساد کا احتمال تھا بہت کچھ بیان کر دیا ہے لیکن اگر سنت اللہ میں مُردوں کا کسی پیغمبر یا ولی کی دعا سے بطور معجزہ یا کرامت زندہ ہونا مسلّم و متعین تھا تو جہاں مُتوفّی کی وراثت کی تقسیم اور اُس کی بیوہ کے نکاح کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ بھی قاعدہ بیان فرما دیتا کہ اگر کوئی مرا ہوا کسی بزرگ کی دعا سے زندہ ہو جائے تو پھر اُس کا تقسیم شدہ مال یوں واپس کیا جائے۔ اور اس کی جورو جو عدتِ مقررہ کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کر چکی ہو۔ تو اُس کو کس طرح واپس ہونا چاہیئے جب خدا نے ضروری مسائل بیان کر دیئے تھے تو یہ مسئلہ تو ایک مشکل اور پیچیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو کیونکر بغیر تصفیہ چھوڑ سکتا تھا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس امر کا بیان کرنا بھول گیا مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ؕ خدا تو ہرگز بھولا نہیں کرتا۔ یوں لوگوں کی اپنی نافہمی اور بے عقلی ہے۔ کہ اُنہوں نے خلافِ قانونِ قدرت اپنے وہم سے یہ بات پیدا کر لی ہے کہ مُردے بھی زندہ ہوتے ہیں اگر یہ بات یقینی ہوتی کہ مُردے زندہ ہو کر آجایا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ کو ازبس ضروری تھا کہ اس مسئلہ کو قرآنِ شریف میں بیان فرماتا۔ جب اُس نے

اُس کا ذرہ بھی ذکر نہیں کیا تو پھر یہی ماننا پڑا کہ کوئی مُردہ زندہ ہو کر نہیں آتا۔

(۲) بفرضِ محال اِس مسئلہ کو بوجہ نادر ہونے کے عام قاعدہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو فرض تھا کہ اُس مسئلہ کو کھول کر بیان فرما دیتے۔ لیکن جہاں تک احادیثِ صحیحہ نبویہ (علیہ الف الف سلام) کا مطالعہ کیا گیا تو کہیں بھی اس امر کا اشارہ تک نہیں ملا کہ مُردہ زندہ ہو کر آجایا کرتا ہے تو پھر کیونکر مان لیں کہ آئندہ بھی مُردے زندہ ہوا کرینگے۔ چونکہ وہ تو افضل الرسل تھے۔ اور تمام انبیاء کے صفاتِ مختلفہ کے جامع تھے تو چاہیئے تھا۔ کہ جیسے اور انبیاء کی نسبت مردہ زندہ کرنے کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اِن سے بھی کوئی مُردہ زندہ ہوتا۔ اور جب وہ بذاتِ خود اس امر کے دیکھنے والے ہوتے تو ضرور یہ قاعدہ بھی مقرر کرتے کہ جب کوئی آدمی مرجائے اور وہ مال اور جورئیں چھوڑ جائے تو اس کا تقسیم شدہ ورثہ اور اس کی دوسرے شخص کے نکاح میں آئی ہوئی عورتیں کیونکر واپس ہوں۔ لیکن دنیا بھر کی کتب احادیث سے ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس میں اس قاعدہ کو بیان فرمایا گیا ہو۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ کوئی مُردہ زندہ ہو کر نہیں آتا۔ یہ لوگوں نے جھوٹے قصے اور افسانے بنا رکھے ہیں۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔

(۳) آثارِ صحابہ سے بھی کوئی تصدیق اس امر کی نہیں ہوتی۔ حالانکہ بہت سے خوارق اُن سے ظہور میں آئے۔ اور نہ خلفاء اربعہ کو اس قسم کا کوئی مقدمہ پیش آیا کہ فلاں شخص مر گیا تھا۔ اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کے ورثا میں اُس کا متروکہ مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اور اُسکی جورو عدت کے بعد فلاں شخص سے نکاح کر چکی ہے۔ مگر اب وہ دوبارہ زندہ ہو کر آگیا ہے۔ اُسکے مال اور اُس کی جورو کے متعلق کیا کارروائی ہونی چاہیئے۔ جہاں تک کتابوں کی ورق گردانی کی گئی اور صحابہ کے آثار پر غور کیا گیا کہیں بھی ایک ذرہ بھر اس امر کا اشارہ نہیں پایا جاتا کہ کسی مُردہ کے ورثاء کا مقدمہ پیش ہوا ہو کہ فلاں مردہ زندہ ہو کر آگیا ہے اب مقسوم مال و منکوحہ عورتوں کا کیا بندوبست ہو۔ جب ایسا کوئی ثبوت نہیں تو ضرور اے علماء وقت خدا را اِس بات کو تسلیم کرلو کہ مُردوں کا زندہ ہونا ایک بے بنیاد بات ہے۔ ورنہ حضرت عمر وغیرہ جیسے بزرگ مقنن و منتظم ایسے اہم امر سے کیونکر فروگذاشت کرنے والے تھے۔ جبکہ اُنہوں نے بیسیوں ایسے انتظام کئے جو زمانہ سابق میں نہیں تھے۔ تو پھر ماننا پڑیگا کہ مُردے زندہ نہیں ہوا کرتے

(۴) اب ہم مجتہدوں کے زمانہ پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا اُن کے مجتہدات میں اس قسم کا کوئی مسئلہ ہے اور کیا اُن کو اپنے زمانہ حیات میں اس قسم کا کوئی مقدمہ پیش آیا تو ہمیں اُن کی کتب سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملا۔ اب ہم تفصیل وار ہر ایک مجتہد کا حال لکھتے ہیں دیکھو اور غور کرو۔ کتاب مبسوط میں جو شمس الدین سرخی نے لکھی ہے اور جس میں کل مجتہدوں کے اقوال جمع کیے ہیں کوئی قول یا مقدمہ متوفی کے زندہ ہونے اور اُس کے متروکہ مال و ازواج کے متعلق جبکہ وہ دیگر ورثاء کے قبضہ میں جا چکے ہوں درج نہیں ہے

ایسا ہی مُدَوَّنَۃُ الکُبْرٰی جو مالکیوں کی ایک بڑی ضخیم کتاب ہے جس میں امام مالک کے کل اقوال و مجتہداتِ درج ہیں کہیں بھی اس قسم کا ثبوت نہیں ملتا۔

ایسا ہی اُمِ شافعی میں جو شافعیوں کی ایک بہت بڑی فقہ کی کتاب ہے اور جس میں کل اقوال و مجتہدات امام شافعی درج ہیں اس قسم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کوئی مردہ زندہ ہوا ہو اور اُس کے متروکہ وغیرہ کا کیونکر تصفیہ کیا گیا ہو۔

(۵) علماء حنفیہ نے جنہوں نے ہزارہا کتبِ فقہ بڑی بڑی ضخیم مجلدات میں لکھی ہیں اور جنہوں نے کوئی خفیف سے خفیف امر بھی نہیں چھوڑا۔ حتٰی کہ پیشاب اور پاخانہ اور اُن کے ایک ایک قطرہ تک پر بحث کی ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں مُردوں کے زندہ ہو جانے کے بعد اُس کی وراثت و ازواج کے متعلق کوئی باب نہیں باندھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن بزرگان دین کے نزدیک کوئی مُردہ زندہ نہیں ہوا کرتا۔ اگر اسکا کوئی وقوعہ بھی ہوتا تو کبھی بھی یہ بزرگ ایک لمحہ کے لیے نہ چُوکتے۔ اور ضرور ایک باب باندھتے۔ خواہ یہ بات نادر ہی کیوں نہ ہوتی لیکن جب اُنہوں نے ایسا نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ کوئی مُردہ زندہ ہو کر اپنے گھر نہیں آیا کرتا۔

(۶) اگر علماء حنفیہ سے اس بارہ میں چُوک ہو گئی تھی یا اُن کے اپنے اعتقاد میں مُردہ زندہ ہو کر نہ آتے ہوں اور اسی وجہ سے اُنہوں نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر بحث نہ کی ہو لیکن علماء مالکیہ جو حنفیہ کے مسایل میں بہت بڑا اختلاف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کو ضرور بیان فرماتے۔ اور علماء حنفیہ کو متہم کرتے کہ ایسے ضروری اور اہم مسئلہ کو اُنہوں نے کیوں ترک کر دیا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ علماء مالکی نے اس بارہ میں کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ کوئی اُس کے متعلق باب باندھا جس

سے صریح پایا جاتا ہے کہ مالکیوں کے نزدیک بھی مُردہ زندہ ہو کر نہیں آیا کرتے +

(۷) اگر علماء مالکیہ بھی خواہ بروئے اعتقاد خواہ بوجہ سہو یا خطا اس مسئلہ میں ساکت رہے تو علماء و فقہا شافعیہ جنہوں نے ہر دو مذاہب بالا کے مجتہدات کے خلاف بہت کچھ بیان کیا ہے اور اُن کے حلال کردہ کو حرام۔ اور حرام کردہ کو حلال قرار دیا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں انہوں نے بھی کوئی گفتگو نہیں کی اور نہ اپنی فقہ کی کتابوں میں اس کے متعلق کوئی باب درج کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مذہب کے نزدیک بھی مردہ زندہ ہو کر نہیں آیا کرتے۔ ورنہ وہ ضرور اس مسئلہ پر قلم فرسائی کرتے اور کوئی قطعی فیصلہ لکھتے۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ لہذا ماننا پڑا کہ اُن کے نزدیک بھی مُردہ زندہ نہیں ہوا کرتے +

(۸) اگر یہ بھی مان لیں کہ علماء حنفیہ و علماء مالکیہ و علماء شافعیہ اس مسئلہ میں بھول گئے یا یہ کہ اعتقاداً وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ تو فقہائے حنبلیہ تو ضرور اس مسئلہ پر بحث کرتے۔ کیونکہ یہ فرقہ اپنا عملدرآمد زیادہ تر حدیث کو قرار دیتا ہے لیکن جہاں تک تحقیقات کی گئی یہی ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں وہ بھی ساکت ہیں۔ تو ایسی حالت میں بجز اس کے اور کیا تصور ہوسکتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی کوئی مُردہ زندہ نہیں ہوا کرتا اگر زندہ ہونا عادت اللہ میں داخل ہوتا تو ضرور اس مسئلہ کے متعلق کوئی نہ کوئی فقیہہ ضرور بحث کرتا۔ جب نہیں کی تو ثابت ہوا کہ مُردہ زندہ نہیں ہوا کرتا +

(۹) اگر قرآن اور حدیث اور آئمہ مجتہدین اس بارہ میں خاموش تھے۔ تو ایک غوث جسکو غوث الاعظم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جن کے نام سے ہزارہا مُردوں کا زندہ کرنا منسوب کیا جاتا ہے۔ یعنے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو واقعی ایک بہت بڑے کامل اولیا اللہ میں سے ہیں۔ وہ بقول عوام لوگوں کے خیال اور اعتقاد کے اس معاملہ میں چونکہ صاحب تجربہ تھے وہ تو اس مسئلہ پر بحث کرتے۔ کیونکہ اُنہوں نے بھی چند کتابیں مسائل دینی پر لکھی ہیں۔ اور ضرور اُن کو اپنے زمانہ میں اس قسم کا مقدمہ پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ جب خود اُنہوں نے ہزار ہا روحوں کو زنبیل ملک الموت سے نکال لیا تھا۔ اور بارہ برس کی غرق شدہ برات کو زندہ کیا تھا۔ تو اُن کے پس ماندگان کو اُن کی وراثت کے متعلق ضرور تنازع ہوا ہوگا اور اُنکی جورُوئیں دوسرے خاوندوں سے اولاد بھی لے چکی ہونگی۔ اور اُن کے مال خورد بُرد

بھی ہو گئے ہونگے۔ تو ایسی حالت میں کیونکر ایک جمِ غفیر خاموش ہو گیا ہو گا۔ اور ظن غالب ہے کہ وہ لوگ ضرور اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے ہونگے کیونکہ ۱۲ سال کے بعد زندہ ہوئے تھے اور جب وہ گھر پر جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ نہ اُن کو رہنے کو مکان اور نہ معاشرت کے لیئے اُن کی جورویئں ہیں کیونکہ وہ تو دوسروں کے نکاح میں آچکی تھیں اور صاحبِ اولاد ہو چکیں تھیں اور جائداد بھی خورد برد کر چکی تھیں تو انہوں نے ضرور بر ضرور پیران پیر کے پاس جا کر واویلا کیا ہو گا اور زور ڈالا ہو گا کہ جب آپ نے ہم کو زندہ کیا ہے تو بتاؤ اب ہم کہاں جائیں اور کیا کریں ہمارے مال و منال اور ازواج تو دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے یا تو ہمیں واپس دلاؤ ورنہ ہم تو نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ ہمارا جینا موت سے بدتر ہو گیا کیونکہ ہمارے سامنے لوگ ہماری جائیدادوں اور ہماری جورووں پر قابض ہیں اور وہ ناجائز طور سے نہیں بلکہ شریعت کے رو سے اور ہمارا فیصلہ نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں اور نہ علماء مجتہدین نے کچھ لکھا ہے۔ اب ہماری کون سنتا ہے آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس قدر شہرت کے ہمیں ایک نظیر بھی اُن کی زندگی میں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ کبھی کسی نے ایسا مقدمہ اُنکی خدمت میں یا اُن کے جانشین کی خدمت میں پیش کیا اور فیصلہ کرایا ہو پس جب ثابت ہوا کہ اس قسم کے مقدمہ کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑا کہ سید عبدالقادر جیلانی کی نسبت جس قدر احیاء موتے کے متعلق قصے اور افسانے مشہور کیئے جاتے ہیں یہ سب افترا اور یاوہ گو لوگوں کی بناوٹیں ہیں۔ جو جاہل لوگوں کے سنانے اور اُن کی جیبیں خالی کرنے کے لئے اختراع کئے گئے ہیں۔ ورنہ حضرت عبدالقادر جیلانی جیسے بزرگ اور عالم کب ایسے ضروری مسئلہ سے خاموشی اختیار کرتے۔ لہذا یہ ماننا پڑا کہ کوئی مُردہ زندہ ہو کر نہیں آیا کرتا +

(۱۰) علاوہ ان کے لاکھوں اولیاء اللہ اس امتِ مرحومہ میں ہوئے ہیں۔ اور لاکھوں علماء اُن کے معتقد بھی تھے لیکن آجتک کسی عالم ثقہ نے گواہی نہیں دی کہ فلاں بزرگ کی برکتِ دعا سے فلاں مردہ زندہ ہو کر اپنے گھر میں آباد ہو گیا تھا۔ اور اُس کی جورو یا اُس کے مال کا انتظام یوں ہوا تھا۔ ایک نظیر بھی اس قسم کی نہیں ملتی۔ تو پھر کیونکر مان لیں کہ کوئی

مُردہ زندہ ہوکر دوبارہ آجایا کرتا ہے +

(۱۱) علماء کے سوا ہزارہا صوفیا بھی ہوئے ہیں جن کی نسبت بیان کیا گیا تھا کہ وہ اس قسم کے احیاء موتے کیا کرتے تھے۔ مگر ان میں سے ایک کی بھی شہادتِ صحیحہ نہیں ملتی کہ اُنہوں نے کسی حقیقی مُردہ کو جسے خدا نے مار دیا تھا۔ اپنی تدبیر یا دُعا سے جلا دیا۔ اور پھر وہ اپنے گھر میں آنکر آباد ہوگیا۔ جب کوئی شہادت نہیں ملتی تو ثابت ہوا کہ احیاء موتیٰ کے متعلق سب قصے جھوٹے اور بے بنیاد ہیں +

چنانچہ حضرت سعدی شیرازی گلستان میں فرماتے ہیں +

قطعہ

دہ کہ گر مُردہ باز گردیدے بسرائے قبیلہ و پیوند	اگر مُردہ کہتے ہیں پھر آسکتا تو اُس کے ورثا کو
ردِ میراث سخت تر بودے وارثان را زمرگِ خویشاوند	اُس کے مال میراث کا لوٹا دینا اُس کی موت سے سخت تر محسوس ہوتا۔ دیکھو گلستان باب

سوم حکایت مالدارے راشنیدم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ بھی احیاء موتیٰ کے قابل نہیں تھے +

اُنیسویں فصل

اس بارہ میں کہ قرآن شریف میں جن موتیٰ کے احیاء کا ذکر ہے اُسکے کیا معنے ہیں

ہاں یہاں پر ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ کہ اگر کوئی مُردہ زندہ نہیں ہوسکتا تو پھر قرآن شریف کی آیاتِ ذیل سے کیا مراد ہے جو تعداد میں پانچ ہیں +

(۱) وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ پارہ سوم سورۃ البقرۃ رکوع ۶ +

(۲) وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ پارہ اول سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۶+

(۳) اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا ج قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا ج فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ط قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ ج وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ پارہ سوم سورۃ البقرۃ رکوع ۳۵+

(۴) اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ

پارہ دوم سورۃ البقرۃ رکوع ۳۲+

(۵) وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْھَا ط وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْہُ بِبَعْضِھَا ط کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ سورۃ البقرۃ رکوع ۹

قرآن شریف میں یہ پانچ آیات ہیں جن سے لوگ استدلال پکڑتے ہیں کہ مردہ زندہ ہوجاتے ہیں مگر ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ خیال لوگوں کا بوجوہات ذیل غلط ہے +

اوّل۔ قرآن کریم کے دیگر مقامات پر ہم ثابت کرچکے ہیں کہ مُردہ زندہ ہوکر نہیں آیا کرتے چنانچہ آیت حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ وغیرہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ موتیٰ کو زندہ نہیں کیا کرتا۔ اور اُس کی تائید میں کثیر التعداد احادیث بھی بیان کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بڑے پیاروں کو اس امر کا وعدہ دیکر کہ مانگو تم کو سب کچھ تمہاری خواہش کے مطابق دیا جاویگا۔ مگر جب اُنہوں نے دُنیا میں واپس آنا چاہا تو قَدْ سَبَقَتْ مِنِّیْ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ جواب دیکر کہا کہ یہ میرے وعدہ کے خلاف ہے یہ منظور نہیں ہوسکتا جب قرآن اور حدیث سے مُردوں کے آنے یا زندہ ہونے کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر کیونکر ان آیات میں اُن کے خلاف معنے لئے جاسکتے ہیں +

دوم۔ اگر موتیٰ کے زندہ کرنے کے معنے لئے جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرمانا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنے اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کیا کرتا خلاف ہوجاتا ہے اور آیت مذکرہ

بالا میں تو یہاں موکّد بقسم وعدہ کیا ہے کہ میتے مُردوں کو دُنیا میں دوبارہ زندہ کرنے کو حرام کر دیا ہے جب قسمیہ طور سے وعدہ کر چکا ہے تو پھر کیونکر اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کو پسند کر سکتا ہے +

سوم۔ اگر یہ مان لیں کہ ہاں عام طور سے مُردہ زندہ کرنے کی عادت اللہ تو نہیں۔ مگر خاص خاص موقع پر معجزہ یا کرامت نمائی کے لئے اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کر دیا کرتا ہے اگر اسکو مان لیں تو پھر اُس کا یہ قانون بموجب آیۃ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ؕ یعنے اگر قرآن شریف خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اُس میں بڑا اختلاف پایا جاتا ٹوٹ جاتا ہے اور سخت اختلاف پیدا ہوتا ہے بلکہ ایک بڑا فتور پیدا ہوتا ہے ایک جگہ تو کہے کہ ہم ہرگز مرے ہوؤں کو زندہ نہیں کرتے۔ اور دوسری جگہ کہدے کہ فلاں فلاں موقع پر ہم نے مُردے زندہ کر دئے۔ پھر تو خود اللہ تعالیٰ ہی کے کلام پاک پر کیا اعتبار رہ سکتا ہے بلکہ انسانی کلام سے بھی اُس کا درجہ کم رہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ پاک اور منزّہ ہے ان سب نقصانات سے پاک و منزّہ ہے وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ اس کی باتیں سب پختہ اور پُر حکمت ہیں اور اُن میں ہرگز اختلاف نہیں۔ یہ انسان ضعیف البنیان کی اپنی سمجھ کا گھاٹا ہے کہ وہ اپنی بے سمجھی سے ایسا خیال کر لیتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے محکم نظام میں کوئی بھی بات ایسی نہیں جو حرف گیری کے لائق ہو۔ لہذا اس اختلاف کے دور کرنے کے لئے جب ہم قرآن شریف اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کرتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ موت کے معنے صرف وفات حقیقی کے نہیں بلکہ اور معانی بھی ہیں۔ چنانچہ ہم ذیل میں اُنکی فہرست دکھاتے ہیں:۔

لفظ موت کے معانی مختلف ہیں

(۱) موت بمعنے نوم۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا۔ اَیْ اَنَامَنَا۔ یعنے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بعد سُلانے کے زندہ کیا +

(۲) موت بمعنے سکون کَمَاتَتِ الرِّیْحُ یعنے عرب میں موت کے دوسرے معنے سکون کے ہیں۔ جیسے ہوا ٹھہر گئی +

(۳) موت بمعنے فقدانِ قوتِ نامیہ کَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْضَ مَوْتِہَا۔ جیسے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ یہاں موت کے معنے قوت نمو کے نہ ہونے کو موت کہتے ہیں +

(۴) موت بمعنے زوالِ قوتِ حسیہ جیسے یَالَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا یعنے کاش میں اس سے پہلے بےحس ہو جاتی +

(۵) موت بمعنے زوالِ قوتِ عقلیہ وَھِیَ الْجَہْلُ جیسے وَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ یعنے جو جاہل تھا اسکو عقل عطا کی +

(۶) بمعنے حزن اور خوف۔ جیسے یَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ یعنے ہر مکان سے اُس کو خوف اور حزن طاری ہوتا ہے +

(۷) بمعنے منام یعنے نیند۔ جیسے اَلَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا یعنے جو اپنی نیند نہ مرا اور کہتے ہیں کہ اَلْمَنَامُ الْمَوْتُ الْخَفِیْفُ۔ منام ہلکی موت کو کہتے ہیں +

(۸) احوال شاقہ پر بھی موت کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے اَوَّلُ مَنْ مَاتَ اِبْلِیْسُ لِاَنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ عَصٰے۔ سب سے پہلے جس پر سخت مصیبت آئی وہ ابلیس تھا۔ کیونکہ سب سے پہلے نافرمانی کا مرتکب ہوا +

(۹) فقر پر بھی موت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے فَقَالَ اَمَا نَعْلَمُ اَنَّ مَنْ اَفْقَرْنَاہُ فَقَدْ اَمِتْنَاہُ کیا تو نہیں جانتا جسکو میں نے فقیر کر دیا اُس کو میں نے محتاجی میں گرفتار کر لیا +

(۱۰) ذلت پر بھی آتا ہے۔ جیسے کَانَتِ الْوَاقِعَۃُ مَوْتًا لَہٗ۔ یہ واقعہ اُسکے لئے ذلت کی موت تھی +

(۱۱) سوال پر بھی آتا ہے +

(۱۲) بڑھاپے پر بھی آتا ہے +

(۱۳) معصیت کے واسطے بھی موت کا لفظ آتا ہے +

(۱۴) جنون اور صرع پر اس کا اطلاق آتا ہے۔ دیکھو مجمع البحار جلد دوم مصنفہ امام محمد طاہر گجراتی صفحہ ۳۲۰-۳۲۱ +

جب لغت عرب سے موت کے لفظ سے ۱۴ معانی ثابت ہوتے ہیں۔ تو پھر کیونکر قرآن شریف میں موت کے معنے صرف مرگ یعنے وفات کے لئے جائیں۔ جب ہمیں دیگر نصوصِ صریحہ سے

ثابت ہو گیا کہ مرے ہوئے دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ تو پھر دیکھنا چاہئیے کہ ان پانچ مقامات پر سوائے موتِ متعارف کے کوئی اور معنے بھی بن سکتے ہیں تاکہ دیگر آیات قرآنی کے مخالف نہ ہوں بلکہ مطابق ہوں +

اب ہم اس بنا پر آیاتِ زیرِ بحث پر گفتگو کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ یہاں موت بمعنے مرگ ثابت نہیں ہوتی بلکہ اُن کے اور معنے ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا ہم ایک ایک آیت پر الگ الگ بحث کرتے ہیں +

(۱) آیت اول یہ ہے۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

ترجمہ اسکا یوں ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے بجواب کہا کہ کیا تو ایمان نہیں رکھتا۔ کہا کہ ہاں ایمان تو رکھتا ہوں لیکن میں دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا چار پرندے لو۔ اور اُن کو اپنے ساتھ ہلا لو۔ پھر جب ہل جائیں تو ہر ایک کو اُن میں سے ایک ایک پہاڑ پر بٹھاؤ۔ پھر تم اُن کو بلاؤ۔ وہ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئینگے۔ اور پھر اسوقت جان لیجیو کہ اللہ عزیز حکیم ہے یعنے سب پر اپنی ربوبیت عامہ کی وجہ سے غالب اور ممتاز ہے۔ اور وہ حکمت والا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جو ایک عظیم الشان نبی ہیں وہ عالمِ ارواح کے متعلق سوال کر کے اپنا اطمینان چاہتے ہیں۔ اور خود عالم کون وفساد میں ہیں۔ اگر اس کے معنے یہ لئے جائیں کہ مُردوں کو اپنی آنکھوں سے زندہ ہونا دیکھنا چاہتے تھے تو یہ امر تو قرین قیاس نہیں کیونکہ نبی کی شان سے جو نہایت ہی باریک اور دوربین عقل رکھتے تھے ایسا سوال کرنا بعید ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے کسی صورت میں اپنی تسلی چاہتے تھے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا کہ اے ابراہیمؑ تو چار پرندوں کو لیکر اُن کو دانہ روزمرہ ڈالکر اپنے اوپر ہلالے جیسے لوگ پرندوں کو ہلاتے ہیں۔ اور جب وہ ہل جائیں تو ہر ایک کو الگ الگ پہاڑ پر بٹھا کر آواز دیکر بلا وہ سب تیری طرف دوڑتے ہوئے چلیں آئینگے اس مثال سے یہ سمجھانا مراد تھا کہ دیکھو اے ابراہیم دانہ کا تو خالق نہیں۔ اور نہ پرندوں کا خالق ہے۔ دونوں چیزیں میری ہی مخلوق ہیں سگر تو نے اُنکو

میری ہی پیدا کردہ چیزیں کھلا کر ایسا احسان کا گرویدہ بنا لیا ہے کہ جب تم اُن کو بلاتے ہو تو وہ تیری آواز سنکر وہ تیری طرف فوراً دوڑے چلے آتے ہیں اور میں جو رب العالمین ہوں اور ہر ایک ذرہ ذرہ کو میں نے پیدا کیا ہے اور ہر ایک چیز کی ربوبیت میں ہی کرتا ہوں اور ہر ایک چیز کے ذرہ ذرہ پر میرا تصرف و احسان ہے تو پھر جب میں بلاؤنگا تو وہ کیونکر میرے پاس نہ آئینگے۔ جب تیرے عارضی احسان سے تیری نافرمانی نہیں کرتے تو میرے ابدی اور لازوال احسان سے کیونکر روگردانی کر سکتے ہیں۔ اس مثال سے حشرِ اجساد کا ثبوت حضرت ابراہیم کو دیا گیا ہے +

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ تفاسیر میں صُرْهُنَّ اِلَيْكَ کے معنے کوٹنے اور قیمہ قیمہ کرنے کے آئے ہیں یہاں آپ نے ہلانے کے معنے کہاں سے نکال لئے۔ سو واضح ہو کہ اس میں کلام نہیں کہ لُغت عرب میں صَرٌ کے معنے کوٹنے کے بھی ہیں اور ہلانے کے بھی ہیں اور یہاں تو صُرْهُنَّ اِلَيْكَ ہے جسکے معنے انکو اپنی طرف ہلا لو اور اگر یہاں کوٹنے کے معنے ہوتے تو صُرْهُنَّ ہی کافی تھا اِلَيْكَ کے کچھ معنے نہیں بنتے۔ اس لئے صحیح معنے یہی ہیں کہ ہلا لو۔ اور یہ صرف میرا ہی خیال نہیں بلکہ اور بزرگان کا بھی یہی خیال ہے۔ چنانچہ ہم بطور نمونہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند پیش کرتے ہیں جو حبر الامہ و رئیس المفسرین ہیں +

حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ ثَنِیْ اَبِیْ قَالَ ثَنِیْ عَمِّیْ قَالَ ثَنِیْ اَبِیْ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ صُرْهُنَّ اَوْثِقْهُنَّ رَوَاهُ ابْنُ جَرِیْرٍ طَبْرِیٌّ فِی التَّفْسِیْرِ +

ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس محمد بن سعد نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس اُن کے چچا نے اُن کے پاس اُن کے باپ نے اُن کے پاس ابن عباس نے صُرْهُنَّ اِلَيْكَ کے معنے بتائے کہ ہلا لو۔ ہلا کر لو دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۳۵

دوسرا امر اس آیت میں یہ ہے کہ لفظ جزو آیا ہے اور جزو کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کے ہیں جس سے وہم ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو حکم ہوا تھا کہ انکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کچھ ایک پہاڑ پر اور کچھ ایک پہاڑ پر رکھ دو وہ زندہ ہو کر تمہارے بلانے پر آجائینگے۔ مگر یہ معنے سراسر غلط ہیں یہ نانا کہ پسی ہوئی چیز کے اجزا کو بھی جزو کہتے ہیں مگر غیر پسی ہوئی اور سالم چیز اور جاندار پر بھی جز کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ خود قرآن کریم سے اسکی تصدیق ہوتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَعَلُوْا

لَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض کو اُسکا جز قرار دے رکھا ہے (مراد یہ کہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی اولاد قرار دے رکھی ہی) اب بتاؤ یہاں جزعِبادٗ پر بولا گیا ہی اور یہاں عباد فرشتوں سے مراد ہیں تو کیا جز کی وجہ سے یہ سمجھ لیں کہ اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا اور پیسا جاتا ہی اس جگہ یہ معنے ہرگز نہیں بلکہ جز سالم چیزوں کی تقسیم پر ہی بولا جاتا ہے +

ایسا ہی دوزخیوں کے بارہ میں آیا ہی لَھَا سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ کے لئے اُن دوزخیوں میں سے علیحدہ علیحدہ گروہ ہیں دیکھو سورۃ الحجر رکوع ۳ کیا یہاں بھی بوجہ جُزْءٌ یہہ معنے کئے جاتے ہیں کہ دوزخیوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینگے ہرگز نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہی کسی کا نہیں تو پھر جب سالم چیز پر بھی لفظ جُزْءٌ آتا ہے تو آیۃ زیر بحث میں کیوں وہ معنے نہیں کرتے جُزْءٌ کا لفظ ہی تم کو خلجان میں ڈالتا تھا سو اب تو خلجان جاتا رہا اب ایسے معنے کرو کہ جس سے ایک دوسری آیت کے خلاف نہ پڑے۔ اور تفسیر ابن جریر میں ہے +

اَلْجُزْءُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ھُوَ الْبَعْضُ مِنْہُ کَانَ مُنْقَسِمًا جَمِیْعُہٗ اَوْ غَیْرَ مُنْقَسِمٍ +	ہر ایک چیز کی جز سے مراد ہے کہ اُس کا کچھ حصہ خواہ سب کا سب تقسیم شدہ ہو یا غیر تقسیم شدہ +

دوسری جگہ ابن جریر نے لکھا ہے :-

وَ قِیْلَ تَفْرِیْقُ اَجْزَائِھِنَّ عَلَی الْجِبَالِ اَلْمِیَادَ اَحْیَاءً یَطِرْنَ +	اور کہتے ہیں کہ زندہ جانوروں کو الگ الگ پہاڑوں پر بٹھا دو وہ اُڑتے ہوئے آئینگے +

اب تو صاف معلوم ہو گیا کہ جز زندہ اشیاء کے حصہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور دیکھو اس معنے کے کرنے میں ہم فرد نہیں بلکہ پہلے بزرگوں نے بھی یہی معنے کئے ہیں +

(۲) اب ہم دوسری آیت کے معنے کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے +

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ	اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم تم پر ایمان نہیں لائینگے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو برملا نہ دیکھ لیں تو پھر تم پر بجلی پڑی اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ

گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں غشی سے ہوش میں لایا تو کہ تم شکر گذار بن جاؤ۔ اس آیت سے یہ

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ پر بجلی نازل کی۔ اور بجلی کا خاصہ ہے کہ جس انسان پر پڑتی ہے۔ وہ بیہوش ہوجاتا ہے اور مصروع کی سی حالت ہوجاتی ہے اور اگر اُن کی جلدی خبر گیری کی جائے تو بہت جلد ہوش میں آجاتے ہیں۔ آجکل کی تحقیقات سے بھی جو نہایت ہی پختہ اور قابلِ وثوق ہے۔ یہ ثابت ہوا ہے کہ بجلی کا مرا ہو دو گھنٹہ بعد اچھا ہو سکتا ہے۔ لہذا اس آیت میں حقیقی موت کے معنے لینا بجز تحکم اور کچھ متصور نہیں۔ اور ساتھ ہی وہ لوگ جو ایسے معنے کرتے ہیں۔ وہ قرآن شریف کی اُن آیات کی مخالفت کرتے ہیں جن میں احیاء موتیٰ کی نفی ہے اور گویا وہ قرآن شریف کو اختلافات کا مجموعہ ثابت کرتے ہیں جو آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا کے خلاف ہے۔ لہذا اس کے یہی تحقیقی معنے ہیں کہ اُن پر بجلی کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی تھی۔ جو ایک قسم کی موت ہے۔ اور لغتِ عرب میں بھی یہ معنے ثابت ہیں۔ تو پھر کیونکر اس سے روگردانی کی جاتی ہے۔ اور پھر خود قرآن کریم سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا ہے وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ صَعِقًا اور صَاعِقَة ایک ہی مادہ سے نکلے ہیں جب یہاں موسیٰ کی نسبت تو برملا بیہوشی معنے کرتے ہیں مگر انکے لئے بجلی کے اثر سے بیہوشی نہیں قبول کرتے حالانکہ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ خود زندگی کا قرینہ موجود ہے پھر سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کا قول نقل فرمایا کہ جب موسیٰ نے قوم پر سخت غشی طاری دیکھی تو کہا اَفَتُهْلِكُنَا کیا تو ہم کو ہلاک کردیگا جس سے ثابت ہے کہ قوم حقیقی موت سے مری نہیں تھی ورنہ اَفَتُهْلِكُنَا کے بجائے فرماتے اَاَهْلَكْتَنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا یعنے کیا تو نے ہم کو اس وجہ سے ہلاک کردیا کہ ہمارے سفہاء نے شرارت کی پس صاف ظاہر ہے کہ حقیقی موت نہیں تھی ورنہ حضرت موسیٰ اپنی ذات کو کیوں شامل کرتے اور کیوں کہتے اَفَتُهْلِكُنَا۔ ہم کو ہلاک کرتا ہے +

(۳) تیسری آیت جس میں احیاء موت حقیقی سمجھی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے۔

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ۔ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى

مثل اس شخص کے جو ایک اجڑے ہوئے گاؤں کے پاس سے گذرا اور جس نے کہا کہ اس تباہ اور برباد شدہ گاؤں کو اللہ کب آباد کریگا اس پر اللہ تعالیٰ نے اُس پر سو برس کی نیند طاری کی۔ پھر اُس کو اُٹھایا اور پوچھا کہ بتا تو کب تک

لِطَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ج وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ قف وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ سورۃ البقرۃ رکوع ۳۵+

تم اُس حالت میں رہے اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ایسی حالت میں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو تو سو سال تک اُس حالت میں رہا۔ پھر فرمایا اپنے کھانے اور پینے کی طرف دیکھ اُس پر برس نہیں گذرے اور گدھے کو بھی دیکھ۔ اور ہم تیرے لئے لوگوں کی نظر میں ایک نشان قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اُن ہڈیوں کی طرف نگاہ کر کہ ہم کس طرح اُن کے اوپر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے خواب ظاہر کرکے اُس کو بتلا دیا تو اُس نے کہا اے اللہ میں جانتا ہوں کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ معنے ہم نے اپنی طرف سے نہیں کئے بلکہ اکثر تفاسیر میں فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ کے معنے یہی لکھے ہیں فَاَنَامَهُ اللّٰهُ یعنے اللہ نے اُس کو سلا دیا دیکھو معالم وغیرہ۔ اور لغت عرب میں بھی موت کے معنے نوم کے ہیں۔ تو پھر کیوں اور معنے لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ آیت کا سیاق و سباق ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک خواب تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دکھلائی۔ جس میں سو سال گذرے نظر آئے جس کی تائید توریت شریف میں کتاب حزقیل نبی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ کتاب حزقیل باب ۳۷ آیت ۱ میں لکھا ہے "خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اُس نے مجھے خداوند کی روح میں اُٹھا لیا اور اُس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اُتار دیا" اور باب ۱۱ آیت ۲۴ سے اس کی اور بھی وضاحت ہوتی ہے چنانچہ لکھا ہے۔ انجام کار روح نے مجھے اُٹھایا۔ اور خدا کی روح نے رویا میں مجھے پھر کسدیوں کے ملک میں اسیروں پاس پہنچا دیا۔ سو وہ رویا جو میں نے دیکھی مجھ سے اوپر اُٹھ گئی۔ پس جب یہ خواب ثابت ہوئی تو اب اِن آیات کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ خوب غور سے سنو۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں جس شخص کے گذرنے کا ذکر ہے۔ وہ حزقیل نبی تھے۔ جو ایک غیر آباد قریہ یعنے بیت المقدس کے پاس سے گذرے۔ اور اُس کے آس پاس بہت سی ہڈیاں پڑی ہوئی دیکھیں۔ مراد یہ کہ بنی اسرائیل کے لوگ شریعت کے عاری ہو گئے تھے اور مغز شریعت اُن سے مفقود ہو گیا تھا اور وہ محض استخوان ہی رہ گئے تھے اور پراگندہ مارے مارے پھرتے تھے تو اُنکی حالت زار اور بیت المقدس کی بربادی کو دیکھا تو اُن

کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ اس غیر آباد قریہ کو کب آباد اور ان لوگوں کو جو روحانیت سے خالی
ہونے کی وجہ سے مرچکے ہیں اللہ کب اُن کو آباد کریگا اور پھر اُنہوں نے دعا کی تب اللہ تعالیٰ
نے اُن کی تسلّی کے لئے اُن پر نیند طاری کی۔ اور ایک رویا دکھلایا گیا جس میں اُن ہڈیوں
وغیرہ اور غیر آباد زمین کو سو سال کے اندر آباد ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب وہ خواب سے
بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے پوچھا کہ تم اس حالت میں کتنی دیر تک رہے۔ اُنہوں
نے بظاہر عالمِ کون و فساد کا سوال سمجھ کر جواب دیا کہ ایک دن یا اُس کا کچھ حصّہ اُس حالت میں
رہا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو تو سو سال تک اُس نظارہ کو دیکھتا رہا۔ اور یہ بات عالم مثال کے
متعلق تھی۔ پھر جب حزقیئیل نبی کو تردد پیدا ہوا کہ کیا میں سو سال تک سویا رہا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ
نے اُن کے رفع شک کے لئے فرمایا کہ وہ بات تو خواب کی تھی یعنے عالمِ مثال کے سو سال
تھے۔ اس دنیا کے سال تو نہیں تھے۔ کیونکہ تم اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو۔
ان پر کوئی سال نہیں گذرے اپنے گدھے ہی کو دیکھو وہ صحیح تندرست کھڑا ہے۔ وہ مرا
نہیں اور نہ دُبلا ہوا۔ ہم نے تو تمہارے لئے لوگوں میں ایک نشان دکھانا چاہا ہے۔ وہ
نشان یہ ہے۔ کہ تو ان ہڈیوں کی طرف دیکھ ان پر ہم کیسے گوشت پوست چڑھاتے ہیں
یعنے ان خانہ برباد بنی اسرائیل کو از سرِ نو کس طرح آباد کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے
نبی کو یہ امر خوب ہی ذہن نشین کرا دیا۔ تو بے اختیار بول اُٹھا۔ میں جانتا ہوں کہ تو ہر ایک چیز
پر قادر ہے۔ یعنے اب مجھ پر خوب واضح ہو گیا کہ اس طرح غیر آباد مُلک کو آباد اور سرسبز کرسکتا
ہے۔ غرض یہ اُس نبی کی طرف سے ایک پیشگوئی کرائی گئی۔ کہ یروشلم ایک سو سال کے اندر
آباد ہو جائیگا۔ چنانچہ اس کی پیشگوئی کرنے کی صداقت حزقیئیل کی کتاب باب ۳۷ ورس ۱۲
سے ہوتی ہے۔ جس میں لکھا ہے اِس لئے تو نبوت کر یعنے پیشگوئی سنا دے۔ اور اُن سے
کہو کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے۔ کہ دیکھ اے میرے لوگو میں تمہاری قبروں کو کھولوں گا
اور تمہیں تمہاری قبروں سے باہر نکالونگا اور اسرائیل کی سرزمین میں لاؤنگا۔ اس پیشگوئی
کا ظہور قبل مسیح ۵۳۶ھ میں کورس کیقباد کے ہاتھ سے جسکو قرآن شریف میں ذوالقرنین کے لقب سے ملقب
فرمایا گیا ہے ہوا ہے۔ دیکھو کتاب یرمیاہ نبی باب ۱۲۔ ورس ۲۵۔ اس کا مفصل حال تلخیص التواریخ مصنفہ
مولوی محمد حسن صاحب امروہی میں لکھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ بخت نصر نے یروشلم کو تباہ

کردیا تھا۔ اور قوم بنی اسرائیل جنگلوں اور بیابانوں میں ماری ماری پھرتی رہی جس کی وجہ سے وہ بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ اور قرآن شریف میں اُن کو ہڈیوں سے نامزد کیا گیا ہے۔ یعنے اُن کے گوشت و پوست بالکل نہیں رہے تھے۔ اور صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ یعنے وہ شریعت حقہ سے سراسر محروم اور تمدنی زندگی سے بالکل عاری تھے۔ آخر کیقباد بادشاہ نے یروشلم کو از سر نو آباد کیا اور اُن کو انسان بنایا۔ دیکھو تلخیص التواریخ ❊

(۴) چوتھی آیت یہ ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ ❊ سورۃ البقر رکوع ۳۲

کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے ہزاروں ہزار اکٹھے موت کے خوف سے نکلے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو کہہ دیا کہ جاؤ تم جہالت کی موت مر جاؤ۔ پھر اُن کو زندہ کیا۔ یعنے اُن کو شریعت سکھلائی اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل ہی کرنے والا ہے۔ لیکن بہت لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ تم لغتِ عرب میں دیکھ چکے ہو کہ موت کے معنے جہالت کے بھی ہیں۔ یہاں اس آیت میں وہی معنے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کی نسبت ہے۔ اور جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قوم کے مقابل میں لڑائی کے لئے حکم دیا تھا۔ تو اُنہوں نے انکار کر دیا تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے حق میں بددعا کی تھی جس کی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اُن کو جنگلوں میں نکال دیا تھا اور وہ مدتوں تک حیران اور سرگردان مارے مارے پھرتے رہے تھے۔ وہ ایک موت سے بھاگے تھے۔ مگر جہالت کی موت میں جا پڑے۔ کیونکہ شریعت سے وہ ناواقف ہو گئے۔ جنگلوں میں کہاں علم اور کون اُن کو سنانے والا تھا۔ اس کا مفصل حال سورہ مائدہ رکوع ۳ میں ہے۔ لہذا ہم اُس رکوع کو یہاں لکھتے ہیں تاکہ خوب واضح ہو جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّاٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ اے میری قوم تم اُن نعمتوں کو یاد کرو۔ جو اللہ نے تمہارے حال پر کی ہیں۔ کیا یہ تھوڑی نعمت ہے کہ تم میں نبی بنائے گئے۔ اور تم میں بادشاہ کھڑے

الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ ۝ وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝

کئے گئے۔ اور تم کو وہ کچھ دیا گیا کہ آجتک جہان میں کسی کو نہیں دیا گیا۔ اے میری قوم اب تم ارض مقدسہ یعنے شام میں چلو۔ جس کے دینے کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا ہے اور تم اس امر کے بجالانے سے پیٹھ نہ دکھاؤ۔ ورنہ تم ٹوٹا پاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ وہاں تو ایک ظالم قوم رہتی ہے۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم نہیں جائیں گے اگر وہ نکل جائیں تو بیشک ہم داخل ہونگے۔ ان خائفین میں سے دو آدمیوں نے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا کہا کہ اے لوگو تم دروازہ میں داخل ہو جاؤ اور جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو جاؤ گے۔ اور جب تم ایماندار ہو تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔ انہوں نے صاف صاف کہدیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ لوگ اس ملک میں ہیں ہم تو کبھی بھی نہیں جائینگے تو اور تیرا رب ہی جائے۔ اور لڑائی کرتا پھرے۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ تب موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ اس فاسق قوم میں اور ہم میں جدائی ڈالدے۔ تب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب اس قوم پر چالیس سال تک اس مقدس زمین کو حرام کر دیا گیا ہے یہ مارے مارے پھرینگے۔ اور تو اس فاسق قوم سے ناامید مت ہو۔ ان آیات سے صاف واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور پیغمبر کی عدول حکمی سے وہ مقہور ہوئے اور ان کو چالیس سال کے لئے جلاوطنی کی گئی۔ اور وہ مارے مارے جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے رہے۔ ان میں نہ علم رہا اور نہ دینی معلومات رہیں ایک وحشیانہ اور جاہلانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ اس زندگی کو جس میں وہ اس حالت میں رہے اللہ تعالیٰ نے لفظ موتوا سے تعبیر کیا ہے۔ چالیس برس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا۔

اور یوشع بن نُون کو اُن میں رسول مقرر کرکے اُن کو اس گندی اور وحشیانہ زندگی سے نکالا۔ اور شریعت کے احکام سکھلا کراز سرِ نو زندہ کیا۔ دیکھو توریت کتاب یشوع نبی باب اوّل لغایت ۷۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں تمام انبیاحتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی مومنوں کو جو جہالت اور کفر کی ظلمت میں گرفتار تھے۔ نورِ شریعت سے منور کرکے ایک نئی پاک اور مطہر زندگی عطا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ اس کی یوں تصدیق فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔ پارہ ۹ یعنے اے ایماندار و اللہ اور اُس کے رسول کی بات کو جب وہ تمہیں تمہارے زندہ کرنے کے لئے طلب کرے۔ مان لیا کرو۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ کیا وہ مومن مرے ہوئے تھے۔ جن کو بُلا کر زندہ کیا جاتا تھا۔ نہیں نہیں اُن کا جسم تو نہیں مرا ہوا تھا۔ بلکہ اُن کی روح شریعتِ حقّہ کی عدم موجودگی سے مرچکی ہوئی تھی حالانکہ صرف شریعت کے احکام کو سُننا او اُن پر عملدرآمد کرنا اُن کی روح کی زندگی کا موجب تھا۔ قرآن شریف کی آیت زیرِ بحث میں بھی اس قسم کی موت اور اسی قسم کی حیات کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ وہ قوم خدا تعالیٰ کے قہر میں آگئی تھی۔ اور اُن کو ایک بہت دور دراز عرصہ تک آبادی سے دور رکھا گیا تھا۔ اور وہ اخلاقی زندگی سے بالکل محروم ہوچکے اور بے نصیب تھے۔ جس سے اُن کی روح پر موت واقع ہوگئی تھی۔ بالآخر یوشع بن نون کے ذریعہ ہدایت پاکر از سرِ نو زندگی میں داخل ہوئے۔

(۵) پانچویں آیت جس سے مردہ زندہ ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے حسب ذیل ہے:۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْھَا وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْہُ بِبَعْضِھَا ۭ کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ سورۃ البقرۃ رکوع ۹

اور جب تم نے ایک نفس کو قتل کر ڈالا پھر تم اُس کے بارہ میں اختلاف اور جھگڑا کرنے لگے اور اللہ تو ظاہر کردیگا اُن تمام شرارتوں کو جو تم چھپاتے ہو۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ اُس قاتل کو بعض اُن شرارتوں کی وجہ سے جو اُس نے نفسِ مقتول کے متعلق کی ہیں مارو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سوتے یعنے جن پر موت وارد ہونے والی ہوتی ہے زندہ رکھ لیتا ہے اور اللہ تو تمہیں اپنے بہت سے نشاناتِ قدرت دکھلائیگا تو کہ تم سمجھ جاؤ۔ دیکھو سورہ بقرہ رکوع ۹

یہ آیات ہیں جن پر بڑا اختلاف کیا گیا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ پچھلے رکوع میں ایک گائی کے ذبح کا ذکر ہے اور اس رکوع میں ایک آدمی کے قتل کا بیان ہے اور چونکہ قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ جس نے اُس مقتول کو قتل کیا تھا اس لئے خدا نے اُن لوگوں کو یہ طریق بتایا کہ اُسی گائے کا کچھ ٹکڑا لیکر مقتول پر مارو تو وہ زندہ ہوجائیگا اور اپنے قاتل کا پتہ دیگا۔ یہ ایک قصہ ہے جو تفاسیر میں لکھا ہے اور بطور بھیڑ چال بعد ازاں کے مفسر نقل پر نقل کرتے چلے آتے ہیں مگر کسی نے اصل حقیقت پر توجہ نہیں کی کہ قرآن کریم میں جس قدر قصص ہیں وہ سب عبرت کے لئے ہیں کیونکہ ایسے ایسے افعال اس امت سے بھی سرزد ہونیوالے تھے اور اسی لئے اُن کو بھی یہودی کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ یہودیوں کی کامل مشابہت پیدا کرینگے۔ پھر چاہیے تھا کہ غور کرتے کہ قرآن شریف قصہ کہانیوں کی کتاب تو ہے نہیں تو پھر یہ قصہ جس سے کچھ نتیجہ نہیں نکلتا کیوں درج قرآن ہوا۔ اور اس امت کو اس قصہ سے کیا واسطہ اور تعلق ہے اگر اس قصہ کی بات مان لیں تو کیا اس سے سنت اللہ ثابت ہوجائیگی کہ جب کبھی کسی مقتول کا پتہ نہ چلے تو تم بھی اسی طرح ویسی ہی گائے ذبح کرکے اُس کے ایک ٹکڑے کو مقتول کی لاش سے مار دیا کرو تو وہ مُردہ زندہ ہوکر قاتل کا پتہ دیگا۔ اگر ایسا ہو تو پھر حکام اور بادشاہوں کو پولیس کے رکھنے اور ایک بڑے خرچ کے زیر بار ہونے کی ضرورت نہیں رہتی چشم ما روشن دل ماشاد اگر ایسا ہو تو اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے مگر اے علماء وقت افسوس کہ تم ایسی سنت نہیں دکھا سکتے تو ایسے معنے کیوں کرتے ہو جو کہ نہ دین کا فائدہ اُس سے ہے اور نہ دُنیا کا +

اصل بات یہ ہے کہ ایک واقعہ ہے کہ بزمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیش آیا۔ اور وہ اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لیگئے تو آپ نے یہود سے جو اس وقت بکثرت مدینہ منورہ میں رہتے تھے باہم امن قایم رکھنے کا معاہدہ کرلیا تاکہ اندرونی خدشہ نہ رہے مگر اہل مکہ چاروں طرف ریشہ دوانی کرتے تھے۔ اور اُن کی ساری کوشش اسطرف لگی ہوئی تھی کہ یہود اور قبائل عرب کو جماعتِ اسلام کے برخلاف اُکسا کر حملہ کردیں اور اس طرح اُن کا نام و نشان مٹادیں۔ مگر چونکہ یہود پہلے ہی معاہدہ کرچکے تھے اس لئے علانیہ وہ مخالفت نہیں کرسکتے تھے مگر مخفی مخفی شرارتیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر

ہے کہ ایک مسلمان عورت بازار میں تکلا سیدھا کرانے کے لئے لوہار کی دوکان پر گئی۔ لوہار یہودی تھا۔ اُس نے بطورِ تمسخر اُس مسلمان بیوی سے کہا کہ تم منہہ سے کپڑے کو کیوں جدا نہیں کرتی اُس صحابیہ نے جواب دیا کہ میں مسلمان عورت ہوں اور ہماری شریعت میں عورت کو حکم ہے کہ بلا حجاب نہ رہے اس لئے میں نے حجاب لیا ہوا ہے مگر اُس شریر نے پوشیدہ طور سے اُس کی چادر کے دامن میں آہنی میخ زمین پر گاڑ دی اور اُس پاک دامن بی بی کو خبر نہ ہوئی جب وہ تکلا سیدھا کرا کر اُٹھی تو کپڑا اُس کے سر پر سے بوجہ میخ نیچے گر گیا اور وہ بے حجاب ہو گئی اِس پر اُس نے چلا کر کہا کہ کوئی مسلمان ہے کہ میری امداد کو پہنچے ایک مسلمان پاس سے جا رہا تھا جب اُس نے اُس مومنہ کی آواز سُنی اور حال مشاہدہ کیا تو اُس سے رہا نہ گیا۔ وہ یہود کے ساتھ لڑنے لگا۔ مگر یہود بہت سے تھے۔ ایک نے ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ مسلمان شہید ہو گیا۔ اسپر جب دیگر مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ تو وہ مرنے مارنے پر جمع ہو گئے اور قریب تھا کہ بھاری کشت و خون ہو اور بہت سے لوگ موتے کی صف میں آجائیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی اور مقدمہ پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ساری خبر کر دی۔ اخیر کو بحکم خداوند تعالیٰ یہودیوں سے کہا گیا کہ تم قاتل کو حوالہ کر دو مگر وہ حیلے حوالے کرنے لگے بالآخر وہ قاتل کے سپرد کرنے پر راضی ہوئے۔ اور وہ اُن شرارتوں کی وجہ سے جو اُس نے نفسِ مقتول کے قتل کرنے کی وجہ سے کی تھیں قتل کیا گیا اور اس طرح اُس بھاری قتل عام سے مخلوقات بچ گئی اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی۔ کیونکہ ان لوگوں کے موتے ہونے میں کچھ شک نہیں رہا تھا مگر خدا نے ایک ہی شخص قاتل کے مروا ڈالنے سے باقی سب کو زندہ رکھ لیا۔ اور یہ جو فرمایا کہ وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ۔ اس پیشگوئی کا اظہار واقعۂ احزاب میں ہو گیا چنانچہ کفارِ مکہ مع دیگر قبائلِ عرب کے چڑھ آئے اور جب مسلمان تمام شہر کے باہر اُن کے مقابلہ کے لئے چلے گئے تو یہود نے حسب منصوبہ مخفی مسلمانوں کی بیوی بچوں کو قتل کرنے کا ارادہ ٹھان لیا تھا جس نقشہ کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ	جبکہ دشمن تمہارے اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے تم پر ٹوٹ پڑے اور یہ دیکھکر تمہاری

الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا

آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کرنے لگے۔ یہ ایک موقع تھا جہاں مومنوں کا امتحان لیا گیا اور خوب ہی اُن پر مصائب کا بھونچال آیا۔ مگر آخر کو خدا کی رحمت نے جوش مارا۔ تمام لشکر خود بخود ہی بھاگ گیا اور یہود اپنے منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے اسی منصوبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ الغرض اس آیت سے کسی مُردہ کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں بلکہ جو اس کشت و خون سے ڈرنے والے تھے اُن کے بچ جانے کا ذکر ہے

صوفیائے کرام کے کلام میں موت و حیات کے روحانی معنے

بزرگانِ دین کی کلام میں بھی احیاء موتی کا ذکر ہے چنانچہ حضرت سید فرید الدین المعروف بہ سپہ سالار اپنے رسالہ سپہ سالار نام میں تحریر فرماتے ہیں +

روانِ جہانیاں را بحیاتِ تازہ و رحمتِ بے اندازہ مستغرق گردان و مُردگانِ عالمِ صورت را بمعنی و عشقِ خود زندہ کن +

جہان کے لوگوں کی جانوں کو تازہ حیات اور بے اندازہ رحمت سے مستغرق کر اور صورت عالم کے مُردوں کو اپنی حقیقت اور اپنے عشق میں زندہ کر +

دیکھو یہاں حیات سے وہ حیات مراد نہیں ہے جو عرف عام میں ہے بلکہ اُس حیات سے مراد ہے جو خدا کے قرب میں حاصل ہوتی ہے۔ اور مردگان سے بھی وہ مُردے مراد نہیں جو عوام کے خیال میں ہیں بلکہ یہاں اُن مُردوں سے مراد ہے جو خدا کی بارگاہ سے دور و مہجور ہیں +

بیسویں فصل

اس بارہ میں کہ بعد صلیب کیا انجام ہوا

جب قرآن اور احادیث اور اناجیل سے ثابت ہو چکا کہ مسیح علیہ السلام صلیب کی موت سے نہیں مرے بلکہ صلیب سے صرف زخمی ہو کر بچ گئے تو اب یہ دکھانا ضروری ہے کہ صلیب سے

بچکر کہاں گئے اور آخر اُنکا انجام کیا ہوا۔ سو واضح ہو کہ اول تو کسی شخص کی موت کی خبر کسی کو نا معلوم بھی ہو تو بھی ایک عقلمند نتیجہ نکال سکتا ہے کہ زمانے کے لحاظ سے عمر طبعی انسان کی فلاں حد تک ہوتی ہے اور جب اُس حد تک وہ مفقود الخبر رہے اور اُس کا کوئی پتہ نہ چلے تو سب لوگ یہی کہینگے کہ وہ ضرور مر چکا ہے کیونکہ ہر ایک شخص اپنے مشاہدۂ روزمرہ کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر کسی کو بالکل کسی آدمی کی موت کی وجہ یا مقام معلوم نہ ہو تو بھی یہ کوئی ضروری امر نہیں اور نہ یہ امر کسی مومن کی جزوِ ایمان ہے اور نہ انسان اس امر کے لئے مکلف ہے کہ اس کی وجہ موت یا مقام کے متعلق پتہ لگائے بنا بر علیہ ہمارے لئے کچھ ضروری نہیں کہ ہم مسیح کی وفات کا کھوج نکالیں کہ وہ کہاں اور کس طرح مرا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو ایک ایسی قوم پیدا ہو گئی ہے کہ اُس کی مفقود الخبری کی وجہ سے اُسکو خدا یا خدا کا بیٹا بنا بیٹھی ہے۔ اور دوسری طرف خود مسلمانوں میں کثیر التعداد لوگ موجود ہو گئے ہیں جو اُسکو خدا تو نہیں مانتے لیکن اُنہوں نے عیسائیوں کی روایات کو جو تفسیروں میں داخل ہو چکی ہیں پڑھ کر مسیح علیہ السلام میں خدائی کے صفات ضرور تسلیم کر لئے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور اب تک آسمان پر سیر کرتے پھرتے ہیں نہ وہ کھانے کے محتاج ہیں اور نہ پینے کے اور نہ ہگنے کے اور نہ موتنے کے۔ نہ سونے کے اور نہ اُٹھنے کے اور وہ برخلافِ سنت اللہ صرف وہی یگانہ ہیں جو زندہ ہیں اور سب مر چکے ہیں۔ اور وہی آسمان سے اُترنے کے بعد وہی آنکر امتِ محمدیہ کی اصلاح کرینگے کیونکہ سوائے اُن کے کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو اُن کی اصلاح کر سکے اور برخلاف سنت اللہ کل روئے زمین کے لوگوں کو وہ مسلمان کر کے ایک ہی مذہب پہ قائم کر دینگے اور کوئی کافر روئے زمین پر نظر نہیں آئیگا اور اس قدر دولت لوگوں کو دیکر ایسا مالدار کر دینگے کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا بھی صفحۂ دنیا پر نہیں رہیگا تو ایسی حالت میں ہم کیونکر خاموش رہ سکتے ہیں۔ جبکہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی توہین اور دوسری طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہو رہی ہو۔

بعض نادان جھوٹی کہانیوں سے جو بازاری لوگ بنا لیا کرتے ہیں متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ حضرت ادریسؑ بھی زندہ آسمانوں پر بیٹھے ہیں لیکن اُن کی شامت سے علمِ جغرافیہ نے اُن کی پردہ دری کر دی ہے اور عالمانِ علمِ جغرافیہ و سیاحانِ دنیا نے پتہ بتا دیا ہے کہ شہر عدن سے

۱۲ کوس کے فاصلہ پر حضرت ادریسؑ کی قبر موجود ہے۔ اور اکثر تفاسیر میں اُن کی وفات کا ذکر مندرج ہے۔ ماسوائے اُن کے دو اور نبیوں یعنے حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ وہ بھی ابتک زندہ ہیں لیکن اُن احادیث کے رُو سے جو صحیح مسلم وغیرہ میں ہیں جنکا مضمون یہ ہے کہ آج سے سو برس تک کوئی جاندار سطح زمین پر زندہ نہیں رہیگا وہ سب فوت ہو چکے ہیں اور حضرت الیاس کی موت کی خبر خود حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے دیدی ہے جبکہ اُنہوں نے یہودیوں کے جواب میں جو اُن کی آمد کے منتظر تھے کہدیا کہ وہ تو مر چکے اور وہ نہیں آئینگے جو آنیوالا تھا اُس سے مراد اُس کے مثیل سے تھی۔ سو وہ مثیل حضرت یحیی بن زکریا ہیں جس کے کان سننے کے ہوں سُنے اور جس کے دل قبول کرنیکے ہوں قبول کرے۔ رہے خضر علیہ السلام سو اُن کی وفات میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کہدیا کہ آج سے سو سال تک کوئی شخص زندہ نہیں رہیگا۔ اگر ہم اُس وقت تک اُسکو زندہ بھی تسلیم کرلیں تو بھی بموجب فرمانِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خضر کیونکر موت سے باہر رہ سکتے تھے۔ یہ محض مسلمانوں کا توہم ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ بہت سے بزرگان و اولیاء اللہ نے شہادت دی ہے کہ خضر علیہ السلام اُن کو ملے سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی کشفی حالت ہے۔ کشفاً میں دکھلائی دیا تو کچھ تعجب نہیں اور میرے نزدیک تو خضر علیہ السلام ایک فرشتہ ہیں جو جنگلوں بیابانوں یا دریاؤں پر کسی خدا کے مقبول بندے کو مصیبت یا دُکھ میں گرفتار دیکھ کر بحکم خداوندی امداد کے لیئے آتا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ اور بعض بزرگان نے میری اس رائے کی تائید کی ہے۔

جب عیسائیوں کا وہ حال اور مسلمانوں کا یہ حال ہے تو از بس ضروری ہوا کہ اُن کی صلیب سے نجات پانے کے بعد کی زندگی کا کھوج نکالا جائے تاکہ مسیح موعود کے لیئے سڑک صاف ہو جائے اور کوئی مزاحمت درمیان میں نہ رہے اور ساتھ ہی عیسائیوں کا اعتقاد کفارہ دنیا سے اُٹھے جس نے ایک عالم میں تنو بر پا کر رکھا ہے اگر مسیح علیہ السلام کی مابعد زندگی کا مکمل حال مل جائے اور پھر اُن کی موت اور اُن کی قبر کا سراغ بھی معلوم ہو جائے تو عیسائیوں اور مسلمانوں کے سب بُت ٹوٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم سلسلہ وار مختصر حال بیان کرتے ہیں

کیونکہ مفصل حال تو ہمارے مولا وہمارے پیشوا حضرت مرزا صاحب مسیح موعود و مہدی معہود اُس کتاب میں جو مسیح ہندوستان میں کے نام کی ہے لکھ رہے ہیں جس نے تفصیل وار دیکھنا ہو اُسکو دیکھے لیکن ہم بھی کسی قدر مختصر سا حال لکھتے ہیں۔ افسوس کہ وہ مکمل نہیں فرما سکے۔

پیشتر اس کے کہ ہم مسیح کی سوانح لکھیں اس بات کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جس وقت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے اُس وقت بنی اسرائیل کے تین گروہ بھاری تھے جو الگ ناموں سے معروف تھے۔ ایک تو یہودی کہلاتے تھے جس فرقہ میں سے یسوع بھی تھے۔ اور ایک گروہ سامری کہلاتا تھا اور ایک بنی اسرائیل۔ اِن تینوں گروہوں میں باہم مذہبی اختلاف تھا۔ حتیٰ کہ ان سب لوگوں نے توریت شریف میں اپنے تصرف سے بہت کچھ تغیر تبدل کر لیا تھا اور بنی اسرائیل نے یہودیوں کے بزرگوں کی نسبت اپنی کتاب میں بہت کچھ برا بھلا لکھدیا تھا حتیٰ کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد وغیرہ کی نسبت بہت سے بے بنیاد افسانے اور مفتریات داخل توریت کر دیئے۔ جس کی وجہ سے توریت شریف میں تحریف واقع ہوئی۔ ایسا ہی یہودیوں نے اُس توریت میں جو اُن کے پاس تھی بنی اسرائیل کے بزرگوں اور نبیوں کو برے پیرایوں میں بیان کیا اور سامری فرقہ نے الگ اپنی توریت بنالی اور اُس میں بہت کچھ گھٹا و بڑھاؤ کر لیا۔ یہ تینوں قسم کی توریت دنیا میں موجود ہے۔ جو توریت جو عہد عتیق کے نام سے مشہور ہے اور جو عیسائیوں کے قبضہ میں بھی ہے وہ وہ ہے جو بنی اسرائیل نام فرقہ کے پاس تھی یہ گروہ بہت ہی عظیم الشان تھا کیونکہ بنی اسرائیل کے ۱۲ زبردست قبیلے تھے جن میں سے ۱۰ قبایل نے تو بنی اسرائیل ہی نام قایم رکھا اور وہ اُس نام سے موسوم رہے لیکن باقی دو گروہوں میں سے ایک یہودی دوسرے سامری کہلاتے تھے اور وہ اُسی نام سے مشہور رہے۔ حضرت مسیح سے چھ سو برس پہلے بخت نصر نے ارض مقدسہ کو فتح کر کے بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور بنی اسرائیل کے دس گروہوں کو جلاوطن کر دیا باقی یہودی اور سامری پھر نے پھرانے ۵۳۶ برس قبل مسیح ارض مقدسہ میں آباد ہوئے لیکن اُن جلاوطن شدہ دس قبایل بنی اسرائیل کا مدت تک پتہ نہ چلا کہ اُن کو کیا ہوا اور وہ کہاں گئے مگر بعد ازاں کی تحقیقات سے جو چند صدیوں سے ہوتی چلی آتی ہے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دس گروہ افغانستان و تبت و کشمیر و ہندوستان کے شمال مغربی حصہ میں آباد ہوئے تھے اور ابتک

اُن کی اولاد وہاں موجود ہے۔ اور اکثر اقرار بھی کرتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل ہیں لو بعض کی قومی
رسومات اور عادات وطرزِ معاشرت وطرزِ لباس وشکل وبناوٹ چہرہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ضرور
بنی اسرائیل ہیں اور زیادہ تر یہ ثبوت بھی ہے کہ اُن کے پیغمبروں کی یادگاریں ابتک کشمیر کے
نواح میں قایم ہیں اور اکثر اس نواح میں اُن شہروں کے نام بھی ملتے ہیں جو ملک شام
کے شہروں کے ہیں جس کی کیفیت کتاب مسیح ہندوستان میں دیکھ سکتے ہو۔ مگر جو تحقیقات ہم نے
بذاتِ خود کشمیر میں اور مختلف اطرافِ کشمیر میں پھر کر کی ہے۔ اُس سے کامل یقین ہوگیا ہے
کہ اکثر قبائل کشمیر میں اسرائیلی ہیں۔ اور جیسے کہ ہم نے لکھا ہے علاوہ شکل وشباہت وعادات
کے اُن کی بستیوں کے نام بھی اُن شہروں اور بستیوں کے نام پر ہیں جو یروشلم اور اُس کے
مضافات میں تھیں۔ اور جہاں بنی اسرائیل صدیوں سے رہتے رہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ ضرور یہ لوگ بنی اسرائیل ہیں ورنہ عبرانی نام کے دیہات کیونکر کشمیر میں پیدا ہو گئے یقیناً
بنی اسرائیل ان ممالک میں آباد ہوئے۔ اور اُنہوں نے اپنی متروکہ بستیوں کی یادگاریں انہی
ناموں سے اِن ممالکِ شرقیہ میں جدید بستیاں آباد کیں۔ چنانچہ یہ بستیاں ایک نہیں دو نہیں
بیسیوں بستیاں ہیں جو بنی اسرائیل کی بستیوں کے ہمنام ہیں جو ارضِ مقدسہ میں تھیں چنانچہ
ہم دیکھتے ہیں کہ اگر یہاں کشمیر میں گلگنہ ہے تو ارضِ مقدسہ میں بھی اسی نام کا گلگتہ ہے۔ اگر
یہاں بابل ہے تو وہاں بھی بابل ہے۔ اگر یہاں طور ہے تو وہاں بھی طور ہے۔ اگر یہاں
نینوہ ہے تو وہاں بھی نینوہ ہے۔ یہاں تخت سلیمان ہے تو وہاں بھی تخت سلیمان ہے۔ اگر
یہاں صور ہے تو وہاں بھی صور ہے۔ اگر یہاں صبدا ہے تو وہاں بھی صبدا ہے۔ اگر یہاں حمص
ہے تو وہاں بھی حمص ہے۔ اگر یہاں لاسہ ہے۔ تو وہاں بھی لاسہ ہے۔ اگر یہاں کابل ہے۔
تو وہاں بھی کابل ہے۔ اگر یہاں چاہ بابل ہے تو وہاں بھی چاہ بابل ہے۔ غرضیکہ بکثرت ہمنام
دیہات ہیں جن میں سے اکثر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور چونکہ ملک شام ایک سرد
مگر زرخیز ملک ہے جہاں میوہ جات بکثرت ہوتے ہیں اِس لئے ظنِ غالب ہے کہ اُن قبایل نے
جن کو بخت نصر نے مسیح سے ۶۰۶ برس پہلے جلاوطن کردیا تھا ان ممالک میں آنکر اُن قطعات
کو پسند کیا۔ جو اُن کے متروکہ وطن کی مانند زرخیز اور سرسبز اور شاداب اور میووں سے لدے
ہوئے تھے۔ اور ایسے ہی قطعات میں بنی اسرائیل کے قبایل کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

مزید براں قرآن کریم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور اُس کی والدہ کو بعد دفعہ صلیب ایسی جگہ پر خدا لے گیا جو خوب شاداب اور سرسبز تھی اور جہاں چشمے جاری تھے چنانچہ وہ آیۃ حسب ذیل ہے:۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ سورۃ المومنون رکوع ۳

اور ہم نے ابن مریم اور اُس کی والدہ کو ایک نشان بنایا اور وہ نشان یہ ہے کہ ہم نے اُن کو دشمنوں کے ہاتھ سے مخلصی دیکر بلند قطع زمین پر جو سرسبز و شاداب تھی اور ساتھ ہی رہنے سہنے کے قابل بھی تھی اور وہاں پانی اور ضروریات پورا کرنے کے لیے چشمے بھی جاری تھے۔ دیکھو سورہ مومن رکوع ۳۔ سیپارہ ۱۸+

خدا تعالیٰ کی اس گواہی سے صاف واضح ہو گیا کہ اُنکو کسی بڑی آفت کے ہاتھ سے بچا کر ایسی وادی میں لے گیا جو دشمنوں سے پناہ کی جگہ بھی تھی اور ساتھ ہی شاداب و سیراب اور قابل رہایش بھی تھی اور وہاں چشمے بھی جاری تھے اب بتاؤ سوائے وادی کشمیر کے اور کونسی جگہ ہے جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں کیا یہ روز روشن کی طرح صاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معہ اپنی والدہ کے کشمیر کی طرف تشریف لائے +

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب مسیح علیہ السلام یہودیوں میں پیدا ہوئے تو وہ تیس سال کی عمر میں اُن قوموں کی تبلیغ کے لیے مامور ہوئے تھے تو گروہ یہود نے اُن کی سخت مخالفت کی اور اُن پر کفر کا فتویٰ لگا کر اُنکے قتل کے درپے ہوئے اور اپنے زعم میں اُن کو قتل بھی کر ڈالا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی حکمت کاملہ سے بچا لیا جیسے تم گذشتہ فصلوں میں پڑھ چکے ہو اناجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کل قبائل بنی اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے بعض یہودی اور بعض سامری نوان پر ایمان لائے لیکن اکثر اُن میں سے مخالف رہے لیکن بنی اسرائیل کے دس قبیلے اُس ملک سے غائب تھے جن کا اُس وقت تک کسی کو پتہ نہیں تھا۔ اِس لیے بحکم خدا اُن کی تبلیغ حضرت مسیح پر فرض ہو چکی تھی اسی لیے وہ بار بار فرماتے تھے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے بھیجا گیا ہوں چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۱ درس ۵۲ میں ہے " وہ خدا کے فرزندوں کو جو پراگندہ تھے باہم جمع کریگا" پھر یسعیاہ باب ۵۶ آیت ۸ میں لکھا ہے " خداوند یہوواہ جو بنی اسرائیل کے تتر بتر کیے ہوؤں کا

جمع کرنے والا ہے"۔ پھر یوحنا باب ۱۰ ورس ۱۶ میں ہے "اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں"۔ جن سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود مسیح علیہ السلام اقرار کرتے ہیں کہ یہودیوں اور سامریوں کے سوا ایسے
اور لوگ بھی ہیں جو پراگندہ مختلف ملکوں میں ہیں اُن کا جمع کرنا اور اُن کو تبلیغ کرنا میرا فرض ہے۔
اِس لئے وہ صلیب سے بچکر بوحیِ الٰہی بیت المقدس سے بھاگ کر جلیل کو آئے اور وہاں مرہم
سلیخہ جسکو مرہم عیسےٰ و مرہم رسل و مرہم حواریین بھی کہتے ہیں ۴۰ روز تک استعمال کرتے رہے
جب زخم مندمل ہو گیا تو وہاں سے رخصت ہو کر ڈیڈسی یعنے بحر مردار کے پاس ایک پہاڑ پر چڑھے
اور اُس وقت بادل آسمان پر چھایا ہوا تھا۔ حواریوں کو یہ معلوم ہوا کہ وہ بادل کی طرف
جا رہے ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات بھی نہیں جن لوگوں کو کبھی پہاڑ پر جانے کا اتفاق ہوا ہوگا
اُن کو بارہا یہ نظارہ پیش آیا ہوگا کہ آدمی پہاڑ پر اونچا کھڑا ہوا ہو تو بادل اُس کے نیچے ہوتے
ہیں اور اُن سے پانی برستا ہے اور وہ آدمی بالکل محفوظ ہوتا ہے۔ ایسا ہی جب حضرت مسیح
پہاڑ پر چڑھ گئے تو بوجہ بادل مسیح حواریوں کی نظروں سے غائب ہو گیا وہ سمجھے کہ بادلوں
پر سوار ہو کر آسمان پر چلے گئے کیونکہ کچھ دیر کے بعد جب بادل کھل گیا ہوگا اور مطلع صاف
ہو گیا ہوگا اور وہاں مسیح نظر نہیں آئے ہونگے تو اُن بھولے بھالوں نے جو علم طبعی سے
بالکل ناواقف اور قانون نیچر سے محض ناآشنا تھے اپنی سادگی اور بھولا پنی سے یہ یقین کر لیا کہ وہ
ضرور بادل پر سوار ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ اور یا اس وجہ سے کہ حضرت مسیح نے اُن کو منع کر دیا
تھا کہ میرے جانے کی خبر یہودیوں کو نہ کرنا مبادا وہ اُنکا پیچھا کر کے پھر ماخوذ کرلیں۔ اِس بات کو
کروسی فکشن نام کتاب سے ہم بخوبی ثابت کر آئے ہیں۔ لہذا انہوں نے یہ بات بطور توریہ بنالی کہ وہ آسمان پر چلے
گئے اور ایسا کرنا قرین قیاس بھی ہے کیونکہ واقعہ صلیب سے ۴۰ روز تک تو وہ حواریوں سے
ملتا بھی رہا لیکن خفیہ دروازہ بند کر کے ملا کرتا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں
کو افشاء راز سے ممانعت کی گئی تھی۔ اسی واسطے اُن کو مصنوعی بات بنانی پڑی کہ وہ آسمان پر
چلا گیا۔ اور بعض نے محض یہودیوں کے خیال کو پھیرنے کے لئے کہ وہ تعاقب نہ کریں مصنوعی
قبریں بنالیں تاکہ یہودیوں کو یقین ہو جائے کہ مسیح مر گیا۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام اُس پہاڑ سے
اُتر کر دوسری سمت کو چلدئے اور کئی سو میل کی مسافت طے کر کے نصیبین میں پہنچے چنانچہ کتاب
تاریخ روضۃ الصفا جلد اول صفحہ ۱۳۳ میں لکھا ہے

ملک را حدیثِ شمعون مستحسن آمناد با حضارِ روح اللہ فرمان داد عیسے آمد +	یعنے بادشاہ کو شمعون کی بات اچھی لگی حضرت روح اللہ کے بذاتِ خود تشریف لانے کا حکم

دیا اور سُرخی میں یہہ لکھا ہے +

در ذکرِ رفتنِ عیسے صلوٰۃ اللہ علیہ ناحیتِ نصیبین	یعنے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے

کا ذکر نواحِ نصیبین میں +

پھر اُسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھا ہے

اربابِ اخبار گفتہ اند کہ در زمانِ عیسیٰ بادشاہے بود در ولایتِ نصیبین بغایت متکبر وجبار حضرت نبوی بدعوتِ او مامور شدہ متوجہ نصیبین گشتہ	مورخین نے لکھا ہے کہ عیسیٰ کے زمانہ میں ملکِ نصیبین میں ایک نہایت متکبر اور جابر بادشاہ تھا حضرت عیسے علیہ السلام اُسکی دعوت کے

لئے مامور ہوئے اور اسی لئے نصیبین کی طرف تشریف لے گئے +

اس تمام عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام ضرور نصیبین میں گئے۔ گو اس قصہ میں بہت سی باتیں لغو اور بیہودہ اور دور از عقل و فکر لکھی ہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نصیبین میں نبی موصوف گئے اور اسکی تائید ایک انگریزی خط سے جو سی جے ہسلم لرستشم نے اڈیٹر کے لاٹ پادری کو لکھا ہے بخوبی ہوتی ہے جس میں صاحب موصوف نے دو چٹھیاں بھی نقل کی ہیں ایک چٹھی تو ٹوپارچ ایقاری بادشاہ اڈیسہ کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر ہے اور دوسری چٹھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف سے بادشاہ موصوف کے نام بجواب اُس کے خط کے ہے پہلی چٹھی کا مضمون یہ ہے کہ میں آپ کی شہرت سُنکر کہ آپ بغیر دوا کے بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور بیمار شفایاب ہوجاتے ہیں آپکی خدمت میں یہ نیاز نامہ ارسال کرکے ملتمس ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائیے اور میرا علاج کیجئے اور میں نے سُنا ہے کہ یہودی لوگ آپ کو سخت ایذائیں اور دُکھ دیتے ہیں اور آپ کے بخلاف نقصان رسانی کی سازشیں کرتے ہیں میرے پاس بڑا مصفا شہر ہے جو ہم دونوں کے لئے کافی ہوگا آپ یہاں آجائیں۔ اور جو چٹھی مسیح نے بجواب اس خط کے لکھی ہے اُسکا مضمون حسب ذیل ہے مگر اس میں معلوم ہوتا ہے کہ ان عیسائیوں نے اپنی عادتِ مستمرہ کے موافق یہاں بھی بہت کچھ دخل دیا ہے اور بالکل تحریف کر ڈالی ہے جو نفسِ مضمون سے ظاہر ہے

چنانچہ وہ چٹھی یہ ہے۔ اے ابغاری تو بڑا ہی خوش قسمت ہے کہ تو اتنا دور رہتا ہے اور تو نے مجھے دیکھا نہیں سُنکر ایمان لایا ہے اور یہاں جنہوں نے مجھے دیکھا ہے وہ ایمان نہیں لائے اور تو نے جو میرے آنے کے لئے لکھا ہے۔ اُس کی نسبت یہ جواب ہے کہ میرا آنا چنداں ضروری نہیں کیونکہ جو میں وہاں آنکر کرسکتا تھا وہ یہاں بیٹھے ہی کرسکتا ہوں اور میں عنقریب آسمان پر جانیوالا ہوں جب میں آسمان پر چلا جاؤنگا تو پھر میں اپنے کسی حواری کو تمہارے پاس بھیجدونگا۔ یہ مضمون اُس چٹھی کا ہے۔ ناظرین خود قیاس کرسکتے ہیں کہ اس میں کہاں تک خیانت سے کام لیا گیا ہے اور صاحب روضۃ الصفا لکھتا ہے کہ مسیح وہاں گیا اور وہاں جاکر معجزے دکھائے اور بادشاہ معہ اپنی رعایا کے اُس پر ایمان لایا۔ اور کتاب کروسی فکشن سے بھی آسمان پر جانے کے الفاظ پائے جاتے ہیں مگر یہ الفاظ مسیح علیہ السلام کی زبان سے اس وقت نکلے تھے جب واقعہ صلیب کے بعد بحر مردار کے قریب ایک محفوظ مقام میں تھے اور وہاں مریم مگدلینی جو مسیح پر جان سے عاشق تھی اور مسیح کو بھی اُس سے بیحد محبت تھی حضرت مسیح کے پیچھے پہنچ گئی۔ مسیح علیہ السلام نے اپنی ناتوانی اور بدحالی کو محسوس کرکے مریم سے کہا کہ اب تو میں تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ میں زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب اپنے باپ کے حضور جانیوالا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے موجودہ حالات پر نگاہ کرکے کہدیا کہ اب میں عنقریب مرجاؤنگا اور مرکر تو ہر ایک نیک آدمی خدا کے پاس جاتا ہے۔ مگر ظالموں نے اس سے مسیح کا زندہ آسمان پر جانا مان لیا حالانکہ اُس کے بعد ایک مدت تک مسیح زندہ رہے اور پھر دیگر ممالک میں چلے گئے۔ اور انجیل اور قرآن شریف اور دیگر کتب گواہی دیتی ہیں کہ مسیح نہیں مرا اور بیت المقدس سے بچکر گلیل کی سڑک پر چلتے ہوئے اور اپنے معتقدین کے گھروں سے گوشت روٹیاں کھاتے ہوئے جلیل کے اندر داخل ہوئے اور بہت روز تک بود و باش کرکے اور اپنے حواریوں کو خوب تبلیغ احکام کی فرمایش کرکے کچھ حواریوں کو ہمراہ لیکر ایک پہاڑ کیطرف جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں پھر وہاں سے بوجہ بادل و پہاڑ نظر سے غائب ہوجاتے ہیں۔ اس تمام بین سے انسان جس کو تھوڑی سی بھی عقل خداداد مگر انصاف پسند دی گئی ہو خیال کرسکتا ہے کہ جب یہودیوں نے اس قدر ستایا کہ پھانسی تک نوبت پہنچائی اور اب آئندہ اُن کیلئے کوئی امن

کی صورت دکھلائی نہیں دیتی تھی جیسا کہ کروسی فکشن میں لکھا ہے کہ کائیفس سردار کاہن کو معلوم ہو گیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا تو اُس نے قیصر کے پاس مخبری کی کہ مسیح کے حواریوں نے خاکر یوسف آرمیتیا نے پلاطوس حاکم یروشلم کے ساتھ سازش کر کے اُس کو بچا لیا ہے اور اب اور سلطنت کے قایم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس پر یوسف آرمیتیا کو گرفتار کیا گیا اور پلاطوس پر بھی عتاب ہوا۔ اور مسیح علیہ السلام کے کھوج نکالنے کے لئے بکثرت جاسوس مقرر کئے گئے اور چونکہ مسیح کو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کر کے انکو جمع کرے اور احکام شریعت پہنچائے۔ اسلئے جانا ضروری تھا اور ہم پیشتر از یں دکھلا چکے ہیں کہ انجیل میں خود حضرت مسیح علیہ السلام فرما چکے ہیں کہ میں خدا کے فرزندوں کو جو پراگندہ ہیں جمع کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۱ ورس ۵۲ جس سے صاف نکلتا ہے کہ اُن کو یہی حکم تھا کہ بنی اسرائیل کی گم شدہ قوموں کو تلاش کر کے تبلیغ کرے۔ اس لئے اُن کا ضروری فرض تھا کہ صلیب سے نجات پا کر اُن کی تلاش میں نکلیں چنانچہ کتاب کروسی فکشن وغیرہ سے تو بخوبی روشن ہو چکا ہے کہ وہ صلیب سے نجات پا کر ایک امن کی جگہ چلے گئے۔ یہ تو عیسائیوں کی کتابوں کا بیان ہے۔ مگر ہم تو اسلامی کتابوں میں بھی اس کا ثبوت پاتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ضرور ملک کشمیر میں تشریف لائے اور وہیں فوت ہو گئے اور وہیں اُن کا مدفن ہوا۔ چنانچہ کتاب اکمال الدین واتمام النعمۃ میں جو شیخ سعید ابن جعفر بن علی کی تصنیف ہے اور اہل شیعہ کے نزدیک ایک مستند مانی جاتی ہے یوں لکھا ہے:۔

فَلَمَّا سَمِعَ یُوزُ آسِف کَلَامَ الْمَلَکِ خَرَّ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ جَلَالُہٗ سَاجِدًا وَّ قَالَ اِنِّیْ لِاَمْرِ اللّٰہِ مُطِیْعٌ اِلٰی وَصِیَّتِہٖ مُنْتَھِیْ فَمُرْنِیْ بِاَمْرِکَ فَاِنِّیْ لَکَ حَامِدٌ وَّ لِمَنْ بُعِثَ اِلَیَّ شَاکِرٌ فَاِنَّہٗ رَحْمَتِیْ وَ رَاحَتِیْ وَ لَمْ تَرْ قَضِیَ بَیْنَ الْاَعْدَاءِ بِاَنِّیْ کُنْتُ بِالَّذِیْ اٰتَیْتَنِیْ بِہٖ فَھِمًا.... قَوْلُہُمْ یُوزُ اٰسِفْ	جب یوز آسف نے فرشتہ کا کلام سُنا تو خدا تعالیٰ کی جناب میں سجدے میں گر پڑا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا مطیع اور ہر وصیت پر کمربستہ ہوں۔ اے میرے خدا مجھے حکم دو میں تیری ہی حمد کرتا ہوں اور جس حکم کو تو نے میری طرف بھیجا ہے اُس کا شکر گذار ہوں وہ تو میرے لئے رحمت اور راحت ہے اور مجھے دشمنوں میں

نَفْسَهُ عَلَى الْخُرُوجِ وَجَعَلَ هَمَّهُ كُلَّهُ فِيهِ
وَلَمْ يَطَّلِعْ عَلَى ذٰلِكَ أَحَدٌ حَتّٰى إِذَا جَاءَ
وَقْتُ خُرُوجِهِ أَتَاهُ الْمَلَكُ فِي جَوْفِ
اللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ فَقَالَ قُمْ وَلَا تُؤَخِّرْ ذٰلِكَ
فَسَلَكَ فَقَامَ وَلَمْ يُفْشِ سِرَّهُ إِلَى أَحَدٍ
مِنَ النَّاسِ غَيْرَ وَزِيرِهِ وَقَدْ كَانَ رَجُلٌ
شَابٌّ جَمِيلٌ۔ وَقَالَ أَيْنَ تَذْهَبُ يَا بْنَ
الْمَلِكِ وَقَدْ أَصَابَنَا الْعُسْرُ أَيُّهَا الْمُعَلِّمُ
الْحَكِيمُ الْكَامِلُ وَتَتْرُكُنَا وَتَتْرُكُ مُلْكَكَ
وَبِلَادَكَ أَقِمْ عِنْدَنَا فَإِنَّا كُنَّا مُنْذُ وُلِدْتَ
فِي رَجَاءٍ وَكَرَامَةٍ۔ فَسَكَتَ يُوزَآسِفُ
وَقَالَ لَهُ أُمْكُثْ أَنْتَ فِي بِلَادِكَ وَ
ذَكِّرْ أَهْلَ مُلْكِكَ فَأَمَّا أَنَا ذَاهِبٌ
حَيْثُ بُعِثْتُ وَعَامِلٌ مَا أُمِرْتُ بِهِ
ثُمَّ إِنَّهُ رَكِبَ فَسَارَ مَا قُضِيَ لَهُ
وَتَقَدَّمَ يُوزَآسِفُ أَمَامَهُ حَتّٰى بَلَغَ
فَضَاءً وَاسِعًا فَرَأَى شَجَرَةً عَظِيمَةً
عَلَى عَيْنِ مَاءٍ أَحْسَنَ مَا يَكُونُ مِنَ الشَّجَرِ
وَأَكْثَرَهَا فَرْعًا وَغُصْنًا وَأَحْلَاهَا ثَمَرًا
وَقَدِ اجْتَمَعَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّيْرِ مَا لَا يُعَدُّ
كَثْرَةً فَسُرَّ بِذٰلِكَ الْمَنْظَرِ وَفَرِحَ بِهِ
وَتَقَدَّمَ إِلَيْهِ حَتّٰى دَنَا مِنْهُ وَجَعَلَ
يُعَبِّرُ فِي نَفْسِهِ وَيُفَسِّرُهُ الشَّجَرَةَ بِالْبُشْرٰى
الَّتِي دَعَا إِلَيْهَا وَعَيْنَ الْمَاءِ بِالْحِكْمَةِ

مت چھوڑ۔ میں نے اُس حکم کے لئے جو تو نے مجھے
دیا ہے کمر ہمت چست کر لی ہے۔ پس یوزآسف
نے بحکم الٰہی وہاں سے نکل پڑنے کا قصد جی
میں ٹھان لیا اور اپنی ہمہ تن ہمّت کو اس میں
خرچ کرنے کے لئے مستعد ہو گیا۔ اور کسی فرد بشر
کو اس بارہ میں مطلع نہ کیا۔ یہانتک کہ جب کوچ
کرنے کا وقت آگیا ایک فرشتہ آدھی رات
کو جبکہ لوگ سوتے تھے آیا اور اُسے کہا کہ اٹھو
اور دیر مت کرو پس وہ کھڑا ہو گیا اور چل پڑا
اور اپنے راز کو کسی پر افشا نہ کیا سوائے اپنے
ایک وزیر کے۔ وہ ایک آدمی نوجوان اور خوبصورت
تھا۔ اُس نے اُسے کہا کہ اے شاہزادے آپ
کہاں جاتے ہیں۔ اے کامل حکمت کے
معلم ہم پر تو مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں
اور آپ ہم کو چھوڑ چلے اور اپنے ملک اور ولایت کو
ترک کر چلے۔ آپ یہاں ٹھہرے رہیں۔ ہم تو جب
سے آپ پیدا ہوئے تھے بڑی بڑی امیدوں
اور اعزاز کے امیدوار تھے۔ یہ سُنکر یوزآسف
نے جواب نہ دیا بعد ازاں کہا کہ تم اپنے بلاد میں
ٹھیرے رہو اور اپنے ملک کے لوگوں کو نصیحتیں
کرتے رہو میں تو وہاں جاؤنگا جہاں مجھے جانیکا حکم ہوا
ہے اور میں وہی کرونگا جس کے کرنے کا مجھے
فرمان ملا ہے۔ پھر وہ سوار ہو گیا اور جہاں جانے
کا حکم ملا تھا اُدھر کو چل کھڑا ہوا۔ جہاں فرشتہ جاتا

وَالعِلمِ۔ وَالطَّيرِ بِالنَّاسِ الَّذِي يَجتَمِعُونَ
اِلَيهِ وَيَقُولُونَ مِنهُ الَّذِينَ فِينَا هُوَ
قَائِمٌ اِذَا اَتَاهُ اَربَعَةٌ مِنَ المَلَائِكَةِ
يَمشُونَ بَينَ يَدَيهِ وَهُوَ يَتبَعُ اٰثَارَهُم
ثُمَّ رَفَعُوهُ فِي جَوِّ السَّمَاءِ وَاُوتِيَ مِنَ العِلمِ
وَالحِكمَةِ مَا عُرِفَ بِهِ الاُولٰى وَالوُسطٰى
وَالاُخرٰى۔ وَالَّذِي هُوَ كَائِنٌ ثُمَّ اَنزَلُوهُ
اِلَى الاَرضِ فَمَكَثَ فِي تِلكَ البِلَادِ حِينًا
ثُمَّ اَتٰى اَرضَ سَوْلَابِطَ وَبَلَغَ السَّائِلِينَهَا
ثُمَّ انتَقَلَ مِن اَرضِ سَوْلَابِطَ وَسَارَ
فِي بِلَادٍ وَمُدُنٍ كَثِيرَةٍ حَتّٰى اَتٰى اَرضًا
تُسَمّٰى قَشمِير فَسَارَ فِيهَا وَاَحيَا مِنهَا وَمَكَثَ
حَتّٰى اَتَاهُ الاَجَلُ +

تھا اُس کے پیچھے پیچھے یوز آسف جاتا تھا۔ چلتے
چلتے ایک وسیع میدان میں پہنچے۔ تو کیا دیکھا کہ
ایک چشمہ کے کنارے پر ایک بہت بڑا درخت
ہے اور ایسا عمدہ درخت ہے جس کی شاخیں
اور ٹہنیاں بکثرت ہیں اور جسکا پھل سب سے
زیادہ میٹھا ہے۔ جہاں پرندے بڑی کثرت سے
جمع ہیں اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش اور مسرور
ہوا۔ درخت کے پاس چلا گیا اور وہاں جاکر اپنے
دل میں اس کی تعبیر کرنے لگا۔ اور یہ تفسیر کی
کہ درخت سے مراد وہ بشارت ہے جس کے
بارہ میں دعا کی گئی تھی۔ اور چشمہ سے مراد حکمت
اور علم ہے اور طیر سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو وہ
جمع کریگا اور وہی لوگ میری تبلیغ کو قبول کرینگے
جو ہم میں سے ہونگے جب وہ اس حال میں کھڑا تھا تو اُس کے پاس چار فرشتے آئے جو
اُس کے سامنے چلتے تھے اور وہ اُن کے پیچھے چلا گیا۔ پھر وہ اُس کو آسمان کے فضا میں
لے گئے جہاں اُس کو علم اور حکمت ملا اور جیسے اُن کو ابتدا اور درمیان اور اخیر میں خبر دی
گئی تھی ایسا ہی ہوا۔ پھر اُس کو ایک ملک میں لے گئے جہاں وہ کچھ عرصہ تک ٹھہرا رہا۔
پھر اُس کو بلادِ سولابط میں لے آئے اور پھر وہاں سے بہت سے شہروں اور قصبوں میں گیا
یہانتک کہ وہ اُس ملک میں آیا جسکا نام کشمیر ہے اُس میں ایک مدت تک پھرتا رہا اور کبھی اُس سے
باہر بھی چلا جاتا تھا پھر کشمیر ہی میں ٹھہرا رہا یہانتک کہ موت کا وقت آگیا۔ دیکھو کتاب اکمال الدین
و تمام النعمۃ صفحہ ٦۵۳ مطبوعہ مطبع ایران +

پس صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ارضِ مقدسہ کو بحکم رب العزت خیرباد کہکر عازم سفر
افغانستان و تبت و کشمیر و ہندوستان ہوکر اور دشوار گذار گھاٹیوں اور پُر صعوبت دشت و بیابان کو
طے کرتے ہوئے بالآخر کوہِ لغمان میں پہنچے اور علاقہ شیطان گنبل میں کچھ عرصہ تک قیام کرکے

اپنی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کیا اور بہت لوگ اُن پر ایمان لائے اور اُس جگہ وہ مدت تک قیام پذیر رہے وہاں آجتک ایک چبوترہ بنا ہوا ہے جو یوز آسف اور یہترلام کے نام سے مشہور ہے پھر وہاں سے براہِ ایران و افغانستان تبت و کشمیر تشریف لے گئے چنانچہ نکولس ناٹووچ لکھتا ہے کہ گرد نواح کے ملکوں میں عیسیٰ کی پیشگوئی کی شہرت تھی اور جب وہ فارس میں داخل ہوا تو ملاں لوگ پریشان ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو روک دیا کہ کوئی اُس کی بات نہ سنے۔ دیکھو کتاب دی ان نون لائف آف جیزز صفحہ ۱۶۱ اور لاسہ واقع تبت میں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی عیسیٰ علیہ السلام گئے تھے اور چونکہ اُس نے شودر قوموں کی حمایت کی تھی اس واسطے لوگ اُن کے مخالف ہو گئے تھے۔ وہاں سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گئے جہاں مہاراج بدھ رہتا تھا۔ دیکھو صفحہ ۱۵۲ کتاب مذکور۔ اور کشمیر میں اب تک یوز آسف و شاہزادہ نبی و نبی صاحب و عیسےٰ صاحب کے نام سے مشہور ہے اور یوز آسف نبی کے نام پر محلہ خانیار شہر سری نگر ملک کشمیر میں مزار مقدس ہے۔ رہا یوز یہ تو وہی لفظ یسوع ہے جو بگڑ کر یُوز ہو گیا۔ یعنے یسوع کو کشمیری لہجہ میں یزو بنا یا گیا پھر تمادی زمانہ سے بگڑ کر یزو کی جگہ یُوز ہو گیا اور یہ چنداں مستبعد بھی نہیں کیونکہ ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں اکثر متغیر ہو جاتا ہے۔ ابھی دیکھ لو۔ لنڈن کو عرب لندرا کہتے ہیں۔ اٹلی کو اطالیہ۔ تنخیر کو تنجہ۔ ٹولیڈو کو طلیطلہ اور ٹالمی کو بطلیموس۔ قرطبہ کو یورپین کارڈووا اور اندلس کو اینڈیلوسیا کہتے ہیں۔ ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اِس لئے لفظ یسوع بگڑتے بگڑتے یوز ہو گیا تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور آسف اور لام دونوں عبرانی زبان کے نام ہیں جن کے معنے بھی ایک ہی ہیں یعنے پراگندوں کو جمع کرنے والا۔ اور یہ ظاہر ہے اور بڑے بڑے محققوں نے شہادتیں دی ہیں کہ بنی اسرائیل کی وہی گم شدہ قبیلے افغانستان اور تبت اور کشمیر وغیرہ میں پائے جاتے ہیں اور بعض قبائل افغان تو خود اپنے آپ کو بنی اسرائیلی کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض افغان جو اضلاع متحدہ میں مدت مدید سے آباد ہیں اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے اور کتابوں میں لکھتے ہیں اور افغانستان کی تاریخوں میں بھی لکھا ہے کہ افغانوں میں بعض قبائل بنی اسرائیل ہیں اگر کسی کو شک ہو تو افغانوں سے اور کشمیریوں وغیرہ کے چہرہ اور لباس اور وضع قطع سے سمجھ سکتا ہے کہ وہ سب یہودیوں سے ملتے ہیں اور لفظ جُو جو ابتک اُن میں رائج ہے خود اُن کے یہودی ہونے پر گواہ ہے

ماسوااس کے لفظ مسیح خود اس امر پر دال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے برخلاف دیگر انبیا کے ایسی سیاحت کی ہے جس کی وجہ سے وہ مسیح کہلائے ہیں اور وہ سیاحت کہیں دور دراز ممالک میں وقوع میں آئی ورنہ اگر سیاحت سے وہی سیاحت مراد ہو جو ارض مقدسہ کے حدود کے اندر ہوئی تو اُس سے کوئی بڑی سیاحت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اور انبیاء کی سیاحت اُن سے بدرجہا زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے چلکر کنعان میں آئے اور دور دراز مقامات میں پھرتے رہے۔ اگر مسیح لقب ہو سکتا تھا تو حضرت موسیٰ کا ہو سکتا تھا جن کو مدتِ رسالت بھی بہت ملی تھی۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح کو بقول دیگر علماء صرف ارض مقدسہ کے بہت ہی تنگ اور محدود دائرہ کے اندر رہنے کا اتفاق ہوا اور نیز زمانہ نبوت بھی کل تین یا ساڑھے تین سال تھا اس قلیل عرصہ میں اُنہوں نے کیا سیاحت کی ہوگی۔ لہٰذا ہم مختلف وجوہ سے ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واقعی بڑے بڑے سفر کئے اور بے شک اُنہیں کی ذات پر لفظ مسیح صادق آسکتا ہے۔ بیشتر اسکے کہ ہم ثبوت پیش کریں اول لفظ مسیح پر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں بنا ءً علیہ واضح ہو کہ لفظ مسیح کے مختلف معنے علماء نے بیان کئے ہیں اور مختلف توجیہیں نکالی ہیں اول ہم اُن اقوال کو لکھ دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو آسانی ہو جائے +

(۱) امام محمد طاہر گجراتی اپنی کتاب مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ میں لکھتے ہیں:-

(الف) اَلْمَسِیْحُ عِیْسٰی لِاَنَّہٗ کَانَ لَا یَمْسَحُ بِیَدِہٖ ذَاعَاھَۃٍ اِلَّا بَرَاءَ یعنے مسیح جو حضرت عیسیٰ کی نسبت ہے اسواسطے کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی مریض کو چھوتے تھے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا

(ب) اَوْ لِاَنَّہٗ خَرَجَ مِنْ بَطْنِ اُمِّہٖ مَمْسُوْحًا بِالدُّھْنِ یا اسواسطے مسیح کہتے ہیں کہ وہ ماں کے پیٹ سے جب پیدا ہوئے تھے تو اُن کا سر روغن سے تر تھا +

(ج) اَوْ لِاَنَّہٗ یَمْسَحُ الْاَرْضَ- اَیْ یَقْطَعُھَا- یا اسواسطے مسیح کہتے ہیں کہ قطع مسافت کیا کرتا تھا +

(د) وَقِیْلَ الْمَسِیْحُ صِدِّیْقٌ- اور کہتے ہیں کہ مسیح کے معنے صدیق کے ہیں +

اِن مختلف معانی سے ظاہر ہے کہ صاحب موصوف کو تحقیق نہیں کہ کونسی بات ٹھیک ہے جسکی وجہ سے وہ مسیح کہلائے۔ اول امر کی نسبت کہ مریضوں کو اچھا کیا کون پیغمبر ہے کہ

جس کی دعا سے مریض اچھے نہیں ہوئے۔ حالانکہ اس امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ اولیاء کی دعاؤں سے سینکڑوں مریض اچھے ہوئے۔ یہ کوئی خصوصیت نہیں +

بہ نسبت امر دوم کہ وہ ماں کے پیٹ سے روغن آلودہ پیدا ہوا یہ ایک امر ثبوت طلب ہے جسکی تصدیق نہ تو قرآن شریف سے ہوتی ہے اور نہ حدیث صحیح سے اور نہ تاریخ سے۔ یہ محض خیالی بات ہے +

بہ نسبت امر سوم کہ وہ صدیق تھا سو جتنے پیغمبر گذرے ہیں سب ہی صدیق تھے اسمیں بھی کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ رہا چوتھا امر سو وہ بہت درست ہے کیونکہ تمام انبیاء کو کچھ نہ کچھ سفر کرنے پڑے ہیں لیکن مسیح کو جسقدر مسافت طے کرنی پڑی اتنی مسافت کسی اور نبی کو نہیں کرنی پڑی اس لئے یہ لقب اُن کے ہی لئے زیبا ہے +

(۲) نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی تفسیر ترجمان القرآن جلد ۲ کے صفحہ ۴۲۹ پر لکھتے ہیں کہ مسیح کے معنے جس کے ہاتھ لگانے سے بیمار اچھے ہوں یا جس کا کہیں وطن نہ ہو ہمیشہ سیاحت میں رہے +

(۳) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۴۳۸ میں لکھا ہے قِیْلَ لِاَنَّہٗ یَمْسَحُ الْاَرْضَ۔ یعنے مسیح کو اس واسطے مسیح کہتے ہیں کہ قطع ارض کرتا تھا +

(۴) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۲ میں ہے قِیْلَ مِنْ مَسَحَ لِاَنَّہٗ مَسَحَ الْاَرْضَ اَیْ ذَھَبَ فِیْھَا فَلَمْ یَسْتَکِنَّ بِکِنٍّ یعنے مسیح مسح سے ہے کیونکہ وہ زمین پر سفر کرتا تھا اور ایک مقام پر نہیں ٹھہرتا تھا +

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے۔ کیا کسی کا ایمان ہے کہ دجال کے ہاتھ چھونے سے مریض اچھے ہو جائینگے یا وہ بھی ماں کے پیٹ سے ایسا پیدا ہوا تھا کہ اُس کے سر پر روغن لگا ہوا تھا۔ ہرگز نہیں جبکہ کسی کا ایسا ایمان نہیں تو پھر بجز زیادہ سیاحت کرنیوالے کے اور کیا معنے ہو سکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دجال بھی زمین پر بڑی سیاحت کریگا اسی واسطے اُس کو بھی مسیح کہا گیا ہے +

چونکہ ہم پہلے بھی لفظ مسیح پر کچھ لکھ آئے ہیں اس لئے ہم انہیں روایات پر اکتفا کر کے اب دکھانا چاہتے ہیں کہ ان بیچارے علماء کو اگر حقیقت حال پر آگاہی ہوتی تو اتنی سرگردانی نہ کرتے

یہ تو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح سیاحت سے ہے اور وہ صرف اُسی سیاحت کو تسلیم کرتے ہیں جو ارضِ مقدسہ کی حدود کے اندر یہودیوں کے خوف کے مارے کرتے اور مکانوں کے اندر چھپتے پھرتے تھے مگر اُن کو یہ سمجھ نہ آئی کہ ایسا ڈرنا تو نبیوں کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ایک قوم کی طرف تبلیغ احکام کے لئے مامور کرے اور وہ اپنی جان کے خوف کے مارے پناہ گزین ہوتا پھرے اور تبلیغ کو پس پشت ڈال دے تو ایسا آدمی کب نبوت کے لائق ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا کیا بری بات ہے۔ ہماری رائے میں نبی ایسے بزدل نہیں ہوتے۔ اگر کہیں ایسا ارادہ قتل ہو بھی جائے تو صرف بحکمِ الٰہی اُس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا پڑتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بحکمِ الٰہی ہجرت کرنی پڑی اور ایک پہاڑ کی غار میں کچھ وقت کے لئے پناہ بھی لینی پڑی۔ لیکن یہ کب ہو سکتا ہے کہ نبی ہو کر وہ ہمیشہ چھپتا پھرے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اُن قبائل سے ستائے گئے اور سُولی دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے اُن کو بچا لیا اور پھر اُن کو حکم دیا کہ تم بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل کی طرف جاؤ اور اُن کو جا کر تبلیغِ احکام کرو۔ اِس امر کی صداقت انجیل۔ توریت اور احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور بدھ مذہب کی کتابوں اور عیسائیوں کے اقوال سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم تفصیل وار ہر ایک کتاب سے شہادت پیش کرتے ہیں +

اوّل شہادتِ توریت

توریت (۱) یسعیاہ باب ۵۶۔ آیت ۸ میں لکھا ہے۔ خداوند یہوواہ جو بنی اسرائیل کی تتر بتر کئے ہوؤں کا جمع کرنے والا ہے"۔ اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے بنی اسرائیل کی پراگندہ قوموں کو جمع کرنے کے لئے کوئی سبیل نکالیگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح سے ۶۰۰ برس پہلے قوم بنی اسرائیل بخت نصر کے ہاتھ سے پراگندہ ہوئی اُس سے پہلے سب جمع تھے دیکھو تلخیص التواریخ مصنفہ محمد حسن امروہی۔ اور ان چھ سو برس میں کسی نبی نے اُن کو جمع نہیں کیا۔ خود مسیح علیہ السلام جب آئے تو اُس وقت صرف یہودی اور سامری قبائل بیت المقدس کے آس پاس موجود تھے باقیوں کا کچھ پتہ نہیں تھا

(۲) یسعیاہ باب ۵۳ میں ہے " اور اُس کی بقائے عمر کی جو بات ہے سو کون سفر کرے جائیگا کیونکہ وہ قبائل کی زمین سے (مراد بیت المقدس سے) علیحدہ کیا گیا ہے" +

دوم - شہادتِ انجیل

اور جب ہم انجیل یوحنا دیکھتے ہیں تو اُس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ خود یہودی اقراری ہیں کہ یسوع پراگندہ قبایل کو آکر جمع کریگا - چنانچہ باب ۱۱ آیت ۵۱ و ۵۲ میں ہے " لیکن اس سبب سے کہ اُس برس سردار کاہن نے پیش خبری کی کہ یسوع اُس حق کے واسطے مریگا اور نہ صرف اُس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ وہ خدا کے فرزندوں کو جو پراگندہ ہوئے باہم جمع کرے " ان آیات سے ظاہر ہے کہ یسوع کے زمانے تک بنی اسرائیل جو خدا کے فرزند کہلاتے تھے گم تھے اور یہہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی اُن کو جمع کریگا +

(۲) پھر انجیل یوحنا باب ۱۰ کی آیت ۱۵ و ۱۶ سے یوں ظاہر ہوتا ہے " اور میں بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہوں اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں ضروری کہ میں اُنہیں بھی لاؤں اور وے میری آواز سُنینگی اور ایک ہی گلہ اور ایک گڈریا ہوگا " اِن آیتوں سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچائی جائیگی کہ گویا جان تک نوبت پہنچیگی لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اور بھیڑیں بھی رکھی ہیں جو اس ملک میں نہیں اور وہ پراگندہ ہیں اور نیز یہ بھی فرمایا کہ میں اُن کو ضرور جمع کرونگا اور وہ میری تبلیغ کو بھی قبول کرینگی اور اُس کا ایک ہی گلہ ہوگا اور ایک ہی گڈریا ہوگا۔ وہ سب کی سب ایک ہی حکم اور ایک ہی شریعت اور ایک ہی امام کی تابع ہو جائینگی - اب کوئی عیسائی یا کوئی مسلمان ثابت کرسکتا ہے کہ یہ وعدہ جو حضرت مسیح کے ساتھ تھا کب پورا ہوا - عیسائی تو کبھی بھی ثبوت نہیں دے سکتے کیونکہ وہ تو اُن کو صلیب پر مار چکے ہیں اور اُس سے صرف یہ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے کفارہ ہو گئے لیکن اس طرف خیال تک نہیں گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اُن سے تھا کہ اُن قبائلِ گم شدہ کو جو اس ارضِ مقدسہ میں نہیں تھے جمع کریگا اور اُن کو خدا کے احکام

سنائیگا غلط ثابت ہوتا ہے اور نبی کی باتیں کبھی بھی جھوٹی نہیں ہوسکتیں بہرحال اُن لوگوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی ورنہ اُن کو بخوبی معلوم ہے کہ حضرت مسیح کی جان دُکھوں میں تو ضرور پڑگئی تھی اور یہود نے صلیب پر چڑھا بھی دیا تھا اور اُن کی جان لینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت بھی نہیں رکھا گیا تھا اور وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے اُن سے بچانے کا کیا تھا پورا ہوا یعنے اُس کو موت سے بچا لیا گیا جسکا ثبوت ہم گذشتہ فصل میں دے چکے ہیں۔ اور وہ اُس واقعہ صلیب کے بعد تمام معتقدین کو ملتے رہے اور روٹیاں اور مچھلیاں اور گوشت کھاتے پھرے جسکا ثبوت اناجیل و کروسی فکشن سے بخوبی ہوتا ہے اور بالآخر وہاں سے رخصت ہوکر اُن ممالک میں گئے جہاں بنی اسرائیل کی قومیں تتر بتر تھیں۔

سوئم۔ شہادتِ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) کتاب ابن عساکر میں یہ حدیث آئی ہے

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی اَنْ یَا عِیْسٰی اَنْتَقِلْ مِنْ مَّکَانٍ اِلٰی مَکَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُوْذٰی رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ

یعنے ابن عساکر حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ تو اس ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا جا تا کہ پہچانا نہ جائے اور تجھے ایذا نہ دیجائے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴۔ گو اس حدیث میں لفظ مکان آیا ہے لیکن جب خیال کرتے ہیں کہ کل یہودی اُن کے دشمن تھے صرف چند ہی آدمی ایمان لائے تھے اگر انہیں چند آدمیوں کے مکانوں کی طرف اشارہ ہے تو یہ بات بہت ہی کمزور ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مکان تو انہیں یہودیوں کے درمیان تھے جن میں وہ حواری لوگ بود و باش کرتے تھے پھر کیسے اُن سے محفوظ رہ سکتے تھے بلکہ اُس واقعہِ صلیب کے بعد یہ حکم ملا ہے کیونکہ اس حدیث کے الفاظ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ایذا دی گئی ہے کہ جس کے لیے اُن کو ہجرت کا حکم ہوا ہے ورنہ معمولی ایذاؤں سے چھپنے کی کیا ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ تمام انبیا کو ایذائیں پہنچیں صرف جب جان کا خطرہ یقینی ہو جاتا ہے تو پیغمبر بحکم الٰہی ہجرت ضروری ہو جاتی ہے۔ اس صلیب سے بڑھکر اور کونسی سخت ایذا

تھی جس سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا تھا پس یقینی بات یہی ہے کہ صلیب سے بچنے کے بعد حکم ہوا کہ تو اب یہاں سے چلا جا ورنہ یہ یہودی پھر پکڑ کر تجھے مار ڈالیں گے اور نیز اُن پر اتمامِ حجت اور کافی تبلیغِ احکام بھی ہو چکی تھی +

اس کی تائید حدیث ذیل سے بخوبی ہوتی ہے کہ حضرت مسیح کو اپنی قوم سے بچکر نکلنا پڑا بلکہ گم شدہ بھیڑوں کے جمع کرنے کے لئے شب و روز جنگلوں بیابانوں کو طے کرنا اور گھاس پات پر گذارہ کرنا پڑا +

(۲) يَا أُمَّ أَيْمَنَ أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ أَخِي عِيسَىٰ كَانَ لَا يُخَبِّئُ عِشَاءً لِغَدَاءٍ وَلَا غَدَاءً لِعَشَاءٍ يَأْكُلُ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءِ الْمَطَرِ يَلْبَسُ الْمُسُوحَ وَيَبِيتُ حَيْثُ يُمْسِي وَيَقُولُ يَأْتِي كُلَّ يَوْمٍ بِرِزْقِهِ رَوَاهُ الْحَكِيمُ عَنْ أَنَسٍ +

حکیم نے انس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمّ ایمن سے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ میرا بھائی عیسٰے علیہ السلام) رات کو صبح کے لئے کچھ کھانے کو نہ رکھتے تھے اور نہ دن کو رات کے کھانے کے لئے کچھ رکھتے تھے۔ درختوں کے پتے کھاتے اور مینہ کا پانی پیتے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنتے اور جہاں شام ہوتی وہاں ہی رات بسر کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا ہر روز آپ ہی اُسکو رزق پہنچائیگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۶ +

اور اُن کے سفر کی زیادہ تشریح حدیث ذیل سے ہوتی ہے:۔

(۳) كَانَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَسِيحُ فَإِذَا أَمْسَىٰ أَكَلَ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَشَرِبَ الْمَاءَ الْقَرَاحَ وَتَوَسَّدَ التُّرَابَ ثُمَّ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لَيْسَ لَهُ بَيْتٌ يَخْرَبُ وَلَا وَلَدٌ يَمُوتُ طَعَامُهُ بَقْلُ الصَّحْرَاءِ وَشَرَابُهُ الْمَاءُ الْقَرَاحُ وَوِسَادُهُ التُّرَابُ فَلَمَّا أَصْبَحَ سَاحَ فَمَرَّ بِوَادٍ فَإِذَا فِيهِ رَجُلٌ أَعْمَىٰ مُقْعَدٌ مَجْذُومٌ قَدْ قَطَعَهُ الْجُذَامُ السَّمَاءَ

دیلمی اور ابن النجار نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عیسٰے علیہ السلام سیاحت کیا کرتے تھے جب شام ہو جاتی تو جنگل کا ساگ کھا لیتے اور چشموں کے پانی پیتے اور مٹی کا بچھونا کرتے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام بے اختیار زبان سے نکالتے کہ میرا کوئی گھر نہیں جس کے خراب ہونے کا ڈر ہو اور نہ اولاد ہے جن کے مرنے کا ہم و غم ہو۔ میرا کھانا جنگل کی نباتات

مِنْ فَوْقِہٖ وَالْوَادِیْ مِنْ تَحْتِہٖ وَالثَّلْجُ
عَنْ یَمِیْنِہٖ وَالْبَرْدُ عَنْ یَسَارِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ثَلٰثًا فَقَالَ
لَہٗ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ عَلٰی مَا
تَحْمَدُ اللّٰہَ وَاَنْتَ اَعْمٰی مُقْعَدٌ مَجْذُوْمٌ
قَدْ قَطَعَکَ الْجُذَامُ اَلسَّمَاءُ مِنْ فَوْقِکَ
وَالْوَادِیْ مِنْ تَحْتِکَ وَالثَّلْجُ عَنْ یَمِیْنِکَ
وَالْبَرْدُ عَنْ یَسَارِکَ قَالَ یَا عِیْسٰی اَحْمَدُ
اللّٰہَ اِذْ لَمْ اَکُنْ السَّاعَۃَ مِمَّنْ یَقُوْلُ
اِنَّکَ اِلٰہٌ اَوِ ابْنُ اِلٰہٍ اَوْ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ
رَوَاہُ الدَّیْلَمِیُّ وَابْنُ النَّجَّارِ عَنْ جَابِرٍ +

اور میرا پینا چشموں کا پانی اور میرا بچھونا خدا
کی زمین ہے جب صبح ہوتی تو سفر پر چل کھڑے
ہوتے۔ چلتے چلتے ایک وادی میں پہنچے جہاں
ایک آدمی کو دیکھا کہ اندھا اور اپاہج اور کوڑھی
ہے اور جذام نے اُسکے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے
کر دیا ہے آسمان اُس کے اوپر ہے (یعنے کوئی
مکان پناہ کے لئے نہیں) اور وادی اُس کے
نیچے ہے۔ برف اُس کے دائیں اور یخ
اُس کے بائیں طرف ہے۔ باوجود ان تکالیف
کے وہ تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
پڑھتا ہے۔ یہ سنکر عیسیٰ علیہ السلام نے اُسے
کہا اے بندہ خدا تو کس بات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے حالانکہ تو اندھا۔ اپاہج اور
مجذوم ہے اور جذام نے تیرے جسم کو پاش پاش کر ڈالا ہے۔ پھر آسمان تیرے اوپر ہے
(کوئی تجھے پناہ کی جگہ نہیں) اور وادی تیرے نیچے ہے۔ برف تیرے دائیں بائیں ہے
اُس نے جواب دیا اے عیسیٰ میں اللہ تعالیٰ کا شکر اس لئے کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے
ایسے وقت میں پیدا نہیں کیا جبکہ لوگ یہ کہینگے کہ تو خدا یا خدا کا بیٹا یا ثالث ثلثہ ہے۔
دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱ +

چہارم۔ شہادت علماء نصاریٰ وغیرہ

(۱) شلیئر مچر اور نیز قدیم محققین نصاریٰ کا یہ مذہب ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا
بلکہ ایک ظاہراً موت کی سی حالت ہوگئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مدت اپنے حواریوں
کے ساتھ پھرتا رہا اور پھر دوسری یعنے اصلی موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام
کی طرف روانہ ہوگیا۔ دیکھو کتاب ماڈرن ڈوٹ اینڈ کرسچن بیلیف صفحہ ۴۵۵
و ۴۵۷ و ۳۴۷ +

(۲) ناٹووچ روسی سیاح اپنی کتاب میں جو مسیح کی نامعلوم زندگی کی نسبت لکھ کر شائع کی ہے اُس میں وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ۲۶ سال کی عمر میں حضرت مسیح نیپال میں تھے تبت و کشمیر و ہندوستان میں آئے تھے۔ دیکھو کتاب مذکور معہ ترجمہ اُردو +

(۳) شہادت ٹیراپیوٹ جس نے چشم دید حالات ایک چٹھی میں لکھے ہیں۔ جسکا نام کروسی فکشن ہے۔ جس سے مفصل حالات مسیح علیہ السلام کے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ کیونکر صلیب پر چڑھایا گیا کیونکر بچ رہا اور پھر کہاں کہاں چھپتا پھرا بعد ازاں کہاں گیا اور کہاں فوت ہوا

(۴) اکمال الدین نام کتاب میں جو گیارہ سو برس کی ہی لکھا ہے کہ یسوع جب کشمیر وغیرہ کی طرف آیا تو اُس کے پاس کتاب انجیل تھی جسکا اصلی نام بشوارئی ہے۔ دیکھو اکمال الدین صفحہ ۳۱۷ لغایت ۳۵۹ +

لہذا کچھ شک نہیں کہ مسیح علیہ السلام صلیب سے بچکر بحر مردار کے پہاڑوں پر کچھ عرصہ رہکر زخموں اور کمزوری سے شفا پاکر تمام شاگردوں کو تبلیغ کی وصیت کرکے خود تن تنہا گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں ایران سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اور افغانستان میں اپنی تبلیغ پوری کرکے آگے بڑھے اور پھر براہ پنجاب کشمیر میں گئے وہاں بھی تکمیل تبلیغ کرکے تبت کو گئے پھر وہاں سے ہندوستان کے دیگر بلاد میں گئے اور آخر جب برہمنوں سے مباحثے پیش آئے اور اُنکے ہاتھ سے تنگ ہوئے تو نیپال میں بدھ مذہب والوں کے ہاں گئے اور اُن لوگوں میں رہنے سہنے لگے اور چونکہ اُن کے ہاں ایک سفید رنگ گرو کی جسکا نام مگوامتیہ یعنے سفید رنگ مسیح تھا پہلے ہی سے پیشگوئی تھی۔ جو گوتم بدھ نے کی تھی کہ میرے پانچسو برس بعد ایک شخص مگوامتیہ یعنے سفید رنگ مسیح گرو ہوگا اس لیئے اُن لوگوں نے مسیح کی تعلیم سے متاثر ہوکر اُن کی تعلیم کو اپنی کتابوں میں مندرج کردیا جو آجتک محفوظ ہیں غالباً معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں میں بدھ مذہب شاہی مذہب ہوگیا تھا اور چونکہ بنی اسرائیل کو اس نواح میں رہتے کئی صدیاں ہوچکی تھیں اِس لیئے وہ لوگ بھی اس بدھ مذہب میں داخل ہوگئے تھے اِسی واسطے مسیح علیہ السلام کا فرض تھا کہ اُن بھیڑوں کو بھی راہِ راست پر لاتے اور چونکہ وہ اس نواح میں بکثرت تھے اس لیئے اُنھوں نے اسکو اپنا گرو تسلیم کرلیا اور آخر بدھ مذہب والوں نے بموجب پیشگوئی گوتم بھانڈیا

اپنی کتابوں میں اُس کا نام داخل کر لیا اور جو تعلیم انجیل وہ لائے تھے اُسکو قبول کیا گیا چنانچہ بدھ مذہب کی کتابوں میں جو قصص ہیں موجود ہیں انجیل کی تعلیم حرف بحرف ملتی ہے لیکن یہ بات صرف اُن لوگوں کی کتابوں میں ملتی ہے جو کوہ ہمالیہ کے حدود میں رہتے تھے۔ جاپان یا چین میں اس نام کا گرو نہیں پایا جاتا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بنی اسرائیل ہی تھے اور غیر بنی اسرائیل نے اُن کو قبول نہیں کیا اور برہمنوں سے مباحثے بھی صرف اسرائیلی لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کیلئے کئے گئے تھے نہ تبلیغ عام کے لئے۔ دیکھو کتاب مسیح ہندوستان میں۔ اور بالآخر مسیح علیہ السلام بدھ مذہب پر اپنا رنگ چڑھا کر کشمیر میں سکونت پذیر ہوئے اور ۱۲۰ برس کی عمر میں اُن کی روح پاک عالم بالا کو پرواز کر گئی اور اُن کی لاش ملک کشمیر جنت نظیر کے دار الخلافہ سری نگر میں دفن کی گئی اور ابتک اُن کی مرقد منوّر محلہ خان یار میں موجود ہے جس نے زیارت کرنی ہو جا کرے۔ دیکھو بدھ مذہب کی کتاب جو

اکیسویں فصل

اِس باب میں کہ مسیح ناصری کا آنا کسی طرح مفید نہیں

ماسوا اس کے اگر ہم بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیں کہ حضرت عیسیٰ نہیں مرے اور وہ زندہ ہی آسمان پر موجود ہیں تو پھر بھی مسیح کا اس امت کے لئے رسول اور نبی ہو کر آنا کسی صورت میں جائز نہیں کیونکہ قرآن شریف میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ۔ سورہ ابراہیم رکوع ۱۔ ہم نے جس نبی کو ہدایت کے لئے بھیجا ہے تو قوم ہی کی زبان میں بھیجا ہے۔ یہ نہیں کہ قوم کی زبان تو لاطینی ہو اور رسول جو اُن کی ہدایت کے لئے مقرر کیا گیا ہو اُس کی زبان یونانی ہو۔ غرض جس قوم کی ہدایت کے لئے کوئی نبی آیا وہ اُس قوم کی زبان لیکر آیا۔ قرآن شریف کا یہ ایک محکم اصول ہے اور مشاہدہ بھی برابر یہی ظاہر کرتا رہا ہے کہ دنیا میں جو رسول آئے اور جس قوم کی طرف آئے اُن کی زبان وہی ہوتی رہی جو قوم کی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی شہادت دیتے ہیں

چنانچہ وہ فرماتے ہیں لَمْ یَبْعَثِ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِیًّا اِلَّا بِلُغَۃِ قَوْمِہٖ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فِیْ مُسْنَدِہٖ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ یعنے احمد بن حنبل اپنی کتاب مسند احمد میں حضرت ابوذر سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اُس کی اپنی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر قومی زبان کے کوئی شخص خواہ وہ کتنے ہی پایہ کا ہو اپنی قوم کو ہدایت نہیں کر سکتا۔ تو اب حضرت مسیح جن کی زبان عبرانی تھی اور یہی عبرانی زبان ہی ماں کے پیٹ سے لیکر آئے اور اُسی زبان میں بولتے رہے اور اسی زبان میں انجیل کی تبلیغ کرتے رہے تو اب اُن کا آنا کیونکر مفید ہو سکتا ہے کیونکہ صفحہ دنیا پر کوئی عبرانی زبان بولی نہیں جاتی۔ اور ساتھ ہی جبکہ تمام علماء کا یہ اعتقاد ہے کہ اُس پر زمانہ کا کچھ اثر نہیں تو جیسے گئے تھے ویسے ہی آئینگے تو بتا و اب اُسکا آنا کیونکر مفید ہوگا کیونکہ وہ بولی تو رہی نہیں جو وہ بولتے تھے تو تبلیغ کس طرح کرینگے اور اگر زمانہ کا اثر مانتے ہو تو بھی اُن کا آنا کسی طرح مفید نہیں کیونکہ اول تو وہ آپ پیر فرتوت ہو چکے ہونگے اور ارزل عمر سے بھی گئے گذرے ہوئے ہونگے اُن کے دانت جھڑ گئے ہونگے اُنکے پپوٹے ڈھیلے ہو کر آنکھوں کے نیچے لٹک گئے ہونگے اُن کی بات کون سمجھیگا۔ بوجہ نہ ہونے دانتوں کے صاف بول بھی نہیں سکتے ہونگے۔ اور اُنکو کھلانی ہی کیا دیتا ہوگا۔ جبکہ آنکھوں پر پپوٹے لٹک گئے ہونگے اور ادھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا شَابًّا رَوَاہُ ابْنُ مَرْدُوْیَہ وَالضِّیَاءُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ یعنے ابن مردویہ اور ضیا نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر جوان۔ یعنے جوان ہی نبی مبعوث ہوتے رہے ہیں تو پھر کیونکر ایسے بوڑھے آسکتے ہیں دوم مستقل قانون قدرت ہے کہ خدا تعالیٰ نے جن جن اعضاء کو جس جس غرض کے لئے پیدا کیا ہے اگر اُن اعضاء کو اُنہی اغراض کے لئے استعمال نہ کیا جائے تو تھوڑی مدت کے بعد بے کار ہو جاتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض سادھو اپنے ہاتھوں سے کام نہیں لیتے اور وہ سیدھے رکھتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک ہو کر لکڑی کی طرح بے حس وحرکت ہو جاتے ہیں اور کوئی کام نہیں دے سکتے ہم نے اس قسم کے بیسیوں سادھو دیکھے ہیں۔ ایسا ہی جو صوفی مجرد رہتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد اُن کا

عضوِ تناسل بیکار ہوجاتا ہے وہ نکاح کے قابل نہیں رہتے۔ پس جب یہ حالت ہے تو
مسیح علیہ السلام کو قریباً دو ہزار برس ہوگئے اُنہوں نے زبان کو استعمال ہی نہیں کیا تو کیونکر
تسلیم نہ کریں کہ وہ گونگے نہ ہوگئے ہونگے اور ایسا ہی اُن کے دیگر اعضا بھی معطل اور بیکار
ہوچکے ہونگے۔ بہرحال اُن کا آنا نہ آنا مساوی ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ ایسے شخص کو بھیجکر کیونکر
عبث کارروائی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ اگر کہو کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو زبانیں سکھلادی ہونگی
کیونکہ وہ قادر ہے جو چاہے کرسکتا ہے۔ بیشک خدا کی قدرتوں میں شک لانا بے ایمانی کی
علامت ہے۔ لیکن ایک بیچارہ مسیح کی نسبت ہر بات میں بلا ثبوت یہی کہتے جانا کہ خدا قادر ہے
یہ بات بھی مسیح کے ساتھ کردیگا اور یہ بات بھی کردیگا یہ کیسی بودی منطق ہے جہاں انسان دلیل
دینے سے عاجز او بیکس ہوجاتا ہے وہاں بلا دلیل یہ مان لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ قادر ہے
وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اتنی کیا مصیبت پڑی ہے اور اُسے مسیح کے واپس
لانے کے لئے کیا ایسی حاجت پیش آگئی ہے کہ ضرور مان لیا جائے کہ اُس کے بغیر اُس کے
کارخانہ قدرت میں اصلاح کا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ یہ سب خیالی ڈھکوسلے ہیں جہاں
انسان عاجز ہوجاتا ہے وہاں دور از قیاس باتوں سے بچنے کے لئے خدا کی قدرتوں کا سہارا
درمیان میں لاکر بچاؤ کرتا ہے ورنہ کوئی پکی بات اُس کے پاس نہیں ہوتی۔

اِس ثبوت میں کہ نزول سے کیا مراد ہے

جب کثیر التعداد آیاتِ کلام اللہ اور احادیثِ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام اور
اقوالِ آئمہ کبار و کلماتِ علمائے ذی شعار و تفاسیرِ متقدمین و متاخرین و کتب شراحِ احادیث
رسولِ امین و کتب نصاریٰ عہد عتیق و جدید و قانونِ قدرت سے بخوبی ثابت کرچکے ہیں کہ حضرت
عیسےٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والتسلیم سنت اللہ کے موافق بفحوائے آیت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

چاشنیٔ موت چکھ کر اور اس دنیائے بے بقا کو الوداع کہکر عالم آخرت میں رحلت فرما گئے
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ٥ اور یہ بات کوئی انہونی بھی نہیں صرف اسی اولوالعزم
پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہی یہ جانکاہ حادثہ پیش نہیں آیا بلکہ تمام انبیا اور اولیا اِنَّکَ
مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمۡ مَّیِّتُوۡنَ ٥ کا ورد کرتے ہوئے لقمۂ نہنگ اجل ہو گئے۔ اور سب سے بڑھ
کر فخر المرسلین سرتاج اولین والآخرین محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ افضل الرسل و خاتم النبیین و محبوب
رب العالمین بھی طبعی عمر پوری کر کے شربت مرگ پی کر عالم جاودانی میں جا بسے تو پھر اُن
کے مقابل میں کسی اور کی کیا ہستی ہے کہ وہ موتِ ناہنجار کا شکار نہ ہو کوئی شخص بھی اُس
کے خونخوار پنجہ سے بچ نہیں سکتا۔ ابتدائے دنیا سے اس وقت تک غور کرو تو تمہیں
ایک بشر بھی ایسا نہیں نظر آئیگا جو اس موذی غارتگر بے رحم و بے درد کے ہاتھ سے
کوئی بچا ہو۔ بڑے بڑے دانا فلاسفر بڑے بڑے دور اندیش حکما ر۔ بہت سے صاحب
جبروت و سطوت شاہنشاہ کہلانے والے بیشمار ذی قدرت بادشاہ جنہوں نے اپنی
جان کی حفاظت کے لئے کیا کیا اعلیٰ تدابیر اور کیا کیا احسن تجاویز کیں اور اس چندروزہ
زندگی کے لئے کس قدر فوجہائے بیکران اور قلعہائے ذیشان بنائے مگر آیتہ اَیۡنَ مَا
تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ سے غافل رہے۔ الغرض
عقل و نقل سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم و پیارے نبی حضرت عیسیٰ
علیہ السلام بھی کسی صورت سے اس خدا کے مقرر کردہ قانون سے باہر نہیں رہ سکتے تھے
کیونکہ کُلُّ مَنۡ عَلَیۡھَا فَانٍ ط کا حکم سب کے لئے مساوی ہے جو دنیا میں آیا وہ آخر لقمۂ
موت ہوا۔

ذکر اصحاب کہف

ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ اصحاب کہف تو ۳۰۹ برس تک غار میں زندہ رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت
عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ نہ مانا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسےٰ
علیہ السلام کے بارہ میں بے سوچے سمجھے کام لیا گیا ہے ایسا ہی اصحاب کہف کے متعلق بھی
بغیر فکر و تدبر کے کام لیا گیا ہے اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ سے ہرگز ثابت

نہیں ہوتا کہ اصحابِ کہف بغیر اکل شرب اتنے عرصہ تک زندہ رہے ہوں بلکہ کلام اللہ
شریف سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی شریر النفس اور بدکار قوم سے نظر بچا کر ایک
غار میں جہاں سورج کی کوئی کرن نہیں پہنچتی تھی اندھیرے میں جا کر چھپ رہے اور آخر
ماندہ ہو کر سو گئے اور کچھ دیر کے بعد جب اُٹھے تو ایک دوسرے سے وقت کی نسبت سوال
کرنے لگے۔ لیکن وہ بیچارے کیونکر وقت بتا سکتے تھے نہ اُن کے پاس کوئی گھڑی تھی کہ وقت
معلوم کرتے اور نہ سورج کو اپنی سمت الراس سے گذرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے جس
سے وہ وقت معلوم کر سکتے۔ اپنی اٹکل سے کہہ دیا کہ ایک دن یا اُس کا کچھ حصہ گذرا ہے
باقیوں نے کہا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ یعنے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی دیر تم سوئے رہے
اور آخر سنت اللہ کے موافق بھوک سے تنگ آ کر ایک آدمی کو کچھ روپیہ پیسہ دیکر بازار
میں بھیجا کہ جا کر چیزیں خرید لاوے۔ الغرض اسی طرح سے وہ خدا کے بندے روزمرہ کارروائی
کرتے تھے۔ جب دشمنوں کو اُن کے ملجا کی اطلاع ہو گئی تو انہوں نے مارے خوف کے غار
کے اندر جانا تو پسند نہ کیا لیکن یہ تجویز کی کہ اُس غار کے دہانہ پر دیوار چُن دی جائے اور
ایسا ہی کیا گیا جس کی تفصیل ہم ذیل میں دیتے ہیں لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اُن ہڈیوں کا
ذکر کریں۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ناظرین کو اُن کے حال سے کسی قدر واقف کر دیں کہ وہ
لوگ کون تھے اور کس مذہب کے تھے اور کس زمانہ میں تھے اور غار میں کیوں جا چھپے
تھے۔ سو واضح ہو کہ مورخین اور مفسرین کا اس میں بڑا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں
کہ اصحابِ کہف اور اصحابِ رقیم ایک ہی گروہ کا نام ہے۔ اصحابِ کہف تو اُن کو اس لئے
کہتے ہیں کہ وہ ایک ظالم بُت پرست بادشاہ کے ظلم سے ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپے
تھے اور زبان اُردو میں کہف کو کھوہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رقیم اُس شہر کا نام ہے جس
میں اصحاب کہف رہتے تھے۔ دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی +

لیکن صحیح بات یہ ہے جو بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور وہ یوں ہے کہ

اَلرَّقِیْمُ اَلْکِتَابُ مَرْقُوْمٌ مِنَ الرَّقْمِ قَالَ سَعِیْدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلرَّقِیْمُ اللَّوْحُ مِنَ الرَّصَاصِ کَتَبَ عَامِلُهُمْ اَسْمَائَهُمْ	ایک لکھی ہوئی تختی تھی جیسے سعید ابن عباس سے روایت کرتا ہے کہ وہ جست کی پٹی تھی جس پر اُن کے حاکم نے اُن اصحابِ کہف کے

اَیْ اَسْمَاءَ اَصْحَابِ الْکَهْفِ ثُمَّ طَرَحَهٗ فِیْ خَزَانَتِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ | نام کندہ کرائے تھے اور اُس کو خزانے میں رکھ دیا تھا۔ دیکھو بخاری جلد ۵ صفحہ ۲۱۴

مطبوعہ مصر نقل بخاری سلطانی +

اکثر مورخین کا قول ہے کہ اُس شہر کا نام جس میں اصحاب کہف رہتے تھے اُفسُوس تھا اور ایک یورپین مورخ مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس میتھس میں اُس شہر کا نام ایفی سس لکھا ہے۔ غالباً عربی میں یہی نام متغیر ہو کر افسُوس ہو گیا ہے۔ دیکھو کتاب ترقیم صفحہ ۷۔ یہ شہر بلاد روم میں ایک شہر تھا جہاں اصحاب کہف رہتے تھے +

تاریخ کامل ابن اثیر میں انکا نام مَکْسَلْمِیْنَا۔ تَمْلِیْخَا۔ مَرْطُوْس۔ نَیْرُوْنُس کَسْطُوْمَس دُنیمُوْس۔ رَیْطُوْفَس۔ فَالُوْس۔ مَحْسَلْمِیْنَا۔ اور کُتے کا نام قطمیر لکھا ہے اور دوسری کتابوں میں کسی قدر بعض اسماء میں فرق ہے۔ اور بعض میں تعداد کا فرق ہے +

فی الاصل یہ لوگ عیسائی تھے یعنے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی امت میں سے تھے چنانچہ طبری۔ کامل ابن اثیر۔ آثار البلاد قزوینی وغیرہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔ دیکھو ترقیم صفحہ ۱۰۔ اور ابوریحان بیرونی نے کتاب آثار الباقیہ میں اُس بادشاہ کا نام وافیاوس لکھا ہے طبری نے دقیوس لکھا ہے اور مسٹر بارنگ گولڈ نے اپنی کتاب کیورس میتھس میں اُس کا نام ڈی سس لکھا ہے۔ بہرحال کوئی ہو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک رومی بادشاہ تھا۔ چونکہ وہ ظالم اور بت پرست بادشاہ تھا۔ اُس نے اُن نوجوان عیسائیوں کو بلایا اور اُن کو عیسوی مذہب چھوڑنے اور بُت پرستی کے اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر چونکہ وہ مواحد خدا پرست تھے اس لئے اُنہوں نے بادشاہ کی بات کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اسپر بادشاہ نے اُن کو چند روز کی مہلت دی اور وہ اس عرصہ میں شہر سے بھاگ کر ایک غار میں جو شہر افسوس سے کچھ فاصلہ پر تھی چھپ گئے۔ گو روایات میں بڑا اختلاف ہے مگر صحیح یہ بات ہے کہ جب بادشاہ نے چند روز کے بعد اُن کو طلب کیا تو اُن کو نہ پایا۔ آخر اُن کی تلاش شروع ہو گئی اور بالآخر پہاڑ کی کھوہ میں پتہ چلا کہ وہ اُس میں رہتے ہیں جسپر اُس نے اُس غار کا مُنہہ بند کرا دیا جس سے اُن کی آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو گیا اور آخر بھوکے پیاسے مر کر چند روز میں ہلاک ہو گئے اور وہ جو قرآن شریف میں آیا ہے۔ کہ اُنہوں نے ایک آدمی کو کھانا خریدنے کو شہر میں بھیجا وہ

اُسی روز تھا۔ کیونکہ وہ رات کو بھاگے تھے اور راتوں رات ہی اُس غار میں پہنچ گئے تھے اور صبح کو اُٹھے تو ایک کو کھانا لانے کے لئے بھیجدیا۔ اور تین روز تک برابر اسی طرح کھانا منگواتے رہے۔ اسکی مفصل کیفیت عجایب المخلوقات زکریا قزدینی میں ہے۔ دیکھو بزقیم صفحہ ۱۴۲

ابوالفدا نے جو تاریخ دقیانوس بادشاہ کی لکھی ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ مذکور ۵۴۵ سکندری میں مرگیا تھا۔ اور سکندر بادشاہ ۳۳۶ برس قبل مسیح کے تخت پر بیٹھا تھا اس حساب سے ۲۰۹ء میں اصحاب کہف مرچکے تھے +

اُن کی ہڈیوں کی نسبت گیبورس منیھس کا مصنف مسٹر بارنگ گولڈ لکھتا ہے اصحاب کہف کی ہڈیاں ایک بڑے پتھر کے بکس میں بند کرکے مارسیلز واقعہ ملک اٹلی میں بھیجی گئیں جو اب بھی سینٹ وکٹر کے گرجا میں موجود ہیں۔ اس کی تصدیق تاریخ طبری سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے +

قَالَ قَتَادَۃُ وَغَزَا ابْنُ عَبَّاسٍ مَعَ حَبِیْبِ ابْنِ سَلْمَۃَ فَمَرُّوْا بِالْکَہْفِ فَاِذَا فِیْہِ عِظَامٌ فَقَالَ رَجُلٌ ھٰذِہٖ عِظَامُ اَصْحَابِ الْکَہْفِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدْ ذَھَبَتْ عِظَامُھُمْ مُنْذُ اَکْثَرَ مِنْ ثَلٰثِ مِائَۃٍ +

یعنے قتادہ نے بیان کیا کہ ابن عباس نے حبیب ابن سلمہ سے جنگ کی اور وہ ایک غار کے پاس سے گذرے تو وہاں ہڈیاں پائیں۔ ایک شخص نے کہا کہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں اس پر ابن عباس نے کہا کہ اصحاب کہف کی ہڈیوں کو گئے ہو گئے ہوئے ۳ سو برس سے زائد عرصہ ہوگیا۔ دیکھو تاریخ طبری +

پس ثابت ہے کہ اصحاب کہف اُنہی ایام میں مر گئے تھے اور وہ جو قرآن کریم میں آیا ہے کہ ۳۰۹ برس تک اُس میں رہے اس سے مراد یہ ہے کہ چند روزہ زندگی کے بعد اُن کی ہڈیاں اُس عرصہ تک پڑی رہیں۔ وہی اُن کا لبث تھا۔ پھر بعد ازاں اُن کی ہڈیاں نکالی گئیں اور اٹلی میں پہنچائی گئیں اور اب تک سینٹ وکٹر کے گرجا میں موجود ہیں۔ پس مسیح کی حیات ثابت کرنے کے لئے اصحاب کہف کو پیش کرنا اُن کے مدعا کے خلاف ہے +

ہماری جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یوسف آریمتیا اور اُسکے رشتہ دار وغیرہ جو غالباً تعداد میں سات تھے شام سے بھاگ کر انگلستان میں چلے گئے تھے اور فی الحقیقت انگلستان بمقابلہ دیگر ممالک کے ایک کہف

نزول سے کیا مراد ہے

غرض جب ہر طرح سے مسیح علیہ السلام کا فوت ہونا ثابت ہوا تو اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر ان احادیث کا کیا مطلب ہے جس میں مسیح یا عیسے یا ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے۔ لہذا ہم نمبروار احادیث نزول کو بیان کر کے پھر الفاظِ حدیث پر الگ الگ فصلوں میں بحث کرینگے +

اول ہم بخاری شریف کی حدیث کو لکھتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہو:-

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ اَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ ثَنَا اَبِیْ عَنْ صَالِحٍ عَنْ اِبْنِ شِھَابٍ اَنَّ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْحَرْبَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلُہٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ وَاقْرَأُ اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا ط

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس اسحاق نے اور ان کے پاس یعقوب بن ابراہیم نے اور ان کے پاس ان کے والد نے بیان کیا اور انہوں نے صالح سے اور صالح نے ابن شہاب سے سنا کہ سعید بن مسیب نے ابوہریرہ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ضرور ضرور ابن مریم تم میں حکم عادل ہو کر نزول فرمائیگا اور پھر وہ صلیب کو توڑیگا اور خنزیر کو قتل کریگا اور جنگ کو ترک کردیگا اور مال عطا کریگا لیکن ایک بھی آدمی اس مال کو قبول کرنے والا نہ نکلیگا اور زمانہ کی یہانتک حالت ہو گی کہ ایک سجدہ بھی دنیا اور ما فیہا سے بہتر متصور ہوگا۔ اس کے بعد ابوہریرہ اپنی طرف سے کہتا ہے کہ اگر چاہو تو وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا ط پڑھ لو۔ دیکھو بخاری صفحہ ۴۹۰۔ مطبوعہ مطبع احمدی +

ماسوا اس کے ایک اور حدیث صحیح بخاری میں اسی صفحہ پر ہے جو حسب ذیل ہے +

حَدَّثَنَا ابْنُ بُکَیْرٍ ثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یُونُسَ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلٰی اَبِی قَتَادَۃَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اَبَاھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ ؞	ہمارے پاس ابن بکیر نے اور اُن کے پاس لیث نے اُس نے یونس سے اور اُس نے ابن شہاب سے اور اُس نے ابو قتادہ انصاری کے غلام نافع سے سُنا کہ ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابن مریم تم میں نزول کریگا تو اُس وقت تمہارا

کیا ہی حال ہوگا اور تمہیں معلوم رہے کہ وہ تم ہی میں سے ایک امام ہوگا۔ دیکھو بخاری صفحہ ۴۹۰ مطبوعہ مطبع احمدی ؞

یہ دو حدیثیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحاح میں متعلق نزولِ مسیح مندرج فرمائی ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی حدیث نہیں۔ اب ان پر ہم بحث کرتے ہیں ؞

سو واضح ہو کہ اکثر اُمت مرحومہ کے علماء نے الفاظ ینزل یا نزول اور ابن مریم سے بڑا دھوکا کھایا ہے اور وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ نزول کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ضرور آسمان سے حضرت عیسٰی علیہ السلام نبی اسرائیلی ہی نازل ہونگے کیونکہ سوا اُن کے اور کوئی ابن مریم نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے اور اس لئے وہی مسیح علیہ السلام نبی ناصری ہی نازل ہونگے۔ لہذا اشد ضروری ہے کہ اول ہم انہی الفاظ پر بحث کریں پھر بعد ازاں ہم نفسِ حدیث پر گفتگو کرینگے ؞

فصل اوّل

اِس ثبوت میں کہ لفظ نزول قرآن حمید میں کن کن معنے کے لئے آیا ہے

معلوم رہے کہ جہاں تک ہم قرآن شریف میں غور کرتے ہیں یہی پایا جاتا ہے کہ لفظ نزول کے مختلف معانی اور استعمالات ہیں اور جہاں لفظ مذکور بغیر سما آیا ہے وہاں بجز روحانی معنے

کے اُس کے اور کوئی معنے نہیں جیسے کہ ذیل کی نظائر سے ہویدا ہے +

(۱) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ | اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک یاد دلانیوالا رسول بناکر بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تم

پر پڑھتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف پارہ ۲۸ - رکوع ۱۸ +

اس آیت میں لفظ اَنْزَلَ آیا ہے اور اس کے ساتھ سما کا لفظ نہیں۔ اگر اس کے معنے ہر حالت میں آسمان سے آنا مراد ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی زمانہ گذشتہ میں آسمان پر گئے ہوئے تھے اور آخر خدا تعالیٰ نے زمین پر نازل کردیا لیکن اس کا ثبوت کوئی دنیا بھر کا عالم نہیں دے سکتا اور ہرگز نہیں دسکتا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جناب آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور عرب کے اندر ہی رہے اور انہیں لوگوں میں پرورش پاتے رہے پس اگر اس کے روحانی نزول کے معنے نہیں لئے جائینگے تو پھر اصل مقصد ہاتھ سے جاتا ہے اور کلام الٰہی میں کذب لازم آتا ہے اور خدا کا کلام ہر قسم کے نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ لہذا یہی بات حق اور راست ہے کہ جہاں نزول کے ساتھ سما کا لفظ نہ ہو وہاں روحانی نزول مراد ہوتا ہے +

(۲) وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ - تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے آٹھ جوڑے جانوروں کے پیدا کئے۔ دیکھو قرآن شریف پارہ ۲۳ - رکوع ۱۵ - اس آیت میں نزول بلا سما آیا ہے اور اگر اس کے معنے آسمان ہی سے نازل ہونے کے لیں تو پھر علماء کو ثابت کرنا ہوگا کہ یہ جانور جو خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے بنائے ہیں۔ مثلاً اونٹ گائے بکری وغیرہ تو کیا یہ آسمان سے اُترا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بتایئے کہاں اور کب نازل ہوا کرتے ہیں تاکہ لوگ بچشم خود مشاہدہ کرکے ایمان لائیں لیکن ایسا خیال ہی کرنا ایک امر خلافِ دانش وعقل ہے لہذا ضروری نہیں کہ نزول سے مراد آسمان ہی سے اترنا مراد ہو

(۳) وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ - اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں لوگوں کے لئے خوف شدید بھی ہے اور منافع بھی بکثرت ہیں۔ دیکھو قرآن شریف پارہ ۲۷ - رکوع ۱۹ - اس آیت میں بھی نزول کا لفظ بلا سما آیا ہے۔ اب اگر اس کے وہی متعارف معنے ہیں جو علماء کرتے ہیں تو پھر اس کا ثبوت بہنچانا ازبس ضروری ہوگا کہ لوہا

کانوں سے نہیں نکلا کرتا بلکہ آسمانوں سے گرا کرتا ہے +

(۴) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ط اے آدم کے بیٹو ہم نے تم پر لباس اُتارا جس سے تم اپنے ننگے بدنوں کو ڈھانپتے ہو۔ دیکھو قرآن شریف پارہ ۸۔ رکوع ۱۰۔ یہاں بھی لفظ نزول بلا سما آیا ہے کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ یہ تھانوں کے تھان جو بازاروں اور مارکیٹوں میں نظر آتے ہیں یہ سب آسمان سے اُترے ہیں

(۵) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا۔ مبارک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو۔ دیکھو پارہ ۱۸۔ سورۃ الفرقان رکوع ۱ یہاں فرقان سے مراد قرآن شریف یا جنگ بدر ہے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ قرآن جسمانی طور سے جیسے بین الدفتین مدون ہے اسی طرح اترا تھا یا جنگ بدر کسی مجسم شکل میں آسمان سے نازل ہوئی تھی +

(۶) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہم نے ہی اس ذکر کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ذکر سے مراد یا تو قرآن شریف ہے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دونوں حالتوں میں کوئی بتا سکتا ہے کہ مجسم طور سے انکا نزول آسمان سے ہوا ہے +

(۷) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط یعنے اے ایمان والو اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور نیز اُن کتابوں پر جو پہلے نازل کی گئی ہیں ایمان لاؤ۔ اب بتاؤ وہ کتابیں مجسم صورت میں جیسے مدون و متداول دیکھتے ہو اُتری تھیں۔ یا اُن کا اُترنا روحانی تھا۔ دیکھو پارہ ۵ سورۃ النساء۔ رکوع ۲۰ +

(۸) وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ پارہ ۱۴ سورۃ الحجر۔ رکوع ۲۔ یعنے ہر ایک چیز کے خزانے ہمارے ہاں موجود ہیں اور ہم ایک اندازہ معلوم تک اُتارا کرتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ کوئی بتا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے مجسم اشیاء ڈھیروں کے ڈھیر اُترتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں +

(۹) اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب ابو بکر صدیق کو کہہ رہے تھے کہ کچھ رنج نہ کرو

بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُسپر سکینت یعنے تسلی اُتاری۔ اب کوئی مولوی بتا سکتا ہے کہ تسلی کوئی جسمانی چیز ہے۔ دیکھو سورۃ التوبہ رکوع ۶ +

(۱۰) وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ اور ایسا ہی ہم نے اُس پر کھلے کھلے نشان اور معجزے نازل کئے ہیں اور اللہ جسکو چاہے اُن کے ذریعہ ہدایت کردے۔ دیکھو سورۃ الحج رکوع ۲۔ اب کوئی بتا سکتا ہے کہ نشانات جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اتارے وہ جسمانی تھے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ پر اکتفا کرکے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم اس قسم کے نزول سے بھرا پڑا ہے اور ہم تحدی سے کہتے ہیں کہ کوئی شخص قرآن کریم سے ہرگز ثابت نہیں کر سکتا کہ جہاں رسول کا لفظ ہو اور ساتھ سما کا لفظ نہ ہو تو وہاں بجز روحانی نزول کے کچھ اور معنے ہوں اب ہم احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

فصل دوم

اس ثبوت میں کہ لفظ نزول احادیث میں کن کن معنوں میں آتا ہے

اول روحانی نزول

جب ہم احادیث پر غور کرتے ہیں تو وہاں بھی لفظ نزول کے مختلف استعمال ہیں چنانچہ اُن میں بھی یہی ثابت ہوتا ہے جہاں لفظ نزول بلا سما آیا ہے وہاں روحانی معنے لئے جاتے ہیں اور مقام کرینکے بھی معنے لئے جاتے ہیں جیسا کہ ذیل کی احادیث سے ثابت ہے +

(۱) يَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِقَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ مَا اُحِبُّ

احمد اور عبد بن حمید حسین حلیمی اور ابن حبان اور سعید بن منصور نے انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے

اَنْ تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَنْزِلَتِی الَّتِیْ اَنْزَلَنِیَ اللّٰہُ
رَوَاہُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ
وَحُسَیْنُ الْحَلِیْمِیُّ وَالسَّمُوِیَّۃُ وَابْنُ حِبَّانٍ
وَسَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَنَسٍ

لوگو تم اپنے قول سے پکڑے جاؤ گے اور تمہیں شیطان نہ پھیلا دے۔ یاد رکھو میں محمد بن عبداللہ اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نہیں پسند کرتا کہ مجھے اُس مرتبہ سے بڑھاؤ جس مرتبہ پر مجھے اللہ نے رکھا ہے دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ مرتبہ کس چیز کا بنا ہوا تھا جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُسوقت اُتارا تھا +

(۲) یَنْزِلُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا لَیْلَۃَ
النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ
اِلَّا الْعَاقَ وَالْمُشَاجِرَ۔ رَوَاہُ ابْنُ خُزَیْمَۃَ
وَحُسَیْنُ بْنُ حَسَنٍ الْحَلِیْمِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ
عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ +

یعنی ابن خزیمہ اور حسین حلیمی شعب الایمان میں حضرت ابوبکر سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی وسطی رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور اُسوقت عاق اور جھگڑالو کے سوا کل مومنوں کی مغفرت کرتا ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۹۵۔ کون ہے جو بتاسکے کہ اللہ مجسم ہے کہ وہ شعبان کے درمیان رات کو آسمان دنیا کی طرف اترآتا ہے +

(۳) اِذَا نَزَلَ بِاَحَدِکُمْ ھَمًّا اَوْ غَمًّا
اَوْ سُقْمًا اَوِ الدَّاءُ اَوْ اَزَلَّ فَلْیَقُلِ اللّٰہُ
اللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ
رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ

دارقطنی نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو ہم اور غم اور بیماری یا درد یا لغزش واقع ہو تو تین مرتبہ وہ اللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا پڑھے۔ دیکھو کنز العمال جلد ا صفحہ ۱۷۹۔ اب کوئی بتاسکتا ہے کہ ہموم وغموم وعلل کی کوئی جسمانی شکل ہوتی ہے جو انسان پر اُترتے ہیں +

(۴) مَنْ فُتِحَ لَہٗ مِنْکُمْ بَابٌ فِی الدُّعَاءِ
فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ وَمَا سُئِلَ اللّٰہُ
شَیْئًا اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَنْ یُّسْئَلَ الْعَافِیَۃَ
اَنَّ الدُّعَاءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ
فَعَلَیْکُمْ عِبَادَ اللّٰہِ بِالدُّعَاءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

ترمذی اور حاکم اور تعقب ابن عمر سے روایت کرتے ہیں جس شخص کے لئے تم میں سے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے اُسکے لئے رحمت کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عافیت کی دعا مانگنے سے زیادہ

وحاکم و تعقب عن ابن عمر + | محبوب اور کوئی بات نہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے نازل ہو یا نہ ہو دعا ضرور ہی نافع ہوتی ہے۔ لہذا اے خدا کے بندو دعا کو لازم پکڑو دیکھو کنز العمال جلد ا صفحہ ۱۶۸۔ بتاؤ رحمت کا کس طرح کا جسم ہوتا ہے آیا انسانی صورت کا یا کسی اور چیز کا ہوتا ہے +

اِن تمام احادیث سے ظاہر ہے کہ نزول روحانی ہوتا ہے اگر جسمانی مانا جائے تو پھر خدا تعالیٰ کو بھی مجسم ماننا پڑیگا جس سے کفر لازم آتا ہے۔ لہذا جہاں نزول بلا سما آتا ہے وہاں روحانی نزول ہوا کرتا ہے ورنہ اسلام کی کایا پلٹ کرنی پڑیگی اور ایک بات بھی اسلام کی قایم نہیں رہ سکیگی۔ معاذ اللہ منہا۔ برخلاف اس کے جہاں نزول کے ساتھ سما کا لفظ آتا ہے وہاں ضروری طور سے کوئی مجسم چیز مراد ہوتی ہے جسکا ذکر ہم آگے چل کر کرینگے جس سے واضح ہو جائیگا کہ یہ بالکل سچ ہے کہ جہاں نزول بلا سما آتا ہے وہاں روحانی معنے ہوتے ہیں۔ اور جہاں نزول مع السما آتا ہے وہ جسمانی ہوتے ہیں +

سرّ در لفظ نزول

اِس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مسیح علیہ السلام کے لئے لفظ نزول میں کیا سرّ ہے سو واضح ہو کہ نزول اجلال اور اکرام کے لئے بھی آتا ہے اور احادیث میں مسیح علیہ السلام کے نزول میں یہی مقصود ہے اور اُس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ اُس پُر فتن اور پُر از فساد زمانہ میں ایمان ثریا پر چلا جائیگا۔ اور تمام سلسلے پیری مریدی اور شاگردی اُستادی اور افادہ اور استفادہ کے معرض زوال میں آجائینگے۔ اِس لئے آسمان کا خدا ایک شخص کو اپنے ہاتھ سے تربیت دیکر بلا توسط زمینی سلسلوں کی زمین پر بھیجیگا جس طرح بارش بغیر توسط انسانی ہاتھ کے آسمان سے نازل ہوتی ہے سو ایسا ہی خدا نے کیا +

دوم۔ نزول کے معنے سفر کیوقت مقام کرنیکے بھی ہیں

علاوہ روحانی نزول کے ایک اور نزول بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی آدمی ایک

جگہ سے چل کر دوسری جگہ جا کر ٹھیرتا ہے یا سفر کرتے کرتے کسی مقام پر آرام لیتا ہے اُس جگہ کو منزل اور اُترنے والے کو نزیل اور اُس کے اترنے کو نزول کہتے ہیں۔ اگر ہم نزول کے ہر حالت میں آسمان سے ہی اُترنا معنے کریں تو پھر ثابت کرو کہ منزل کے معنے صرف وہ مقام ہے جہاں کوئی چیز آسماں سے نازل ہوتی ہو اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ آج فلاں شخص نے ۱۲ منزل طے کیں تو اُس سے یہی مراد ہے کہ اُن بارہ مقاموں کو عبور کر لیا جہاں پر آسمان سے لوگ اُترا کرتے ہیں۔ حاشا و کلا۔ ہرگز نزول یا منزل کے ایسے معنے نہیں لئے جاتے تو پھر مسیح کے نزول کی نسبت کیوں اور معنے لئے جاتے ہیں اس کی تائید کے لئے ہم احادیث سے بھی ایسی نظیریں پیش کرتے ہیں کہ لفظ نزول بھی ہوا اور آسمان کا لفظ بھی ساتھ نہ ہوا اور پھر اس کے معنے ایک جگہ سے سفر کر کے دوسری جگہ پر مقام کرنے کے ہوں۔ چنانچہ وہ احادیث حسب ذیل ہیں:-

(۱) کَانَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا فِیْ سَفَرٍ اَوْ دَخَلَ بَیْتَہٗ لَمْ یَجْلِسْ حَتّٰی یَرْکَعَ رَکْعَتَیْنِ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیْ عَنْ فُضَالَۃَ بْنِ عُبَیْدٍ۔ یعنے طبرانی فضالہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر میں کہیں مقام کرتے یا گھر میں داخل ہوتے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لیتے تو نہ بیٹھتے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۹۰

(۲) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یَتَّبِعُ اٰثَارَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلَّ مَکَانٍ صَلّٰی فِیْہِ حَتّٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَۃٍ فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَتَعَاھَدُ تِلْکَ الشَّجَرَۃَ فَیَصُبُّ فِیْ اَصْلِھَا الْمَاءَ لِکَیْلَا تَیْبَسَ رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرٍ۔

ابن عساکر نے نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہر مکان پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرتے قدم بقدم پیروی کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اُترے تھے تو ابن عمر اس امر کا بھی تعہد کرتا تھا کہ اُس درخت کے نیچے اترتا اور اُس درخت کی جڑ میں پانی ڈالتا تھا تاکہ وہ خشک نہ ہو جائے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۵۹

(۳) کَانَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا لَمْ یَرْتَحِلْ حَتّٰی یُصَلِّیَ الظُّھْرَ رَوَاہُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ

احمد حنبل اور ابو داؤد و نسائی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

وَابُودَاؤدَوَالنَّسَائِیُّ عَنْ اَنَسٍ۔

علیہ وسلم جب کبھی کسی منزل پر اُترتے توجب تک ظہر کی نماز پڑھ نہ لیتے سفر نہیں کرتے تھے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۱۹+

(۴) بَابُ نُزُوْلِ النَّبِیِّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْحِجْرَ۔ اَلتَّصْرِیْحُ فِیْ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ بِاَنَّہٗ لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ اَمَرَہُمْ اَنْ لَّا یَشْرَبُوْا+

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حجر پر اُترنے کا باب۔ قاضی شہاب الدین عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلعم حجر پر اُترے تھے تو اُن لوگوں کو حکم کیا تھا کہ پانی نہ پیو دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۹۵+

(۵) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ عَمْرٌو عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ لَیْسَ التَّحْصِیْبُ بِشَیْءٍ اِنَّمَا ھُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

علی بن عبد اللہ نے سفیان سے حدیث بیان کی اُس نے عمرو سے اُس نے عطا سے اور اُس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اس میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں کہ وہ ایک مقام ہے جہاں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُترے تھے دیکھو فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۴۷۱+

(۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ فَیَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ وَیَمْکُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَمُوْتُ فَیُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَے ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رَوَاہُ ابْنُ الْجَوْزِیْ فِیْ کِتَابِ الْوَفَا

ابن جوزی نے عبد اللہ بن عمر سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسے بن مریم ایک خاص ملک میں نزول فرمائیگا اور نکاح کریگا اور اُسکی اولاد ہوگی اور ۴۵ سال ٹھہریگا۔ پھر فوت ہو جائیگا اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا اور میں اور عیسیٰ ایک ہی قبر میں ابوبکر اور عمر کے مابین قیام کرینگے۔ دیکھو مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۷۱ مطبوعہ مطبع احمدی+

یہ حدیث خاص مسیح کے نزول کی ہے اور یہاں روحانی معنے نہیں بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ سفر کرکے ایک جگہ سے دوسری جگہ میں تشریف لیجائینگے اور مقام کرینگے چنانچہ پنجاب کی سرحد سے نکل کر دہلی میں جو ہندوستان میں تھی جاکر نزول فرمایا اور وہاں جاکر نکاح کیا اور

اُس بیوی سے اولاد بھی ہوئی اور ۴۵ برس تک برابر تبلیغ بھی کرتے رہے کیونکہ اول اول اخباروں میں آریوں اور برہموں و عیسائیوں کے برخلاف مضمون دیتے رہے بعد ازاں بصورت کتب۔ پھر کامیابی کے ساتھ فوت ہوئے اور یہ جو حدیث میں ہے کہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوگا اس سے مراد یہی ہے کہ لوگ اُس کو کافر اور ملحد قرار دینگے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ وہ ایسا ہی مومن اور ایسا عظیم الشان انسان ہوگا جس طرح میں ہوں اور میری اُس سے کامل معیت ہے۔ کوئی تفریق نہیں ہوگی اور یہ جو کہا کہ میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر سے اُٹھینگے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز میرے ساتھ ہونگے اور یہ جو کہا کہ ابوبکر اور عمر کے مابین کھڑے ہونگے۔ اس سے مسیح کے مرتبہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسیح کا مرتبہ میرے اور ابوبکر و عمر کے مابین ہوگا۔ یعنے مجھ سے نیچے اور ابوبکر اور عمر کے اوپر ہوگا اور اگر وہ معنے لیں جو ظاہر پرست علماء کرتے ہیں تو اس میں سخت بے ادبی ہے کہ گویا یہ مان لیا جاوے کہ امت محمدیہ کے لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقبرۂ مقدس کو کسیوں سے گرا کر اور گڑھا کھود کر اُسی جگہ جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک پڑا ہے ڈال دینگے۔ اس سے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے +

(۸) بعض علماء مشکوٰۃ کی اس حدیث کے الفاظ یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ اِلَی الْاَرْضِ ظاہر کرتا ہے کہ مِنَ السَّمَاءِ محذوف ہے بہ خیال اُن کا بالکل غلط ہے۔ یہاں تو مراد ہے کہ وہ چلکر کسی موقع پر ایک خاص زمین یا ملک میں آنکر فروکش ہوگا اگر اِلٰی کے صلہ سے یہ مطلب نکالتے ہیں تو یہ بھی قلت معلومات پر دال ہے ورنہ تمام کتابیں اس قسم کے محاورات سے بھری پڑی ہیں کہ لفظ نزول کے بعد اِلٰی کا جو صلہ آجاتا ہے تو وہاں سفر میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر یا کسی شخص کے گھر میں نزول کرنا مراد ہوتا ہے چنانچہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۸ میں لکھا ہے +

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ فُضَالَۃَ مَرَّ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ بِرَاہِبٍ فِی الْجَزِیْرَۃِ فَنَزَلَ اِلَیْہِ الرَّاہِبُ وَلَمْ یَنْزِلْ لِاَحَدٍ قَبْلَہٗ وَقَالَ اَتَدْرِیْ لِمَ نَزَلْتُ اِلَیْکَ	محمد بن فضالۃ کہتا ہے کہ عبد العزیز کا ایک دفعہ ایک جزیرہ میں ایک راہب کے پاس گذر ہوا راہب مذکور اُس کے پاس چلکر آیا اور وہ پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں آیا تھا۔ اور کہا کہ کیا

آپ جانتے ہیں کہ میں کیوں آپ کے پاس آیا +

اِس سے واضح ہے کہ نزول کے بعد الی کا صلہ بھی آجائے تو بھی بلندی سے نیچے کی طرف اُترنا مراد نہیں ہوا کرتا جیسے کہ بعض علماء کا خیال ہے بلکہ کسی کے پاس چلکر یا کسی مقام میں چل کر آنا مراد ہوتا ہے +

اِن تمام احادیث وغیرہ سے واضح ہے کہ لفظ نزول کے ساتھ سماء کا لفظ نہیں ہے مگر پھر بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں مقام کرنے کے وقت نزول کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ احادیثِ ماسبق سے یہ بات آپ پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اگر یہ معنے تسلیم نہ کئے جائیں تو پھر دجال کو بھی آسمان سے اُترتا ہوا ماننا پڑیگا کیونکہ حدیثوں میں اُس کے لئے بھی لفظ نزول آیا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں اُن حدیثوں کو لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

لفظ نزول برائے دجال

(۱) لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَأُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ نَقْبٌ مِنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ حَافِّيْنَ بِاَهْلِهَا ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ يَخْرُجُ اِلَيْهِ مِنْهَا كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ اَنَسٍ +

بیہقی اور نسائی نے انس سے روایت کی ہے کہ مکہ اور مدینہ کے سوا جس قدر شہر ہیں سب میں دجال کا قدم پہنچیگا اور ان دونوں شہروں کے ہر سوراخ پر فرشتے مامور ہیں جو اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔ پھر دجال میدان میں اُتریگا اور مدینہ پر معہ اُس کے رہنے والوں کے تین مرتبہ دھاوا کریگا اور ہر کافر اور منافق اُس کی طرف نکلیگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۴۹

(۲) يَاْتِي الْمَسِيْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَهِمَّتُهُ الْمَدِيْنَةَ حَتّٰى يَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلٰئِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ +

امام احمد بن حنبل و امام مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ مسیح الدجال مشرق کی طرف سے آئیگا اور اُس کا قصد مدینہ پر ہوگا حتّٰی کہ اُحد پہاڑ کے پیچھے اُتریگا پھر فرشتے اُس کے منہ کو شام کی طرف پھیر دینگے جہاں وہ ہلاک ہوگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۵۰ +

(۳) يَنْزِلُ الدَّجَّالُ بِهٰذِهِ السَّبْخَةِ بِمَرْقَنَاةٍ فَيَكُوْنُ اٰخِرُ مَنْ يَخْرُجُ اِلَيْهِ النِّسَاءُ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَيَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ وَاِبْنَتِهٖ وَاُخْتِهٖ وَعَمَّتِهٖ فَيُوْثِقُهَا رِبَاطًا مَخَافَةَ اَنْ تَخْرُجَ اِلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّطُ اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَيْهِ فَيَقْتُلُوْنَهٗ وَيَقْتُلُوْنَ شِيْعَتَهٗ حَتّٰى اَنَّ الْيَهُوْدِيَّ لَيَخْتَبِئُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اَوِ الْحَجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ اَوِ الشَّجَرَةُ يَا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ تَحْتِيْ فَاقْتُلْهُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

احمد بن حنبل اور طبرانی حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ دجال میلان میں اُتریگا۔ اور سب سے آخر عورتیں اس کی طرف آئینگی یہانتک کہ آدمی اپنی بیوی اور بہن اور پھوپھی کے پاس جائیگا اور اُن کو اِس خوف سے کہ وہ بھی دجال کی طرف چلی جائیں رسی سے باندھ دیگا۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اُس پر مسلط کریگا الخ۔ دیکھو کنز العمال جلد، صفحہ ۲۶۵ +

(۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنَا اَبِيْ ثَنَا مَنْصُوْرُ ابْنُ سَلَمَةَ اَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِيْ ابْنَ بِلَالٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَنْزِلَنَّ الدَّجَّالُ خُوْزَ وَكِرْمَانَ فِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا وُجُوْهُهُمْ كَالْمَجَانِّ الْمُطْرَقَةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ

امام احمد بن حنبل نے عبد اللہ سے اُس نے اپنے باپ سے اُس نے منصور ابن مسلمہ سے اُس نے سلیمان یعنے ابن بلال سے اُس نے اپنے باپ سے اُس نے ابوہریرہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا کہ دجال خوز اور کرمان میں ستر ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کے چہرہ ڈھالوں کی طرح ہونگے اُتریگا۔ دیکھو مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۷ +

اِن احادیث سے واضح ہے کہ دجال کی نسبت بھی لفظ نزول استعمال ہوا ہے اگر اِس لفظ کی وجہ سے حضرت مسیح کا آسمان سے اُترنا سمجھا گیا ہے تو پھر مسلمان منتظر ہو جائیں کہ دجال بھی آسمان سے نازل ہوگا کیونکہ جس لفظ سے مسیح کا آسمان سے اُترنا یقین کیا جاتا ہے وہی لفظ بلا تفاوت دجال کے لئے بھی حدیثوں میں آیا ہے۔ اگر ایک کے لئے آسمان اور دوسرے کے لئے زمین سے اُترنا مانا جائے تو پھر یہ ایک سراسر تحکم ہے۔ لہٰذا یہی سچ ہے کہ جیسے دجال ایک جگہ سے سفر کرتا کرتا ایک مقام پر اُتریگا ویسا ہی مسیح علیہ السلام بھی ایک جگہ سفر کرتے کرتے

ایک مقام پر اُتر ینگے۔ آسمان سے اُترنے کا خیال خلاف عقل و نقل ہے +

اگر مسیح کا آسمان سے اُترنا تسلیم کیا جائے تو بہت سی مصیبت پڑتی ہے

علاوہ اس کے اگر نزول کے معنے ایک مقام سے دوسرے پر مقام کرنے کے نہ لئے جائیں تو پھر ایک اور مصیبت وارد ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مختلف حدیثوں میں مقام نزول مختلف آئے ہیں اگر مسیح علیہ السلام نے آسمان سے اُترنا تھا تو پھر وہ ایک ہی مقام پر اُتر سکتا تھا نہ کہ ایک ہی وقت ایک ہی آن میں سب جگہ پر۔ اور ہمارے خیال میں اس آسمان سے اُترنے کی صداقت دو طور سے ہو سکتی ہے کہ یا تو جس قدر احادیث نزول مسیح علیہ السلام کے بارہ میں آئی ہیں اُن میں سے ایک خاص کر دی جائے کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور اُس کے بموجب فلاں مقام پر ضرور ضرور نازل ہونگے اور ہرگز خلاف نہ ہوگا اور اگر ساری حدیثیں صحیح ہیں تو پھر ہندوں کے راون کی طرح بجائے گیارہ سروں کے مسیح علیہ السلام کے دو تین پاؤں تسلیم کرلئے جائیں کہ جب وہ اُتریگا تو ہر مقام پر ایک ایک پاؤں رکھ دیگا۔ اگر یہہ تسلیم نہیں کرسکتے۔ اور حدیثوں میں سے بھی کسی حدیث کو خاص نہیں کرسکتے تو پھر بجز اس صورت کے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر سفر کرتے ہوئے آنکا اُترینگے اور کوئی معنے صحیح نہیں ٹھیر سکتے اور سب حدیثیں قایم رہ سکتی ہیں۔ بتاؤ اس میں کیا خلل ہے اگر ہم یہہ معنے کریں کہ وہ ایک دفعہ ایک مقام پر اُترینگے پھر وہاں سے سفر کرتے ہوئے دوسرے مقام پر اور پھر تیسرے مقام پر علیٰ ہذاالقیاس سب پر یکے بعد دیگرے نزول فرما ہونگے +

وہ مقامات جہاں مسیح علیہ السلام کے اُترنیکی خبر ہے

اِس مقام پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اُن حدیثوں کو بھی لکھ دیا جائے جن میں مختلف مقاماتِ نزول مسیح آئے ہیں +

(۱) ینزل عیسے بن مریم عند المنارۃ | طبرانی نے اوس بن اوس سے روایت کی

الْبَيْضَاءِ شَرْقِيِّ دِمَشْقَ - رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ ✦	ہے کہ عیسےٰ بن مریم دمشق کے شرق کی طرف روشن منارہ کے قریب نازل ہوگا - دیکھو

کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲ ✦

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلٰی ذِرْوَۃِ اَفِیْقَ بِیَدِہٖ حَرْبَۃٌ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ - رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرٍ ✦	ابن عساکر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک عیسیٰ بن مریم افیق کی پہاڑی پر نہ اُتریں تب تک قیامت قایم نہ ہوگی اور اُن

کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا جس سے وہ دجال کو قتل کرینگے - دیکھو کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸

(۳) اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْزِلُ ابْنُ مَرْیَمَ فَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَمْحُو الصَّلِیْبَ وَتُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ وَیُعْطِی الْمَالَ حَتّٰی لَایَقْبَلُ وَیَضَعُ الْخَرَاجَ وَیَنْزِلُ الرَّوْحَاءَ فَیَحُجُّ مِنْھَا اَوْ یَعْتَمِرُ اَوْ یَجْمَعُھُمَا ✦	احمد بن حنبل نے ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن مریم اُتریگا اور خنزیر کو قتل کریگا اور صلیب کو محو کریگا اور نماز اُس کے لئے جمع کیجائیگی اور مال دیگا لیکن قبول کوئی نہیں کریگا اور خراج اُٹھا دیگا اور روحا میں اُتریگا اور وہاں حج یا عمرہ کریگا یا دونوں کو جمع کریگا - دیکھو تفسیر روح المعانی

جلد ۳ صفحہ ۲۱۳ - و کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ ✦

(۴) ذَکَرَ السَّیُوْطِیُّ فِیْ تَعْلِیْقِہٖ عَنِ ابْنِ مَاجَۃَ اَنَّہٗ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ کَثِیْرٍ فِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ یَنْزِلُ بِبَیْتِ الْمُقَدَّسِ ✦	امام سیوطی نے ابن ماجہ سے اپنی تعلیق میں کہا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے ایک روایت میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں نازل ہونگے دیکھو مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۱۹۷ ✦
(۵) اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یَنْزِلُ بِاُرْدُنَ ✦	یعنی حضرت عیسےٰ اردن میں نازل ہونگے ✦ مرقاۃ المفاتیح - صفحہ مذکورہ بالا ✦
(۶) اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَنْزِلُ بِمُعَسْکَرِ الْمُسْلِمِیْنَ ✦	مسلمانوں کی چھاؤنی میں نازل ہونگے - دیکھو کتاب مذکور ✦

لفظ خروج دربارہ مسیح علیہ السلام

ماسوااس کے حدیث ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ بجائے لفظ نزول کے لفظ خروج اور بعث بھی آئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان سے نہیں بلکہ زمین ہی سے نکلینگے۔ چنانچہ وہ حدیث یہ ہے +

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لَتَحَدَّرُ لِخُرُوْجِ الْمَسِیْحِ وَاَنَّهُ سَیَخْرُجُ فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیُؤْمِنُ بِهٖ مَنْ اَدْرَکَهٗ فَمَنْ اَدْرَکَهٗ مِنْکُمْ فَلْیَقْرَأْ بِهٖ مِنِّی السَّلَامَ رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ∴

ابن ابی شیبہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مسجدیں مسیح کے نکلنے پر بارونق ہوجائینگی کیونکہ جب وہ نکلیگا تو صلیب کو توڑیگا اور خنزیر کو قتل کریگا اور جو اسکو پہچان لیگا وہ اسپر ایمان لائیگا اور جو شخص تم میں سے اسکو پالے تو وہ میری طرف سے اُن کو سلام کہے

دیکھو کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ +

(۲) حدیث نواس بن سمعان میں ہے۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ مَرْیَمَ یَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ الْمَنَارَةِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیْ دِمَشْقَ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے ابن مریم کو روشن منارہ کے نیچے جو دمشق کی مشرق کی طرف ہے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے دیکھو مسک العارف صفحہ ۱۰ +

(۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الْمَسِیْحَ بْنَ مَرْیَمَ خَارِجٌ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَیَسْتَغْنِیَنَّ بِهِ النَّاسُ عَمَّنْ سِوَاهُ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرَ

ابن عساکر نے ابن مسعود سے روایت ہے کہ مسیح بن مریم قیامت سے پہلے نکلنے والا ہی اور لوگ اس سے اور امور میں امداد طلب کرینگے دیکھو کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ +

لفظ خروج برائے دجال

جس طرح مسیح علیہ السلام اور دجال کے لئے لفظ نزول آیا تھا اُسی طرح دونوں کے لئے

لفظ خروج بھی آیا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی نسبت اوپر دیکھ چکے ہو اب دجال کی نسبت دکھلاتے ہیں۔ اُسی حدیث نواس بن سمعان میں ہے۔

(۱) فَقَالَ اِنْ یَخْرُجْ وَاَنَا فِیْکُمْ فَاَنَا حَجِیْجُهٗ دُوْنَکُمْ وَاِنْ یَخْرُجْ وَلَسْتُ فِیْکُمْ فَامْرُءٌ حَجِیْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ +	اگر دجال خروج کرے اور میں تم میں موجود ہوں تو میں حجت کے ذریعہ اُس پر غالب آؤنگا اور اگر وہ نکلے اور میں تم میں نہ ہوں تو پھر ہر ایک شخص بذاتِ خود اُسپر حجت کے ذریعہ غالب آسکتا

ہے اور اللہ ہر ایک مسلمان پر نگہبان ہے۔ دیکھو مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۰ مطبوعہ مطبع کلکتہ +

(۲) یَخْرُجُ حِیْنَ یَخْرُجُ مِنْ بَلْدَةٍ یُقَالُ لَهَا اَصْبَهَانُ مِنْ قَرْیَةٍ مِنْ قُرَاهَا یُقَالُ لَهَا اَسْتَقَابَادُ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ	بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ دجال ایک شہر جسکا نام اصفہان ہے اُس کے دیہات میں سے ایک دیہہ سے خروج کریگا جس کا نام

استقاباد ہے دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ +

(۳) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ لَوْ خَرَجَ الدَّجَّالُ لَاٰمَنَ بِهٖ قَوْمٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ +	ابن ابی شیبہ نے حذیفہ سے روایت بیان کی ہے کہ اگر دجال نکلا تو وہ قومیں اُس دجال پر ایمان لائینگی جو اپنی قبروں میں پڑی ہوئی ہیں

یعنے وہ لوگ جو دین سے بے خبر ہیں یا کفار ہیں دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۴ +

مسیح کی نسبت لفظ بعث بھی آیا ہے

مزید براں سوائے لفظ خروج و نزول کے لفظ بعث کا بھی حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے جیساکہ حدیث ذیل سے واضح ہے۔ اُسی نواس بن سمعان کی حدیث میں ہے

وَاللّٰهُ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اِلٰی قَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِیْحَ بْنَ مَرْیَمَ	اور اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے لئے میری طرف سے نیابت کریگا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیجیگا +

پس ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ جو معنے بعثت یا خروج کے ہیں اُنہیں کے مناسب حال نزول کے معنے ہو سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو اسی زمین ہی

سے مبعوث فرماتا رہا ہے اور اسی زمین ہی سے وہ بزرگوار خروج کرتے رہے ہیں تو پھر نزول سے آسمان کا آنا کیوں تسلیم کیا جاتا ہے +

آسمان پر سے اُترنے کا محاورہ کتب سابقہ سے

علاوہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے کتب سابقہ سے بھی نزول کا یہی محاورہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ انجیل یوحنا باب ۶ آیت ۱۹ میں حضرت یسوع مسیح کہتے ہیں "کیونکہ میں آسمان پر سے اس لئے نہیں اُترا کہ اپنی مرضی بلکہ اُس کی مرضی پر چلوں"۔ اس آیت سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اقرار کیا ہے کہ میں آسمان سے آیا ہوں اور یہ بات بالکل ٹھیک ہے جو لوگ خدا تعالیٰ سے فیض اور روحانی برکت پاکر آتے ہیں اُن کا آنا آسمان ہی سے آنا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اُن کو زمینی تعلقات سے کسی قسم کا حصہ نہیں ہوتا اور یہ حالت تمام انبیاء اور مامورین کی ہوتی ہے۔ اور اس کی تشریح خود مسیح نے کر دی ہے جب یہود نے اُس کے اُن الفاظ پر کہ میں آسمان سے اُترا ہوں اعتراض کیا چنانچہ یہود نے کہا "کیا یہ یسوع یوسف کا بیٹا نہیں جس کے باپ کو ہم جانتے ہیں پھر وہ کیونکر کہتا ہے کہ میں آسمان سے اُترا ہوں"۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۶۔ ورس ۴۲۔ اس پر مسیح نے کہا "وہ جو خدا کی طرف سے ہے اُسی نے باپ کو دیکھا ہے"۔ انجیل یوحنا باب ۴۶ ورس ۲۸۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آسمان سے اُترنے کے معنے یہ ہیں کہ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر بھیجا جائے۔ اور خدا تعالیٰ کو ایسا پہچان سکتا ہو جس طرح آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہو +

ان تمام احادیث نبویہ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ اگر نزول کے معنے خروج یا ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ مقام کرنے یا خاص کر آسمان سے آنے کے لئے جائیں تو یہ سب احادیث قابل اعتبار نہیں رہتیں کیونکہ ایک شخص ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر نہیں اُتر سکتا۔ لیکن جب ان کے معنے وہی لئے جائیں جو رسول اللہ کے نزدیک یا صحابہ کے نزول یا ہر نزیل کے نزول کے وقت لئے جاتے ہیں تو سب حدیثیں صحیح اور بقابل تسلیم ہیں کیونکہ جب وہ مامور ہونگے تو جہاں وہ ابتدا میں سکونت پذیر ہونگے وہاں سے برائے ہدایت و تبلیغ خلق اللہ مختلف مقامات میں بذات خود یا بذریعہ اپنے رسول یا حواری کے جاکر نزول فرمایا کرینگے۔ یہ تو کبھی کسی نبی اور رسول کے

سوانح سے ظاہر نہیں ہوتا کہ جہاں وہ پیدا ہوئے ہوں وہیں رہتے رہے ہوں اور کہیں دوسرے مقام پر چل کر نہ گئے ہوں۔ بلکہ تمام انبیاء کی سوانح پر جب غور کیا جاتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ سب سفر کرتے رہے ہیں اور اکثروں کو ہجرت بھی کرنی پڑی ہے دیکھو حضرت ابراہیم کنعان سے چل کر مکہ معظمہ میں جسکو وادی غیر ذی زرع کہا گیا ہے آئے تھے حضرت موسٰے مصر سے ارض مقدسہ میں آئے حضرت عیسٰے بیت المقدس سے جلیل [illegible] ہندوستان اور تبت و کشمیر میں پہنچے۔ اور ہمارے مولے ہمارے [illegible] حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ میں گئے۔ الغرض تمام انبیاء کی یہی سنت رہی ہے کہ وہ تبلیغ احکام کے لئے متفرق مقامات پر جاتے رہے ہیں اور بعض کو سفروں میں مختلف مقامات پر نزول فرمانا پڑا ہے تو کیا یہ امر بعید از خیال ہے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مختلف مقامات پر نزول فرمانہ ہونگے ضرور ہونگے اور ضرور ہونگے خواہ بنفس نفیس یا بذریعہ رسولان خود جنکو وہ مختلف مقامات پر برائے تبلیغ یا مباحثہ مقرر فرمائینگے یا بذریعہ کتب و رسائل جن کو وہ لکھکر اطراف عالم میں بھیجینگے یا بذریعہ اپنے جانشینان کے نزول فرمائینگے +

لفظ نزول و لغت عرب

لسان العرب میں لکھا ہے +

اَلنُّزُوْلُ - اَلْحُلُوْلُ - اُنْزِلَا - داخل ہونا +

اَلنَّزِلُ - اَلضَّیْفُ - مہمان +

نَزَلَ الْقَوْمُ - اَتَوْا الْقَوْمُ - قوم کے لوگ آئے +

لفظ نزول فی تفاسیر

(۱) لَوْشِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ - اَیْ اِلٰی مَنَازِلِ الْاَبْرَارِ مِنَ الْعُلَمَاءِ | اگر ہم چاہتے تو بلعم باعور کو ابرار علماء کے مدارج میں جگہ دیتے۔ دیکھو تفسیر بیضاوی صفحہ ۲۰۰

(۲) لَوْشِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ - رَفَعَ مَنْزِلَتَہٗ - اگر ہم چاہتے تو اس کے مرتبہ کو بڑھا دیتے دیکھو تفسیر کبیر

[illegible]

(۲۳) اَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنَاہُ ۔ اَیۡ اِلَی الۡمَنَازِلِ الۡعَالِیَۃِ اِلٰی اَبۡرَارِ الۡعَالَمِیۡنَ ۔ تفسیر کبیر صفحہ ۱۵۸ +	اگر ہم چاہتے تو ہم اُس کو دنیا کے ابرار لوگوں کے بلند مراتب پر جگہ دیتے ۔ دیکھو حاشیہ

اِس تمام تحقیقات سے واضح ہوگیا کہ لفظ نزول روحانی معنے اور نیز سفر میں مقام کرنے کے معنوں میں آتا ہے ۔ پھر مجرد نزول سے مسیح علیہ السلام کا آسمان پر سے اُترنا معنے کرنا اور اُسپر زور دینا انصاف اور عقل کے برخلاف ہے +

دسواں باب

اس بارہ میں کہ ابن مریم سے کیا مراد ہے

یہاں پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ حضرت عیسےٰ کی وفات قرآن وحدیث وغیرہ سے ثابت ہے تو پھر حدیثوں اور دیگر کتب میں جہاں مسیح کے آنے کا ذکر ہے وہاں عیسیٰ بن مریم یا ابن مریم آیا ہے تو کیونکر تسلیم کیا جاوے کہ سوائے حضرت عیسےٰ کے کوئی اور شخص ہے ۔ اگر یہ بھی قبول کرلیں کہ کوئی اور شخص ہوگا تو بھی وہ تو اپنے باپ کا ابن کہلائیگا وہ مریم کا ابن کیونکر ہوسکتا ہے صرف مریم کا بیٹا تو سوائے اُسی عیسےٰ کے جو بنی اسرائیل میں ہوا ہے اور کسی پر صادق نہیں آسکتا کیونکہ عیسیٰ کا باپ نہیں تھا اس لئے اُسکی ابنیت ماں کی طرف منسوب ہے کیا کہیں آیا ہے کہ ایک اور عیسیٰ بھی مریم کا بیٹا ہوگا اور اُس کا باپ نہیں ہوگا اور اُس کی ماں کا نام مریم ہوگا ۔ لیکن ہم نے کہیں لکھا ہوا نہیں دیکھا کہ کوئی اور مسیح بھی بلا باپ کے پیدا ہوگا ۔ لہذا ضروری ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نبی ناصری ہی آئینگے اگر مر گئے ہیں تو کیا ہوا خدا اُسیکو زندہ کردیگا ۔ خدا کی قدرت کے آگے کوئی مشکل نہیں ہے +

وفات کے متعلق تو پہلے بخوبی ثابت ہوچکا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام تو یقیناً فوت ہوگئے

ہیں اور یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ جو مر جاتا ہے بموجب آیت فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ
وہ واپس نہیں آتا ۔ رہا ابن مریم یا عیسےٰ ابن مریم یا عیسیٰ کہ ان سے کیا مراد ہے ❊
سو واضح ہو کہ یہ ضروری نہیں کہ جہاں ابن مریم آئے وہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام
نبیٔ ناصری ہی مراد ہوں کیونکہ دنیا میں سینکڑوں عورتیں ہیں جن کا نام مریم ہوتا ہے اور
اُن کی اولاد بھی ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مریم کے بیٹے کا نام عیسیٰ بھی ہو ۔ کیونکہ ہم
اکثر دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی اولاد کا نام عیسیٰ بھی رکھ دیتے ہیں ۔ تو کیا جہاں کہیں اتفاق
ناموں کا ہو جائے اُس وقت ایسے شخص کو ہم حضرت عیسےٰ ہی سمجھ لیں ۔ ہرگز نہیں ۔ تو پھر
کیونکر احادیث کے لفظوں میں اتنی مشکل پیش آ گئی ۔ جب ہزارہا لوگ عیسےٰ کے نام سے موسوم
ہیں اور ہر ایک شخص جو چاہے اپنے بیٹے کا نام عیسےٰ ۔ موسیٰ ۔ محمد ۔ اسمٰعیل ۔ اسحاق رکھ سکتا
ہے تو کیا خدا تعالیٰ یا اُس کا رسول کسی شخص کا نام عیسیٰ نہیں رکھ سکتا ۔ حالانکہ جب حضرت
محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموں پر غور کرتے ہیں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا نام
جو والدین نے رکھا وہ محمد تھا لیکن قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام
کی زبان سے یوں شہادت نقل فرمائی ہے ❊

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ	اور جب مریم کے بیٹے عیسےٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہوں اور جو توریت تمہارے ہاں موجود ہے اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی بشارت

دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اور اُس کا نام احمد ہوگا ۔ اس آیت سے ہویدا ہے کہ حضرت
عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو بطور پیشگوئی خبر دی ہے کہ ایک پیغمبر میرے بعد
آنے والا ہے جسکا نام احمد ہوگا ۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ماں باپ
نے محمد رکھا اور چالیس برس تک اپنی قوم میں اسی محمد نام سے مشہور و معروف رہے اور
احمد کے نام سے کبھی بھی موسوم نہیں ہوئے ۔ گو نبوت کے بعد خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے اپنا نام علاوہ محمد کے احمد اور احید اور حاشر اور ماحی ۔ ابو القاسم ۔ فاتح ۔ اور حاتم ۔
عاقب ۔ یٰس ۔ طٰہٰ ۔ وغیرہ بھی ظاہر کئے چنانچہ حدیث ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے

طبرانی اور سعید بن منصور حضرت جابر سے یہ روایت بیان کرتے ہیں +

اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ اُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ فَاِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کَانَ لِوَاءُ الْحَمْدِ مَعِیْ وَکُنْتُ اِمَامَ الْمُرْسَلِیْنَ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِہِمْ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ وَسَعِیْدُ ابْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ جَابِرٍ +

میں محمدؐ اور احمد اور الحاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگ اُٹھائے جائینگے اور میں الماحی ہوں جس کی ذات سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دیگا۔ اور جب قیامت کا دن ہوگا تو لواء حمد میرے ساتھ ہوگا اور میں ہی تمام رسولوں کا امام ہونگا اور میں ہی ان سب کا شفیع ہونگا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۶ و شرح زرقانی علی المواہب صفحہ ۱۳۷ +

اور دوسری حدیث میں ہے

وَرُوِیَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمِیْ فِی التَّوْرٰیۃِ اَحِیْدُ لِاَنِّیْ اَحِیْدُ اُمَّتِیْ عَنِ النَّارِ وَاِسْمِیْ فِی الزَّبُوْرِ الْمَاحِیْ مَحَا اللّٰہُ بِیْ عَبَدَۃَ الْاَوْثَانِ وَاِسْمِیْ فِی الْاِنْجِیْلِ اَحْمَدُ وَفِی الْقُرْاٰنِ مُحَمَّدٌ لِاَنِّیْ مَحْمُوْدٌ فِیْ اَھْلِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ +

روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توریت میں میرا نام احید ہے کیونکہ میں اپنی امت کو نار دوزخ سے بچاؤنگا اور میرا نام زبور میں ماحی ہے کیونکہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کا ستیاناس کر دیا ہے اور میرا نام انجیل میں احمد اور قرآن شریف میں محمد ہے کیونکہ میں آسمان والوں اور زمین والوں میں محمود یعنے پسندیدہ ہوں۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۶ و شرح زرقانی علی المواہب صفحہ ۱۷۰

ان تمام مختلف ناموں سے ظاہر ہے کہ وقت کے علماء اور ان کتابوں کے ماننے والے حضرت خاتم النبیین پر ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ آنحضرت ان ناموں سے موسوم نہیں تھے بلکہ محمدؐ کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ جب تک اسی نام کا آدمی جس نام سے پہلے کتابوں یا تحریروں میں آچکا ہے ظاہر نہ ہو تب تک دوسرے نام کا مشہور آدمی قابل اقتدا نہیں ہو سکتا تو پھر ان قوموں کو کیوں کافر اور جہنمی قرار دیا گیا۔ جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نام کے اختلاف کی وجہ سے قبول نہ کیا لیکن یہ مسئلہ بالاتفاق اہل اسلام اور نصاریٰ کے نزدیک مسلم ہے کہ یہ کوئی ضروری امر نہیں کہ کوئی رسول ضرور اسی نام سے آئے جو پہلی کسی پیشگوئی میں

چنانچہ نصاریٰ نے حضرت ایلیا کو یحییٰ کے نام پر ہی تسلیم کر لیا اور مسلمانوں نے حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو باقی کل ناموں کا مصداق بنا لیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد کو عیسیٰ علیہ السلام یا احمد مہدی نہ تسلیم کر لیا جائے کیونکہ وجہ یہ ہے کہ مامور من اللہ کے کئی نام ہوتے ہیں ایک نام تو زمینی ہوتا ہے جو والدین اُس کی پیدائش کے بعد رکھتے ہیں اور ایک یا ایک سے زاید نام آسمانی بھی ہوتے ہیں۔ جنکا اظہار خود مامور من اللہ کیا کرتا ہے +

چنانچہ شیخ سبحان جمل نے اپنی تفسیر فتوحات الٰہیہ المعروف بہ تفسیر جمل میں زیر آیۃ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ لکھا ہے +

فَاِنْ قُلْتَ کَیْفَ خَصَّ عِیْسٰی اَحْمَدَ بِالذِّکْرِ دُوْنَ مُحَمَّدٍ مَعَ اَنَّهٗ اَشْهَرُ اَسْمَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَالْجَوَابُ اَنَّهٗ اِنَّمَا خَصَّهٗ بِالذِّکْرِ لِاَنَّهٗ فِی الْاِنْجِیْلِ مُسَمًّی بِهٰذَا الْاِسْمِ وَلِاَنَّ اِسْمَهٗ فِی السَّمَاءِ اَحْمَدُ فَذَکَرَ بِاسْمِهِ السَّمَاوِیِّ +

اگر کوئی یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے احمد نام کو کیوں خاص کیا اور محمد نام کو کیوں ظاہر نہ کیا حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پہلے یہی مشہور نام تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُس نے اس لئے اس نام کا خصوصاً ذکر کیا کہ انجیل میں صرف آسمانی نام سے خبر دی گئی تھی اور آسمان پر اُن کا نام احمد ہی تھا اور یہی وجہ ہے کہ آسمانی نام ہی کا ذکر کیا گیا۔ دیکھو تفسیر جمل جلد ۴ صفحہ ۳۴۷

ایسا ہی شیخ احمد صادی مالکی اپنے حاشیہ میں جو جلالین پر لکھا ہے بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں وَخَصَّ اَحْمَدَ بِالذِّکْرِ دُوْنَ مُحَمَّدٍ مَعَ اَنَّهٗ اَشْرَفُ اَسْمَائِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِوُجُوْهٍ الْاَوَّلُ کَوْنُهٗ مَذْکُوْرًا فِی الْاِنْجِیْلِ بِهٰذَا الْاِسْمِ الثَّانِیْ کَوْنُهٗ مُسَمًّی فِی السَّمَاءِ بِهٖ

محمد کا ذکر بجائے احمد کے کیوں خاص کیا گیا حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے محمد سب سے اشرف نام ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ انجیل میں اسی نام سے مشہور تھے اور دوسری وجہ یہ کہ احمد اُنکا آسمانی نام تھا اسواسطے اُسکو خصوصیت سے بیان کیا گیا۔ دیکھو حاشیہ صادی مالکی علے الجلالین جلد ۴ صفحہ ۱۹۵۔ ان علماء کی تحریر سے واضح ہو گیا کہ بعض بزرگان کے نام آسمان پر اور ہوتے ہیں اور زمینی نام اور ہوتے ہیں +

قرآن میں احمد ابن عبداللہ نہیں آیا مگر حدیثوں میں عیسیٰ ابن مریم آیا ہے

اسجگہ پھر بھی ایک شبہ ضرور گذند سکتا ہے کہ اور جگہ تو صرف نام آیا ہے مثلاً احمد۔ احمد وغیرہ کوئی باپ یا ماں کے نام سے منسوب نہیں اور یہاں پر تو ابن مریم صریح آیا ہے اس لئے جو مدعی مسیحیت ہو تو اُس کو لازماً مریم کا بیٹا ہونا ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ یہ خیال بھی قابل اقتدا نہیں کیونکہ جہاں ابن کا لفظ آبھی جائے تو بھی یہہ ضروری نہیں کہ یہی سمجھا جائے کہ فی الحقیقت اُسکا حقیقی بیٹا ہی مراد ہو قرآن شریف میں ابن السبیل بکثرت مستعمل ہوا ہے جس کے معنے مسافر کے لیئے جاتے ہیں۔ کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ اُس شخص کو جو راہگیر ہو رستہ کا حقیقی بیٹا تصور کر لیا جائے۔ اور یہی مان لیا جائے کہ رستہ ہی نے اُسکو جنا ہے اور ہم یہہ بھی دیکھتے ہیں کہ اناجیلِ مروجہ میں ابن اللہ کا استعمال ہوا ہے جو ذیل کے بیان سے ظاہر ہے ✦

کتب سابقہ سے ابن اللہ کا محاورہ

جہاں تک دیکھا گیا ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں ابن اللہ کا عام رواج ہے مگر بدبخت قوم نصاریٰ نے آنکھیں بند کر کے در تمام اُن مقامات کو نظرانداز کر کے صرف مسیح علیہ السلام کی نسبت جہاں ابن اللہ کا لفظ آیا ہے اسکو واقعی حقیقی بیٹا تسلیم کر لیا ہے حالانکہ توریت اور انجیل اسی قسم کے محاورات سے بھرپور ہیں۔ دیکھو خروج باب ۴۔ آیت ۲۲ جس میں لکھا ہے ”تب تو فرعون کو یوں کہیو خداوند خدا نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا پلوٹھا بیٹا ہے“ ✦ پھر یرمیاہ باب ۳۱۔ آیت ۹ میں ہے ”میں پانیوں کی نہروں کے کناروں پر ایک برابر راہ سے جس میں وے ٹھوکر نہ کھاینگے اُنہیں لیچلونگا کیونکہ میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا بیٹا پلوٹھا ہے“۔ پھر زبور باب ۸۹۔ آیت ۲۷ میں ہے ”میں اُسے اپنا پلوٹھا ٹھہراؤنگا“ پھر تواریخ ا۔ باب ۲۲۔ آیت ۹ و ۱۰ میں ہے ”دیکھ تجھہ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ وہ

صاحب صلح ہوگا۔ اور میں اُسے اُسکی چاروں طرف کے سارے دشمنوں سے صلح دونگا کہ سلیمان اُس کا نام ہوگا اور امان اور آرام میں اُس کے دنوں میں اِسرائیل کو بخشونگا وہی میرے نام کے لئے ایک گھر بناویگا وہ میرا بیٹا ہوگا"+

پھر زبور باب ۸۱ آیت ۶ میں ہے۔ اس باب میں قاضیوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے "اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو"+

پھر استشنا باب ۱۴۔ آیت ۱ میں ہے "تم (بنی اسرائیل) خداوند اپنے خدا کے بیٹے ہو"+

اِن تمام کتبِ سابقہ سے ثابت ہے کہ ابن اللہ کا عام رواج ہے اور وہ عموماً نیکوں اور صالحین پر بولا گیا ہے۔ مگر یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ بنی اسرائیل وغیرہ نے سچ مچ مان لیا ہو کہ واقعی ہم خدا کے حقیقی بیٹے ہیں یا اُنھوں نے اپنے رسولوں اور نبیوں کو جن کی نسبت وہ لفظ مستعمل ہوا تھا خدا کا حقیقی بیٹا تسلیم کر لیا تھا۔ ہاں ایک بہت تھوڑا گروہ بلکہ معدودے چند آدمی تھے جنہوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیدیا تھا۔ اور وہ صدوقی کہلاتے تھے لیکن اُن کا وجود اب دنیا میں کہیں نہیں+

چنانچہ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وَالصَّدُّوقِيَّةُ ۔ وَنُسِبُوا اِلٰى رَجُلٍ يُقَالُ لَهٗ صَدُّوْقٌ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مِنْ بَيْنَ سَائِرِ الْيَهُوْدِ اَنَّ الْعُزَيْرَ هُوَ ابْنُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكَانُوْا بِجِهَةِ الْيَمَنِ +	کہ صدوقی فرقہ کے لوگ جو ایک صدوق نام شخص کی طرف منسوب ہیں تمام انبیاءِ یہود میں سے حضرت عزیر علیہ السلام کو کہتے ہیں کہ وہی ایک خدا کا بیٹا تھا اور وہ لوگ یمن کی طرف رہتے تھے

دیکھو کتاب الفصل فی الملل والاہواء النحل جلد اول صفحہ ۹۸+

رہے عیسائی سو اُن کو اس قسم کی نظیریں توریت شریف ہی کی کافی تھیں۔ مگر اُنہوں نے اِن سے قطعی نظر بند کر لی اور کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ لیکن پھر بھی وہ کسی طرح سے معذور نہیں ہو سکتے۔ خود اناجیل میں بھی محاورہ ہے۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۳۔ آیت ۳۷۔ "اُے یروشلم جو نبیوں کو مار ڈالتی اور اُنہیں جو تجھ پاس بھیجے گئے پتھراؤ کرتی ہے میں نے کتنی بار چاہا کہ تیرے لڑکوں کو جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں کے نیچے اکٹھے کرتی ہے جمع کروں پر تم نے نہ چاہا"۔ اس آیت میں یروشلم کے رہنے والوں کو یروشلم کے لڑکے کہا گیا ہے+

پھر انجیل لوقا۔ باب ۲۰۔ آیت ۳۱ میں ہے "پھر نہیں مرنے کے کیونکہ وے فرشتوں کی مانند ہیں اور قیامت کے بیٹے ہو کے خدا کے بیٹے ہیں"۔ اس آیت میں لوگوں کو قیامت اور خدا کے بیٹے قرار دیا گیا ہے +

پھر انجیل یوحنا باب ۸۔ ورس ۳۹ میں ہے "میں جو کچھ اپنے پاس دیکھا ہے وہی کہتا ہوں اور تم وہ جو تم نے اپنے باپ کے پاس دیکھا ہے کرتے ہو۔ اُنہوں نے جواب میں اُس سے کہا ہمارا باپ ابراہام ہے یسوع نے اُنہیں کہا اگر تم ابراہام کے فرزند ہوتے تو تم ابراہام کے سے کام کرتے" +

اِن آیات سے واضح ہو کہ خود مسیح علیہ السلام نے ابن اللہ کی کیفیت حل کر دی کیونکہ جب بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم تو ابراہام کے بیٹے ہیں وہ بُرے کام نہیں کرتا تھا تو پھر تم ہم کو کیوں کہتے ہو کہ میں جو کچھ اپنے باپ کے پاس دیکھا ہے وہی کہتا ہوں اور وہ جو تم نے اپنے باپ کے پاس دیکھا ہے کرتے ہو اس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم ابراہام کے فرزند ہوتے تو ابراہام کے سے کام کرتے لیکن تم اُس جیسا کام نہیں کرتے۔ اِس لئے تم ابراہام کے فرزند نہیں ہو سکتے۔ اس سے واضح ہے کہ مسیح علیہ السلام نے نیک افعال کی مناسبت سے اپنے آپ کو خدا کا فرزند اور بد افعال اور بدکرداری کی مناسبت کی وجہ سے بنی اسرائیل کو شیطان کا فرزند قرار دیا ہو حالانکہ وہ یقیناً اولادِ ابراہام تھے۔ اگر کوئی شبہ کرے کہ واقعی اُن کو وحی الٰہی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ لوگ اولادِ ابراہام نہیں تھے بلکہ ولد الزنا تھے تو اس کا جواب خود انجیل میں موجود ہے یہی شبہ اُن کم عقل یہودیوں کو پیدا ہوا اور اُنہوں نے حضرت مسیح کی پُر حکمت کلام کو نہ سمجھا۔ چونکہ زمانہ حال کے لوگوں کی طرح اُن کی فطرت بھی متغیر ہو گئی تھی اور وہ علومِ دینی سے بالکل محروم ہو چکے تھے اور اُنکی عقلیں بہت موٹی اور بھدی ہو گئی تھیں اس لئے وہ حضرت مسیح کی اِس پُر اسرار کلام کو نہ سمجھ سکے اور اس پر بول اُٹھے "ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے۔ ہمارا باپ ایک ہے یعنے خدا یسوع نے اُنہیں کہا کہ اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھے عزیز جانتے۔ کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا پر اُس نے مجھے بھیجا۔ تم میری عبارت کیوں نہیں سمجھتے اِس لئے کہ میرا کلام سُن نہیں سکتے تم اپنے باپ شیطان سے ہو اور چاہتے ہو کہ اپنے باپ کی خواہش کے موافق کرو۔ وہ تو شروع

سے قائل اور سچائی پر ثابت نہیں رہا کیونکہ اُس میں سچائی نہیں۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۸۔ آیات ۴۱ لغایت ۴۴۔ ان آیات سے صاف واضح ہے کہ تکذیب اور شرارت کی وجہ سے یہودیوں کو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے شیطان کا فرزند کہا اور کھول کر بیان کر دیا کہ اگر تم خدا کے فرزند یعنے اُس کے فرمانبردار ہوتے تو تم مجھے سچا مانتے کیونکہ میں اُسی کی طرف سے آیا اور اُسی کی باتیں یعنے نیک باتیں سُناتا ہوں لیکن تم مجھے جھٹلاتے ہو اور جھٹلانا شیطان کا خاصہ ہے اِس لئے تم شیطان کے فرزند یعنے تابع ہو +

جب توریت اور زبور اور اناجیل سے ثابت ہو گیا کہ ابن اللہ کا محاورہ صرف اعلیٰ نیکی کی مناسبت کی وجہ سے ہے نہ کہ حقیقی بیٹا ہونے کی وجہ سے اور اسی لئے ابن اللہ یا ابنا اللہ آیا ہے ورنہ یہود کو حضرت مسیحؑ کے بیٹے ماننے میں کونسا عذر ہو سکتا تھا جبکہ اُن کی اپنی کتابوں میں ہزاروں لوگ خدا کے بیٹے ثابت ہیں۔ لیکن نہ اُنھوں نے کسی اور شخص کو جن کی نسبت ابن اللہ استعمال ہوا حقیقی بیٹا مانا۔ اور نہ مسیح کو حقیقی بیٹا مانا تو پھر عیسائیوں کو کوئی حق حاصل نہ تھا کہ وہ مسیح کو خدا کا حقیقی بیٹا مان لیتے سو ایسا مان لینا محض اُن لوگوں کی شقاوتِ قلبی ہے ورنہ کوئی ثبوت اُن کے پاس نہیں یہ صرف ایک عام محاورہ تھا جس کو اُنھوں نے نہیں سمجھا اور اسی واسطے گمراہ اور ضالین کہلائے۔ ایسا ہی اس زمانہ کے بعض علماء کی شامتِ اعمال ہے کہ اُنھوں نے عیسائیوں کی طرح ابن مریم کا مسئلہ نہیں سمجھا اور احادیث میں ابنِ مریم کا لفظ آخری زمانہ کے مصلح و مجدد کے لئے آیا ہے اسکو مریم اسرائیلی کا حقیقی بیٹا تصور کر کے اُسکی آمد کے منتظر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ تمام کتبِ سابقہ سے اُس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمانوں کو تو اس مسئلہ ابنِ مریم میں سوچ سمجھکر قدم رکھنا چاہیئے تھا کہ وہ یہودیوں کی طرح غلطی نہ کھاتے مگر وہ بھی مجبور تھے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں میری اُمت یہودی ہو جائیگی چونکہ وہ بات اُس اصدق الصادقین کی پوری ہونی تھی سو پوری ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے خود اپنے ہی ہاتھ سے اِس پیشگوئی کو پورا کر دیا +

اول قرآن کریم سے اِس امر کا ثبوت کہ کسی مناسبت کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے پر بولا جاتا ہے

علاوہ اس کے جب ہم قرآن شریف کے الفاظ پر غور کرتے ہیں تو اس میں اکثر محاورہ پاتے ہیں۔ کہ ایک انسان یا ایک قوم کا کسی دوسرے شخص یا قوم کی مناسبت کی وجہ سے بعینہ نام لے لیا جاتا ہے۔

اوّل ایک فرد کی مثال۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ مریم رکوع ۲ میں فرماتا ہے۔ یٰاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا نہیں تھا اور نہ تیری ماں بغیہ تھی۔ اب اس آیت میں یہ امر دیکھنا ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے مریم کو ہارون کی بہن کہا حالانکہ کسی تاریخ سے ثابت نہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کا کوئی حقیقی بھائی ہارون نام تھا۔ بلکہ ہارون حضرت موسیٰ کا ایک بھائی تھا جو نبی تھا لہذا صرف پاک مناسبت کی وجہ سے مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے۔ یہ مثال تو ایک فرد کی ہے کیونکہ مریم بھی اُسی مقدس خاندانِ نبوت میں سے تھی۔

دوم ایک جماعت کی مثال۔ اب ہم ایک قوم کی مماثلت کی مثال بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کلام اللہ شریف میں یہود کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ سورۃ البقرۃ۔ رکوع ۱۱۔ یعنے جب موسیٰ تمہارے پاس کھلے نشانوں کے ساتھ آیا تو پھر بھی تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم مشرک ہو گئے تھے۔ اب یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ مخاطب اس آیت میں وہ یہود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور اُن کو کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ تمہارے پاس نشان لیکر آئے اور تم اُن نشانات کو دیکھ کر بھی بچھڑے کے پوجاری ہو گئے حالانکہ حضرت موسیٰ کو گذرے ہوئے قریب دو ہزار برس کے ہو چکے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کی موجودگی میں جس قدر یہود تھے اور جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی وہ سب ہلاک ہو چکے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کیا گیا کہ تم نے

ایسا کیا اس میں یہی راز ہے کہ اُن کو اُسی مناسبت کی وجہ سے جو اُنکو یہودیوں کو اُس زمانہ کے یہودیوں سے تھی وہی یہود قرار دیا گیا جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھے یعنے جو شرارتیں اُس وقت تمہارے آبا و اجداد میں تھیں وہی اب تم میں موجود ہیں اسی واسطے تم گویا یہو بہو وہی یہود ہو۔ الغرض قرآن شریف اس قسم کی مماثلت سے بھرا پڑا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

دوم۔ احادیث سے ثبوت کہ ایک کی مناسبت سے دوسرے کو اُسی نام سے پکارا جاتا ہے

جب ہم احادیث پر غور کرتے ہیں تو ان میں بھی اس قسم کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری مطبوعہ مصر کے صفحہ ۶۰۵ میں حدیث ذیل لکھی ہے۔ جو بڑی طویل ہے اور جس میں ابوسفیان اور ہرقل کے سوالات و جوابات ہیں۔ جب ہرقل اپنی کلام ختم کر چکا تو ابوسفیان کہتا ہے

قَالَ اَبُوسُفْيَانُ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ وَاُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِاَصْحَابِيْ حِيْنَ اُخْرِجْنَا لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ اِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْاَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتّٰى اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْاِسْلَامَ۔

جب ہرقل نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا اور خط کے پڑھنے سے فارغ ہوا۔ تو اُس کے پاس غل ہوا اور آوازیں بلند ہوئیں۔ اور ہم وہاں سے باہر چلے آئے اور ہم نے اپنے دوستوں کو آ کر کہا کہ آج ابن ابی کبشہ کا کام تو بن گیا کیونکہ اُس سے بنی اصفر کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے اور میں ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب ہونگے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف با سلام کیا۔

اِس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہا گیا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا نام عبد اللہ تھا بلکہ ابی کبشہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُور کے آبا میں سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ حاشیہ بخاری میں لکھا ہے کہ ابن ابی کبشہ ایک شخص موحد تھا جو عرب جیسے مشرک آباد میں توحید کا قائل تھا اور فریدالدہر ہونے

کی وجہ سے انگشت نما ہو کر بدنام ہوگیا تھا کہ وہ ایسا خراب آدمی ہے کہ ہزاروں معبودوں کی موجودگی میں ایک ذات لایزال کو اپنا معبود قرار دیتا ہے۔ چونکہ اس توحید کے سبب سے وہ ضرب المثل ہو چکا تھا اس لئے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسی ملک میں توحید کا ڈنکا بجایا تو ابوسفیان نے جو اُس وقت تک مشرک سردار قوم اور اسلام کا دشمن تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُسی توحید کی مناسبت کی وجہ سے ابن ابی کبشہ کہدیا تھا +

پس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ عرب میں اور خاصکر قوم قریش میں جس قوم میں خود فخر المرسلین و خاتم النبیین کا نشوونما ہوا تھا اور جن کی زبان میں قرآن شریف نازل ہوا تھا اسی قسم کی مماثلت کا عام رواج تھا اور ایسے الفاظ برابر روزمرہ بولے جاتے تھے +

سوم کلام صوفیا سے اس امر کا ثبوت کہ کسی مناسبت کیوجہ سے ایک کا نام دوسرے پر بولا جاتا ہے

اس کے بعد ہم صوفیا کرام اور بالخصوص مشاہیر اولیاء اللہ کی تحریروں پر غور کرتے ہیں تو وہاں سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے۔ جو اوپر بیان ہوا چنانچہ شیخ یعقوب چرخی جو ایک مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں وہ اپنے ایک رسالہ میں جسکا نام رسالہ انسیہ ہے اور جو رسایل ستہ ضروریہ میں شامل ہے اور جو مطبع محبوب المطابع میرٹھ میں طبع ہوا ہے اُس کے صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں +

(۱) چوں از بخارا ارتحال افتاد بشہر کش سبز رسیدہ شد و چند وقت آنجا اقامت اُفتاد۔ خبر وفات ایشاں (یعنے خواجہ نقشبند صاحب) رسید خاطر مجروح و محزون شد و خوف عظیم مستولی شد کہ نعوذباللہ مبادا کہ باز بعالم طبیعت میل افتد و داعیہ طلب نماند روحانیت ایشاں را دیدم کہ زید بن حارثہ را یاد کردند و ایں آیت را خواندند وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ	یعنے جب بخارا سے روانہ ہو کر شہر کش سبز میں پہنچے اور چند روز تک وہاں قیام کیا تو حضرت خواجہ نقشبند صاحب کی وفات کی خبر پہنچی جس کے سُننے سے دل زخمی اور سینہ غمناک ہوا اور ایک بڑا بھاری خوف غالب ہوا کہ خدانخواستہ پھر کہیں طبیعت کا میلان دنیا، دنی کی طرف نہ ہو جائے اور صدق کی طلب کا خیال دل سے مفقود ہو جائے کو کیا

قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ و چوں از صحبتِ ایشاں محروم
شدہ بودم میل شد کہ طائفۂ دگر را کہ از درویشاں
بودند لاحق شوم و بطریقۂ ایشاں متوجہ شوم
باز روحانیتِ ایشاں را دیدم کہ میگوید قَالَ
زَیْدُ بْنُ الْحَارِثَۃ اَلدِّیْنُ وَاحِدٌ دانستم کہ
اجازت نیست و از میانِ صحابہ زید بن حارثہ
را تخصیص کردند زیرا کہ زید داعی حضرت
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنے پسر خواندہ
رسول بود صلعم حضرت خواجگانِ ما قدس اللہ
ارواحہم طالبان را بفرزندی قبول میکنند +

دیکھتا ہوں کہ حضرت پیرو مرشد کی روح زید بن حارثہ
کو یاد کرتی ہے اور یہ آیۃ پڑھتی ہے کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ایک رسول تھے اور کل پیغمبر اُس سے
پہلے مرچکے اگر یہ رسول بھی مرجاتے یا قتل
کیا جائے تو کیا تم دین سے مرتد ہوجاؤ گے۔ اور
جب اُن کی وفات کے سبب سے میں اُن
کی صحبت سے محروم ہوگیا تو رغبت پیدا ہوئی
کہ کسی دوسرے طائفہ بزرگان کی خدمت میں
حاضر ہوکر اُن کے طریق کی طرف متوجہ ہوجاؤں
تو پھر اُن کی روحانیت کو دیکھا کہ کہتی ہے زید
بن حارثہ دین تو ایک ہی ہے تب میں جانا کہ
مجھے کسی اور جگہ جانے کی اجازت نہیں۔ اور صحابہ میں سے زید بن حارثہ کو اس لئے مخصوص
کرلیا کہ وہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے منہہ بولے بیٹے تھے اور ہمارے حضرت
خواجگان جن کی روح کو اللہ تعالیٰ پاک اور مطہر کرے اپنے طالبوں کو بھی فرزندوں میں
شمار کرتے ہیں۔ اس تمام بیان سے واضح ہے کہ اولیاء اللہ کے کلام میں بھی اس مماثلت
کا محاورہ ہے جیسے کہ تم نے ابھی پڑھ لیا کہ خواجہ نقشبند صاحب اپنے مرید شیخ یعقوب چرخی
کو جو وہ بھی مشائخ مشاہیر سے ہیں زید بن حارثہ کرکے پکارتے ہیں حالانکہ اُن کا نام یعقوب
اور باپ کا نام اور تھا اور نہ زید بن حارثہ سے شیخ موصوف کا کوئی رشتہ تھا صرف تبنیت
کی وجہ سے مماثلت قایم ہوئی یعنے جیسے زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہہ بولا
بیٹا تھا تو بھی میرے لئے منہہ بولا بیٹا ہے یعنے تو بھی میرے لئے زید بن حارثہ ہے +

(۲) علاوہ ان کے شاہ نیاز احمد بریلوی جو ایک بزرگ ہوئے ہیں وہ اپنے دیوان
میں فرماتے ہیں شعر۔ احمدِ ہاشمی منم عیسے مریم منم + من نہ منم نہ من منم - یعنے احمد ہاشمی
بھی میں ہوں اور مریم کا بیٹا عیسیٰ بھی میں ہوں نہ خود میں ہوں اور نہ میں میں ہوں اس
شعر سے واضح ہے کہ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی اپنے آپ کو احمد ہاشمی اور عیسیٰ ابن مریم

کہتے ہیں اور کسی نے اُن کو کفر کا فتویٰ نہیں لگایا اور اُن کی بات پر تاویل کر لی گئی +

(۳) اسی طرح خواجہ معین الدین چشتی اپنے دیوان [illegible] فرماتے ہیں۔

دمبدم روح القدس اندر معینی میدمد + من نمی [illegible] من عیسیٰ ثانی شدم + ہر دم معین الدین میں روح القدس پھونکتا ہے۔ میں نہیں جانتا شاید میں عیسیٰ ثانی ہوں + دیکھو دیوان خواجہ معین الدین چشتی صفحہ ۴۱

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اہل عرب کے کلام اولیاء اللہ کے کلام میں ایک شخص کا نام معہ باپ کے نام وغیرہ کے آتا ہے مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے شخص پر لگا لیا جاتا ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کلام اللہ یا حدیث رسول اللہ یا کلام اولیاء اللہ میں خلاف بیانی ہے ہرگز نہیں بلکہ یہ امر مسلم ہے کہ ایک شخص کے اخلاق یا صفات یا کسی مشابہت جسمانی یا روحانی کی وجہ سے دوسرے شخص کو جس میں اُس اول الذکر کی کسی پہلو میں مشارکت صفاتی یا مشابہت جسمانی یا روحانی پائی جاتی ہو اُسی نام سے پکارا جاتا ہے مثلاً جالینوس جو ایک بڑا حکیم گذرا ہے اگر اس زمانہ میں کوئی حکمت کے سبب سے شہرۂ آفاق ہو جائے تو اُسکو بھی جالینوس زمان کہتے ہیں یا اگر کوئی بہادری میں مشہور ہو جائے تو اُسکو شیر کہنے لگ جاتے ہیں۔ یا کسی میں کوئی شرارت کا مادہ زوروں پر ہو تو اُسکو شیطان یا شیطان کا بچہ کہتے ہیں۔ اور جس میں تکبر اور غرور کا مادہ ہو اُسکو فرعون یا فرعون زادہ کہنے لگ جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جبکہ تمام علوم متعارفہ و کلام عوام میں یہ باتیں مسلم الثبوت بلکہ عین مسلمات قومی کے مطابق ہیں تو پھر غلام احمد کا عیسیٰ نام ہونے میں کونسا استبعاد ہے اور کونسی خلاف ورزی ہے

یہاں پر یہ بات یاد رہے کہ علم بلاغت میں یہ عام قاعدہ ہے کہ جہاں مشابہت تامہ مقصود ہوتی ہے وہاں مثل یا مانند یا تمثیل یا منزلت یا تشبیہہ یا کاف تشبیہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور جہاں مشابہت ناقصہ مراد ہوتی ہے وہاں اس قسم کے حروف آ جایا کرتے ہیں۔ گو ہم اوپر مثالیں بیان کر چکے ہیں لیکن ہم وضاحت کے لئے کچھ آیات قرآنی اور چند احادیث رسول اللہ اور اقوال صوفیا بھی درج کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین کی معلومات میں ایک وسعت ہو جائے اور کوئی شک و شبہ نہ رہے اور یہ واضح ہو جائے کہ صرف حضرت مسیح موعود کی نسبت ایسا لفظ نہیں بولا گیا بلکہ کثیر التعداد لوگ ہیں جن کو کسی رسول یا نبی وغیرہ سے منسوب کیا گیا ہے +

اول ہم مشابہت ناقصہ کی چند نظیریں درج کرتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

اول۔ امثلہ مشابہتِ ناقصہ از قرآن

(۱) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۔ سورۃ التحریم رکوع ۲ پارہ ۲۸ +

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو کافر ہیں نوح اور لوط کی بیویوں سے مشابہت دی ہے اور خدا فرماتا ہے کہ وہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی نکاح میں تھیں مگر اُنہوں نے خیانت کی اور کسی چیز نے اُن کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچایا بلکہ اُن کو کہا گیا کہ جاؤ دوزخ میں اوروں کے ساتھ داخل ہو جاؤ +

(۲) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو مومن ہیں فرعون کی بیوی کی مانند بیان کیا ہے جبکہ اُس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب میرا گھر اپنے ہاں جنت میں بنا اور مجھ کو فرعون اور اُس کی ظالم قوم سے نجات بخش

(۳) وَضَرَبَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

اور اللہ نے مومنوں کو مریم بنت عمران کی مثل بیان کیا ہے جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی اور ہم نے اُس میں روح پھونکی تھی اور جس نے اپنے رب کے کلمات اور کتابوں کو سچ کر دکھایا تھا اور وہ فرمانبردار تھی۔ دیکھو سورۃ التحریم رکوع ۳ پارہ ۲۸

اِن آیات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ کافروں کو نوح اور لوط کی بیوی کہا گیا ہے اور مومنوں کو آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران بتایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ بدوں کو اُن کی بدی کے سبب باہم مماثلت ہے اور نیکوں کو اُن کی نیکی کیوجہ سے باہم مناسبت قرار دی گئی ہو حتّٰی کہ کل مومنوں کو مریم کہا گیا ہے۔ اِس لئے ہر نیک آدمی کی اولاد ابن مریم ہی

دوم۔ امثلہ مشابہت ناقصہ از احادیث

(۱) الا اخبرکما بمثلکما فی الملٰئکۃ ومثلکما فی الانبیاء مثلک یا ابا بکر فی الملٰئکۃ کمثل میکائیل تنزل بالرحمۃ ومثلک فی الانبیاء کمثل ابراھیم اذ کذبہ قومہ وصنعوا بہ ما صنعوا قال فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم ومثلک یا عمر فی الملٰئکۃ کمثل جبرئیل ینزل بالشدۃ والباس والنقمۃ علی اعداء اللہ ومثلک فی الانبیاء کمثل نوح اذ قال رب لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیارا رواہ ابن عدی وابو نعیم فی فضائل الصحابۃ وابن عساکر عن ابن عباس +

یعنے ابن عدی نے کامل ابن عدی میں اور ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر اور عمر کیا تمہیں خبر نہ دوں کہ تمہاری مماثلت فرشتوں اور انبیاء سے کیا ہے۔ اے ابوبکر تو فرشتوں میں تو میکائیل فرشتہ کا مثیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت لیکر نازل ہوتا ہے اور انبیاء میں تیری مماثلت ابراھیم علیہ السلام سے ہے جب اُس کی قوم نے اُس کی تکذیب کی اور کیا جو کچھ کیا تو ابراہیم نے کہا کہ جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو غفور اور رحیم ہے جسے چاہے بخشے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اے عمر تو فرشتوں میں سے جبریل کا مثیل ہے جو شدت اور بأس اور نقمت کے ساتھ دشمنان خدا پر ٹوٹ پڑتا ہے اور انبیاء میں تو نوح کا مثیل ہے جس نے کہا تھا کہ اے میرے رب تو زمین پر کسی کافر کا گھر نہ دے سب کو تباہ و برباد کر دے دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۴۴ +

(۲) فتوحات مکی میں ہے:-

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال علماء ھذہ الامۃ کانبیاء سائر الامم وفی روایۃ کانبیاء بنی اسرائیل

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے علماء تمام امتوں کے انبیاء کی مانند ہیں اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ دیکھو فتوحات مکی جلد اول صفحہ ۵۷۰ +

(۳) پھر ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ مشابہت انبیاء ثابت ہوتی ہے جو حسب ذیل ہے:-

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَنْظُرَ اِلیٰ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ خُلَّتِهٖ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ اَبِیْ بَکْرٍ فِیْ سَمَاحَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ نُوْحٍ فِیْ شِدَّتِهٖ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ عُمَرَ فِیْ شُجَاعَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ اِدْرِیْسَ فِیْ رَفْعَتِهٖ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ عُثْمَانَ فِیْ رَحْمَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ یَحْیٰی بْنِ زَکَرِیَّا فِیْ جِهَادَتِهٖ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ عَلِیٍّ فِیْ طَهَارَتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرٍ عَنْ اَنَسٍ ؛	ابن عساکر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ابراہیم کو بحالتِ خُلت دیکھنا پسند کرتا ہے تو چاہئے کہ ابوبکر کو بحالتِ نرمی دیکھ لے اور جو شخص نوح کو بحالتِ شدت دیکھنا پسند کرتا ہے وہ عمر کو شجاعت میں دیکھ لے اور جو ادریس کو رفعتِ مرتبت میں دیکھنا چاہے وہ عثمان کو رحمت میں بھرپور دیکھے اور جو یحییٰ بن زکریا کو مجاہدات میں دیکھنا چاہے وہ علی کو

طہارت میں منسود یکھے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۱ ؛

اِن احادیث متذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور حضرت عمر کو حضرت نوح علیہ السلام کا اور حضرت عثمان کو حضرت ادریس علیہ السلام کا اور حضرت علی کو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے جن وجوہ سے اصحاب متذکرہ بالا ابراہیم اور نوح اور ادریس اور یحییٰ ہو گئے۔ کیا مرزا غلام احمد اُن وجوہ سے عیسےٰ بن مریم نہیں ہوسکتا فَتَدَبَّرُوْا یَا عُلَمَاءَ الزَّمَانِ ؛

(۴) پھر ایک حدیث میں ہے دِحْیَةُ الْکَلْبِیُّ یُشْبِهُ جِبْرِیْلَ وَعُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِیُّ یُشْبِهُ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ وَعَبْدُ الْعُزّٰی یُشْبِهُ الدَّجَّالَ رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ مُرْسَلاً	ابن سعد شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ دحیہ کلبی جبریل کی مشابہ ہے اور عُروہ بن مسعود ثقفی عیسےٰ بن مریم کے مشابہ اور عبدالعزیٰ دجال کے مشابہ ہے دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۱

(۵) پھر پانچویں حدیث میں حضرت علی کی نسبت آیا ہے ؛

یَا عَلِیُّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِیُّ عَنْ سَعْدٍ	مسلم اور ترمذی نے سعد سے اور ابن ماجہ اور ترمذی نے جابر سے اور احمد بن حنبل اور بیہقی نے سعید سے اور ابوبکر مطیری نے اپنی کتاب

وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ جَابِرٍ وَاَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ سَعْدٍ وَاَبُوْ بَكْرِ الْمَطِيْرِيُّ فِيْ جُزْئِهٖ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ +

جزیہ میں ابی سعید سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی کیا تو خوش نہیں کہ تیری منزلت میرے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون کی موسیٰ سے تھی صرف فرق اتنا ہے کہ تو میرے بعد نبی نہیں ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲ +

(۶) چھٹی حدیث میں آیا ہے۔ مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا لَهٗ نَظِيْرٌ مِنْ اُمَّتِيْ وَاَبُوْ بَكْرٍ نَظِيْرُ اِبْرَاهِيْمَ وَعُمَرُ نَظِيْرُ مُوْسٰى وَعُثْمَانُ نَظِيْرُ هَارُوْنَ وَعَلِيُّ بْنُ طَالِبٍ نَظِيْرِيْ وَمَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ اَنَسٍ +

ابن عساکر انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر انبیاء گذرے ہیں اُن میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی نظیر یعنے مثیل میری اُمت میں سے ضرور ہوتا ہے۔ ابوبکر ابراہیم علیہ السلام کا مثیل اور عمر حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اور علی بن طالب میرا نظیر ہے اور جو شخص حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دیکھنا چاہے تو وہ ابوذر غفاری کو دیکھ لے۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۳ +

اِن احادیث سے کامل طور سے واضح ہوگیا کہ اس اُمت کے لوگ گذشتہ نبیوں کے مثیل ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہینگے۔ پس صاف معلوم ہوگیا کہ جس مسیح کے آنے کا ذکر ہے وہ بھی مثیل ہی ہے۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل ہے +

(۷) پھر ابن حبان اپنی تاریخ میں ابوہریرہ سے روایت بیان کرتے ہیں +

لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مِثْلِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ بِهِمْ تُغَاثُوْنَ وَبِهِمْ تُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ +

ابراہیم خلیل الرحمٰن کی سے تیس آدمی برابر زمین میں موجود رہتے ہیں اور زمین کسی وقت بھی اُن سے خالی نہیں رہتی کیونکہ اُنہی کی وجہ سے دعائیں قبول ہوتیں اور اُنہی کی وجہ سے رزق ملتا اور اُنہی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۷۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ انبیاء کے مثیل ضرور دنیا میں رہتے ہیں +

(۸) اس سے واضح تر وہ حدیث ہے جو ابونعیم اپنی حلیہ میں اور ابن عساکر اپنی کتاب

ہیں ایسے ہیں +

اِنَّ لِلّٰہِ فِی الْخَلْقِ ثَلٰثَ مِائَۃٍ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ اٰدَمَ وَلِلّٰہِ فِی الْخَلْقِ اَرْبَعُوْنَ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ مُوْسٰی وَلِلّٰہِ فِی الْخَلْقِ سَبْعَۃٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ اِبْرَاھِیْمَ وَلِلّٰہِ فِی الْخَلْقِ خَمْسَۃٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ جِبْرِیْلَ وَلِلّٰہِ فِی الْخَلْقِ ثَلٰثَۃٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ مِیْکَائِیْلَ وَلِلّٰہِ فِی الْخَلْقِ وَاحِدٌ قَلْبُہٗ عَلٰی قَلْبِ اِسْرَافِیْلَ فَاِذَا مَاتَ الْوَاحِدُ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الثَّلٰثَۃِ وَاِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلٰثَۃِ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الْخَمْسَۃِ وَاِذَا مَاتَ مِنَ الْخَمْسَۃِ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ السَّبْعَۃِ وَاِذَا مَاتَ مِنَ السَّبْعَۃِ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الْاَرْبَعِیْنَ وَاِذَا مَاتَ مِنَ الْاَرْبَعِیْنَ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الثَّلٰثِ مِائَۃٍ وَاِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلٰثِ مِائَۃٍ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الْعَامَّۃِ فَبِھِمْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَیُمْطِرُ وَیُنْبِتُ وَیَدْفَعُ الْبَلَاءَ رَوَاہُ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِیْ حِلْیَۃٍ وَابْنُ عَسَاکِرَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ +

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں تین سو آدمی ایسے ہیں جن کا قلب حضرت آدم کے قلب پر ہوتا ہے اور چالیس ایسے ہیں جن کے قلب موسےٰ کے قلب پر اور سات ایسے ہیں جن کے قلب ابراہیم کے قلب پر اور پانچ ایسے ہیں جن کے قلب جبرئیل کے قلب پر اور تین میکائیل کے قلب پر ہوتے ہیں اور ایک اسرافیل کے قلب پر ہوتا ہے جب ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بجائے اُس کے تین میں سے ایک کو قائم کردیتا ہے اور جب تین میں سے کوئی مرتا ہے تو بجائے اُس کے پانچ میں سے ایک کو کھڑا کرتا ہے اور اور جب پانچ میں سے کوئی مرتا ہے تو سات میں سے ایک کو اُس کا قایم مقام کردیتا ہے اور جب سات میں سے کوئی مرتا ہے تو چالیس میں سے ایک کو اُس کا قایم مقام بنا دیتا ہے اور جب چالیس میں سے کوئی مرتا ہے تو تین سو میں سے کوئی اُس کی جگہ کیا جاتا ہے اور جب تین سو میں سے کوئی مرتا ہے تو عوام میں سے کسی کو اُسکی جا بجا کیا جاتا ہے۔ اور انہی وجود وں کی طفیل زندگی اور موت اور باران و روئیدگی ہوتی اور دفع بلا ہوتی ہے دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۹

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بہت سے مثیل پیغمبران و فرشتگان صفحہ دنیا پر ہمیشہ رہتے ہیں اور اُن کے قائم مقام بھی مخلوقات میں سے ہوتے رہتے ہیں۔ پھر حضرت مرزا صاحب کو مسیح وغیرہ انبیاء کے قلب پر پانے سے کونسا استبعاد لازم آتا ہے +

یہ امر تو ان احادیث نبی اللہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ کسی نبی سے کسی مناسبت کی وجہ سے مشابہت رکھنے والا شخص اُس نبی کا مثیل ہوتا ہے جب خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو گیا کہ اس امت میں مشابہ مثیل انبیا ہوتے ہیں تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مثیل مسیح ہونے میں کیوں شک یا انکار کیا جاتا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو پھر اس کا انکار کرنا کیوں خالی از مواخذہ نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا۔ اے علماء وقت غور کرو اور فکر کرو۔ بیشتر اسکے کہ دستِ تاسف ملو +

سوم مشابہت تامہ کی مثالیں قرآن کریم سے

رہی مشابہت تامہ کی مثالیں سو ہمارے نزدیک قرآن شریف کی یہ آیت کافی ہے

(۱) یَا اُخْتَ هَارُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔ سورہ مریم رکوع ۲ — اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بغیہ تھی +

یہاں پر مثلِ اُختَ ہارون وغیرہ نہیں کہا بلکہ اُخت ہارون کہا جس سے مشابہت تامہ مراد ہے۔ حالانکہ ہارون مریم کا حقیقی بھائی نہ تھا بلکہ اس وجہ سے اُختَ ہارون کہا کہ جیسے تو خاندان نبوت میں سے ہے ویسا ہی ہارون خاندانِ نبوت میں سے تھا۔ اس مناسبت سے گویا تو ہارون کی حقیقی بہن ہے جیسے ہارون پاک باز تھا تو بھی پاکباز ہے +

(۲) يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ — اے بنی اسرائیل میری اُس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو بطورِ انعام دی تھی اور میں نے تم کو بہت سے جہانوں پر فضیلت بخشی تھی۔ دیکھو سورۃ البقرہ رکوع ۵۔ اس آیت میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ ہم نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ حالانکہ مراد اُن بنی اسرائیل سے ہے جو حضرت موسیٰ اور اُس کے بعد کے انبیاء کے وقت ہوئے ہیں جنکو گذرے ہوئے صدیاں گذر چکی تھیں مگر چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کو زمانہ ماسبق کے یہود سے کامل مشابہت تھی اس لئے ان کو بعینہ وہی بنی اسرائیل کہا گیا +

(۳) وَاِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ اور جب ہم نے تم کو آلِ فرعون سے نجات دی۔

دیکھو سورۃ البقرہ رکوع ۵- اس آیت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بنی اسرائیل مراد ہیں مگر مخاطب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے بنی اسرائیل ہیں چونکہ انمیں بھی وہی مشابہت تامہ تھی اسی لئے اِن کو بجنسہ وہی بنی اسرائیل کہا گیا جو گذشتہ زمانہ میں تھے +

قرآن شریف تو اس قسم کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے ہم نے صرف انہی امثلہ پر کفایت کی ہی یہی وجہ ہے کہ احادیث میں ابنِ مریم کے ساتھ کوئی علامت منجملہ علاماتِ مشابہتِ ناقصہ نہیں آئیں ورنہ افصح الفصحاء و ابلغ البلغاء کی کلام میں نقص وارد ہوتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تمام نقصانات سے پاک ہے لہذا لازماً ماننا پڑیگا کہ آخری زمانہ کا مسیح موعود حضرت مسیح ناصری سے مناسبت و مشابہت تامہ رکھنے والا ہوگا اسی واسطے علاماتِ ناقصہ ساتھ نہیں آئیں +

چہارم مماثلت و مشابہتِ تامہ کی مثالیں احادیث سے

اب ہم احادیث سے مماثلتِ تامہ کی مثالیں پیش کرتے ہیں +

(۱) مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى تَوَاضُعِ عِيْسٰى فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِىْ ذَرٍّ رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى فِىْ مُسْنَدِهٖ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ +

ابو یعلیٰ اپنی مسند میں ابوہریرہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جو شخص تواضع کی جہت سے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا چاہے تو ابوذر غفاری کو دیکھے - دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۹ +

(۲) مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَى الْمَسِيْحِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ اِلٰى بِرِّهٖ وَصِدْقِهٖ وَجِدِّهٖ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِىْ ذَرٍّ رَوَاهُ الطَّبْرَانِىُّ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ +

جو شخص کہ یہہ پسند کرتا ہے کہ وہ مسیح عیسیٰ بن مریم کو اُسکی نیکی اور سچائی اور بزرگی کی جہت سے دیکھے اُسکو چاہئے ابوذر غفاری کو دیکھے - دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۹ +

اِن احادیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری کو نیکی اور دیگر اخلاقِ فاضلہ کی وجہ سے جن سے مسیح علیہ السلام موصوف تھے حضرت عیسےٰ بن مریم کہا ہے گویا ایسی مشابہتِ تامہ ہے کہ ابوذر کی زیارت کرنا عین عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت

کرتا ہے +

(۳۳) مَنْ آذٰی عَلِیًّا فَقَدْ آذَانِیْ | احمد بن حنبل اور حاکم نے عمرو بن شاشی سے
رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْحَاکِمُ عَنْ عَمْرِوبْنِ شَاشِیْ | روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ جس نے علی کو دکھ دیا اس نے مجھے دکھ دیا۔ دیکھو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲
اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کی نسبت فرمایا کہ وہ
مجھ سے مماثلت تامہ رکھتا ہے +

ثبوتِ بروز از کتبِ توریت و انجیل

ماسوا اس کے اس بروز کا ذکر توریت و انجیل میں بھی ہے چنانچہ کتاب استثنا باب ۳۴ درس ۹ میں ہے کہ یوشع بن نون میں حضرت موسیٰ کی روح آگئی یعنے روحانی خواص اُس میں آگئے تھے۔ اور گنتی باب ۲۸ درس ۲۰ میں بھی اس کی تصدیق ہوئی ہو +

پھر انجیل متی باب ۱۷ درس ۱۰-۱۱-اور ۱۲ میں ہے "اور اُس کے شاگردوں نے اُس سے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آویگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا"

پھر متی باب ۱۱ آیت ۱۳ و ۱۴ میں لکھا ہے "کیونکہ سب نبی اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی اور الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو جس کسی کے سکان سُننے کے ہوں سُنے" +

پھر انجیل مرقس باب ۹ درس ۱۱ سے ۱۳ تک لکھا ہے "پھر انہوں نے اُس سے کہا اور پوچھا کہ فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضرور ہے۔ اُس نے جواب میں انہیں کہا کہ الیاس تو پہلے آتا ہے اور سب کچھ بحال کرتا ہے اور ابن آدم کے حق میں بھی۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ بہت سا رنج اُٹھاویگا اور حقیر کیا جائیگا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا ہے اور جیسا اُس کے حق میں لکھا گیا تھا انہوں نے جو کچھ چاہا اُس کے ساتھ کیا +

اِن اناجیل کی آیات متذکرہ بالا سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بتادیا کہ

بیشک مجھ سے پہلے الیاس کے آنے کی خبر دی گئی ہے لیکن فقیہوں نے نہیں سمجھا وہ تو
آگیا اور وہ یوحنا یعنے یحییٰ ابن زکریا ہے۔ مومنوں کے لئے حضرت مسیح کے اس فیصلہ پر ایمان
لانا ہی کافی تھا کیونکہ ایک اولوالعزم پیغمبر نے فیصلہ دیدیا تھا لیکن ہم دکھاتے ہیں کہ صرف تاویل
ہی نہیں کی گئی بلکہ صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ یوحنا الیاس کی قوت اور طبیعت پر ہوگا۔ چنانچہ
انجیل لوقا باب ۱ ورس ۱۳ سے ۱۷ تک لکھا ہے پر فرشتے نے اُس سے کہا کہ اے زکریا
مت ڈر کہ تیری دعا سنی گئی اور تیری جورو الیسبات تیرے لئے ایک بیٹا جنیگی تو اُس کا نام
یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی اور بہتیرے اُس کی پیدایش سے خوش ہونگے کیونکہ وہ
خداوند کے حضور بزرگ ہوگا اور نہ مے اور نہ کوئی نشہ پئیگا اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے
روح قدس سے بھر جائیگا اور بنی اسرائیل میں سے بہتوں کو اُن کے خداوند خدا کی طرف پھیریگا
اور وہ اُس کے آگے الیاس کی طبیعت اور قوت کے ساتھ چلیگا" اس بیان سے صاف
واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ پہلے ہی سے خبر دیدی تھی کہ حضرت یحییٰ یعنے
یوحنا الیاس کا مثیل ہوگا۔ اب بھی کچھ شک رہ سکتا ہے لیکن پٹیالہ کے ایک نامی رسالہ باز کی
عقل و فہم پر سخت تعجب اور حیرت آتی ہے کہ براہِ دھوکہ بازی لوگوں کو یہ مغالطہ دیتا ہے کہ یہ قصہ
ہی سارا خود ساختہ اور غلط ہے۔ کیونکہ جب لوگوں نے حضرت یوحنا سے پوچھا کہ تو الیاس ہے تو وہ
انکاری ہوئے کہ میں الیاس نہیں ہوں۔ اور اُدھر حضرت عیسٰے کہتے ہیں کہ وہی یوحنا ایلیا
یعنے الیاس ہے یہ اختلاف ہے دونوں نبی جھوٹ نہیں بولتے اس لئے حضرت عیسیٰ کا فیصلہ
خود حضرت کا کلام نہیں ہے بلکہ انجیل والوں نے اپنی طرف سے یہ بات بنالی ہے۔ خوب
چشم ما روشن دلِ ما شاد یہی بات ہم تسلیم کر لیتے ہیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت یہودی
بھی حضرت الیاس کی آمد کے منتظر تھے کہ نہیں اگر ثابت ہوجائے کہ وہ ضرور منتظر تھے اور
اناجیل سے پہلے کتابوں میں پیشگوئی تھی تو پھر دانستہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا دیانت اور
امانت کے خلاف ہے۔ ہم پہلے یہاں پر انجیل سے ماقبل کتاب یعنے ملاکی نبی کی کتاب
میں یہ پیشگوئی دکھاتے ہیں " دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں
الیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجونگا" دیکھو ملاکی نبی کی کتاب باب ۴ ورس ۵۔ اس سے پہلے
ملاکی باب ۳ ورس ایک میں ہے " دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجونگا اور وہ میرے آگے میری

راہ کو درست کرے گا" ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کو پہلے ہی سے خبر دی گئی تھی کہ حضرت عیسٰے سے پہلے الیاہ آئیگا۔ اگر بقول سلیمان پٹیالوی جس کی عادت میں نہایت ہی باریک ملمع سازی ہے عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں اس واقعہ کو اپنی طرف سے الحاق کر دیا تو کیا توریت میں بھی انہی لوگوں نے اپنی طرف سے تحریف کر لی لیکن اس کے ثبوت بہم پہنچانے میں صاحب موصوف کو سخت مصیبت پڑیگی۔ کیونکہ توریت تو بنی اسرائیل کے قبضہ میں برابر چلی آتی ہے جو توریت میں نے کراچی میں بنی اسرائیلیوں کے پاس بڑی خوشخط قلمی لکھی دیکھی اس میں بھی یہی قصہ موجود ہے پھر کیونکر مان لیا جائے کہ عیسائیوں نے بطور خود اس قصہ کو ایجاد کر لیا ہے ÷

مجھے پٹیالوی رسالہ باز پر حیرت پر حیرت آتی ہے کہ اس امر واقعہ کے انکار کرتے ہوئے اُسکی عقل نے اُسکو ملامت نہ کی کہ اے خدا سے بے ڈر تو اپنی عداوت اور شقاوت کی وجہ سے مسیح موعود کی پہچان سے تو محروم رہا لیکن اس واقعہ سے انکار کے وقت یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔ اس انکار سے صرف عیسٰی علیہ السلام نبی ناصری ہی کی تکذیب لازم نہیں آتی بلکہ خاتم النبیین و فخر المرسلین کی تکذیب بھی لازم آتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کا بھی تو دعوٰی تھا کہ اگر تو مسیح ہے تو اول ایلیا کا آنا ضروری ہے اگر بقول آپ کے وہ قصہ ہی الحاقی ہے اور کوئی ایلیا وغیرہ آنا نہیں تھا تو پھر یہودی حضرت مسیح اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان نہ لانے پر قابل مواخذہ نہیں ہو سکتے بلکہ وہ بقول سلیمان صاحب پٹیالوی حق پر ہیں تو پھر بتایئے کہ ہر دو اولوالعزم رسولوں کی تکذیب لازم آئی کہ نہیں۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ افسوس صد افسوس کہ حق کی عداوت اور مخالفت نے ان لوگوں کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اگر آپ کو اس امر نے غلطی میں ڈالا تھا کہ جب یہود نے حضرت یحیٰی یعنے یوحنا سے سوال کیا تھا کہ کیا تو الیاس ہے تو اُس نے انکار کیا تھا اسی وجہ سے آپ کو اس واقعہ ہی سے انکار کرنا پڑا لیکن اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے بھی سوچ لیتے کہ ایسا سوال کرنا یہود کا سراسر بیجا تھا کیونکہ جب وہ حضرت مسیح سے سُن چکے تھے کہ یوحنا ہی ایلیا ہے اور وہ بروزی طور سے آیا ہے تو اُن کو اگر دھوکا دینا مراد نہیں تھا تو یوں سمجھتے کہ کیا تو الیاس کی طبیعت اور خُلق پر آیا ہے لیکن اُنہوں نے برخلاف

نفس الامر کے یہ سوال کیا کہ تو ہی الیاس ہے تو حضرت یحییٰ کا انکار سچا تھا لیکن ساتھ ہی حضرت یحییٰ نے اُن کو جواب بھی دیدیا کہ میں وہی ہوں جس کی نسبت پیشگوئی تھی کہ مسیح سے پہلے آنیوالا ہے۔ چنانچہ انجیل یوحنا باب ۱۔ ورس ۱۹ لغایت ۲۳ میں ہے۔ اور یوحنا کی گواہی یہ تھی جبکہ یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اُس سے پوچھیں کہ تو کون ہے اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اُس سے پوچھا کہ تو اور کون ہے کیا تو الیاس ہے۔ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے۔ اُس نے جواب دیا نہیں۔ تب انہوں نے اُس سے کہا کہ تو کون ہے تاکہ ہم انہیں جنہوں نے ہم کو بھیجا کوئی جواب دیں۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے اُس نے کہا کہ میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ درست کرو۔ پھر اس باب کی آیت ۲۵ لغایت ۲۷ میں ہے " اور انہوں نے اُس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی پس کیوں بپتسمہ دیتا ہے یوحنا نے جواب میں انہیں کہا کہ میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں پر تمہارے درمیان ایک کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے یہ وہی ہے جو میرے پیچھے آنے والا تھا۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ یہود تین نبیوں کی آمد کے منتظر تھے اور تینوں کی نسبت سوال کیا یعنے حضرت الیاسؑ اور مسیحؑ اور نبی آخر الزمان کی نسبت اگرچہ نبی آخر الزمان کا نام نہیں لیا لیکن اُن کے سوال سے ہی اُن کی عظمت و علو شان معلوم ہوتی ہے اور اسی لئے وہ نام لینا ہی بے ادبی سمجھتے تھے۔ اور نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوحنا نے یہاں کوئی مہمل بات نہیں رکھی بلکہ صاف صاف الفاظ میں کہدیا کہ میں وہی ہوں جس کی نسبت یسعیاہ نبی نے پیشگوئی کی تھی چنانچہ یسعیاہ کی پیشگوئی کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ بیابان میں ایک منادی کرنیوالے کی آواز تم خداوند کی راہ درست کرو صحرا میں ہمارے خدا کے لئے ایک سیدھی شاہراہ تیار کرو دیکھو یسعیاہ باب ۴۰ ورس ۳ اب ان الفاظ اور یوحنا کے الفاظ میں کیسی مطابقت ہے۔ ان الفاظ میں یوحنا نے بتا دیا کہ مسیح سے پہلے آنے والا شخص جس کی نسبت لکھا تھا کہ بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوگی جو خداوند یعنے مسیح کی راہ درست کریگا میں ہی ہوں اور وہ مسیح جو آنے والا تھا وہ یہی شخص ہے جو تمہارے درمیان موجود ہے

لیکن تم نے اُس کو نہیں پہچانا۔ اِس تمام واقعہ سے ظاہر ہے کہ خود یوحنا نے بتادیا کہ اصلی الیاس تو نہیں ہوں جیسا تم خیال کرتے ہو بلکہ اُس کی آواز ہوں یعنے اُس کی طبیعت اور خو پر آیا ہوں۔ ایسی صریح بات پر شک کرنا بجز ہٹ دھرمی و تعصب کے اور کچھ متصور نہیں ہوتا +

صاحبِ غایت البرہان اپنی کتاب کے مقدمہ میں بصفحہ ۱۶۲ بحوالہ انجیل متی لکھتے ہیں فصل ۲۶ متی میں مسیح کی پیشگوئی اپنی گرفتاری اور وفات کے بیان میں ہے اور درس ۲۸ میں روٹی کو بجائے جسم اور پانی کو بجائے خون فرمایا اس میں اشارہ کیا کہ پہلی مرتبہ بطور جسمانی مسیح کا آنا ہوا اور دولتِ اسلامی میں بطورِ روحانی آنا بارِ دگر ہوگا دیکھو غایت البرہان مصنفہ حکیم محمد حسن امروہی +

جب توریت اور اناجیل سے ثابت ہو گیا کہ بعض آدمی بروزی طور سے دنیا میں آیا کرتے ہیں جیسے کہ یحییٰ یوحنا الیاس کی طبیعت پر آیا تو اب حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح کی طبیعت اور رنگ میں ماننے میں کونسا استبعاد لازم آتا ہے۔ بلکہ جہانتک دیکھا جاتا ہے مشابہتِ تامہ بوجوہات ذیل ثابت ہوتی ہے +

ثبوتِ مماثلتِ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بعیسیٰ علیہ السلام

(۱) جیسے مسیح ناصری ایک بنی اسرائیل کے گھرانے کے سب سے بڑے رسول کی شریعت کے تابع تھے ایسے ہی مسیح موعود بنی اسمٰعیل کے گھرانے کے سب سے بڑے بلکہ دنیا کے تمام رسولوں سے بڑے رسول کی شریعت کے تابع ہیں +

(۲) جس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام نبی ناصری بنی اسرائیل کے گھرانے کے خاتمِ نبوت ہیں ایسے ہی مسیح موعود اُمتِ محمدیہ کے خاتمِ ولایت ہیں +

(۳) جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی کے سر پر آئے تھے ایسے ہی حضرت مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوئے +

(۴) جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام غربت اور مسکنت کے ساتھ بغیر جنگ و جدال تبلیغ شریعت موسوی کرتے تھے اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام بلا جنگ و جدل تبلیغ شریعت

محمدی کرتے ہیں +

(۵) جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام پر علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا اُسی طرح علماء زمان نے حضرت مسیح موعود پر فتویٰ کفر لگایا +

(۶) جس طرح مسیح علیہ السلام کے قتل کے درپے علماء و فقہائے یہود ہو گئے تھے۔ اسی طرح بعض علماء اُمت محمدیہ نے مسیح موعود کے قتل کے لئے کوششیں کیں +

(۷) جس طرح کائفس سردار کاہن نے مسیح علیہ السلام نبی ناصری کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا تھا اُسی طرح مولوی محمد حسین ایڈووکیٹ اہل حدیث نے مسیح موعود کی مخالفت کا بیڑا اُٹھایا +

(۸) جس طرح مسیح علیہ السلام کے وقت میں امن پسند اور پابندِ قانون ایک سلطنت تھی یعنے رومیوں کی سلطنت بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر امن پسند اور قانون کی پابند حکومت یعنے سلطنتِ برطانیہ مسیح موعود کے زمانہ میں موجود ہے +

(۹) جس طرح مسیح کی نسبت یہودیوں نے مخبری کی تھی کہ وہ بادشاہ ہونے اور رومی سلطنت سے بغاوت کا ارادہ رکھتا ہے اسی طرح مجازی یہودِ اُمتِ محمدیہ نے فقیہوں کے کاہنوں کی طرح لمبے لمبے چوغے پہنکر اور حکام انگریزی کے پاس جا کر مخبریاں کیں کہ یہ بھی بادشاہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اور در پردہ سلطنت برطانیہ کا باغی ہے +

(۱۰) جس طرح مسیح علیہ السلام کچہریوں میں زبردستی حاضر کئے گئے اسی طرح مسیح موعود کو بھی عدالتوں میں مجبور کیا گیا +

(۱۱) جس طرح پلاطوس حاکم یروشلم نے برسرِ عدالت کہا کہ میں مسیح علیہ السلام کا کوئی قصور نہیں دیکھتا اسی طرح مسٹر ڈگلس حاکمِ ضلع گورداسپور نے برسرِ اجلاس کہا کہ میں مسیح موعود کا کوئی قصور نہیں دیکھتا +

(۱۲) جس طرح مسیح علیہ السلام تمام الزامات سے بری کئے گئے اسی طرح مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تمام الزامات سے بری کئے گئے +

(۱۳) جس طرح مسیح علیہ السلام کے وقت یہود میں شریعت موسوی کی پابندی چھوٹ گئی تھی اور جاہ اور دنیا طلبی کا دور دورہ تھا اسی طرح مسیح موعود کے زمانہ میں شریعتِ

محمدی بالکل ضعیف ہو گئی بلکہ اُس کی پابندی قریبًا ترک ہو چکی ہے اور جاہ اور دنیا طلبی کی یہ حالت ہے کہ علماء وقت بھی اس کے لئے سرگرداں اور مارے مارے پھرتے ہیں +

(۱۴) جس طرح مسیح کے دشمن خائب و خاسر ہوئے اسی طرح مسیح موعود کے دشمن ذلیل اور خوار ہوئے +

(۱۵) جس طرح مسیح نے اپنے وقت کے احبار اور فقیہین کی غلطیاں نکالیں جو اُنہوں نے توریت کی آیات میں کرلی تھیں اسی طرح مسیح موعود نے علماء اسلام اور گدی نشینوں کی اکثر غلطیاں نکالیں جو اُنہوں نے تفاسیر قرآن میں کی تھیں +

(۱۶) جس طرح مسیح علیہ السلام نے اپنی صداقت میں ایلیاہ کا نزول بروزی ثابت کیا تھا اسی طرح مسیح موعود نے اپنی صداقت میں ابنِ مریم اور محمد بن عبداللہ کا نزول بروزی طور سے اپنی ذات میں ثابت کیا +

(۱۷) جیسے مسیح علیہ السلام کی نسبت یسعیاہ نبی کی کتاب کے ۱۱ باب آیت ۴ میں بطور پیشگوئی لکھا تھا کہ مسیح اپنے لبوں کے دم سے شریروں کو فنا کر ڈالیگا ایسا ہی احادیثِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے کہ مسیح موعود کے دم سے کفار ہلاک ہونگے چنانچہ جیسے مسیحِ ناصری کی دعا سے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح مسیح موعود کی دعا سے دشمن ہلاک ہوئے +

(۱۸) جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی خبر دی تھی یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کو بھی بذریعہ وحی یہی آیت نازل فرمائی +

(۱۹) جس طرح حضرت مسیح کو خبر دی گئی تھی کہ تیرے تابعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غالب رکھونگا اسی طرح حضرت مسیحِ موعود کو خبر دی گئی ہے کہ تیرے تابعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھونگا اور دونوں کا ظہور ہو رہا ہے +

(۲۰) حضرت مسیح علیہ السلام یہودیوں میں اُس وقت مبعوث ہوئے تھے جبکہ یہودیوں کی سلطنت میں کھلا زوال آچکا تھا۔ اسی طرح مسیح موعود ایسے وقت میں آئے جبکہ اسلامی سلطنت ہندوستان سے بالکل اُٹھ چکی۔ اور ہر جگہ اسلامی سلطنتوں کو زوال آگیا +

(۲۱) جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام حضرت موسیٰ کے بعد تیرھویں عظیم الشان خلیفے تھے اسی طرح حضرت مسیح موعود حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تیرھویں عظیم الشان خلیفے ہیں

(۲۲) جس طرح مسیح بنی اسرائیل کی قوم میں سے نہیں تھے کیونکہ وہ بلا باپ پیدا ہوئے تھے اسی طرح حضرت مسیح موعود قوم قریش سے نہیں بلکہ ابناء فارس سے ہیں +

(۲۳) جس طرح مسیح کے اہلبیت یعنے والدہ پر اتہام ناگفتنی لگائے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کے اہلبیت پر نہایت جگر خراش اتہام لگائے گئے +

(۲۴) جس طرح مسیح علیہ السلام کی پیدائش ایک ظالم بادشاہ ہیروڈیس کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کی پیدائش خونخوار زمانہ سکھاں میں ہوئی +

(۲۵) جس طرح مسیح علیہ السلام کے ساتھ روح القدس تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کیساتھ روح القدس تھی +

صرف کلام اللہ و احادیث رسول اللہ و توریت و صحائف انبیا و اناجیل ہی سے ایک شخص کا دوسرے شخص سے کسی خاص جسمانی یا روحانی مناسبت کی وجہ سے مماثلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ کل اہل اسلام میں یہی عقیدہ برابر تیرہ سو برس سے مسلم چلا آتا ہے کیونکہ ہزارہا بلکہ لکھو کھا اولیاء اللہ اہل اسلام میں ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی زبان مبارک سے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ بعض کو بعض انبیا سے مماثلت ہوتی ہے اور اُن کے معتقدین نے اُن کے اقوال کو تسلیم کر کے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہم کثیر التعداد اولیاء کرام کے اقوال کو لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ ناحق طوالت ہوتی ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر چند ایک بزرگان دین کے اقوال پیش کرتے ہیں +

ثبوتِ مماثلت از کلامِ صوفیا و اہل اللہ

قرآن و احادیث و کتب سابقہ سے مماثلت ثابت کر چکے ہیں اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ صوفیا کرام و اولیاء اللہ کے کلام سے کچھ ثبوت دیں کہ صرف قرآن و حدیث و کتب سابقہ تک ہی یہ بات محدود نہیں بلکہ ہمیشہ ہر زمانہ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے +

فرق مابین بروز و تناسخ و تسخیر

پیشتر اس کے کہ ہم اُن حوالہ جات کو پیش کریں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بروز کی تعریف کر دیں کہ بروز کس کو کہتے ہیں تاکہ تناسخ اور تسخیر یعنے جن لگنے سے تمیز ہو جائے۔ سو واضح ہو کہ تناسخ تو اُس کو کہتے ہیں کہ ایک مرے ہوئے جیو یعنے انسان یا حیوان کی روح منتقل ہو کر دوسرے جسم میں جو از سرِ نو پیدا ہوا ہو حلول کر جائے اور حلول اپنے سابقہ اعمال و افعال کے مناسب حال ہوتا ہے کسی اِنسان کی روح اپنے بد اعمال کی وجہ سے خنزیر کی جون اختیار کرتی ہے کوئی گدھے کی کوئی گھوڑے کی کوئی کتے کی کوئی بلی کی کوئی چیونٹی کی کوئی چوہے کی۔ کوئی گائے کی۔ کوئی بھینس کی۔ کوئی ہاتھی کی۔ کوئی بکری کی۔ کوئی بھیڑ کی۔ کوئی سانپ کی کوئی بچھو کی۔ کوئی رشی کی کوئی منی کی۔ کوئی راجہ کی غرضیکہ جیسے اعمال ہونگے اُس کے مناسب حال جون بدلتی رہتی ہے۔ جب ایک جون کی عمر پوری ہو جاتی ہے کسی دوسری بھلی یا بُری جون میں جاتا ہے۔ یہ اعتقاد عموماً تمام فرقہ ہائے ہنود کا ہے اور یہ امر اہلِ اسلام میں ہرگز پسندیدہ نہیں بلکہ عند العقل ناممکن ہے +

دوسری یعنے تسخیر وہ حالت ہے کہ جس کو جن لگنا کہتے ہیں۔ اور اُسکی نسبت یہ وہمی اعتقاد بٹھا لیا گیا ہے کہ کسی زندہ یا مردہ جسم پر جن کا جو ایک مخفی مخلوقات ہے سایہ یا اثر ہو جاتا ہے اور جن زدہ انسان سے حرکاتِ عجیبہ سرزد ہوتی ہیں ان ہر دو امور کو بروز سے کچھ واسطہ و تعلق نہیں۔ بروز ایک الگ چیز ہے۔ ہم ذیل میں بروز کی کیفیت بیان کرتے ہیں +

سو واضح ہو کہ بروز اُس حقیقت کا نام ہے جو کسی شخص مردہ کے خواص روحانیہ و اخلاقِ باطنیہ کسی دوسرے شخص میں بطورِ انعکاس داخل ہوں جیسے کہ سورج کی شعاعیں چاند کو منور کرتی ہیں یا جیسے سورج کا عکس پانی پر پڑ کر ناظرین کو عین پانی کے اندر سورج دکھلائی دیتا ہے حالانکہ سورج بطورِ خود اپنی حالت پر قایم ہوتا ہے اور قمر اپنی حالت پر اور پانی اپنی حالت پر مگر قمر اور آب اپنی فطرتِ قابلہ کی وجہ سے سورج کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور اُسی طرح منور ہو جاتے ہیں یا زیادہ وضاحت کیلئے ذیل کی مثال اس کے سمجھانے کے لئے کافی ہو گی۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوہا جب آگ میں ایک وقتِ محدود تک رکھدیا

جاتا ہے تو وہ گرم ہو کر ایسا سرخ ہو جاتا ہے جیسے آگ ہوتی ہے اور پھر آگ اور لوہے میں تمیز مشکل ہوتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ اُس گرم شدہ لوہا میں وہی خواص پیدا ہو جاتے ہیں جو آگ میں ہوتے ہیں لوہا اُسی طرح جلاتا ہے جس طرح آگ جلاتی ہے۔ جب لوہا آگ کی ذات میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ وہی صفاتِ آگ اختیار کر لیتا ہے تو پھر کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب لوہے کا وجود نہیں رہا۔ ہرگز نہیں اگرچہ اس کے خواص آگ کے ہو گئے ہیں مگر پھر بھی لوہا لوہا ہی ہے۔ یہی مردانِ خدا کا حال ہے کہ جب ایک بزرگ کسی نبی یا ولی کی صحبت یا اطاعت و پیروی کامل کر کے اُس کی ذات میں محو یعنے فنا ہو جاتا ہے تو اُس کی ذات میں بھی وہی صفات اور وہی خواص پیدا ہو جاتے ہیں جو اُس کے متبوع میں تھے۔ اور اُس کے ہاتھ سے اُسی قسم کے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں جو اُس نبی یا ولی میں تھے۔ جب یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کو خدا تعالیٰ کی جناب سے وہی نام ملتا ہے جو اُس کے متبوع کا ہوتا ہے۔ اِسی کو اہلِ تصوف بروز کہتے ہیں +

اور وہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مسیح و مہدی کے آنے کی خبر دی ہے وہ اسی بروز کی طرف اشارہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جس میں مسیح اور میرے یعنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی خواص پیدا کئے جائینگے اور آسمان پر وہ مسیح ابن مریم و احمد ابن عبداللہ کے نام سے مشہور ہوگا گو زمین پر اُس کا کوئی نام ہو جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اب ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ صوفیائے کرام بھی اِس بات کے برابر قائل چلے آتے ہیں کہ بروز ہوتا ہے + چنانچہ

(۱) حضرت عبدالرزاق کاشفی صاحبِ لطائف القرآن اپنی تفسیر قرآن شریف میں فرماتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کا نزول بروزی ہوگا۔ دیکھو تفسیر مذکور قلمی موجودہ کتب حضرت علامہ نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح +

(۲) ایسا ہی کتاب اقتباس الانوار میں لکھا ہے۔ اکثر صوفیا کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروزی نزول ہوگا۔ دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۵۲ +

(۳) امام ربانی مجدد الف ثانی یعنی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات کے جلد اول مکتوب ۲۵۱ میں لکھتے ہیں +

حضرت صدیق وحضرت فاروق رضی اللہ عنہما در طرفِ ولایت مناسبت بحضرت ابراہیم و در طرفِ دعوت کہ مناسب مقام نبوت است مناسبت بحضرت موسیٰ دارند و حضرت ذی النورین در ہر دو طرف مناسبت بحضرت نوح دارند و حضرت امیر در ہر دو طرف مناسبت بحضرت عیسیٰ دارند صلوٰۃ اللہ علیٰ نبینا و علیہم	یعنے حضرت صدیق وحضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولایت کے پہلو سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کے لحاظ سے جو نبوت کا مقام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت عثمان ذی النورین دونوں پہلوؤں سے حضرت نوح سے اور حضرت علی ہر دو

جانب کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ دیکھو کتاب مکتوبات صفحہ ۲۶۸ +

(۴) حضرت بایزید بسطامی صوفیاء کرام میں ایک بہت بڑے پایہ کے ولی گذرے ہیں اُن کی نسبت تذکرۃ الاولیاء میں یوں لکھا ہے:۔

گفتند خدائے عزوجل را بندگانند بدل ابراہیم و موسیٰ و محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ گفت آن ہمہ منم +	یعنے لوگوں نے کہا کہ اللہ عزوجل کے ایسے بندے بھی دنیا میں ہیں جو ابراہیم اور موسیٰ اور محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دل رکھتے

ہیں۔ حضرت بایزید نے فرمایا کہ وہ سب میں ہی ہوں یعنے ابراہیم اور موسیٰ اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) میں ہی ہوں۔ دیکھو تذکرۃ الاولیا صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مطبع فخر المطابع +

(۵) از خواجہ محمد پارسا منقول است کہ پیغمبر مو دند مقصود از وجود بہاء الدین ظہورِ محمد است +	یعنے خواجہ محمد پارسا سے نقل بیان کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ بہاؤ الدین کے وجود سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور مراد ہے۔

یعنے بہاؤ الدین کا آنا گویا محمد صلے اللہ علیہ کا آنا ہے۔ دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد اوّل صفحہ ۴۰۸۔ مکتوب نمبر ۲۹۰ +

(۶) اور محمد بن یحییٰ ابن علی الجیلانی شارحِ گلشن راز مصنفہ شیخ محمود تبریزی یکے از اولیاء اللہ اپنی کتاب شرح گلشن راز قلمی کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتے ہیں +

بدانکہ روحِ اعظم راکہ عبارت از حقیقتِ محمدیست	معلوم رہے کہ روح اعظم کے مظاہر جس سے

در عالم مظاہر بسیار است از انبیا و اولیا و مقام ہدایت
و مرتبۂ قطبیت کبریٰ در جمیع ازمنہ و دوائر آن حقیقت
راست چنانچہ در بعضے بطریق تمثیل فرمود کہ بیت
بود نور نبی خورشید اعظم ❊ گہ از موسیٰ پدید گہ ز آدم
و این را بروزات کمل میخوانند حمل این معنے
بر تناسخ نباید کرد۔ زیرا کہ تناسخ مخصوص
به بعضے دون بعضے نیست و این بروز مخصوص
کمل است و ظہور حقیقت محمدی در صورت مختلفۂ
کمل مثال ظہوریت حقیقت در مظاہر اسماء و
صفات دارد کہ این معنے جز بہ کشف خاص
معلوم نیست۔

مراد حقیقت محمدیہ ہے جہاں میں بکثرت ہیں
خواہ وہ انبیا ہیں یا اولیاء اور مقام ہدایت
و مرتبہ قطبیت کبریٰ تمام زمانوں اور وقتوں
میں اُس حقیقت کو حاصل ہے چنانچہ بطور تمثیل
فرمایا ہے۔ نور نبی ایک بہت بڑا آفتاب تھا
جو ایک وقت موسیٰ کی صورت میں ظاہر ہوا
اور کبھی آدم کی صورت میں۔ اس کو کاملوں کا
بروز کہتے ہیں۔ اس سے تناسخ نہ سمجھنا چاہیے
کیونکہ تناسخ بعض سے بعض تک مخصوص
نہیں ہوتا اور یہ بروز تو کاملوں سے مخصوص ہے
اور حقیقت محمدی کاملوں کی مختلف صورتوں میں
ظہور مظاہر اسماء و صفات کی طرح ہے پایا جاتا ہے اور اس بات کی تہ کو پہنچنا بجز کشف خاص
معلوم نہیں ہو سکتا ❊

آگے چل کر فرماتے ہیں:-

و این ظہور و بروز بحسب اوقات و ازمنہ و استعداد
اہل ہر زمانہ مختلف است اختلافاً فاحشاً
زیرا کہ بعثت کامل در خور استعداد زمانہ و اہل زمانہ باید
بود بنا برین ہر آئینہ در بعضے از بشارت ظہور
آن حقیقت آن است کہ مبعوث پیش از ین
در کدام مظاہر ظہور نمودہ است چنانچہ کاملے از ان
مظاہر فرمودہ۔ بیت
گہ یوسف و گہ علی بودم ❊ [illegible]
در بعضے بشارت معلوم دارد کہ در چند مظاہر ظہور
نمودہ است چنانچہ کاملے دیگر از ان مظاہر فرمودہ

اور یہ ظہور اور بروز ہر زمانہ کے حسب حال اور
ہر اہل زمانہ کی استعداد کے مطابق مختلف ہوتا
ہے جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا کیونکہ کامل انسان
کا مبعوث ہونا زمانہ اور اہل زمانہ کی استعداد
کے مناسب حال ہونا چاہیئے۔ چنانچہ بعض حالت
بعثت میں اُس حقیقت کا ظہور یوں ہوتا ہے
کہ اُس شخص مبعوث کو علم ہو جاتا ہے کہ اس سے
پہلے کن کن مظاہر میں ظہور ہو چکا ہے اس بنا
پر ایک کامل بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں ہر میں
اور یوسف اور علی ہوں اور میں عیسیٰ ہوں اور

است بیت

درکمالِ سیر اطوارِ وجود + نہصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

اور بہت سے اس قبیل کے لوگوں میں سے [illegible] اور بعض بشارت میں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

کسی ایک مظاہر میں ظہور کیا ہے چنانچہ ایک کامل نے اس قسم کے مظاہر کی نسبت فرمایا ہے طرح طرح کے وجود کی کامل سیر میں میں نے نو سو ستر قالب دیکھے ہیں [illegible] لوگوں کے بروز اس کی ذات میں ظہور پذیر ہوئے ہیں +

اِن تمام اقوال صوفیا رکرام سے ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں بروز کو تسلیم کیا گیا ہے اور یقینی بات ہے کہ اہل زمانہ کی استعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی بزرگ کو گذشتہ [illegible] و اولیاء کے خواص و صفات عطا فرما کر بطریق بروز نازل فرماتا ہے جس سے [illegible]

(۷) حضرت شیخ محی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے فتوحات مکی جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ [illegible] پر یوں فرمایا [illegible]

فَالْاِمَامُ الْاَیْسَرُ عَبْدُ الْمَلِکِ وَالْاِمَامُ الْاَیْمَنُ عَبْدُ رَبِّہٖ وَھُمَا لِلْقُطْبِ الْوَزِیْرَانِ وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَبْدُ الْمَلِکِ وَکَانَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَبْدُ رَبِّہٖ فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی اَنْ مَاتَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسُمِّیَ اَبُوْبَکْرٍ عَبْدُ رَبِّہٖ وَسُمِّیَ عُمَرُ عَبْدُ الْمَلِکِ وَسُمِّیَ الْاِمَامُ الَّذِیْ وَرِثَ مَقَامَ عُمَرَ عَبْدُ رَبِّہٖ وَلَا یَزَالُ الْاَمْرُ عَلٰی ذٰلِکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

پس امام بائیں جانب کا عبد الملک اور امام دائیں جانب کا عبد ربہ [illegible] دو وزیر ہیں۔ اسی بنا پر زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عبد الملک تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبد ربہ تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو ابوبکر کا نام عبد ربہ اور عمر کا نام عبد الملک رکھا گیا اور اس امام کا نام جو عمر [illegible] ہوا عبد ربہ رکھا گیا اور [illegible]

(۸) خواجہ محمد ناصر المتخلص بہ عندلیب نالۂ عندلیب مصنفہ امام الکاملین حضرت خواجہ [illegible] المتخلص بہ عندلیب مطبوعہ مطبع بھوپال جلد اول صفحہ ۲۴۳ پر یوں رقمطراز ہیں +

در امت محمدیہ کامل و اکمل اولیاء گزیدہ اند اگرچہ باعتبارِ سلوکِ باطن و جادۂ طریقت آنہا آدمی و نوحی و ابراہیمی و داؤدی و یعقوبی و موسوی و عیسوی و محمدی مشرب ہم باشند +

امت محمدیہ میں کامل و اکمل اولیاء [illegible] اور اگر باعتبار سلوک باطن و جادۂ [illegible] کوئی آدم مشرب کوئی نوح مشرب [illegible] اور کوئی داؤد کوئی یعقوب کوئی موسیٰ [illegible]

عیسیٰ اور کوئی محمد مشرب تھا +

(۹۱) حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ مطبوعہ مطبع نامی کانپور دفتر اول صفحہ ۶۶ میں فرماتے ہیں +

ہر نفس مکرے و در ہر مکر زاں + غرق صد فرعون با فرعونیاں
در خدائے موسیٰ و موسیٰ گریز + آبِ ایمان را ز فرعونے مریز

ہر نفس ایک مکر ہے اور ہر مکر میں سو فرعون مع اپنی آل کے غرق ہیں +
ایسی حالت میں موسیٰ کے خدا اور موسیٰ کی طرف بھاگ اور ایمان کے پانی کو اپنی فرعونیت سے مت گرا چونکہ فرعون اور آل فرعون کا ذکر

حاشیہ پر لکھا ہے چونکہ ذکر فرعون و فرعونیاں آمد لہٰذا از خلیفۂ وقت بموسیٰ تعبیر نمودہ +

درمیان آگیا ہے اسلئے مولانا روم نے خلیفۂ وقت کو موسیٰ علیہ السلام سے تعبیر کیا ہے +

پھر مولانا روم آگے چلکر لکھتے ہیں دیکھو صفحہ ۱۳۶ دفتر اول +

جانہا در اصلِ خود عیسیٰ دمند
یک زماں زخم اند و دیگر مرہم اند

جانیں بذات خود عیسیٰ دم ہیں
ایک وقت زخم کا کام کرتی ہیں تو دوسرے وقت مرہم کا

پھر صفحہ ۱۳۷ پر لکھا ہے

گر حجاب از جانہا برخاستے
گفت ہر جانے مسیح آساستے

اگر جانوں سے پردہ اُٹھ جائے تو پھر ہر جان پکار اُٹھے کہ میں مسیح ہوں +

پھر صفحہ ۱۱۷ دفتر دوم میں فرماتے ہیں

ہمچو مریم جاں ازاں آسیبِ جیب
حاملہ شد از مسیحِ دلفریب

مریم کی طرح جیب کے آسیب سے جان حاملہ ہو گئی اور مسیحِ دلفریب اُس میں متمکن ہوا +

پھر صفحہ ۸۰ دفتر ۴ پر فرماتے ہیں

کے بمانم مُردہ در قبضۂ خدا + برکفِ عیسیٰ مدار این ہم دل

میں خدا کے قبضہ میں کب مُردہ رہ سکتا ہوں عیسیٰ کے ہاتھ پر اس امر کو مت روا رکھ

عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں
از دمِ من او بماند جاوداں
شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد

میں عیسیٰ ہوں لیکن جس شخص نے میرے دم سے جان پائی وہ ہمیشہ زندہ رہا
عیسیٰ کے ہاتھ سے جو مُردے زندہ ہوئے وہ تو

شاد آنکہ جان بدیں عیسیٰ سپرد	پھر مر گئے وہ خوش نصیب ہے جس نے
من عصائم در کفِ موسیٰ خویش	اس عیسیٰ کو اپنی جان سپرد کی۔ میں اپنے
موسیم پنہاں و من پیدا بہ پیش	موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں میرا موسیٰ پوشیدہ ہے
	اور میں خود ظاہر ہوں +

پھر صفحہ ۵ دفتر ۶ میں لکھتے ہیں

تو خلیل وقتی اے خورشید ہش	اے خورشید خبردار ہو جا تو وقت کا خلیل ہے
این چہار اطیارِ رہزن رابکش	ان چار راہزن پرندوں کو مار ڈال

اِن تمام حوالجاتِ حضرت مولانا جلال الدین رومی سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں عام رواج ہے کہ کسی صفت کی وجہ سے ایک انسان کو دوسرے انسان کا مثیل یا بعینہ بروز تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اگر مرزا غلام احمد صاحب کو خدا تعالیٰ نے احمد اور عیسیٰ کہدیا تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے + اور کیوں معرض اعتراض ٹھرایا جاتا ہے

(۱۰) حضرت خواجہ میر درد صاحب دہلوی اپنے رسالہ درد مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال کے صفحہ ۲۱۱ پر فرماتے ہیں +

اللہ اللہ ہر انسان بقدرتِ کاملہ حق تعالےٰ	اللہ اللہ ہر انسان حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے
عیسیٰ وقتِ خویش است و ہر دم او را برائے خود	اپنے وقت کا عیسیٰ ہے اور ہر دم اُسکو اپنی
معاملہ نفس عیسوی درپیش +	ذات کے لئے معاملہ نفس عیسوی درپیش ہے

(۱۱) حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی اجمیری اپنے دیوان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۸۶۸ء بصفحہ ۳۹ فرماتے ہیں +

اے ترا بر طورِ دل ہر دم تجلیٔ دیگر	اے فلاں تیرے دل کے طور پر ہر وقت اور
طالبِ دیدار را ہر گوشۂ موسیٰ دیگر	ہی اور تجلی ہے اور جو طالبِ دیدار ہے اُسکو
روح قدسی گر مدد کروے بزادے در جہاں	ہر طرف ایک نیا ہی موسیٰ نظر آتا ہے۔ اگر روح
ہر دو روز مریم ایام عیسےٰ دیگر	قدسی کی مدد ہوتی رہیگی تو جہان میں ہر روز

زمانہ کی مریم۔ نیا سے نیا عیسےٰ پیدا کرتی رہیگی

(۱۲) حضرت سید فرید الدین صاحب المعروف سپہ سالار رسالہ سپہ سالار مطبوعہ مطبع محبوب المطابع

کانپور بصفحہ ۱۹ لکھتے ہیں +

یکتا ذرد خزینہ ہم خلعت پوشید مصطفےٰ بار بیا بیدایمان آرید	خدا تعالیٰ کی رحمت کا خزانہ کھل گیا اور خلعت
نبوی پیر و مرشد کو پہنائی گئی لوگو مصطفےٰ دوبارہ تشریف	لائے ہیں ایمان لاؤ +

پھر وہی بزرگ صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں

ما ہ بغداد جہان جاں انا الحق مے زدیم	اس سے پہلے کہ دنیا کا ظہور ہوا اور منصور
پیش از اں کیں دار و گیر و نکتہ منصور بود	حلاج کا وجود ہوا ہم جان کے جہان کے بغداد میں

انا الحق کے نعرے لگاتے تھے +

دیکھو بزرگ موصوف نے کل عالم بالا کو بغداد اور اپنے آپ کو منصور قرار دیا ہے +

پھر صفحہ ۱۳۱ پر فرماتے ہیں +

من عیسیٰ آں چہ خم کز راہ گذر کردم	میں آسمان کا وہ عیسیٰ ہوں جو چاند سے بھی
من موسیٰ آں طورم کالسہ دریں ژند است	اوپر چلا گیا۔ اور میں اُس طور کا موسیٰ ہوں

کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مقام کیا ہے +

صفحہ ۲ ۶ پر وہی بزرگ درباره حضرت شمس الحق تبریزی لکھتے ہیں +

در تکلم و تقرب مشرب موسیٰ علیہ السلام درست	مکالمہ الٰہیہ و تقرب الی اللہ کی حیثیت سے وہ موسیٰ
و در تجرد و عزلت سیرت عیسیٰ علیہ السلام بود	علیہ السلام ہے اور تجرد اور گوشہ نشینی میں
در مشاہدہ سلوک مے فرمود	وہ عیسیٰ علیہ السلام کا مشرب رکھتے تھے اور

وہ اسی طریق سے سلوک کرتے تھے +

(۱۳) حضرت شاہ غلام علی صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں

ہر کہ معتقد حضرت مجدد است موسیٰ است وہر کہ	یعنے جو شخص کہ مجدد صاحب کا معتقد ہو وہ
منکر است فرعونے ست	موسیٰ ہے اور جو منکر ہو وہ فرعون ہے۔ دیکھو درالمعارف

مرتبہ مولوی رؤف احمد مطبوعہ مطبع بریلی ۱۳۰۴ھ +

(۱۴) علامہ سید محمد علی مصنف مخزن احمدی بصفحہ ۷۴ بذیل تذکرہ معاملہ شبعگان قصبہ نصیر آباد

لکھتے ہیں

آں زمین فیض آگین را اگر نمونہ مکہ معظمہ گویم	اگر اس زمین فیض آگین کو مکہ معظمہ کا نمونہ

رواست جہت اینکہ سید المجاہدین تحقیق کہ خلیفہ و وارثِ سید المرسلین است ازاں زمین برخاستہ وبحکم وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا اھ

کہیں تو روا ہے کیونکہ سید المجاہدین جو فی الحقیقت سید المرسلین کا جانشین اور وارث ہے اُس زمین سے پیدا ہوا ہے اور بموجب آیۂ قرآن ہم نے اسی طرح ہر ایک نبی کا دشمن مجرموں میں سے بنایا ہے اور تیرا رب ہی ہادی اور مددگار کافی ہے +

اِن تمام حوالجات سے بخوبی روشن وہویدا ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں میں بروز مانا گیا ہے کہ کوئی اُس سے انکار نہیں کرسکتا مگر افسوس کہ آجکل کے علماء اس مسئلہ سے ایسے جاہل ہیں کہ گویا اُن کے کان میں کبھی اس مسئلہ کی آواز ہی نہیں پہنچی۔ دیکھو نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۲۹ سید احمد بریلوی کا مولد مکہ معظمہ اور سید صاحب کو نبی قرار دیا جائے تو جائز مگر حضرت مرزا صاحب اگر قادیان کو دمشق اور اپنے آپ کو عیسیٰ کہیں تو کفر +

(۱۵) سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مجدد صدی سیزدہم کی شان میں فرماتے ہیں +

اُمّی ناخواندہ باعالماں — اے عجب درسحبت وتکرار آمدہ
یوسف از کنعان بمصر آمد کنوں — عالمے او را حسنہ بیدار آمدہ
از پئے احیاء موتے عیسیٰ دم — در جہاں اینک بہ بیدار آمدہ
سوئے یثرب احمدم از غارِ شور — از پئے تعلیم انصار آمدہ
با علیِ مرتضےٰ با ذوالفقار — از برائے قتلِ کفار آمدہ
یا کہ حسن المجتبےٰ باحسن وخُلق — شمعِ بزم آرائے ابرار آمدہ
خلق را سوئے شہادت رہنما — چوں حسین این نورِ ابصار آمدہ
ہمچو زین العابدیں آن شاہِ دیں — عابداں را میر و سردار آمدہ
ہمچو باقر بحرِ زخارِ علوم — بہر تلمیذ آن نمودار آمدہ
سید احمد اُمّتی آن جعفر است — ہر کہ زین جعفر بانکار آمدہ
کاظم الغیظ است وموسیٰ زمان — ہالکِ فرعون اشرار آمدہ
ہم تقی وہم نقی است آں امام — وارثِ ابرار واخیار آمدہ

اب دیکھنا چاہیئے کہ معتقدان سید احمد بریلوی صاحب سید صاحب موصوف کو بھی رسول اللہ

اور یوسف اور عیسےٰ اور علی مرتضےٰ۔ اور امام حسن اور امام حسین اور امام زین العابدین اور امام باقر اور امام جعفر اور امام کاظم اور حضرت موسیٰ کاظم اور امام نقی اور امام تقی علیہم السلام مانتے ہیں مگر افسوس کی بات ہے کہ سید صاحب تو سب کچھ بجا ہیں اور لوگ تسلیم کرلیں اور حضرت مرزا غلام احمد اگر اپنے آپ کو عیسیٰ کہیں تو کافر۔ اور پھر بریلی کنعان ہوجائے اور ہندوستان مصر بن جائے۔ بریلی غار ثور کہلائے اور دہلی یثرب قرار دیجائے تو جائز قادیاں اگر دمشق قرار دیجائے تو کفر۔ بدیں عقل و دانش بباید گریست۔ دیکھو نجم الثاقب جلد ۲

اُسی نجم الثاقب کی جلد ۲ میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے قصیدہ سے نقل کرکے لکھتے ہیں سیدِ احمد باہمہ اصحابِ خود روزی رسید + باصحابہ گوئی آمد باز ختم المرسلیں

اب دیکھئے یہ محمد اسمٰعیل شہید موحدین فرقہ کے سرتاج مانے جاتے ہیں اور واقعی ان کی بزرگی اور علم میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ وہ سید صاحب کو ختم المرسلین کا مرتبہ دیتے ہیں تو کیا مرزا غلام احمد صاحب خاتم الولایت مثیل عیسیٰ نہیں بن سکتے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار +

(۱۶) حضرت محی الدین ابن عربی اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں:۔

وَکَمَا وَقَعَ لِشَیْخِنَا حِیْنَ قِیْلَ اَنْتَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فَیُدَاوِیْہِ

یعنے جیسا کہ ہمارے شیخ کے ساتھ واقع ہوا جبکہ لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ عیسیٰ ابن مریم ہیں

اُس کا علاج کریں۔ دیکھو فتوحات مکی قلمی جلد اول ورق ۱۹۹۔ دیکھو حضرت عیسیٰ نے اُس شیخ کو نہیں کہا گیا بلکہ عیسےٰ ابن مریم کہا گیا۔ غور کا مقام ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربی کے شیخ کو تو عیسےٰ

ہم نے اس باب میں نزول اور بروز پر مفصل بحث کردی ہے صرف قرآن کریم ہی سے نہیں بلکہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کتبِ سابقہ اور کلام صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثبوت معہ حوالجات دیدیئے ہیں حق پسند اور خدا ترس آدمی کے لئے تو میرے خیالِ ناقص میں اتنا ہی کافی ہے لیکن ظالم طبع اور ناخدا ترس کے آگے اگر ہم دفتر کے دفتر بھی پیش کریں تو بھی اُس کے لئے بہت تھوڑا ہے۔ جب گذشتہ فصول میں وفاتِ مسیح بہ پایہ یقین کو پہنچ چکی ہے اور کوئی عقلمند اور ایسا شخص جسکو خدا نے ذرا سی بھی زیرکی دی ہو وجوہات مندرجہ بالا کو دیکھ کر ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کرسکتا کہ

حضرت مسیح علیہ السلام زندہ موجود ہیں۔ تو پھر کون عقلمند اور دانا ہے کہ جب اُس کو وفات مسیح ثابت ہو گئی ہو تو اُن کا نزول جسم عنصری کے ساتھ مان لے۔ مگر ہم نے تو نزول پر بھی سرسری نظر نہیں کی بلکہ کھول کھول کر اور واضح کر کرکے بتایا ہے کہ نزول جسمانی نہیں ہو سکتا بلکہ نزولِ روحانی ہے کیونکہ نزول روحانی تو برابر ہوتے ہیں اور تمام اہل اللہ اس کو مانتے ہیں ابھی ہم احادیث اور کلمات صوفیائے کرام سے دکھا چکے ہیں کہ دنیا میں بعض افراد کو خاص خاص انبیا سے مناسبت ہوتی ہے اور بعض کو خاص خاص اولیاء اللہ سے مماثلت ہوتی ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری و ساری ہے اسکو کوئی نہیں روک سکتا۔ مگر تعجب کہ علماء زمان و فقراء عصر اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ خدا نے اُن کی عقلوں کو ایسا سلب کر لیا ہے کہ اُن کو اب ایسے بیّن اور روشن دلائل کے قبول کرنے کی توفیق ہی نہیں مل سکتی اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ جب سے انبیا کا سلسلہ پردۂ غیب سے منصۂ ظہور میں آیا ہے جب سے ایسے لوگ جو اپنے آپ کو عالم اور شریعت کے حامل سمجھتے ہیں یا وہ لوگ جو شریعت کے اسرار کے مدعی ہیں ہمیشہ اُن لوگوں کی مخالفت اور تکذیب کرتے رہے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتے رہے ہیں۔ ابتدائے دنیا سے اِس وقت تک غور کرو تو ایک بھی خدا کا نبی یا رسول یا مجدد ایسا ثابت نہیں ہوگا جسکو لوگوں نے بلا چون و چرا خاموشی اور امن کے ساتھ مان لیا ہو۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پر نگاہ کرو تو تمہیں ثابت ہو جائیگا کہ ابلیس نے اُن کے ساتھ کیا شرارت کی اور کیا کیا تکالیف کا باعث ہوا۔ حضرت نوح کو دیکھو اُس کی قوم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آخر کس طرح تباہ ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نمرود نے کیا سلوک کیا اور کس طرح ہلاک ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیخ کنی کے لئے فرعون نے کون سی کسر اُٹھا رکھی مگر آخر خدا تعالیٰ نے کس طرح اُس کو معہ فوج بحر قلزم میں غرق کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کیا کیا شرارتیں اور نافرمانیاں کیں اور پھر اُن پر کس کس طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ اور آخر کس طرح ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ کے مصداق ہوئے +

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا حال دیکھو کس طرح اُن کی قوم نے اُنکے ساتھ برتاؤ کیا۔ تمام

علماء یہود نے اُن پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اُنکے قتل کے درپے ہوئے اور کس طرح اُن پر جھوٹے الزام اور اتہام لگائے اور بالآخر اُن کو صلیب پر چڑھا کر اپنی دانست میں اُنکو قتل بھی کر چکے مگر اگر خدا کا مخفی ہاتھ کام نہ کرتا تو واقعی اُن کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا مگر سنت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنے مقبولان کو کبھی اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتا اور آخر اُن کی عزت ظاہر کرتا ہے۔ سو کس طرح اللہ علیم و حکیم نے اُن کو بچایا اور آخر طبعی موت سے مار کر کشمیر جنت نظیر میں اُنکا مزار ہوا۔ پھر فخر المرسلین سرتاج اولین و الآخرین حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلوات اللہ وسلامہ کی سوانح عمری پر نظر کرو۔ اُس وقت کے لوگوں نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اور کس طرح ایذائیں اور دُکھ دیئے کہ جن کے سُننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ؛

یہ تو انبیاء اولوالعزم تھے۔ لیکن اولیاء کرام میں سے بھی جو تبلیغ خلائق کے لئے مامور ہوئے تھے ایک بھی ایسا نہیں جن کو دُکھ اور ایذائیں نہ دی گئی ہوں اور جن کی تکذیب اور تضحیک نہ کی گئی ہو۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور بہت ہی کم علماء ہیں جنہوں نے تکفیر کی مہر نہ کی ہو حتّٰی کہ ابن جوزی جیسے متبحر عالم نے ایک ضخیم کتاب اُن کے برخلاف لکھی جس کا نام تلبیس ابلیس ہے۔ نام کتاب خود ظاہر کرتا ہے کہ کیا کیا لکھا گیا ہوگا ؛

محی الدین ابن عربی کے ساتھ جو علماء وقت نے سلوک کیا وہ کسی سے مخفی نہیں ؛

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو ستر مرتبہ شہر بسطام سے جلاوطن کئے گئے۔ اور اُن پر کیا کیا اتہامات علماء وقت نے تھوپے اور آج سرتاج اولیاء مانے جاتے ہیں۔ مجدد الف ثانی کی طرف غور کرو۔ شاہ ولی اللہ اور سید احمد بریلوی کو دیکھو۔ اُن کے ساتھ علماء وقت نے کیا کیا اور آج وہ کس عظمت اور شان کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ الغرض جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے رہے ہیں علماء وقت لازماً اُن کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور اُن کی تکذیب کے لئے کیا کیا باریک تدبیریں اور توجیہیں نکالتے رہے ہیں یہی حال اس زمانہ کا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جتنے بڑے پایہ کا انسان ہوتا ہے وتنی بڑی مخالفت اہل زمانہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ مسیح موعود اور مہدی معہود کے لئے تمام دنیا انتظار کرتی مر گئی۔ خود اُن کی انتظار ہی ظاہر کرتی ہے کہ وہ کس پایہ کا انسان ہے۔ پھر تم نے دیکھا کہ جب وہ آیا تو

اُن کی کتنی بڑی تکذیب و تضحیک کی گئی حالانکہ اُس نے آکر تمام دنیا کے مذاہب کو پایمال کر کے ایسا نیچا دکھایا کہ جس کی نظیر اس زمانہ میں نہیں مل سکتی۔ اور جس قدر کام اُس کے سپرد تھے جن کی خبر احادیثِ صحیحہ میں دی گئی تھی اُن کو کس خیر و خوبی سے سرانجام دیا مگر پھر بھی علماء وقت نے نہ مانا۔ ماننا تو درکنار اُن کی کتابوں کا دیکھنا تک بند کرا دیا۔ مگر اُن کی زبانی ہفوات اور منہ کی پھونکوں سے کیا ہو سکتا تھا۔ وہ دنیا میں وقت پر آیا دنیا کے لوگوں سے سنت اللہ کے مطابق دکھ اُٹھایا اور اپنا کام کامیابی کے ساتھ پورا کر کے رفیق اعلیٰ سے جا ملا۔ خدا نے اُس کو ایک بڑی جماعت مرحمت فرما دی وہ اپنے کام کر رہی ہے۔ علماء اپنا زور سب خرچ کر چکے ہیں اب کونسی کسر باقی ہے کیا وہ اب حضرت عیسیٰ کو آسمان سے زندہ لا سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ حضرت مسیح کی وفات تو روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی۔ قبر کا پتہ دیدیا گیا۔ اور وہ قبر اب تک کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر میں موجود ہے۔ جس کو شک ہو محلہ خانیار میں جا کر دیکھ لے +

نظم متعلق وفات مسیح علیہ السلام

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال
دل میں اُٹھتا ہے مرے سو سو اُبال

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنت ہوا وہ محترم

مارتا ہے اس کو فرقاں سر بسر
اُس کے مر جانے کی دیتا ہے خبر

وہ نہیں باہر رہا اموات سے
ہو گیا ثابت یہ ساٹھ آیات سے

کوئی مردوں سے کبھی آیا نہیں
یہ تو فرقان نے بھی بتلایا نہیں

عہد شد از کردگارِ بیچگوں
غور کن در اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

اے عزیزو سوچ کر دیکھو ذرا
موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں
چل بسے سب انبیاء و راستاں

ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات
یونہی باتیں ہیں بنائیں واہیات

کیوں تمہیں انکار پر اصرار ہے
ہے یہ دیں یا سیرتِ کفار ہے

برخلافِ نص یہ کیسا جوش ہے
سوچ کر دیکھو اگر کچھ ہوش ہے

کیوں بنایا ابن مریم کو خدا — سنت اللہ سے وہ کیوں باہر رہا
کیوں بنایا اُس کو باشانِ کبیر — غیب دان و خالق و حیُّ و قدیر
مر گئے سب پر وہ مرنے سے بچا — اب تلک آئی نہیں اُس پر فنا
ہے وہی اکثر پرندوں کا خدا — اس خدا دانی پہ تیرے مرحبا
مولوی صاحب یہی توحید ہے — سچ کہو کس دیو کی تقلید ہے
کیا یہی توحیدِ حق کا راز تھا — جس پہ برسوں سے تمہیں اک ناز تھا
کیا بشر میں ہے خدائی کا نشاں — الاماں ایسے گماں سے الاماں
ہے تعجب آپ کے اس جوش پر — فہم پر اور عقل پر اور ہوش پر
کیوں نظر آتا نہیں راہِ صواب — پڑ گئے کیسے یہ آنکھوں پر حجاب
کیا یہی تعلیمِ فرقاں ہے بھلا — کچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خدا
مومنوں پر کفر کا کرنا گماں — ہے یہ کیا ایمان داروں کا نشاں
ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین — دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں — خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے — جان و دل اس راہ پر قربان ہے
دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا — ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب — کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب
سخت شورے اُفتاد اندر زمیں — رحم کن بر خلق اے جاں آفریں
کچھ نمونہ اپنی قدرت کا دکھا — تجھ کو سب قدرت ہے اے ربّ الوریٰ

بفضلِ خدا حصہ اول کتاب عسلِ مصفّٰی
ختم ہوا والحمد للہ علیٰ ذٰلک
عاجز مرزا ابو العطا

فہرست قیمت ادویات جو بارہا تجربہ میں آچکی ہیں اور بہت مفید اور سریع الاثر ہیں

۱۔ حب افضل۔ یہ گولیاں بڑی مقوی ہیں۔ دماغ۔ قوت باہ اور تمام اعضاء رئیسہ کو طاقت دیتی ہیں۔ دودھ کو ہضم کراتی ہیں اور بھوک بہت لگاتی ہیں } ۳۲ گولیاں عہ

۲۔ دوائی جریان۔ یہ دوائی جریان منی مردان و سیلان رحم نسوان۔ سرعت انزال۔ احتلام کیلئے بینظیر ہے۔ ۲۱ خوراک عہ

۳۔ تریاق آتشک۔ آتشک خواہ تر ہو یا مادہ۔ جدید ہو یا کہنہ۔ موروثی ہو یا غیر موروثی اسکے استعمال سے بہت جلد شفاء کلی حاصل ہوتی ہے } ۲۱ خوراک للعہ

۴۔ تریاق سوزاک۔ سوزاک کیسا ہی کہنہ ہو یا نیا بفضل خدا اسکے استعمال سے بہت قلیل مدت میں آرام آجاتا ہی۔ ۳ ہفتہ کے لئے عہ

۵۔ حبوب ضیق النفس۔ یہ گولیاں بارہا بوڑھے بیماروں پر بھی استعمال ہوئی ہیں۔ بڑے خطرناک ضیق النفس کو بھی انکے استعمال سے شفاء کلی حاصل ہو گئی ہے } ۴۰ گولیاں عہ

۶۔ حبوب مفاصل۔ نیا اور پرانا وجع مفاصل انکے استعمال سے جلد دور ہوتا ہے۔ قیمت ۴۰ حب . . . عہ

۷۔ حبوب نزلہ و زکام۔ ہر قسم نزلہ و زکام دور ہوتا ہے دماغ کو تقویت ملتی ہے۔ معدہ قوی ہوتا ہے۔ ۵۰ حب . . عہ

۸۔ حبوب سنگرہنی۔ ہر قسم کے دستوں کو روکتی اور قوام کو اصلاح پر لاتی ہے۔ قیمت ۶۰ حب . . . . عہ

۹۔ تریاق ہیضہ۔ ہر قسم کے ہیضہ کو دور کرتی اور معدہ کو تقویت دیتی ہے کیسا ہی مایوس العلاج ہو مفید پڑتی ہے قیمت ۳۲ حب عہ

۱۰۔ تریاق طاعون۔ سیکڑوں مریضان طاعون پر تجربہ کیگئی نہایت مؤثر ثابت ہوئی اور کئی ایک حکیموں نے بھی اسکو بیحد مفید پایا۔ اور حفظ ما تقدم کے لئے بھی نہایت ہی عجیب ثابت ہوئی ہے } ۳۲ گولیاں عہ

۱۱۔ تریاق اٹھرا۔ جن عورتوں کے بچے چھوٹی عمر میں مرجاتے ہیں یا اسقاط حمل ہوتا ہے یا جنکے اولاد ہی نہیں ہوتی انکو بیحد مفید ہے بحساب فی . . گولی عہ

۱۲۔ حبوب بواسیر۔ بواسیر خونی ہو یا بادی سب کو مفید پڑتی ہیں۔ قیمت ۱۰۰ گولی . . . . عہ

۱۳۔ سرمۂ سیاہ۔ نہایت ہی مفید۔ ہر عمر کے لئے مناسب حال۔ دھند۔ جالا۔ ضعف بصر۔ سبل۔ اکثر امراض چشم کو مفید۔ فی تولہ عہ

۱۴۔ سرمۂ سیاہ مروارید ی جسمیں ممیرا بھی ہوتا ہے نہایت مفید۔ ہر امراض چشم کے لئے۔ فی تولہ . . . . عہ

۱۵۔ سرمۂ زرد۔ ہر مرض چشم کے لئے خواہ کیسا ہی کہنہ ہو نہایت سریع الاثر اور کثیر المنافع ہے۔ قیمت فی تولہ . . عہ

۱۶۔ تریاق سوء القنیہ۔ جگر اور معدہ کی تمام امراض کے لئے ازبس مفید ہے۔ قیمت فی تولہ . . . . عہ

۱۷۔ حبوب استسقاء۔ یہ گولیاں بھی استسقا کے لئے بے حد مفید ہیں۔ قیمت ۳۲ گولیاں . . . . عہ

۱۸۔ دوائی بخار ہر قسم جس کے استعمال سے بخار دور ہو جاتا ہے۔ فی چھٹانک . . . . عہ

۱۹۔ دوائی استحاضہ۔ نہایت سریع الاثر ایک تولہ . . . . عہ

۲۰۔ تریاق تپ دق و سل۔ نہایت ہی مؤثر دوائی ہے۔ قیمت ۳ ہفتہ . . . . للعہ

۲۱۔ دوائی خنازیر۔ کھانے اور لگانے کی۔ چند روز میں خنازیر بالکل اچھی ہو جاتی ہے۔ قیمت ۳ ماشہ عہ

۲۲۔ دوائی مدر حیض۔ سات خوراک . . . . عہ

انکے علاوہ ہر مرض کی دوائی ارسال کی جاسکتی ہے +

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔